PDF-XChange Editor
Click to BUY NOW!
www.tracker-software.com

صلی اللہ علیہ وسلم
رسول نمبر
نقوش
۶

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲
ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسول نمبر

جلد ششم

شمارہ نمبر ۱۳۰
دسمبر ۱۹۸۳ء

مدیر: محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

ترتیب

فنِ حدیث

اقوالِ رسولؐ

اعتقادات

عبادات

کتابُ الجہاد

کتابُ التفسیر

PDF-XChange Editor
Click to BUY NOW!
www.tracker-software.com

معاملات

اخلاقیات

نظامات

سیرت و مناقب

○

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارۂ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا۔

طلوع

وہ تین تھے، چار تھے، پانچ تھے، چھ تھے کہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کتا۔ یہ کوئی نہیں جانتا سوائے خدا کے!

وہ زمانہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر غار میں جا کر چھپ گئے۔ پھر انھیں نیند آگئی جب وہ جاگے تو صدیاں بیت چکی تھیں۔

قرآن میں اُن کا ذکر یوں آیا ہے:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ (الكهف)

(کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے؟ (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب اُن نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ پھر بولے اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت (وفضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں درستی کا سامان کر دے۔ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔ پھر ہم نے انھیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ (ان) دونوں گروہوں میں سے کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے)

میں بھی جب غار میں جا کر چھپ جاؤں گا اور صدیاں بیت جائیں گی۔ جاگوں گا تو بیشک میرے بال سفید ہو چکے ہوں گے، مگر میرے پیش کردہ وہ سچے الفاظ، جو میرے رسولؐ کی زبان سے نکلے ہوں گے جُوں کے تُوں ہوں گے۔

سچے الفاظ کبھی بُوڑھے نہیں ہوتے!

محمد طفیل

اِس شمارے میں

بچپن کی بات کہ جب میرے دینیات کے اُستاد نے کہا ؛ "ہمارے رسولؐ دنیا کی ایسی ہستی تھے کہ اُن میں ہر خوبی موجود تھی"
یہ بات ذہن میں جم کر رہ گئی تھی، بارہا خود سے سوال کرتا رہا "میرے رسولؐ کیسی باتیں کرتے تھے؟ کیا باتیں کرتے تھے؟
کیا سوچتے تھے؟ کیسا برتاؤ کرتے تھے؟"

بچپن کی اس بات نے، میرا پیچھا زندگی بھر نہ چھوڑا، تحت الشعور کی بات رسولؐ نمبر میں جھلک پڑی۔ میں نے طے کیا کہ رسولِ اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ ادا ہُوا اس کا غالب حصہ ان نمبروں میں یکجا کردُوں !

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جلد دوم میں حضورؐ کے خطوط کو جمع کیا گیا۔ اِس جلد میں حضورؐ کے اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ وُہ شخص جو اُمّی تھا ان کے اقوال میں کیا کیا حکمتیں ہیں، کیا کیا معرفت کے خزینے ہیں۔ دنیا کا کوئی بقراط، کوئی سقراط ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا کچھ وہی دے سکتا تھا جس کا براہِ راست تعلق خدا سے ہو۔ ساری انسانی معجز بیانیاں فرموداتِ رسولؐ کے سامنے ہیچ ہیں۔

رسول اللہؐ نے جو کچھ کہا اُس کا کچھ حصہ آپ کو اس جلد میں ملے گا۔ جو کچھ کیا وہ باقی جلدوں میں، یہ دُنیا کی اکیلی ہستی ہیں کہ جو کہا وہی کیا ، جو کیا وہی کچھ کہا۔

احادیث کے سلسلے میں علماً میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پیمانہ ایک ہے کہ جو حدیث قرآن کے مزاج کے خلاف ہو اُسے قبول نہ کیا جائے۔ ایسی حدیث منسوب ہوگی، حقیقی نہ ہوگی ، اس لیے کہ رسولؐ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر تھی۔

اقوال کو درج کرنے سے پہلے ہم نے علمِ حدیث اور تدوینِ حدیث پر فنّی نوعیت کے مضامین پیش کیے ہیں تاکہ احتیاط کی تمام نزاکتوں کو پیشِ نظر رکھا جا سکے۔ ایسا اہتمام احادیث کی اور کسی کتاب میں یکجا نہ ملے گا۔

محمد نقوش

مقالات
(فنِ حدیث)

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

اور رسُول جو کچھ تمھیں دیں اُسے لے لو، اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔
(الحشر: ۷)

عِلمِ حدیث

...سنة ستين ومائة (ج ۷ ق ۲ - ص ۳۶) ہوئے۔

ہندوستان میں ایک تابعی

ہندوستان میں ایک تابعی کا نام حباب بن فضالہ ملتا ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ کے دیدار سے آنکھیں روشن کی تھیں، ہندوستان آنے والی فوج میں اُن کا نام لکھا گیا تھا، انہوں نے حضرت انسؓ سے جاکر فتویٰ پوچھا تھا کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جاسکتا ہوں یا نہیں، انہوں نے واپس جانے کا مشورہ دیا معلوم نہیں واپس گئے یا ہندوستان آئے۔[1]

ہندوستان کے ایک تاجر تبع تابعی

اسرائیل بن موسیٰ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ یہ ہندوستان بکثرت آتے جاتے رہتے تھے، اسی لیے نزیلِ ہند اُن کا لقب ہی ہو گیا تھا، ابنِ حبان نے ثقات میں لکھا ہے كان يسافر الى الهند، یہ ہندوستان کا (تجارتی) سفر کیا کرتے تھے۔[2]

دو نَو مسلم سندھی محدّث

ان لوگوں میں جو دوسری صدی ہجری میں حدیث وسیر کے امام تھے، ابومعشر نجیح سندھی بھی ہیں، یہ مدینہ جاکر رہے، اس لیے مدنی کہلانے لگے، یہ اپنے وقت میں فنِ مغازی وسیر کے امام تھے، بلکہ ان کا نام اس مختصر فہرست میں داخل ہے، جو مغازی وسیر کے واقعات کو سب سے پہلے قیدِ تحریر میں لائے۔[3] سنہ ۱۷۰ھ میں وفات پائی، مرتے دم تک زبان میں سندھیت کا اثر باقی تھا، عربی حروف کے مخارج ٹھیک نہیں ادا کر سکتے تھے، تاہم شاگردوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا، جب انھوں نے وفات پائی تو خود خلیفہ ہارون رشید نو مسلم ہندی محدث کی نمازِ جنازہ کا امام تھا۔

دوسرے بزرگ رجاء السندھی ہیں، جو ایران پہونچ کر اسفرائنی کہلائے، فنِ حدیث میں یہ کمال پیدا کیا کہ مشہور محدث حاکم اُن کے حال میں لکھتے ہیں، ركن من اركان الحديث[4] (یہ حدیث کے ارکان میں سے ایک رکن ہیں) وہ نہ صرف خود محدث تھے بلکہ اُن کے خاندان میں اور بہت سے حفاظِ حدیث پیدا ہوئے۔

سنہ ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

درۂ خیبر کے راستہ سے پہلا محدث

درۂ خیبر کے راستہ سے یہاں مسلمان پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں داخل ہوئے، سلطان محمود غزنوی نے سنہ ۴۱۲ھ میں لاہور فتح کیا۔

سلطان مسعود کے عہد میں ایک بزرگ شیخ اسماعیل لاہوری سے ہندوستان وارد ہوئے، حدیث وتفسیر کے جامع البحرین اور بڑے موثر البیان تھے، بے شمار آدمی یہاں اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

سنہ ۴۴۸ھ میں لاہور میں وفات پائی[5] تاریخ علمائے ہند میں ہے۔

---

[1] میزان الاعتدال ذہبی - ج ۱ ص ۲۰۸ [2] تہذیب التہذیب ابن حجر جلد اوّل ص ۲۶۱

[3] تاریخ علمائے ہند ص ۲۳، د ص ۱۷۹ نولکشور [4] تہذیب التہذیب ج ۳ - ص ۲۶۷

[5] فہرست ابنِ ندیم ص ۱۳۶۔

"از عظمائے محدثین و مفسرین بود و اوّل کسے است کہ علم حدیث و تفسیر بہ لاہور آورد"

دوسرا محدّث صغانی

شیخ موصوف کے بعد یہاں ڈیڑھ سو برس تک اندھیرا گھپ چھایا رہتا ہے۔ بالآخر ساتویں صدی کے شروع میں مشارق الانوار کے مصنف صغانی نے یہاں علم حدیث کی روشنی پھیلائی، مگر یہ روشنی گھر میں کم اور گھر سے باہر زیادہ پھیلی۔

ان کا نام حسن بن محمد صاغانی ہے، گو اُن کا خاندان ماوراء النہر اور پھر غزنین سے تعلق رکھتا تھا، مگر ان کے پدر بزرگوار نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہ ۵۷۷ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر یمن و حجاز و عراق میں جا کر علم کی تکمیل کی اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے اور بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے نام سے مشارق الانوار نام حدیث کی کتاب تصنیف کی۔ اور بھی اس فن کی دوسری کتابیں لکھیں۔ ۶۱۵ھ میں بغداد گئے، اور خلیفۂ بغداد اور سلطان غزنین و ہند کے درمیان سفارت کا فرض انجام دیا، ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

"مشارق الانوار" مشکوٰۃ کی طرح حدیث کی مختلف کتابوں کا مجموعہ ہے، فرق یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے، اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے، یعنی مثلاً مَن سے شروع ہونے والی، اذا سے شروع ہونے والی صیغۂ ماضی سے شروع ہونے والی حدیثیں وغیرہ، علمائے محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی اور بے شمار لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور خود یہ کتاب مدارس کے نصاب میں داخل ہو گئی۔

الغرض امام صغانی غزنوی لاہوری تنہا محدث ہیں اور مشارق الانوار اس دیار کی تنہا خدمت حدیث ہے، جو اس عرصۂ دراز میں انجام کو پہنچی، لیکن چونکہ امام ممدوح کا تعلق زیادہ تر ملک عرب و عراق سے رہا، اس لیے اُن کا اثر اس ملک کے علماء پر بہت کم پڑا، اور اگر پڑا بھی تو صرف اسی قدر کہ ان کو اپنے نصاب تعلیم کے لیے حدیث میں ایک اپنے ہم وطن کی کتاب مل گئی، اور وہ بدستور اپنے علم دانش مندی علم دانائی میں مصروف رہے، منطق و فلسفہ اور علم کلام کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور وہ بھی عقلی طریق سے یہی سبب ہے کہ اصولِ فقہ جیسا ضروری علم بھی معقولات اور کلامیات کا ایک ضمیمہ ہو کر رہ گیا[1]

علمِ دانائی اور دانشمندی اور حدیث سے بے توجہی

واقعہ یہ ہے کہ درّۂ خیبر سے جو مسلمان قومیں وارد ہوئیں۔ وہ ترکستان، خراسان اور افغانستان سے آئی تھیں، گو کہ ترکستان، خراسان تیسری صدی میں علم حدیث کا گہوارہ تھے، اور امام بخاری، امام مسلم نیشاپوری، امام ترمذی، امام نسائی، ابو داؤد سجستانی، ابن ماجہ قزوینی انہی اطراف و دیار کی سرزمین کی خاک سے پیدا ہوئے تھے، مگر عباسی سلطنت کی کمزوری کے بعد جب ان ممالک میں خود مختار غیر عربی حکومتیں قائم ہوئیں، تو یہ ذوق گھٹتا گیا، اور آخر تاتاریوں کے سیلاب بلا کے بعد تو ہر جگہ سناٹا چھا گیا، مذہبی علوم کی ضرورت تو صرف اس لیے پیش آتی تھی کہ عہدۂ قضا کے ممتاز منصب کو حاصل کیا جائے اور اس کے لئے صرف فقہ دانی کی ضرورت تھی، فقہ کو فارسی میں دانش کہہ سکتے ہیں اس لئے علم فقہ کا نام علم دانائی اور فقیہ کا دانا اور دانشمند قرار پایا چنانچہ اس عہد سے لے کر آج تک ان اطراف میں

---

[1] امام صغانی کے حالات طبقات و تراجم کی تمام کتابوں میں ہیں۔

حدیث و تفسیر کا نہیں، بلکہ علم دانائی کا رواج ہے، چنانچہ آج بھی ترکستان و خراسان و سرحد سے جو طلبہ علم دین کی طلب کے لیے ہندوستان آتے ہیں، وہ صرف و نحو کے بعد صرف فقہ کے بھوکے ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ ان ممالک میں فقہ اور فتاویٰ کی بیشمار کتابیں لکھی گئیں، اور حدیث کی طرف اعتنا اور التفات نہ ہوا۔

بہر حال ہندوستان میں درۂ خیبر کے راستہ سے جو علما وارد ہوئے، وہ اپنے ساتھ جو علم دین یہاں لائے وہ صرف فقہ و دانائی کی کتابوں کا پشتارہ تھا کہ اس پر حکومت کے نظام کا مدار اور وہ ملک کا قانون اور سلاطین کے تقرب کا ذریعہ تھا، چنانچہ شروع عہد سے اخیر تیموری عہد تک ہندوستان میں فتاویٰ اور قانون کے مختلف مجموعے تیار ہوئے اور جن میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت فتاویٰ عالمگیری کو حاصل ہوئی۔

عہد تیموری سے پہلے تک یہاں حدیث کا رواج مطلق نہ تھا، چنانچہ تغلق کے عہد تک حدیث میں صرف مشارق الانوار طلبہ کے زیر درس تھی اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی، وہ امام الحدیث سمجھا جاتا تھا، حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اسی مشارق کا درس مولانا کمال الدین زاہدؒ دہلوی سے لیا تھا، اور انہوں نے مولانا برہان الدین بلخیؒ سے لیا[1] اور انہوں نے خود مصنف سے۔

اس عہد میں اس ملک میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے علما کی ایک مجلس منعقد ہوئی، مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیا تھے، اور دوسری طرف تمام علما تھے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا، تو علما بڑی جرات اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے، اور کبھی یہ کہتے تھے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے، اس لئے ہم اس کو نہیں مان سکتے۔

لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس عظیم الشان مناظرہ میں کون سی حدیث صحیح پیش ہوئی تھی، تاکہ اس عہد کی حدیث دانی کا صحیح اندازہ ہو سکے، مورخ فرشتہ شیخ کے حال میں لکھتا ہے۔

> "قاضی رکن الدین .... بشیخ کردہ گفت اے درویش از در بابت سرود و سماع چہ حجت داری، شیخ بحدیث نبوی "السماع مباح لاھله متمسك" گشت قاضی گفت ترا بہ حدیث چہ کار تو مرد مقلدی روایتے از ابو حنیفہ بیار تا بعرض قبول افتد، شیخ گفت سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم، و تو از من روایت ابو حنیفہ می خواہی، شاید کہ ترا عزت حکومت برین می دارد، زود ازین عہدہ معزول می شوی ...... پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید، متفکر شدہ، ہیچ نگفت"[2]

---

[1] تاریخ علمائے ہند نولکشور ص ۱۷۳

[2] اس فقرہ کو حدیث کہنا شاید فرشتہ کی غلطی ہو، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے۔

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں مولانا شمس الدین ترک ایک محدث مصر سے ملتان اس غرض سے آئے تھے کہ ہندوستان میں علم حدیث کو رواج دیں، حدیث اور متعلقات حدیث کی چار سو کتابیں ساتھ لائے تھے، اور حدیث کی ایک شرح لکھ کر بادشاہ کے نام پیش کرنا چاہتے تھے، مگر جب ملتان تک پہونچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نماز کا پابند نہیں، اور جمعہ میں نہیں آتا، اُن کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہیں سے واپس چلے گئے، اور بادشاہ کو ایک رسالہ لکھ کر بھیجا، جس میں لکھا تھا۔

"من از مصر خدمت بادشاہ شہر دہلی کردہ بودم و تا ز برائے خدا تعالیٰ و مصطفیٰ را مذہب علم حدیث در دہلی ثابت کنم و مسلمانان را از عمل کردن روایت دانشمندان بے دیانت بہ رہانم۔"[1]

غرض عام طور سے دہلی کے مرکز سے سلطنت کا جتنا حصہ متعلق رہا، وہاں نویں صدی ہجری کے بیچ تک علم حدیث سے عموماً بے خبری رہی، اس کی وجہ درحقیقت خدانخواستہ مسلمانوں کی اس سے بے اعتنائی نہ تھی، بلکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مصر و عرب اور حج کے سفر کے لیے ان دنوں خشکی کا راستہ مستعمل تھا، اور لوگ یہاں سے افغانستان، ترکستان و ایران و عراق ہو کر حدود عرب میں داخل ہوتے تھے، یہ راستہ اس قدر دور دراز اور پرخطر تھا، کہ مشکل ہی آمد و رفت ممکن تھی، شاہانِ دہلی نے اس وقت تک سمندر کے سواحل تک دخل نہیں پایا تھا، اس لئے دہلی کا مرکز علم حدیث کے سرچشمہ سے بے تعلق تھا۔

بہمنیہ اور علم حدیث

بہمنیوں نے سب سے پہلے دکن میں اپنی حکومت قائم کی، اور سواحل تک ان کا کہیں کہیں گذر ہو گیا، تو اس فیض کی کچھ چنگاریاں نظر آنے لگیں، بہمنیوں میں سلطان محمود بہمن، علم کا بڑا قدرداں گذرا ہے، سلاطین ہند میں سب سے پہلے اُس نے علم حدیث کی اشاعت کی طرف توجہ کی ۷۸۰ھ سے ۷۹۹ھ تک اس کا زمانہ ہے، فرشتہ سلطان کے حال میں لکھتا ہے:

"وجہت محدثان اخبار حضرت نبوی صلعم در شہر ہائے کلاں وظائف مقرر کردہ و در تنظیم ایشاں می کوشید۔"

سلاطینِ گجرات اور علم حدیث

مگر درحقیقت عرب اور ہندوستان کو ایک کرنے کی سعادت سلاطین گجرات کی قسمت میں تھی۔ مسلمان اس پر پہلی صدی سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک کئی ناکام حملے کر چکے تھے، آخر علاء الدین خلجی نے ان تمام ناکامیوں کو اپنی کامیابی سے بدل دیا۔ اور اسی کے ساتھ محمد شاہ تغلق کے عہد میں دوسرا ہی گورنر ظفر خاں جب وہاں پہونچا تو اس نے مرکز کی کمزوری کو دیکھ کر گجرات کی خود مختاری کا منصوبہ کر لیا، اور آخر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں ظفر خاں نے مظفر شاہ کا خطاب اختیار کر کے گجرات کی مستقل حکومت ۸۱۰ھ میں قائم کی، اور ۸۱۳ھ میں وفات پا کر اپنے سعادت مند بیٹے احمد شاہ اوّل کے لئے جگہ خالی کر دی، یہی وہ خوش نصیب سلطان ہے، جس نے گجرات کو عرب اور ہندوستان کے بیچ میں سلسلۃ الذہب بنا دیا، اور اس طرح بحر عرب کے دونوں کنارے مل گئے اور بحری راستہ کی آمد و رفت سنے سالوں کا راستہ ہفتوں میں طے کر دیا، اور انتظام اور پابندی کے ساتھ جہازات آنے جانے لگے، حاجیوں کے قافلے سال بسال سلاطین بیجاپور و گجرات کی نگرانی میں سمندر کے راستہ سے جانے لگے اور اسی راستہ سے علم کے مشتاق عرب کے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی برنی صــ ۲۹۷،

دیار ... کی رُخ کرنے لگے، اور اس طرح علم حدیث کا تخم عرب سے ہندوستان کو منتقل ہونے لگا اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں زمین اور آب و ہوا کی موافقت سے اُس نے برگ و بار پیدا کرنا شروع کیا۔ بالآخر اکبر نے دو اسلامی حکومتوں کا فصل بھی بیچ سے نکال دیا اور گجرات فتح کر کے دہلی کو سورت اور کھنبایت کے راستہ سے سیدھے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ملا دیا۔

الغرض سفر کی آسانی اور آمد و رفت کی کثرت نے علمائے ہند کو حجازی علوم سے آشنا ہونے کا موقع بہم پہونچایا، اس وقت دہلی اور سمندر کے بیچ میں گجرات، بیجاپور اور مالوہ (منڈو) تین اسلامی ریاستیں حائل تھیں، اس کے یہ دولی پڑتی تھی۔ چنانچہ بحرِ عرب کے اس کنارے کی علمی موجیں بھی اسی ترتیب سے بحرِ ہند کے اس جانب سے سواحل تک بہ ترتیب آتی تھیں۔

ایران میں صفویوں کے تعصب کا اثر

خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ایک قومی و مذہبی سانحہ نے کم از کم ہندوستان کے لیے خیر و سعادت کا سامان پیدا کر دیا، اس زمانہ میں ایران میں صفویوں نے عروج حاصل کر کے شیعیت کو اپنا سرکاری مذہب قرار دیا، اور قزلباشوں کے تعصب سے ایران کے سبزہ زار کو علمائے سنت کے لیے گرم تنور بنا دیا، اس لئے اُن کے بڑے بڑے علما نے ملک کو خیر باد کہہ کر عرب اور ہندوستان کی راہ لی۔

سب سے پہلے بزرگ جو باہر سے اس تبرک کو سینہ سے لگا کر ہندوستان وارد ہوئے، وہ مولانا نورالدین احمد شیرازی تھے، یہ غالباً وہ زمانہ تھا، جب گجرات میں اسلام کی نئی نئی سلطنت قائم ہوئی تھی اور احمد شاہ اول (۸۱۳ھ ۸۲۴ھ) تخت نشین تھا، مولانا نورالدین میر سید شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

'صحیح بخاری کی سند اُن کی اتنی عالی تھی کہ وہ حجاز و یمن پہنچے تو بڑے بڑے محدثین نے اس کو شوق و ذوق اور فخر کے ساتھ حاصل کیا[1]

ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز

علم حدیث کے ہندوستان میں فروغ کا حقیقی زمانہ نویں صدی ہجری کا خاتمہ اور دسویں صدی کا آغاز ہے، یہ وہ عہد تھا، جب مصر و شام و حجاز امام الحدیث حافظ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) کے فضل و کمال کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور حافظ موصوف کے فیض و افادہ کی کرنیں دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں پڑ رہی تھیں، مدینہ منورہ میں آ کر اُن کے کمال نے نورٌ علیٰ نور کا مرتبہ حاصل کیا،

حافظ سخاوی کے تلامذہ

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سب سے پہلے گجرات نے اپنا طبعی حق پایا، یعنی بحرِ عرب کے اس پار کی شعاعیں سب سے پہلے یہیں آ کر پڑیں اور یہاں سے وہ آگرہ کی مسجدوں اور مدرسوں کے مناروں پر جا کر عکس انداز ہوئیں۔

حافظ سخاوی کے تلامذہ میں سب سے پہلے غالباً مولانا راجح بن داؤد گجراتی ہیں، ۸۹۴ھ میں وہ حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے، اور الفیہ حدیث کی سند حاصل کی، اس کے بعد وہ گجرات وارد ہوئے، لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۹۰۴ھ میں احمد آباد

---

[1] النور السافر بحوالہٗ یادِ ایام مولانا سید عبدالحئی مرحوم،

میں وفات پائی[1]

اس کے بعد مولانا وجیہ الدین محمد مالکی آئے، اُن کی بڑی قدر ہوئی، سلطان گجرات نے اُن کو ملک المحدثین کا خطاب دیا، وہ یہیں کے ہو رہے، ۹۲۹ھ میں وفات پائی[2]

انہی کے ہم عصر مولانا علاء الدین احمد نہروالی (گجرات) ہیں، عرب جا کر حافظ ابن فہد اور نور الدین شیرازی سے حدیث کی سند حاصل کی آخر عمر مکہ معظمہ میں گذار دی اور وہیں اپنا سلسلۂ درس جاری رکھا، ۹۴۹ھ میں وفات پائی[3] ان ہی قریب العہد حافظ سخاوی کے دوسرے شاگرد جمال الدین محمد بن عمر حضرمی، مظفر شاہ حلیم سلطان گجرات کے زمانہ میں آئے، سلطان نے خود زانوے ادب اُن کے سامنے تہ کیا اور اپنا استاد بنایا، احمد آباد گجرات میں ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔[4]

دہلی کے مرکز میں پہلا محدّث

وہ اصلی شخصیت جس کے پرتو سے اس سرزمین کے شمالی وجنوبی دونوں گوشوں کا منور ہونا مقدر تھا، وہ سید رفیع الدین صفوی شیرازی کی ذاتِ والا صفات تھی، یہ معقولات میں محقق دوانی کے شاگرد تھے۔ عرب پہنچے، اور حدیث کا فیض حافظ سخاوی سے حاصل کیا، اور شرفِ سعادت کا یہ سرمایہ لے کر وہ گجرات وارد ہوئے، یہ زمانہ دلی میں سلطان سکندر لودی کا تھا، اس قدر دانِ علم کے شہرہ نے سید موصوف کو بھی گجرات سے دلی کھینچا، سلطان نے حسنِ عقیدت کے ساتھ محدث موصوف کا خیر مقدم کیا، اور سلطان کی اجازت سے ممدوح نے آگرہ میں سکونت اختیار کی، اور درس و تدریس کا بازار گرم کیا۔ مشتاق دور دور سے آئے اور اپنی اپنی قسمت کے مطابق متاعِ خیر و برکت حاصل کرتے رہے۔[5]

غالباً خالص ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور نغموں سے اس کے محراب و در گونج اٹھے، سید موصوف نے ۹۵۴ھ میں وفات پائی گو انہوں نے بقول مولانا عبدالحق محدث دہلوی — (اخبار الاخیار) لائق اولاد نہیں پائی، تاہم بدایونی کی تصریح کے مطابق اپنی چند روحانی اولاد یادگار چھوڑی، جن میں قابلِ ذکر شیخ ابوالفتح تھانیسری ہیں، یہ غالباً سب سے پہلے ہندوستانی ہیں، جو محدث کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں:۔

"علمِ حدیث در ملازمت سید رفیع الدین محدث درست گردانیدہ" (ج ۳ ۔ ص ۱۲۹)

شیخ ابوالفتح نے پچاس برس تک آگرہ میں اپنے استاد ہی کے حلقہ میں بیٹھ کر علوم عقلی و نقلی کا درس دیا اور بیشمار اشخاص اُن کے دامنِ تربیت میں پل کر شہرۂ آفاق ہوئے، جن میں ایک خود ملا بدایونی، نیز مولانا کمال الدین حسین اور ملا علیلی (شیخ کے فرزند) نامور ہوئے[6] ملا علیلی اکبر کے زمانہ میں آگرہ کے مفتی ہوئے اور ملا بدایونی اکبر کے امام مقرر ہوئے، مولانا کمال الدین حسین دراصل شیرازی تھے، ان کے باپ مولانا حسن شیرازی صفویوں کی دار و گیر سے بھاگ کر شیراز سے مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہاں سے

---

[1] الضوء اللامع جلد ۳ ص ۲۲۲
[2] یادِ ایام ص ۳۴
[3] یادِ ایام ص ۳۴
[4] یاد ایام ص ۳۴
[5] اخبار الاخیار ص ۲۴۶
[6] بدایونی سوم ص ۱۲۹

سید رفیع الدین محدث کے قافلہ کے ساتھ سکندر لودی کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ مولانا کمال الدین حسین نے بادشاہی تعلق گوارا نہ کیا، اور زہد و عبادت کے سجادہ سے باہر قدم نہیں اٹھایا[1]۔ سید موصوف کے ایک اور شاگرد سید جلال تھے اور سید جلال[2] کے شاگرد میر سید محمد شیرازی تھے، جو اکبر کے عہد میں ہندوستان کے میر عدل تھے۔

پہلا شارح بخاری

سید ابو الفتح کے ایک دوسرے معاصر جو ہندوستان زاد تھے، سید عبدالاول حسینی تھے، اُن کے باپ جونپور کے قصبہ زید پور کے رہنے والے تھے، یہاں سے دکن چلے گئے تھے، وہیں یہ پیدا ہوئے، وہاں سے گجرات پہونچے، اور گجرات سے عرب گئے اور وہاں کے خزانہ سے علمِ حدیث کے زر و جواہر سینہ میں بھر کر لائے، یہ سب سے پہلے ہندوستانی عالم ہیں، جنھوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھنے کی عزت حاصل کی، فیض الباری کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی اور فیروزآبادی کی سفر السعادۃ کا خلاصہ کیا[3]۔

بخاری کا حافظ

مولانا عبدالمالک عباسی گجرات کے باشندے تھے، ایک واسطہ سے حافظ سخاوی کے شاگرد تھے، تقریباً ۹۷۰ھ میں وفات پائی، اُن کو صحیح بخاری پوری زبانی یاد تھی، اور اُس کے معانی و مطالب کے پورے حافظ تھے، اور اسی طرح زبانی یہ صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے[4]۔

حافظ ابنِ حجر کے تلامذہ

اب وہ زمانہ آیا، جب مادی و روحانی دونوں سلطنتوں میں انقلاب رونما ہوچکا تھا۔ ہندوستان کے افق پر اب مغل اعظم کے اقبال کا ستارہ چمک رہا تھا، اور عرب میں حافظ سخاوی کے بجائے جن کی وفات کو پچاس برس گذر چکے تھے اور جن کے تلامذۂ خاص بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اب حافظ ابنِ حجر مکی (صواعق محرقہ کے مصنف) کا شہرہ تھا جو زکریا انصاری بلقینی، سمہودی اور ابو الحسن بکری کے شاگرد تھے، ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

عہد اکبری

بادشاہ اکبر کے ابتدائی عہد میں جب بیرم خانخاناں امورِ سلطنت کا متکفل تھا اُس نے علوم و فنون کے دوسرے مشاہیر کے ساتھ حضرات محدثین کو بھی گجرات سے دلی، اور آگرہ آنے کی دعوت دی، ان میں سب سے پہلے گھر کی "دولت" یاد آئی، یعنی میر سید عبدالاول جونپوری کو باصرار تمام گجرات سے دلی بلوایا، ۹۶۵ھ میں یہیں وفات پائی[5]۔

میر کے تلامذہ میں ایک شیخ طیب محدث سندھی تھے، جنھوں نے گجرات کے قیام کے زمانہ میں شیخ سے حدیث پڑھی تھی اور تقریباً پچاس برس تک ایلچ پور اور برہان پور میں بیٹھ کر اس فنِ شریف کی خدمت کی[6]۔

اسی عہد میں شیخ عبدالمعطی مکی، جو شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری کے شاگرد تھے، یہاں آئے، اور ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔ شیخ الاسلام انصاری کے دوسرے شاگرد جو مصری تھے، شہاب الدین احمد عباسی وہ بھی گجرات آئے، اور ۹۹۲ھ میں وفات پائی ابو الحسن بکری اور ابنِ حجر کے تلامذہ شیخ محمد بن عبداللہ فاکہی المتوفی ۹۹۲ھ، سید عبداللہ عیدروس المتوفی ۹۹۰ھ، شیخ سعید شافعی حبشی المتوفی ۹۹۱ھ

---

[1] بدایونی سوم ص ۱۲۶۔ [2] "تاریخ علمائے ہند" ص ۸۳ نولکشور۔ [3] یادِ ایام مولانا سید عبدالحئی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء و تاریخ علمائے ہند ص ۲۲۸
[4] ایضاً۔ [5] اخبار الاخیار ص ۲۲۷ و ۲۳۶۔ [6] یادِ ایام ص ۳۴، ۳۵، ۳۶۔

جرات دار دہوئے ہے[1]

ابنِ حجر مکی کے ایک اور شاگرد شیخ یعقوب صرفی کشمیری ہیں، ۹۰۷ھ میں پیدا ہوئے، علوم عقلی کا درس مولانا جامی کے شاگرد مولانا محمد شاہ آنی سے لیا اور حدیث کی سند حافظ ابنِ حجر مکی سے حاصل کی، عین عالم شباب میں ۲۶ برس کی عمر میں ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی تفسیرِ قرآن مجید (نا تمام) کے علاوہ شرح صحیح بخاری اور مغازی النبوۃ دو کتابیں لکھیں، شیخ احمد مجدد الف ثانی نے حدیث کا فیض انہی سے پایا۔

اس زمانہ میں کشمیر ایک اور محدث کے وجود سے مفتخر ہوا، ملا محمد شگرف محدث کشمیری حرمین جاکر ابنِ حجر مکی کے شاگرد ہوئے اور واپس آکر اپنے وطن میں طلبہ کو درس دیا[2]

کشمیر کے ایک اور نامور محدث کا نام حاجی (شاید حاجی محمد) ہے اُن کے بزرگ ہمدان کے تھے اور سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے تھے، حاجی کی ایک فارسی تصنیف شرح شمائل ترمذی ہے، اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چند بار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور ابنِ حجر مکی اور میر جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب کے شاگرد مولانا صادق محدث کے تلمذ سے فیض یاب ہوئے، ۱۰۰۶ھ میں وفات پائی، ان کی شرح شمائل کا نسخہ پٹنہ کے کتب خانہ میں ہے[3]

محدث سرہندی اس عہد کے ایک نامور مولانا عبدالرحمٰن محدث سرہندی کا نام ملتا ہے، جن کے لیے سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے استاذ الحدیث تھے، اس سے زیادہ کچھ اور حال معلوم نہ ہوا[4]۔

ابوالحسن بکری کے تلامذہ اسی عہد میں ایک ذاتِ گرامی مکہ معظمہ میں درس وارشاد کی مسند پر جلوہ گر نظر آتی ہے اور جس کے فیوض کی بارش ہندوستان میں مسلسل معلوم ہوتی ہے، اُس کا نام نامی کتابوں میں ابوالحسن بکری مرقوم ملتا ہے، یہ مصر کے رہنے والے شافعی المذہب اور ابوبکر صدیق رض کی نسل میں تھے، مکہ معظمہ میں سکونت پذیر تھے[5]

حضرت ابوالحسن بکری اور علامہ ابنِ حجر ہیثمی مکی دونوں معاصر ہیں، اس لئے آیندہ سلسلہ تلمذ ان بزرگوں کے دوہرے تعلقات سے مضبوط و مستحکم نظر آتا ہے۔

ابھی تک ہندوستان میں علم نبوی کی روشنی چمک چمک کر بجھ بجھ جاتی تھی۔

شیخ علی متقی لیکن دسویں صدی کے بیچ میں یک بیک ہندوستان کی قسمت چمکتی ہے اور اُس کے اقبال کا ستارہ پورب کے اس شہر میں طلوع ہوتا ہے جس کو شاہجہان کی قدر دانی نے "شیراز ما ست" کا خطاب دیا تھا لیکن شاید اس لئے کہ اس کی نسبت کا فخر ملک کے صرف ایک ہی حصہ کو حاصل نہ ہو، بلکہ ہندوستان کے تینوں خطے پورب پچھم (پنجاب) اور دکن کو برابر حاصل رہے، ان کو تینوں خطوں سے برابر کی نسبت عطا کی گئی، ہندوستان کی یہ قسمت بیدار اور ستارہ درخشاں شیخ علی متقی کی ذات تھی، شیخ کا اصلی اور خاندانی وطن جونپور تھا۔

---

[1] تحفۃ الفضلاء معروف بتاریخ علمائے ہند ص ۲۵ و بدایونی جلد سوم [2] تاریخ علمائے ہند ص ۱۰۹ [3] فہرست حدیث فارسی کتب خانہ پٹنہ جلد نہم فارسی ص ۱۸ [4] تاریخ علما ہند ص ۱۰ ۔ [5] ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان۔

برہان پور دکن میں ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے، اور وہیں شیخ باجن برہان پوریؒ سے بچپن میں بیعت کی، جوانی میں ملتان جاکر شیخ حسام الدین متقی سے علم ظاہر و باطن کی تکمیل کی، ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ شیخ کے جسمانی باپ (والد) کا نام بھی حسام الدین تھا اور روحانی باپ (استاذ و مرشد) کا نام بھی حسام الدین ہی تھا، اور یہ متقی کا مشہور لقب بھی شاید انہی استاد و مرشد کی نسبت سے حاصل ہوا، یہاں سے جاذبۂ توفیق نے مرکز کی طرف کھینچا، گجرات ہو کر ۹۵۲ھ میں دیارِ عرب کی طرف تنگ اٹھایا، اس وقت عمر شریف ۶۷ سرسٹھ برس کی تھی، آج مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے اس علمی دلولہ و شوق سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ سرسٹھ ۶۷ برس کا بڈھا جوانوں کا شوق لے کر خشکی و تری کی مصیبتوں کو برداشت کرکے علم کی تکمیل کے لیے ملک عرب کا رُخ کرتا ہے۔

شیخ علی متقی نے عرب پہونچ کر حجاز کے مشہور و معروف اساتذہ اور شیوخ سے چند سال علم ظاہر و باطن کی تحصیل کی، ان شیوخ میں شیخ ابن حجر مکی، (صواعق محرقہ کے مصنف) شیخ ابوالحسن بکری اور محمد بن محمد سخاوی ہیں) محمد بن عبدالرحمٰن مشہور سخاوی نہیں، جو اس سے پچاس برس پہلے ۹۰۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پاچکے تھے) شیخ نے چند ہی سال میں اپنی فطری استعداد، روحانی ذوق اور ربانی توفیق سے یہ مرتبہ حاصل کرلیا کہ استاد و شاگرد اور شاگرد استاد کے مرتبہ میں آگئے، اور ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک حدیث شریف کی وہ دائرۃ المعارف ترتیب دی، جو کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے نام سے مشہور رہے اور ساتھ ہی ایک مختصر مجموعہ منتخب العمال کے نام سے بھی لکھا، یہ وہ کتابیں ہیں جنہوں نے امام زین اور حافظ سیوطی کے مجموعوں پر خطِ نسخ پھیر دیا۔

شیخ اس درمیان میں (۹۶۱ھ تک) دو دفعہ ہندوستان (گجرات) آئے، اور سلطان محمود گجراتی نے یہ قدر دانی کی کہ حقیقت میں اپنی سلطنت لاکر، آپ کے قدموں میں ڈال دی[1] اور آپ کے اور آپ کے مدرسہ اور طلبہ کے لئے وظائف کی بہت بڑی رقم مقرر کردی ۹۷۵ھ میں شیخ نے ۹۵ برس کے سن میں وفات پائی، لیکن اس حالت میں بھی کہ بدن میں جنبش کی قوت تک نہ تھی، علمی شوق و ذوق کی جو کیفیت تھی، ان کے فرزند معنوی اور شاگرد کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث کے الفاظ میں پڑھو۔

"واشتغال وے بہ تتبع سنن و احادیث نبوی صلعم چنان تا آخر حیات بود کہ دراں وقت بمقتضائے عادت بشری جنبیدن ممکن نہ باشد، شب و روز بہ تالیف کتب احادیث و تصحیح و مقابلہ آن مشغول بودے"[2]

شیخ کے آغوشِ تربیت میں ہندوستان کے متعدد باکمال پل کر جوان ہوئے، شیخ عبدالوہاب متقی منڈوی برہان پوری، شیخ محمد طاہر پٹنی (احمد آباد گجرات) شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ سندھی و شیخ برخوردار سندھی،

عبدالوہاب متقی

شیخ عبدالوہاب متقی منڈو (مالوہ) کے رہنے والے تھے، برہان پور میں پیدا ہوئے۔ بیس ۲۰ برس تک گجرات و دکن کی سیر کی اور یہاں کے علماء سے استفادہ کرکے عرب گئے، ۹۶۳ھ میں شیخ علی متقی کے حلقۂ صحبت میں داخل ہوئے، اور شیخ کی وفات (۹۷۵ھ) تک بارہ برس متصل جلوت و خلوت میں شیخ کے ہمراہ رہے۔ شیخ کی تصنیفات

---

[1] اس کا تفصیلی حال ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ص ۲۱۵ مطبوعہ لندن اور مرآۃ احمدی ج دوم ص ۶ میں پڑھو۔

[2] اخبار الاخیار ص ۲۴۲ طبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۷۸ھ

کا موقع تھا اور اُن کو صاف کرنا شاگرد کا کام تھا۔ آخر کامل صحبت نے اُن کو بھی کامل کر دیا، یہاں تک کہ اُن کی وفات کے بعد حرمین محترمین اور مصر و شام و یمن کے علمائے اُن کو شیخ کا جانشین تسلیم کیا اور شیخ عبد الوہاب، شیخ عبد الوہاب متقی ہو کر مشہور ہوئے۔
شیخ عبد الوہاب صرف ایک دفعہ ۹۷۰ھ میں ہندوستان آئے، اور پھر اسی سال واپس گئے، ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی تلامذہ اور مستفیدین کا انبوہ کثیر اپنے پیچھے چھوڑا، صحاح ستہ کا درس اُن کے حلقہ میں ہوتا تھا اور بعد ترتیب حدیث کی تدریس یا نادر کتابوں کی تصحیح و نقل و مقابلہ کے سوا کوئی کام نہ تھا۔[1]

محمد طاہر فتنی ملّا محمد بن طاہر پٹنی کے رہنے والے تھے، جو احمد آباد (گجرات) کے پاس اب تک آباد ہے اسی پٹن کو معرب کر کے فتن کہتے ہیں، جس کی نسبت سے وہ محمد بن طاہر فتنی کہلاتے ہیں، بوہرہ تھے، شیخ علی متقی کے ارشد تلامذہ میں تھے مکہ معظمہ جا کر فیض حاصل کیا اور استاد کی زندگی ہی میں دو کتابیں تصنیف کیں، مجمع البحار لغت حدیث میں اور مغنی اسماء الرجال میں، ان دونوں کتابوں میں اپنے استاد کا جس ولولۂ شوق اور غلبۂ محبت کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاگرد کے دل میں استاد کی کتنی قدر و منزلت تھی، مجمع البحار گو بظاہر حدیث کا لغت ہے مگر علمائے محدثین کے اعتراف کے مطابق وہ درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے، علاوہ ازیں تذکرۃ الموضوعات و قانون الموضوعات وغیرہ کتابیں اُن کی تالیف ہیں۔
ہندوستان واپس آ کر بوہرہ قوم کو اہلِ سنّت بنانے کے لیے یہ کوشش بلیغ کی کہ اسی راہ میں ۹۸۶ھ میں اجین کے قریب قصبہ سارنگ پور میں شہادت پائی۔ (مرآۃ احمدی ج ۲ ص ۷۷)

متقی کے تلامذہ شیخ عبد اللہ بن سعد الدین اور شیخ رحمت اللہ بن عبد اللہ یہ دونوں بزرگوار سندھ کے تھے۔ اُن کے والد مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے تھے، شیخ علی متقی کے شاگردانِ خاص اور خلفاء میں تھے، ۹۷۰ھ کے پس و پیش میں ہندوستان وارد ہوئے، اور احمد آباد گجرات میں قیام پذیر ہوئے اور مشتاقانِ حدیث کو اپنے درس و افادہ سے سیراب کیا، لیکن اخیر عمر میں دونوں بزرگ چند سال کے فصل سے اسی ضعف اور پیری کے عالم میں حجاز واپس گئے، اور وہیں وفات پائی[2] شیخ رحمت اللہ کے بھائی شیخ حمید سندھی تھے، جو تفسیر و حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خان اعظم کوکہ کے ساتھ عرب گئے اور وہاں مقتدائے اہلِ حدیث ہوئے۔[3]
شیخ برخوردار سندھی نے حجاز ہی میں اپنی مسندِ درس قائم کی، چنانچہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے اُن سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔[4]
شاہ محمد بن فضل اللہ کا آبائی وطن جونپور تھا، احمد آباد گجرات میں پیدا ہوئے، جوان ہو کر مکہ معظمہ چلے گئے اور تقریباً ۱۲ برس تک شیخ علی متقی کے حلقۂ درس میں داخل رہے، پھر ہندوستان واپس آ کر برہان پور میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کی محفل گرم کی، مسئلہ وحدت الوجود میں التحفۃ المرسلہ الی النبی ایسی اہم کتاب تصنیف کی کہ عرب و شام کے بڑے بڑے

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۲۴۳، و مابعد و مرآۃ احمدی ج ۲ ص ۷۵،
[2] اخبار الاخیار ص ۲۶۴، [3] ایضاً ص ۲۶۴، [4] اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن خان مرحوم ص ۳۹۸۔

علمائے شیخ عبدالغنی نابلسی اور شیخ ابراہیم کردی نے اُس کی شرحیں لکھیں، اتباع سنت میں ایسے کامل تھے، کہ "نائب رسول اللہ" کے لقب سے مشہور ہوئے، برہان پور میں مدرسہ قائم کیا، جس میں ہمیشہ فقہ و تفسیر و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔
۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔

اسی عہد کے چند اور بزرگوار ذکر کے لائق ہیں، ایک سید یسین گجراتی جنھوں نے ہندوستان کے بعد عرب جاکر اس فیض کو حاصل کیا، بدایونی دورِ اکبری کے علمائے کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"بشرف زیارت حج اسلام مشرف گشتہ و علم حدیث آں جا حاصل کردہ اجازت یافت و بازگشتہ بہند آمد"[۱]

سید ممدوح نے پنجاب کا خطہ پسند فرمایا، اور لاہور میں اپنے درس کی مسند بچھائی، اس کے بعد سرہند آکر درویش مجرد ہو گئے۔

شیخ بہلول دہلوی شیخ عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ جو گجرات آ گئے تھے، شیخ بہلول دہلوی نے گجرات جاکر ان کا دامن تھاما، اور حدیث کا درس لیا اور دلی واپس آ کر اس فنِ شریف کی تعلیم و تدریس میں عمر بسر کر دی،

ملا بدایونی لکھتے ہیں:۔

"علمِ حدیث را خوب ورزیدہ . . . . . با اہلِ دنیا کارے ندارد و بافادۂ و اضافۂ طلاب مشغول است"[۲]،

اس عہد کے دوسرے بزرگ حاجی ابراہیم محدث ہیں، عرب جاکر فیوض و برکات سے مالا مال واپس آئے اور آگرہ میں زہد و ورع کے ساتھ علم حدیث کا درس دیتے تھے۔

بدایونی میں ہے:

"در آگرہ بزہد و ورع درس علوم دینی خصوصاً علم حدیث قیام داشت"

اس فیض و برکت کا اثر یہ تھا، کہ وہ اکبر کے عہدِ حکومت میں دارالسلطنت میں بیٹھ کر امرِ معروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے کوئی شاہی منصب قبول نہیں کیا، دربار میں جب جاتے تھے، آدابِ شاہی کے مقررہ مراسم و سجدہ اور کورنش اور تکلفات سے آزاد رہتے تھے اور وعظ و پند فرماتے تھے[۳]

شیخ عبدالنبی گنگوہی شیخ عبدالنبی گنگوہی بھی اسی دور کے اہلِ کمال میں ہیں، یہ بزرگ دادا یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے، اکبر کے زمانہ میں پورے ہندوستان کے صدرالصدور (شیخ الاسلام) تھے، پہلے تصوفِ زمانہ کا رنگ غالب تھا، سماع و غنا سے ذوق تھا، پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کا کئی دفعہ اتفاق ہوا، اور وہاں علم حدیث کا درس حاصل کیا، لوٹ کر آئے، تو وہ کچھ اور ہی چیز ہو گئے، بدایونی میں ہے۔

"چند مرتبہ در مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ رفتہ علم حدیث را خواہند و بعد از اں کہ بازگشتہ آمد از روش

---

[۱] بدایونی ج ۳ ص ۱۱۲ ، [۲] ایضاً ص ۱۱۳ ،
[۳] بدایونی ج ۳ ص ۱۳۵ ۔

آبا و اجداد کرام و سماع و غنا را منکر بود و بہ روش محدثین سلوک می نمود، و بتقوی
طہارت و نزاہت و عبادت ظاہری اشتغال داشت[1]"

اکبر ان کا اس درجہ ادب کرتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے اُن کے سامنے اُن کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، دربار کے جاہ پرست فقہائے رشک و حسد نے شیخ کی مخالفت شروع کی اور نتیجہ یہ ہُوا کہ دربارِ شاہی سے پوری جماعت کا اثر جاتا رہا۔ اور اُن کی جگہ مُلّا مبارک ناگوری اور فیضی اور ابو الفضل نے لے لی۔

مُلا قاری اور اُن کے اُستاد اکبری دور کے ایک اور فاضل محدث مولانا میر کلاں محدث اکبر آبادی ہیں، اُن کا سلسلہ سند عرب کے بجائے عجم سے ہے، یہ میرک شاہ شیرازی کے شاگرد تھے، اور وہ اپنے باپ سید جمال الدین محدث مصنف روضۃ الاحباب کے شاگرد تھے، اور عرب جا کر اپنے فضل و کمال کی تکمیل کی تھی، اور جمال الدین کو اپنے چچا سید اصیل الدین شیرازی سے تلمذ تھا، یہ جہانگیر کے استاد مقرر ہوئے تھے، ۹۸۳ھ میں وفات پائی[2] بدایونی لکھتے ہیں۔

" در حدیث آیہ روزگار بود[3]"

مولانا میر کلاں کے شاگرد وہ فاضلِ یگانہ تھے، جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ مُلّا علی قاری گو رہنے والے ہرات کے تھے، مگر اس زمانہ میں ہرات تیموری ہی سلطنت کا ایک جزء تھا، اور اُن کا فضل و کمال بھی تمام تر اساتذۂ ہند کا ممنون احسان ہے اور اُن کی تصنیفات نے بھی یہیں زیادہ تر شہرت حاصل کی، اس لئے یہ محدثین ہند کی فہرست سے خارج نہیں ہو سکتے۔

ملا علی قاری کے والد کا نام سلطان محمد تھا، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، مشکوٰۃ مولانا میر کلاں سے پڑھی یہاں سے یہ مکہ معظمہ گئے اور ابو الحسن بکری، سید زکریا حسینی، ابن حجر مکی، ہیثمی، شیخ عبد اللہ سندھی، قطب الدین نہروالی (نہروالہ گجرات) لکی سے علوم حدیث کی تکمیل کی، ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شرح شفائے قاضی عیاض، شرح شمائل ترمذی شرح نخبۃ الفکر (اصول حدیث) شرح ثلاثیات بخاری، تخریج احادیث، شرح عقائد نسفی، نور القاری شرح صحیح بخاری، شرح صحیح مسلم، شرح حصن حصین، شرح اربعین نووی، شرح موطا امام محمد، سند الانام شرح مسند الامام (ابی حنیفہ) المصنوع فی معرفۃ الموضوع تذکرۃ الموضوعات وغیرہ بے شمار کتابیں اور رسالے یادگار چھوڑے۔

درس بخاری لاہور میں تاریخ میں پہلی دفعہ صحیح بخاری کے داخلِ درس ہونے کا ذکر اسی عہد میں ملتا ہے، مولانا محمد لاہور کے مفتی تھے اور وہ حدیث شریف کا لاہور میں درس دیتے تھے اور تقریباً نوّے برس کے سن تک اس بابرکت شغل میں وہ مصروف رہے، جب صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کا دورہ تمام ہوتا تو اس خوشی میں وہ بہت دھوم دھام سے لوگوں کی دعوت کرتے تھے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی: اکبر کے آخری عہد میں وہ بزرگ ہستی نمایاں ہوئی جس نے عہدِ جہانگیری میں اپنی جہانگیری کا

---

[1] بدایونی ج ۳ ص ۸۰ - [2] علمائے ہند ص ۲۳۰ و مآثر الکرام آزاد ص ۲۰۷ - [3] بدایونی ج ۳ ص ۱۵۱ -

سکہ بٹھا دیا، اور جس نے دہلی کے شاہی دارالسلطنت کو ہمیشہ کے لئے علوم دین کا دارالسلطنت بنا دیا، جس کی نسبت اہلِ علم کا اعتراف ہے۔
"اول کسے کہ تخم حدیث در ہند کشت او بود"

گو نئی تاریخ کی روشنی میں بزرگوں کا یہ پرانا مقولہ صحیح نہیں، تاہم معنوی حیثیت سے اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں، مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا اور دل پسند محققانہ تصنیفات کے ذریعے سے علمائے ظاہر و باطن دونوں کی محفلوں سے تحسین و آفرین کی داد وصول کی۔

شیخ عبدالحق دہلوی نسلاً ترک تھے، ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدائش ہوئی، اپنے والد ماجد سے علوم کی تحصیل کی، پھر مکہ معظمہ جا کر شیخ عبدالوہاب متقی کے حلقہ درس میں بیٹھے اور ان سے صحاح ستہ کا درس حاصل کیا اور ان کے مرید بھی ہوئے، شیخ کو اپنے استاد اور پیر سے جو عقیدت تھی، اس کا اندازہ اخبار الاخیار کے صفحات سے ہو سکتا ہے، شیخ نے ہندوستان آکر دہلی میں اقامت اختیار کی اور تقریباً سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے مشکوٰۃ کی مشہور عربی شرح لمعات اور فارسی شرح اشعۃ اللمعات ہے، نیز سیرۃ نبویؐ میں مدارج النبوۃ تصنیف کی اور فیروز آبادی کی فارسی سفر السعادۃ کی فارسی شرح ایسی لکھی، جو حافظ ابن القیم کی زاد المعاد کے لگ بھگ ہے، ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

جوہر ناتھ کشمیری شیخ کے معاصر کشمیر کے ایک نومسلم ہندو محدث جوہر ناتھ کاشمیری ہیں، سلطان قطب الدین کے مدرسہ میں علوم عقلیہ کی تکمیل کے بعد عرب کی طرف رُخ کیا، اور وہاں پہنچ کر ابن حجر مکی اور ملا علی قاری ہروی سے حدیث کی سند حاصل کی، دو سالہ بنتے تھے، اور علوم دینیہ کا درس دیتے تھے کئی نامور شاگرد پیدا ہوئے، ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی[1]

شیخ محمد قاسم شیخ محمد قاسم سندھی، سندھ کے رہنے والے تھے، عرب جا کر اس فن میں ایسا کمال پیدا کیا کہ رئیس المحدثین کہلائے، وہیں انتقال کیا، ان کی اولاد برہان پور میں آباد ہوئی، اُن کے بیٹے شاہ محمد عیسیٰ جند اللہ اور اُن کے بیٹے بابا فتح محمد برہان پوری، تین نسل تک علوم دینیہ اور علم حدیث کے وارث رہے[2]

شیخ عبدالحق دہلوی کا سلسلہ عالمگیر کے زمانہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لائق فرزندوں اور شاگردوں کا ایک بابرکت سلسلہ پیدا ہوا، جس نے اس فیض کو جاری کیا۔ شیخ کے فرزند مولانا نورالحق محدث دہلوی نے باپ کی علمی وراثت حاصل کی، باپ ہی سے حدیث کا درس حاصل کیا اور تمام عمر اس فیض کو عام کرنے میں صرف کی، حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی، صحیح بخاری کی فارسی میں تیسیر القاری کے نام سے کئی جلدوں میں شرح لکھی، جو ۱۳۰۲ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں ایک والیٔ ٹونک کے شوق سے چھپ چکی ہے۔ انہوں نے امام مالک کی موطا کی بھی شرح لکھی ہے جو پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں میری نظر سے گزر چکی ہے، صحیح مسلم کی بھی شرح بنام منبع العلم لکھنی شروع کی تھی، مگر ناتمام رہی، شاہجہاں کے زمانہ میں آگرہ کے قاضی

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۸ و اسرار الابرار۔

[2] ایضاً ص ۱۶۰ و اسرار الابرار ملا داؤد مشکواتی قلمی۔

گئے، ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی،

شیخ نور الحق دہلوی کے ایک صاحبزادے حافظ فخر الدین ہیں یہ بھی اپنے باپ کی متروکہ علمی دولت کے وارث ہوئے، انہوں نے فارسی میں اپنے والد کی ناتمام شرح صحیح مسلم موسوم بہ منبع العلم کی تکمیل کی، یہ شرح کتب خانہ پٹنہ میں موجود ہے، نیز حصن حصین کی بھی شرح لکھی[1]

حافظ فخر الدین کے فرزند شیخ الاسلام ہیں، جو محمد شاہ کے زمانہ میں تھے صحیح بخاری کی فارسی شرح لکھی، اور دو رسالے طرد الاوہام عن اثر الامام الہمام اور کشف الغطا عما لزم للمولی عن الاحیاء لکھے حدیث اپنے باپ سے پڑھی یہ شرح بخاری تیسیر القاری کے حاشیہ پر شرح شیخ الاسلام کے نام سے چھپی ہے۔

شیخ الاسلام کے صاحبزادے سلام اللہ ہیں انہوں نے بھی اپنے باپ ہی کی وراثت علمی پائی، یہ دہلی چھوڑ کر رام پور چلے آئے تھے اور محدث رام پوری کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے موطا کی شرح محلی ۱۲۱۵ھ میں لکھی، نیز صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اصولِ حدیث پر عربی میں ایک رسالہ لکھا ۱۲۲۹ھ میں وفات پائی[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا یہ سلسلۂ فیض وہ ہے جو سلسلۂ نسب کے ساتھ ساتھ چلا ہے، لیکن ایک دوسرا سلسلہ یہ ہے جو صرف روحانی فیض تک محدود ہے۔

شیخ دہلوی کے ایک نامور شاگرد اسی سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک اور بزرگ زادہ خواجہ خاوند معین الدین ہیں جو خواجہ خاوند محمود المعروف بحضرت الیشان المتوفی ۱۰۵۲ھ کے فرزند تھے، جنہوں نے علوم حدیث و تفسیر و فقہ و اصول میں شیخ سے کسب کمال کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خرقۂ خلافت پایا، کتاب رضوانی اُن کی تصنیف ہے[3]

شیخ دہلوی کے ایک اور نامور شاگرد ملا حیدر کشمیری ہیں، اپنے وطن کے علماء ملا جوہر ناتھ اور بابا قطب الدین سے علوم کی تحصیل کی، پھر دلی آکر شیخ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے، اور حدیث و تفسیر و فقہ کی تکمیل کی اور واپس جاکر درس و تدریس اور ہدایت و ارشاد میں مصروف ہوئے، والی کشمیر نے ہر چند چاہا کہ وہ قضا کا عہدہ قبول کر لیں مگر وہ راضی نہ ہوئے، ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی[4]

ملا حیدر کے شاگرد بابا داؤد مشکوٰتی کشمیری ہیں[5] علوم عقلیہ کے ساتھ فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم اُن سے حاصل کی، حدیث دانی میں یہ کمال پیدا کیا کہ مشکوٰۃ بزبان یاد کرلی، اور اسی مناسبت سے مشکوٰتی کے لقب سے مشہور ہوئے، اسرار الابرار کشمیر کے مشائخ اور علماء کے حالات اور ملفوظات میں اُن کی ایک تصنیف ہے، اُس کا ایک قلمی نسخہ دار المصنفین کے کتب خانہ میں ہے، اس میں کہیں کہیں صحیح بخاری اور احادیث کے حوالے نظر آتے ہیں ۱۰۹۷ھ میں وفات پائی[6]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے فرزند ملا نور الحق دہلوی کے حلقۂ درس کے ایک نامور فاضل میر سید مبارک محدث بلگرامی،

---

[1] حدائق الحنفیہ۔ [2] خزینۃ الاصفیاء مفتی سرور لاہوری ص ۶۲۰ [3] خزینۃ الاصفیاء ص ۶۴۳
[4] تاریخ علمائے ہند ص ۵۴ و اسرار الابرار ملا داؤد مشکوٰتی۔ [5] تاریخ علمائے ہند ص ۵۴ و اسرار الابرار ملا داؤد مشکوٰتی۔
[6] تاریخ علمائے ہند ص ۶۰۔

ہیں، میر موصوف نے شیخ کے گھر میں رہ کر اور اُن کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم حدیث میں وہ کمال پیدا کیا کہ آزاد بلگرامی نے اُن کو قطب المحدثین قرار دیا مآثر الکرام میں ہے۔

"واز اوّل تا آخر ایام اقامت دہلی در خانۂ شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق قدس اللہ اسرارہما سکونت ورزیدہ علم حدیث از آں جناب اخذ کردہ و دریں فن اشرف مہارتے تامے بہم رساند وتمام عمر در خدمت کلام نبوی فنا ساخت و بہ لقب محدث بلند آوازہ گشت و لہذا او را دریں کتاب بہ قطب المحدثین یاد کردہ"[1]

۱۰۶۴ھ میں سند فراغ حاصل کی اور بقیہ عمر عام علوم اور خصوصاً علم حدیث کی درس و تدریس میں بسر کی، امر معروف اور نہی عن المنکر میں ایسے سخت تھے کہ بڑے بڑے امراء ان کی ڈانٹ سے دب جاتے تھے، ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی[2]

میر سید مبارک کے تلامذہ میں میر عبدالجلیل بلگرامی سب سے نامور ہوئے۔ علم حدیث کا نور اس خانوادہ میں میر سید مبارک ہی کے مبارک قدم سے جلوہ افروز ہوا۔ آزاد لکھتے ہیں:۔

"و علم حدیث از قطب المحدثین میر سید مبارک بلگرامی سند نمود"

میر عبدالجلیل کے فضل و کمال کا ستارہ عالمگیر کے عہد میں طلوع ہوا، اور محمد شاہ کے زمانہ تک درخشاں رہا، آخر میں بھکر واقع سندھ میں وقائع نویس تھے، وہاں صحیح بخاری کا ایک نسخہ ہاتھ آیا، عہدہ سے برطرفی کے بعد بھی محض اس کی نقل کی خاطر چھ مہینے اور وہاں گذارے، ۱۰۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۳۸ھ میں وفات پائی۔

علامہ میر عبدالجلیل کے آغوشِ تربیت میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے پرورش پائی، حدیث و سیر اپنے نانا میر عبدالجلیل سے حاصل کی، لکھتے ہیں:۔

"ولغت و حدیث و سیر نبوی و فنون ادب از خدمتِ قدسی منزلت جدی و استاذی حضرت علامی میر سید عبدالجلیل بلگرامی اخذ نمود"

۱۱۵۱ھ میں عرب جا کر اس تخم بارآور کی مزید سیرابی کی اور مولانا حیات سندھی سے صحیح بخاری پڑھی، اور صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی[1] صحیح بخاری کی ایک ناتمام شرح ضوء الدراری کے نام سے لکھی[2]

ضوء الدراری مصنف کے قلم کا اصلی نسخہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے دیکھا تھا، اس کے مقدمہ کی چند سطریں نواب صاحب نے اپنی تالیف الحطہ فی اخبار الصحاح الستہ میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے ۱۱۵۱ھ میں جب مدینہ منورہ کا سفر کیا اور صحیح بخاری کا درس لیا۔ اور ساتھ ہی علامہ قسطلانی کی شرح ارشاد الساری

---

[1] مآثر الکرام جلد اوّل صفحہ ۹۴ [2] مآثر الکرام جلد اوّل صفحہ ۱۶۲ [3] ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان ص ۹۴

[4] الحطہ فی اخبار الصحاح الستہ نواب صدیق حسن خان، ص ۹۷۔

نظر سے نہ ڈری تو روزانہ سبق کے برابر وہ قسطلانی کی تلخیص کرتے چلے گئے لیکن اس طرح وہ کتاب الزکوٰۃ سے آگے نہ بڑھ سکے۔[1]

استدراک واضافہ

شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی سہروردی | مضمون کے پہلے حصہ میں ایک نہایت اہم شخصیت نظر انداز ہو گئی اور وہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ہیں، جن سے ہندوستان میں سلسلۂ سہروردیہ کا آغاز ہوتا ہے عام تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم گئے تھے، اور وہاں سے ملتان آکر آباد ہوئے، شیخ عین الدین بیجاپوری نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین ہبار (صحیح ہبار) بن اسود بن مطلب بن اسد قریشی کی اولاد سے تھے۔[2] قلعہ کوٹ کرور (متصل ملتان) میں ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے، بارہ برس کے ہوئے، تو علم کی تحصیل کے لیے خراسان و بخارا کا سفر کیا، پندرہ برس کے سن میں علوم ظاہری کی تکمیل کی اور درس و افادہ کی مجلس گرم کی، پھر جاذبۂ شوق نے حرمین کی طرف کھینچا، اور عراق ہو کر مکہ معظمہ گئے، حج ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ جا کر شیخ کمال الدین محمد محدث یمنی سے حدیث کا درس لیا اور مدت مدید تک (فرشتہ نے ۵۲ برس تک لکھا ہے) مدینہ منورہ میں حدیث کا درس و شغل رکھا، الفاظ یہ ہیں:

"نزد شیخ کمال الدین کہ از محدثین کبار بودہ پنجاہ و سہ سال در مدینہ منورہ بگفتن درس حدیث اشتغال داشت، کتب حدیث خواندہ و اجازت حاصل نمودہ"۔

یہاں سے بیت المقدس ہو کر وہ بغداد پہنچے، اس وقت بغداد میں مدرسہ نظامیہ زندہ تھا اور شیخ شہاب الدین سہروردی جو اسی مدرسہ کے فاضل تھے اور ان کے عم محترم شیخ ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی دو برس تک ۵۴۵ھ سے ۵۴۷ھ تک اس کے مدرس اعلیٰ رہ چکے تھے، اور شیخ شہاب الدین نے اپنے چچا سے کسب کمال کیا تھا، شیخ بہاء الدین زکریا جب بغداد پہنچے ہیں تو شیخ ابو النجیب کا ۵۶۳ھ میں وصال ہو چکا تھا اور ان کی جگہ پر شیخ شہاب الدین سہروردی مسند آرا تھے شیخ بہاء الدین نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے اور ظاہر و باطن سے آراستہ ہو کر ہندوستان واپس آئے اور ملتان میں سکونت اختیار کی، یہ وہ وقت تھا جب سلطان قطب الدین ایبک کی حکومت تھی، سلطان قطب الدین نے ملتان اور اوچہ ناصر الدین قباچہ کو، اور دہلی کا تخت شمس الدین التمش کو سپرد کیا تھا قطب الدین کی وفات کے بعد ناصر الدین قباچہ نے شریعت کی ترویج اور احکام دین کے اجراء میں نہایت سستی اور بے پروائی برتی تو شیخ الاسلام نے یہ حال سلطان التمش کو اس کی اطلاع دی اور جب ناصر الدین قباچہ نے باز پرس کی، تو فرمایا، میں نے جو کچھ کیا، خدا کے حکم سے کیا۔ تم سے جو کچھ ہو سکے، وہ کر گذرو، یہ کلمۂ حق سن کر ناصر الدین کانپ اٹھا۔[3] شیخ نے ۶۶۶ھ میں وفات پائی۔

---

[1] الحطۃ فی اخبار الصحاح الستۃ نواب صدیق حسن خان ص ۹۷

[2] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۴، نولکشور۔ [3] اخبار الاخیار ص ۴۵۔

پچھلے صفحات میں حسب ذیل تین بزرگوں کے تذکرے صرف دو سطروں میں تھے، یہاں تفصیل سے لکھے جاتے ہیں ۔

مولانا برہان الدین محمود

امام صغانی کے شاگرد مولانا برہان الدین محمود دہلوی تھے، وہ امام مرغینانی صاحب ہدایہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے، اور مشارق الانوار کا درس دینا شروع کیا۔ ۶۸۷ھ میں وفات پائی، اور دہلی حوض شمسی کے پورب میں دفن ہوئے، اُن کے خاص شاگرد مولانا کمال الدین زاہد دہلوی تھے۔

مولانا کمال الدین زاہد دہلوی

انہوں نے مشارق الانوار کی سند مولانا برہان الدین محمود سے حاصل کی اور علم حدیث میں یگانۂ روزگار تھے، اور دہلی میں اس کا درس دیتے تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، سلطان غیاث الدین بلبن نے چاہا کہ ان کو اپنا امام مقرر کرے، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ نے حدیث ان ہی سے پڑھی تھی[1]

حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ

حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ اس عہد کے مشہور فاضل وادیب ومحدث تھے، ادب میں مقاماتِ حریری زبانی یاد کی تھی اور اس کے کفارہ کے طور پر دہلی آکر مولانا کمال الدین زاہد دہلوی سے مشارق الانوار کا درس حاصل کیا، اور اس کو زبانی یاد کیا، حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ کے حالات میں سب سے قدیم تذکرہ سیر الاولیاء ہے۔ جو حضرت میر خورد دہلوی کی تصنیف ہے اور مصنف صرف ایک دو واسطہ سے حضرت کے حالات بیان کرتا ہے اور اُن کی بہت سی تحریری یادداشتیں اس کی نظر سے گذری ہیں، میر خورد دہلوی نے اس اصل سند کی پوری عبارت سیر الاولیاء میں نقل کی ہے، جو مولانا کمال الدین نے حضرت نظام الدین کو لکھ کر دی تھی۔

حضرت سلطان الاولیاءؒ نہایت متبع سنت تھے، اُن کے یہاں سماع کی مجلس میں جیسا کہ سیر الاولیاءؒ اور فوائد الفواد میں ہے کہ مزامیر اور تالیاں نہیں بجائی جاتی تھیں، صرف غزلیں گائی جاتی تھیں، فقہائے احناف کے نزدیک محض گانا بھی مکروہ تھا، اور فقہائے شوافع اس کو جائز کہتے تھے، حضرت سلطان الاولیاءؒ بھی اس مسئلہ میں شافعی مسلک کو درست سمجھتے تھے، اس بنا پر اُن کے عہد کے جاہ طلب علماء نے اُن کے خلاف شورش برپا کی اور آخر دربار شاہی کے اہتمام سے مجلس مناظرہ کی نوبت آئی، حضرت سلطان الاولیاءؒ نے نفس غناء کے جواز کی جب حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو تم کو حدیث سے کیا مطلب؟ اگر فقہ حنفی کی کوئی روایت ہو تو پیش کرو، حضرت سلطان الاولیاءؒ افسوس کے ساتھ فرماتے تھے کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا۔ جس میں لوگوں کی رایوں کو احادیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو،

میر خورد دہلوی نے سیر الاولیاءؒ میں اس مناظرہ کی پوری تفصیل نقل کی ہے۔ مگر کہیں اس فقرہ کا حوالہ نہیں ہے جس کو فرشتہ نے حضرت کی زبانِ مبارک سے حدیث کہہ کر لکھا ہے، اور اس سے میرا وہ شک یقین سے بدل جاتا ہے، جو فرشتہ کی اس روایت پر میں نے اوپر کسی صفحہ کے حاشیہ میں کیا تھا۔

حضرت سلطان الاولیاءؒ کے ملفوظات مثلاً فوائد الفواد مصنفہ حسن دہلوی اور افضل الفوائد مصنفہ امیر خسرو دہلوی میں بکثرت حدیثیں آپ کی زبان سے مذکور ہیں اور ان کے رموز ونکات آپ نے بیان فرمائے ہیں، آپ کے خلفاء میں بھی اس فن کے کاملین گذرے ہیں ۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۸ ۔

نصیرالدین محمود چراغ دہلوی

فقہ و اصول مولانا عبدالکریم شروانی اور افتخار الدین گیلانی سے پڑھا، علم حدیث کی نسبت نہیں معلوم کس سے پڑھا، مگر اُن کے ملفوظات میں حدیثیں بکثرت ملتی ہیں۔ حضرت سلطان الاولیا کے خلیفہ تھے۔ وہ غنا بھی نہیں سنتے تھے، ایک دفعہ اُن کے چند رفقا غنا سُن رہے تھے، حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلوی مجلس سے اُٹھ گئے۔ لوگوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا۔

فرمایا: "یہ خلافِ سنت ہے"۔

لوگوں نے کہا: "اپنے پیر کے مسلک سے تم ہٹ گئے"۔

فرمایا پیر کا عمل حجت نہیں ہو سکتا، کتاب و سنت سے کوئی دلیل لاؤ، بعض اصحابِ غرض نے یہ فقرہ حضرت سلطان الاولیاؒ تک پہونچایا، فرمایا:۔

"راست می گوید"[1]

مولانا شمس الدین یحیٰی اودھی

حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ کی طرح یہ بھی اودھ کے تھے، اور حضرت سلطان الاولیا کے مرید تھے، فریدالدین شافعی شیخ الاسلام اودھ کے شاگرد تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار کی شرح لکھی تھی، اور دہلی میں درس دیتے تھے۔ سلطان محمد تغلق نے اُن کو کشمیر میں اشاعتِ اسلام کے لئے نامزد کیا تھا۔ مگر سلطان کی وفات سے تجویز ناقص رہ گئی،[2] ۷۴۷ھ میں وفات پائی۔

مولانا فخرالدین زرادی

یہ بھی دہلی کے علمائے مشاہیر اور حضرت سلطان الاولیا کے جان نثار مریدوں میں ہیں۔ دہلی کے بڑے محدثین میں تھے، جب ہدایہ پڑھاتے تھے، تو اس کی حدیثوں کے مقابلہ میں صحیحین کی حدیثیں پیش کرتے تھے۔ اور اُن کو ترجیح دیتے تھے، مرید ہونے کے بعد درس و تدریس چھوڑ دیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے جب دکن فتح کیا تو وہاں گئے اور وہاں سے حج کے لئے عرب گئے۔ عرب سے بغداد گئے اور وہاں سے علم حدیث کی تکمیل کی واپسی میں جہاز تباہ ہو گیا، اور وہ در خوشِ آب پانی کی تہ میں چلا گیا[3]

شیخ شرف الدین یحیٰی منیری بہاری

شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰی منیری بہاری کی تعلیم کا زمانہ دہلی میں گذرا دہلی وہ اس وقت پہونچے، جب حضرت سلطان الاولیا رحلت فرما چکے تھے، یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے حدیث کی کون سی کتاب پڑھی اور کس سے پڑھی۔ مگر اتنا یقینی ہے کہ وہ احادیثِ نبوی کے کسی مجموعہ سے مشرف تھے اور زیادہ قرینہ یہی ہے کہ مجموعہ مشارق الانوار ہو، اُن کے مکتوبات و تالیفات میں احادیثِ نبوی کے بکثرت حوالے اور روایتیں ہیں، کبھی اصل عبارت لکھتے ہیں، زیادہ تر فارسی ترجمہ فوائد المریدین جو شیخ کا ایک مختصر رسالہ ہے، وہ تمامتر احادیثِ نبوی کے حوالوں سے لبریز ہے، اس کے شروع میں ایک جگہ امام ابویعلیٰ کا حوالہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسند ابویعلیٰ کی حدیثیں بھی نظر سے گذری تھیں، مکتوبات میں ایک جگہ ایک حدیث،

---

[1] اخبار الاخیار ص۸۶ - [2] ایضاً ص ۹۱، ۹۲ - [3] ایضاً ص ۶۸ -

کی نسبت لکھتے ہیں کہ "حدیث برادرم فخر الدین نوشتہ بود۔"[1]
اس فخر الدین سے میرے گمان میں مولانا فخر الدین زرادی مراد ہیں اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شیخ کو حدیث کا فیض اسی نظامی جماعت سے پہنچا ہے۔

مجھ سے میرے ایک معتبر بزرگ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت حسین نوشۂ توحید بہاری جو حضرت شیخ شرف الدین کے معتقد اور شیخ کے مرید و جانشین امام مظفر بلخی بہاری کے مرید تھے اور سفرِ حجاز میں ان کے رفیق تھے، معدن المعانی میں لکھا ہے کہ امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ کی شرح صحیح مسلم شیخ کے مطالعہ میں تھی۔

مکتوبات دوصدی کے جامع نے جس نے ۷۶۹ھ میں اس کو جمع کیا۔ دیباچہ میں آپ کی نسبت لکھا ہے:۔

"محی سنن نبوی مظہر آثار مصطفوی قامع دین اہل البدع، بانی دین اہل الورع"[2]

شیخ نے ۷۸۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ بھکاری کاکوروی

کاکوری لکھنؤ کے ضلع میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہ بزرگ یہیں کے رہنے والے تھے ۸۹۰ھ میں ولادت ہوئی، مولانا ضیاء الدین مدنی محدث اور قاضی عبد اللطیف ہراتی کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے پوتے شیخ عبد الرزاق کے مرید تھے، ۹۱ سال کی عمر میں ۹۸۱ھ میں وفات پائی، کاکوری کے تمام مخدوم زادے انہی کی اولاد میں ہیں، حضرت شیخ اپنے وقت کے بڑے محدث تھے۔ ان کی حدیث کی سندیں اب تک موجود ہیں۔ اصولِ حدیث میں منہج نام ایک کتاب بھی اُن کی تصنیف ہے[3]

کشمیر میں سلسلہ حق

مضمون کے شروع کے صفحات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے سلسلۂ تلمذ کا ذکر تھا، کشمیر میں ملا حیدر شیخ کے شاگرد تھے۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ ملا حیدر نے اس سلسلہ کو اور پھیلایا۔ جن میں سے بابا داؤد مشکاتی کا حال تم پڑھ چکے ملا کے صاحبزادوں کا ذکر نہیں آیا ہے۔ ان میں سے ایک خواجہ محمد فاضل تھے، جو بابا داؤد مشکاتی کے ہم سبق تھے[4] ملا عنایت اللہ سال محدث کشمیری ملا حیدر کے صاحبزادوں کے شاگرد ہوئے اور اس درجہ اس فن میں انہماک اور ذوق و شوق پیدا کیا کہ تمام عمر اسی کی خدمت میں صرف کردی، بخاری شریف کا شروع سے آخر تک ۳۶ دفعہ درس دیا تھا، ۹۸ برس کے سن میں ۱۱۲۵ھ میں وفات پائی[5]

صوبہ بہار میں علم حدیث اور سلسلۂ حق

اوپر دورِ اکبری کے محدثین میں ایک نام سید یٰسین گجراتی کا گذرا ہے، جو عرب جاکر اس سرچشمہ سے بہرہ مند ہوئے تھے، واپس آئے تو پہلے پانچ دریاؤں والی زمین (پنجاب) کو سیراب کیا، پھر تذکروں میں لکھا ہے کہ وہ اس کے بعد بنگالہ کے ملک کو چلے گئے۔ اس کے بعد اُن کا پتہ نہیں چلتا، لیکن خوش قسمتی

---

[1] مکتوب ہفتدہم بنام امام مظفر۔ [2] مکتوبات دوصدی ص ۳۲۲۔ [3] تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۔
[4] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۲۔ [5] اسرار الابرار قلمی

سے پھلواری شریف سے سندِ حدیث کا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آیا ہے[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید موصوف یہاں سے بہار گئے اور وہاں بھی اس فیض کو جاری کیا، غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ بہار کی خانقاہ سے قال اللہ وقال الرسول کا ترانہ سنائی دیا ہوا، اس سلسلۂ سند سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ المحدثین مولانا سید یٰسین کے درس سے وہاں "حافظ الوقت" مولانا شیخ عبدالرزاق نامی ایک بزرگ نے فائدہ اٹھایا اور ان سے "شیخ الوقت" مولانا عبدالغنی نے اور ان سے اُن کے صاحبزادے مولانا عبدالمقتدر محدث نے اور اُن سے اُن کے بھتیجے اور شاگرد محمد عتیق بن عبدالسمیع بہاری نے اور ان ہی کی دی ہوئی یہ سند ہے، جو پھلواری میں محفوظ ہے۔

مولانا عتیق بہاری نے اس گجراتی فیض کے ساتھ دہلوی سلسبیل کو ملا کر دو آتشہ بنا لیا تھا، مولانا دورِ عالمگیری کے علماء میں ہیں اس عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادہ مولانا نورالحق محدث دہلوی اور ان کے شاگرد مولانا جلال الدین تھے۔ مولانا محمد عتیق بہاری نے سلسلۂ حق کی ان دونوں کڑیوں کو بھی ملا لیا تھا۔

مولانا محمد عتیق محدث بہاری کے تلامذہ میں شیخ محمد وجیہ بن شیخ امان اللہ جعفری پھلواروی ہیں، انہی کو یہ سند دی گئی تھی۔ اس سند میں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے جن کی اجازت شیخ نے اپنے شاگرد کو دی تھی، ان میں حسب ذیل کتابوں کے نام ہیں، مشکوٰۃ، صحیح بخاری صحیح مسلم، مصابیح، مشارق الانوار صغانی، شمائل ترمذی، حصن حصین جزری، کتاب الاذکار نووی، مسند امام اعظم ابوحنیفہؒ، مسند احمد بن حنبلؒ، مؤطا امام مالک، مسند امام شافعی، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، لطائف ابن حیان، جامع المسانید ابن جوزی، ان میں سے تین پہلی کتابیں یعنی مشکوٰۃ، بخاری شریف اور مسلم شریف کے سبقاً پڑھے جانے کا اور بقیہ کتب کی اجازت کا ذکر ہے۔

شیخ محمد وجیہ کے شاگرد، اُن کے صاحبزادہ ملا وحید الحق محدث پھلواروی ہیں۔ انہوں نے درس و تدریس اور تحریر و تالیف سے اس فن کی اشاعت کی، لیکن وہ تمام تر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیفات کے خوشہ چیں تھے، اس کے بعد ایک سو برس تک پھلواری میں معقولات کا زور و شور رہا، آخر مولانا آلِ احمد صاحب نے عرب سے آکر اس فیض کو یہاں پھر جاری کیا۔

یہ سب کچھ ہو چکا تھا، لیکن ہندوستان میں علمِ حدیث کی اصلی شوکت و رونق دو فاروقی خانوادوں کے ذریعے سے حاصل ہوئی، جن میں سے ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی ہیں، مجددی خانوادہ کا پہلا علمی اتصال شیخ عبدالحق دہلوی کے سلسلہ سے ہوا مگر بہت جلد شیخ دہلوی کی جگہ شاہ ولی اللہ کے گھرانے نے لے لی اور دونوں سرچشموں سے مل کر ہندوستان میں جو فیض پھیلا، اُس نے ملک کے چپہ چپہ کو سیراب کر دیا۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی نے معقولات مولانا کمال الدین کشمیری سیالکوٹی اور علمِ حدیث مولانا عبدالرحمن سرہندی اور مولانا یعقوب کشمیری سے حاصل کیا یاد ہوگا کہ مولانا یعقوب صرفی کشمیری، شیخ ابنِ حجر مکی کے شاگرد تھے۔ اور وہ یہ فیض عرب سے ہندوستان لائے تھے، اس کے بعد وہ حرمین تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے بڑے بڑے

---

[1] اس سلسلۂ سند کی دستیابی کے لیے ہم اپنے محترم مخدوم حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی قادری چشتی کے ممنون ہیں، یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب کو علماء اور مشائخ کی تاریخ سے پوری واقفیت اور دلچسپی ہے۔

محدثین کرام کی صحبت اٹھائی۔ شیخ عبدالرحمٰن بن فہد سے جو اُن کے زمانہ کے ایک بڑے محدث تھے، حدیثِ مسلسل سنی اور صحاحِ ستہ کا اجازہ حاصل کیا[1] ولادت سنہ ۹۷۱ھ میں اور وفات سنہ ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔

متن حدیث میں ایک اربعین یعنی چالیس منتخب حدیثوں کا مجموعہ آپ کی تالیف ہے جو عام طور سے چھپا ہوا ملتا ہے، اس کے علاوہ جس نے آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے وہ شہادت دے گا کہ آپ کا پایہ علمِ حدیث میں کتنا بلند تھا، لیکن حضرت مجدد الف ثانی کا اصلی کارنامہ یہ نہیں ہے کہ وہ درسِ حدیث کی مسند بچھا کر بیٹھے، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے علی الاعلان دربارِ شاہی کے بدعات و منکرات کے خلاف بغاوت کی، اور اس کی سزا (قید) خوشی خوشی برداشت کی، اہلِ سُنّت جو شاہی اثر سے شیعیت میں جذب ہو رہے تھے، اُن کو دلائل کے زور اور دلی ہمت کی قوت سے باہر نکالا، عامیانہ تصوف جو سنّت کے مسلک سے کوسوں دور ہو گیا تھا، اس کو جادۂ شریعت کے قریب لائے اور شریعت و طریقت کی قلمی و لسانی جنگ جو پانچویں صدی کے شروع سے اب تک قائم تھی۔ اس کو مصالحت سے بدل دیا اور صوفیہ اور فقہاء کی چھ سو برس کی باہمی دست و گریبانی کا خاتمہ ہوا، اور مدرسہ و خانقاہ کی باہمی آویزش انجام کو پہنچی، علماء کو صحیح تصوف سے اور صوفیہ کو مسلکِ سنّت سے آشنا کیا اور ہر ایک فرقہ نے دوسرے کو نوید بشارت دی کہ

للہ الحمد میانِ من واو صلح فتاد

حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباعِ سنّت پر رکھی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ مبذول ہوگئی، اور اُن کے بعد صوفی محدثوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہندوستان میں قائم ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی معاصر تھے، پہلے اس معاصرت نے منافرت کی صورت پیدا کی، مگر دونوں بزرگوں کی اخلاص پسندی نے ایک کو دوسرے سے آشنا کر دیا اور دلوں میں یہ اتحاد پیدا کر دیا کہ ائمہ اسلام کی علمی و روحانی خدمت کے لیے یہ دونوں خانوادے متحد ہو گئے۔

سلسلۂ مجددیہ

حضرت مجدد الف ثانی کی متعدد اولادوں میں سے صرف دو آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے، ایک عروۃ الوثقیٰ حضرت محمد معصوم اور دوسرے خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید۔ حضرت محمد معصوم سنہ ۱۰۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور سنہ ۱۰۷۹ھ میں وفات پائی، تذکروں میں ہے کہ ۹ لاکھ آدمیوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت توبہ کی۔ اور سات ہزار خلفاء مدارجِ علیا تک پہنچے، ان ہی میں ایک مولانا نورالحق محدث دہلوی خلف مولانا عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔

حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے گو اپنا درس ۱۸ برس کے سن میں خود اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں ختم کر لیا تھا، مگر یہیں اُس وقت جب داراشکوہ اور عالمگیر تاج و تخت کے حصول کے لئے دست و گریباں تھے۔ حضرت مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے، وہاں کے علمائے علومِ حدیث کی سند لے رہے تھے اور خود اُن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سند تقسیم فرما رہے تھے۔

---

[1] ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان و تاریخ علمائے ہند،

دوسرے صاحبزادہ شیخ محمد سعید سرہندی بھی متبحر فقیہ و محدث تھے، اپنے والد ماجد سے فیض حاصل کیا اور ۱۰۷۰ھ میں [illegible] علم حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح پر ایک حاشیہ آپ کی یادگار ہے[1]

حضرت محمد معصوم کے صاحبزادے شیخ محمد افضل سرہندی ہیں۔ حرمین کی زیارت سے ممتاز تھے، کتابوں کے اتنے شائق تھے، کہ جو کچھ ملتا تھا، اس سے کتابیں خرید لیتے تھے، شاہ ولی اللہ دہلوی نے اُن سے حدیث کی سند حاصل کی تھی، ۱۱۴۶ھ میں وفات پائی[2]

اب گیارہویں صدی کا خاتمہ ہے، اتنے دنوں میں زمانہ نے ایک عظیم الشان پلٹا کھایا، ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی حکومت بد سے بدتر ہوتی گئی، اور عالمگیر کے جانشین اب ایک سے ایک کمزور تر ہو رہے تھے، اور ادھر حرمین میں درسِ حدیث کی مسند پہ ابن حجر مکی اور اُن کے تلامذہ در تلامذہ کے بجائے کچھ اور نئے خانوادوں کے ارکان متمکن تھے جن میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر پیدا ہو رہا تھا۔

اس عہد میں حرمین میں دو ہندوستانی محدث مسند نشین ملتے ہیں، عبداللہ لاہوری مکہ معظمہ میں اور ابوالحسن سندھی مدینہ منورہ میں افسوس ہے کہ پیش نظر دفاتر میں ان بزرگوں کے مزید حالات معلوم نہیں ہوتے، ان کے علاوہ دنیائے اسلام کے چند اور اعیانِ حدیث جلوہ افروز نظر آتے ہیں جن میں محمد بن سلیمان مغربی (مراکش) حسن عجمی (عجم) شیخ عبداللہ بن سالم البصری (عراق) احمد نخلی، تاج الدین حنفی، شیخ احمد بن سالم بصری، محمد بن علاءالدین بابلی، شیخ ابراہیم کردی،

شیخ ابراہیم کردی۔ کردستان کے رہنے والے تھے، بغداد، شام، مصر اور حرمین کے شیوخ سے فیض حاصل کیا تھا، اور اس عہد میں اگلے زمانہ کے بزرگوں کی سی ہمت کا نمونہ دکھایا تھا، کردی۔ فارسی، ترکی اور عربی چار زبانوں میں گفتگو کرتے تھے، ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی ——— "انا علی فراقك یا ابراهیم لمحزونون" تاریخِ وفات ہے۔

شیخ ابراہیم کردی کے صاحبزدے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی ہیں۔ اپنے والد کے علاوہ محمد بن سلیمان مغربی، حسن عجمی، احمد نخلی، شیخ عبداللہ بن سالم بصری، شیخ عبداللہ لاہوری، شیخ تاج الدین حنفی سے اجازے اور سندیں حاصل کیں، یہی وہ بزرگ ہیں۔ جن کے حلقۂ درس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جا کر شریک ہوئے تھے۔

شیخ سالم بصری کے دو صاحبزادے عبداللہ بن سالم اور احمد بن سالم نے نہایت شہرت اور حسنِ قبول پایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں علمِ حدیث کا فروغ اور حدیث کی کتابوں کی تصحیح و اشاعت کا اہم فرض انہی دو بھائیوں کی ہمتِ مردانہ سے ادا ہوا، شیخ عبداللہ ابن سالم بصری نے بھی شیخ ابراہیم کردی سے اجازہ پایا تھا اور اُن کے علاوہ دوسرے شیوخ سے بھی فائدہ اٹھایا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اُن کے حلقۂ درس میں بھی چند روز بیٹھے تھے، جیسا کہ انہوں نے اپنے رسالہ انسان العین میں اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ احمد بن سالم بصری کعبہ کے اندر بیٹھ کر بخاری شریف پڑھتے تھے۔ بخاری کی شرح ضیاء الساری انہوں نے لکھی ہے، لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے صحاح ستہ کے ۹ نسخے جمع کئے اور نہایت محنت شاقہ اٹھا کر اُن کی ایسی تصحیح کی کہ اُن کے نسخے اُمہات

---

[1] تاریخ علمائے ہند ص ۱۹۰ — [2] ایضاً ص ۱۸۲ —

اور اس کے بعد سب سے زیادہ صحیح بخاری کی تصحیح میں کوشش بلیغ کی، چنانچہ پورے بیس برس میں بخاری کی تصحیح انجام کو پہنچی، مسند ابنِ حنبل کی جلدیں جو منتشر تھیں، ان کو مختلف مقامات سے بہم پہنچاکے انکی تصحیح کی اُنکے یہ مصحح نسخے ہی وہ نسخے تھے، جن کی نقلیں اطراف و دیار میں پھیلیں، ۱۱۳۴ھ میں وفات پائی،

عبداللہ لاہوری اوپر کے سلسلہ میں ایک بزرگ کا نام عبد اللہ لاہوری محدث گذرا ہے، جو اس زمانہ میں حرمین میں حدیث کا درس دیتے تھے، چنانچہ شیخ ابوطاہر مدنی اُن سے مستفید تھے، اس کے علاوہ اُن کا کچھ اور حال نہیں معلوم ہوتا۔

ابوالحسن سندھی اسی عہد کے ایک اور ہندوستانی محدث جو عرب کی سرزمین میں ایک پورے حلقۂ درس کے مرکز تھے، شیخ ابوالحسن سندھی ہیں، مدینہ منورہ میں ایک مدرسہ دارالشفائے کے نام سے تھا، اور جواب تک کسی نہ کسی حال میں باقی ہے، میں نے اس کی زیارت کی ہے، دارالشفا کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُس کے واقف نے یہ شرط کی ہے کہ اس میں قاضی عیاض کی کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰے کا روزانہ درس دیا جائے۔ شیخ ابوالحسن سندھی گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں اس میں مدرس تھے۔ ۱۱۳۹ھ میں وفات پائی، حرم نبوی میں بیٹھ کر حدیث کی متعدد کتابوں پر شروح اور تعلیقات لکھیں، چنانچہ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ کی شرح لکھی، موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مسند ابن حنبل جو آٹھ جلدوں میں ہے اور جس کی کسی نے اب تک شرح نہیں لکھی تھی۔ انہوں نے پچاس جزء میں اس کی شرح لکھی[1] شیخ کے لائق تلامذہ میں سے دو کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری اور شیخ محمد حیات سندھی۔

حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری وہ اصل میں طرخاں واقع ترکستان کے رہنے والے تھے، وطن سے نکل کر حرمین تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ دارالشفا میں حدیث کی سند شیخ ابوالحسن سندھی سے حاصل کی اور واپس آکر کشمیر میں شیخ الاسلام مولانا قوام الدین محمد کے یہاں قیام کیا اور ان کو اپنی سند حدیث سے ممتاز کیا، ۱۱۷۱ھ میں چند شریروں کے ہاتھوں شہادت پائی[2]

شیخ محمد حیات سندھی شیخ محمد حیات کا وطن سندھ میں عادل پور اور کوٹ سید موسٰی قادری کے اطراف میں ہے، جاچڑ قبیلہ کا نام ہے شباب کا آغاز تھا کہ جاذبۂ شوق نے دامنِ دل کھینچا، حرمین کی راہ کی، بالآخر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں شادی بھی کرلی زیادہ تر شیخ ابوالحسن سندھی مدنی سے اور کسی قدر عبداللہ بن سالم مصری مکی سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی اور تمام عمر اس فنِ شریف کی خدمت میں صرف کردی، مصر و روم و شام و ہند ہر جگہ اُن کے فضل و کمال کا غلغلہ بلند ہوا، اور ہر طرف سے طالبِ مشتاق کا ہجوم ہوا، ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی، ہندوستان کے اہلِ علم میں سے جن کو شیخ کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اُن میں حسب ذیل اصحاب قابلِ ذکر ہیں

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علامہ آزاد گو ہندوستان ہی میں اپنے نانا میر عبدالجلیل بلگرامی کے واسطہ سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سلسلہ میں داخل ہوکر حدیث کی بعض کتابیں پڑھ چکے تھے، مگر ۱۱۵۱ھ میں وہ جب عرب گئے، تو مدینہ منورہ پہونچ کر شیخ محمد حیات سندھی کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے اور صحیح بخاری سبقاً سبقاً پڑھی اور حدیث کی دوسری کتابوں کی سند لی، صحیح بخاری اس اہتمام سے پڑھی کہ روزانہ جس قدر بخاری پڑھتے تھے، اسی قدر قسطلانی شرح بخاری کی تلخیص کرتے جاتے تھے۔ انکا ذکر پہلے گذر چکا ہے، علامہ ممدوح شیخ کے بیحد معترف تھے، مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام میں ان کا حال لکھا ہے[3]

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی الہ آباد کے اس خانوادۂ علم و تصوف کا آغاز شاہ محمد افضل الہ آبادی سے ہوتا ہے یہ اصل میں پھلواری

---

[1] الحطہ فی اخبار الصحاح الستہ۔ میں ہر کتاب کے تحت میں ان شروح کا ذکر نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے کیا ہے۔

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۷ ۔ [3] مآثر الکرام جلد اول صد ۱۶۴،

کے جو غازی پور کے مشہور قصبوں میں ہے، رہنے والے تھے، جونپور میں علوم ظاہری کی اور کالپی میں علوم باطنی کی تعلیم پائی، نقشبندی طریقہ کے بزرگ اور سنت کے تبع تھے، ۱۰۳۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۴۲ھ میں وفات پائی، تصوف اور فارسی ادبیات کی متعدد کتابوں کے شارح ہیں، ان کے جانشین ان کے بھتیجے، اور داماد شاہ خوب اللہ ہوئے، جو اپنے عہد کے مشہور عالم وصوفی و مورخ تھے فقہ و تصوف کے علاوہ وفیات الاعلام ان کی سب سے اہم تصنیف ہے، جس میں علما اور مشائخ کے تذکرے ہیں۔ ۱۱۴۴ھ سالِ وفات ہے، ان کے صاحبزادے شاہ محمد فاخر الہ آبادی ہیں، شاعر بھی تھے، زائر تخلص تھا، اپنے بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے تعلیم پائی، اکیس برس کے سن میں اپنے پدر بزرگوار کی جگہ پر بیٹھے، اٹھائیس برس کے سن میں حج کے لئے گئے، اور مدینہ منورہ پہنچ کر شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث کی تحصیل کی، دو حج کئے تھے، تیسرے حج کا ارادہ تھا کہ راہ میں برہان پور میں وفات پائی، ۱۱۶۴ھ تاریخ وفات ہے قرۃ العینین فی رفع الیدین، نور السنۃ اور درۃ التحقیق، ان کے مشہور رسالے ہیں، شاہ صاحب ممدوح غالباً اپنے ساتھ عرب سے صحیح مسلم کا ایک نسخہ لائے تھے، جو ان کے مدرسہ میں موجود تھا، اس نسخہ کی نقل کتب خانۂ حبیب گنج میں ہے، شاہ محمد فاخر اور آزاد بلگرامی نے شیخ محمد حیات سندھی سے مدینہ منورہ میں ایک ساتھ، استفادہ کیا تھا، اس لیے مآثر الکرام میں ان کا حال لکھا ہے[1]

مدراس میں علم حدیث

مدراس اور کرناٹک کا علاقہ اسلامی علم کے زیر سایہ بہت اخیر زمانہ میں یعنی عالمگیر کے عہد میں آیا، تاہم اس کا ساحلی حصہ مدت دراز سے عرب تاجروں کا جولانگاہ تھا، ملیبار میں ان کی بڑی آبادی تھی، مصر اور عرب سے ان کے براہِ راست بحری تعلقات تھے، اس بنا پر یہ بآسانی قیاس میں آسکتا ہے کہ یہاں علم حدیث مصر اور عرب کے راستہ سے براہِ راست داخل ہوا ہوگا، لیکن چونکہ اس دیار کی کوئی تاریخ موجود نہیں ہے، یا میرے پیش نظر نہیں ہے اس لئے کوئی تصریحی بات نہیں کہی جاسکتی، بہرحال عالمگیر کے بعد بارھویں صدی کے بیچ میں جب نظام دکن کی ملکی وسعت کے اندر کرناٹک کا علاقہ آیا اور ارکاٹ میں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی، تو اہل علم نے بھی ادھر کا رخ کیا، اس عہد کے لوگوں میں شیخ محمد اسعد حنفی مکی قابلِ ذکر ہیں، شیخ مذکور شیخ تاج الدین مکی کے شاگرد تھے، شیخ عبداللہ ابن سالم مصری مکی نے ضیاء الساری کے نام سے صحیح بخاری کی جو شرح لکھی تھی، اس کا اصلی نسخہ شیخ اسعد نے ان کے لڑکے سے خرید لیا تھا، اور اس کو لے کر وہ مدراس آئے تھے، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے ارکاٹ میں وہ نسخہ ان کے پاس دیکھا تھا، اس گرانقدر نسخہ کو ہندوستان آنے پر علامۂ موصوف نے شیخ کو ملامت کی اور کہا کہ اس گرانقدر خزانہ کو اسلامی مرکز سے اتنی دور سفر میں لے آنا مناسب نہ تھا، انہوں نے کہا کہ میری محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی اس کو اپنے سے جدا رکھوں یہ وہ زمانہ تھا جب نظام الدولہ ناصر جنگ (والیِ حیدرآباد دکن) اور فوج کے افغانوں کے درمیان کشمکش جاری تھی اور ارکاٹ میں فتنوں کا طوفان برپا تھا، اس بنا پر شیخ نے شرح بخاری کا یہ نسخہ اورنگ آباد دکن میں بھجوا دیا، اور وہ خود ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کے ساتھ ۱۱۶۶ھ میں شہید ہوئے، میر آزاد لکھتے ہیں کہ وہ نسخہ اس وقت تک اورنگ آباد میں محفوظ ہے[2]، اب خدا جانے وہ کہاں ہو۔

---

[1] تفصیل حالات کے لئے دیکھو مآثر الکرام ج دوم ص۲۱۰، و ما بعد

[2] الحطہ فی اخبار الصحاح الستہ نواب صدیق حسن خان مرحوم ص۹۸۔

شیخ محمد اسعد کے متعلق میر آزاد لکھتے ہیں:

"در منقولات خصوص حدیث و فقہ بے نظیر بود"۔[1]

آخر زمانہ میں شاہ محی الدین دہلوری المتوفی ۱۲۴۲ھ کے دم سے یہاں علم حدیث کی رونق ہوئی

شیخ نور الدین احمد آبادی گجراتی

اسی عہد کے ایک اور قابلِ ذکر بزرگ شیخ نور الدین احمد آبادی گجراتی ہیں، ۱۰۶۳ھ میں پیدا ہوئے، فارسی اپنی ماں سے پڑھی، عقلیات اخوند احمد سے حاصل کیں اور علوم نقلی اور حدیث سید محمد ابو المجید محبوب عالم سے پڑھیں، مولانا کے علم و فضل کا شہرہ اطراف ملک میں پھیلا تو طلبہ جوق در جوق آنے لگے، یہ دیکھ کر شیخ الاسلام خان صدر صوبہ گجرات نے بھی ایک لاکھ سے زیادہ کے صرف سے ہدایت بخش نام ایک مدرسہ قائم کیا، ۱۱۰۲ھ میں مدرسہ کی بنیاد پڑی، ۱۱۰۹ھ میں وہ پورا ہوا۔ ۱۱۴۳ھ میں مولانا نے حج ادا کیا۔ واپس آکر ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

تفسیر، علم کلام، منطق وغیرہ کی تصنیفات کے علاوہ نور القاری کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔[2]

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی

ہندوستان کی یہ کیفیت تھی جب اسلام کا وہ اخترِ تاباں نمودار ہوا جس کو دنیا شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے جانتی ہے، مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقرا اور مشائخ جابجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ و فتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیشِ نظر تھی، مسائلِ فقہ میں تحقیق و تدقیق سب سے بڑا مذہبی جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔

شاہ صاحب کا وجود اس عہد میں اہلِ ہند کے لئے ایک موہبتِ عظمیٰ اور عطیۂ کبریٰ تھا، شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب ایک عالم کامل تھے، معقولات میں میر زاہد کے بے واسطہ شاگرد تھے، شاہ صاحب نے علومِ رسمیہ کا درس اپنے والد سے لیا، اور پندرہ برس کے سن میں تعلیم سے فراغت پائی، یہی وقت صبحِ سعادت کے ظہور کا تھا، مجددی نسبت اب تک ایک "مردِ کامل" کی تلاش میں بے قرار تھی۔ شیخ افضل سہرندی مجددی دولت کے اس عہد میں وارث تھے، شاہ صاحب نے اُن سے حدیث پڑھی، ہندوستان میں جیسا کہ شاہ صاحب نے جزء لطیف میں لکھا ہے، مشکوٰۃ کا ایک حصہ اور صحیح بخاری اور شمائل ترمذی پڑھی، ابھی تک بطحا اور یثرب کے چشموں سے سیرابی باقی تھی تیس برس کی عمر میں ۱۱۴۳ھ میں سرزمینِ عرب کی راہ لی، اور دو برس وہاں رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے کتبِ حدیث کا درس لیا، اس وقت شیخ کی مجلس میں صحیح بخاری کا درس ہو رہا تھا۔ اس میں شریک ہوئے، صحاح ستہ اور موطا امام مالک، مسند دارمی اور کتاب الآثار امام محمد کے اطراف ان کو سنائے، اور بقیہ کتابوں کی سند اُن سے حاصل کی[3] دو برس کے بعد ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان واپس آئے اور پورے تیس برس تک فیض و برکات کا بادل اس علامۂ روزگار کے زبان اور قلم سے ہندوستان کی زمین پر برستا رہا، ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔

---

[1] مآثر الکرام آزاد جلد دوم ص ۱۹۰۔ [2] تاریخ علمائے ہند ص ۲۴۸۔

[3] ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان بحوالہ انسان العین مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی۔
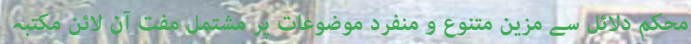
حضرت شاہ صاحب کے کارناموں کی تفصیل کے لیے ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے لیکن ہم نہایت اختصار کے ساتھ اہلِ ہند پر اُن کے علمی و دینی احسانات کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مغلیہ دربار پر ہمایوں سے لے کر اب تک تشیع کا رنگ غالب تھا، دربار میں ایرانی امرا کی کثرت ہمیشہ رہی، اور اس کا اثر نیچے تک رچہ بدرجہ نمایاں تھا اور شاہ صاحب کے عہد میں تو لکھنؤ کی نوابی کے سبب سے مسلمانوں پر اور زیادہ اثر پڑ رہا تھا، علمائے اہلِ سنت میں اس اثر کے روکنے کی ہمت اور جرأت نہ تھی، حضرت مجدد الف ثانی جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تھے، اُن کے مکتوبات اس غم و ماتم سے لبریز ہیں۔ حضرت شاہ صاحب پہلے شخص ہیں، جنہوں نے نہایت تحقیق، کد و کاوش اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کام کو انجام دیا اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جیسی عالمانہ اور محققانہ کتاب تالیف کی، جس میں سیکڑوں، ہزاروں حدیثوں کے ذریعے سے خلفائے راشدین کے مناقب و فضائل کے وہ رموز و نکات کھولے جو اب تک نہیں کھلے تھے۔

۲۔ عقائد و کلام کی بے سروپا لغو تفلسفات کا جن پر اب تک علم دین کا گویا مدار رکھا جاتا تھا، بھرم کھول کر رکھ دیا اور اُن کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے اسرار و مصالح منظرِ عام پر لائے اور ہندوستان کے علماء کو اُن کی سات سو برس کی غلط کاریوں پر متنبہ کیا۔

۳۔ قرآن پاک جو اصل میں اسلام کا مرکز و محور ہے اور جو ہندوستان میں اب تک صرف تبرکِ تلاوت کے لئے مخصوص تھا، اس کے فہم و تعلیم کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تفسیر کے اصول لکھے، قرآن کا فارسی میں مختصر لغت لکھا۔ قرآن پاک کے درس کا حلقہ قائم کیا اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کتاب بنایا۔

۴۔ عربی زبان کی واقفیت، قرآن و حدیث کے سمجھنے میں عام لوگوں کے لئے عائق تھی، اس کو دور کرنے کے لئے اپنے عہد کی علمی زبان فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور مؤطا کی فارسی میں شرح لکھی۔

۵۔ اب تک ہندوستان میں جو فقہ حنفی مروج تھی، وہ تمام تر فتاوی کی نقل در نقل کورانہ تقلید تھی، اور ہر وہ کتاب جس کو کسی حنفی عالم نے پہلے لکھ دیا ہو، وہ استناد کے قابل سمجھی جاتی تھی اور خاص امام ابوحنیفہ کا مسلک بن جاتی تھی، شاہ صاحب نے اس تقلیدی فقہ کی جگہ تحقیقی فقہ کا رواج دیا، ہر مسئلہ میں وہ ہر امام و مجتہد کی مختلف رایوں اور اجتہادوں اور ان کی دلیلوں اور سندوں سے واقف تھے، وہ اُن میں باہم تطبیق یا ترجیح دیتے تھے، مجتہدین کے اختلافات کے اسباب بتائے، اجتہاد و تقلید کی تشریح کی اور کتاب و سنت کی اتباع و پیروی کی دعوتِ عام دی۔

۶۔ شاہ عبدالحق کی کوششوں کی تکمیل کی، تالیف و تحریر کے ذریعہ کتبِ حدیث کو عام کیا، حدیث کی اولین اور صحیح ترین کتاب موطا امام مالک کی فارسی اور عربی میں مجتہدانہ دو شرحیں لکھیں، صحیح بخاری کے تراجم کی شرح کی اور "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین" ایک رسالہ لکھا، فقہ و اسرارِ حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔

۷۔ خود ہندوستان میں حدیث کے درس و تدریس کے باقاعدہ حلقے قائم کئے اور اُن کے بعد اُن کے تلامذہ نے تمام ملک میں پھیل کر اس فیض کو عام کیا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حسنِ نیت کا ثمرہ اُن کو یہ دیا کہ ان کو ایسی لائق اولادیں عطا کیں، جنہوں نے اپنے والد بزرگوار کے

ناتمام کاموں کی پوری تکمیل کی، اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو پیغام نبویؐ کے آوازہ سے معمور کر دیا، آج ہندوستان میں جہاں کہیں قال قال رسول اللہ کی آواز سنائی دیتی ہے، وہ اسی خانوادہ فضل وکمال کی خیر و برکت کی صدائے بازگشت ہے۔

شاہ صاحب کی اولاد امجاد

شاہ صاحب کی چار اولادیں تھیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ۔ شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ۔ اور شاہ عبدالغنیؒ، اُن میں سے شاہ عبدالغنیؒ نے بہت پہلے انتقال کیا، اور انہی کے صاحبزادے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہیں، ان بزرگوں نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد اپنا الگ الگ حلقۂ درس قائم کیا، ان میں سے ہر ایک کے حلقۂ درس سے بے شمار علما کامل ہو کر اُٹھے، جن کی تفصیل اس مضمون میں مشکل ہے، تاہم صرف مشاہیر اور اکابر علما کی مختصر فہرست دے دینی ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

شاہ عبدالعزیزؒ نامور باپ کے نامور فرزند تھے۔ ۱۱۵۹ھ میں پیدائش ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت پائی اور تمام علوم اپنے پدر بزرگوار سے پڑھے، اور اُن کے شروع کئے ہوئے کاموں کو آگے بڑھایا، درس و تدریس کا ہنگامہ برپا کیا، علم حدیث و سنت کو فروغ دیا، اور اہل تشیع کے رد میں تحفۂ اثنا عشریہ لکھی، قرآن کی فارسی میں تفسیر لکھی، محدثین اور کتب حدیث کے حال میں بستان المحدثین تالیف کی، اصول حدیث میں عجالہ نافعہ نام چھوٹا سا رسالہ لکھا ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی، اپنے بعد مشہور تلامذہ کا بڑا مجمع یادگار چھوڑا۔

شاہ رفیع الدینؒ

شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے پدر بزرگوار سے علم کی تحصیل کی، علم حدیث کا درس دیا، متعدد رسالے لکھے اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اب جبکہ فارسی کے بجائے اُردو زبان ملک کی زبان ہو رہی تھی، قرآن پاک کا تحت اللفظ ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ آج بھی اس سے بہتر اور صحیح تر ترجمہ مشکل ہے، اس کارنامہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اگر شاہ صاحب جیسے مقدس عالم اس کام کو اپنے وقت میں نہ کر گئے ہوتے، تو آج ہندوستان کے علما ترکی و مصر کے علما کی طرح وہم کی اس قید و بند میں گرفتار ہوتے، کہ آیا قرآن پاک کا دوسری زبان میں ترجمہ جائز بھی ہے یا نہیں، مگر بحمد اللہ کہ شاہ صاحب کے اس عمل خیر نے اس ہنگامہ کو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے فرو کر دیا، شاہ صاحب کے اس ترجمہ نے لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو دین و ایمان کی راہ بتائی، ۱۲۴۹ھ میں یہ شمع ربانی گل ہوئی۔

شاہ عبدالقادرؒ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو فقہ و تفسیر و حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا، قرآن کی اُردو میں موضح القرآن[1] کے نام سے تفسیر لکھی اور قرآن پاک کا ترجمہ کیا، حدیث کا درس جاری کیا، ۱۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے تلامذہ

ان تینوں صاحبزادوں کے علاوہ شاہ صاحب کے فیض درس میں جو لوگ بیٹھے، اُن کے ناموں کو یکجا کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم چند نام تلاش سے ملتے ہیں۔ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک نہایت اہم نسخہ ہے، جو شاہ صاحب کی درس گاہ میں زیر درس رہا ہے اور اس پر شاہ صاحب کے دست خاص سے ایک تحریر ہے۔

اور ایک تحریر شاہ صاحب کے اس شاگرد کی ہے جس نے ان سے یہ نسخہ پڑھا، اس شاگرد کا نام محمد ابن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح بلگرامی الہ آبادی ہے، اس پر مولانا پیر محمد کے ہاتھ سے جو عربی عبارت ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

---

[1] تفسیر صرف سورۃ بقرکی آیت ۱۲۵ تک اور پارہ ۲۹، ۳۰ پر مشتمل ہے (ادارہ) [2] موضح قرآن تاریخی نام ہے۔ جس سے سال تصنیف ۱۲۰۵ھ برآمد ہوتا ہے لہٰذا موضح القرآن لکھنا درست نہیں (ادارہ)

"دلی میں جمنا کے کنارے جامع فیروزی میں چہارشنبہ کے دن بتاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ جامع صحیح امام بخاری شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابو الفتح عمری بلگرامی ثم الٰہ آبادی کے ہاتھ سے تمام ہوئی، ساتھ ہی شروع سے آخر تک اس کی قرأت بھی شیخ ولی اللہ عمری کے درس میں تمام ہوئی۔"

پھر اس پر شاہ صاحب کے دست مبارک سے عربی میں بخاری تک ان کی اپنی سند اور اجازت درج ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے درس میں کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، فرماتے ہیں:۔

"شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابو الفتح عمری نسباً بلگرامی اصلاً، الٰہ آبادی مولداً نے صحیح بخاری مجھ سے پڑھی، خواجہ محمد امین پڑھتے تھے اور وہ سنتے تھے، نیز بقیہ کتب صحاح ستہ کے اطراف مجھ سے پڑھے۔ اور موطا امام مالک اور مسند دارمی اور مشکوٰۃ کے کچھ حصے پڑھے، اور میں نے ان کو، ان کی اجازت دی، میں نے یہ اجازت و سند شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے حاصل کی۔ اس کو ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور ابن احمد بن محمود نے اپنے ہاتھ سے لکھا، جو نسباً عمری وطناً دہلوی، عقیدۃً اشعری، طریقۃً صوفی، عملاً حنفی اور تدریساً حنفی و شافعی اور تفسیر و حدیث و فقہ و عربیت اور کلام کا خادم ہے۔ سہ شنبہ ۲۴ شوال سنہ ۱۱۵۹ھ"

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ عبارت ہے:۔

"این خط والد بزرگوار است بے شبہ کتبہ الفقیر محمد رفیع"

اس نسخہ پر ایک اور عبارت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ کے حکم سے ۱۱۸۴ھ میں محمد نامی کسی عالم نے اس میں شروع سے آخر تک اعراب لگائے اور کسی صحیح نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا[1]

خواجہ محمد امین جن کا شاہ صاحب کی اس تحریر میں ذکر ہے۔ شاہ صاحب کے مخصوص شاگردوں اور مریدوں میں ہیں، شاہ صاحب کے تلامذہ میں ایک بزرگ مولانا رفیع الدین مراد آبادی ہیں، مولانا رفیع الدین نے شاہ صاحب کے علاوہ شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد مولانا خیر الدین سورتی سے بھی حدیث پڑھی، امام نووی کی اربعین کی شرح لکھی اور اپنے سفر حج کے حالات میں فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے[2]

کشمیر کے ایک اور بزرگ شاہ محمد عاشق پھلتی معروف بہ بابا محمد عثمان کشمیری ابن شیخ محمد فاروق شاہ صاحب کے تلامذہ میں ہیں، حدیث اور فقہ کا درس شاہ صاحب سے حاصل کیا تھا۔

شاہ عبد العزیز کے تلامذہ شاہ ولی اللہ صاحب کے فیض کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اُن کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز صاحب کے ذریعہ عام کیا، بہت سے مشاہیر علماء اور علم حدیث کے ماہر ان کے حلقۂ درس سے پیدا ہوئے، جن میں قابل ذکر خود شاہ صاحب

---

[1] مولانا رفیع الدین صاحب کے حال کے لیے دیکھو تذکرہ علمائے ہند، ص ٦٦۔

[2] ایضاً۔

کے داماد مولانا عبدالحیٔ اور بھتیجے مولانا اسماعیل شہید اور نواسے شاہ محمد یعقوب اور شاہ محمد اسحاق صاحب اور اُن کے علاوہ حسبِ ذیل اصحاب ہیں:
مرزا حسن علی محدث لکھنوی، مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادی، مولانا سلامت اللہ بدایونی کانپوری، مولانا روف احمد مجددی مصطفیٰ آبادی
مفتی صدرالدین خان دہلوی، سید قطب الہدیٰ رائے بریلوی، مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خرم علی صاحب بلہوری وغیرہ۔
پھر ان میں سے ہر ایک کے سیکڑوں شاگرد پیدا ہوئے۔

شاہ رفیع الدین کے تلامذہ ایک تو خود شاہ رفیع الدین صاحب کے صاحبزادہ شاہ مخصوص اللہ المتوفی ۱۲۷۳ھ ہیں، دوسرے مولانا رشید الدین خان دہلوی المتوفی ۱۲۴۹ھ۔ اور تیسرے شاہ ابوسعید صاحب عمری، مجددی دہلوی المتوفی ۱۲۴۹ھ

شاہ عبدالقادر صاحب کے تلامذہ مفتی صدرالدین خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی۔

دلی کے دو چراغ شاہ عبدالعزیز صاحب کے بعد علمِ حدیث کے دو چراغ روشن ہوئے۔ ایک شاہ صاحب کے نواسہ مولانا شاہ اسحاق صاحب اور دوسرے شاہ ابوسعید صاحب کے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی صاحب مجددی۔

اس موقع پر ایک فرق سمجھ لیجئے، یہ شاہ عبدالغنی صاحب مجددی اور اُن کے والد شاہ ابوسعید صاحب مجددی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان سے ان کا کوئی نسلی اتصال نہیں ہے۔

اس خاندان کے تلامذہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے، لکھنؤ میں علمِ حدیث کا جو فیض پہنچا وہ بھی اس خانوادہ علم و کمال کا مرہونِ منت ہے۔

مرزا حسن علی محدث لکھنوی سب سے زیادہ لکھنؤ میں جن بزرگ نے اس فیض کو عام کیا اور خود فرنگی محل تک نے اُن سے رجوع کیا، وہ مرزا حسن علی محدث لکھنوی ہیں، اس نام کے اس وقت لکھنؤ میں دو بزرگ تھے، ایک محلہ یحییٰ گنج میں رہتے تھے اور دوسرے محمود نگر میں رہتے تھے۔ پہلے صغیر اور دوسرے کبیر کہلاتے تھے۔ یہاں مقصود یحییٰ گنج کے مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی ہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے اور لکھنؤ آ کر علمِ حدیث کی ترویج و تدریس میں کوشاں رہے اور سیکڑوں آدمیوں نے اُن سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، علمائے فرنگی محل نے بھی اُن سے علمِ حدیث کا فیض حاصل کیا، اور اسی وقت سے لکھنؤ کی درسگاہوں میں علمِ حدیث کا رواج ہوا، نصیر الدین حیدر کی سلطنت میں ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی[1] ان کے ایک شاگرد مولانا محمد علی صدر پوری ملیح آبادی ہیں، جو اخیر میں نواب ٹونک کے ملازم ہو گئے تھے، توحید و سنّت کی اشاعت اور رسوم و بدعات کے ابطال میں بڑی کوشش کی۔

مولانا حسین احمد ملیح آبادی ان کے والد سرہند سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے ملیح آباد جا کر آباد ہوئے، مولانا کی پیدائش یہیں ہوئی، مرزا حسن علی لکھنوی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شیخ عمر محدث مکی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، اُن کا ایک سالہ جوازِ قراءت خلف الامام مشہور ہے، مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی نے اُن سے حدیث پڑھی تھی، ۱۲۷۵ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۸ [2] ...

شاہ محمد اسحاق

اللہ تعالیٰ نے آپکے درس میں بڑی برکت عطا فرمائی، تمام بڑے بڑے علماء اُن کے شاگرد تھے چند رسالے بھی اُن کی ... ہیں، غدر کے بعد مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے، اور وہاں بھی یہ سلسلۂ فیض جاری رہا، آخر وہیں ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی، اُن کے تلامذہ میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، نواب صدر الدین خاں دہلوی نواب قطب الدین خاں جنہوں نے کتب حدیث کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، مولانا سید نذیر حسین صاحب (بہاری) دہلوی مولانا عالم علی صاحب مرادآبادی، شیخ محمد صاحب تھانوی، مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی، مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی ہیں۔

شاہ عبدالغنی صاحب مجددی

شاہ صاحب نے موطا اپنے والد مولانا شاہ ابوسعید صاحب سے پڑھی، مشکوٰۃ شاہ رفیع الدین صاحب کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہ صاحب سے، اور بقیہ کتابیں شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھیں، شاہ صاحب کی مجلس درس میں وہی پڑھتے تھے، سنن ابن ماجہ پران کا حاشیہ ہے، جس کا نام انجاح الحاجہ ہے، چھپ چکا ہے، انگریزی تسلط کے بعد انہوں نے بھی ہجرت کی تھی، پہلے مکہ معظمہ میں رہے، پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، اللہ تعالےٰ نے اُن دونوں بزرگوں پر یہ برکت عطا فرمائی کہ تمام دنیائے اسلام اُن کی زیر بار احسان ہوگئی، اور جہاں بھی کوئی قال قال رسول اللہ کہتا ہے، ان دونوں بزرگوں میں سے ایک کا واسطہ ضرور ہوتا ہے، حرمین کے تمام علمائے ان کے حلقۂ درس سے فیض پایا، اور آج مدینہ منورہ میں جو سلسلہ سب سے زیادہ قلیل الوسائط لیکن کثیر البرکت ہے۔ وہ انہی دونوں بزرگوں خصوصاً حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اسناد و اثبات الیانع الجنی فی اسناد الشاہ عبدالغنی چھپ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا کتنا شکر ادا کیا جائے کہ پچھلے سفر حج (۱۳۴۴ھ) میں شیخ عمری مغربی کے واسطہ سے اس سلسلہ کی سند اس گنہگار کو بھی عطا ہوئی۔

شاہ عبدالغنی صاحب کے تلامذہ

شاہ عبدالغنی صاحب کے تلامذہ اور مستفیدین کی فہرست حدِ شمار سے باہر ہے لیکن ان میں سے دو صاحبِ سلسلہ بزرگ سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ان دونوں بزرگوں کے فیوض و برکات عالم آشکارا ہیں، اور آج بھی ہمارے سامنے ہیں، ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی اور مولانا اسمٰعیل شہید کے تلامذہ

مولانا عبدالحیٔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد اور شاگرد خاص اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید شاہ صاحب کے بھتیجے اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے، ان دونوں بزرگوں نے بھی درس و تدریس کی خدمت انجام دی لیکن زبان و قلم سے آگے بڑھ کر اپنے زور بازو سے بھی کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کے رد کی کوشش کی، بنگال سے لے کر افغانستان کی سرحد تک کا دورہ کیا، وعظ و نصیحت کی، مناظرے کئے، جمعہ و جماعت کا اہتمام کیا، رسوم کا ابطال کیا، لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، اور ان جہات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری (جد بزرگوار مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب جونپوری) نے ان ہی دونوں بزرگوں کے آغوش درس میں تعلیم پائی۔

مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری

مولانا سخاوت علی کچھ دنوں نواب ذوالفقار خاں رئیس باندہ کے مدرسہ میں مدرس تھے، جونپور آکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، بہار و جونپور و اعظم گڈھ و بنارس سے بکثرت

طلبہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور اُن کے ذریعے سے قدیم جاہلانہ رسوم کے ابطال اور مذہبی شعائر کے اجراء میں بڑی مدد ملی ہشکوۃ کے طرز پر مولانا نے القویم فی احادیث النبی الکریم ایک مفید کتاب لکھی، جو یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں (ٹونک) کے ایماء سے ۱۳۱۳ھ میں مطبع صدیقی بنارس میں چھپی، حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اور وہیں ۱۲۷۴ھ میں وفات پائی۔ اُن کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں۔ مولانا کرامت علی جونپوری، خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، ملا غلام محمد جگدیش پوری۔ مولوی شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا محمد عمر غازی پوری، مولانا غلام جیلانی غازی پوری، مولانا فیض اللہ مئوی اعظم گڈھی، مولوی رحیم اللہ صاحب ساکن بستی۔ مولانا سید یعقوب صاحب دیسنوی بہاری اور مولانا سید مصطفیٰ شیر صاحب دیسنوی بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ[1] (سہسرام)

فرنگی محل اور علم حدیث

لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا، ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین رحمہما اللہ کے عہد سے لے کر مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ تک اس خانوادۂ فضل وکمال کی علمی کوششوں کا جولانگاہ منطق اور اصول کی کتابیں رہیں اور تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درس گاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے، وہ یہ ہے کہ درس نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی، اور وہی پڑھائی جاتی تھی۔ یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے پندرہ پارے موجود تھے، مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے

ملا نظام الدین

بہرحال فرنگی محل کی درس گاہ ایک مدت تک کتب صحاح کے درس سے خالی رہی اور صرف کسی مختصر مجموعۂ حدیث پر قناعت کی گئی، حضرت ملا نظام الدین کی ایک تصنیف اُن کے پیر و مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں مناقب رزاقیہ کے نام سے ہے، اس میں ایک موقع پر یہ واقعہ درج ہے کہ ایک دفعہ سید صاحب نے جو امّی تھے۔ پوچھا کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے، لوگوں نے حنفی طریقے سے بتایا، اس پر سید صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے (کشف سے) کہ اگر صرف منہ اور گٹوں تک ہاتھوں کا مسح کر لیا جائے، تو کافی ہے۔ حاضرین نے انکار کیا۔ ملا صاحب اس موقع پر فرماتے ہیں:-

"اختلاف است فقہارا کہ در تیمم استیعاب ذراع یا بہ بند دست کفایت دارد حضرت امام اعظم و صاحبیہ رحمہم اللہ براول است، و امام شافعی بقول قدیم و جماعتہ بر ثانی و اکثر احادیث صحاح مؤید قول امام شافعی وغیرہ است (ص ۱۹)

مولانا بحر العلوم

علمائے فرنگی محل میں سب سے پہلی ہستی جس کی تصنیفات کتب حدیث کے حوالوں سے لبریز ہیں، وہ مولانا عبدالعلی بحر العلوم خلف الصدق ملا نظام الدین کی ذات ہے، مگر یہ بتحقیق معلوم ہوا ہے کہ اُن کو حدیث کی کتابوں کی باقاعدہ سند حاصل نہ تھی اور اس کا کہیں ذکر ان کے حالات و تصنیفات میں نہیں ملتا، بلکہ علوم کی فراغت کے بعد انہوں نے محدثین کی کتابیں پڑھ کر اس فیض

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۶۹، ۷۰۔

کو از خود حاصل کیا تھا۔

متعدد طریقوں سے یہ روایت سنی ہے کہ مولانا عبدالعلی (بحرالعلوم) کی جب عقلی تصنیفات دلّی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں پہونچیں، تو حضرت شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ دنیات سے کورے ہیں، یہ سن کر مولانا عبدالعلی نے فقہ میں ارکانِ اربعہ لکھ کر بھیجی جس میں محققانہ مسائل پر بحث اور احادیث کے حوالے ہیں، اس کو دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اخاہ! ملّا عبدالعلی تو بحرالعلوم ہیں، ایک کاملِ دقت کی زبان سے جو لفظ نکلا، وہ چاردانگِ عالم میں پھیل گیا، اور اتنا مقبول ہوا کہ لوگ بحرالعلوم کی شہرت کے مقابلہ میں عبدالعلی نام تو بھول گئے اور زبانوں پر بحرالعلوم رہ گیا۔

مولانا بحرالعلوم کی دو تصنیفات ارکانِ اربعہ فقہ میں اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں احادیث اور کتبِ احادیث کے حوالے بکثرت ہیں، یہاں پر دو باتیں قابلِ بحث ہیں۔ مولانا کو یہ کتابیں کہاں ملیں اور ان میں سے اصلاً کون کون کتابیں ملیں۔

پہلی بات کے متعلق یقینی ہے کہ لکھنو کے قیام کے زمانہ میں یعنی ۱۱۷۲ھ یا ۱۱۷۳ھ تک جب مولانا کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کی تھی، یہ کتابیں نہیں لکھی گئیں اور نہ لکھنؤ میں تالیف پائیں۔ فواتح الرحموت کا نام تو تاریخی ہے۔ جس سے ۱۱۸۰ھ نکلتے ہیں، یہ زمانہ غالباً مولانا کے شاہجہاں پور یا رامپور کے قیام کا ہے، کیونکہ بوہار (بنگال) کا مدرسہ اور کتب خانہ بہت بعد یعنی ۱۲۸۹ھ میں قائم ہوا، اور مولانا کا قیام یہاں ۱۲۸۹ھ کے بعد ہی سے ہوا، اغصانِ اربعہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مولانا کی اکثر تصنیفات شاہجہان پور ہی کے زمانۂ قیام میں تالیف پائی ہیں، اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ نواب شاہجہان پور حافظ الملک رحمت خان نے ایک بڑا کتب خانہ بھی فراہم کیا تھا اور یہ سرمایہ بعد کو رام پور میں منتقل ہوا، ان وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بحرالعلوم کو اسی کتب خانہ میں کتابیں ملیں۔

دوسرے سوال کا جواب کچھ زیادہ اہم نہیں، ارکانِ اربعہ میں جو کچھ ہے اُس کا ماخذ دو کتابیں ہیں۔ اس کی اصل بنیاد تو علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ہدایہ) پر ہے۔ فتح القدیر میں تمام کتبِ حدیث کے اقتباسات اور حوالے موجود ہیں اور انہی کے مباحث اور حوالوں کا خلاصہ ارکانِ اربعہ ہے، اس کے علاوہ دوسرا ماخذ مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ جامع الاصول ہے، جس کا مولانا نے بارہا اس میں حوالہ دیا ہے اور اسی سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

فواتح الرحموت کی تصنیف کے وقت مولانا کے سرمایہ میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اس وقت ابن ہمام کی فتح القدیر اور تحریر فی الاصول کے علاوہ ابنِ حجر اور سیوطی کی کتابیں بھی اُن کو مل گئی تھیں، چنانچہ ابنِ حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری اور جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور اور الاتقان فی علوم القرآن کے حوالے بکثرت ان کی اس کتاب میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی کی یہ دونوں کتابیں ہندوستان اس زمانہ میں پہنچ چکی تھیں، میر غلام علی آزاد کی تالیفات میں بھی ان دونوں کتابوں کے حوالے ہیں۔

تفسیر دُرِ منثور اور اتقان گو قرآن پاک سے متعلق ہیں۔ مگر اُن کی تمام تر بنیاد احادیث اور روایات پر ہے، اور ان میں نہ صرف

---

[1] یہ واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ تذکرہ علمائے فرنگی محل میں موجود ہے، ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

کی طرح مشہور حدیثیں بلکہ دوسری نادر کتب حدیث کی روایتیں بھی ہیں، اس بنا پر ان دونوں کتابوں میں حدیث کی تمام کتابوں سے روایتیں آ گئی ہیں، مولینا بحرالعلوم ان ضمنی روایتوں کو نہایت خوبی کے ساتھ اپنے کام میں لاتے ہیں، اس طریقہ سے اُن کی تصنیف فواتح الرحموت میں حسبِ ذیل کتب حدیث کے نام اور حوالے ملتے ہیں اور اُن کی روایتیں بعینہٖ درج ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، موطائے امام مالک، حاکم، بزاز، ابنِ حبان، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، بیہقی، رسالہ سیوطی فی احادیث روایا الصحابۃ عن التابعین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ فارسی بھی اُن کے مطالعہ میں تھی۔ جس کا ذکر اسی کتاب میں جرح و تعدیل کے مسئلہ کے ضمن میں ہے اور خبرِ واحد کے مسئلہ میں بھی شیخ کا حوالہ دیا ہے، ان کے علاوہ تفاسیر بالروایۃ اور شروحِ حدیث میں سے حسبِ ذیل کتابوں کے حوالے ہیں، معالم التنزیل بغوی، دُر منثور سیوطی، فتح الباری، حافظ ابنِ حجر، متاخر محدثین میں ابنِ ہمام (صاحب فتح القدیر والتحریر) اور ابنِ تیمیہ کے نام بھی آئے ہیں۔

کتبِ حدیث اور ان کی روایتوں کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آئے ہیں، اُن سے بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم مولانا کے مطالعہ میں تھی اور دیگر کتب حدیث کی روایتیں بالواسطہ اور زیادہ تر درِ منثور اور اتقان سے ماخوذ ہیں اور مولانا نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کر دیا ہے۔

مُلّا مبین | مولانا بحرالعلوم کے علاوہ فرنگی محل کے علمائے متقدمین میں دو بزرگوں کے نام ہم کو اور ملے ہیں، ایک مُلّا مبین ہیں، جن کے حال میں اغصان اربعہ کے مصنف نے لکھا ہے۔

"واحادیث بسیار حفظ داشت چنانچہ ہنگام وعظ، ترجمۂ ہزاراں احادیث بر زبان می آورد" (ص ۱۸)

اہل بیت کے مناقب اور اسمائے الٰہی کی شرح میں اُن کے دو رسالے ہیں، ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

مُلّا حیدر | مُلّا مبین کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد حیدر صاحب غالباً اس خاندان میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے عرب جا کر اس فن کی سند حاصل کی، ۱۲۴۰ھ میں وہ حج کے لئے روانہ ہوئے، دو مہینے مکہ معظمہ میں اور کچھ مہینے مدینہ منورہ میں رہے، مکہ معظمہ میں سید یوسف بطاح یمنی اور شیخ مُلّا عمر مکی سے صحیحین کی تحصیل کی اور مدینہ منورہ جا کر، وہاں کے شیوخ سے تکمیل کی اور بعد کو پھر مکہ معظمہ میں آ کر قیام کیا، عرب سے واپس آ کر حیدرآباد گئے اور وہیں رہ گئے[1]

مولانا عبدالرزاق | تیسرے بزرگ مولانا شاہ عبدالرزاق ہیں، حدیث کی کتابیں انہوں نے اپنے خاندان سے باہر مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادی اور مرزا حسن علی مرحوم محدث لکھنوی (تلامذۂ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی) سے پڑھیں، اور پھر اپنے استادوں کے ساتھ مل کر حدیث کی تمام کتابیں شیخ محمد محسن مدنی سے اس طرح پڑھیں کہ وہ قرأت کرتے تھے اور یہ بہت سے علماء سماعت کرتے تھے، ۱۲۵۴ھ میں فراغت حاصل کی۔

مولانا شاہ عبدالرزاق مرحوم کے دونوں صاحبزادوں، مولانا عبدالباسط اور مولانا حافظ عبدالوہاب نے اپنے والد ماجد سے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اغصان اربعہ ص ۱۸ و مابعد

حدیث پڑھی ہے

مولانا عبدالحلیم علمائے فرنگی محل میں علمِ حدیث کے درس و تدریس کا باقاعدہ نظام مولانا عبدالحلیم (والد بزرگوار مولانا عبدالحئی) کے زمانہ سے شروع ہوا، مولانا عبدالحلیم نے مفتی محمد یوسف مرحوم اور دیگر علمائے فرنگی محل سے علوم درسیہ کی تکمیل کی ۱۲۶۱ھ میں نواب ذوالفقار بہادر رئیس باندا (بندیل کھنڈ) کے مدرسہ میں مدرس ہوئے، پھر اپنے استاد مفتی محمد یوسف صاحب مرحوم فرنگی محل کی جگہ پر جونپور کے مدرسہ امامیہ حنفیہ کے مدرس ہوئے، ۱۲۷۷ھ میں نواب سالار جنگ کی طلب پر حیدر آباد گئے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ میں حرمین محترمین کی زیارت کے لیے گئے، اور وہاں کے علما اور شیوخ سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی، جن میں سب سے پہلے نام احمد بن زینی دحلان شافعی کا ہے۔ نیز شیخ محمد جمال حنفی، محمد بن محمد العرب الشافعی مدرس مسجد نبوی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی وغیرہ سے فیوض و برکات اور اجازت و سند حاصل کی، منطق و فلسفہ و کلام و اصول کے علاوہ حدیث و سیر و فقہ کے مسائل پر رسالے لکھے مثلاً نور الایمان فی آثار حبیب الرحمٰن، برکات الحرمین، خیر الکلام فی مسائل الصیام، القاد المصابیح فی صلوٰۃ التراویح، الاسمائی تحقیق الدعا غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن، عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر۔

۱۲۸۵ھ میں وفات پائی[1]

مولانا محمد نعیم صاحب یہ مولانا بحر العلوم کے پوتے اور مولانا عبدالحلیم صاحب کے صاحبزادے تھے، اپنے والد ہی سے تعلیم پائی، نہایت متقی اور زاہد تھے اور بزرگانِ سلف کی زندہ یادگار تھے، تعلیم سے فراغت پاکر عرب گئے اور وہاں سے سند پائی، حدیث و فقہ کی کتابوں کا درس دیتے تھے، تیرھویں صدی کے اخیر اور چودھویں صدی کے شروع میں درس و افادہ میں مشغول تھے، بہت سے علمائے ظاہر و باطن میں آپ سے استفادہ کیا، منجملہ اوروں کے مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء بھی تھے۔

مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ مولانا محمد نعیم صاحب کو حدیث کی کتابوں کا اتنا شوق تھا کہ جب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار شروع شروع چھپ کر آئی ہے تو اس کے دام زیادہ تھے اور مولانا کے پاس روپے نہ تھے، تو انہوں نے اپنا ایک مملوکہ مکان خاص اس کام کے لئے بیچا اور اس کی قیمت میں سے یہ کتاب خرید کر منگوائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مولانا عبدالحئی فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی، تعلیم اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے پائی تھی، ساتھ ہی دو مرتبہ حجاز جاکر وہاں کے علما اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں، پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں سید احمد دحلان اور شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدینہ سے حاصل کیں، مرحوم نے گو عمر بہت کم پائی۔ ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے ۲۲ سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کی، اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ کل چالیس برس کی عمر ملی۔ مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور تحقیق و تدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف و دیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول و منقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحہ

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اغصان اربعہ ص ۱۰۷۔ [2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

تکمہ موتیں بارتا رہا، دوسرے علوم و فنون کے ساتھ تمام کتبِ حدیث کا درس بکمالِ تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا، پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اس فیض سے سیراب ہوئے، حدیث اور متعلقاتِ حدیث کی متعدد نادر کتابیں اپنے مقدمہ اور تحشیہ کے ساتھ شائع کیں۔ حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے لکھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف ملک میں ایک نئے مسلک عدم تقلید کا چرچا تھا اور ملک میں جگہ جگہ علم حدیث کے حلقہ ہائے درس قائم تھے بھوپال اور دہلی میں علمائے اہل حدیث کا مجمع تھا، رسالوں پر رسالے نکل رہے تھے، ادھر لکھنؤ میں اُن کے مقابلہ میں مولانا عبدالحیؒ جن کی ہستی تھی، نواب صدیق حسن خاں مرحوم اس زمانہ میں اہل حدیث کے امام اور مولانا عبدالحیؒ احناف کے سرگروہ تھے، طرفین نے خوب خوب داد تحقیق دی،

متونِ کتب میں سے مولانا نے مسند امام ابوحنیفہ، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا، اور ان کو چھپوا کر شائع کیا، متعلقات حدیث میں سے موضوعات سیوطی المقاصد الحسنہ امام سخاوی اور فتح المغیث فی اصول الحدیث اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابیں اُن کے اشارہ سے اُن کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں۔

کتابوں کے تحشیہ اور اشاعت میں مولانا کو جو اہتمام تھا، اس میں دو باتیں خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں، سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے، مولانا سے پہلے کسی شارح یا محشی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، یورپ میں قلمی کتابوں کو اڈٹ کرنے کی جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہ مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کے معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں، مولانا نے علمائے یورپ کے طریق کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ کی، اور بالکل اسی طریق پر، بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا، جس کتاب کو شائع کیا، اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کرکے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا، پھر اس پر حواشی لکھے، شروع میں ایک مقدمہ لکھا، جس میں ماتن، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے، اس کی کتاب اور اس فن کی دوسری کتابوں کے حالات ذکر کئے۔ اور اُس فن کی جس میں یہ کتاب تھی تاریخ لکھی۔

دوسری قابلِ ذکر بات کتابوں کی صحت ہے، حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی یہ ضخیم کتابیں اور اُن پر باریک حاشیے اور اُن کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے، تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اُن کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے، آج جب کہ مطابع اور کتابوں کی چھپائی اور اشاعت کا یہ عالم اور اس قدر اہتمام ہے۔ تاہم وہ صحت اردو کی کتابوں میں بھی نہیں ہوتی،

صحت کے معاملہ میں مولانا کے ساتھ غالباً اُن کے معتقد مولانا خادم حسین صاحب عظیم آبادی اور مولانا عبدالعلی آسی مدراسی کے اہتمام کو بھی دخل تھا۔

مولانا کے تلامذہ میں اس فن کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے، جن میں قابل ذکر مولانا ظہیر احسن، شوق نیموی صاحب آثار السنن، مولوی حکیم عبدالباری صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی مولانا قادر بخش سہسرامی، حافظ الحدیث مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری، مولانا عبدالکریم پنجابی، مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتح پوری وغیرہ وہ علمائے کبار ہیں، جنہوں نے

[illegible] مدرسہ میں پہونچ کر علم و فن کی خدمت کی، میرے علم میں اس وقت مولانا کے وسیع حلقۂ تلامذہ سے صرف دو بزرگوار [illegible] بطور [illegible] شمع یادگار ہیں، مولانا ابوالفضل محمد حفیظ اللہ صاحب مدرس اعلیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب [illegible] چشتی پھلواروی اور کیونکر کہوں کہ اس سرگشتۂ وادی جہالت کو بھی بیک واسطہ (استاذ نا مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب کے واسطے [illegible] اس بزم اقدس کی صف نعال میں جگہ حاصل ہے۔

مولانا عبدالباری صاحب مرحوم

سب سے آخر میں فرنگی محل کے علم و فضل کا دائرہ جناب مولانا عبدالباری کے نقطۂ کمال میں سمٹ کر آ گیا تھا، مرحوم نے فرنگی محل میں جناب مولانا عین القضاۃ صاحب شاگرد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی سے کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد عرب جا کر علم حدیث کی تکمیل کی اور مدینہ منورہ میں قیام فرما کر شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ میں سید محمد علی اثری اور شیخ حمت اللہ سے سندیں حاصل کیں مرحوم کو در اصل فقہ حنفی کے ساتھ والہانہ شغف تھا اور اس کی نادر اور حنفی اماموں کی اصل کتابوں کا بڑا شوق تھا، اور ساتھ ہی ایسی حدیثوں کی بھی اُن کو بڑی تلاش رہتی تھی، جن سے کسی حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو، مولانا کے یہاں جب جانا ہوتا، اور ملنا ہوتا تو ان عنوانات پر گفتگو ضرور ہوتی، حدیث و فقہ کی نادر قلمی کتابوں کی بہم رسانی کا بھی انھیں شوق تھا، امام محمد کی سیر کبیر کا نسخہ جمع کرایا تھا، آثار امام محمد کے رجال کی تحقیق پر رسالہ لکھا، احادیثِ متواترہ یک جا کئے ایک دن کی سینہ بسینہ روایات کا خاندانی مجموعہ بھی چھاپا۔ امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ایک خاص باب امام ابوحنیفہ کے رد میں لکھا ہے، جو ایک رسالہ کی صورت میں چھپ بھی گیا ہے۔ مولانا نے ابن ابی شیبہ کے اس رد کا جواب لکھا، جو چھپ گیا ہے۔ اور بھی چند چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے اس فن میں انہوں نے لکھے [illegible] ایک مجموعہ گیا [illegible] رسالوں پر مشتمل ہے۔

۱۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ

سید سلیمان ندوی

معارف میں "ہندوستان میں علم حدیث" کے عنوان سے مضامین کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، الحمد للہ کہ اس سے توقع سے زیادہ لوگوں نے دلچسپی لی، علماء اور تعلیم یافتہ دونوں جماعتوں نے اس کو پسند کیا اور اس کی تکمیل و تصحیح میں حصہ لیا، بیرون ہندوستان تک سے اس کی مزید تکمیل کی فرمائش جاری ہے۔

چونکہ یہ ایسا مضمون تھا جس کے معلومات اب تک کہیں یکجا نہ تھے، اور نہ کسی مصنف و مؤرخ نے اس کی طرف توجہ کی تھی، مجھے خود اس کی وسعت کا اتنا علم نہ تھا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، راستہ اور کشادہ اور فراخ معلوم ہوتا گیا، تاہم چونکہ راستہ دیکھا نہ تھا، اور نہ کسی پچھلے رہرو کے نقش قدم کے وہاں نشان تھے، اس لئے ادھر اُدھر بھٹکنا ناگزیر تھا، سلسلۂ مضمون میں قدم قدم پر تحقیق کی لغزشیں تھیں، مگر خوشی کی بات ہے کہ چند اور اہل ذوق بھی ہم سفر ہو گئے، اور اُن کے ٹوکنے سے غلط روی کی اصلاح ہوتی گئی۔

ہندوستان میں علم حدیث کی ابتدائی تاریخ کے سراغ لگانے میں جو کوششیں آغاز مضمون میں کی گئی تھیں، مزید تلاش سے اس کے چند نئے اوراق بھی ہاتھ آئے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس سلسلہ میں یہ خصوصیت کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ اہل عرب کو علم حدیث اور اس کی اشاعت کے ساتھ خاص شغف رہا ہے، اس لئے جہاں ان کے فتوحات کا قدم پہنچا، وہیں قرآن پاک کے بعد علم حدیث کی درس گاہ بھی قائم ہو گئی، ہندوستان کا سب سے پہلا حصہ جو عرب فتوحات کے دائرہ میں داخل ہوا، وہ سندھ تھا جس کا ۹۶ھ سے تقریباً ۲۵۰ھ تک براہ راست دمشق و بغداد کی خلافت سے تعلق قائم رہا، اور پھر وہاں کے دو شہروں منصورہ اور دیبل میں دو مقامی اسلامی ریاستیں قائم ہوئیں، منصورہ کی اسلامی ریاست محمود غزنوی کے حملہ سندھ تک (۴۱۶ھ تک) قائم رہی، اور اس کے بعد دیبل کی اسلامی ریاست ۷۵۲ھ تک یعنی فیروز شاہ خلجی کے زمانہ تک باقی رہی۔ گو اس کے بعد بھی وہ ۹۲۷ھ تک قائم رہی مگر خود مختار نہ رہی، بہر حال اس سے اندازہ ہوگا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے اس وقت تک جب تک درۂ خیبر سے آنے والی قوموں نے آکر اُن کو بیدخل نہیں کر دیا، وہ اس سرزمین میں اسلام اور اسلامی علوم کے حافظ و محافظ رہے۔

قاضی ابو سعد عبد الکریم سمعانی ۵۰۶ھ میں مرو (ترکستان) میں پیدا ہوئے، اور وہیں ۵۶۲ھ میں وفات پائی، علم حدیث کی طلب میں تمام دنیائے اسلام کی خاک چھانی اور ہر جگہ جا کر چار ہزار استادوں سے اس فن کو حاصل کیا اور ماوراء النہر اور خراسان سے بارہا گزرے اور ان کے علاوہ عراق، شام اور عرب تک چکر لگایا اور ہر گوشہ سے فیوض و برکات کا سرچشمہ جمع کیا۔ ان کی مشہور کتاب کتاب الانساب ہے۔ جو ۱۹۱۲ء میں گب میموریل سیریز کے سلسلہ میں عکس سے چھاپی گئی ہے۔ اس کتاب میں شہروں، قبیلوں اور پیشوں کی نسبتوں سے جو لوگ مشہور ہوئے

اُن کے حالات ہیں، اس ضمن میں چھٹی صدی ہجری تک کے اکثر شہروں کے باکمالوں کے تذکرے ہیں، منجملہ ان کے ہندوستان بھی ہے۔
ہندوستان کے شہروں میں سے سندھ، منصورہ، دیبل اور لاہور کے نام اس میں ملتے ہیں۔ دہلی کا نام اس لئے نظر نہیں آتا کہ
اس زمانہ تک (۵۶۲ھ) دہلی اسلام کے دائرہ حکومت میں نہیں آئی تھی۔

سندھی | اس نسبت سے جن دو ابتدائی بزرگوں کے نام اس میں لکھے ہیں، یعنی ابومعشر نجیح المتوفی سنہ ۱۷۰ھ اور رجا سندھی المتوفی سنہ ۲۲۱ھ کے نام پہلے گذر چکے ہیں، البتہ رجا سندھی کی اولادوں کا ذکر رہ گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں مدت تک علم حدیث کا چرچا رہا۔ ابوعبداللہ محمد بن رجا اور ابوبکر محمد بن محمد بن رجا مشہور گزرے ہیں، ابوعبداللہ نضر بن شمیل، مکی ابن ابراہیم بن علی دہلی، اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے اور ابوبکر ابراہیم بن محمد شافعی، اسحاق بن راہویہ کے شاگرد تھے، بغداد اور مکہ میں درس دیتے تھے۔

۲۔ ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی فقیہ، متکلم اور محدث تھے، حسن بن سفیان وغیرہ کے حلقوں میں بیٹھتے تھے، ہمدان اور قزوین میں قاضی رہے۔

۳۔ احمد بن سندھی بن فروخ بغداد جاکر رہے۔ ابراہیم دورقی سے روایت کی۔

۴۔ احمد بن سندھی بن حسن بھی بغداد ہی میں سکونت پذیر تھے۔ ثقہ، صدوق اور فاضل تھے[1]

۳۷۵ھ یعنی سلطان محمود کے فتوحات سے بیس پچیس برس پہلے یہاں بیت المقدس کا عرب سیاح عالم ابوالقاسم مقدسی آیا تھا۔ آپ تعجب سے سنیں گے کہ وہ سندھ کے اسلامی فرقوں کے ذکر میں کہتا ہے۔

واکثرھم اصحاب حدیث[2] اور اُن میں زیادہ تر اہلِ حدیث ہیں،

پھر کہتا ہے کہ یہاں کے بڑے شہر (قصبات) حنفی فقہا سے خالی نہیں ہیں، لیکن کوئی مالکی یا حنبلی نہیں ہے[3]

منصوری | یہ منصورہ کی طرف نسبت ہے، عربوں کے زمانہ میں یہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں آباد ہوا، اہلِ ہند اس کو بھکر کہتے ہیں اور اسی نام سے ہندوستان کی تاریخوں میں اس کی شہرت ہے۔ ۴۱۶ھ تک یہ عرب ریاست تھی اس کے بعد سلطان محمود نے اس کو فتح کیا، عرب ریاست کے زمانہ میں یہاں علم حدیث کا خاصہ چرچا تھا۔

اہل حدیث میں ایک فرقہ ظاہریہ کہلاتا ہے، اس کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانی المتوفی سنہ ۲۷۰ھ ہیں، یہ ہر قسم کے قیاس کے قطعاً منکر تھے، اور آیات و احادیث کے صرف ظاہری معنی پر اکتفا کرتے تھے، اس لئے ظاہری کہلائے، داؤد ظاہری کے انتقال کے سو برس بعد ابوالقاسم مقدسی سندھ آیا تھا، وہ کہتا ہے کہ "یہاں داؤدی مذہب کے محدثین موجود ہیں، منجملہ اُن کے وہ منصورہ کے قاضی ابومحمد کا ذکر کرتا ہے، جن سے وہ ملا تھا، وہ داؤدی تھے، اور اپنے مذہب کے امام تھے، ان کا درس قائم تھا اور اُن کی چند عمدہ تصنیفات تھیں[4] اس لحاظ سے قاضی صاحب کا زمانہ چوتھی صدی کا آخر ہوگا۔

منصورہ میں ایک دوسرے محدث قاضی ابوالعباس احمد بن محمد منصوری کا ذکر سمعانی نے کیا ہے، یہ بھی داؤدی مذہب کے

---

[1] کتاب الانساب سمعانی ص ۳۱۴ ۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ ۔ [3] ایضاً [4] ایضاً ۔

امام تھے، عراق وفارس میں رہے تھے، مشہور محدث اثرم کے درس میں بیٹھے تھے، اور ابوعبداللہ حاکم المتوفی ۴۰۵ھ اُن کے شاگرد تھے[1]۔ اس حساب سے یہ بھی چوتھی صدی کے آخر کے ہوں گے۔

ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن منصوری، حسن بن مکرم سے انہوں نے اور ان سے حاکم نے روایتیں کی ہیں[2] ان کا زمانہ بھی چوتھی صدی کا آخر سمجھنا چاہیئے۔

قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری کا ذکر بھی سمعانی نے کیا ہے، یہ عراق جاکر رہے تھے، انہوں نے طرس میں ابوالعباس بن اثرم سے اور بصرہ میں ابوروق ہزانی سے حدیثیں سنی تھیں، حافظ سمعانی کہتے ہیں کہ "میں نے فارس میں ان سے زیادہ لطیف مزاج کسی کو نہیں دیکھا"۔ تو وہ گویا سمعانی کے ہمعصر تھے، یعنی چھٹی صدی ہجری کے بیچ میں تھے[3]۔

دیبل یہ سندھ کا مشہور بندرگاہ تھا، یہاں سے عراق کو جہازات آیا جایا کرتے تھے، اسی شہر کا نام بعد کو ٹھٹھہ مشہور ہوا یہاں بھی جیسا کہ پہلے گذرا، ایک اسلامی ریاست قائم تھی، یہاں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، جن میں سے سمعانی نے ان چند لوگوں کے نام لیے ہیں۔

۱۔ ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی یہ مکہ معظمہ جاکر رہے تھے، یہ امام ابن عیینہ کی کتاب التفسیر کے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمان مخزومی کے واسطے سے اور امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب البر والصلہ کے ابوعبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطہ سے راوی ہیں اور عبدالحمید ابن صبیح سے بھی یہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی روایت کرتے ہیں[4]۔

۲۔ ابراہیم بن محمد ابراہیم دیبلی، یہ ابوجعفر محمد دیبلی کے جن کا نام اوپر گذرا، بیٹے تھے، یہ موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ سے روایت کیا کرتے ہیں[5]۔

۳۔ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی، ابوقطان دیبلی کے نام سے ان کو شہرت ہے، یہ مصر گئے تھے اور وہیں حدیث کا حلقۂ درس قائم کیا تھا۔ ابوسعید بن یونس اُن کے شاگرد تھے[6]۔

۴۔ علی بن موسیٰ دیبلی محدث تھے۔

۵۔ خلف بن محمد دیبلی، یہ علی بن موسیٰ دیبلی کے شاگرد تھے، بغداد جاکر رہے[7]۔ اور بہت سے شاگرد پیدا کئے۔

۶۔ ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی اپنے زمانہ میں مشہور محدث تھے، محمد بن ابراہیم دیبلی کے شاگرد تھے، اس کے علاوہ نیشاپور میں محمد بن اسحاق ابن خزیمہ سے، بصرہ میں قاضی ابوخلیفہ سے، بغداد میں جعفر بن محمد فریابی سے اور مکہ میں مفضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے اور مصر میں علی بن عبدالرحمٰن سے اور دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمیر سے اور بیروت میں ابوعبدالرحمٰن مکحول

---

[1] انساب الانساب ورق ۵۴۳-۵۴۴ [2] ایضاً ورق ۵۴۴ - [3] ایضاً -
[4] کتاب الانساب ورق ۲۳۷ - [5] ایضاً ۲۳۷ - [6] ایضاً ورق ۲۳۷ [7] ایضاً

سے اور نجران میں ابوعمرو یہ حسین بن ابی معشر سے[1] اور تستر میں احمد بن زہیر تستری اور عسکر مکرم میں عبدان بن احمد سے نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے حدیثیں سنیں[1]۔ غور کرو کہ کبھی ہندوستانی تحدث کا یہ ذوق و شوق تھا کہ طلب علم کی راہ میں نیشاپور، تستر، عسکر، مکرم، بصرہ، بغداد، دمشق، بیروت اور مکہ معظمہ کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔

یہ ابوالعباس احمد دیبلی، اس شان کے بزرگ تھے کہ امام حاکم نے ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ سمعانی نے حاکم سے اُن کی وفات کا سال ۳۴۳ھ نقل کیا ہے[2] اور اسی سے دوسرے بزرگوں کے سنین بھی معلوم ہوتے ہیں، محمد بن ابراہیم دیبلی اُن کے استاد تھے، اس لئے ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا اوائل ہوگا، اور ابراہیم بن محمد دیبلی چونکہ اُن کے بیٹے تھے، اس لئے یہ چوتھی صدی کے بیچ میں ہوں گے بقیہ بزرگوار بھی چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے معلوم ہوتے ہیں:۔

لاہور لاہور کو سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۸ھ میں فتح کیا، سمعانی کہتے ہیں کہ "ہندوستان کے شہروں میں ایک بابرکت (کثیرۃ الخیر) شہر ہے، اس کو لوہور اور لاہور کہتے ہیں، یہاں بہت سے علما پیدا ہوئے[3]" یہ شہادت ایک ایسے شخص کی ہے جو ۵۶۲ھ میں وفات پا چکا تھا، یعنی یہ وہ زمانہ ہے جب غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور غوریوں کی حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔

سمعانی نے علمائے لاہور میں سے حسب ذیل بزرگوں کے نام لئے ہیں۔

۱۔ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری، ادیب و شاعر ہونے کے ساتھ محدث تھے بہت سی حدیثیں زبانی یاد تھیں، حافظ ابوعلی مظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے اور بغداد تک اُن کا فیض عام تھا، امام سمعانی نے لکھا ہے کہ میں خود اُن سے نہیں ملا، مگر حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے اُن کا شاگرد ہوں، ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی[4]

۲۔ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الاشعثی لاہوری، یہ شیخ ابوالحسن علی لاہوری کے شاگرد تھے، سمرقند میں یہ درس دیتے تھے اور وہیں امام سمعانی نے ان سے شیخ ابوالحسن علی کی روایتیں سنیں[5] اس لئے اُن کا زمانہ چھٹی صدی کا بیچ سمجھنا چاہیے

۳۔ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ و مناظر و محدث تھے، امام ابوسعید عبدالکریم (صاحب کتاب الانساب) کے دادا امام ابوالمظفر سمعانی کے شاگرد تھے، اور امام ابوسعید سمعانی نے اُن سے اسفرائن میں کچھ روایتیں سُنی تھیں، وہیں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی، ۵۴۰ھ کے قریب وفات پائی[6]

ہندی یعنی کسی خاص شہر کی نسبت کے بغیر نفس ہندوستان کی نسبت سے چھٹی صدی ہجری کے وسط تک بہت سے اہل علم ہوئے، سمعانی کہتے ہیں، منسوب الی بلاد الهند وفیهم کثرة و شهرة ان میں سے صرف دو علماء کا ذکر کیا ہے، جن کے نام ایک ہیں صرف کنیتیں دو ہیں (اور یہ دونوں ہندی غلام بن کر امام بنے تھے، دونوں عبدالکریم سمعانی کے

---

[1] کتاب الانساب ورق ایضاً، [2] ایضاً، [3] کتاب الانساب ورق ۴۴۷ - [4] ایضاً - [5] ایضاً -

[6] کتاب الانساب ورق ۴۹۷ -

... استاد اور شیخ تھے۔

۱۔ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ محدث اور صوفی تھے، قاضی محمد بن اسمٰعیل یعقوبی (باشندۂ بوشنگ) کے یہ آزاد کردہ غلام تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اہواز، بغداد، بصرہ، اصبہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا تھا، اور اُن میں سے ہر جگہ کے محدثین سے فیض پایا تھا، سمعانی نے توشنج اور ہرات میں اُن سے حدیث پڑھی، سنہ ۵۴۳ھ میں وفات پائی[1]

۲۔ ابومحمد بختیار بن عبداللہ، یہ سمعانی کے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے، اپنے آقا کے ساتھ عراق و حجاز کا سفر کیا تھا، اور خود اپنے آقا سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں، اُن کے علاوہ بغداد میں بڑے بڑے محدثین سے علم کا فیض پایا تھا، مرو میں سکونت اختیار کی تھی اور یہیں صفر سنہ ۵۴۱ھ میں وفات پائی[2]

اللہ اکبر! کیا زمانہ تھا کہ جہاز اور ریل کے بغیر ہندوستان سے ترکستان، ایران، خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر تک کی خاک علم کی تلاش و جستجو میں چھانتے پھرتے تھے، پھر تو مسلم غلاموں کی قسمت پر آج کے خاندانی مسلمان آقا رشک کریں کہ اسلام کے غلام بن کر وہ کیا رتبہ پاتے تھے۔

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۹۵۔

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۔

برِّ عظیم میں کُتبِ حدیث کی نایابی

سید سلیمان ندوی

ہندوستان میں حدیث کی کتابوں کی جو نایابی تھی اس کا اندازہ گزشتہ واقعات سے کسی قدر ہوا ہوگا، نویں صدی ہجری تک صرف مشارق الانوار کا نسخہ ہندوستان میں نظر آتا ہے، سب سے پہلی دفعہ محمد تغلق کے عہد میں ہم کو یہ آواز سُنائی دیتی ہے کہ شمس الدین ترک مصر سے حدیث کی تین سو کتابیں لےکر ملتان تک اس غرض سے آئے تھے کہ ہندوستان میں مذہب حدیث رائج کریں، مگر بادشاہ کا حال سن کر وہ ملتان ہی سے واپس چلے گئے معلوم نہیں حدیث کی یہ تین سو کتابیں کیا تھیں، اس واقعہ کا راوی ضیاء برنی ہے، جو اس عہد کا مشہور مورخ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ متن حدیث کی اتنی کتابیں تو نہیں ہو سکتیں، شروح حدیث اور رجال کی کتابیں ملا کر بھی یہ تعداد پوری ہونی مشکل ہے، بہرحال جو بھی ہو، اس واقعہ کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اتنا بیش قیمت سرمایہ اگر ہندوستان سے واپس چلا گیا۔

محمد تغلق المتوفی ۷۵۲ھ جس کے براہِ راست تعلقات مصر کی عباسی خلافت سے تھے، اور اس کی طرف سے اس کو حکومت کا فرمان اور خلعت اور علم بھی ملا تھا اور خلیفہ عباسی سے اُس نے بیعت بھی کی تھی، اس کا قاعدہ تھا کہ جب لوگوں سے بیعت لیتا تھا تو مصر کے خلیفۂ عباسی کے فرمان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور مشارق الانوار کا نسخہ سامنے رکھ لیتا تھا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ہندوستان میں قرآن پاک کے بعد احادیث میں صرف مشارق الانوار کا وجود تھا، جب شاہی کتب خانہ کا یہ حال تھا تو عام لوگوں کی دسترس کا کیا پوچھنا ہے۔

الغرض، شیخ عبدالحق محدث سے پہلے صرف مشارق الانوار للصاغانی اللاہوری المتوفی ۶۵۰ھ کے نسخے اور کہیں کہیں مصابیح (اصل مشکوٰۃ) للبغوی المتوفی ۵۱۶ھ کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں یہاں کے علماء کے درس میں تھیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ عرب سے کم سے کم مشکوٰۃ موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے لائے اور اُن کو درس میں داخل کیا، اس کے بعد ان کا اور اُن کے سلسلہ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ان کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور فارسی میں ان کی شرحیں لکھیں۔

بہرحال شیخ عبدالحق کے ذریعے مشکوٰۃ کے نسخے حجم کے کم ہونے کی وجہ سے عام ہو گئے اور بخاری کا نام اور حوالہ بھی کتابوں میں آنے لگا، تاہم مخصوص خاندانوں کے سوا صحیح بخاری کا نسخہ عام طور سے نہیں ملتا تھا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ ذکر محمد تغلق

سلاطینِ تیموریہ کے کتب خانے اپنی کتابوں کی تعداد، ندرت اور جامعیت کے لحاظ سے عجائب روزگار تھے، اُن کی تباہی کے بعد اُن کی کتابیں ہندوستان اور یورپ میں منتشر اور پراگندہ ہوگئیں، اور آج بھی کثرت کے ساتھ یہ کتابیں کتب خانوں اور کتب فروشوں کے پاس ملتی ہیں، ان میں تفسیر، فقہ، اصول، تصوف، کلام، فلسفہ، ریاضیات، ادب، دواوین، تاریخ ہر فن کی کتابیں ملتی ہیں۔ مگر حدیث کا کوئی نسخہ ان میں سے برآمد نہیں ہوا، میں نے اس نظر سے خاص طور سے یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ فہرستیں دیکھی ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ دہلی کے حدودِ سلطنت سے باہر جو مستقل اسلامی حکومتیں اطرافِ ہند میں قائم تھیں ان میں جن کا تعلق عرب سے تھا، وہاں کچھ نہ کچھ سراغ کتبِ حدیث کا ملتا ہے، اس سلسلہ میں صحیح بخاری کا وہ نسخہ ہے جو بنگال کی سلطنتِ سادات کی تنہا یادگار ہے، دسویں صدی ہجری کے شروع میں بنگال میں عرب سادات کی حکومت قائم تھی، جس کا ایک مسند آرا علاء الدین شاہ حسین بن سید اشرف الحسینی تھا، اس کا زمانہ ۹۰۵ھ سے ۹۲۷ھ تک ہے، محمد بن یزدان بخش معروف بہ خواجگی شروانی ایک عالم تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری کا ایک نہایت عمدہ نسخہ تین جلدوں میں تیار کیا تھا اور اس کو سلطانِ مذکور کی خدمت میں پیش کیا تھا، یہ مکمل نسخہ بانکی پور پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں موجود ہے، اس نسخہ کی تیسری جلد کے اخیر میں خواجگی شروانی کے ہاتھ کی ایک تحریر ہے، جس میں اس نسخہ کا پورا حال لکھا ہے، اور سلطانِ مذکور کے سامنے اُس کے پیش کرنے کا ذکر کیا ہے، یہ واقعات عربی میں ایسی عمدہ اور فصیح و بلیغ عبارت میں لکھے ہیں کہ یقین ہوتا ہے کہ وہ عربی کے بہت بڑے ادیب تھے، یہ عبارت کتب خانہ مذکور کی فہرست کی پانچویں جلد کے ص ۱۸ میں نقل کر دی گئی ہے۔

یہ نسخہ یکدالہ میں لکھا گیا تھا، جو اس زمانہ میں بنگال کا دار السلطنت تھا۔

اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری کا نسخہ کم از کم احمد آباد گجرات میں بہت پہلے پہنچ گیا تھا، حافظ ابن حجر نے اپنی یہ تالیف ۸۴۲ھ میں ختم کی، اور ۸۵۲ھ میں وفات پائی، پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں فتح الباری کی تیسری جلد کا ایک ایسا نسخہ ہے، جس پر سلطان ابراہیم والیِ بیجاپور کی مہر ہے، سلطان ابراہیم کا زمانہ ۹۸۷ھ سے ۱۰۳۵ھ تک ہے یعنی حافظ ابن حجر کی وفات کے سوڈیڑھ سو برس بعد یہ نسخہ ہندوستان پہونچ گیا تھا۔ اس پر بعد کے زمانہ میں عالمگیر کے ایک امیر قابل خاں کی مہر ہے۔

کتبِ حدیث میں سے شمائل ترمذی کا نسخہ اکبری دور میں غالباً ہندوستان پہونچ چکا ہے، ملا عبد النبی صدر الصدور اور ملا یعقوب صرفی کشمیری عرب سے حدیث پڑھ کر آئے تھے، شاید یہی دونوں اس کو لائے ہوں گے، کیونکہ ملا عبد النبی نے اس شمائل کا گویا ایک خلاصہ کیا ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ دار المصنفین میں ہے، نیز ملا یعقوب صرفی کے بیٹے ملا کبیر حسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہمارے فاضل دوست مولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب (ڈھاکہ) کے پاس ہے، یہ ۱۰۰۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اور جا بجا اس پر کاتب کے حواشی ہیں۔ حکیم صاحب ممدوح کے پاس ایک اور عجیب نادر چیز ہے، آج تک شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے علمی خانوادہ کا آغاز انہی کی ذات سے کیا جاتا تھا، مگر حکیم صاحب کے پاس ایک دستاویز ایسی ہے جو اس آغاز کو ایک پشت اوپر تک لے جاتی ہے یعنی علامہ ذہبی کی الکاشف جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے جس کے پہلے صفحہ پر

[illegible] عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین ترک کے قلم کی عبارت تحریر ہے۔

غازی پور کے شرفا کے ایک پرانے قصبہ سے چند سال ہوئے کہ میرے پاس وہاں کے ایک علمی خاندان کے چند متروکہ تبرکات کی فہرست آئی تھی، اس میں دوسری علمی کتابوں کے ساتھ احادیث کی بھی چند علمی کتابوں کی فہرست تھی، جس میں ہر کتاب کے سامنے اس کی خصوصیات بھی درج تھیں، اس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، کرمانی شرح بخاری، جمع بین الصحیحین حمیدی، حاشیہ مشکوٰۃ شریف علامہ سید شریف جرجانی، شرح حصن حصین ملا علی قاری تیسیر الوصول فی احادیث الرسول مؤطا امام مالک کے نام لکھے تھے۔

صحیح بخاری کی پہلی جلد کے متعلق لکھا تھا۔ نہایت خوشخط با اعراب، مدینہ منورہ کے چند علماً کی سندیں اس میں چسپاں ہیں اور مولانا عبدالباسط قنوجی ؒ کے قلم کا حاشیہ ہے، تاریخ درج نہیں لیکن دوسری جلد کی تاریخ کتابت ۷۷۸ھ لکھی ہوئی ہے اور اُس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام، خوارزم، اصفہان اور ماوراالنہر کے علماً اور محدثین کے درس وسماعت میں رہ چکنے کی سندیں تحریر ہیں۔

صحیح مسلم کی نسبت لکھا تھا کہ وہ ۶۰۰ھ کی تحریر ہے، نسخہ نہایت پرانا اور خوشخط، شاہی کتب خانہ (کس بادشاہ کے؟) کا ہے۔

ترمذی پر تاریخ نہیں دی ہے، مگر لکھا ہے کہ یہ نسخہ نہایت پرانا لکھا ہوا ہے۔

ابن ماجہ کے نسخہ کی نسبت بھی یہی تحریر ہے۔

شمائل ترمذی کا نسخہ ۷۶۶ھ کا ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح کا نسخہ ۱۰۰۴ھ کا ہے۔

کرمانی شرح بخاری کی تاریخ ۷۷۵ھ بتائی گئی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ نسخہ مدینہ منورہ میں سنہ تالیف سے صرف پچیس[25] برس بعد کا لکھا ہوا ہے، خوشخط ہے۔

جمع بین الصحیحین حمیدی کی کتابت کا سال ۱۰۹۲ھ ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ، میر سید شریف جرجانی کا زمانہ ۸۱۰ھ لکھا تھا۔

حصن حصین خوش خط و مطلا ۱۰۰۸ھ کا لکھا ہوا اور اس کی شرح درالثمین ملا علی قاری کا زمانہ ۱۰۰۸ھ مکہ معظمہ کا نسخہ۔

تیسیر الوصول کا نسخہ ۱۰۹۱ھ کا بتایا گیا ہے، موطا کا کوئی سنہ نہ تھا۔

بہرحال رفتہ رفتہ عرب سے کتابیں ہندوستان آنے لگیں اور اس بارۂ خاص میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے بعد مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فیوض حرمین کا ممنون ہونا چاہیے۔ مگر اس عہد میں بھی کتب حدیث کی جو ندرت تھی، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

میر عبدالجلیل بلگرامی جو عالمگیر سے محمد شاہ کے عہد تک زندہ تھے، اور ایک زمانہ میں بھکر واقع سندھ میں سرکاری عہدہ دار تھے۔

لہٰذا اپنے عہدہ سے برطرفی کے بعد بھی چھ مہینے تک وہاں اس لیے پڑے رہے کہ صحیح بخاری کا ایک اچھا سا نسخہ وہاں اُن کو ہاتھ آ گیا تھا اور وہ اس کی نقل لے رہے تھے[1]

میر ممدوح کے ایک ہم وطن اور ہمعصر روح الامین خاں بلگرامی پنجاب میں شاہی عہدہ دار تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم نقل کی[2]

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک بلگرامی شاگرد شیخ پیر محمد نے اپنے لیے مولانائے ممدوح سے درس لینے کے لئے سنہ ۱۱۵۹ھ میں جامع فیروزی میں بیٹھ کر جو نسخہ نقل کیا تھا وہی نسخہ سنہ ۱۱۸۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ کے حکم سے اعراب اور مقابلہ اور تصحیح کے بعد خزانۂ شاہی میں داخل کیا گیا۔ یہ متبرک نسخہ بھی پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ کی عزت ہے، اس نسخہ کے خاتمہ پر یہ تمام واقعات مولانا پیر محمد بلگرامی کے قلم سے لکھے ہیں، پھر حضرت شاہ ولی اللہ کے دستِ خاص سے اجازہ اور سند مکتوب ہے، اس کے بعد کوئی محمد ناصح نام عالم ہیں۔ اُن کے ہاتھ کی تحریر ہے۔

"بحمد اللہ وسبحانہ تصحیح واعراب صحیح بخاری بحکم اقدس حضرت شاہ عالم بادشاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و افاض علی العالمین برہ واحسانہ در سنہ یک ہزار و یک صد و ہشتاد و چہار ہجری فقیر محمد ناصح عفی (؟) اللہ انہ اول کتاب تا آخر از نسخہ مصححہ باتمام رسانید۔"

سنہ ۱۹۲۴ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس علی گڑھ میں ہوا تھا، اُس میں قلمی کتابوں کی نمائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس نمائش میں حدیث کے بعض نادر نسخے فراہم ہوئے تھے، اسلامیہ اسکول اٹاوہ کے کتب خانہ سے مشکوٰۃ کا ایک نسخہ آیا تھا، جو بادشاہ عالمگیر کے مطالعہ میں رہتا تھا، اور ایک نسخہ شمائل ترمذی کا آیا تھا، جس کو افراسیاب خاں نے عالمگیر کی خدمت میں بھیجا تھا، بخاری کا ایک پرانا نسخہ ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار لاہور نے بھیجا تھا۔ جس پر اُس کے ایک مالک نے خریداری کا سال سنہ ۱۰۴۲ھ لکھا تھا۔[3]

---

[1] مآثر الکرام آزاد بلگرامی ج اول ص ۲۶۵، [2] ایضاً۔ [3] رپوٹ اجلاس مذکور جلد دوم ص ۱۰ سنہ ۱۹۲۴ء۔

تدوینِ حدیث

سیّد مناظر احسن گیلانی

موضوعِ بحث کی تشریح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

علمِ حدیث پر بحث کرنے کے لئے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہیئے۔

۱۔ حدیث کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ اس علم کی تدوین کب، کس طریقہ سے، کس زمانے میں شروع ہوئی، اور ان طریقوں کا اس علم کے وثوق و اعتماد پر کیا اثر مرتب ہوا یا ہو سکتا ہے۔

۳۔ ابتدا سے اس وقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگوں نے انجام دیں خود ان کی اور ان کے کارناموں کی تفصیل۔

۴۔ اس فن سے متعلق کن جدید تکمیلی کوششوں کی ضرورت باقی ہے۔

۵۔ حدیث کے بعد فنِ حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فنِ اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کی حقیقت، ان کی تاریخ، موجودہ حیثیت، ان میں آئندہ ترقیوں کے امکانات۔

حدیث کی حقیقت

سب سے پہلے میں پہلے سوال کو لیتا ہوں یعنی حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ عموماً دنیا میں دو طرح کی قومیں پائی جاتی ہیں، بعض بلکہ شاید زیادہ تر قومیں ایسی ہیں، جنہوں نے اپنے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگرچہ واقعہ تو یہی ہے کہ کسی قوم کا کوئی حال ماضی سے الگ ہو کر تعمیر پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود اس واقعہ کے جیسے جیسے وہ آئندہ کی طرف بڑھتی رہیں اپنے ماضی کو بھلاتی چلی آئیں۔ ان کے پاس اپنے موجودہ حالات پر غور و فکر کرنے کے لئے گزشتہ حالات و واقعات تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے، یہ بھی گزارتے ہیں۔ آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جدِ اعلیٰ کون تھے کن کن جنگلوں اور وادیوں، پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباؤ اجداد موجودہ مقام تک پہنچے۔ کن کن حالات سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔

لیکن ان کے مقابلے میں انسانوں ہی کا ایک طبقہ ان قوموں کا بھی ہے۔ جنہوں نے حتی الوسع اس کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات اور واقعات سے نفع اٹھایا جائے اور اس کے لیے ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیا جائے۔ انسانیت کے اس گروہ کی اسی کوشش کا نام تاریخ ہے۔ ابتداً میں تاریخ کی حفاظت و بقا کا شوق قوموں میں کم رہا ہے لیکن اب تو یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے کہ اپنی توانائیوں کا ایک بڑا حصہ ہر قوم اس پر خرچ کر رہی ہے جس سے ہم اور آپ سب واقف ہیں جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اب اپنے اجداد و اسلاف کے کارناموں کی جستجو

گڑی ہوئی ہڈیوں اور پرانے مقبروں اور مرگھٹوں میں کر رہے ہیں۔ کونے کونے سے قدیم سکے برآمد کئے جا رہے ہیں، کہنہ قبروں کے کتبوں کے حروف پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پرانے کھنڈروں کی ایک ایک ٹھیکری چنی جا رہی ہے۔ ان ہی پر واقعی کہئے یا خیالی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں، گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے اب تسلیم کر لیا ہے اور بجز چند ارتیابی الطبع، شکی مزاج خشک دماغ فلسفیوں کے عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزوں کے جاننے کی طرف ہے۔

عام تاریخ اور فن حدیث

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام سچ پوچھئے تو حدیث ہے میرا مطلب یہ ہے کہ جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی موجودہ حالت تک پہنچی ہے۔ ان میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبۂ حیات ہی میں نہیں بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی تمام شعبوں میں انسانیت کا رُخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی خاص حصہ نہیں بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونوں متاثر ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ماضی کے اس بیش حیرت انگیز واقعہ کی تاریخ یا تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے۔ اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک واقعات و حالات کا تعلق ہے میں حدیث کو انسانیت کی تاریخ کا ایک حصہ اور ایسا حصہ قرار دیتا ہوں جس کی صرف یہی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک بے نظیر عدیم المثال عالمگیر انقلابی عہد سے اس کا تعلق ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو آج جس کسی کے پاس یا جس قوم واُمت کے ماضیہ میں بھی ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا جو حصہ ہے وہ وثوق و اعتماد میں تاریخ کے اس "محفوظ حصہ" یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ان آزردہ فطرت شکیوں میں نہیں ہوں جو تاریخ کو جھوٹ کا جنگل قرار دے کر ماضی کا انکار کرتے ہیں اور "جو کچھ محسوس ہو رہا ہے یہ نہیں محسوس ہو رہا ہے۔" اس سوفسطائی نظریہ پر زور دے کہ حال کے وجود کو بھی شک کے دانتوں سے چبا کر ختم کرنا چاہتے ہیں بلکہ تاریخ کے مقررہ معیار پر ماضی کے جن واقعات کی اب تصحیح ہو چکی ہے اس کی قدر کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آئندہ کی راہ درست کرنے کے لیے ہمیں ہمیشہ ماضی کی روشنی سے نفع اٹھانا چاہیے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

لوگوں سے پچھلے قصّے بیان کیا کرو تاکہ وہ سوچیں۔

لیکن اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ ایک بڑے مشہور مسلم الثبوت مؤرخ کا بیان ہے کہ:

"کسی زمانے کے حالات جب قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانے کے بعد (یعنی کتابی شکل اختیار کرنے کے بعد) یہی ایک دلچسپ تاریخ بن جاتی ہے۔ یورپ کی اکثر تصنیفیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔"

اور اس وقت ہمارے پاس ماضی کی تاریخوں کا جو ذخیرہ ہے خواہ وہ روم ہو یا یونان، چین ہو یا ایران ان قدیم اقوام کی تاریخ جن ذرائع سے مرتب ہوئی ہے، اگر ان کے اساسی سرچشموں کی جانچ کی جائے گی تو جو کچھ اس فاضل مؤرخ نے بیان کیا ہے بہت کچھ اس کی توثیق کرنی پڑے گی۔ مشکل ہی سے انسانوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی تاریخی یادداشت مل سکتی ہے جسے واقعہ کے عینی شاہدوں

ے خود مرتب کیا ہو، یا ان کے براہِ راست بیانوں کو خود ان ہی سے سن کر کتابوں میں درج کیا ہو۔ اتفاقاً اگر کوئی ایسی چیز مل بھی جائے تو اس کا پتہ چلانا قطعاً دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے کہ ضبط و اتقان، بصیرت و کیرکٹر کے لحاظ سے ان کا کیا درجہ تھا۔ معتبر سے معتبر تر بن کسی تاریخی ذخیرہ کے وثوق کے متعلق اگر کوئی بات پیش کی جاسکتی ہے تو یہی ہے کہ جس زمانہ میں واقعہ گزرا ہے مورخ خود ہی اس زمانے میں موجود تھا۔ اتفاق سے کسی واقعہ کے متعلق اگر ایسی شہادت میسر آجاتی ہے تو تاریخ کا یہ حصہ زریں شاہکاروں میں شریک کر دیا جاتا ہے۔ لیکن خود اس معاصرت کا یہ حال ہے کہ قدیم ماضی کے تاریک زمانے کو تو جانے دیجئے آج جبکہ جدید صناعات و ایجادات نے زمین کی طنابیں کھینچ کر ایک ملک کو دوسرے ملک سے ملا دیا ہے۔ تعلیم عام ہو چکی ہے، کم از کم یورپ کے مکتبوں اور اسکولوں میں رٹے زمین کے اطلسوں کا مطالعہ ہر ایک کو کرا دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ نہیں، آئے دن ایسی ایسی جہالتوں اور غلط فہمیوں کے شکار غریب جاہل مشرقی ہی نہیں بلکہ فرزانہ و دانا فرنگ کے ارباب خبر و علم ہوتے رہتے ہیں کہ بعض دفعہ آدمی کو حیرت ہو جاتی ہے اور تاریخ جھوٹ کا جنگل ہے۔ دماغ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس دعویٰ میں کچھ واقعہ کا عنصر بھی شریک ہے؟ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں ہے کہ گذشتہ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (پنجاب) کا مشہور زلزلہ ہندوستان میں آیا تھا۔ ایک نہیں بلکہ متعدد انگریزی اخباروں میں اس زلزلہ کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے وہاں ایک سخت زلزلہ آیا۔" اور بے چارے اخبار والے تو شہر خبروں کی جماعت ہے۔ عام طور پر گپ نویسی میں یہ بدنام ہے، لیکن مشہور ریفرنس بک پیرزل کی اینویل جو مشہور کتاب ہے اور ہر قسم کے حوالہ جات کے لیے ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے اس میں اسی زلزلے کے متعلق یہ عبارت اس وقت تک موجود ہے ۔" ایک سخت زلزلے نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان برپا کیا۔"

نقصان کی تفصیل بتاتے ہوئے صرف اسی مورخ نے نہیں بلکہ دوسروں نے بھی یہ ارقام فرمایا ہے کہ" اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے۔" حالانکہ پنجاب گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس زلزلے میں بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ معاصر مورخین کی کتابوں میں اگر اس قسم کی طرفگیوں اور بوالعجبیوں کو تلاش کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

سیاحوں کی یادداشتوں کو بھی تاریخی وقائع کے ثبوت میں بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اس سے بے پروا ہو کر دی جاتی ہے کہ خود اس سیاح کا اپنے ذاتی رجحانات، سمجھ بوجھ، سچائی، راست بازی، میں کیا حال تھا۔ لیکن ان سیاحوں کی بدولت واقعات کی صورت کبھی کبھی کتنی مسخ ہو جاتی ہے اس کا ایک سرسری اندازہ ہمارے موجودہ میر شعبہ دینیات (نواب ناظر یار جنگ جسٹس حیدر آباد ہائی کورٹ) کے ڈرائینگ روم کی ایک تصویر سے ہو سکتا ہے جو انگلستان کے ایک معتبر اخبار سے الگ کر کے محفوظ کی گئی ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک موقع کی تصویر ہے اور اس کے نیچے جلی خط حروف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ" بودھ مذہب کے لوگ اپنی ایک مشہور مذہبی رسم جو اودیا کے نام سے موسوم ہے ادا کر رہے ہیں۔"

میں نے اس تصویر کے نیچے جب اس فقرہ کو پڑھا تو بار بار حیرت ہوتی تھی کہ آخر یہ کیا ہے تصویر سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ ان کی شکل و صورت، لباس، وضع قطع طریقہ، نشست، ہر چیز ہندی مسلمانوں کی تھی لیکن معتبر سیاح نے جس وقت یہ فوٹو لیا تھا اس کے نیچے اس نے یہی عبارت درج کی تھی۔ آخر جب میر شعبہ صاحب باہر

تشریف لائے تو اُن سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے قصداً اس تصویر کو اسی لئے محفوظ کیا ہے تاکہ یورپین سیاحوں کی تاریخی شہادت کی ایک گواہی مہیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دہلی میں نمازِ عید کے موقع کی تصویر ہے، ایک مغربی سیاح نے اس عید کو اڈیا بنایا، اور اڈیا کو خدا جانے کس طرح اس نے بودھ مذہب والوں کی رسم قرار دے کر اخبار میں اپنے اس جدید انکشاف کا اعلان کیا۔

اِن چند تشکیکی مثالوں کے پیش کرنے سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ واقعی میں دنیا کے موجودہ تاریخی ذخیروں کو بالکلیہ غیر معتبر اور ناقابلِ لحاظ قرار دینا چاہتا ہوں بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود بھی آج جب علمی دنیا میں "فنِ تاریخ" ہر قسم کے احترام و اعزاز کا مستحق ہے تو "حدیث" جو صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا، تمام دنیا کی انسانیت کے ایک عظیم انقلابی عہد آفرین دور کا ایک ایسا مکمل تاریخی مرقع ہے جسے ٹھیک حقیقی اور اصلی شکل و صورت بلکہ ہر خط و خال کی حفاظت میں لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہیں، جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق آدمی کا دماغ سوچ سکتا ہے بلکہ اس کی حفاظت و صیانت میں بعض ایسے قدرتی عوامل نے بھی کام کیا ہے (جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا) جو دُنیا کے کسی تاریخی واقعہ کو نہ اُس وقت تک میسر آئے اور نہ آئندہ آسکتے ہیں۔ کس احترام و اعزاز کی مستحق ہونی چاہیے۔

حدیث کی مدرسی تعریف

لیکن قبل اس کے کہ میں کچھ اور کہوں اس پر بھی متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث جس کے متعلق نہ جاننے والوں کا تو صرف یہ خیال ہے کہ وہ دینیاتی طرز کی کوئی چیز ہے اور دینیات کے لفظ کے ساتھ ہی ان کا دماغ فوراً دورِ وحشت کے ان قدیم خرافات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے بدقسمتی سے اس زمانہ میں مذہب یا مذہب کی ایک قسم خیال کیا جاتا ہے۔ گویا دینیات کے معنی چند وہمی رسومات و عادات یا چند رَٹے ہوئے الفاظ منتر جنتر، جادو، ٹوٹکے وغیرہ کے ہیں، جن میں صحرائی باشندے کسی زمانے میں کیا اب تک مبتلا ہیں مذہب کے متعلق جن کے دماغوں میں اس قسم کے خیالات ہیں، حدیث جو مسلمانوں کے مذہبی علوم کا ایک جزو ہے، اس کے متعلق میرے ان دعووں کو سن کر ممکن ہے کہ انہیں حیرت ہو۔ اور ان کی حیرت تو چنداں محل تعجب نہیں۔ اس لیے کہ "جہل" ان مسکینوں کے لیے بڑا عذر ہے لیکن جاننے والوں کو بھی شاید شبہ ہوتا ہوگا کہ مدرسہ میں جس فن کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور ایسے واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی (جسے اصطلاحاً تقریر کہتے ہیں) غرض پیغمبرؐ کے اقوال و افعال و تقریر کا نام حدیث ہے اور بعضوں نے اس کو آگے بڑھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور بعضوں نے صحابہؓ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال و افعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کر لیا ہے۔

کہاں حدیث کی یہ مدرسی اور مذہبی تعبیر اور کہاں میرا یہ دعویٰ کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں۔ بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔ ان دونوں میں کیا نسبت ہے۔ شاید یہ خیال کیا جاتا ہو کہ زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر میں نے اپنی تعبیر بدلی ہے لیکن یہ واقعہ نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر چیز کے سمجھانے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے جسے مخاطب سمجھ سکتے ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ میں نے اس فن کی تعریف کرتے ہوئے کچھ الفاظ ضرور بدلے ہیں لیکن الفاظ کے بدلنے سے واقعات نہیں بدلتے۔ جو نہیں جانتے ہیں انھیں تو آئندہ بتایا جائے گا لیکن جو جانتے ہیں کہ حدیث کا تعلق کس ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے، کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں کہ جن الفاظ میں اِس فن کی میں نے تعبیر پیش کی ہے، کیا یہی اصل

واقعہ نہیں ہے؟ اسلامی تحریک نے اپنے زمانۂ آغاز سے اس وقت تک مشرق و مغرب کے باشندوں کی مذہبی، سیاسی، معاشی، اخلاقی، پہلوؤں کے انقلاب میں جو کام کیا ہے اور کر رہا ہے ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد مسلمان ہی نہیں کوئی نامسلمان بھی کیا حدیث کی اس تاریخی تعبیر کا انکار کر سکتا ہے جسے میں نے پیش کیا ہے؟

ماسوا اس کے سچ یہ ہے کہ بالکلیہ یہ میری تعبیر ہے بھی نہیں، فنِ حدیث کے سب سے بڑے امام امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے اگر اسی پہ غور کر لیا جائے تو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اِسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف "بخاری شریف" کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے بلکہ خود حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ" "اُمُوْرِ" رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَيَّامِهٖ" رکھا ہے۔ اس میں امور اور ایام کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا۔ یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فنِ حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر، عالم پہ اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ بہرکیف اگر اصطلاحی جھگڑوں سے الگ ہو کر پھل سے درخت کے پہچاننے کے اصول کو مدِنظر رکھا جائے تو حدیث کے موجودہ ذخیرہ پہ سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی ایک معمولی آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حدیث کی صحیح حقیقت اور اس کی واقعی تعریف وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب کے نام میں اشارہ فرمایا ہے اور میں نے جس کی تشریح کی ہے۔

غالباً حدیث کی حقیقت یا تعریف کے لئے میرا یہ مختصر بیان کافی ہو سکتا ہے۔ درسی کتابوں میں جیسا کہ ہر تعریف کے قیود و شرائط پر بحث کر کے بات کو بتنگڑ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میں ان دُور دراز کار لفظی گورکھ دھندوں میں آپ لوگوں کو اُلجھا کر وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا اس لئے اس بحث کو اسی نقطہ پر ختم کر کے اب میں دوسرے ضروری سوالات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ہمارے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ تاریخ کے اس حصہ کی تدوین کس طرح اور کس زمانہ میں عمل میں آئی؟ اسی سوال کے جواب میں آپ کے سامنے وہ امتیازات اور خصوصیات بھی آجائیں گے جو تاریخ کے اس حصہ کو دنیا کے دوسرے تاریخی ذخیروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات

عام تاریخوں سے تاریخ کے اس حصہ کو جو پہلا امتیاز حاصل ہے وہ اس امر کی بساطت ہے جس سے اس کا تعلق ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے ہیں عموماً ان کا تعلق کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اسی قسم کی منتشر اور پراگندہ گوناگوں چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ بخلاف اس کے حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہِ راست ایک خاص شخصی وجود، یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ ایک قوم ایک ملک، ایک حکومت ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور پر سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں

نہ قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قبیلہ کا کوئی خانوادہ نہیں بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ خود اندازہ کیجیے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے؟ پہلی صورت میں کوتاہیوں غلط فہمیوں کے جتنے قوی اندیشے ہیں یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت و واقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کی جا سکتی ہے۔

دوسرا امتیاز جو پہلے امتیاز سے بہت زیادہ اہم ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مورخوں یعنی صحابہ کرام کا باہمی تعلق ہے۔ بلاشبہ اس وقت ہمارے سامنے مختلف اقوام و ممالک، سلاطین اور حکومتوں کی تاریخیں ہیں لیکن جن مورخوں کے ذریعہ سے یہ تاریخیں ہم تک پہنچی ہیں، کیا ان میں کسی تاریخ کا اپنے مورخ یا مورخین سے وہ تعلق تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے ساتھ تھا؟ سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ مشکل ہی سے آج کوئی ایسا تاریخی حصہ ہمارے پاس نکل سکتا ہے جس کے مورخین خود ان واقعات کے عینی شاہد ہوں بلکہ جیسا کہ پہلے بھی میں نے ذکر کیا ہے عموماً ان تاریخوں کی تدوین یوں ہی ہوئی ہے کہ ابتداء میں مبہم مجہول الحال افواہوں کی صورت میں واقعات ادھر ادھر بکھرے رہے۔ پھر ان میں سے جب کسی کو شوق ہوا تو اس نے ان ہی افواہوں کو قلمبند کرنا شروع کیا خود اس مورخ ہی نے یا اس کے بعد والوں نے قرائن و قیاسات سے جہاں تک ممکن ہوا جس حصہ کو چاہا باقی رکھا جسے چاہا قلمزد کر دیا۔ یہ تو شروع میں ہوا بعد کو جوں جوں ان قلمبند شدہ واقعات پر زمانہ گزرتا گیا اوراق میں زیادہ بوسیدگی پیدا ہوئی کیڑوں کی خوراک سے بچ کر جو حصہ باقی رہا پچھلی نسلوں کے لیے وہی تاریخی و تحقیقی بن گیا۔ آج اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں سے زیادہ بعد و سا قلمی کتابوں پر ہے اور قلمی کتابوں میں بھی سب سے زیادہ قیمتی وہ مسودات ہیں جو بوسیدہ اور کرم خوردہ ہو چکے ہوں اور سنگی، برنجی، یا آہنی تختیوں کا کوئی ذخیرہ اگر کسی مورخ کو مل گیا تو وہی چیز جو ہمارے ہی جیسے انسان نے کسی زمانہ میں لکھ کر زمین میں گاڑ دی تھی بلکہ ہم تو اپنے معاصرین کو ایک حد تک جانتے بھی ہیں لیکن ان کے لکھنے والوں[1] کا تو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ مگر کیا کیجیے کہ بایں ہمہ وہ معصوم فرشتوں کے بیان کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ مجھے اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ مذکورۂ بالا کلیہ سے تاریخ کے بعض حصے مستثنیٰ بھی ہیں۔ خصوصاً اسلامی دور میں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے جب تاریخوں کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا اور باضابطہ شاہی وسائل و ذرائع کے ذریعے سے مورخوں کو واقعات کے فراہم کرنے میں امداد دی گئی، یقیناً ان کتابوں کی نوعیت قدیم تاریخوں سے بالکل جداگانہ ہے اسی طرح

---

[1] بلکہ اگر بعض ثقہ راویوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ ہندوستان کے بعض قوموں کے علمی مرکزوں میں "قدیم ہند" کے لیے تاریخی مواد فراہم کرنے کی ایک صورت یہ بھی نکالی گئی ہے کہ آہنی اور برنجی پتروں یا تختیوں پر پرانی زبانوں اور پرانے حروف میں اپنے مطلب کے موافق عبارتیں کندہ کر لی جاتی ہیں اور کسی مشہور آثاری کھنڈر میں ان ہی کو دفن کر دیا جاتا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد ان ہی کو نکال کر علمی ذخیرہ میں جدید اکتشاف کی حیثیت سے ان کا اور ان سے جو نتائج نکلتے ہیں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو علم پر جاہلوں کا یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم جن قدیم کتبوں پر اندھا دھند ایمان لا رہے ہیں ان میں بھی اشتباہ کی کس حد تک گنجائش ہے بلکہ سکندر کی لانی مدفون زرہوں کا افسانہ اگر صحیح ہے۔ تو صرف کتاب ہی سے نہیں بلکہ ان کھنڈروں سے جو چیزیں نکل رہی ہیں اور ان سے جو نتائج نکالے جا رہے ہیں وہ بھی محل غور و فکر بن جاتے ہیں۔

[…] مورخوں کی بنائی ہوئی راہوں پر اس زمانے میں خصوصاً مغربی قومیں نسبتاً زیادہ حزم و احتیاط سے کام لے رہی ہیں۔ لیکن کچھ […] کسی کی تاریخ ہو، ان کے مورخوں کو ان واقعات سے یا صاحب واقعات سے قطعاً وہ تعلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے جو صحابۂ کرام کو ذات قدسی صفات سے تھا۔ یہی نہیں کہ ان بزرگوں نے حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان و اسلام کی بیعت کی تھی، آپ کی نبوت پر وہ ایمان لائے تھے۔ آپ سے ان کو وہ تعلق تھا جو ایک امتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہیے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے وہ سب کچھ حضورؐ پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتے گویا ایک قسم کے عشق و سرمستی کے نشہ میں مخمور تھے۔ یقیناً یہ ایسا امتیاز ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مورخین کے ساتھ حاصل نہیں، آخر دنیا کی ایسی کونسی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے مورخین اس تاریخ سے ایسا والہانہ تعلق رکھتے ہوں کہ بیان کرتے جاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں، کانپتے جاتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق ان کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے لیکن اگر کبھی زبان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آگیا، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اُرْتَعَدَ وَ ارْتَعَدَتْ ثِيَابُهُ، تَنْتَفِخُ أَوْدَاجُهُ، إِغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ کانپنے لگتے اور ان کے کپڑوں میں تھرتھری پیدا ہو جاتی گردن کی رگیں پھول جاتی تھیں، آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں (مستدرک حاکم) ایک عبداللہ بن مسعودؓ ہی نہیں بلکہ ان اصحاب کی ایک فہرست تیار ہو سکتی ہے جن پر آنحضرتؐ کے ذکر مبارک کے وقت ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ حضرت ابوذرؓ کبھی کبھی کوئی حدیث بیان کرنا چاہتے مگر منہ سے اوصانی حبی ابوالقاسم اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ نکلتے اور چیخ مار مار کر بیہوش ہو جاتے تھے۔ اسی قسم کے واقعات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں بھی ملتے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس تاریخ کو اس کے مورخوں میں محبوبیت کا یہ مقام عالی حاصل ہو قدرتی طور پر ان کے دل و دماغ، ان کے حافظے اس سے کس حد تک متاثر ہو سکتے ہیں۔

تیسری خصوصیت اس تاریخ اور اس کے راویوں کی یہ ہے کہ علاوہ مذکورۂ بالا تعلقات کے ان براہِ راست مورخوں یا چشم دید راویوں اور گواہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہی اس بات پر کی تھی کہ تاریخ کے اس عجیب و غریب واقعہ کے ہر ہر جزو، ایک ایک خط و خال کے زندہ نقوش اپنے اندر پیدا کریں گے۔ انہوں نے جس قرآن کو خدا کی شریعت اور قدرت کا قانون یقین کر کے مانا تھا اس میں بار بار مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کا نصب العین صرف یہی ہونا چاہئے کہ جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُسے سن سن کر یاد رکھو اور اس

پر ایمان لاؤ، یقین کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم جو کچھ کرتے ہیں ان کی ہر ہر ادا پر نگاہ رکھو اور ٹھیک من و عن جس طرح ان کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ تم بھی اس کام کو اسی طرح انجام دینے کی کوشش کرو۔

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ   رسول نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے پکڑے رہو اور جس سے

فَانْتَهُوْا۔ انہوں نے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ — ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن صرف اس لئے کہ اسکی پیروی اور اطاعت خدا کے حکم سے کی جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ — کہہ دو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں چاہنے لگے گا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔

سمع وطاعت، اطاعت واتباع کے ان پُرجلال مطالبوں سے قرآن گونج رہا تھا اور ان لوگوں کے سامنے گونج رہا تھا جو ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف اس کی آواز میں گم ہونے کا آخری اور قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کا یہ فیصلہ غلط تھا یا صحیح، مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں لیکن حضرات صحابہ کرام کے اس فیصلہ کا علم مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کو ہے۔ بتایا جائے کہ دنیا کے کس تاریخی واقعہ سے اس کے مؤرخین اور راویوں کا یہ تعلق ہے۔ عجیب بات ہے کہ جن بزرگوں سے کسی زمانے میں انسانوں کے کسی گروہ کو اگر یہ تعلق پیدا بھی ہوا تھا تو ان کی تاریخ ہی آج ناپید ہے اور تاریخ کا جو سرمایہ آج ہمارے پاس ہے اس کے مورخوں کو ان تعلقات کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ کہاں پچھلوں کی مجلسوں کی گرم بازاری کے لئے مورخین کے بیانات اور کہاں ان سوختہ سامانوں کی تاریخی شہادتیں۔

اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اطاعت و اتباع ہی ان بندگوں کے لیے ضروری نہ تھی بلکہ جس قرآن اور جس فرمان نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا تھا اسی نے ان کو اس کا بھی ذمہ دار بنایا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انہوں نے سنا ہے اور جو کچھ کرتے ہوئے انہوں نے دیکھا ہے وہ دوسروں تک مسلسل پہنچاتے چلے جائیں۔ ہر حاضر غائب کو اور ہر پہلا پچھلوں کو ان کی طرف بلاتا جائے۔ قرآنی آیتوں

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ — تم ایک بہترین امت ہو انسانوں کی رہنمائی کے لیے تم ظاہر کیے گئے ہو۔ تاکہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو اور بری باتوں سے ان کو روکو

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ — چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے، اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے

ہی کی یہ تفسیر تھی جو مختلف پیرایوں میں صحابہ کرام کو مخاطب کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ منیٰ کا میدان ہے خیف کی مسجد ہے، ایک لاکھ سے اوپر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے۔ سب کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا ثُمَّ اَدَّاهَا اِلٰى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا (صحاح) — تر و تازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور جس نے نہیں سنا ہے اس تک انہیں پہنچا دیا۔

یہی منیٰ کا میدان ہے۔ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں اعلان فرمایا جاتا ہے۔

تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا — میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جن کے بعد تم پھر گمراہ

كتاب الله وسنتي ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض۔ (صحاح)	نہیں ہو سکتے (ایک تو) اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض (کوثر) پر میرے سامنے آجائیں۔

مجمع سے یہ دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا میں نے پہنچا دیا، آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا کر، اللّٰھم ھل بلّغتُ اللّٰھم ھل بلّغتُ اللّٰھم ھل بلّغتُ کے ارشاد فرمانے کے بعد آخری رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے۔

الا فليبلغ الشاهد الغائب (صحاح)	چاہئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا تا جائے۔

جس دردناک اثر انگیز ماحول میں اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا اس پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اسی اثر کا آپ کو یقین تھا کہ صحابہ کی جماعت کو خطاب کر کے بطور پیش گوئی آپ فرماتے:

تَسْمَعُوْنَ، وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ مِنْكُمْ	تم مجھ سے سن رہے ہو تم سے بھی سنا جائے گا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہے، ان سے بھی لوگ سنیں گے۔

(ابوداؤد، مستدرک)

نہ صرف عام مجامع میں یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف اطراف سے وقتاً فوقتاً وفود کے جو سلسلے دربار نبوت میں حاضر ہوا کرتے تھے عموماً ان کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا جہاں سے اس واقعہ کے معائنہ اور مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو جس کے وہ مورخ بنائے جاتے تھے، پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا تھا۔ آخر میں رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا جیسا کہ بخاری میں ہے۔

احفظوهن واخبروهن من وراءكم۔	ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انھیں ان سے مطلع کرتے رہنا۔

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

يشمل من جاؤا من عندهم وهذا باعتبار المكان ويشمل من يحدث لهم من الاولاد وغيرهم وهذا باعتبار الزمان۔ (فتح الباری)	یہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جن کے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونے والی ہیں اور یہ بات زمانے کے حساب سے ہوگی۔

اور یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام کے دائرہ میں جو قبائل داخل ہوتے جاتے تھے، دربار رسالت سے ان کی تعلیم و تلقین کے لئے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا تھا حکم دیا جاتا تھا کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے، وہ انھیں بھی جا کر سکھاؤ۔ صرف انتخابی احکام ہی نہیں بلکہ قرآن کی اس آیت

لہ یعنی اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا، کیا میں نے پہنچا دیا۔ کیا میں نے پہنچا دیا تین دفعہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۙ

جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جسے ہم نے اتارا ہے اور جو کھلی کھلی باتوں اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ انسانوں کیلئے کتاب میں ہم نے اسے بیان کر دیا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

کی بنیاد پر صحابہ کرام جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اس کا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے۔

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ (ابوداؤد و ترمذی)

جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور اسے وہ چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اسے پہنائی جائے گی۔

اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات میں مبتلا ہیں، لیکن بعض صحابہ سے یہ مروی ہے اس وقت بھی محض اس خیال سے کہ "علم کے چھپانے" کا الزام ان پر نہ رہ جائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے (بخاری و مسلم و عام صحاح)

ان تمام امور کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس ذاتِ گرامی کے ہر قول کو وہ خدا کی بات اور خدا کا حکم سمجھتے تھے، اسی نے بار بار بکثرت ان کی فطرت میں مشہور حدیث مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے) کے تہدیدی خوف کو اس طرح راسخ کرنے کی کوشش کی تھی کہ جتنے صحابیوں سے یہ حدیث مروی ہے، مشکل ہی سے چند حدیثیں اس قدر کثیر تعداد صحابہ سے مروی ہوں گی اور یوں بھی قرآن کی رو سے یہ نہایت بدیہی بات تھی جس قسم کے ایمان و یقین کی دولت سے یہ لوگ سرفراز تھے اس فعل کی جرأت کس کو ہو سکتی تھی؟ جس اعلیٰ کردار کے وہ مالک تھے یوں بھی ان سے غلط بیانی کی توقع کون کر سکتا ہے۔ ماسوا اس کے جب وہ جانتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی امر کا انتساب درحل اس چیز کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہے اور ایک جگہ نہیں، بے شمار آیتوں میں قرآن نے مفتری علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنے والے) کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ کیا قرآن پر تازہ ایمان رکھنے والوں کے لیے اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی کہ وہ قصداً العیاذ باللہ اپنے محبوب رسول پر جھوٹ باندھیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ تو جس وقت "حدیث" بیان کرنے کے لیے بیٹھتے قبل کچھ بیان کرنے کے مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا والی حدیث کو ضرور پڑھ لیتے تھے، تاکہ ان میں اپنی نازک تاریخی ذمہ داری کا احساس بیدار اور تازہ ہو جائے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دوامی قاعدہ تھا کہ

يَبْتَدِئُ حَدِيثَهُ بِأَنْ يَقُولَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ أَبُو الْقَاسِمِ

اپنی حدیث جس وقت بیان کرنی شروع کرتے تو کہتے: فرمایا رسول اللہ صادق و مصدوق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

...صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (اصابہ ج ع) ...نے جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرے۔

اس کے بعد جو کچھ بیان کرنا چاہتے تھے، بیان فرماتے۔

اسی کے ساتھ ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ صحابہؓ کو سناتے تھے یا کرکے دکھلاتے تھے اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر نہ رہ جاتے کہ تم بھی ان کو یاد رکھنا یا کرنا بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کی جاتی ہے۔ مہمات شریعت اور اساسی امور کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک معمولی بات یعنی ایک صحابی کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو تو یہ دعا پڑھ کر سویا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے کے بعد فرمایا کہ اچھا میں نے کیا کہا سے دہراؤ۔ صحابی نے آخری فقرہ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ (ایمان لایا میں اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا) میں نَبِيِّكَ کے لفظ کو رَسُوْلِكَ کے لفظ سے بدل دیا جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں یعنی بجائے نبی کے رسول کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنی زبان مبارک سے نَبِيِّكَ کا لفظ ادا فرمایا تھا حکم ہوا کہ میں نے یہ نہیں کہا، وہی کہو جو میں نے بتایا۔ ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت ان شرعی حقائق کی نہیں ہے جنہیں فرض د واجب کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سخت نگرانی تھی۔ بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کے متعلق یہ دوامی عادت بیان کی جاتی ہے کہ أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے تو اس کو تین دفعہ دہراتے) غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی مقصد کو تھا۔ فعل کے متعلق مشہور حدیث ہے کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے تمام ارکان یعنی قیام، رکوع و سجود میں کوئی کمی نہیں کی تھی، صرف ذرا عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہے تھے، مگر نماز سے جب وہ فارغ ہوئے تو وہ یہ سن رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ (پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) ارشاد فرما رہے ہیں۔ انہوں نے پھر نماز دہرائی لیکن اب بھی اس میں وہ وقار اور طمانیت نہیں پیدا ہوئی تھی جس سے صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (ٹھیک اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ الغرض تیسری بار سمجھانے کے بعد انہوں نے اپنی نماز جیسی کہ چاہیے ادا کی۔ نماز میں سکینت و اطمینان کی حیثیت اکثر فقہاء امصار کے نزدیک فرض و واجب کی نہیں ہے لیکن جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی اس کے ہر پہلو ظاہر و باطن اندر و باہر کا مورخ بنانا چاہتے تھے، ان پر آپ ان معاملات کے متعلق بھی پوری نگرانی رکھتے تھے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی "تاریخ" بھی موجود ہے جس نے اپنے مؤرخین کی اور راویوں کے بیان وادا کی خود نگرانی کی ہو، اور ایسی کڑی نگرانی؟

تدوین حدیث کے قدرتی عوامل

تدوین حدیث کے سلسلے میں جن امور کی تعبیر میں نے غیر معمولی خاص قدرتی عوامل سے کی ہے اور عام تاریخی سرمایہ سے تاریخ کے اس حصہ کے لیے جن بنیادوں پر میں امتیاز کا مدعی ہوں، اس کے ٹھوس اور خصوصی اسباب تو یہ تھے لیکن خصوصیتوں کا یہ قصہ ان ہی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں علم کے

اس حیرت انگیز ایوان کی تعمیر ہوئی، ابھی ان کی اور بھی چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کے ساتھ جن کا ذکر آپ سن چکے، قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ دعوت جو شاعرانہ زبان میں بلکہ فی الحقیقت مولانا حالی مرحوم کی اس بلیغ تعبیر کی صحیح تصویر تھی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ایک آواز میں سوتی بستی جگا دی　　نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی

اس نے صحابہ کرام کی ذہنی قوتوں اور عملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح بھر کر ان میں ایسی ہلچل پیدا کر دی تھی کہ بقول گاڈفرے ہگنس "عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو علیؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں بلکہ دنیا کو چاہیے کہ یہ یاد رکھے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے۔" عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابہ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے صحیح الفاظ میں دی تھی:

اَیْ قَوْمِ وَاللّٰہِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَیْصَرَ وَکِسْرٰی وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰہِ مَا رَاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ اَصْحَابُہٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَاللّٰہِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ وَاِذَا اَمَرَھُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَہٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ اِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْہِ النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَّہٗ۔ (بخاری)	لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقعہ ملا ہے قیصر (روم) کسریٰ (ایران) نجاشی (ابی سینیا) کے سامنے حاضر ہوا ہوں قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی عظمت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا ہے وہ لیکن ان کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں پھر وہ اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے۔ (محمدؐ) جب کسی بات کا انہیں حکم دیتے ہیں اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں جب محمدؐ وضو کرتے ہیں تو اس وقت ان کے وضو کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں جب محمدؐ بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ محمدؐ کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی وجہ سے وہ نہیں دیکھ سکتے۔

یہ دوست کی نہیں بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو احکام و اوامر تو بڑی چیزیں ہیں تھوک اور وضو کے غسالہ تک کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے میں گویا باہم الجھ پڑتے تھے، ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی جنہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہاتھ آ گیا تھا فرماتے:

أَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعْرَةٌ مِنْهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ٥

میرے پاس کسی بال کا ہونا، اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے یہاں ہو۔

جن لوگوں کا تعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہو، انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "زندگی" جس کے لیے خدا کی طرف سے بھی وہ محافظ اور مبلغ قرار دیے گئے تھے، سوچنا چاہیے کہ ان ہی لوگوں نے اس "زندگی" کی نگہداشت میں کس اہتمام کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا، ایک ایک موئے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب تھا ان ہی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی، غور کرنا چاہیے کہ کیا قیمت تھی۔

اب ایک طرف حضرات صحابہ کرام کے ان جذباتی طوفانوں کو اپنے سامنے رکھئے اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجیے کہ جس عہد میں اس "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری قدرت کی جانب سے انھیں سپرد ہوئی تھی اس زمانہ میں ان کے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا، عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز مدہش اجانک دماغی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور ان کا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلوں سے مفلس تھا جن کا چرچا عموماً حضارت و تمدن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگرچہ میں اس کا تو قائل نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت ہندوستان کے بھیلوں اور گونڈوں کی تھی نہ صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہیں وہ ایک سیکنڈ کے لئے یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئے گی۔ "جاہلیت" کا یہ ترجمہ کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ عربی زبان اور قرآن مجید کے عام محاوروں کے خلاف ہے جو عربوں کی جہالت کا یہ مطلب سمجھتا ہے، وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلے میں عرب کا بھی تقریباً وہی حال تھا جو عموماً اس زمانہ میں اگر کامل متمدن ممالک نہیں تو نیم متمدن ممالک کا تھا یعنی جس طرح قدیم زمانے میں تقریباً ہر ملک اور قوم میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا اور عام پبلک کو اس سے چنداں تعلق نہیں تھا، نہ اس کی اتنی اہمیت تھی، کسی ملک میں پادریوں، کسی میں موبدوں، کسی میں برہمنوں۔ الغرض اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا۔ آئندہ یہ بتایا جائے گا کہ عرب میں بھی ایک خاصی تعداد خواندوں اور نویسندوں کی تھی۔ نہ صرف مرد بلکہ ایام جاہلیت میں بعض لکھی پڑھی عورتیں پائی جاتی تھیں۔ شرفا ہی نہیں بلکہ غلاموں میں بھی ایسے افراد موجود تھے۔ میں اپنے اس دعوے کی تھوڑی بہت تفصیل آگے بھی کروں گا لیکن بایں ہمہ یہ بھی صحیح ہے کہ معمولی نوشت و خواند جو چند گنے چنے لوگوں تک محدود تھی، اس سے آگے عربوں کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے لئے اس زمانہ میں کوئی خاص اہم خوراک موجود نہ تھی، اور تھوڑی بہت اگر کچھ تھی بھی تو وہ بہت ادنیٰ درجہ کی تھی۔ ان کا سب سے بڑا دماغی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا، یا باہم ایک دوسرے پر تفاخر یا توہین کے لیے۔ وہ انساب کے علم سے دلچسپی رکھتے تھے اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزیں محدود دے چند افراد کے پاس تھیں لیکن اسلام نے شریفانہ کردار کا جو معیار مقرر کیا تھا اس میں گانے بجانے، رقص و سرود، مے نوشی، مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی، ان کی خمری و مخزی

فحش و مبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ ایک طرف عربوں کی ذہنی و علمی بھوک کی وہ شدت اور دوسری طرف یونہی اُن کے ملک کا دماغی مشغلوں سے خالی ہونا، چنانچہ کبھی ادنیٰ درجہ کی غذائیں جو ان کے پاس موجود تھیں ان کا بھی سامنے سے ہٹ جانا اور سب کو ہٹا کر اس شدید دماغی تشنگی کے وقت میں ان کے سامنے صرف قرآن اور مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم و فن کے رنگ میں پیش ہونا اور اسی کی کمی و بیشی پر سوسائٹی میں افراد کے مدارج کا قدرتاً مقرر ہو جانا، غور کرنے کی بات ہے کہ ایسے ماحول میں ہر چیز سے ٹوٹ کر ہمہ تن ان ہی دو چیزوں میں اگر وہ ڈوب گئے تھے تو آپ ہی اندازہ کیجیے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ایسی حالت میں یقیناً یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہو کر رہا۔

بلکہ اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملا لیتے ہیں کہ فاقہ کش غریب اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوشیوں کا شکار بنا ہوا تھا۔ تعیش و رفاہیت کی زندگی کا تو ذکر کیا ہے۔ ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی ان کو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے، ساری عمر عرب کے چٹیل ریگستانی اور سنگستانی صحراؤں میں بیچارے صرف اس لیے دوڑتے پھرتے تھے کہ دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل میں مل جائے اور وہ بھی بہ مشکل میسر آتی تھی، لیکن اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قویٰ اور ذہنی طلب میں یہ طوفان برپا کیا، دوسری طرف پندرہ بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی مطالبوں کے لیے رسد کا ایک ایسا بے پناہ سمندر ان کے اس غیر آباد قلیل التعداد ملک میں ٹھاٹھیں مارنے لگا کہ سچ یہ ہے کہ اس کی نظیر کبھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا اسے نصیب ہوا، ان خزائن اور دفائن، غنائم اور نفل کے سوا جو قرنہا قرن سے کسریٰ کے خزانے میں جمع ہو رہے تھے یا وہ دولت جو زمین فرعون (مصر) سے یا ارض شام سے آئی تھی، ستون فی ستین (یعنی ساٹھ گز چوڑا) والا جوہر نگار بہار نامی ایرانی غالیچہ جس کے تمام نقش و نگار جن کا تعلق مختلف مناظر اور موسموں سے تھا انمول جواہرات کے ذریعہ سے کاڑھے گئے تھے، کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھروں کی وجہ سے بجائے سر پہ رکھنے کے سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا اور کج کلاہِ ایران اسی میں اپنا سر داخل کر دیتا تھا، کھجوروں کے تنہ پر مدینہ میں جو مسجد کھڑی تھی اس میں یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آرہا تھا۔ خوراکی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو غلہ کے لئے جب لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اونٹوں کی ایسی قطار غلہ سے لاد کر پایۂ تخت خلافت میں بھیجتا ہوں جس کا پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا اور آخری اونٹ کی دم میرے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ سب تو وقتی دولت تھی اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصے میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، شام اور مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے جن میں بجز حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا، مصر سے پہلا خط عمرو بن العاصؓ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام آیا تھا کہ ایک ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو اچانک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اسی کے بعد میرے کی مانند سرسبز ہو جاتی ہے۔ ان سارے علاقوں کا ایک بڑا حصہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگیروں پر تقسیم کر دیا گیا تھا، کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان اموالِ غنیمت سے

حصوں کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر میں سالانہ کتنی دولت ان جاگیروں سے آتی تھی، تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی تک پہنچتے پہنچتے مدینہ کے بازار کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ عہد نبوت میں جس گدھے کی قیمت پندرہ درہم تھی اب وہ پندرہ سو میں ملتا تھا۔ بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں مول لی تھی لیکن ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے جب فروخت فرمایا تو اس کی قیمت سولہ لاکھ ملی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ چھوڑ سکے، لیکن مکانات اور زمین کی شکل میں جو ان کی جائداد تھی اس کی قیمت جیسا کہ بخاری میں ہے پچاس کروڑ دو لاکھ لگائی گئی تھی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے انتقال کے وقت ترکہ چھوڑا اس کا حساب تو بہت طویل ہے لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ثلث مال سے انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہر بدری صحابی کو (جن کی تعداد اس وقت تقریباً ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیے جائیں۔ صحابہ اور صحابہ کی اولاد جو وہی عرب تھے جن کے پاس ہزار کے اوپر عدد کے لیے کوئی لفظ ہی نہ تھا، لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ایک ایک وقت میں صرف خیرات کرتی تھی یا اپنے ملنے جلنے والے احباب اعزہ کو دے ڈالتی تھی۔ عام تاریخی کتابوں میں بکثرت ان کی داد و دہش کے واقعات کا ذکر ہے بخوف طوالت ان کی تفصیل ترک کی جاتی ہے

بہر حال مجھے حدیث کے ابتدائی رواۃ یا اس تاریخ کے ابتدائی مورخین کی دولت و آمدنی کی تفصیل بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ گزشتہ بالا حالات کے ساتھ جب ان کی معاشی فراغبالی کو بھی پیش نظر رکھا جاتے اور پھر سوچا جائے کہ علم کی پیاس کی جو آگ ان کے دل میں لگائی گئی تھی اس کی تسکین کے لیے ان کے پاس کتنے وسیع مواقع قدرت نے مہیا کر دیئے تھے۔ ہو سکتا تھا اور تھوڑے دنوں بعد ہو بھی گیا کہ مال و دولت کی اس فراوانی نے ان ہی صحابیوں کی دوسری اور تیسری پشت میں ان امیرانہ مشاغل کو پیدا کر دیا جو اس کے لازمی نتائج ہیں[1]۔ لیکن ہم جن لوگوں سے بحث کر رہے ہیں ان میں ایک ایسا روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کردار کے اس بلند اسلامی معیار کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان میں پیدا کر دیا تھا اور اس کی شہادت ان کی زندگی سے ملتی ہے بجائے رنگ رلیوں کے ان کے مصارف وہی تھے جو اسلام نے مال کے لئے مقرر کئے تھے۔ ہر ایک نیکی کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ وہی عبدالرحمن بن عوف رض جن کا ذکر ابھی گزرا، مشہور بات ہے کہ اپنے ذاتی روپے سے خرید خرید کر انہوں نے تقریباً تیس ہزار غلاموں کو آزاد کیا تھا، اور از یں قبیل سب کا یہی حال تھا صرف یہی نہیں

---

[1] قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں روایت درج کی ہے کہ فارس کے غنائم جن میں الجواہر، اللولو، والذہب والفضۃ کی کثیر مقدار تھی۔ حضرت عمر رض کے سامنے جب ان کا ڈھیر لگایا گیا تو رونے لگے اور فرمایا کہ جس قوم کو یہ چیزیں ملیں بالآخر ان میں بغض و عداوت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

بلکہ ان میں اکثر خصوصاً جن کا زیادہ میلان تعلیم قرآن اور تدوین حدیث کی طرف تھا ان کی تمام جائداد وں اور مالی ذرائع کی نگرانی بھی قہرمانوں اور قیموں کے سپرد تھی، وہی وصول کرتے تھے اور وہی اس کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ ان بزرگوں کو اپنے کام کے سوا اور کسی بات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ جو ترجمان القرآن حبرالامۃ وغیرہ عالمانہ القاب سے ملقب ہیں اور تدوین حدیث میں ان کا بڑا حصہ ہے، ان کے ایک بھائی عبیداللہ کی طبیعت کا میلان تو جود وسخا کی طرف تھا کہا جاتا ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر ہزار دل روپے لوگوں کو دے دیتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ تم پر میرا حق ہے۔ بولے کیا؟ اس نے کہا کہ تم چاہ زمزم پر پانی پی رہے تھے، چہرہ پر دھوپ پڑ رہی تھی، میں نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا تھا! بولے ہاں تیرا احسان یاد ہے۔ قیم (داروغہ) کو آواز دی پوچھا تیری تحویل میں اس وقت کتنی رقم ہے؟ دس ہزار درہم نقرئی اور دو سو طلائی دینار ہیں! اس نے جواب دیا۔ حضرت عبیداللہ نے حکم دیا سب اس شخص کو دے دو اور یہ ان کا عام حال تھا۔ لیکن وہی دولت جسے عبیداللہ اس طریقہ سے خرچ کرتے تھے ان کے بڑے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کی نشر واشاعت پر صرف فرماتے تھے۔ بخاری میں ان کے مشہور شاگرد ابوجمرہ سے مروی ہے کہ صرف اس لئے تاکہ ابن عباسؓ کی آواز[1] دوسروں تک وہ پہنچایا کریں، حضرت نے اپنی آمدنی کا ایک حصہ ابوجمرہ کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔ اور یہ حال تو اس وقت کا ہے جب مسند درس پر جلوہ فرما ہو چکے تھے، لیکن یہی ابن عباسؓ باوجود اس ثروت و دولت کے اپنے طلب حدیث کے دنوں کو یاد کرکے فرماتے:

كُنتُ لَاٰتِي الرَّجُلَ فِي الْحَدِيثِ يَبْلُغُنِي
اَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه
وسلم فَاَجِدُهُ قَائِلاً فَاَتَوَسَّدُ رِدَائِي
عَلٰى بَابِهِ تَسْفِي الرِّيحُ التُّرَابَ عَلٰى وَجْهِي
حَتّٰى يَخْرُجَ فَاِذَا خَرَجَ قَالَ يَا ابْنَ
رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ؟
فَاَقُولُ بَلَغَنِي حَدِيثٌ عَنْكَ اَنَّكَ تُحَدِّثُهُ
عَنْ رسولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ
فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْكَ فيقولُ هَلَّا
بَعَثْتَ اِلَيَّ حَتّٰى اٰتِيَكَ فَاَقُولُ اَنَا اَحَقُّ
اِلَيْكَ (دارمی)

حدیث کی طلب میں میں کسی ایسے آدمی کے پاس جاتا جن کے متعلق مجھے خبر ملتی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے اور پاتا کہ وہ دوپہر میں آرام کر رہے ہیں تو اپنی چادر کو تکیہ بنا کر ان کے دروازے پر پڑ جاتا، ہوائیں دھول اڑا اڑا کر میرے چہرے پر ڈالتیں اور میں اسی حال میں پڑا رہتا تا آنکہ خود وہ صاحب باہر نکل آتے۔ باہر نکل کر جب مجھے دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے آپ کیسے تشریف لائے ہیں۔ میں کہتا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تم کوئی حدیث روایت کرتے ہو، میں نے چاہا کہ اس حدیث کو تم سے سنوں۔ جواب میں وہ صاحب کہتے، آپ کسی کو بھیج دیئے ہوتے میں خود حاضر ہو جاتا، میں کہتا کہ تمہارے پاس حاضر ہونے کا مستحق میں ہوں

---

[1] بعضوں کا خیال یہ بھی ہے کہ ابوجمرہ چونکہ فارسی جانتے تھے اس لئے حضرت ابن عباس کی باتوں کا ترجمہ عربی نہ جاننے والوں کو سنا دیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ دونوں کام کرتے ہوں

صحابہ کرام اور ان کے تلامذہ تابعین، تبع تابعین نیز دوسرے ائمہ اور بزرگوں نے اس فن کی تدوین میں کیا کیا مشقتیں برداشت کی ہیں ان کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ اس مثال کے پیش کرنے کی غرض اس وقت صرف یہ تھی کہ دولت و امارت نے ان کو امیرانہ چونچلوں میں الجھا نہیں دیا تھا بلکہ ان میں کتنے ایسے تھے جن کی آمدنی کا اکثر حصہ اسی علم کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی اس علمی ولولہ کی کیفیت یہ تھی کہ معمولی معمولی عورتیں محض اس لئے کہ ان کا بچہ فن حدیث کا عالم ہو جائے ہزار ہا روپے خرچ کر ڈالتی تھیں۔

اس موقعہ پر عہد صحابہ کا قصہ یاد آیا کہ فروخ نامی ایک معمولی آدمی تھے، آزاد شدہ غلاموں کے طبقہ سے اُن کا تعلق تھا۔ غالباً فوج میں ملازم تھے۔ لیکن اس وقت مدینہ کی دولت کا یہ حال تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ غلام سپاہی بھی تیس تیس چالیس چالیس ہزار دینار طلائی سکہ پس انداز کر سکتا تھا۔ تقریباً سیر کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ اپنا سارا اندوختہ بیوی کو سپرد کر کے وہ کسی نوکری پر طویل مدت کے لیے باہر چلے گئے۔ پندرہ بیس سال کے بعد واپسی ہوئی جس وقت جا رہے تھے ان کی بیوی حاملہ تھی پیچھے لڑکا پیدا ہوا، نام ربیعہ رکھا گیا۔ اس نیک دل خاتون کے علمی ذوق کا حال سنئے کہ انہوں نے شوہر کے سارے اندوختہ کو بچے کی تعلیم و تربیت پر ختم کر دیا اور اس زمانہ کی تعلیم کیا تھی؟ یہی قرآن و حدیث کی خدمت۔ فروخ جب گھر واپس ہوئے تو لڑکا جوان ہو کر نہ صرف عالم بلکہ مسجد نبوی کے حلقہائے درس کے ایک ممتاز ترین معلم کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری جیسے لوگ جنہیں بعد کو امت میں امامت کا منصب عطا ہوا، وہ ان کے شاگردوں میں شریک تھے۔ فروخ باہر سے بھی چار پانچ ہزار روپیہ کما کر لائے تھے۔ دو تین دن کے بعد بیوی سے اپنے گزشتہ پس انداز کا حساب دریافت کیا تو بولیں کہ سب کو میں نے گاڑ رکھا ہے، کچھ دم لے لو تو انہیں نکالوں، لیکن ذرا کل تم صبح کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے حلقہائے درس میں گشت تو لگانا۔ دوسرے دن انہوں نے یہی کیا، ایک حلقہ میں پہنچے تو خدا کی قدرت نظر آئی کہ ان کے لڑکے کو چاروں طرف سے شاگردوں کا حلقہ گھیرے ہوئے ہے۔ خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے۔ گھر پہنچے اور بیوی سے حال بیان کیا۔ بیوی نے کہا کہو روپیہ لینا چاہتے ہو یا ایسا عالم لڑکا؟ میں نے تمہارے روپے اس کی تعلیم پر خرچ کر دیئے۔ فروخ نے اپنی بیوی کے فعل کی تحسین کی۔

علم حدیث کی تفصیل و تدوین و اشاعت و نشر میں عہد صحابہ اور اس کے بعد لوگوں نے کتنی حیرت انگیز مالی قربانیاں کی ہیں اس کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے میں اس وقت صرف دماغوں کو ادھر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ منجملہ دیگر اسباب کے عہد صحابہ کی معاشی فراغبالی کو بھی دنیا کی تاریخ کے اس عجیب حصہ کی حفاظت میں غیر معمولی دخل ہے اور یہ سچ بھی ہے کہ جو کام ؎

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے
فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

کے ماحول میں انجام پا سکتا ہے چہ خورد بامداد فرزندم کے سوال کے ہتھوڑوں سے چور دلوں میں بجز خاص استثنائی صورتوں کے عموماً ایسے پراگندہ روزوں سے پراگندہ دماغی ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔

خصوصاً جو واقعہ، خاص اس علم کے ساتھ پیش آیا ہے اس کے لیے تو یہ ہونا زیادہ ضروری تھا کیونکہ چند گنے گنائے آدمیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے اگر ایسا ہوتا، تو استثنائی قانون کا ممکن تھا کہ ظہور ہوتا لیکن آپ کو آئندہ معلوم ہو گا کہ تاریخ کے اس بسیط اور مختصر حصے کے بیان کرنے والوں کی

تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اب تک حدیث کے ابتدائی راویوں یعنی صحابۂ کرام کے کیفی حالات و خصوصیات سے میں بحث کر رہا تھا لیکن اس تاریخ کے مورخوں کا جو مقداری امتیاز ہے میرے خیال میں تدریج کے "قدرتی عوامل" میں غور و فکر کے لیے ان کو بھی کچھ کم اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے تو یہ اس فن کی ایک ایسی امتیازی شان ہے جس کی نظیر فن تاریخ ہی میں نہیں دوسرے علوم میں بھی بمشکل مل سکتی ہے ڈاکٹر اشپرنگر کا یہ مشہور فقرہ کہ "کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح "اَسْمَاءُ الرِّجَال" کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

اسماء الرجال اور اس کی ضرورت کی تفصیل تو آگے آئے گی میں اس وقت آپ کی توجہ اس تاریخ کے اساسی مورخوں کی تعداد اور ان کی مختلف نوعیتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد

غور کیجیے، انصاف سے کہنا چاہیے کہ علمی دنیا کے ہاتھ میں آج تاریخ کا جتنا کچھ بھی سرمایہ ہے، وہی جس کی تعلیم و تعلّم پر جامعات اور یونیورسٹیوں میں اور نشر و اشاعت و تدوین و ترتیب پر تصنیف گاہوں اور مطابع و اشاعتی اداروں میں، حکومتوں اور عام پبلک کی جانب سے بلا مبالغہ ہر سال کروڑہا کروڑ روپے صرف ہو رہے ہیں اور ان تمام مصارف کا شمار بہترین علمی خدمتوں میں ہے اور بلا شبہ یہ بہت بڑی علمی خدمت ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے اپنے اس علمی و فنی سرمایہ کا جائزہ لیجیے، قدیم ہو یا جدید، تاریخ کے کسی حصہ پر نظر ڈالیے کہ ابتداً میں ان واقعات کے بیان کرنے والوں یا ان کو ریکارڈ کرنے والوں کی تعداد کیا تھی؟ قطع نظر اس سے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ واقعات کے عینی شاہدوں کا ان تاریخوں میں بجائے خود ایک پیچیدہ ترین سوال ہے۔ بالفرض اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا کوئی حصہ ایسا مل بھی جائے جسے ہم خود چشم دید گواہوں کا بیان قرار دے سکتے ہوں اور اسی کے ساتھ یہ بھی مان لیا جائے کہ ہمیں ان کی دماغی اور اخلاقی منزلت کا بھی کسی نہ کسی ذریعہ سے علم حاصل ہو گیا ہو، اگرچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں ہے تاہم مان لیجیے کہ اس میں کامیابی ہو بھی جائے پھر بھی جہاں تک میرے معلومات ہیں اور میرا اندازہ ہے، ان تاریخوں کے ابتدائی راویوں کی تعداد بمشکل ایک دو سے متجاوز ہو سکتی ہے۔ آخر ہماری تاریخوں کی آج جو کچھ بھی بنیاد ہے وہ کوئی پرانے زمانے کی کسی پرانے مصنف کی کوئی یادگار، پرانی قبروں کا کوئی کتبہ پرانے سکوں کے ٹھپے، پرانے کھنڈروں کی کوئی سنگی یا برنجی تختی، یا از قبیل کوئی اور چیز ہے یقینی سے یقینی تر چیز کسی شخص کی ذاتی خود نوشت سوانح عمری ہو سکتی ہے۔ اس احتمال کے سوا کہ اس قسم کی بیوگرافیاں کیا موجودہ زمانہ کے مینوفسٹی بیانات نہیں ہو سکتیں اور مان لیا جائے کہ ان میں گفتنی کے ساتھ تمام گفتنیوں کے اندراج کا بھی التزام کیا گیا ہو یا یوں کہیے کہ صاحب شعر و دیوان ہونے کی حیثیت کے ساتھ محلہ والوں کے معلومات بھی اس میں بیان کئے گئے ہوں لیکن ان سب سے بھی اگر قطع نظر کر لیا جائے تو جیب ہی کا اس یقینی ترین تاریخی سرمایہ دخود نوشت سوانح عمری کی حیثیت ایک شخصی بیان ہی کی ہو سکتی ہے اخلاقی اطمینان کے باوجود ایک شخصی دماغ پر نسیان

ـــــــہ یہ اکبر مرحوم کے مشہور شعر

اکبر کی حقیقت کو تم کچھ پوچھو محلے والوں سے،
ہاں خیر تو اچھا کہتے ہیں، دیوان تو لوگا دیکھا ہے

کی طرف تلمیح ہے۔

...معمول چوک کی راہیں جتنی کھلی ہوئی ہیں ظاہر ہے لیکن اب آپ سنیے تاریخ کے ایک اس نادرۂ روزگار حصہ پر نظر ڈالیے جس کا نام "حدیث" ہے جن چشم دید گواہوں اور عینی شاہدوں کے بیانات سے یہ واقعات حاصل کئے گئے ہیں ان کی تعداد کیا تھی؟ ابھی اس سلسلۂ روایت کی بعد کی کڑیوں سے بحث نہیں بلکہ آپ کے سامنے اس کا صرف پہلا حلقہ یعنی ان لوگوں کا سوال ہے جو خود اس واقعہ میں شریک تھے انہوں نے اس کو دیکھا اور اس نظر سے دیکھا جس سے ہر معمولی واقعہ نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ایک امتی جس نظر سے اپنے پیغمبر کو، یا ایک مرید اپنے پیر کو یا صاف لفظوں میں کیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب صحابیوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دیکھنے کے بھی وہ ذمہ دار تھے اور بیان کرنے کے بھی ذمہ دار تھے۔ جانتے ہیں کہ ان کی تعداد کیا تھی؟ علی بن ابی زرعہ جو فن رجال کے بڑے مشہور ائمہ میں ہیں، ان سے یہی سوال پوچھا گیا، جواب میں انہوں نے فرمایا

تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ رَآهُ وَسَمِعَ مِنْهُ زِيَادَةٌ عَلٰى مِائَةِ أَلْفِ إِنْسَانٍ مِنْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ كُلُّهُمْ قَدْ رَوٰى عَنْهُ سَمَاعًا وَرُؤْيَةً" (اصابہ جلد ا ص۳)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے حضورؐ کو دیکھا اور آپ سے سنا تھا ایک لاکھ سے زیادہ تھی ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، سب حضورؐ سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابن ابی زرعہ نے یہ صحابیوں کی تعداد نہیں بتائی ہے بلکہ ان خاص اصحاب کی تعداد ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد آپ کے متعلق کوئی نہ کوئی بات روایت کی ہے۔ حدیث "تاریخ" کے جس حصہ کی تعبیر ہے اس کے ابتدائی رواۃ کی یہ تعداد کیا کوئی معمولی بات ہے؟ عموماً اس کو سن لیا جاتا ہے اور لوگ گزر جاتے ہیں لیکن تقابل سے بات سمجھ میں آتی ہے۔ ایک طرف آپ کے سامنے "تاریخ" کا وہ ذخیرہ ہے جس کے ابتدائی راویوں کا حال اگر معلوم بھی ہو سکتا ہے تو ان کی تعداد دو تین سے آگے بمشکل متجاوز ہو سکتی ہے اور بیچاری ایک تاریخ کیا بڑے بڑے مذہبی مستندات جن کے بھروسا پر آج کروڑ ہا کروڑ انسان ایمانی زندگی بسر کر رہے ہیں زیادہ تر ان کا بھی یہی حال ہے۔ خیال تو کیجیے کہ کہاں ایک لوقا ایک مرقس[1] یا ایک سنجے گاڑی بان کا بیان اور کہاں یہ ایک لاکھ سے اوپر چشم دید گواہوں کی شہادتیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ عام تاریخی واقعات جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں، پراگندہ اور منتشر کثرتوں کا مجموعہ ہے اور ان بکھری ہوئی کثرتوں کے سننے والے صرف ایک دو ہیں۔ ادھر ایک شخصی ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور ان کی سچی اور ہو بہو جیسے کہ وہ تھے، تصویر اتارنے کے لئے ارد گرد لاکھوں زندہ آنکھوں کے کیمرے قدرت کی جانب سے کھڑے کئے گئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

راویوں کی تعدادی مقدار کے روایت پر کیا کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، بادنیٰ تامل ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

کثرتِ تعداد کا روایتوں کی وثاقت پر اثر

سب سے پہلی بات تو یہی ہے، ایک یا دو آدمی سے ظاہر ہے کہ اتنے واقعات کا احاطہ یقیناً ناممکن ہے، جو مشاہدہ کرنے والوں کی کثرت کی صورت میں

---

[1] مختلف انجیلوں کے مختلف ابتدائی راویوں کے نام ہیں اور سنجے اس گاڑی بان کا نام ہے جو ہندوؤں کی مشہور کتاب گیتا کا سری کرشن سے تنہا راوی ہے۔ محض اس کی روایت کی بنیاد پر ہندو گیتا کو گویا ایک قسم کی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔

ممکن ہے، پھر اسی کے ساتھ جب ہم اس کو بھی ملا لیتے ہیں کہ ان راویوں میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کی بھی ایک بڑی جماعت شریک ہے تو احاطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مورخین صرف مرد ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے محض وہی واقعات پہنچے ہیں جن کا تعلق گھر کے باہر کی زندگی سے ہے لیکن بجائے جلوت کے خلوت یا گھریلو زندگی کے حالات پر یقیناً پردہ پڑا رہتا اور ایسے بہت سے مسائل جن کا خصوصی تعلق صرف عورتوں سے ہے ان کے متعلق کوئی واضح ہدایت نامہ ہمارے پاس نہ ہوتا۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو جلوت کا ہو یا خلوت کا کسی کو راز میں نہیں رکھا گیا۔ راویوں کی کثرت اور ان کی مختلف نوعیتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ دوست ہی نہیں آج دشمن بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ "یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔" یہ باسورتھ کی شہادت ہے جس کا اظہار اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (صفحہ ۱) میں کیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اگر ملحوظ رکھا جائے کہ باہر میں ہو یا اندر میں، قدرت نے ایسے اسباب فراہم کر دیئے تھے کہ صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستانی قصبہ میں تقریباً دنیا کے بڑے بڑے قابلِ ذکر مذاہب یعنی بت پرستی، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت کے ماننے والوں کو مسلمان کر کے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں پہنچا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی و تکمیلی زدیں دنیا کے تمام مذاہب پر جو پڑ رہی تھیں اس کے سمجھنے کے لیے خود ان مذاہب کے جاننے والوں کی ضرورت تھی، اور قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا تھا باہر میں بھی اور اندر بھی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اور عام طور پر لوگ اس سے واقف بھی ہیں۔ عملی طور پر ان عینی شاہدوں کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ قطع نظر اس سے کہ ایک واقعہ کے جب بہت سے دیکھنے والے ہوتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے خیال سے عموماً غلط بیانی کرنے میں ہچکچاتا ہے۔ اگر صحابہ کرام کے جن خصوصیات کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے ان کی بناء پر یوں بھی ان سے قصداً کسی غلط بیانی کی کون توقع کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ قرآن میں "قانونِ شہادت" کے ذکر کے سلسلے میں بیان کیا ہے، ایک گواہ کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو دوسرا اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔ حدیث کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایک موقعہ پر نہیں بلکہ متعدد مواقع اس قسم کے پیش آتے ہیں جہاں راویوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ میرا مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ ان کے نظائر جن سے معمولی طلبہ تک واقف ہیں، یہاں پیش کرتا۔

ماسوا اس کے صحابی راویوں کی جو تعداد ابن ابی زُرعہ کے حوالے سے میں نے اوپر نقل کی ہے ظاہر ہے کہ صحبت مبارک میں ان سب کا اجتماع ایک وقت میں نہیں ہوا تھا اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہر لمحہ یا ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ سارا مجمع رہتا، اگرچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تقریباً ایک لاکھ سے اوپر صحابیوں کا مجمع جمع ہو گیا تھا لیکن یہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے ورنہ عموماً مدینہ منورہ میں جو تعداد صحابہؓ کی رہتی تھی یا غزوات و اسفار میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے تھے ان کی ظاہر ہے کہ اتنی تعداد کبھی اکٹھی نہیں ہوئی، بیس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار، تین ہزار، چار ہزار یا اس سے نیچے کی تعداد فوجی مہموں میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عموماً رہی ہے۔ اگرچہ مدینہ منورہ میں ابتداً انصار کے ساتھ مہاجرین کا ایک خاص گروہ آپ کے ساتھ تھا لیکن جس وقت غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے۔ کعب بن مالکؓ جو اس سفر میں رفاقت سے محروم

رہے تھے اور اس کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری میں ان ہی کی زبانی منقول ہے۔ اس میں مدینہ کے اصحاب کا ذکر فرماتے ہوئے آپ نے یہ جملہ فرمایا تھا۔

وَالنَّاسُ كَثِيْرٌ لَا يُحْصِيْهِ دِيْوَانٌ — لوگ بکثرت تھے، کسی دفتر میں ان کی تعداد منضبط نہ تھی۔

بہر حال مدینہ منورہ میں بالآخر اچھی خاصی جماعت باہر کے مہاجرین کی بھی جمع ہو گئی لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کو ہر وقت اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے مجلس مبارک میں حاضری میسر نہیں آتی تھی کسی وقت کوئی رہتا تھا کسی وقت کوئی۔ اب اگر راویوں کی تعداد دو چار پر ختم ہو جاتی تو وہ ذخیرہ جمع ہو سکتا تھا جو آج جمع ہوا ہے؟ یہ واقعہ ہے کہ گرد و پیش میں ان ہزاروں مردوں اور عورتوں کے رہنے، آنے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی نہ کسی واقعہ یا کسی قول کے محفوظ کرنے کا موقعہ ملا اور اپنی مذکورہ بالا ذمہ داریوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تو یہ عام قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ اپنی حاضری کے دنوں میں اس عجیب و غریب شخصی تاریخ کے متعلق جن واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا دوسرے دن اپنے غائب رفیق کو من و عن سنا دیا کرتے تھے بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنْتُ اَنَا وَجَارٌ لِّيْ مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ بَنِيْ اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَاَنْزِلُ يَوْمًا فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهٗ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔	میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں امیہ بن زید والوں کی بستی میں رہتے تھے جو مدینہ کے عوالی کی بستیوں میں سے ہے۔ ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری سے حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ حاضر ہوتے، ایک دن میں حاضری دیتا۔ میں جس دن حاضر ہوتا اس دن کے حالات اور خبریں وحی وغیرہ کی ان کو سناتا اور جب وہ حاضر ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے۔

ابتداءً اسلام میں محدود معاشی ذرائع ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ مہاجرین بیچاروں کو اپنے اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لیے عموماً بیوپار یا صنعتی کاروبار میں مشغول ہونا پڑتا تھا۔ جس گاؤں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا، یہاں آپ کی نگرانی میں کپڑے بننے کی کارگاہیں تھیں، سنخ نامی گاؤں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ تھا۔ انصار عموماً اپنے باغوں اور کھیتوں پر کام کرتے تھے لیکن بایں ہمہ ایک جماعت ان لوگوں کی بھی تھی جو اپنے گھر سے جدا ہو کر نو مسلموں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صُفّہ نامی جو مدرسہ قائم فرمایا تھا اس میں داخل ہو جاتے تھے، ان کے قیام و طعام کا نظام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مدینہ کے خوش باش لوگ کیا کرتے تھے۔ اس لیے معاشی افکار سے الگ ہو کر ان کا زیادہ کام یہی تھا کہ قرآن سیکھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و سنن یاد کریں۔ اسی جماعت کے سرکردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ لوگوں کو ان کی کثرتِ روایت پر بھی

جب ہوا تو خود ہی فرماتے:

إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهُ الْمَوْعِدُ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَصْحَبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ۔

(بخاری)

تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں بیان کیا کرتا ہے مگر قسم ہے خدا کی کہ میں ایک غریب مسکین آدمی تھا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف پیٹ پر پڑا رہتا تھا، درآں حالیکہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں مشغول رہتے اور انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت) میں الجھے رہتے۔

ایک دوسرے موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس سلسلے میں وہ کیا کرتے تھے، خود تفصیل فرماتے ہیں:

قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ أَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ زِدْتُ عَلَى الثَّلَاثِينَ فَأَقَمْتُ مَعَهُ حَتَّى مَاتَ وَأَدُورُ مَعَهُ بِبُيُوتِ نِسَائِهِ وَأَخْدِمُهُ وَأَغْزُو مَعَهُ وَأَخْرُجُ۔

(ابن سعد)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کے مقام پر حاضر ہوا، اس وقت میری عمر تیس سال سے اوپر ہو چکی تھی، پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کر لیا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا، آپ اپنی بیویوں کے مکانوں پہ جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا، ہر وقت آپ کی خدمت کرتا، حج میں اور جہاد کے سفروں میں آپ کے ساتھ جاتا۔

طالب العلمی کے ان دنوں میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا کیا گزری، بعد کو مزے لے لے کر بیان کرتے۔ کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہیں:

وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنْ كُنْتُ لَأَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ بِكَبِدِي مِنَ الْجُوعِ وَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي۔

اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا۔

کبھی فرماتے:

رَأَيْتُنِي أُصْرَعُ بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان میں چکرا

فَيُقَالُ مَجْنُونٌ وَمَا بِي جُنُونٌ إِنْ هُوَ إِلَّا الْجُوعُ۔ (صحاح)

کر گر پڑتا، خیال کیا جاتا کہ میں پاگل ہوں حالانکہ مجھے جنون سے کیا تعلق، وہ تو صرف بھوک کا اثر تھا۔

مگر یہ سب کچھ گزر رہا تھا، دوسرے ساتھیوں کو یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کاروبار کرکے آرام اٹھا رہے ہیں، مگر تیس بتیس سال کا یہ دوسی یمنی نوجوان ؎

موجِ خون سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

کہ کر بیٹھ گیا تھا، اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ حتی توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس قسم کے یہ ایک آدمی نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کا خطاب ہی صحابہ کی جماعت میں صاحب النعلین والسواک والوسادۃ تھا حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم جب یمن سے آئے تو ابن مسعودؓ کے متعلق مدت تک ہم سمجھتے رہے کہ:

أَنَّهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرَى مِنْ دُخُولِهِ وَدُخُولِ أُمِّهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اصابہ)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کوئی آدمی ہیں جس کی وجہ ان کی اور ان کی ماں کی آمدورفت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی رہتی تھی۔

ان کو دربارِ رسالت سے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ

على ترفع الحجاب وتسمع سوادی (اصابہ)

ابن مسعود! تم پردہ کو اٹھا کر میرے حجرہ میں آسکتے ہو اور تنہائی کی گفتگو سن سکتے ہو۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو نو سال تک مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی خدمت میں رہے اور ان کے سوا بھی حضورؐ کے موالی مثلاً رافع، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو بہت کم مجلس رسالت کی حاضری سے محروم رہتے تھے۔ یہ تو مردوں میں اور عورتوں میں یہی حال امہات المومنین کا تھا، جن میں کوئی نہ کوئی خلوت کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان ہی باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ میں جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن امور کا علم براہِ راست حاصل نہ ہوتا تھا ان کو وہ اپنے دوسرے بھائیوں اور ساتھیوں کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کرتے تھے اور اس میں بڑے اور چھوٹے کی بحث نہیں تھی۔ خود حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ:

كَانُوا يَعْرِفُونَ لُزُومِي فَيَسْأَلُونِي عَنْ حَدِيثِهِ مِنْهُمْ عُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ۔ (ابن سعد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگوں کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے پوچھا کرتے، ان کے پوچھنے والوں میں عمرؓ بھی ہیں اور عثمانؓ بھی علیؓ بھی طلحہؓ بھی زبیرؓ بھی۔

حدیث کی کتابوں میں اس کا ایک ذخیرہ موجود ہے جس میں خلفائے راشدین اور دوسرے جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہے ۔ مردوں میں اگر پتہ نہیں چلتا تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا کہ اگر ان کو کوئی علم ہو تو بیان کریں، ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا ابھی ذکر گزرا، حالانکہ نو سال تک صحبت نبوی میں ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقعہ ملا ہے لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے کہ حلقہ کے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا،

أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کیا آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:

مَا كُلُّ مَا نُحَدِّثُكُمْ بِهٖ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ كَانَ يُحَدِّثُ بَعْضُنَا بَعْضًا۔

(مستدرک حاکم)

ہم تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں بیان کرتے ہیں، سب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہیں سنا ہے بلکہ ہم میں بعضوں نے بعض سے بھی سنا ہے (یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سنا ہے)

در یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرت تعداد کا۔ ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا۔ اپنے علم کی تکمیل کے شوق ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ تابعین یا اصاغر صحابہ ہی کے زمانے میں نہیں بلکہ خود باہم ایک صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لیے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہیں اور قرآن نے اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع اور پیروی کا ان سے جو مطالبہ کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی میں تھا اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ خود بیان کرتے ہیں۔

بَلَغَنِيْ حَدِيْثٌ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَابْتَعْتُ بَعِيْرًا فَشَدَدْتُ عَلَيْهِ رَحْلِيْ ثُمَّ سِرْتُ إِلَيْهِ شَهْرًا حَتّٰى قَدِمْتُ الشَّامَ فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُنَيْسٍ الْأَنْصَارِيُّ فَأَتَيْتُ مَنْزِلَهٗ وَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ أَنَّ جَابِرًا عَلَى الْبَابِ فَرَجَعَ إِلَيَّ الرَّسُوْلُ فَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ نَعَمْ فَخَرَجَ إِلَيَّ فَاعْتَنَقْتُهٗ وَاعْتَنَقَنِيْ قَالَ قُلْتُ حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَظَالِمِ لَمْ أَسْمَعْهُ أَنَا مِنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطے سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی میں نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اس پر اپنا کجاوہ کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا یہاں تک کہ شام پہنچا اور عبداللہ بن انیس انصاری (جن سے حدیث پہنچی تھی، ان) کے گھر پہنچا اور اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے آدمی نے واپس آکر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں! عبداللہ بن انیس باہر نکل پڑے، دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہنچی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مظالم کے متعلق آپ نے سنی ہے

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْحَدِیْث (جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۹۳)

اور میں نہیں سن سکا ہوں۔ عبداللہ بن انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے (پھر عبداللہ نے پوری حدیث سنائی)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفونِ قسطنطنیہ[1] کا ہے کہ ایک حدیث انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شک پیدا ہوا۔ آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بھی دربارِ رسالت میں موجود تھے لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک حدیث میں معمولی شک مٹانے کے لیے حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہیں، اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس حاضر ہو کر فرماتے ہیں

حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَہٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَتْرِ الْمُسْلِمِ لَمْ یَبْقَ اَحَدٌ سَمِعَہٗ غَیْرِیْ وَغَیْرُکَ ۔

مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو جسے تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق سنا ہے اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہیں، حدیث یہ تھی، مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا خِزْیَۃً سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ وہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ

فَاَتٰی اَبُوْ اَیُّوْبَ رَاحِلَتَہٗ فَرَکِبَھَا وَانْصَرَفَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ وَمَا حَلَّ رَحْلَہٗ (۹۴۔ جامع)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث سنتے ہی اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی واقف ہے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان ابا سعید رحل فی حرف یعنی حدیث کے ایک حرف کی تصحیح کے لیے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ کوچ کیا۔ دارمی میں ایک اور صحابی کے متعلق ہے۔

---

[1] قسطنطنیہ میں آپ کے دفن کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑے تھے جس میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ اتفاق سے بیمار ہوئے اور یقین ہو گیا کہ آخری وقت ہے وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد جنازہ کو لے کر مسلمان حملہ کریں اور دشمن کی زمین میں جہاں تک گھس سکتے ہوں گھستے چلے جائیں آخری نقطہ جہاں تک تمہاری رسائی ہو، اسی جگہ مجھے دفن کر دینا۔ جنازہ لے کر مسلمانوں نے حملہ کیا اور غنیم کو پسپا کرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے، وہیں قبر کھود کر حضرت کو دفن کر دیا گیا۔ محمد فاتح نے جب صدیوں بعد قسطنطنیہ فتح کیا تو خواب میں آپ نے اپنی قبر کا نشان دیا اسی پر جامع ابی ایوب تیار ہوئی۔

اَنَّ رَجُلاً مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحَلَ اِلٰی فُضَالَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ وَھُوَ بِمِصْرَ فَقَدِمَ عَلَیْہِ وَھُوَ یَمُدُّ لِنَاقَتِہٖ لَہٗ فَقَالَ مَرْحَبًا قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اٰتِکَ زَائِرًا وَّلٰکِنْ سَمِعْتُ اَنَا وَاَنْتَ حَدِیْثًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجَوْتُ اَنْ یَّکُوْنَ عِنْدَکَ مِنْہُ عِلْمٌ ۔ (دارمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صحابی فضالہ بن عبداللہ کے پاس مصر پہنچے۔ فضالہ اس وقت اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے خوش آمدید کہا۔ صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں بلکہ ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔ میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ وہ تمھیں یاد ہوگی۔

یہ تو بڑے بڑے صحابیوں کا حال تھا۔ باقی ایسے کم سن اصحاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے یا ان کے معاصر یا تلامذہ جنھیں تابعین کہتے ہیں، اس باب میں تو ان کے کارناموں کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا باوجود قرابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازوں پر تلاشِ حدیث میں گرد کھاتے پھرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے صحابہ کی کثرتِ تعداد کے اس فائدے کو محسوس کر لیا تھا کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تاریخ کے تمام خلاء خال کی تکمیل میں پوری مدد مل سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوتے ہوئے فرماتے کہ میں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ:

ھَلُمَّ فَلْنَسْاَلْ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّھُمُ الْیَوْمَ کَثِیْرٌ ۔

چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے چل کر دریافت کریں کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔

لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے، بولے:

یَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَی النَّاسَ یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْکَ وَفِی النَّاسِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ (دارمی)

ابن عباس کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمہارے بھی محتاج ہوں گے حالانکہ ابھی تو لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی موجود ہیں۔

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یوں ہی چھوٹے بڑوں کے گزرنے کے بعد بڑے بنتے ہیں۔ بعد کو اپنے علمی سرمایہ کی بدولت جب ابن عباسؓ مرجع انام بن گئے تو وہ بیچارے پچھتاتے تھے اور کہتے تھے، کَانَ ھٰذَا الْفَتٰی اَعْقَلَ مِنِّیْ (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا)۔ تابعین میں سعید بن المسیب، مسروق وغیرہ، جن کے حالات آگے آرہے ہیں، ان کے بیانوں میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب سے امام مالکؒ راوی ہیں:

اِنِّیْ کُنْتُ لَاَسِیْرُ اللَّیَالِیَ وَالْاَیَّامَ فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْثِ ۔ (جامع)

میں حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں مسلسل چلتا رہا ہوں۔

حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رحل فی حرف (یعنی صرف ایک لفظ کی تحقیق کے لیے کوچ کیا)
ان تابعیوں کی نزاکتِ ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بسا اوقات کوئی حدیث ان کو ایسے آدمی سے پہنچتی جو شرفِ صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ اس حدیث کا علم ان کو حاصل ہو چکا ہوتا، لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے وہ زندہ ہیں تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہنچ کر کوشش کرتے کہ براہِ راست بھی اس روایت کو صحابی سے خود سن لیں۔ دارمی نے ابوالعالیہ سے یہ روایت درج کی ہے:

كُنَّا نَسْمَعُ الرِّوَايَةَ بِالْبَصْرَةِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَرْضَ حَتّٰى رَكِبْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَسَمِعْنَاهَا مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔ (دارمی)

ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے حوالے سے سنتے تھے مگر ہم صرف اسی پر قناعت نہیں کر لیتے تھے جب تک سوار ہو کر مدینہ پہنچ کر خود ان صحابیوں کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سن لیتے۔

یہ کسی خاص شخص کا حال نہیں ہے بلکہ عام تابعین کے طرزِ عمل کا بیان ہے۔ طلبِ حدیث کے لیے رحلت کا ایسا عام مذاق پھیل گیا تھا کہ بطورِ امورِ عامہ کے بعض بعض تابعین کی زبان پر یہ لطیفہ جاری ہو گیا یعنی شاگردوں سے حدیث بیان کرتے اور آخر میں انھیں مخاطب کر کے بطورِ طیب کے فرماتے:

خُذْهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيْمَا دُوْنَهَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ (ابن سعد)

بغیر کسی معاوضہ کے (مفت) یہ حدیث لیلو ورنہ حال یہ تھا کہ اس سے بھی کم چیز کے لیے لوگ مدینہ تک سفر کرتے تھے۔

یہ حضرت شعبی کا قول ہے جو کوفہ میں اپنے طلبہ سے مزاحاً کبھی کبھی کہا کرتے تھے۔ مذکورۂ بالا عوامل و موثرات سچ پوچھیے تو بجائے خود ان میں ہر ایک حدیث یعنی تاریخ کے اس عجیب و غریب سرمایہ کی حفاظت کی کافی ضمانت ہے، لیکن جہاں یہ سارے اسباب اکٹھے ہو گئے ہوں؟ اور اب اسی کے ساتھ آپ اس عام تاریخی دعوے کو بھی اپنے سامنے رکھیے کہ:

مَذْهَبُ الْعَرَبِ أَنَّهُمْ كَانُوْا مَطْبُوْعِيْنَ عَلَى الْحِفْظِ مَخْصُوْصِيْنَ بِذٰلِكَ۔ (جامع)

عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد رکھنے کی کچھ ان کی فطری عادت سی تھی، اس بات میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی۔

عرب کا بدو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا۔ بدوؤں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا۔ "حَرْفٌ فِيْ تَامُوْرِكَ خَيْرٌ مِنْ عَشَرَةٍ فِيْ كُتُبِكَ" (دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا، کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے)

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے ؎

لَيْسَ بِعِلْمٍ مَا حَوَى الْقِمَطْرَا   مَا الْعِلْمُ إِلَّا مَا حَوَى الصَّدْرَا

علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں درج ہے   نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ میں محفوظ ہو،

دوسرا کہتا ہے ؎

اِسْتَوْدَعَ الْعِلْمَ قِرْطَاسًا فَضَيَّعَهُ ۞ وَبِئْسَ مُسْتَوْدَعُ الْعِلْمِ قَرَاطِيسُ

جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے اُسے ضائع کیا۔ علم کے بدترین مدفن کاغذ ہیں۔

تیسرے کا شعر ہے ؎

عِلْمِیْ مَعِیْ حَیْثُ مَا یَمَّمْتُ اَحْمِلُهُ ۞ بَطْنِیْ وِعَاءٌ لَّهُ لَا بَطْنُ صُنْدُوْقٍ

میرا علم میرے ساتھ ہے جہاں جاتا ہوں اُٹھائے لئے جاتا ہوں، میرا باطن اس علم کا محافظ ہے نہ کہ شکم صندوق۔

اِنْ کُنْتُ فِی الْبَیْتِ کَانَ الْعِلْمُ فِیْهِ مَعِیْ ۞ اِذَا کُنْتُ فِی السُّوْقِ کَانَ الْعِلْمُ فِی السُّوْقِ

اگر گھر میں رہتا ہوں تو علم میرے ساتھ رہتا ہے، جب بازار میں ہوتا ہوں تو میرا علم بھی بازار میں ہوتا ہے۔

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ لکھنے اور کتابت کے متعلق شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسا کرنا پڑتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے۔ اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ مختلف اقوام کی مختلف چیزوں کے ساتھ خاص مناسبت کی یہی وجہ ہے۔ اسی لئے یہ مسلّم ہے، اِنَّ الْعَرَبَ قَدْ خُصَّتْ بِالْحِفْظِ (عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے تھے) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابوں میں درج ہیں کتابی قوموں کے لیے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے۔ حافظ عمر بن عبد البر لکھتے ہیں:

کَانَ اَحَدُهُمْ یَحْفَظُ اَشْعَارَ بَعْضٍ فِیْ سَمْعَةٍ وَّاحِدَةٍ	ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سن کر لوگوں کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے۔

ابن عباسؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا۔ شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا۔ جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دوں اور سنا دیا۔ حدیث کے مشہور راوی امام زہری کا بیان لوگ نقل کرتے ہیں کہ:

اِنِّیْ لَاَمُرُّ بِالْبَقِیْعِ فَاَسُدُّ اُذُنَیَّ مَخَافَةَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهَا شَیْءٌ مِّنَ الْخَنَا فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلَ اُذُنَیَّ شَیْءٌ قَطُّ فَنَسِیْتُهُ۔ (ابن عبدالبر)	میں "بقیع" کی طرف گزرتا ہوں تو اپنے کانوں کو بند کر لیتا ہوں اس اندیشے کہ ان میں کوئی فحش بات داخل ہو جائے، کیونکہ قسم خدا کی میرے کان میں کوئی بات اب تک ایسی داخل نہیں ہوئی ہے۔ جسے میں بھول گیا ہوں۔

شعبی بھی یہی کہتے تھے:

مَا کَتَبْتُ سَوْدَاءَ فِیْ بَیْضَاءَ وَمَا اسْتَعَدْتُ حَدِیْثًا	میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا اور نہ کسی شخص

مِنَ النِّسْيَانِ ۔ (ابن سعد) کی گفتگو میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی۔

غیروں پر تو حجت نہیں ہو سکتی، لیکن علمائے اسلام کا خیال ہے کہ علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا، یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے انا لہ لحافظون کا اعلان کیا تھا۔ اسی نے قرآن کی عملی تشکیل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی ان کے حافظوں کو غیبی تائیدوں کے ذریعے سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی تر کر دیا تھا اور یہ تو بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں نسیان کی جب شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ اور دعا کے ذریعے سے ان کا حافظہ ایسا ہو گیا کہ پھر وہ کوئی چیز بھول نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت تمام صحاح کی کتابوں میں مروی ہے۔ تقریباً شہرت کے انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

صحابۂ کرام حدیث کے زندہ نسخے تھے

بہر حال صحابہ کا ذوق اتباع میں حتی الوسع ممکنہ حد تک اپنے کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کرنے کی کوشش اور اسی رنگ میں دوسروں کو رنگنے کا ان میں بے پناہ جذبہ، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جن کا میں نے ذکر کیا، اس کے بعد میں دعویٰ کر لوں کہ جن واقعات اور حالات اور جن اقوال و ملفوظات کا ظہور آنحضرتؐ سے ہوا تھا، صحابۂ کرام اپنے اپنے علم کی حد تک آنحضرتؐ کے زندہ مثنّٰی بنے ہوئے تھے اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضورؐ کی زندگی عہد صحابہ میں بجائے ایک نسخہ کے ہزاروں نسخوں کی صورت میں موجود ہو چکی تھی تو کیا میرے اس دعوے کو کوئی غلط ثابت کر سکتا ہے؟ پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابۂ کرام کی زندگی تھی اور یہی تھی حفاظت حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور رہنے کی پہلی صورت۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی میں بالکلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو بہو نقل تھے۔ اگرچہ خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ درجہ میں ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہیں ہم کتابوں میں یہ الفاظ ان کے متعلق پاتے ہیں۔ عبد الرحمٰن بن زید سے ترمذی میں مروی ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ صحابی رسول اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

حَدِّثْنَا بِأَقْرَبِ النَّاسِ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيًا وَّدَلًّا نَتَلَقَّاهُ فَنَأْخُذُ عَنْهُ وَنَسْمَعُ مِنْهُ ۔

مجھے بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال میں جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے؟ تاکہ میں ان سے ملوں ان سے علم حاصل کروں حدیثیں سنوں۔

ایک معاصر[1] دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَقْرَبُ النَّاسِ هَدْيًا وَّدَلًّا وَّسَمْتًا بِرَسُوْلِ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال وضع

---

[1] فن تنقید رجال میں انسانی فطرت کی اس کمزوری کا خیال کیا گیا ہے، جس کی تعبیر "المعاصرۃ اصل المنافرۃ" (ہم عصری باہمی نفرت کی بنیاد ہے) کے مشہور فقرہ سے کی گئی ہے، اس لئے معاصر کے متعلق تعریف بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ۔ (انداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعودؓ ہیں۔)

صرف ان ہی باتوں میں نہیں جن کا تعلق شریعت وقانون سے ہے بلکہ بعض صحابہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہوبہو تصویر اتارنے کے لیے یہاں تک کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے:

کَانَ یَتَبِعُ اٰثَارَہٗ فِیْ کُلِّ مَسْجِدٍ صَلّٰی فِیْہِ وَکَانَ یَعْتَرِضُ بِرَاحِلَتِہٖ فِیْ طَرِیْقٍ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَّضَ نَاقَتَہٗ۔ (اصابہ)

جن جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (راستوں) میں نمازیں پڑھی تھیں، ابن عمرؓ ان مقامات کو تلاش کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رُخ پھیرا تھا۔ ابن عمرؓ بھی قصداً اس مقام پر یہی کام کرتے تھے۔

یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ سفر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر استنجا کے لیے اونٹ سے کہیں اتر کے بیٹھے تھے تو باوجود عدم ضرورت کے استنجا کرنے والوں کی شکل بنا کر ابن عمرؓ اونٹ سے اتر کر وہاں بیٹھا کرتے۔ اسی سلسلہ میں ان کی یہ عام عادت بیان کی جاتی ہے۔

یَسْاَلُ مَنْ حَضَرَ اِذَا غَابَ عَنْ قَوْلِہٖ وَفِعْلِہٖ۔ (اصابہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول و فعل سے یہ غائب رہتے تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے ان سے پوچھ لیتے۔

امام مالکؒ سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا کہ:۔

اَسَمِعْتَ الْمَشَائِخَ یَقُوْلُوْنَ، مَنْ اَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ لَمْ یَدَعْ الْاِسْتِقْصَاءَ قَالَ نَعَمْ۔ (اصابہ)

کیا آپ نے بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ ان کا خیال تھا جس نے ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کیا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں کوئی چیز نہیں چھوڑی؟ بولے ہاں!

یہ استقصا یا سیرت طیبہ کی کامل "تصویر کشی" یا "ہوبہو نقل" اتارنا، نصب العین تو سب ہی کا تھا لیکن ہر شخص کے لیے اس کا میسر آنا آسان نہیں ہے۔ تاہم اسی کے ساتھ جتنے بھی صحابی تھے ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا اور اسی بنیاد پر میں ہر صحابی کو دراصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح میں اجازت دیجئے تو اڈیشن قرار دیتا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں بعض اڈیشن بہت زیادہ کامل اور حاوی تھے اور بعض میں وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی اور اگر صحابہ کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے صحیح ہے تو ایمان و اسلام اور جوش عمل کی ان میں جو سینہ زوریاں تھیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا کہ عہد نبوت میں ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے۔ اس کے کامل و ناقص زندہ نسخوں اور اڈیشنوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ کیا دنیا میں کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود ہے جس کے عینی شاہد اپنی تعداد میں خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہوں؟ اور کیا آئندہ ان نسخوں کی تعداد میں کوئی کمی ہوئی؟ کاملیت کے

اعتبار سے جتنی بھی کمی ہوئی ہو لیکن کمیت اور تعداد کے لحاظ سے ہر شخص جانتا ہے کہ ان تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں میں ہر سال اس کی تعداد میں اضعافاً مضاعفۃً اضافہ ہی ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں آباد ہو، آج اس کی زندگی میں جتنے صحیح مذہبی اور اخلاقی عناصر شریک ہیں، کیا یہ اسی تاریخ کے کسی حصہ کا عکس نہیں ہے؟ آج بھی کوئی مسلمان ہندوستان کے کے کسی کوردہ دیہات میں جو نمازیں پڑھتا ہے، قسم کھا کر کہہ سکتا ہے اور یقیناً وہ اپنی اس قسم میں سچا ہے کہ وہ اسی طرح ہاتھ اٹھاتا ہے، جس طرح آں حضرت اٹھاتے تھے، وہی کہتا ہے جو حضور کہتے تھے۔ وہی پڑھتا ہے، جو حضور پڑھتے تھے اسی طرح وہ جھکتا ہے جس طرح حضور جھکتے تھے۔ اسی طرح زمین پر سر رکھتا ہے جس طرح حضور رکھتے تھے، اسی پر مسلمانوں کے دوسرے مذہبی اور دینی اعمال و عقائد کو قیاس کر لیجئے، کچھ نہیں تو کم از کم اس تاریخ کی کوئی ایک آدھی بات کلمہ شہادت ہی سہی، اس تاریخ کا یہ جز تو ہر ایک مسلمان کے اندر اب تک محفوظ ہے۔

حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے

اور اسی بنیاد پر کل کے متعلق لیکن تاریخ کے اس عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کو میں متواتر خیال کرتا ہوں یعنی کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسلٍ لاکھوں اور لاکھوں کے بعد کروڑہا کروڑ انسانوں کے ذریعے سے مشرق و مغرب میں یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہنچا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ پہنچتا رہے گا۔ ان کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کے لیے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امت اسلامیہ کے تمام فرقے جن مسائل پر متفق ہیں۔ تقریباً سب کا یہی حال ہے۔ عقائد و ایمانیات کے سوا طہارت، غسل، وضو، عبادات، نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، معاملات، عقوبات، سیاسیات، مباحات و محذورات وغیرہ وغیرہ مختلف ابواب سے ان اتفاقی مسائل کا اگر انتخاب کیا جائے جو عہد نبوت سے اس وقت تک ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمانوں میں طبقۃً بعد طبقۃٍ خلفاً عن سلفٍ تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے مسلم ہیں کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور طرز عمل تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ ہوگی اور ان کا شمار کرنا زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔

گویا قرآن کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب و دغدغہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال و تقریرات کا یہی حصہ ہے جو ہم تک تعامل و توارث کے ذریعے پہنچا ہے، لیکن اس مسئلہ میں صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ اسی کے ساتھ ان معلومات کے ہر ہر جز کو مسلسل روایت کے ذریعے سے فن حدیث میں محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یوں باہم ایک کی دوسرے سے توثیق ہوتی ہے۔ اب روایتوں کے ذریعہ سے یہ چیزیں جس طرح مروی ہیں ان کو اور مسلمانوں نے تعامل کے ذریعے سے ان چیزوں کو جس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا ہے، دونوں کو سامنے رکھئے، ہر ایک کی تصدیق دوسرے سے ہوگی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ حصہ جس کی منتقلی اس اتفاقی تعامل کے ذریعہ سے عمل میں نہیں آئی ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے تو ہمارے پاس وہی روایت کا ذریعہ ہے۔ روایت کے اس سلسلہ کی آئندہ کڑیوں پر تو آگے بحث آئے گی، عہد صحابہ میں جس حزم و احتیاط کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی داستان آپ سن چکے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر فعل کی نگرانی، صحابہ کرام کا ایک ایک لفظ کے شک مٹانے کے لیے سینکڑوں میل کا سفر طے،

کرنا، اس کا ذکر بھی آپ سن چکے ہیں، لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں خود صحابہ بھی ایک دوسرے سے اس معاملہ میں پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، ہر ایک اپنے علم کو دوسرے کے علم پر پیش کرتا تھا۔ ان کے اس طرز عمل ہی سے روایت کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی۔

(۲)

قرآن کی طرح حدیث کے بھی حفظ کا اہتمام تھا

بلکہ روایات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حفظ کرنے والے بچوں کو شروع ہی سے جیسے قرآن کے حفظ میں لگا دیا جاتا ہے اسی طرح قرآن کے ساتھ حدیث بھی بچوں کو زبانی یاد کرائی جاتی تھی اور صحابہ ہی کے عہد میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ جن کی تعلیم پر ابن عباسؓ نے خاص توجہ کی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ تابعین کے عہد میں چند ممتاز ائمہ میں ایک بہت بڑے امام کی حیثیت عکرمہ کی ہو گئی تھی۔ اپنی تعلیمی سرگزشت بیان کرتے ہوئے عکرمہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَضَعُ الْكَبْلَ فِيْ رِجْلِيْ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَنِ (تذکرہ صفحہ ۹)

ابن عباسؓ میرے پاؤں میں قرآن اور حدیثوں کی تعلیم دینے کے لیے بیڑی ڈال دیتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنے بچوں کو بعض لوگ بچپن ہی سے حدیث یاد کرنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ ابن سیرین بھی ان ہی لوگوں میں ہیں جن کے والد نے بچپن ہی سے ابوہریرہؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ لکھا ہے کہ ابن سیرین کے ایک بھائی یحییٰ نامی بھی تھے، دونوں بچوں کی قوت یادداشت اور حدیثوں کے زبانی یاد کرنے کی صلاحیت کا اندازہ ابوہریرہؓ نے کیا تو یحییٰ میں زیادہ صلاحیت نظر آئی، کہتے ہیں کہ:

فَكَنَّاهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لِحِفْظِهٖ (ابن سعد ج ۷ ص ۱۵)

ابوہریرہؓ نے یحییٰ کی یادداشت دیکھ کر ان کی کنیت رکھی

جیسے قرآن کے حفظ میں سمجھا جاتا ہے کہ بچپن میں حفظ کا کام جتنا استوار اور مضبوط ہوتا ہے عمر ہونے کے بعد یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ:

طَلَبُ الْحَدِيْثِ فِي الصِّغَرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ (جامع ص ۸۲ ج ۱)

بچپن میں حدیث کی تعلیم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے پتھر میں نقش کرنا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے خلیفہ اور شاگرد رشید علقمہ خود اپنے متعلق فرماتے:

مَا حَفِظْتُ وَاَنَا شَابٌّ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فِيْ قِرْطَاسٍ اَوْ وَرَقَةٍ (جامع ج ۱ ص ۸۲)

اپنے نوجوانی کے زمانہ میں جو چیزیں میں نے زبانی یاد کر لی تھیں ان کی حالت ایسی ہے کہ کاغذ یا ورق میں رکھے ہوئے گویا وہ میرے سامنے ہیں۔

اور صرف یاد کر لینا ہی کافی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ یاد کرنے کے بعد بار بار ان ہی کی یاد کی ہوئی حدیثوں کو دہراتے رہنا یہ بھی ایسا مسئلہ تھا جس کی ہر استاد اپنے شاگردوں کو تاکید کرتے ہوئے اصرار کرتا تھا۔ صحابۂ کرامؓ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے،

فرمایا کرتے تھے:

اُکْثِرُوا ذِکْرَ الْحَدِیْثِ فَاِنَّکُمْ اِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا یَنْدَرِسْ عِلْمُکُمْ (جامع جلد ا ص۱۴۱)

حدیث کو بار بار دہراتے رہو اگر ایسا نہ کروگے تو تمہارا علم فرسودہ ہو کر مٹ جائے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے:

تَذَاکَرُوا الْحَدِیْثَ فَاِنَّ حَیَاتَہٗ مُذَاکَرَتُہٗ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، صفحہ ۱۴۱)

بار بار حدیث کو دہراتے رہو کیونکہ اس کو زندہ رکھنے کی یہی شکل ہے۔

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

تَذَاکَرُوا الْحَدِیْثَ

بار بار حدیث کو دہراتے رہو۔

حسن بصری اپنے شاگردوں کو فرماتے کہ یاد رکھو:

غَائِلَۃُ الْعِلْمِ النِّسْیَانُ وَتَرْکُ الْمُذَاکَرَۃِ (جامع ص۱۴۱)

علم کی آفت اس کا بھول جانا ہے اور دہرانے کو چھوڑ دینا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی اپنے تلامذہ سے کہتے:

اِنَّ اِحْیَاءَ الْحَدِیْثِ مُذَاکَرَتُہٗ فَتَذَاکَرُوْا (جامع، صفحہ ۱۴۱)

حدیث کو زندہ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بار بار دہرایا جائے پس چاہیے کہ تم لوگ دہراتے رہو۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ یاد کی ہوئی حدیثوں کو بار بار دہراتا یہ بھی حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں کے فرائض میں داخل تھا کہ درس کے رفقاء باہم مل جل کر یاد کی ہوئی حدیثوں کا اعادہ کریں ایک سے غلطی ہو تو دوسرا اس کی اصلاح کر دے۔ باہمی مذاکرے کے اس طریقے کا صحابہ ہی کے زمانے میں رواج پڑ گیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کا حلقہ درسِ حدیث جو مسجد نبوی میں قائم تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے عطاء کہتے ہیں کہ

کُنَّا نَکُوْنُ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ فَیُحَدِّثُنَا فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِہٖ تَذَاکَرْنَا حَدِیْثَہٗ (ابن سعد، جلد ۵، صفحہ ۳۵۴)

ہم لوگ جابر بن عبداللہ کے پاس ہوتے (یعنی ان سے حدیثیں سنتے) پھر جب ان کے حلقے سے باہر نکل آتے تو ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو باہم مل کر ہم لوگ دہراتے۔

استاد کے پاس سے اٹھ جانے کے بعد باہم ایک دوسرے کے ساتھ حدیثوں کا جو مذاکرہ کرتے تھے اس مذاکرے کی نوعیت کیا ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر سے کسی نے پوچھا کہ ابن عباسؓ سے جتنی باتیں روایت کرتے ہو کیا سب براہِ راست ان سے پوچھ کر تم نے سیکھی ہیں جواب دیتے ہوئے کہ نہیں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ان کی مجلس میں حدیثیں بیان کی جاتیں میں خاموش بیٹھا سنتا رہتا۔ جب لوگ حلقہ سے اٹھ کر چلے جاتے اور یُحَدِّثُوْنَ فَاَحْفَظُ (ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۱۷۹) اور باہم ان ہی حدیثوں کا جب لوگ مذاکرہ کرتے تو میں ان حدیثوں کو یاد کر لیتا جس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بار بار اپنی پڑھی ہوئی حدیثوں کو لوگ اتنا دہراتے تھے کہ دوسروں کو بھی وہ حدیثیں محض ان کے یاد کرنے اور دہرانے کی وجہ سے یاد ہو جاتی تھیں۔

تقریباً سارے محدثین بے مزد خدمتِ حدیث میں مشغول رہے

اس میں شک نہیں کہ اس راہ میں انتہائی بلند نظری اور علو ہمتی کی یہ مثالیں ہیں۔ قدرتاً اس قسم کے افراد کم ہی تھے مگر ایسے لوگ جو پیغمبر کی حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ بغیر کسی اجر و مزد کے زندگی بھر کرتے رہے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاوضہ اور اجرت لینے والوں کی چند مثالوں کے سوا تقریباً اس زمانے کے سارے محدثین اور حفاظ حدیث کا یہ عام رویہ تھا۔ ان ہی بزرگوں کی کثرت کی وجہ سے ان چند لوگوں کو بدنام ہونا پڑا اور نہ تعلیم و تعلم کا موجودہ متاجرانہ طریقہ اگر اس زمانہ میں بھی اسی طرح عام ہوتا جیسے آج کل ہے تو شاید ان بے چاروں کا کوئی نام بھی نہ لیتا مشہور ہے کہ "حمام میں بھی کیا کسی کے ننگے ہونے کی شکایت کبھی کی گئی ہے"؟ اس سلسلے میں بزرگوں نے جو نمونے چھوڑے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آج مشکل ہی سے کوئی ان قصوں کو صحیح باور کرسکتا ہے۔ خیال تو کیجئے ذوق کی اس صفائی کا خطیب نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظِ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد بحرِ چین کی تجارتی مہم پر روانہ ہوا اور وہاں سے کافی روپیہ کما کر واپس ہوا۔ حماد استاد تھے بطور تحفہ کے بعض چیزیں ان کی خدمت میں لے کر وہ حاضر ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اس تحفہ سے خوش ہو کر آئندہ استاد کی توجہ میری طرف زیادہ ہو جائے گی۔ لیکن سنتے ہیں وہ بے چارہ اپنے تحائف کو لئے کھڑا تھا اور سن رہا تھا۔ حماد فرما رہے ہیں:

اِخْتَرْ اِنْ شِئْتَ قَبِلْتُهَا وَلَمْ اُحَدِّثْكَ اَبَدًا وَاِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ وَلَمْ اَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ۔	ان دو باتوں میں سے کسی ایک شق کو قبول کرلو چاہو تو تمہارے تحائف قبول کرلیتا ہوں لیکن پھر حدیث تمہیں کبھی نہیں پڑھاؤں گا اور چاہتے ہو کہ حدیث تمہیں پڑھاؤں
(کفایہ، صفحہ ۱۵۳)	تو پھر تحفہ قبول نہیں کروں گا۔

لکھا ہے کہ اس بے چارے نے معذرت کی اور عرض کیا، میں حدیث ہی سنوں گا اور اپنے تحفوں کو واپس لیتا ہوں اور اس قسم کے قصے کہ مثلاً عیسیٰ بن یونس جو رواۃِ حدیث میں بڑے ممتاز مقام کے مالک ہیں، ذہبی نے الامام کے لفظ کے ساتھ ان کو ملقب کیا ہے۔ تین پشتوں سے مسلسل ان کے خاندان میں حفاظِ حدیث پیدا ہوتے چلے آرہے تھے۔ ہارون الرشید کا مشہور وزیر جعفر برمکی خود بیان کرتا تھا کہ میں نے ایک لاکھ درم اس شخص کی خدمت میں پیش کئے۔ لیکن قطعی طور پر اس نے یہ کہتے ہوئے واپس کردیا کہ میں نہیں چاہتا کہ دنیا میں یہ مشہور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی قیمت میں نے کھائی (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۵۸) ان ہی عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں مامون نے حدیث سننے کے بعد کافی رقم پیش کی لیکن صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا شُرْبَةَ مَاءٍ (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۹) — ہرگز نہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں

الذہبی نے زکریا بن عدی جو صحاح کے راویوں میں ہیں۔ ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے آئیں ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا، پوچھا کہ کیا تم بھی ان لوگوں میں ہو جو مجھ سے حدیث سنتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ زکریا نے کہا تب میں تم سے سرمہ کیسے لے سکتا ہوں۔ کیوں کہ حدیث سنانے کا معاوضہ ہو جائے گا۔ (دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۵۸)

ابراہیم الحربی جن کا ذکر ابھی گزرا باوجودیکہ فقر و فاقے میں زندگی بسر ہوتی تھی۔ معتضد باللہ خلیفۂ وقت نے متعدد بار ان کے پاس بڑی بڑی رقمیں بھیجیں ہمیشہ شکریہ کے ساتھ واپس کرتے رہے ایک دفعہ خلیفہ نے کہلا بھیجا کہ خود اگر نہیں لیتے ہیں

دیجیے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیجیے۔ ابراہیم نے کہا کہ خلیفہ سے عرض کرنا کہ جس چیز کے جمع کرنے کی مصیبت میں نے برداشت نہیں کی تو اس کے خرچ کرنے کی مصیبت میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کروں اور آخر میں خلیفہ کے قاصد کو کہا کہ بار بار امیر المومنین بھیجنے کی زحمت برداشت کر رہے ہیں اور مجھے ہر دفعہ واپس کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ ان سے کہہ دیجیو کہ:

اَنۡ تَـرۡکۡتَنَا وَاِلَّا تَحَوَّلۡنَا مِنۡ جِوَارِكَ (ص۲۱) یا تو اس طریقے کو وہ ترک فرمائیں ورنہ آپ کی پڑوس سے میں منتقل ہو جاؤں گا۔

اس سلسلہ میں ابراہیم ایک بخیل آدمی کا ایک پُر لطف قصہ بیان کیا کرتے تھے یعنی یہ کہتے ہوئے کہ علم کے معاوضہ میں بحمد اللہ میں نے کبھی کوئی چیز آج تک نہیں لی۔ صرف ایک دفعہ مجھے لینا پڑا۔ پھر اس قصے کو بیان کرتے جو کافی طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسی بنئے سے ابراہیم نے کوئی چیز خریدی جس کی قیمت کچھ آنے اور ایک پیسہ طے ہوئی، ابراہیم نے آنے تو ادا کر دیئے پیسہ باقی تھا اتنے میں بنئے کو کچھ خیال آیا بولا کہ ابراہیم بزرگوں کا کوئی ایسا قصہ سناؤ جس سے میرا دل کچھ نرم پڑے۔ ابراہیم نے ایک دلچسپ قصہ سنایا۔ بنیا سن کر بہت متاثر ہوا اور اپنے آدمی سے کہا کہ ابراہیم سے اب ایک پیسہ جو باقی ہے وہ نہ لینا اور نہ ان کی چیز کم کرنا۔ ابراہیم فرماتے تھے کہ بس اسی دن ایک پیسہ کی یہ آمدنی علم کے معاوضہ میں مجھے ہوئی۔

ان بزرگوں کی سیر چشمی اور بے نیازی کے قصے کتابوں میں اتنے بیان کئے گئے ہیں کہ ایک مستقل کتاب ان سے تیار ہو سکتی ہے۔ ایوب سختیانی جن کا بکثرت حدیثوں کی سندوں میں ذکر آتا ہے اور حفاظ حدیث کے مشاہیر میں ہیں۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کا خلیفہ یزید ابن الولید جس زمانے میں خلیفہ نہ تھا، ایوب میں اور اس میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ جس دن خلافت کے لیے اس کا انتخاب ہوا تو لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر ایوب یہ دعا کر رہے تھے:

لے خطیب نے اس قصے کو بھی بیان کیا ہے، امام حسن علیہ السلام کی سخاوت سے اس کا تعلق تھا۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت امام ایک دن کسی باغ میں پہنچے جس کا محافظ ایک سیاہ حبشی تھا۔ ہاتھ میں اس کے ایک روٹی تھی، سامنے کتا بیٹھا تھا حبشی کو حضرت نے دیکھا کہ روٹی کا ایک ٹکڑا توڑتا ہے، خود کھاتا ہے اور دوسرا ٹکڑا کتے کو دیتا ہے مسلسل وہ یہی کر رہا ہے آپ نے پوچھا کہ تم اس التزام کے ساتھ جو کتے کے سامنے ٹکڑا ڈالتے جاتے ہو گویا اس کو برابر کا حصہ دار بنا لیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ حبشی نے کہا کہ حضرت کتے کی آنکھ لقمے پر لگی ہوئی ہے، دل گوارا نہیں کرتا کہ اس پر اپنے کو ترجیح دوں۔ حضرت امام حسن کو اس غلام کی یہ ادا ایسی بھا گئی کہ اسی وقت آپ نے اس کا نام اس کے آقا کا نام دریافت کیا اور غلام کے ساتھ باغ کو بھی آپ نے خرید لیا۔ پھر اس حبشی کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے تجھے بھی خرید لیا ہے اور اس باغ کو بھی حبشی خوش ہوا آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا اور باغ بھی تجھے بخش دیا۔ حبشی نے سن کر کہا تو حضرت آپ نے جس کی راہ میں یہ باغ مجھے عطا فرمایا اسی کی راہ میں اس باغ کو میں نے بھی دے دیا یعنی خیرات کر دیا۔ بخیل بنیا اس قصے کو سن کر اچھل پڑا اور احسنت یا ابا اسحاق کہتے ہوئے اپنے آدمی سے یہی بات کہی کہ اب ابراہیم سے مزید ایک پیسہ نہ لینا اور نہ ان کی چیز کو کم کرنا (تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۴) شاید اس بخیل کی بخالت پر اس پیسے کی یہی کافی اہدٹ پڑی ہو گی۔ اس لئے ابراہیم نے اس پیسے کا واپس کرنا مناسب نہ خیال کیا۔

اَللّٰھُمَّ اَنْسِہٖ ذِکْرِیْ (ص ۱۲۳) پروردگار! میری یاد اس شخص (یعنی خلیفہ) کے دل سے بھلا دے۔

فرداوارستہ مزاجیوں کا اس گروہ کے اندازہ تو کیجئے دوست اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت و رسلطنت کا بادشاہ منتخب ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کی دوستی سے استفادے کی توقعات قائم کرتے، دعا کرتے ہیں تو یہ کرتے ہیں کہ "پروردگار! اس شخص کے دل سے میری یاد بھلا دیجئے۔"

اسی قسم کے ایک واقعہ کا نصر بن علی محدث کے تذکرے میں ذہبی نے ذکر کیا ہے، یہ سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں۔ لکھا ہے کہ خلیفہ مستعین باللہ نے ان کے پاس آدمی بھیجا تا کہ قاضی بنانے کے لئے ان کو مستعین کے پاس حاضر کرے۔ ان کو خبر ہوئی، بولے، استخارہ کر لوں تب جواب دوں گا۔ گھر آئے دو رکعت نماز پڑھی، سنا گیا کہ دعا کر رہے ہیں:

"پروردگار! خیر اور بھلائی اگر تیرے ہی پاس ہے تو مجھے اٹھا لے۔"

دعا کر کے سو گئے، جگانے والا جب جگانے کے لیے آیا تو دیکھا کہ واقعی وہ اٹھا لئے گئے۔ یعنی وفات ہو چکی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۹۲)

غور کرنے کا مقام ہے، ہمتوں کی بلندیاں جن لوگوں میں عروج وارتقاء کے اس مقام تک پہنچ چکی تھیں، کیا کوئی دشواری ایسوں کے لیے بھی دشواری باقی رہتی ہے۔ جن کی رات بھی اپنی رات ہو اور دن بھی اپنا دن ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔

سفیان ثوری اور شعبہ وغیرہ کے تلامذۂ حدیث میں ایک بزرگ قبیصہ بن عقبہ بھی ہیں۔ ذہبی نے "الحافظ الثقۃ المکثر" کے الفاظ سے ان کے خصوصیات کا اظہار کیا ہے۔ ان ہی کے حال میں لکھا ہے کہ عباسیوں کے عہد کے امراء میں ابو دلف نامی جو بڑے امیر کبیر تھے۔ ان ہی ابو دلف کے صاحبزادے دلف اپنے خدم و حشم کے ساتھ ایک دن قبیصہ کے مکان پر حاضر ہوئے۔ اندر تھے۔ اطلاع دی گئی کہ فلاں امیر آپ سے ملنے آیا ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ دلف کے نام کو سنتے ہی گھر سے نکل پڑیں گے[1] لیکن خلاف

---

[1] شیر کو شیر پر قیاس کرنے والے عموماً اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت جب سامنے آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنے والے جسے بسا اوقات کا تاج سمجھتے ہیں ان ہی کو اس دنیا میں خاک بلکہ خاک سے بھی بدتر سمجھنے والا ایک گروہ موجود تھا۔ اسلام کی تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے۔

عہد نبوت کے قریب سے جو متاثر تھے وہ تو خیر، لیکن جو اس شرف سے محروم تھے ان میں بھی ان مثالوں کی کمی نہیں ہے ہندوستان ہی میں اورنگ زیب کے عہد کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ لاہور کے مشہور بزرگ "میاں میر" سے ملنے کے لیے اورنگ زیب حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ میاں میر اپنے مریدوں کے ساتھ خانقاہ کے اندر دھوپ میں بیٹھے ہوئے کپڑوں سے جوں نکال رہے تھے اچانک کسی نے اندر خبر پہنچائی کہ شہنشاہ عالمگیر تشریف لا رہے ہیں لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ میاں صاحب نے اس کھلبلی کو محسوس کر کے پوچھا، خیر ہے۔ لوگوں نے خبر دی کہ شہنشاہ آ رہے ہیں مسکرا کر فرمانے لگے لاحول ولاقوۃ میں سمجھا کہ شاید کوئی فربہ جوں دھری گئی اس پر گڑبڑ مچی ہے، عالمگیر کے آنے پر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی۔ ملنے کے بعد عالمگیر جب واپس ہوئے تو کسی نے میاں میر کے اس لطیفہ کا بادشاہ سے ذکر کیا، سن کر کہا کہ ہاں بھائی! ان لوگوں کی نظر میں ایک موٹی جوں کی عالمگیر...

وسیع دیر تک انتظار کیا گیا وہ باہر نہ آئے۔ آخر لوگوں نے قریب جاکر کہنا شروع کیا :

اِبْنُ مَلِكِ الْجَبَلِ عَلَى الْبَابِ وَاَنْتَ لَا تَخْرُجُ ۔	جبل (نام صوبہ) کے بادشاہ کا بیٹا دروازہ پر کھڑا ہے اور تم باہر نہیں نکل رہے ہو۔

بہر حال جب لوگوں نے زیادہ ہنگامہ مچایا تو دیکھا گیا کہ گھر سے بایں شان نکل رہے ہیں کہ "چادر میں روٹی کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا ہے" دلف سامنے کھڑا تھا اس کے ارد گرد حواشی کے لوگ تھے، سن رہے تھے کہ قبیصہ کہہ رہے ہیں :-

مَنْ رَضِيَ مِنَ الدُّنْيَا بِهٰذَا اَمَا يَقْنَعُ يَابْنِ مَلِكِ الْجَبَلِ وَاللّٰهِ لَا اُحَدِّثُهُ ٥ (ج ۱ ص ۲۴۰)	جو اس دنیا میں اس (ٹکڑے کی طرف اشارہ تھا) سے راضی ہوگیا۔ جبل کے بادشاہ کے بیٹے کی اسے کیا پروا، خدا کی قسم، میں اس شخص کے آگے حدیث بیان نہیں کروں گا۔

اور یہی واقعہ بھی ہے، مسعرین کرام بھی کہا کرتے تھے کہ :

مَنْ صَبَرَ عَلَى الْخَلِّ وَالْبَقْلِ لَمْ يُسْتَعْبَدْ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۷)	سرکہ اور بھاجی پر جس نے صبر کر لیا وہ کبھی غلام بنایا نہیں جا سکتا۔

ہم جیسے لوگ جن کی ایک ایک سانس اور زندگی کا ایک ایک لمحہ دوسروں کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔ ان پر احرار کے اس طبقہ کو قیاس کرنا قطعاً صحیح نہ ہوگا۔

جب روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے کہ یاد کرنے والے چند سال میں قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں تو جنہوں نے اپنے سارے وقت کو صرف اپنے ہی قبضے میں رکھا تھا ۔ ان کے متعلق کیوں تعجب کیا جاتا ہے، جب کہا جاتا ہے کہ ان کو اتنی حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ آپ دیکھ چکے کہ حدیثوں کا بجائے سفینوں کے سینوں ہی کی حد تک محدود رہنے کا دعویٰ جس زمانہ کے متعلق کیا جاتا ہے کلیتہً یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہے اور کچھ دن حدیثوں پر ایسے گزرے بھی ہیں تو ان کی مدت ہی کتنی تھی۔ آپ تو حدیثوں کے متعلق بھی بے اطمینانی میں مبتلا کئے جا رہے ہیں پھر جن مذاہب و ادیان کی بنیادی کتابیں یعنی دینِ اسلامی جو حقیقت قرآن کی ہے، یہی حقیقت ان کے ہاں جن کتابوں کی ہے وہ صدیوں ہی نہیں ہزاروں سال تک بجائے سفینوں کے سینوں ہی میں ... حفاظت ان بنیادی کتابوں کے لیے کافی ہے ۔

احتیاط کا حال

یہی امیر المومنین فی الحدیث شعبہ جن کے سجدوں اور رکوع کی کیفیت معلوم ہے ۔ ان ہی کے متعلق اگر یہ بھی سنایا جاتا کہ :

كَانَ لَا يَرْضٰى اِلَّا اَنْ يَسْمَعَ الْحَدِيْثَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً ۔	جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو شعبہ بیس مرتبہ نہیں سن لیتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا۔

جس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یعنی ایک ہی استاذ کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو اسی استاذ سے بیس دفعہ جب تک نہیں سن لیتے تھے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی اور محدثین یہ بھی کرتے تھے۔ ہشیم کے حالات میں خطیب نے لکھا ہے کہ ان کے شاگرد ابراہیم بن عبداللہ ہروی

کہا کرتے تھے:

مَامِنْ حَدِيْثٍ هُشَيْمٍ اِلَّا وَسَمِعْتُهٗ مَابَيْنَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً اِلٰى ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً

ہشیم سے جو حدیثیں میں روایت کرتا ہوں، ان سے حدیثوں کو کم و بیش بیس سے تیس مرتبہ میں نے سنا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۱۹)

اسی طرح معن بن عیسیٰ کا بھی دعویٰ تھا کہ امام مالک سے جتنی حدیثیں روایت کرتے تھے ان کے متعلق کہتے تھے کہ

قَدْ سَمِعْتُهٗ مِنْهُ نَحْوًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۲۱)

میں نے امام مالک سے یہ حدیثیں تیس مرتبہ سنی ہیں یا اسی کے قریب قریب۔

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو شعبہ جب تک کم از کم بیس استاذوں سے نہیں سن لیتے تھے ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ معلوم ہے یہی محدثین کا عام مذاق تھا۔

یحییٰ بن معین کو تو اس پر اتنا اصرار تھا کہ لوگوں سے وہ کہا کرتے تھے:

لَوْلَمْ نَكْتُبِ الْحَدِيْثَ مِنْ ثَلٰثِيْنَ وَجْهًا مَاعَقَلْنَاهُ۔ (ص ۶)

جب تک کسی حدیث کو تیس ذریعوں سے ہم لوگ نہیں لکھتے اس وقت تک اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

اس زمانے کے حساب سے ٹھیک اس کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ ایک ہی واقعہ ہوتا ہے مختلف نیوز ایجنسیاں اپنے اپنے الفاظ اور اپنی اپنی تعبیر میں اس واقعہ کی خبر اخباروں کو بھیجتی ہیں۔ جو لوگ سیاسی کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں یا تحقیقی اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں یا صحیح واقعات کے علم کا جن لوگوں کو ذوق ہوتا ہے وہ بجنسہ ایک واقعہ کی خبر کو مختلف اخباروں میں پڑھتے ہیں اور نیوز ایجنسی کی تعبیروں کو ملانے کے بعد واقعہ کی اصل نوعیت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اخباروں کا مطالعہ ان ہی التزام کے ساتھ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے علم اور ان کے فیصلوں کی نوعیت عام اخبار بینوں سے بھلا کوئی نسبت رکھتی ہے[1]۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کہیں بیان کر چکا ہوں کہ حدیثوں کی تعداد بتاتے ہوئے عام کتابوں میں لاکھوں لاکھوں تک ان کے شمار کو پہنچا دیا گیا ہے۔ جو نہیں جانتے ہیں وہ شاید باور کر بیٹھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن اقوال و افعال کو یا تقریرات

---

[1] مثلاً بہت سی باتیں کسی ایجنسی کی خبر میں مجمل رہ جاتی ہیں، دوسری نیوز ایجنسی کی خبر میں اسی اجمال کی تفصیل ہوتی ہے بعض دفعہ نامہ نگار میں سلیقہ اس کا نہیں ہوتا کہ گُر کی بات اور عام باتوں میں تمیز کر سکے لیکن ہوشیار نامہ نگار بھی ہوتی خبروں میں اسی کا انتخاب کرتا ہے یا اسی پر زیادہ زور اپنے بیان میں خرچ کر دیتا ہے بعض دفعہ خبر کی نوعیت کا اظہار ایک ایجنسی کا نامہ نگار کرتا ہے اور دوسرا چھوڑ دیتا ہے۔ جن کی نظر سب پر ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس حد تک خبر قابل اعتماد ہوسکتی ہے بلکہ مختلف اخباروں کے پڑھنے سے ان لوگوں کو اس کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے کہ بعض بالکل بے بنیاد جھوٹی خبریں اخباروں میں کسی خاص غرض سے جو شائع ہو جاتی ہیں، محتاط اخبار یا ایجنسیاں ان کے ذکر سے پرہیز کرتی ہیں لیکن بعض اخباروں یا ایجنسیوں کو اسی میں مزہ آتا ہے۔

... [illegible] گیا ہے ان کی تعداد لاکھوں لاکھ تک پہنچتی ہے، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے[1] میں بتا چکا ہوں الحاکم صاحب مستدرک کی یہ تصریح [illegible]

کر چکا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی معیاری حدیثوں کی تعداد۔

لَا يَبْلُغُ عَدَدُهَا عَشَرَةَ آلَافِ حَدِيْثٍ   دس ہزار تک نہیں پہنچتی۔

(مدخل ص ۷)

اور قوی وضعیف، صحیح وحسن، معیاری غیر معیاری حدیثوں کی تعداد مکررات کو الگ کر لینے کے بعد میرے خیال میں تیس تیس ہزار سے زیادہ نہیں،

---

[1] ابن جوزی سے بڑھ کر اس باب میں خود خیال کیجئے کس کا بیان قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے، انہوں نے اپنی کتاب "صید الخواطر" فصل ۱۷۵ میں حدیثوں کے متعلق اس عددی مغالطہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اَنَّہٗ لَوْ جُمِعَ الصَّحِیْحُ وَالْمُحَالُ الْمَوْضُوْعُ مِمَّا کُلُّ مَنْقُوْلٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَلَغَ خَمْسِیْنَ اَلْفًا (یعنی صحیح حدیثوں کے ساتھ ان ساری بے بنیاد جھوٹی اور گھڑی ہوئی جعلی حدیثوں کو بھی جمع کر لیا جائے جو کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو وہ بھی پچاس ہزار تک نہیں پہنچ سکتی ہیں) انہوں نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے سارے اسلامی ممالک کا دو دفعہ دورہ ان ہی حدیثوں کے جمع کرنے کے لیے کیا لیکن ان کی مسند میں بھی چالیس ہزار حدیثیں پائی جاتی ہیں جن میں دس ہزار مکرر ہیں، بلکہ ابن عساکر سے تو ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکررات کو حذف کرنے کے بعد مسند احمد کی قوی وضعیف حدیثوں کی تعداد تیس ہزار تک بہ مشکل پہنچ سکتی ہے۔ (دیکھو الکتانی ج ۲ ص ۲۰۷) دراصل، معنوی اور لفظی تکرار کے لحاظ سے شاید گننے میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے، مثلاً یا مالاً جن دو حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے، ابن عساکر نے ان کو بھی مکررات میں غالباً شمار کر لیا ہے اور ابن جوزی نے ان ہی حدیثوں کو مکرر خیال کیا ہے جن کے الفاظ بھی ایک ہی ہیں اور ابن جوزی کا شمار تو خیر تشدد پسندوں میں ہے لیکن ان کے مقابلہ میں جلال الدین سیوطی جیسے سہولت پسند بزرگ نے جمع الجوامع کے نام سے حدیثوں کے جمع کرنے کا جو آخری کام کیا ہے اور اسی کتاب کی فقہی ترتیب مشہور ہندی محدث، علی متقی نے کنز العمال میں کی ہے، دیباچہ میں شیخ علی متقی نے لکھا ہے اس کتاب یعنی کنز العمال کے پڑھنے والوں کے سامنے نہ صرف جمع الجوامع ہی کی کل حدیثیں آجائیں گی بلکہ ایک حصہ ان حدیثوں کا بھی ان کو ملے گا جو جمع الجوامع میں نہیں پائی جاتیں۔ اب دیکھئے کنز العمال کی حدیثوں کے گننے والوں نے بتایا ہے کہ یہ کتاب چالیس ہزار نو سو انسٹھ (۴۰۹۵۹) حدیثوں پر مشتمل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کنز العمال کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے ان کو اندازہ ہوا ہوگا کہ اس میں اب بھی کتنی حدیثیں مکرر ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ ان مکررات کو اگر حذف کر دیا جائے تو چالیس ہزار کی یہ تعداد گھٹ کر قریب قریب تیس ہزار تک پہنچ جائے تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔ کنز العمال کا خلاصہ بحذف مکررات خود علی متقی نے کیا ہے جو مسند احمد کے حاشیہ پر چھپ بھی چکا ہے۔ شمار کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ اس میں کل تیس ہزار اور دو حدیثیں درج ہوئی ہیں اور کون نہیں جانتا کہ حدیث کے ان مجامیع یا دائرۃ المعارف میں رطب و یابس ہر طرح کی حدیثیں لے لی گئی ہیں، اسی لیے میرا خیال ہے کہ صحیح اعلیٰ معیاری حدیثوں کی تعداد اگر دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی تو ضعیف وحسن وصحاح سب کو ملانے کے بعد تیس بتیس ہزار سے آگے ان کی تعداد کا بڑھنا مشکل ہے ۱۲۔

ٹھہر سکتی۔ مگر ایک ایک حدیث کو مختلف راویوں سے سننے کا دستور اور یہ کہ جتنے راویوں سے حدیث سنی جاتی تھی، ایک اصطلاح بنالی گئی تھی کہ حدیث کی تعداد بھی وہی قرار پاتی تھی یعنی دس راویوں سے اگر سنی گئی ہے تو وہی ایک حدیث دس حدیث بن جاتی تھی۔ الذہبی وغیرہ نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ ابراہیم بن سعید الجوہری کے تذکرے میں نقل کیا ہے کہ ایک صاحب جن کا نام جعفر بن خاقان تھا۔ انہوں نے ابراہیم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی ایک حدیث کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ ابراہیم نے اپنی لونڈی (جاریہ) کو بلایا اور کہا کہ:

اَخْرِجِيْ لِي الْجُزْءَ الثَّالِثَ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ مُسْنَدِ اَبِيْ بَكْرٍ رض	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کی تیئسویں جلد نکال کر لا۔

جعفر نے ابراہیم کے ان الفاظ کو سن کر حیرت سے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تو پچاس حدیثوں کا صحیح ثابت ہونا بھی مشکل ہے، یہ آپ نے ان کی حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ کہاں سے جمع کر لیا جس کی اتنی جلدیں ہیں؟ یہ سن کر ابراہیم نے حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ:

كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ مِائَةِ وَجْهٍ فَاَنَا فِيْهِ يَتِيْمٌ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۸۹)	ایک ایک حدیث جب تک سو سو طریقوں سے مجھے نہیں ملتی تو اس حدیث کے متعلق میں اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں۔

مطلب ابراہیم کا وہی تھا کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں سے جب تک مجھے نہیں ملتی اس وقت تک تو اپنے آپ کو اس حدیث کے متعلق لاوارث یتیم آدمی خیال کرتا ہوں اور یوں ایک حدیث کو بجائے ایک کے وہ سو حدیث بنا لیتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیثوں سے مجلدات ابراہیم نے اگر بنا لئے تھے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں نے کہیں ذکر کیا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ والی حدیث واقع میں ظاہر ہے کہ ایک ہی حدیث ہے لیکن راویوں کے تعدد کی بنیاد پر محدثین نے بجائے ایک کے اس کی تعداد پانسو تک پہنچا دی ہے، میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ "محدثین" کا یہ خاص کارنامہ ہے۔ حدیثوں کی صحت و سقم کے پتہ چلانے کا یہ بہترین طریقہ تھا جسے انہوں نے ایجاد کیا تھا۔

اس زمانے میں پروپاگنڈے کے لئے یا صرف اس لئے کہ خبر میں سنسنی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے بے بنیاد جھوٹی خبروں کے پھیلانے کا جو عام رواج ہے، ان خبروں کے متعلق بھی صحیح رائے وہی لوگ قائم کر سکتے ہیں جو مختلف نیوز ایجنسیوں کی خبروں اور مختلف اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعوں سے باخبر رہتے ہیں، وہی جانتے ہیں اور ان ہی کو یہ جاننے کا موقعہ ہے کہ کن کن ایجنسیوں کی روش محتاط ہے، ان میں کس کس کی کیا کیا خصوصیت ہے، ان میں بھروسا اور اعتماد کے قابل خبریں کون مہیا کرتا ہے، کچھ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اس زمانے کے محدثین کا حال تھا۔ سفیان ثوری کا ایک قول حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں نقل کیا ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ حدیثوں کے سننے کی غرض ایک ہی نہیں ہوتی، کہا کرتے تھے کہ:

"ہم بعضوں سے اس لیے حدیث سنتے ہیں کہ اس کو اپنے دین میں شریک کریں اور کبھی کسی حدیث کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کو ملتوی کرنے کے لیے بھی ہم بعضوں سے اس حدیث کو سنتے ہیں، بعضوں کی بیان کی ہوئی

حدیث کو ہم جانتے ہیں کہ مستحق توجہ نہیں ہے لیکن پھر بھی بیان کرنے والے کی روش اور مذہب کا پتہ چلانے کے لئے ہم اس سے حدیث سنتے ہیں۔" (معرفۃ علوم الحدیث، حاکم ص ۱۳۵)

حاکم نے احمد بن حنبل کی زبانی ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم جس زمانے میں صنعاً (یمن) میں حدیث پڑھنے کے لیے مقیم تھے اور میرے ساتھ علاوہ دوسرے رفقاء کے یحییٰ بن معین بھی تھے، ایک دن میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ گوشہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں اور کوئی آدمی جب سامنے آجاتا ہے تو اسے چھپا دیتے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت انس رض کے نام جعلی حدیثوں کا ایک مجموعہ ابان کی روایت سے جو پایا جاتا ہے اسی کو یحییٰ نقل کر رہے ہیں، میں نے کہا کہ تم ان غلط اور جھوٹی روایتوں کو نقل کر رہے ہو۔ اس وقت یحییٰ بن معین نے کہا کہ

"بھائی! اسی لئے تو اس کو لکھ رہا ہوں کہ ان ساری روایتوں کو لکھنے کے بعد زبانی یاد کر لوں، میں یہ جانتا ہوں کہ یہ ساری روایتیں جعلی ہیں، غرض میری یہ ہے کہ ابان کی جگہ کسی معتبر راوی کا نام داخل کر کے غلط فہمی میں لوگوں کو اگر کوئی مبتلا کرنا چاہے گا تو میں اس غلط فہمی کا ازالہ اصل واقعہ کو ظاہر کر کے کر سکوں گا یعنی بتا سکوں گا کہ جس جگہ پر ثقہ راوی کا نام رکھا گیا ہے یہ غلط ہے درحقیقت ان روایتوں کا بنانے والا "ابان" ہے۔" (معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۰)

"یحییٰ بن معین نے اسی غرض سے موضوع حدیثوں کا بھی ایک طومار نقل کیا تھا، کہا کرتے تھے کہ دروغ بافوں سے میں نے بڑا ذخیرہ روایتوں کا لکھا جس سے بعد کو میں نے اپنے تنور کو گرم کیا اور نہایت عمدہ پکی ہوئی روٹیاں اس سے تیار ہوئیں۔" (معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۰)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح واقعات سے واقفیت کے لئے جیسے اس زمانے میں ہر قسم کی نیوز ایجنسیوں اور ہر طرح کے اخباروں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ محدثین بھی یہی سمجھتے تھے کہ سچی روایتوں کو جھوٹی روایتوں سے جدا کرنے کے دوسرے ذرائع کے ساتھ ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہر طرح کے راویوں سے حدیثوں کو سننے کی کوشش کی جائے۔ حافظ ابو عمر بن عبدالبر نے ایوب سختیانی کے حوالہ سے یہ تجربہ کی بات نقل کی ہے کہا کرتے تھے۔

"اپنے استاذ کی غلطیوں سے تم اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ دوسروں کے پاس بھی جا کر نہ بیٹھو۔" (ص ۹۹ جامع)

بہرحال حدیثوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ بھی اور ایک ایک محدث کے سینکڑوں اساتذہ کا نام کتابوں میں جو لیا جاتا ہے، اسکی وجہ بھی محدثین کا یہی مذاق تھا یعنی جب تک سو سو طریقوں سے حدیث ان تک نہ پہنچی ہو، اس وقت تک اس حدیث میں اپنے آپ کو یتیم قرار دیتے ان کے اساتذہ کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ شعبہ جو اپنی تسلی کے لیے ہر حدیث کا بیس دفعہ سنا ضروری قرار دیتے تھے، ان کے کل اساتذہ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رض کی صحبت یافتہ بزرگوں یعنی تابعین میں ان کے استاذوں کی تعداد جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے

سَمِعَ مِنْ اَرْبَعِ مِائَةٍ مِّنَ التَّابِعِيْنَ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۲)

تابعین میں سے جن جن استاذوں سے شعبہ نے حدیث سنی تھی، ان کی تعداد چار سو ہے۔

محدثین کے زہد و تقویٰ کی چند مثالیں

مقصود اس طول طویل گفتگو سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے تن من دھن سب کو دین کے لیے مختص کر دیا تھا، یہی شعبہ نماز میں جن کے سجدوں اور رکوع کی وہ کیفیت تھی۔ ذہبی ہی نے لکھا ہے کہ باوجود اس جفاکشی کے صائم الدہر رہتے تھے، یعنی ہمیشہ روزے رکھتے تھے، دیکھ کر لوگوں کو رحم آتا، جلد بدن کی خشک نظر آتی تھی۔ بھلا سوچئے تو جن لوگوں کا یہ حال ہو کر پوچھنے والے نے پوچھا۔ اب پیرانہ سالی میں آپ کے مشاغل کی نوعیت کیا رہ گئی ہے تو جواب میں بولے کہ بھائی صرف ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھ لیتا ہوں اور مہینے میں اب تین روزوں یعنی ایام بیض کے، روزوں سے زیادہ رکھا نہیں جاتا۔ ابو اسحاق السبیعی کے حال میں ذہبی نے اس کا تذکرہ کیا ہے جن کے اساتذہ میں اڑتیس تو صرف صحابی ہیں (ج ۱ ص ۱۰۸) آخر اسی عہد کے محدثین میں جب ایسے لوگ بھی تھے، مثلاً ثابت البنانی کے متعلق لکھا ہے کہ:

"دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے اندر معمول تھا کہ قرآن ختم کر لیتے تھے اور ہمیشہ صائم الدہر رہتے۔"

(جلد ۱ ص ۱۱۵)

سلیمان تیمی بھی صائم الدہر تھے، عموماً صبح کی نماز عشا کے وضو سے پڑھتے تھے، نفل کی نمازوں میں ان کا بھی حال یہی تھا کہ ستر دفعہ سے کم سجدے میں تسبیح نہ پڑھتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۲) اس عہد کے بزرگوں کے عبادات و ریاضات کی تفصیل کے لیے حلیۃ الاولیاء اور صفوۃ الصفوہ وغیرہ پڑھنی چاہیئے۔ نسبتاً ان میں جن لوگوں کو عافیت پسند اور آسائش و آرام، فراغت و رفاہیت کی زندگی بسر کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ بڑے خوش خوراک خوش پوشاک تھے لیکن ان کا حال یہ تھا، مثلاً امام نسائی کے متعلق ذہبی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ بڑے وجیہ و شکیل آدمی تھے، بردِ نوبیہ (ایک قسم کی قیمتی چادر تھی) اور سبز دوشالے کو پسند کرتے تھے، لکھا ہے کہ:

"کھانے میں نسائی زیادہ تر بڑے قد والے مرغ کو پسند کرتے تھے، جو خاص کر ان کے لیے خریدے جاتے تھے اور ان کو خصی کر کے خوب فربہ کر لیا جاتا تھا۔" (ص ۲۴۱)

لیکن باوجود ان تمام باتوں کے محمد بن مظفر بیان کرتے تھے کہ:

"میں نے مصر (جہاں امام نسائی نے قیام اختیار کر لیا تھا) وہاں کے سارے علما اور مشائخ کو پایا کہ وہ امام نسائی کی عبادت و ریاضت جس کا سلسلہ شب و روز جاری رہتا تھا۔ تعریف کرتے تھے۔"

(ص ۲۴۲)

ان کے دینی تصلب کے لئے یہی کیا کم ہے کہ محض حق گوئی کی وجہ سے گویا ان کو شہید ہونا پڑا[1]۔ کہتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری بھی لطیف

---

[1] امینی لکھا ہے کہ مصر سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے امام دمشق میں ٹھہرے، عام طور پر خوارج کا اس زمانہ میں شام کے علاقوں میں زور تھا، جامع مسجد میں کسی نے پوچھ لیا کہ آپ بڑے محدث ہیں امیر معاویہؓ کی تعریف میں بھی تو کچھ حدیثیں بیان کیجئے، باوجودیکہ شام والوں کے عقائد (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

... ذوق کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ ابن سعد نے حمید کا قول نقل کیا ہے، کہتے تھے کہ

مَا شَمَمْتُ مُرَقَّةً قَطُّ اَطْيَبَ مِنْ مَرَقَةِ الْحَسَنِ (ابن سعد ج، ص۱۲۱) — حسن بصری کے شوربے سے زیادہ خوشگوار خوشبو میں نے کسی دوسرے آدمی کے شوربے میں نہیں سونگھی۔

یہ بھی اسی میں ہے کہ گوشت کا روزانہ آپ کے دسترخوان پر رہنا ضروری تھا، لیکن زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت مجاہدہ میں جو ان کا حال تھا اس سے کون ناواقف ہے، ابن جوزی نے بیس جزوں میں ان کے حالات لکھے ہیں، اسی سے اندازہ کیجیے۔ یوسف بن اسباط جیسے آدمی کا بیان ہے کہ :

"تیس سال سے یہ شخص ہنسا نہیں ہے اور چالیس سال اس حال میں گزارا کہ اس عرصے میں کسی سے مذاق نہ کر سکے۔" (صفوہ ج ۳ ص ۱۵۶)

روتے رہتے تھے، لوگ پوچھتے تو کہتے کہ معاملہ ایسے سے آپڑا ہے جسے کسی کی کوئی پروا نہیں ہے، کون جانتے کہ کل میں آگ میں نہ جھونکا جاؤں گا (صفوہ ج ۳ ص ۱۵۶)

حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز کے خوف کو دیکھ کر یزید بن حوشب کہا کرتے تھے کہ :

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے لئے حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا اور کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔"

یا امام مالک ہی ہیں کھانے پینے، رہنے سہنے میں ان کا نقطہ نظر عام طور پر مشہور ہے۔ ہمیشہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے عطر اور خوشبو میں ڈوبے رہتے، ان کے دربار کے رعب اور وقار کو دیکھ کر لوگ کہا کرتے تھے کَاَنَّہٗ بَابُ اَمِیْرٍ (کسی امیر آدمی کی ڈیوڑھی ہے) آپ کا بھی معمول تھا کہ گوشت کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور اپنے اس ذوق پر اتنا اصرار تھا کہ کسی دن اگر گوشت کے لئے پیسے نہ ہوتے اور اس کے لئے گھر کی کوئی چیز بیچنی پڑتی تو لکھا ہے کہ یَفْعَلُ (وہ چیز بیچ کر گوشت خریدتے۔) (الدیباج المذہب ص ۱۹) ہر جمعہ کو دستور تھا۔

كَانَ يَاْمُرُ خَبَّازَهٗ سَلَمَةَ اَنْ يَّعْمَلَ لَهٗ وَلِعِيَالِهٖ طَعَامًا كَثِيْرًا (ص ۱۹) — سلمہ نامی باورچی جو آپ کا تھا اس کو حکم دے رکھا تھا کہ امام اور امام کے گھر والوں کے لیے بہت زیادہ کھانا تیار کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے امام نسائی واقف تھے، اس باب میں ان کا جو علم تھا اس کو چھپانا راست بازی اور تدین کے خلاف معلوم ہوا، بھری مجلس میں کہہ دیا کہ امیر معاویہؓ کے فضائل کیا پوچھتے ہو؟ معاملہ ان کا برابر سرابر بھی ہو جائے تو کیا تمہارے خوش ہونے کے لیے یہی کافی نہیں ہے نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ہوا کہ خوارج جن سے مسجد بھری پڑی تھی، ان پر ٹوٹ پڑے اور بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ لکھا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ شرمگاہ اور رانوں پر بیضۂ لاتوں سے لوگوں نے اتنا کچلا کہ اس کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے۔ دمشق سے کسی طرح مکہ تو ان کو پہنچا دیا گیا لیکن مکہ پہنچ کر وفات ہو گئی۔

(ذہبی ج ۲ ص ۲۴۲)

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ان کے علم وعمل تقویٰ و دیانت کے جو گہرے نقوش امت کے قلوب پر قائم ہیں کیا وہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ اللہ اللہ بارگاہِ رسالت پناہی کے ساتھ جس کی نیازمندیوں اور ادب شناسیوں کا یہ حال ہو، عبداللہ بن مبارک کی یہ چشم دید شہادت ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"امام مالک ہم لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے، بچھو (جو اُن کے کپڑوں میں کسی طرح گھس گیا تھا) نے سولہ دفعہ ڈنک مارے، امام مالک کا چہرہ ہر نیش پر متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا تھا لیکن حدیث جس طرح بیان کر رہے تھے بیان کرتے رہے، درمیان میں اس کے سلسلہ کو نہ توڑا۔ جب درس ختم ہو گیا اور لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تب میں نے عرض کیا آج آپ کا یہ کیا حال ہو رہا تھا تب وجہ بیان کی اور فرمایا کہ اِنَّمَا صَبَرْتُ اِجْلَالًا لِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے احترام کی وجہ سے میں صبر کئے بیٹھا رہا)"

(دیباچ ص ۲۲)

دوسری کتابوں میں ہے کہ درس سے فارغ ہونے کے بعد اندر تشریف لے گئے، کپڑے اتارے تب بچھو نکالا گیا۔ باہر آ کر ابن مبارک سے چہرے کے تغیر کی وجہ بیان کی۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں واقعات کا تذکرہ اس طبقہ کے متعلق کیا جاتا ہے جو حدیثوں کی حفاظت و اشاعت کا صحابہ کے بعد ذمہ دار بن گیا تھا، کیا یہ صرف گزر جانے کی بات ہے؟ پیغمبر اور پیغمبر کی حدیثوں کا جس کے دل میں اتنا احترام ہو کہ بچھو ڈنک پر ڈنک مارتا چلا جا رہا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں، سنانے والا صرف اس خیال سے اپنی جگہ سے ہلتا بھی نہیں

حفاظِ حدیث کے اس گروہ میں جنہیں وسعت عطا کی گئی تھی خود امام بخاری بھی ہیں۔ بخارا میں ان کی کافی جائداد تھی اور متعدد پن چکیاں ان کی چلتی تھیں، وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے جس میں ایک ایک دفعہ میں دس دس ہزار کا نفع ہوتا تھا لیکن بایں ہمہ صرف رمضان میں ان کے مجاہدے کا یہ حال تھا کہ علاوہ تراویح کے پچھلی رات کو نصف یا ایک تہائی قرآن تہجد میں ختم کرتے گویا ہر دوسرے یا تیسرے دن قرآن ختم ہو جاتا تھا، اور یہ اس تلاوت کے سوا تھا جو دن کو روزہ کی حالت میں کرتے تھے۔ دستور تھا کہ دن کو قرآن کو شروع کرتے اور افطار کے وقت تک ختم ہو جاتا تھا۔ امام بخاری کے ساتھ بھی کہتے ہیں امام مالک ہی کے قریب قریب حادثہ پیش آیا، امام مالک تو حدیث پڑھا رہے تھے اس وقت بچھو نے کاٹا تھا۔ امام بخاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں سے کسی نے باغ میں حضرت کی دعوت کی تھی۔ اتنے میں ظہر کا وقت آگیا، فرض سے فارغ ہو کر نفل میں مشغول ہوئے کہ عین نماز میں بھڑ نے کاٹنا شروع کیا لیکن نماز نہ توڑی۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں سے کہا کہ دیکھو میرے کرتے میں کوئی چیز تو نہیں ہے۔ دیکھا گیا تو بھڑ برآمد ہوئی۔ کئی جگہ اس کاٹنے کی وجہ سے ورم ہو گیا تھا۔ پوچھا گیا کہ نماز آپ نے توڑی کیوں نہیں؟ فرمایا کہ

كُنْتُ فِيْ سُوْرَةٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُتِمَّهَا — میں ایک سورہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔ جی یہی چاہا کہ اس کو ختم کر لوں۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۳)

اور میں ان قصوں کو کہاں تک بیان کروں، ان کی کوئی حد و انتہا بھی ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق سمجھا گیا ہے کہ وہ

[...] معمولی طور پر خوش خوراک خوش پوشاک تھے۔ ان کی غرض بھی یہی تھی کہ اس ذریعہ سے کام زیادہ قوت اور زیادہ بشاشت کے ساتھ [...] جا سکتا ہے۔ خیال تو کیجیے کہ راتیں جن لوگوں کی اس طرح گزرتی تھیں جیسا کہ امام بخاری ہی کے متعلق ان کے اوراق (مسودہ) نویس محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ:

"سفر میں امام بخاری کے ساتھ میرا قیام اسی کمرے میں عموماً ہوتا تھا جس میں امام آرام فرماتے تھے، دیکھا کرتا تھا کہ رات کو جب ہم لوگ سو رہتے تو امام بخاری بار بار اُٹھ اُٹھ کر چقماق سے چراغ جلاتے اور لکھی ہوئی حدیثوں پر کچھ علامت بناتے پھر سو رہتے۔ ایک ایک رات میں پندرہ سے بیس دفعہ تک میں نے دیکھا ہے کہ اٹھتے ہیں اور لیٹتے ہیں، پھر اُٹھتے ہیں اور لیٹتے ہیں، میں عرض کرتا کہ جس وقت آپ اُٹھتے ہیں مجھے اٹھا لیا کیجئے تو فرماتے کہ میاں تم جوان آدمی ہو، تمہاری نیند کو میں خراب کرنا نہیں چاہتا۔" (ص ۱۴۳)

اس قسم کی محنت اور جفاکشی کے لیے خود ہی سوچنا چاہیے کہ کتنی غیر معمولی توانائی کی ضرورت ہے، ایک دلچسپ لیکن غیر معمولی نتائج کا حامل اسی سلسلے کے بزرگوں میں وکیع بن الجراح کا وہ وقت نامہ ہے جسے خطیب نے وکیع کے صاحبزادے سفیان بن وکیع کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ یہ وکیع صرف حدیث ہی کے نہیں بلکہ فقہ کے بھی امام ہیں، حنفیوں کو اس پر فخر ہے کہ وکیع زیادہ تر امام ابوحنیفہ کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر فتوی دیا کرتے تھے۔ سفیان ثوری کے تلمیذ خاص سمجھے جاتے ہیں عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی وغیرہم اکابر کے وکیع استاذ ہیں، امیر گھرانے کے آدمی تھے، صرف والدہ سے لکھا ہے کہ دس لاکھ درہم وراثت میں ان کو ملے تھے۔ بہرحال چوبیس گھنٹے کا نظام اوقات آخر زمانے میں ان کا کیا تھا وہ سنئے، ان کے صاحبزادے کہتے تھے:

میرے والد صاحب رحمہ اللہ تھے، قاعدہ ان کا یہ تھا کہ صبح سویرے (نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد) درس حدیث کے حلقہ میں تشریف لاتے، حدیث کے طلبہ کو پڑھاتے رہتے تا آنکہ دن کافی چڑھ جاتا، حلقہ سے اٹھ کر گھر تشریف لاتے اور سو جاتے، ظہر کے وقت تک سوتے اس کے بعد ظہر کی نماز کے لئے اٹھتے، نماز سے فارغ ہو کر اس سڑک کی طرف چلے جاتے جدھر پانی بھرنے والے بہشتی پکھالیں بھر بھر کر شہر کی طرف لاتے تھے اور ہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن اس کو کتنا یاد ہے، جسے یاد نہ ہوتا اس کو قرآن کی اتنی سورتیں یاد کراتے جو نماز پڑھنے کے لیے کافی ہوں، یہ کام عصر کے وقت تک کرتے، عصر کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے اور نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر قرآن کا درس دیتے، کچھ وقت بچتا اسے اللہ کی یاد میں گزارتے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے تب افطار کا کھانا آپ کے آگے رکھا جاتا۔ قریب دس رطل (گویا پانچ سیر سے کم مقدار مجموعی طور پر کھانے کی نہ ہوتی۔ کھانے کے بعد آپ کے سامنے نبیذ کا قرابہ پیش ہوتا۔ دس رطل کے قریب نبیذ[1] جس میں ہوتی، کھانے کے بعد اس قرابہ سے جتنا ان کا جی چاہتا

---

[1] نبیذ کیا چیز ہے؟ جو نہیں جانتے ہیں یا نہیں جاننا چاہتے ہیں انہوں نے طرح طرح کی باتیں اس کے متعلق مشہور کر رکھی ہیں حالانکہ اس

(باقی صفحہ آئندہ)

پیتے رہتے اور جو بچ جاتا اس کو سامنے رکھ لیتے۔"
اس کے بعد کیا کرتے تھے، اسی کو میں پیش کرتا جاتا تھا۔ سفیان بن وکیع کہتے ہیں کہ

وَيَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ وِرْدَهٗ مِنَ اللَّيْلِ وَكُلَّمَا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ شَفْعٍ اَوْ وِتْرٍ شَرِبَ مِنْهَا حَتّٰى يَنْفَدَ هَا ثُمَّ يَنَامُ۔
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷)

پھر کھڑے ہو جاتے اور رات میں نمازوں کا ان کا جو ورد تھا اُسے پورا کرتے اور دو رکعتوں یا ان سے زیادہ رکعتوں کے بعد خواہ طاق ہوں یا جفت (اسلام پھیر کر) اسی قرابہ سے پیتے رہتے تا آنکہ ختم ہو جاتا پھر سو رہتے۔

ظاہر ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کی وجہ سے جو ضعف پیدا ہو جاتا تھا اسی کی تلافی رات کو نبیذ سے فرماتے تھے، کیونکہ نبیذ کو نشہ آور عرق قرار دینا تو تجربہ سے پہلے خواہ مخواہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر ایک دعویٰ کر بیٹھنا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ کھجور اور انگور سے جو عرق نبیذ کی شکل میں حاصل کیا جاتا تھا اس سے کافی قوت پیدا ہوتی تھی اسی لئے تو وکیع نبیذ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اطباء جس دوا کو خیساندہ کہتے ہیں یعنی رات کو پانی میں عناب، گاؤزبان، سپستان وغیرہ اسی قسم کی نباتاتی دوائیں ڈال دی جاتی ہیں اور صبح کو بقول ان ہی اطباء "مالیدہ صاف نمودہ بنوشند" نبیذ بھی یہی چیز تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ بجائے نباتاتی دواؤں عناب، سپستان وغیرہ کے کھجور، یا کشمش، منقیٰ کو پانی میں رات کو ڈال دیتے تھے جسے "مالیدہ صاف نمودہ" صبح کو پیتے تھے اور صبح کو ڈالی ہوئی نبیذ شام کو استعمال کرتے تھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ دوائی خیساندہ کے استعمال کا موقع کسے نہ ملا ہوگا۔ پھر کیا اس میں نشہ یا سکر پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ نباتاتی اشیاء ہونے کی وجہ سے اس میں بھی الکحل پیدا ہو سکتا ہے، جیسے کھجور، کشمش، منقیٰ کے خیساندہ کو دھوپ میں رکھ دیجئے تو یقیناً اس عمل کے بعد اس میں جوش پیدا ہونے کف پھینک دینے کے بعد نشہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن نبیذ اس کے بعد تو شراب بن جاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبیذ کے نام سے ناجائز نفع اٹھاتے ہوئے بعض لوگوں نے شراب بنام نبیذ استعمال کیا ہو لیکن ائمۂ کوفہ نے نبیذ کی حلت کا جو فتویٰ دیا ہے میرے خیال میں اس کی حرمت پر اصرار کرنا ایسا ہی ہے کہ کسی حلال چیز کو خواہ مخواہ حرام ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ بلکہ دوائی خیساندے کو بعض دفعہ آگ پر جوش دے کر بھی استعمال کرتے ہیں اس میں بھی نشہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کھجور یا کشمش کے خیساندہ کو آگ پر اگر جوش دے دیا جائے تو گاڑھا ضرور ہو جائے گا لیکن نشہ اس میں پیدا ہوگا قطعاً یہ تجربہ کے خلاف ہے اگر اس میں نشہ کا پیدا ہونا ضروری ہے تو چاہیے کہ سارے دوائی خیساندے میں پیدا ہو جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کو لوگوں نے اس معاملہ میں بہت بدنام کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا وکیع امام ہی کے مسلک کی اتباع فقہ میں کرتے تھے اس لئے وہ خود بھی پیتے تھے اور دوسروں کو بھی پینے کا حکم دیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے وکیع سے کہا کہ حضور میں نے نبیذ پی تو رات کو خواب دیکھا، کہنے والا کہتا ہے کہ تو نے شراب پی۔ وکیع نے سن کر فرمایا کہ شیطان ہوگا جس نے تجھ سے یہ کہا۔ کہتے تھے کہ فرات کے پانی اور نبیذ میں میرے نزدیک قطعاً فرق نہیں ہے۔ ۱۲۔

(خطیب ج ۱۳ ص ۴۷۱)

... سامنے رکھ کر رات کی نماز پڑھا کرتے تھے، جہاں کچھ سستی محسوس ہوتی ایک پیالہ چڑھا لیتے تھے، جب وہ ختم ہو جا[تا] سو رہتے تھے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ وکیع ہی کے متعلق الذہبی نے جس واقعہ کا ذکر بطور ایک ظریفانہ لطیفہ کے کیا ہے مجھے تو ظرافت سے زیادہ اس میں حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے، لکھا ہے کہ وکیع ذرا لحیم شحیم بھاری بدن کے آدمی تھے، جب کہ پہنچے اور سرخیل صوفیہ فضیل بن عیاض سے ملاقات ہوئی تو ان کی فربہی کو دیکھ کر فضیل نے کہا کہ میں نے تو سنا ہے کہ تم راہب العراق ہو پھر یہ فربہی کیسی؟ جواب میں وکیع نے فرمایا:

هٰذَا مِنْ فَرَحِيْ بِالْاِسْلَامِ ۔ اسلام کی وجہ سے جو نشاط کی جس کیفیت میں رہتا ہوں، یہ اس کا نتیجہ ہے

(تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲)

واللہ اعلم کہ ان کا واقعی مطلب کیا تھا لیکن میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ آدمی اپنے جسم کی بھی اگر نگرانی سے غفلت نہ اختیار کرے اور محنت و مشقت کا جو بار اس پر ڈالا جائے اس کی تلافی عمدہ اور لطیف غذاؤں سے کرتا رہے تو جن ذہنی بےچینیوں اور دماغی الجھنوں سے اسلام آدمی کو نجات عطا کر کے روحانی سکون بخشتا ہے ان دونوں باتوں کا مجموعی اثر وہی ہونا چاہئے جس کا وکیع کے وجود میں مشاہدہ کیا گیا تھا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں نے جیسا کہ عرض کیا، وکیع کے وقت نامے سے اور بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو اسی کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے بزرگوں کی ساری زندگی مقررہ اوقات کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ یہ ان کے ضبطِ اوقات ہی کا نتیجہ تھا کہ ان علمی مشاغل اور مجاہدات کے ساتھ جو بجائے خود حیرت انگیز ہیں وہ علم کا کام اور کیسا کام؟ انجام دے سکتے تھے۔ بعض لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور اتنی مختصر مدت میں قرآن ختم کرتے تھے، آخر ان کو ہزارہا ہزار حدیثوں کے یاد کرنے کا موقع کیسے مل جاتا تھا؟ لیکن سمجھا نہیں گیا، پہلی بات تو یہی ہے کہ اپنے اوقاتِ عزیز کو لایعنی مشاغل میں جو صرف کرنے کے عادی ہیں وہ ان لوگوں کے اوقات کی برکتوں کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے جو اپنی ایک ایک سانس کی قیمت حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ آخر عام لوگوں کا کیا حال ہے۔ تھوڑا وقت معاشی کاروبار میں وہ ضرور لگاتے ہیں لیکن اس کے بعد کھیل تماشوں، سینما بینی، تاش بازی اور اسی قسم کی مختلف بازیوں میں جتنا وقت بیکار وہ خرچ کر دیتے ہیں اگر اسی میں وہ کام کرنے کا تجربہ کریں تو خود ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو کچھ ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ ماسوا اس کے محدثین کی زندگی کے دو مستقل دور تھے، ایک زمانہ ان کا طلبِ حدیث کا ہوتا تھا، گزر چکا کہ اس زمانہ میں عہدِ صحابہ اور اس کے بعد بھی سمجھا جاتا تھا کہ نفلی عبادات پر علمی اشتغال کو ترجیح دینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں متعدد شہادتوں کا تذکرہ کر چکا ہوں، اسی کا نتیجہ تھا کہ جن سے نفلی عبادات کا ترک بالکلیہ ممکن نہ ہو سکتا تھا وہ اپنے اوقات خصوصاً اپنی راتوں کو چند حصوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔ عمرو بن دینار جو سفیان و شعبہ وغیرہ کے استاذ اور ابن عباس رضؓ و ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں، ان کے حال میں لکھا ہے کہ:

"رات کو انہوں نے چند حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک ثلث تو نیند کے لیے تھا دوسرے ثلث میں وہ حدیثیں یاد کرتے تھے اور تیسرے ثلث میں نمازیں پڑھتے تھے"

(جامع ص ۱۰۷)

اور طلبِ حدیث کا دَور جب گزر جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ حدیث کے ان حافظوں کو اب حدیث کے یاد کرنے کے لیے وقت دینے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ رات ان کی فارغ ہو جاتی تھی، البتہ دن کو شاگردوں کے سامنے اپنی یاد کی ہوئی حدیثوں کو دہراتے تھے اور اسی سے ان کی یاد تازہ رہتی تھی۔ بڑے بڑے حفاظ کا تو یہ حال تھا کہ ان کا حافظہ بھی غیر معمولی طور پر قوی تھا، اسی لئے اس قسم کے حضرات درسِ حدیث کے وقت اپنے ہاتھ میں کتاب کبھی نہیں رکھتے۔ کتابوں میں پڑھئے اس قسم کے فقرے مثلاً:

لَمْ يُرَ فِي يَدِ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَالثَّوْرِي وَشُعْبَةَ وَوَكِيعٍ كِتَابٌ قَطُّ۔ — سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری اور شعبہ و وکیع کے ہاتھوں میں کتاب کبھی نہیں دیکھی گئی۔

اور

مَا رُوِيَ لِوَكِيعٍ كِتَابٌ قَطُّ وَلَا لِهُشَيْمٍ وَلَا لِحَمَّادٍ وَلَا لِمَعْمَرٍ (خطیب ج ۱۳ ص ۴۷۵) — نہ وکیع ہی کے ہاتھ میں کبھی کتاب دیکھی گئی اور نہ ہشیم کے ہاتھ میں نہ حماد کے ہاتھ میں اور نہ معمر کے ہاتھ میں۔

یہ تو غیر معمولی حافظہ رکھنے والے بزرگوں کی عادت تھی، باقی جن لوگوں کی قوت یادداشت ایسی نہ تھی پڑھانے کے وقت اپنے ہاتھوں میں وہ کتاب رکھتے تھے اور جن بیچاروں کو درس کا موقعہ میسر نہ آتا تو گزر چکا کہ مکتب خانوں کے بچوں کے سامنے یا عام غربا کے مجمع میں جا کر اپنی حدیثوں کو دہراتے تھے۔ بہر حال وکیع کے نظام الاوقات کا سب سے زیادہ عبرت انگیز جزو وہ ہے کہ سقوں کی گزرگاہ میں پہنچ کر ان کو قرآنی سورتیں یاد کراتے تھے۔ آج کسی مولوی کو کسی قصبہ یا شہر میں معمولی سا امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بیچارہ خدا جانے اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راست باز خادموں کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ وکیع ہیں وہی وکیع، امام فنِ رجال یحیی بن معین جن کے متعلق کہتے تھے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا آدمی نہیں دیکھا۔ یہی دعویٰ امام احمد بن حنبل کا بھی تھا کہ علم میں وکیع جیسا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ امام احمد کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے:۔

مَا رَأَتْ عَيْنِي مِثْلَهُ قَطُّ يَحْفَظُ الْحَدِيثَ جَيِّدًا وَيُذَاكِرُ بِالْفِقْهِ فَيُحْسِنُ مَعَ وَرَعٍ وَاجْتِهَادٍ وَلَا يَتَكَلَّمُ فِي أَحَدٍ۔

(خطیب ص ۴۷۴)

وکیع جیسے آدمی کو میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حدیثیں بھی ان کو خوب یاد تھیں اور فقہی مسائل پر خوبی کے ساتھ بحث کرتے تھے۔ (ان علمی فضائل کے ساتھ) ان میں پارسائی اور عبادت میں جد و جہد کی خصوصیت بھی پائی جاتی تھی، وہ کسی پر اعتراض اور نکتہ چینی بھی نہیں کرتے تھے۔

لیکن جو اپنے وقت کا سب سے بڑا امام فقہ میں بھی تھا اور حدیث میں بھی وہ بھتیجوں کو قرآن کی ابتدائی سورتوں کے سکھانے کو بھی اپنی زندگی کا ایک فرض قرار دیئے ہوئے تھا، ایسے ہی آدمی کے گھر میں یہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ان کے صاحبزادے ابراہیم کا بیان ہے :

"میرے والد تہجد کی نماز کے لئے جس وقت اٹھتے تھے تو ان کے ساتھ سارا گھر اس نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ حتیٰ کہ گھر میں حبشی چھوکری تک تہجد پڑھتی تھی"

(خطیب جلد ۱۳ ص ۴۷۱)

بہرحال ان چیزوں کو کہاں تک لکھوں۔ غرض یہ تھی کہ صحاح ستہ کے مصنفین سے پہلے اور عہد صحابہؓ کے بعد حدیث کی حفاظت و اشاعت کا کام ڈیڑھ سو سال کے اس درمیانی وقفہ میں جن لوگوں کے سپرد رہا خود ان کا اور جس ماحول کا ایک سرسری اجمالی خاکہ بقدر ضرورت لوگوں کے سامنے آجائے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ آپ کے سامنے اس وقت تک پیش کیا جا چکا ہے انشاء اللہ اس مقصد کے لیے وہ کافی ہے، اب اسی کے ساتھ اور بھی چند چیزوں کو اپنے سامنے رکھ لیجیے، اگرچہ ضمناً ان کی طرف بھی اشارہ کرتا چلا آیا ہوں۔

حفظ اور کتابت

اب ان سارے معلومات اور متعلقات کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ مصنفین صحاح اور عہد صحابہؓ کے اس درمیانی وقفہ میں مان بھی لیا جائے کہ حدیثوں کی حفاظت کی ایک ہی شکل یعنی کتابت نہیں صرف حفظ ہی تھی تو جو اُن کا ماحول تھا اور جس قسم کے ظاہری باطنی خصوصیات میں از سرتا قدم وہ ڈوبے ہوئے تھے ان کے لحاظ سے حدیثوں کو زبانی یاد کر لینا یہ کام ان کے لیے کچھ بھی دشوار تھا؟ ایک ایسے بدترین ناموافق حالات جن میں پچھلی صدی ڈیڑھ صدی سے مسلمان گزر رہے ہیں، ان کی زندگی کا سارا نظام الٹ پلٹ ہو چکا ہے، قلوب پر دین کی گرفت روز بروز ڈھیلی پڑتی چلی جارہی ہے لیکن بایں ہمہ حفظ بہ تکلف کے عام قانون کے تحت ہمارے اور آپ کے سامنے دس بیس ورق ہی نہیں بلکہ اول سے آخر تک الحمد سے والناس تک کے حافظِ قرآن ہزار ہا ہزار کی تعداد میں جب پیدا ہو رہے ہیں تو جس زمانہ کا نقشہ صفحات بالا میں آپ کے آگے رکھا گیا ہے، حدیثوں کے حفظ کا مسئلہ کیا کوئی بڑی بات تھی؟ جس کی دشواریوں کو محسوس کر کے یا کرا کے آج حدیثوں کے متعلق بدگمانیاں پھیلائی جارہی ہیں خصوصاً جب اسی کے ساتھ ان نکات کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے کہ ان محفوظ حدیثوں میں ملفوظات نبویہ کے ساتھ ایک بڑا حصہ واقعات (یعنی افعال اور تقریرات) کا بھی شریک تھا اور میرا تخمینہ یہ ہے کہ حدیث کے ان تینوں اجزا میں دو تہائی حصہ ان ہی واقعات کا ہے بلکہ صحیح جستجو سے اگر کام لیا جائے تو شاید اس تخمینہ سے زیادہ بھی ہو، عرض کر چکا ہوں کہ واقعات کا یاد رکھنا آدمی کی قوت یادداشت کے لیے اتنا دشوار نہیں ہے، جتنا کہ ملفوظات اور اقوال کے یاد کرنے میں حافظہ پر بار پڑتا ہے، پھر اسی کے ساتھ جب اس کو بھی سوچا جائے کہ سو ڈیڑھ سو سال کے اس درمیانی وقفہ کے ابتدائی ایام میں عموماً حدیث کا سرمایہ بکھری ہوئی شکل میں تھا۔ اجتماع اور تمرکز کی کیفیت اس میں بعد کو پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ اجتماع و تمرکز کی اس کیفیت سے پہلے ہر ایک پر حدیثوں کی محدود تعداد کے حفظ کی چونکہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی اس لئے سمجھنا چاہئے کہ ایک خاص وقت تک اس سہولت سے بھی لوگ مستفید ہوتے رہے لیکن جیسے جیسے یہ سرمایہ مخصوص دماغوں میں

نکلے تھا تو اس کو بھولنا نہ چاہیے کہ حدیثوں کے سیکھنے سکھانے پڑھنے پڑھانے کے نظام کا استحکام اور اس کی استواری بھی بڑھتی چلی گئی اور گو عددی لحاظ سے آخر زمانہ میں حدیثوں کی تعداد میں بظاہر مہیب اضافہ نظر آتا ہے لیکن پہلی بات تو اس سلسلہ کی وہی ہے کہ غیر معمولی اضافہ وقفہ کی اس درمیانی مدت کے بعد ہوا ہے نیز حدیثوں کے عددی اضافہ کا راز جب معلوم ہو چکا کہ وہ خود حدیثوں کا اضافہ نہ تھا بلکہ زیادہ تر سند یا متن میں لفظ دو لفظ کے اضافہ سے حدیثوں کے عدد میں اضافہ ہو جاتا تھا تو پھر اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ایک بمبئی عالم نے اپنی کتاب "اَلْعِلْمُ الشَّامِخ" نامی میں جلال الدین سیوطی کے اس دعوے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں، بڑے مزے سے لکھا ہے کہ لوگوں کو سیوطی کے اس دعویٰ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی ان حضرات کو دو لاکھ حدیثیں یاد تھیں بلکہ ان کا یہ دعویٰ محدثین کی اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے:

قَدْ يَكُوْنُ الْوَاحِدُ فِيْ كِتَابِ السُّيُوْطِيْ اَرْبَعَةً اَوْ عَشَرًا اَوْ سِتِّيْنَ حَدِيْثًا بِاعْتِبَارِهِمْ (العلم الشامخ ص۲۹۹)

کہ ایک حدیث مذکورہ بالا حساب سے سیوطی کی کتاب میں چار یا دس یا ساٹھ تک کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔

گویا سمجھنا چاہیے کہ حافظ پر تو کل ساٹھ الفاظ کے یاد کرنے کا بار پڑا لیکن کہنے کے لئے ہو گیا کہ میں نے ساٹھ حدیثیں یاد کر لیں۔ ہوتا یہ تھا کہ مثلاً ایک ہی حدیث ہے، حضرت ابوہریرہؓ بھی اس کے راوی ہیں اور عائشہ صدیقہؓ بھی، ابن عمرؓ بھی، آپ کے نزدیک تو وہ ایک ہی حدیث ہے لیکن محدث بیان کرے گا کہ مجھے تین حدیثیں یاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک نام ابوہریرہؓ کے ساتھ عائشہؓ اور ابن عمرؓ ان دو ناموں کے یاد کر لینے سے ایک حدیث تین حدیث بن گئی۔ عوام جو فن اور اس کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں ان کو حیرت ہوتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ خود ان ناموں کے یاد رکھنے میں حافظہ کو دوسری بہت سی چیزوں سے مدد ملتی ہے۔ فن کار ہی اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں، مثلاً یوں سمجھئے کہ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں فلاں فلاں صحابی سے حدیثیں زیادہ مروی ہیں، اسی طرح علم حدیث اور اسماء الرجال سے جو اشتغال رکھتے ہیں وہ صحابیوں کے متعلق بھی جانتے ہیں کہ تابعین میں فلاں فلاں صحابی سے زیادہ خصوصیت تھی، اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے اترتے ہوئے اساتذہ اور تلامذہ کے خصوصی تعلقات کا عام علم فن کے جاننے والوں کو پہلے ہی سے ہوتا ہے، پس اسماء تو یونہی یاد رہتے ہیں، حافظ کو ہر حدیث کے متعلق اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ ان ناموں میں سے کس نام کا کس حدیث کی سند سے تعلق ہے، پس اس کو مستحضر رکھنا چاہیے۔ سچ پوچھئے تو اس کی وجہ سے ناموں کے یاد کرنے میں بھی حافظ کا کام آدھا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح متونِ حدیث کا حال ہے کہ اصل حدیث تو ایک ہی ہے، دوسرے طرق میں لفظ دو لفظ کا اضافہ ہوتا ہے اور اسی اضافہ کی وجہ سے حدیث کے نمبروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں بھی حافظہ پر جو کچھ بار پڑتا ہے وہ لفظ دو لفظ ہی کے یاد کرنے کا پڑتا ہے۔ بہرحال اکثر ابواب کی حدیثوں کا یہی حال ہے کہ سند یا متن میں لفظ دو لفظ کو بدلتے چلے جائیے۔ حدیثوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ابن راہویہ کے حالات

کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بڑے پتہ کی بات لکھی ہے، بیان یہ کیا ہے کہ مشہور امام فن علل ابوحاتم رازی کی مجلس میں ابن راہویہ اور ان کی غیر معمولی قوتِ یادداشت کا ذکر ہو رہا تھا، ایک صاحب جن کا نام احمد بن سلمہ تھا، انہوں نے ابوحاتم سے کہا کہ ابن راہویہ صرف عام ابواب ہی کی حدیثیں نہیں بلکہ تفسیری روایتیں بھی شاگردوں کی زبانی بغیر کتاب سامنے رکھنے کے لکھوایا کرتے ہیں۔ ابوحاتم جو فن کے گُر سے واقف تھے۔ احمد سے یہ سن کر سنبھل گئے اور تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ:

هٰذَا أَعْجَبُ لِأَنَّ ضَبْطَ الْأَحَادِيْثِ الْمُسْنَدَةِ أَسْهَلُ وَأَهْوَنُ مِنْ ضَبْطِ أَسَانِيْدِ التَّفَاسِيْرِ وَأَلْفَاظِهَا۔ (ج ۲ ص ۴۱۳)	(تفسیری روایات کا زبانی لکھوانا، بلاشبہ بہت زیادہ عجیب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والی حدیثوں کا یاد رکھنا تفسیری روایتوں کی سندوں اور ان کے الفاظ کے یاد کرنے کے حساب سے بہت زیادہ آسان اور سہل ہے۔

سمجھا آپ نے ابوحاتم کیا کہہ رہے ہیں، قصہ یہ ہے کہ تفسیری روایات کے ذخیرے میں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا سرمایہ بہت کم پایا جاتا ہے بلکہ زیادہ تر دہ صحابہ اور صحابہ سے بھی زیادہ بہت زیادہ ان لوگوں کے اقوال اس ذخیرے میں شامل ہیں جو صحابہ کے بعد تھے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے زیادہ روایت کرنے والوں کی تعداد بھی محدود ہے۔ زیادہ تر روائتیں عموماً مکثرین صحابہ (ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ ابن عمرؓ وغیرہم) حضرات سے مروی ہیں اکثر حدیثوں کے لئے صحابہ کے طبقہ میں ان چند ناموں کا یاد کر لینا کافی ہے۔ پھر ان بزرگوں کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ یعنی حدیث کی سندوں کی آخری کڑیوں میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو اپنے اپنے استاذوں کے ساتھ خصوصی تعلقات کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ حدیث کا ابتدائی طالب العلم ان محدود شخصیتوں سے واقف ہوتا ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ ہزارہا ہزار حدیثوں کی سندوں کے لیے چند محدود اسماء جن کی تعداد دو تین سو سے زیادہ نہ ہوگی، ان کو یاد رکھنا ان ساری سندوں کے رجال کا یاد رکھنا ہے اور متون میں بھی اختلاف زیادہ تر لفظ دو لفظ ہی کے حساب سے ہوتا ہے مگر تفسیری روایات کی سندیں بھی لامحدود اور ان کے متون کے الفاظ بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے کم ملتے جلتے ہیں، اسی لئے تفسیری روایتوں کے یاد رکھنے اور زبانی بیان کرنے پر ابوحاتم کو تعجب ہوا اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ حدیثوں کی عددی کثرت کو دیکھ کر بھڑکنے اور بدکنے کی ضرورت نہیں، ان کا معاملہ اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ ان مہیب اور مدہش اعداد و شمار کو سن کر بظاہر فن کے نہ جاننے والے باور کئے بیٹھے ہیں، آدمی کی قوت یادداشت اس قسم کے مؤثرات سے شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر امداد حاصل کرتی رہتی ہے۔

بات بہت طویل ہوگئی، حالانکہ کہنا صرف یہ چاہتا تھا کہ سو ڈیڑھ سو سال، قفہ کی یہ درمیانی مدت ہے اس میں اگر حدیثوں کے

قلم بند کرنے کا جیسا کہ عام طور پر پھیلا دیا گیا ہے رواج نہ بھی ہوا ہو اور یاد کرنے والوں کی یادہی پر اس زمانے میں حدیثوں کے محفوظ رکھنے کا دارومدار رہا ہو تو واقعات اور حالات سے جو واقف ہیں، ان کے نزدیک ہلکی سے ہلکی بے اعتمادی کی وجہ محض یہ واقعہ نہیں ہوسکتا ہے بلکہ سچی اور ٹھوس بات یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ، معلومات کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ جیسے لکھ کر معلومات کو محفوظ کیا جاتا ہے اسی طرح یاد کرکے بھی چیزوں کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور رکھا جاتا ہے۔ عرض کرچکا ہوں کہ اس وقت اس کی زندہ مثال آپ کے سامنے قرآن ہی موجود ہے۔ مکتوبہ قرآن میں قرآن کی کسی آیت یا سورت کو پڑھئے یا کسی حافظ سے اسی آیت یا سورت کو سنئے، کیا دونوں کے اعتماد میں کسی قسم کا فرق آپ پا سکتے ہیں؟

پس مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان میں کون معلومات کے محفوظ کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور کون نہیں بن سکتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ و یادداشت دونوں میں سے جس کسی سے بھی کام لیا جائے، کام لینے والے پر کچھ ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں، ان ذمہ داریوں کی جیسا کہ چاہیے اگر تکمیل کی گئی ہے اور حزم و احتیاط کے لحاظ سے جن باتوں کی نگرانی کی ضرورت ہے ان سے لاپرواہی نہیں اختیار کی گئی ہے تو ان میں جس ذریعہ سے بھی کام لیا جائے گا قدرتاً انسانی فطرت اس ذریعہ سے محفوظ کی ہوئی چیزوں کے متعلق اپنے اندر اعتماد کی کیفیت کو محسوس کرتی ہے خواہ یہ کتابت کا ذریعہ ہو یا یاد کرنے کا طریقہ، لیکن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اگر غفلت اور لاپرواہی برتی گئی ہو تو خود بخود اعتماد کی ضمانت مشتبہ ہوجاتی ہے۔ خواہ لکھنے سے کام لیا گیا ہو یا یاد کرنے سے، جو واقعہ ہے وہ یہی اور صرف یہی ہے۔ نہ سوچنے والوں نے ایک شور برپا کر رکھا ہے کہ ان حدیثوں کا کیا اعتبار جو کئی سو سال بعد قلمبند ہوئیں۔ اس عامیانہ غوغا میں اور جو غلطیاں ہیں ان کو تو جانے دیجئے، میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ انہوں نے یہ کیسے باور کرلیا ہے کہ قید کتابت میں آجانے کے بعد اشتباہات و شکوک کے سارے دروازے بند ہوجاتے ہیں؟ کیسی عجیب بات ہے، ایک طرف اس کا ہنگامہ مچایا جاتا ہے کہ عالم معنی پر مظالم کے جو پہاڑ کاتبوں کے ہاتھوں سے ٹوٹے ہیں، عالم صورت پر یہ ظلم چنگیز خاں کے ہاتھوں بھی نہ ہوا تھا۔ عصر حاضر میں طباعت اور ٹائپ کی بھی بوقلموں اقسام کے باوجود معمولی سی بے احتیاطیاں عبارتوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں، منفی کی جگہ مثبت اور مثبت کی جگہ منفی بن جانا معمولی بات ہے، روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے۔ ہندوستان کا مشہور مطبع نولکشور تقریباً ایک صدی سے اس کی شہادتیں فراہم کر رہا ہے اور فرض کیجئے کہ بے چارہ کاتب کتابت کی ذمہ داریوں کو نباہ بھی لے گیا ہو لیکن اس کے بعد بھی پڑھنے والوں کی نگاہیں ٹھوکر دن سے کیا بالکلیہ

محفوظ ہو جاتی ہیں، بیسیوں لطائف اس سلسلہ کے عوام میں مشہور ہیں۔ اور ان لطائف کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا کہ آیا تراشیدہ اور خود آفریدہ ہیں یا واقعی پڑھنے والوں نے وہی پڑھا تھا جو مشہور ہو گیا ہے لیکن خود "تدوین حدیث کی تاریخ" ہی میں جن لطائف کا ذکر مسلسل سند کے ساتھ محدثین نے کیا ہے وہی کیا کم تعجب انگیز ہیں۔ اصل فہرست تو ان لطائف کی بہت طویل ہے بطور ردل چسپی اور عبرت کے لیے چند نمونے نقل کئے جاتے ہیں۔ حاکم نے اپنی کتاب معرفتہ علوم الحدیث میں نقل کیا ہے کہ علی نامی کسی صاحب کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ "عَلِیٌّ رَجُلٌ غَبِیْنٌ" (یعنی علی کم عقل آدمی تھے) پڑھنے والے صاحب نے پڑھا کہ "عَلِیٌّ رَجُلٌ عِنِّیْنٌ" (یعنی علی نامرد آدمی تھے)۔ حاکم نے حافظ ابو زرعہ کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے استادوں سے حدیث پڑھی نہ تھی، کتاب کھول کر حدیث پڑھانے بیٹھ گیا، مشہور حدیث آئی یعنی حضرت انس رضؓ کے بھائی جن کا نام ابو عمیر تھا، بچے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور طیبت (خوش مزاجی) کے فرمایا تھا "یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَافَعَلَ النُّغَیْرِ (ابو عمیر نغیر نے کیا کیا) نغیر[1] ایک چڑیا کا نام ہے جسے ابو عمیر ہاتھ میں لئے پھرتے تھے، غالباً اڑ گئی یا مر گئی تھی، حضورؐ نے ان کے ہاتھ میں چڑیا کو نہ دیکھا تو یہ فرمایا۔ حدیث پڑھانے والے صاحب ان تفصیلات سے ناواقف تھے اور "نغیر" کا لفظ بھی کچھ غیر مشہور ہے اس لئے آپ نے بجائے نغیر کے یہ قرار دیا کہ یہ لفظ "بعیر" کا ہے، اور شاگردوں کو مطلب یہ سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو عمیر سے پوچھ رہے تھے کہ اونٹ کیا ہوا؟ ان ہی صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ دوسری حدیث جس میں ہے کہ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِکَۃُ رُفْقَۃً فِیْھَا جَرَسٌ جس کا مطلب یہ تھا کہ اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں ڈال دینے کی جو عادت عرب میں تھی اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ ملائکہ کی پسندیدگی سے وہ قافلہ محروم رہ جاتا ہے جس کے جانوروں کے گلے میں گھنٹی (جرس) ہو۔ محدث صاحب نے "جرسٌ" کو "خرس" پڑھا اور فرمایا کہ ریچھ کو جو لوگ قافلہ کے ساتھ رکھتے ہیں ان کو مطلع کیا گیا ہے کہ ملائکہ کی پسندیدگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یا جس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "البُزَاق" یعنی تھوک کو مسجد کی دیوار پر دیکھا، محدث صاحب نے فرمایا کہ "البُرَّاق" کو دیکھا۔ اور سب سے زیادہ عجیب لطیفہ الحاکم نے اس سلسلہ میں مشہور محدث ابن خزیمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ اثر جو کتابوں میں منقول ہے کہ تَوَضَّأَ فِیْ جَرِّ نَصْرَانِیَّۃٍ (یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا) پڑھنے والے صاحب نے جَر کے لفظ کو حر پڑھا۔ اب کیا بتاؤں کہ انہوں نے کیا پڑھا، لغت میں دیکھ لیجئے۔

---

[1] کہتے ہیں کہ "بلبل" کو نغیر کہتے تھے، یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے مسائل اور احکام کے پیدا کرنے میں علمائے اسلام نے جو کوششیں کیں ان کی ایک مثال یہ روایت بھی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ایک بچے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ الکتانی نے لکھا ہے کہ ابو العباس بن القاص نے صرف اس حدیث سے سو مسئلے پیدا کئے تھے۔ اسی طرح ابن صباغ نامی ایک مراکشی عالم کے متعلق لکھا ہے کہ چار سو فوائد اس حدیث سے انہوں نے پیدا کئے۔ دیکھئے الکتانی ج ا ص ۱۵۰ اور نفح الطیب ج ۴ ترجمہ ابن صباغ ۱۲۰۔

حِر کے کیا معنی ہیں؟ دیکھا آپ نے بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ یہ ہے حال اس کتابت کا جس کے متعلق لوگوں نے غلط توقعات قائم کر لئے ہیں۔

لطف تو اس وقت آتا ہے جب پڑھنے والے اپنی غلط بینی یا غلط فہمی کی تصحیح و توجیہ شروع کر دیتے ہیں۔ ایک صاحب جن کا نام محمد بن علی المذکر تھا، غالباً وعظ گوئی کا پیشہ کرتے تھے، ایک حدیث پڑھی :

"قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَرْعُنَا تَزْدَادُ حِنَّا۔"

لوگ حیران ہوئے کہ مطلب کیا ہوا؟ الحاکم نے لکھا ہے کہ تب محدث صاحب نے "فقص قصۃً طویلۃ" یعنی ایک طویل قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ کسی علاقے کے لوگ تھے اپنی زرعی پیداواروں کا عشر اور صدقہ ادا نہیں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرتے ہوئے پہنچے کہ ہم لوگوں نے کھیتی کی لیکن سب کی سب "حنا" یعنی "مہندی" کا درخت بن گئی، اسی قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا نقل کیا ہے۔ سیوطی نے تدریب[۱۹۶] میں لکھا ہے کہ یہ دراصل مشہور حدیث :

زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ ناغہ کر کر کے ملاقات کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے

کی خرابی تھی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی غلطیاں ان ہی لوگوں سے صادر ہوئی ہیں یا آئندہ صادر ہو سکتی ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن المبارک نے فرمایا ہے کہ

لَمْ یَکُنِ الْحَدِیْثُ یَشْغَلُھُمْ حدیث کا فن ان کا پیشہ نہ تھا۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۴۹)

لیکن بعض دفعہ تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جو فن کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے مثلاً مصر کے قاضی ابن لہیعہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور حدیث :

اِحْتَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی وغیرہ سے مسجد میں ایک جگہ گھیر لی تھی ابن لہیعہ نے بجائے اِحْتَجَرَ کے اس کو اِحْتَجَمَ پڑھا یعنی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا۔ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ :

اَخَذَہٗ مِنْ کِتَابٍ بِغَیْرِ سَمَاعٍ۔ ابن لہیعہ نے (استاذ سے سنے بغیر اس حدیث کو کتاب میں دیکھ کر) روایت کرنا شروع کیا تھا۔

(مقدمہ ص ۱۱۴)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث مکتوبہ شکل میں ابن لہیعہ کے سامنے پیش ہوئی لیکن زبانی استاذ سے حدیث کے الفاظ ابن لہیعہ نے چونکہ نہیں سنے تھے اس لیے کتابت ان کو غلطی سے نہ بچا سکی، اور اس کی ایک نہیں بیسیوں مثالیں محدثین نے جمع کی ہیں۔

لہ عورت کی شرمگاہ ۱۲

بعض لوگوں نے اسی قسم کی غلطیوں کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام مسلم کی کتاب التمییز اور دارقطنی و ابواحمد عسکری کی کتابوں کا لوگوں نے خاص طور پر تذکرہ کیا ہے۔ ایک پر لطف قصہ اسی سلسلہ کا یہ بھی ہے کہ ایک محدث صاحب نے عام مجمع میں حدیث بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْنَ یُشَقِّقُوْنَ الْخَطَبَ۔ دراصل الحطب جس کے معنی لکڑی ہیں اس کی جگہ حدیث میں "اَلْخُطَبَ" کا لفظ تھا، درحقیقت تقریر اور وعظ میں لفاظی سے کام لینے والوں کو خدا کی نگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردود ٹھہرایا تھا لیکن محدث صاحب نے گویا یہ پڑھا کہ لکڑی چیرنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ لکھا ہے کہ وعظ سننے والوں میں ملاحوں کا بھی ایک گروہ تھا ان میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے اور بولے کہ:

فَکَیْفَ نَعْمَلُ وَالْحَاجَۃُ مَاسَّۃٌ — آخر ہم لوگ کیا کریں؟ ضرورت تو لکڑی چیرنے کی بہرحال ہوتی ہے۔

(تدریب ص ۱۱۵)

یعنی بے چاروں کا روزگار ہی کشتی چلانے پر موقوف تھا اور کشتی ظاہر ہے کہ لکڑی چیرے بغیر کیسے بن سکتی ہے۔ لوگوں نے یہ نہیں لکھا کہ پھر محدث بیچارے نے اس کا کیا جواب دیا۔ تعجب ہے کہ ابن صلاح نے اس قصہ کو ابن شاہین جیسے آدمی کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ بیچارے کیا، اس قسم کی غلطیوں کا تجربہ اکثروں کو کرنا پڑتا ہے، امام احمد بن حنبل کا قول سیوطی نے نقل کیا ہے کہ

وَمَنْ یَّعْرِیْ عَنِ الْخَطَاءِ وَالتَّصْحِیْفِ۔ — عام غلطی یا غلط خوانی سے کون محفوظ رہ سکتا ہے۔

(تدریب ص ۱۹۶)

اسی لیے میری غرض ان تصحیفی غلطیوں کے ذکر سے خود ان غلطیوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان حضرات سے میرا خطاب ہے جنھوں نے اس زمانے میں حفظ اور یادداشت کی تحقیر کرتے ہوئے "کتابت" "کتابت" کا اتنا ہنگامہ مچا رکھا ہے کہ میں نے جیسا کہ عرض کیا ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب ہو جانے کے بعد پھر شکوک و شبہات کی گویا گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔ حالانکہ دونوں باتیں غلط ہیں اور صحیح بات وہی ہے کہ چیزوں کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں، کام لیتے ہوئے جن احتیاطوں کی ضرورت ہے اگر ان کی پابندی کی جائے گی تو دونوں ہی ذرائع قابل اعتماد ہیں اور ان احتیاطوں سے جب لاپروائی برتی جائے گی تو شک و شبہ کی گنجائش دونوں میں پیدا ہو سکتی ہے، محدثین اس کو خوب سمجھتے تھے کہ محض کسی چیز کا قید کتابت میں آجانا اس کو قابل اعتماد بنا دینے کے لیے قطعاً کافی نہیں ہے لکھنے کے بعد اسی لئے ہمیشہ اپنے شاگردوں کو شدید تاکید کیا کرتے تھے کہ اصل صحیح نسخے سے اس کو ملا لیا کریں، اس سلسلہ میں ان کے شدید تاکیدی الفاظ کتابوں میں منقول ہیں، پچھلے زمانے ہی میں نہیں بلکہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عروۃ بن الزبیر رض نے اپنے لڑکے ہشام بن عروہ رض سے پوچھا کہ جو حدیثیں میں نے بیان کیں تم نے ان کو لکھ لیا؟ ہشام کہتے کہ جی ہاں لکھ لیا۔ عروہ نے کہا اس کا اصل سے مقابلہ بھی کر لیا؟ ہشام نے کہا جی نہیں۔ یہ سن کر عروہ نے کہا کہ:

لَمْ تَكْتُبْ (الکفایہ ص ۲۳۷) تم نے پھر گویا لکھا ہی نہیں۔

قریب قریب اسی کے دوسرے محدثین سے الفاظ اس باب میں منقول ہیں اور یحییٰ بن ابی کثیر تو عموماً اپنے تلامذہ سے فرماتے کہ:

مَنْ كَتَبَ وَلَمْ يُعَارِضْ كَمَنْ دَخَلَ الْخَلَاءَ وَلَمْ يَسْتَنْجِ (کفایہ ص ۲۳۷)

جس نے لکھا، لیکن اصل سے اس کا مقابلہ نہ کیا تو اس کی حالت اس شخص کے مانند ہے جو بیت الخلاء گیا اور استنجا کئے بغیر نکل آیا۔

کتابتِ حدیث کی روایات و دلائل

یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے کہ حدیثوں کو مضمحل کرنے کے لئے تو اس زمانے کے بے باکوں کا طبقہ انتہائی فراخ دلی سے کام لیتا ہے، کمزور سی کمزور روایت سے ان کا کام چلتا ہو تو اس کے پیش کرنے سے وہ نہیں چوکتا اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ روایتوں کے متعلق بے اعتباری پھیلانے کے لیے لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان کی پیش کردہ روایتوں پر جو بہر حال روایتیں ہی ہیں ان پر اعتماد کیا جائے اس غیر منطق طرزِ عمل کی وہی بتائیں کہ کیا توجیہ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ دیانت و امانت کا اقتضا تو یہ تھا کہ جب روایتوں ہی سے کام لیا جا رہا ہے تو ساری روایتوں کو پیش نظر رکھ کر نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی آخر یہ بھی کوئی صحیح تحقیق و تلاش کا طریقہ ہوا کہ پہلے ایک نصب العین طے کر لیا جاتا ہے اور اس کے بعد روایتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس مفروضہ نصب العین کی تائید جن روایتوں سے ہوتی ہو ان کو تو اچھال اچھال کر آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے اور جن سے اس طے شدہ نصب العین پر زد پڑتی ہو ان سے گزرنے والے آنکھیں میچ میچ کر گزر جاتے ہیں آخر اسی قصہ میں دیکھئے حدیثوں کے لکھنے کی پیغمبر نے ممانعت کر دی تھی۔ اس کا ذکر تو بڑے زور شور سے کیا جاتا ہے لیکن جن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر ہی نے حدیثوں کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ان کے ذکر سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے حالانکہ سنداً دونوں قسم کی روایتوں میں کسی قسم کا کوئی تفاوت نہیں ہے بلکہ اگر اسناد کا صحیح علم ان مسکینوں کو ہوتا تو شاید وہ اجازت والی روایتوں کو ممانعت کی روایتوں سے زیادہ قوی پا سکتے تھے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پہلے اجازت دی گئی اور بعد کو ممانعت کی گئی کیوں کہ اجازت کی روایتوں میں بعض روایتوں کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے، یعنی آخری حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس میں جو خطبہ ارشاد ہوا گزر چکا کہ ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ

ابو شاہ کے لئے خطبہ کو لکھ دو

بہر حال ساری روایتوں کے جمع کرنے سے واقعہ کی صحیح شکل میرے سامنے تو یہی آتی ہے کہ ابتداً میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لکھنا شروع کیا، اور لکھنے میں اتنے مبالغہ سے کام لینا شروع کیا کہ جو کچھ سنتے تھے سب ہی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اس وقت جب ان کا شمار اصغر القوم میں تھا یعنی صحابیوں میں سب سے چھوٹے تھے انہوں نے صحابیوں کو اسی حال میں پایا تھا جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس کی اگر خبر نہ لی جاتی

ان روایتوں میں عمومیت اور استفاضہ کا رنگ پیدا کرنا مقصود نہ تھا ان میں یقیناً یہی غیر مطلوبہ کیفیت پیدا ہو جاتی۔ فرمایا جس کا یہ تھا کہ آئندہ دین کے ان دونوں سرچشموں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا جن میں چاہا جاتا تھا اور یہی چاہیے بھی تھا کہ فرق باقی رہے، اسی لیے فرمایا گیا کہ اَکِتَابٌ مَعَ کِتَابِ اللّٰہِ یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک اور کتاب کو بھی کیا وہی اہمیت دینا چاہتے ہو؟ عام صحابہ ان نتائج کا اندازہ نہ کر سکتے تھے جن پر نبوت ہی کی نظر پہنچ سکتی تھی۔ اس کے بعد مَنْ کَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُہٗ (جس نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہے اس کو محو کر دے یعنی مٹا دے) کا اعلان کیا گیا اور اگر وہ روایت صحیح ہے کہ صحابہ نے اپنے مکتوبہ مجموعوں کو ایک میدان میں جمع کر کے سب کو نذر آتش کر دیا تو سمجھا جائے گا کہ اسی محو کرنے کے حکم کی یہ تعمیلی شکل تھی اور اس تدبیر سے اس خطرے کا ازالہ ہو گیا جو عہد نبوت میں حدیثوں کی مختلف کتابوں اور مجموعوں کے تیار ہونے سے پیدا ہو سکتا تھا اور یوں عمومی طور پر حدیثوں کے لکھنے کا رواج صحابہ میں جو پھیل گیا تھا وہ مسدود ہو گیا۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت کے اس عام اعلان سے اس خطرے کا تو دروازہ بند ہو گیا مگر احساسات کے جن نازک تاثرات کا تجربہ آدمی کی فطرت کے متعلق ہوتا رہتا ہے پھر وہی تجربہ سامنے آیا۔ گویا خطرے کے ازالہ کی اسی شکل نے ایک دوسرے خطرے کے سوراخ کو پیدا کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہی عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے بیان کیا تھا کہ ان صحابیوں نے جن میں سب سے میں چھوٹا اور کم سن تھا انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے بھائی کے بچے! ہم جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے ہیں وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔" میں نے عرض کیا تھا کہ یہی صورت حال اس زمانہ میں پیدا ہو گئی تھی جس کا انسداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی ممانعت سے فرمانا چاہا تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اپنے بڑوں سے جہاں یہ معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لوگ لکھا کرتے ہیں، وہیں کم عمری اور کم سنی کی وجہ سے وہ ممانعت کے حکم سے واقف نہ ہو سکے کیونکہ جہاں تک قرائن و قیاسات سے معلوم ہوتا ہے مدینہ منورہ میں ممانعت کے حکم کا اعلان جس وقت کیا گیا تھا عبداللہ ابن عمرو اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ ہجرت کے وقت بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین ہی سال کے تھے لیکن مان لیجئے کہ وہی روایت صحیح ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے جس سال مدینہ تشریف لائے ہیں عبداللہ کی عمر سات سال کی تھی، ہجرت کے کچھ ہی دن بعد یہ اپنے والد عمرو بن عاص سے پہلے ہی مدینہ منورہ آکر مسلمان ہو گئے تھے شاید اس وقت یہ آٹھ نو سال کے ہوں گے اس عمر کے بچوں کا ایسے اعلانوں سے ناواقف رہ جانا کچھ تعجب نہیں ہے، یا مان لیجئے کہ ان کو بھی کتابت حدیث کی ممانعت کا علم ہو چکا تھا۔ مگر انہوں نے خود سمجھ لیا، یا جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے پر ان کو معلوم ہوا کہ ممانعت کا تعلق عمومی رواج سے ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ بالکلیہ قطعی طور پر حدیثوں کا لکھنا گناہ ٹھہرا دیا گیا ہے۔ کچھ بھی ہوا ہو، ہوا یہ کہ جب عبداللہ سن رشد کو پہنچے اور نو عمری میں مدینہ منورہ آجانے کی وجہ سے ان کو نوشت و خواند میں مہارت حاصل کرنے کا کافی موقعہ مل گیا، کیونکہ یہی وہ

زمانہ تھا جس میں مسلمان بچوں کی نوشت وخواند کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ تھی۔ قیدیوں تک کا فدیہ یہ مقرر کر دیا تھا کہ مدینہ کے دس بچوں کو جو لکھنا سکھا دے گا، آزاد کر دیا جائے گا۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے صرف یہی نہیں کہ عربی خط میں کمال پیدا کیا بلکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سریانی اور عبرانی زبان اور ان زبانوں کے خطوط کے سیکھ لینے کا جو موقعہ میسر آگیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ایک سے زائد آدمیوں سے ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو سریانی زبان جانتے تھے اور اس زبان کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ان کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے یعنی انہوں نے دیکھا کہ میرے ایک ہاتھ میں شہد ہے اور دوسرے میں گھی ہے کبھی میں اس ہاتھ کو چاٹتا ہوں اور کبھی اس کو۔ اس خواب کا وہی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو تعبیر بتاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تَقْرَاُ الْكِتَابَيْنِ التَّوْرَاةَ وَالْقُرْآنَ — تم دونوں کتابیں یعنی تورات و قرآن کو پڑھوگے۔

(ج ۱۳ ص ۱۱۲)

راوی نے اس کے بعد بیان کیا ہے کہ وَكَانَ يَقْرَأُهُمَا (یعنی یہ واقعہ بھی تھا کہ عبداللہ دونوں کتابیں پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تورات وغیرہ کے پڑھنے کی صلاحیت وہ اپنے اندر پیدا کر چکے تھے[1]

---

[1] بعضوں کا خیال ہے کہ عہد فاروقی کے فتوحات کے بعد شام و مصر پہنچنے کے بعد عبداللہ بن عمروؓ نے سریانی و عبرانی زبانیں سیکھی تھیں، لیکن میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ مدینہ منورہ ہی میں ان چیزوں کا سیکھ لینا کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے آخر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے بیت المدارس میں ان کے خط اور زبان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے کیا نہیں سیکھا تھا؟ پھر حضرت عبداللہ کے لیے کیا چیز مانع ہوسکتی تھی، باقی توراۃ و قرآن دونوں کا پڑھنا یہ بھی ان کے ساتھ مختص نہیں ہے حضرت عبداللہ بن سلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک دن تورات اور ایک دن قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے (دیکھو ذہبی تذکرۃ الحفاظ) طبقات ابن سعد میں ابوالجلد الجونی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن اور چھ دن میں تورات کو ختم کرنے کا قاعدہ انہوں نے مقرر کر لیا تھا اور لوگوں کو ختم کے دن جمع کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ اس دن رحمت نازل ہوتی ہے، ابن سعد ج، قسم ا ص ۱۶۲۔ باقی طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کے متعلق جو یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ تورات کا ایک مجموعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے اور عرض کرنے لگے کہ بنی زریق میں مجھے اپنے ایک بھائی سے یہ مجموعہ ملا ہے کہتے ہیں کہ اس حال کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غضبناک ہوگیا، حضرت عمرؓ کو جب اس کا احساس ہوا تو معافی مانگنے لگے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ رہتے تو بجز میری پیروی کے ان کے لیے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ جمع الفوائد میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو عامر قاسم بن محمد الاسدی ایک شخص ہے دراصل یہ مجہول راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے نیز یہ ممکن ہے اس یہودی کو بھائی قرار دینے پر عتاب کیا گیا ہو نیز اور بھی اسباب اس کے ہوسکتے ہیں بہرحال یہ جانتے ہوئے کہ تورات کا نسخہ بہت کچھ محرف ہوچکا ہے پھر قرآن پڑھنے والے کو اسی محرف تورات کی تلاوت کی جو اجازت دی گئی تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ محرف تورات کا مصحح تو اس کے پاس موجود ہی تھا یعنی قرآن اور قرآن کو مصحح بنا کر جو بھی تورات کو پڑھے گا کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ گمراہی میں مبتلا ہو بلکہ کچھ فائدہ ہی حاصل کرے گا ۱۲

ان کے ساتھ جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے کہ نوجوانی کے زمانہ میں تدین، عبادات و مجاہدہ کا جوش ان کا تنا بڑھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتے پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فہمائش کرنی پڑی لیکن آپ کے سمجھانے کے باوجود وہ یہی کہتے جاتے تھے کہ جی نہیں میں اس سے زیادہ برداشت کرسکتا ہوں بعض روایتوں میں ان ہی سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ

فَمَا زِلْتُ أُنَاقِصُهُ وَيُنَاقِصُنِي ۔ (ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۱۰)

یعنی مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلسل ردّ وکد ہوتی رہی (آنحضرت نرمی پر اصرار کرتے تھے اور یہ اپنے اوپر زیادہ بار ڈالنا چاہتے تھے)

اگرچہ آخر عمر میں پچھتانے تھے اور کہتے تھے کہ بڑھاپے میں اب پتہ چلا کہ میرے لیے کیا اچھا ہوتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے کو مان لیتا، خیر یہ تو تمہیدی قصہ تھا، اب اصل واقعہ کو سنئے ۔

اصل واقعہ تو صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو یہ لکھا کرتے تھے ان کے اس لکھنے کا ذکر بخاری میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے کیا گیا ہے جس کا تذکرہ گزر چکا ہے یعنی ابوہریرہ کہا کرتے تھے۔

كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ

(عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی) لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا ۔

مگر پیش نظر اس وقت صرف ان کے لکھنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اسی قصہ سے ایک اور بات جو معلوم ہوتی ہے زیادہ تر میں لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ان کے لکھنے کے اس قصے کا ذکر علاوہ بخاری کے مختلف کتابوں میں خود ان کے حوالے سے بھی اور دوسروں کے حوالے سے پایا جاتا ہے اس وقت آپ کے سامنے ان تمام روایتوں میں سے سنن ابوداؤد جو ظاہر ہے صحاح میں شمار ہوتی ہے اور ابن سعد یا جامع ابن عبدالبر وغیرہ کی روایتوں پر اس روایت کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے ۔ بہرحال ابوداؤد کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ خود عبداللہ بن عمرو بیان کرتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنا کرتا تھا اسے لکھتا جاتا تھا، کہتے ہیں میرے اس طرزِ عمل کی خبر جب قریش کو ہوئی، بظاہر اس لفظ سے اشارہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی طرف کیا، کیونکہ وہ خود قریشی تھے، یہ پتہ نہ چلا کہ یہ کون صاحب تھے، کوئی بھی ہوں لیکن تھے قریشی، عبداللہ کہتے ہیں کہ جب ان کو اس کی خبر ہوئی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات کو لکھ لیا کرتا ہوں تو انہوں نے مجھے منع کیا پس ان ہی الفاظ کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ منع کرتے ہوئے ان ہی صاحب نے مجھ سے کہا کہ :

تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ ۔

تم ہر چیز کو (جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو) لکھ لیا کرتے ہو، رسول اللہ آدمی ہیں آپ غصہ کی حالت میں بھی بولتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی ۔

گو حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث اور اس حدیث کے الفاظ عام طور پر مشہور ہیں، عموماً لوگ سنتے پڑھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ ذرا ٹھہرنے اور سوچنے کا مقام تھا ۔

پہلا سوال تو یہی ہوتا ہے کہ جن قریشی صاحب نے عبداللہ کو ٹوکا تھا اگر حضرت عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کرنے کے بعد لکھ رہے تھے تو ان کے ٹوکنے پر بآسانی جواب دے سکتے تھے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے بجائے اس کے ان کا خاموش ہو جانا، بلکہ آگے جو الفاظ ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ فامسکت (یعنی ٹوکنے پر عبداللہ کہتے ہیں کہ میں لکھنے سے رک گیا) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا حالانکہ اگر پہلے سے اجازت یافتہ ہوتے تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کسی وجہ کتابتِ حدیث کی ممانعت کی خبر نہ پہنچ سکی تھی۔ اب اس میں ان کی کمسنی کو دخل ہو یا کوئی اور وجہ ہو، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کمسنی کے زمانہ میں جب وہ اصغر القوم تھے، اپنے سے بڑی عمر والے صحابیوں سے ان کو یہ خبر ملی تھی کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لوگ سنتے ہیں اُسے لکھ لیتے ہیں۔ خود اسی خیال میں رہے بلکہ ان کی طبیعت کا جو انداز تھا خصوصاً عنفوانِ شباب میں دین کا نشہ ان پر جو چڑھ گیا تھا جو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اتارنے سے بھی جو نہیں اترتا تھا[1] میں جب اس کو سوچتا ہوں تو خیال گزرتا ہے کہ ان کے لکھنے پڑھنے کے جوش میں بھی کہیں اس خبر کو دخل نہ ہو، جو اپنے بڑوں سے انہوں نے سنی تھی، یعنی ان کو یہی خیال آیا ہو کہ جب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں لکھا کرتے ہیں تو میں بھی کیوں لکھنا سیکھ کر اس سعادت کا حصہ دار نہ بن جاؤں۔ بلکہ اسی روایت کے بعض طریقوں میں یہ لفظ بھی بڑھا ہوا جو ملتا ہے یعنی عبداللہ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اس لیے لکھا کرتا تھا تاکہ ان کو زبانی یاد کر دوں یعنی کہتے تھے کہ "ادید حفظہ" (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲) اس سے ان کی بلند ہمتی اور شدتِ ذوق و شوق کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ ان بزرگوں میں یہ کسی نے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ جو کچھ لکھتے ہیں اسے زبانی یاد کرتے ہیں، کچھ بھی ہو ان ہی وجوہ کی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ بعض روایتوں میں اس قصہ کے بغیر صرف اتنا جو کہا گیا ہے کہ عبداللہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کے لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور رضاؤ غضب ہر حال کی گفتگو کے قلمبند کرنے کی مجھے اجازت تھی، وہ دراصل ان کی پوری گفتگو کا اختصار ہے

---

[1] عام کتابوں میں تو صرف اسی قدر ہے کہ رات کی شب بیداری، دن کے روزوں اور تلاوت قرآن ہی کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہتے تھے کہ اتنا زیادہ بار اپنے اوپر نہ ڈالا کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے لیکن وہ یہی کہتے جاتے کہ یا رسولؐ میری جوانی کا زمانہ ہے شباب کی قوت ہے میں سب برداشت کر لوں گا۔ لیکن بعض روایتوں میں خصوصاً مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ مدینہ پہنچ کر جب یہ جوان ہوئے تو ان کے والد عمرو بن عاص نے ایک اونچے گھرانے کی خاتون جو قریش خاندان کی تھیں ان سے نکاح کر دیا۔ تین چار دن بعد عمرو بن عاص ان کے والد دلہن کے کمرے میں گئے پوچھا کہ اپنے دولھے کو تم نے کیسا پایا۔ ممکن ہے عمرو بن عاص کو بیٹے کے طرزِ عمل سے شبہ ہوا ہو اسی لیے خود دلہن سے جا کر پوچھا بے چاری نے کہا کہ بڑے اچھے شوہر ہیں۔ آج تک اس کی خبر نہ لی کہ میں کہاں رہتی ہوں اور کس بستر پر سوتی ہوں۔ عمرو بن عاص کو بھی بیٹے سے یہی توقع تھی۔ باہر نکل کر جتنا کوئی باپ کسی جوان بیٹے کو کہہ سکتا ہے سب کچھ کہہ ڈالا لیکن دیکھا کہ یوں یہ لڑکا نہ مانے گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا حال عمرو بن عاص نے پہنچایا۔ آپ نے بلا کر ان کو سمجھانا شروع کیا۔

...یوں نے کر لیا ہے اور ایسا روایتوں میں بکثرت ہوتا ہے، خیر یہ سوال تو چنداں اہم نہ تھا۔ دوسرا سوال جو بہت زیادہ مستحقِ توجہ اور محلِ غور ہے، وہ ان کے بیان کا یہ حصہ ہے یعنی قریش کے بزرگ نے کتابتِ حدیث سے منع کرتے ہوئے آگے جو یہ الفاظ بڑھائے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ہیں آپ غصہ کی حالت میں بھی بولتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی بولتے ہیں۔"

ان الفاظ سے بزرگ قریش کی غرض کیا تھی؟

حکمِ تحریرِ حدیث اور عصمتِ نبوی

پس عام حدیثوں کی کتابت ہو یا روایت، ان کے متعلق تحدیدی روایتوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان کے مطالبوں کی گرفت میں اتنی سختی نہ پیدا ہو، جو صرف ان ہی مطالبوں کی خصوصیت ہو سکتی ہے جن کا انتساب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر قسم کے شکوک و شبہات سے قطعاً پاک ہے۔ لیکن سمجھنے والوں نے ان روایتوں سے یہ سمجھ لیا کہ خدا کی کتاب کے سوا ان ساری چیزوں کا مسترد کرنا مقصود ہے جو پیغمبر کی طرف منسوب ہیں اور جب عہدِ نبوت میں بعضوں کو یہ غلط فہمی لگ گئی کہ رضا کے حال کی چیزیں تو صحیح ہیں لیکن غصہ کے وقت کی جو باتیں پیغمبر کے منہ سے نکلتی ہیں ان کا غلطیوں سے پاک ہونا ضروری نہیں اور اپنے اسی غلط خیال میں مبتلا ہونے کے ساتھ یہ بھی چاہا کہ دوسروں کو بھی اسی غلط خیال میں مبتلا کر دیں یعنی عبداللہ بن عمرو کو یہی سمجھاتے ہوئے حدیث کے لکھنے سے منع کر دیا۔ حضرت عبداللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ قریش کی بزرگی اور اپنی خوردی کا خیال کر کے اس وقت تو قلم ہاتھ سے انہوں نے رکھ دیا لیکن اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کا اظہار کیا۔ کتنی شدید بنیادی غلطی میں ٹوکنے والے یہ صحابی مبتلا تھے۔ ہم کو اور آپ کو اس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، لیکن جو دنیا کے اغلاط ہی کی تصحیح کے لیے بھیجا گیا تھا، صلوات اللہ علیہ وسلامہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سننے کے ساتھ ہی آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا جس کی زندگی کا ایک ایک پہلو رہتی دنیا تک پیدا ہونے والے انسانوں مردوں اور عورتوں سب ہی کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے، اگر اس کی زندگی کے کسی پہلو میں ایک غلطی بھی رہ جائے گی تو وہ ایک غلطی نہ ہو گی۔ کروڑہا کروڑ بے شمار انسانوں کی غلطی بن جائے گی۔ ان صحابی صاحب کو اس کا اندازہ نہ ہوا۔

"لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" تمہارے لئے رسول اللہ میں بہت اچھا نمونہ ہے

کا اعلان جس ذاتِ گرامی کے متعلق قرآن میں کیا گیا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ قدرت اس کی زندگی کے کسی پہلو میں کسی غلطی کو باقی رکھ سکتی ہے[1]۔ اسی لیے تو یہ طے شدہ فیصلہ سلف سے لے کر خلف تک کا ہے کہ پیغمبر کی ذات معصوم ہوتی ہے۔

---

[1] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز بانی دارالعلوم دیوبند نے اس کی کتنی اچھی مثال دی ہے کہ سلوانے والا، درزی سے مثلاً قمیص سلوانا چاہتا ہے، نمونہ کے لئے تمام قمیصوں میں جو بہتر قمیص ہوتی ہے۔ اس کو درزی کے حوالے کر کے ہدایت کرتا ہے کہ بس اسی نمونے پر ساری قمیصوں کو تراش کر کے سی دو۔ اب اگر فرض کیجیے کہ نمونے ہی کی اس قمیص میں کوئی سُقم یا خرابی ہو گی تو اس کا مطلب یہی

بہرحال حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ سمع مبارک میں جس وقت میرے الفاظ پہنچے اور معلوم ہوا کہ کتابت حدیث سے روکتے ہوئے ایسی بات مجھ سے کہی گئی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ پیغمبرؐ غصہ میں جو کچھ بولتے یا کرتے ہیں ان کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے ، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں اٹھیں جن کا رُخ دہن مبارک کی طرف تھا۔ عبداللہ بن عمرو کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ :

فَاَوْمَأَ بِاِصْبَعِهٖ اِلٰى فِيْهِ — پس اشارہ کیا اپنی انگلی سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے دہن مبارک کی طرف۔

اور وہی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کی طرف سے اس خطرے کے انسداد کے لئے کہ عام حدیثوں کے مطالبہ کی قوت قرآنی مطالبہ کی قوت کے برابر نہ ہو جائے چند دن پہلے یہ منادی کرائی گئی تھی کہ قرآن کے سوا جس کسی نے مجھ سے (یعنی میری طرف منسوب کر کے) جو کچھ لکھا ہے چاہیے کہ اسے محو کر دے ، اسی پیغمبر کو دیکھا جا رہا ہے کہ ایک دوسرے خطرے کے انسداد کے لئے عبداللہ بن عمرو کو فرما رہے ہیں -

اُكْتُبْ — تم (قرآن کے سوا بھی میری باتیں) لکھا کرو۔

اور جس خطرے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اور اندیشہ کیا بلکہ مبتلا ہونے والے اس خطرے میں کلی طور پر نہیں تو کم از کم غصہ کی حالت کی باتوں کے متعلق اس غلط فہمی کے شکار ہو چکے تھے کہ ان کا غلطیوں سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے ، اس خطرے کا ازالہ کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے اور کتنے تاکیدی الفاظ میں ارشاد ہو رہا ہے ، پہلے قسم کھائی جاتی ہے یعنی فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ کا (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) فرماتے ہوئے اصل غلطی کا ازالہ ان الفاظ میں فرمایا جاتا ہے یعنی دہن مبارک کی طرف انگلیاں اٹھی ہوئی ہیں اور کہا جا رہا ہے :

لَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ (ابوداؤد وغیرہ) — نہیں نکلتا ہے اس سے (یعنی دہن مبارک سے) مگر صرف سچی بات

نبوت کے جو مذاق شناس نہ تھے ان کو پہلے حکم میں جس کی عام منادی کی گئی تھی یعنی حدیثوں کی کتابت کی ممانعت والے حکم میں ، اور آج جو عبداللہ بن عمرو کو اُكْتُبْ (لکھا کرو) کے لفظ سے ان ہی حدیثوں کے لکھنے کی جو اجازت مرحمت فرمائی جا رہی ہے دونوں میں وہی منفی و مثبت حکم والا تضاد نظر آیا حالانکہ بات بالکل واضح تھی ۔ ممانعت کے جس حکم کی منادی کی گئی تھی اس کا بالکلیہ رُخ حدیث نبوی کی عام کتابت کے رواج کے انسداد کی طرف تھا اور لکھنے والوں نے ایک میدان میں جمع ہو کر سب کو آگ میں جو جھونک دیا تھا اس سے اسی رواج کے دروازے پر قفل چڑھ چکا تھا اور بجائے عمومی اجازت کے ایک خاص آدمی کو رضا و غضب ہر حال کی باتوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ آئندہ) ہو گا کہ ساری قمیصیں جو اس نمونے پر تراشی جائیں گی خراب ہو کر رہ جائیں گی پیغمبر کو بھی خدا نمونہ بنا کر پیدا کرتا ہے۔ بندوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی اپنی زندگیوں کو اسی نمونے پر ڈھالتے چلے جائیں جو جس قدر اس نمونے سے قریب تر ہو گا خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ پسندیدہ قرار پائے گا۔ پھر کیا یہ غیر ممکن ہے کہ غیر محدود طاقت و قدرت رکھتے ہوئے خدا کسی ایسے نمونے کو پیدا نہیں کر سکتا جس میں غلطی کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ ۱۲

...کے لکھنے کی جو اجازت دی گئی تھی اس سے اس خطرناک غلطی پر زد لگانی بہ نظر تھی جو کتابت حدیث کی ممانعت کے عام حکم کی وجہ سے بعض دلوں میں پیدا ہو گئی تھی یعنی باور کر لیا گیا تھا کہ بشر ہونے کی وجہ سے نبی کی ہر گفتگو کا درنہ کم از کم غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ بولتے ہیں اس کا خطاؤں سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے۔ ممانعت کے حکم سے بھی آئندہ پیدا ہونے والی غلطی کا انسداد ہی مقصود تھا اور اب اجازت جو دی گئی اس کی غرض بھی اسی غلطی کا ازالہ تھا جس کے پیدا ہونے کا صرف اندیشہ ہی آئندہ زمانہ میں نہ تھا بلکہ عبداللہ بن عمرو کی رپورٹ سے تو آپ کو یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا بھی ہو چکے ہیں، اس کے سوا کہ رضا و غضب دونوں حال کی گفتگو کے لکھنے کی اجازت ان کو دے دی جائے۔ خود ہی سوچا جائے کہ اس غلطی کے ازالہ کی عملی شکل اور کیا ہو سکتی تھی، چونکہ ایک واحد شخص کو انفرادی طور پر لکھنے کی یہ اجازت دی گئی تھی اس لئے اس سے اس کا اندیشہ بھی نہ تھا کہ ان مکتوبہ حدیثوں میں وہی عمومی رنگ پیدا ہو جائے گا، جسے آپ صرف ان چیزوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے جن کا ہر مسلمان تک پہنچانا فرائضِ رسالت میں داخل تھا۔

یہ تھی پیغمبرانہ تدبیروں کی وہ داستان جن کی بدولت تیرہ سو سال سے یہ عجیب و غریب صورت مسلمانوں میں قائم ہے کہ ان میں ایسا کوئی نہیں ہے جو احاد یا خبر الواحد یا خبر الخاصہ عن الخاصہ کی راہوں سے منتقل ہونے والی نبوی حدیثوں کے متعلق اور ان سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج کے متعلق یہ خیال رکھتا ہو کہ گرفت اور مطالبہ میں ان کی قوت قرآنی مطالبوں اور دین کے ان مطالبوں کی قوت کے مساوی ہے جو قرآن ہی کی طرح نسلاً بعد نسلٍ جیلاً بعد جیلٍ عمومیت کی راہوں سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں، اس سلسلہ میں علمائے مذہب کے جو فیصلے ہیں ان کا ذکر کر چکا ہوں مگر اس کے ساتھ ہر زمانہ میں ان بلند نظروں، عالی حوصلہ رکھنے والوں کے لیے بھی ہمیشہ اس کی راہ کھلی رہی اور اس وقت تک کھلی ہوئی ہے، انشاء اللہ قیامت تک کھلی رہے گی جو چاہتے ہیں کہ ممکنہ حد تک پیغمبر کی زندگی اور اس زندگی کے نمونوں کے مطابق جینے کا اگر موقعہ ملے تو اس میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے[1]

یہی "کج دار و مریز" ہی کی تو پیغمبرانہ حکمتِ عملی تھی اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، آپ کے خلفاء برحق نے بھی اسی حکمت کی نگہداشت میں پورا زور صرف کر دیا اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ان شاہبازوں کی بلند پروازیوں کے لیے جہاں تک وہ پہنچ سکتے تھے کہیں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (خدا تم کو اپنا محبوب بنا لے گا) کا اعلان قرآن میں ہر اس شخص کے لیے کر دیا گیا تھا جو پیغمبر کے نقشِ قدم پر قدم رکھتا ہوا جہاں تک بڑھ سکتا ہو، بڑھتا چلا جائے پھر بڑھنے والے بڑھتے چلے گئے اور جن حدیثوں کا ہر شخص تک پہنچانا مقصود نہ تھا، ان کی روشنی ان لوگوں تک پہنچتی رہی جو دین کے اسی نفلی[2] حصہ سے اس مقام تک پہنچتے رہے جس کے متعلق یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ پہنچنے کے بعد جو بندہ اور مخلوق ہے وہ عروج اور ارتقاء کی اس کیفیت کو پاتا ہے جس کی تعبیر

---

[1] حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ عمر بھر خربزہ آپ نے اس لئے نہیں کھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اس کو کھاتے تھے اس کی ان کو تحقیق نہ ہو سکی۔ ۱۲

[2] میرا اشارہ اس مشہور روایت کی طرف ہے جس میں آیا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ "بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے تا آنکہ میں اس بندے کو چاہنے لگتا ہوں"۔ اسی کے بعد اس حدیثِ قدسی میں وہ بشارت سنائی گئی ہے جسے میں نے بجنسہ عربی الفاظ میں درج کر دیا ہے۔ ۱۲

خالق ہی کے الفاظ میں یہ سنائی گئی ہے کہ

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔ (صحاح بخاری وغیرہ)

میں اس بندے کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ "طبیعت ہی جن کی ادھر نہیں آتی" یہ خیر بجائے خود ان غریبوں کی مستقل بدبختی ہے مگر سوچئے تو سہی کہ ان حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ میں عمومیت کی کیفیت پیدا کر کے اگر ان کے مطالبوں کو بھی ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک کر کے اسی طرح قطعی اور یقینی بن جانے کا موقعہ دے دیا جاتا، جیسے دین ہی کے ایک شعبہ میں اسی رنگ کو پیدا کیا گیا ہے تو ع

"پر طبیعت ادھر نہیں آتی"

کی معذرت کو معصیت بلکہ تمرد و بغاوت بن جانے سے کون روک سکتا تھا، آج تو ان کی یہ معذرت اسی لئے معذرت ہے کہ جن چیزوں کی طرف ان کی طبیعت نہیں جاتی، ان کے مطالبہ میں اتنی قوت ہی نہیں ہے جو معذرت کو معصیت اور بغاوت بنا دیتی ہے اور کیا اس طول کلامی کے بعد بھی مزید ضرورت اس کی باقی رہ گئی ہے کہ میں لوگوں کو پھر یہ سمجھاؤں کہ یہ سارا کرشمہ اسی "کج دار و مریز" کی حکمتِ عملی اور ان نازک تدبیروں کا نتیجہ ہے جن کے حدود کی پوری پوری نگرانی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشینوں نے فرمائی۔

بہر حال عبد اللہ بن عمروؓ ایک خوش قسمت آدمی تھے، اگر ٹوکنے والے صاحب ان کو مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ نہ ٹوکتے، بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ میاں! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لکھتے ہو، کیا اس کا علم تمہیں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر اتنی سی سیدھی سادی صاف بات وہ کہہ دیتے اور ان کے، دماغ نے پیغمبر کے حکم کا جو فلسفہ پیدا کیا تھا یعنی بشری اغلاط کی گنجائش، انہوں نے یہ یاد کر لیا تھا کہ اس حکم کے دینے کی یہی وجہ ہے۔ قریشی صاحب اپنے اس خود تراشیدہ فلسفہ کا اگر ذکر نہ کرتے تو عبد اللہ کو اتفاقاً جس سعادت سے بہرہ اندوزی کا موقعہ مل گیا، شاید نہ ملتا۔ گویا اس فلسفہ کے شر سے خیر کا ایک پہلو یہ پیدا ہو گیا اور یہی کیا اگر اس زمانہ میں پیدا ہو کر اس فلسفہ کی بنیاد ہی کے کھو دینے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موقعہ نہ مل جاتا تو صرف قرآن کی ایسی آیتوں سے مثلاً :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔

پیغمبر نہیں بولتے "الہوٰی" (یعنی اپنی ذاتی خواہش سے)۔ نہیں ہے وہ (یعنی پیغمبرؐ کا بول) مگر وحی، جس کی وحی ان پر کی جاتی ہے۔

وغیرہا سے مغالطہ کی ان گتھیوں کا سلجھانا کیا آسان تھا، جن میں دعویٰ اسلام کے باوجود اس زمانے میں حدیثوں کی ان ہی تحدیدی روایتوں کی بنیاد پر لوگ الجھ الجھ کر پھڑ پھڑا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت کا تعلق بھی صرف قرآن سے ہے اسی لیے وہ پیغمبر کو صرف قرآن کی حد تک پیغمبر مانتے ہیں۔ قرآن سے الگ کر لینے کے بعد العیاذ باللہ پیغمبر کی زندگی میں اور جو پیغمبر نہیں ہیں ان کی زندگی میں ان بر گزیدہ باد

انھوں کے نزدیک کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے، مگر بحمد اللہ اس فلسفہ کے شر نے ایک ایسے خیر کو پیدا کیا جس نے ثابت کر دیا کہ مذکورہ بالا قرآنی آیت کا واقعی مطلب بھی وہی ہے جو اس کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جا رہا ہے یعنی قرآن ہی نہیں بلکہ مطلقاً نطق اور گفتگو جو بھی پیغمبر کی زبان سے نکلتی ہے اس کا قطعاً الھوٰی (پیغمبرؐ کی ذاتی خواہش) سے تعلق نہیں ہے بلکہ قرآنی نطق ہو یا غیر قرآنی نطق، پیغمبر کا ہر نطق اور ان کی ہر گفتگو وحی ہے جو ان پر خدا کی طرف سے کی جاتی ہے۔ آیت کے الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے اور حضرت عبد اللہ کو سمجھاتے ہوئے قسم کھا کر دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس سے بھی اسی مفہوم کی مزید تائید اور تاکید ہو گئی، اور محقق ہو گیا کہ پیغمبر کی زندگی ہر حال میں اسوہ اور نمونہ ہے اور ان کی زبان کا ہر بول ذاتی فکر و نظر یا خواہش کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ سب وحی ہے خواہ خوشی کے حال میں بات کی گئی ہو یا غصہ کی حالت میں۔ سچ پوچھئے تو اس قرآنی نص کی بنیاد پر پیغمبر کی معصوم زندگی کا ہر پہلو مسلمانوں کی دینی زندگی کے لئے روشنی کا مینار ہے، فرق آئندہ صرف ان ذرائع کی قوت و ضعف سے پیدا ہوتا ہے جن کی راہ سے امت میں پیغمبر کی زندگی، زندگی کے آثار گفتار و رفتار کے متعلقہ معلومات پہنچی ہیں، ان ہی کی قوت و ضعف کے ساتھ ان احکام و نتائج کی گرفت اور مطالبوں کی قوت و ضعف کا مسئلہ وابستہ ہے جو ان معلومات سے نکلتے ہیں یا نکل سکتے ہیں۔

حجیت حدیث کے چند قرآنی دلائل

فلسفہ کے اس شر سے خیر کا یہ پہلو جو پیدا ہوا وہ تو اتنا اہم ہے کہ رہتی دنیا تک اسی سے قرآن کے اجمالی آیات کا مطلب معین کیا جائے گا، یعنی مذکورہ بالا آیات مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یا مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا کے سوا قرآن ہی میں بار بار پلٹ پلٹ کر اسی قسم کی آیتوں کا جو اعادہ کیا گیا ہے مثلاً قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء)

پس کچھ بھی نہیں تیرے رب کی قسم ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تجھے (اے پیغمبرؐ) ان تمام باتوں میں حکم اور فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں جو ان کے باہمی جھگڑوں میں پیدا ہوئی ہیں، پھر اپنے اندر کسی قسم کی تنگی اس فیصلہ کے متعلق نہ پائیں جو تم نے کر دیا ہو، اور کلیتہً اس فیصلہ کے آگے جھک جائیں۔

یا ارشاد ہوا ہے:

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

نہیں بھیجا ہم نے کسی رسول کو مگر اسی لیے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

یا دھمکایا گیا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (نور)

پس چاہیے کہ جو پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ڈریں اس بات سے کہ کسی آزمائش اور فتنہ میں نہ وہ مبتلا ہو جائیں یا ان کو دکھ بھرا عذاب پکڑے۔

یا صلائے عام دیا گیا ہے کہ:

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ؕ

تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں بہت اچھا نمونہ ہے، جو اللہ کی اور پچھلے دن کی اُمید رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔

یہ یا اسی نوعیت کی دوسری آیتیں جن سے خواص کیا عوام مسلمین بھی شاید نا واقف نہیں ہیں، اب ان اطلاقی آیات پر تحدید عائد کرنے کی راہ ہی کیا باقی رہی، صاف معلوم ہو گیا کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے مثبت و منفی، ایجابی و سلبی، غرض ہر پہلو میں مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے۔ رضا اور غضب کی تقسیم کرنے والے دراصل اپنے ایمان کے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ ھٰذِہِ الۡھَفَوَاتِ۔

(۳)

تاریخ تدوین حدیث

آنحضرت کے دور میں تدوین حدیث

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ معلومات کے حفظ و نگہداشت اور ان پر اعتماد کے لئے خواہ مخواہ نہ سوچنے والوں نے کتابت کے طریقہ کو غیر معمولی جو اہمیت دے رکھی ہے، اور اس کے مقابلہ میں زبانی یاد کرنے کے طریقہ کو اس سلسلہ میں بے قیمت ٹھہرانے پر غل غپاڑہ مچایا جا رہا ہے۔ یہ دونوں ناسمجھی کی باتیں ہیں۔ علم کی حفاظت کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں، ہر ذریعہ اعتماد کے لیے ذمہ داریوں کو ان لوگوں پر عائد کرتا ہے جو اس سے کام لینا چاہتے ہیں اور ان ذمہ داریوں کی تکمیل خود بخود آدمی کی فطرت کو اعتماد پر مجبور کر دیتی ہے اور جیسے یہ انسانی فطرت کا ایک طبعی قانون ہے، اسی طرح ان ذمہ داریوں سے لا پروائی ہر حال میں اشتباہ اور بدگمانیوں کی گنجائش پیدا کر دیتی ہے، خواہ کتابت کے ذریعے کو اختیار کیا جائے، یا زبانی یادداشت کے طریقے کو، تاہم عصر حاضر کے نابالغ عقول کے طفلانہ تقاضوں کی تسکین کا ایک ذریعہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی کتاب بھی بن گئی ہے آج کل کے متکلمین اسلام نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، کچھ بھی ہو ایک پہلو نفع کا اس واقعہ میں یہ بھی نکل آیا ہے، بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ بعض کتابوں مثلاً مستدرک حاکم اور البغوی کی کتاب میں یہ روایت جو پائی جاتی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا لکھا ہوا ایک مجموعہ تھا جس کے متعلق وہ بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کی ہوئی کتاب ہے، اس روایت کا ذکر کر چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اسی اجازت کو دیکھ کر حضرت انسؓ کے دل میں بھی ان کی ریس کا جذبہ پیدا ہوا ہو۔ بہر حال حضرت انسؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ام سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ

ھٰذَا ابۡنِیۡ وَ ھُوَ غُلَامٌ کَاتِبٌ

(ابن سعد ج ۷، قسم اول)

یہ میرا لڑکا ہے اور ایسا لڑکا ہے جو کاتب ہے یعنی لکھنے سے واقف ہے۔

حضرت انس رضؓ چونکہ آخر وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، خود فرماتے تھے، نو سال تک حضورؐ کی خدمت میں رہا گویا وہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ہمجولی تھے لکھنا بھی آتا ہی تھا اور پھر بارگاہِ نبوت میں رسوخ کا حال یہ تھا کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یا بُنَیَّ (میرے بیٹے) کے لفظ سے پکارتے تھے، ایسے چہیتے خادم کی بات کا ٹال دینا اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بامروت طبیعت سے آسان نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ان ہی وجوہ سے ان کو بھی حدیثوں کے قلمبند کرنے کی اجازت مل گئی کیونکہ وہ آدمی کے لکھنے سے ظاہر ہے کہ عمومیت کا وہ رنگ کیسے پیدا ہوسکتا تھا جو قرآن کے صحیفوں کی عام اشاعت سے پیدا ہوچکا تھا، کچھ ایسا خیال بھی ہوتا ہے کہ گو حضرت انس رضؓ بچپن ہی سے لکھنا جانتے تھے اور کاتب ہو چکے تھے، مگر ظاہر ہے کہ کہاں عبداللہ بن عمرو رضؓ کی مہارت و حذاقت، بھلا جس شخص نے عربی چھوڑ سریانی اور عبرانی خطوط اور زبان کو بھی سیکھ لیا ہو، ان کا مقابلہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کر سکتے تھے، حضرت انس رضؓ جو یہ کہتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نسخہ کو پیش بھی کردیا تھا اسکی وجہ دہی معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے خود ان کو غالباً مشورہ دیا ہوگا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے مجھے سنا بھی دو، عبداللہ بن عمرو رضؓ کے نسخے کے متعلق پیش کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں آیا ہے، شاید ان کی تحریری حذاقت پر اعتماد تھا اور ان پر اعتماد نہ کیا جاتا تو کس پر کیا جاتا۔ آئندہ یعنی عہدِ نبوت کے بعد ان دونوں کتابوں کی حیثیت کیا رہی، اس تفصیل کا ذکر انشاءاللہ اپنے مقام پر کیا جائے گا۔ اس وقت تو عہدِ نبوت تک کے واقعات کا صرف ذکر مقصود ہے۔

بہرحال عام حدیثوں کے متعلق "کج دار و مریز" کی مذکورہ بالا حکمتِ عملی یعنی جو پایا جاتا ہیں، ان تک پہنچ بھی جائے لیکن اس طور پر نہ پہنچے کہ ان حدیثوں کے مطالبات کی نوعیت عمومی راہ سے منتقل ہونے والے دینی عناصر کے برابر ہو جائے انتہائی نزاکتوں کے ساتھ اس حکمتِ عملی کی نگرانی کرتے ہوئے ایک خاص حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ان حدیثوں کو چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے جو آج خبر آحاد کی شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ علاوہ ان خطوط، معاہدے نامے یا مختلف اقوام و افراد کے نام ہدایت نامے یا صدقات وغیرہ کے تحریری ضابطے جن کے چند نسخوں کا اب تک پتہ چلا ہے یا حجۃ الوداع کے خطبہ کو ابوشاہ یمنی کے لئے لکھوا کر عطا فرمانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن کا تفصیلی ذکر کرچکا ہوں، ان متفرق چیزوں کے سوا حدیث کی یہی دو کتابیں (یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ والا نسخہ اور دوسری کتاب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ان دو کتابوں کے سوا اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے کہ واقعۂ تحریق (جلانے) کے بعد صحابۂ کرام نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی حدیثوں کو کتابی شکل دی ہو یا ان کو قلمبند کیا ہو ممکن ہے کہ ڈھونڈھنے والوں کو آئندہ شاید اس سلسلہ میں کوئی اور نئی چیز ہاتھ آئے۔ کچھ بھی ہو، حدیثوں کے ان انفرادی نسخوں سے وہ حکمتِ عملی متاثر نہیں ہوسکتی تھی جو اپنی عام حدیثوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی جیسے ان مکتوبہ خطوط و معاہدات وغیرہ میں بھی محض قلمبند ہوجانے کی وجہ سے وہ کیفیت نہ پیدا ہوئی اور نہ پیدا ہوسکتی تھی جو مثلاً قرآن میں پیدا ہوچکی تھی، کیونکہ عمومیت یا استفاضۂ عام شہرت بین الانام کا تعلق کتابت سے نہیں بلکہ تعدد و کثرت سے ہے، ایک خط اگر لکھا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ہی خط کی شکل میں رہ گیا بھلا وہ قرآن کے ان نسخوں کا کیا مقابلہ کرسکتا تھا جو گھر گھر میں پھیلا ہوا تھا۔ مشہور حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فرما رہے تھے کہ مسلمانوں سے آخر یہ علم اُٹھ جائے گا یعنی پیغمبرؐ سے جو جدید علم مسلمانوں کو میسر آیا ہے اس کا چرچا باقی نہ رہے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک

صحابی جن کا نام زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے عرض کیا کہ اب یہ علم کیسے مٹ سکتا ہے، قرآن کی اشاعت جس وسیع پیمانے پر اس وقت تک ہو چکی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے زیاد نے اس وقت عرض کیا تھا کہ

كَيْفَ يُرْفَعُ الْعِلْمُ مِنَّا وَبَيْنَ اَظْهُرِنَا كِتَابُ اللّٰهِ وَقَدْ تَعَلَّمْنَا مَا فِيْهِ وَ عَلَّمْنَاهُ نِسَاءَنَا وَ ذُرِّيَّاتِنَا وَخَدَمَنَا۔
(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۰)

ہم لوگوں میں سے علم کیسے اٹھ جائے گا بحالیکہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے، اس کتاب میں جو کچھ ہے اسے ہم نے خود سیکھا ہے اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو، اپنے خادموں کو سکھایا ہے۔

الفاظ کے تھوڑے رد و بدل سے ترمذی وغیرہ صحاح کی کتابوں میں بھی یہ روایت پائی جاتی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ عورتوں، بچوں، حتیٰ کہ خادم و ملازمین تک کو اس زمانے میں جب یہ کتاب پڑھائی جا چکی تھی تو اس عمومیت و استفاضہ کا مقابلہ بھلا وہ مکتوبہ سرمائے کیا کر سکتے تھے جو اکّے دُکّے گنتی کے چند آدمیوں کے پاس موجود تھے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دین کے جس حصہ کی تبلیغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمومی رنگ میں فرمائی تھی، جس کی بدولت آئندہ ہر زمانے میں ان کی حیثیت ان امور کی ہو گئی جن کا علم تواتر و توارث و تعامل کی شکل میں اس وقت تک منتقل ہوتا ہوا مسلمانوں کی اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں تک پہنچ رہا ہے، اسلامی دین کے ان قطعی اور یقینی عناصر و اجزا کے متعلق علم و یقین کی جو کیفیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے صحابیوں کی تھی۔ قطعاً یہی کیفیت اس علم کی بھی ہے جو ان ہی امور کے متعلق مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں پایا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ تواتر کی راہ سے پیدا ہونے والے علم میں اور وہ علم جو مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے، دونوں میں قطعیت اور یقین کے لحاظ سے کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا، میں پوچھتا ہوں جن لوگوں نے مثلاً لندن کو دیکھا ہے اور اس شہر کے متعلق مشاہدے نے جس یقین کو پیدا کیا ہے، اس یقین میں اور ان لوگوں کے یقین میں جنہوں نے لندن کو خود نہیں دیکھا ہے مگر تواتر کی راہ سے اس بات کا یقین ان میں پیدا ہوا ہے کہ دنیا کے شہروں میں ایک شہر لندن بھی ہے، اس حد تک یعنی لندن کا وجود یقینی ہے، کیا ان دونوں یقینوں میں کسی قسم کا فرق پیدا کیا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ جن لوگوں نے لندن کو نہیں دیکھا ہے، محض اس لئے ان کے یقین میں شک اور احتمال اسی قسم کا شک اور احتمال ہو گا جیسے ان لوگوں کے متعلق جو لندن جا چکے ہیں وہاں رہ چکے ہیں، ان کے متعلق شبہ پیدا کرنے والا یہ شبہ پیدا کرے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا، سب خواب کی حالت میں دیکھا تھا، یا آنکھ کا دھوکہ تھا جو لندن کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا واقع میں کچھ نہ تھا ظاہر ہے کہ اس قسم کے احتمالات وہی لوگ پیدا کر سکتے ہیں جن کی عقل کسی بیماری کی وجہ سے اپنے فطری حدود سے ہٹ گئی ہو۔ فخر الاسلام بزدوی نے اسی لئے شریعت کے اس حصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو تواتر کی راہ سے مسلمانوں میں منتقل ہوتا ہوا چلا آ رہا ہے، یہ الفاظ لکھے ہیں کہ

حَتّٰی صَارَ کَالْمُعَايَنِ الْمَسْمُوْعِ
(ج ۲ ص ۳۶۰)

ان کی حالت ایسی ہے جیسے خود کسی معائنہ کی ہوئی یا براہ راست سنی ہوئی شئے کی ہو سکتی ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ یہ حال صرف قرآن ہی کا نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ انہوں نے اسی راہ سے منتقل ہونے والی بہت سی چیزوں کو گنواتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مِثْلَ نَقْلِ الْقُرْاٰنِ وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَاَعْدَادِ الرَّكَعَاتِ وَمَقَادِيْرِ الزَّكٰوةِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ - (ج ۲ ص ۳۶۱)

جیسے قرآن کے منتقل ہونے کا حال ہے اور یہی حال پانچوں وقتوں کی نمازوں کا، نمازوں کی رکعتوں کا، زکوٰۃ کی مقررہ مقداروں کا اور ان ساری چیزوں کا ہے جو اسی راہ سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ صحابہ جو عہدِ نبوت میں موجود تھے، شریعت کے اس حصہ کے متعلق ان کے یقین کی جو نوعیت تھی، یہی نوعیت اس یقین کی مسلسل باقی رہی ہے، اسی بلئے ان امور کے لحاظ سے سارے مسلمان برابر ہیں خواہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، یا اس کے بعد پیدا ہوئے، علامہ ابوزید دبوسی نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تقویم میں لکھا ہے:

وَمَتٰى ارْتَفَعَتِ الشُّبْهَةُ صَارَ هُوَ الْمُتَّصِلُ مِنْهُ بِكَ الْحَاسَّةُ سَمْعُكَ - (کشف ج ۲ ص ۳۶۲)

(تواتر کی وجہ سے) جب شبہ باقی نہ رہا تو اس راہ سے جتنی چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتقل ہو کر تم تک پہنچی ہیں ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ براہِ راست اپنے کان سے تم نے ان کو سنا ہو۔

اسی طرح صاحبِ مسلّم کے ان الفاظ کے تحت یعنی:

اِنَّ التَّوَاتُرَ لَيْسَ مِنْ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْاِسْنَادِ -

تواتر کا تعلق ان مباحث سے نہیں ہے جن میں روایت کی سند سے بحث کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم نے بھی لکھا ہے کہ

بَلِ التَّوَاتُرُ كَالْمُشَافَهَةِ فِيْ اِفَادَةِ الْعِلْمِ (فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ مصر)

یقین آفرینی میں تواتر کا حال وہی ہے جو حال مشاہدہ کا اس سلسلہ میں ہے۔

پھر مولانا نے ایک دلچسپ مثال سے اس کو سمجھانا چاہا ہے یعنی بخاری میں بعض روایتوں کو ثلاثیاتِ بخاری کہتے ہیں، یہ ان روایتوں کا نام ہے جن میں امام بخاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل تین آدمی کا واسطہ واقع ہوتا ہے۔ مولانا بحر العلوم نے ان ہی ثلاثیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بخاری کے بعد تو ان کی کتاب متواتر ہو گئی اس لیے بخاری کے بعد آئندہ صحیح بخاری کے ان سارے ثلاثیات کی حیثیت ہر مسلمان کے لئے رباعیات کی ہو گئی ہے۔ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

وَمِنْ ثَمَّةَ كَانَ ثُلَاثِيَّاتُ الْبُخَارِيِّ رُبَاعِيَّاتٍ لَنَا لِاَنَّ صَحِيْحَهُ مُتَوَاتِرٌ عَنْهُ فَكَاَنَّا سَمِعْنَا مِنْ

اسی بنیاد پر سمجھنا چاہیے کہ بخاری کے ثلاثیات (یعنی تین واسطوں والی روایتیں) ہمارے لئے رباعیات کی حیثیت رکھتی ہیں (یعنی چار واسطوں والی روایتوں کی حیثیت ان کی ہو گئی) وجہ

الْبُخَارِیِّ فَلَمْ یَزِدْ اِلَّا وَاسِطَةً وَهِیَ نَفْسُهٗ۔ (فواتح ج ۲ ص ۱۱۹)	یہ ہے کہ امام بخاری کی کتاب (صحیح بخاری) امام بخاری کے لحاظ سے تو متواترہ ہو چکی ہے پس گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم نے اس کتاب کو براہِ راست امام بخاری ہی سے سنا ہے اس لئے (ثلاثیات کے متعلق) صرف ایک ہی واسطہ کا تو اضافہ ہوا یعنی خود امام بخاری کی ذات نے چوتھے واسطے کی حیثیت اختیار کر لی۔

بہرحال شروع ہی سے اس کا باضابطہ نظم کر دیا گیا تھا کہ دین کے ایک حصہ کی حیثیت تو ایسی ہو جائے جس کے علم میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کے اعتماد کا حال قدرتی طور پر ایک ہو جائے۔ قرآن اور ایسی ساری چیزیں جو اسی راہ سے مسلمانوں میں پیغمبرؐ کے زمانے سے چلی آ رہی ہیں۔ جس رنگ میں قرآن منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے ان کی یہی کیفیت ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دین کے اس حصہ کو اسی حال میں چھوڑ کر رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور بحمد اللہ اس وقت دین کا یہ حصہ اسی رنگ میں مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ آئندہ بھی خدا سے اُمید ہے کہ اس کی اس کیفیت کی حفاظت فرماتا رہے گا۔ دین کے اس حصے کے علم و یقین میں اشتباہ و اضمحلال کے پیدا ہونے کی وہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ خدانخواستہ مسلمانوں کو تاریخ کے آئندہ زمانہ میں محکومیت کی کسی ایسی ملعون کیفیت میں اپنے کرتوتوں کی بدولت مبتلا ہونا پڑے، جیسے یہود وغیرہ گزشتہ ملعون قوموں کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ غیر قوموں کو ان پر مسلط کیا گیا اور یہ تسلط اتنا سخت تھا کہ اپنے دین کے نام لینے کی بھی اجازت محکومیت کی حالت میں ان کو نہیں دی جاتی تھی، ان کی کتابیں غائب ہو گئیں، ان کے علما چن چن کر قتل کر دیئے گئے، کوشش کی گئی کہ آئندہ ان کی پیدا ہونے والی نسلوں کے کانوں میں دینِ موسویؑ اور اس کی کسی بات کی کوئی بھنک بھی نہ پڑنے پائے، صدیاں اسی حال پر گزر گئیں، جو جانتے تھے وہ مر گئے اور جو زندہ رہے انھیں کچھ خبر نہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد کا کوئی دین بھی تھا یا اللہ کے کسی برگزیدہ رسول کی وہ بھی اُمت ہیں، ان کے رسول کی بھی کوئی کتاب تھی؟ یہودیوں کی تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے ان کو تاریخ کے طویل ادوار میں دوچار ہونا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسی جگر خراش روح فرسا شکل حق تعالیٰ کے عتاب کی ہے کہ خدا کے غصہ کی اس آگ میں جو کچھ بھی جل جائے اس پر متعجب نہ ہونا چاہیے، تاہم یہ، چارے یہودیوں کو جب کبھی سر اٹھانے کا موقعہ ملا، ادھر اُدھر سے ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پھر اپنے گمشدہ دین کو کسی راہ سے جیسا کہ ان کا خیال ہے پا لینے میں وہ کامیاب ہوئے لیکن پھر بھی درمیان میں ایسی تاریکیوں میں ان کو گھرنا پڑا ہے کہ مشکل ہی سے یہ کہا جا سکتا ہے، جو دین ان کے پاس اس وقت جس شکل میں پایا جاتا ہے وہ واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا اور پہنچایا ہوا صحیح دین ہے۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کے دین کی ابتدا ہی سلطنت سے ہوئی اور گو پچھلی چند صدیوں سے دنیا کی سیاسی امامت کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل گئی ہے لیکن دین کی حد تک بحمد اللہ کوئی ایسا واقعہ ان کے ساتھ اب تک پیش نہیں آیا ہے کہ درمیان میں صدی دو صدی تو بڑی بات ہے گھنٹے دو گھنٹے کے لئے بھی اس دین سے وہ جدا نہیں ہوئے ہیں جسے وراثت میں ان کے

[illegible]لوں سے بانٹتے چلے آرہے ہیں۔ اگرچہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں اور مہیب خطرات آنکھیں دکھا رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ اس واقعہ کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ گزشتہ زمانے کے معلومات کی حفاظت کے اتنے بیشمار اسباب و ذرائع قدرتی طور پر اس عہد میں پیدا ہو چکے ہیں اور پریس و طباعت وغیرہ کے رواج کی بدولت ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ اس زمانے میں معمولی چیزوں کا مٹنا یا مٹانا آسان نہیں ہے۔ پھر اسلامی بینات جو اس وقت دنیا کے اکثر حصے کے کروڑہا کروڑ باشندوں میں کتابی و عملی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے یقین میں اضمحلال پیدا کرنے کی کوشش بظاہر مشکل ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ کچھ اس کا خیال بھی آتا ہے کہ "اسلام کی محمدی شکل" جب انسانی زندگی کے اس دستور العمل کی جس پر پیدا کرنے والا اپنے بندوں کو چلانا چاہتا ہے اسی کی جب یہ آخری شکل ہے تو ارحم الراحمین کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ نہ چلنے والے باغیوں کی وجہ سے دین پر چلنے کی راہ ان لوگوں کے لیے بھی بند کر دے گا۔ جو بہر حال اسی راہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا چاہتے ہیں، امید تو اسی کی ہے کہ ان کے لیے سچے دین پر چلنے کا امکان بہر حال باقی رکھا جائے گا جیسا کہ عرض کیا گیا حالت ناگفتہ بہ حدود تک بگڑتے ہوئے پہنچ چکی ہے جس کے بدلنے کے لئے دوسری عام تدبیروں کے ساتھ ساتھ زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ خود مسلمان دین پر چلنے کے جذبہ کو نئے سرے سے زندہ کریں ورنہ قدرت ہی کا ایک قانون ہے کہ طلب کسی چیز کی جب باقی نہیں رہتی تو رسد بھی بند کر دی جاتی ہے پچھلے دنوں کے سارے جاں گداز حالات سچ پوچھئے تو ان کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے لیکن واقعہ کا اظہار کیسے نہ کروں بہ نسبت دوسروں کے یہ حال زیادہ تر اکتا جانے کی اسی کیفیت سے پیدا ہوا ہے جو دین کے متعلق خود مسلمانوں میں شعوری یا غیر شعوری طور پر بد قسمتی سے پیدا ہو گیا ہے اور آہ! کہ اس وقت تک بجائے گھٹنے کے عملی طور پر[1] اس کیفیت میں کمی تو کیا پیدا ہوتی بظاہر شدت ہی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔

خیر میں کدھر نکل گیا، آئندہ کیا ہونے والا ہے، علیم و خبیر ہی اسے جان سکتا ہے اور اس وقت مستقبل کے متعلق مجھے کچھ لکھنا بھی نہیں ہے بلکہ اس وقت تک جن حالات سے گزرتے ہوئے موجودہ نسلوں تک دین پہنچا ہے میری بحث کا دائرہ اسی حد تک محدود ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم امت میں دین کو جس حال میں چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے، اس وقت ایک حصہ

۱؎ "عملی طور پر" کا اضافہ میں نے جس لئے کیا ہے، ہر مسلمان جو اپنے حال سے واقف ہے غالباً اس اضافہ کی ضرورت تسلیم کرلے گا بعض علاقوں میں جہاں غیر قوموں سے مسلمانوں کو کشمکش کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے، وہاں دیکھا جا رہا ہے کہ دین کی طرف واپسی کا چرچا زبانوں پر کچھ دنوں سے ذرا زیادہ چڑھ گیا ہے لیکن جس سے معاملہ ہے کاش! بجائے "سمیع و علیم" ہونے کے وہ صرف "سمیع" ہی ہوتا تو امید کی جا سکتی تھی کہ صرف سنا کر اس کو منا لینے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے لیکن سننے کے ساتھ جو دیکھتا بھی ہے اور ہر چیز جس حال میں ہے اس کو جانتا بھی ہے اس کے سامنے اس قسم کے چرچے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ رَبَّنَا تُبْ عَلَيْنَا وَارْحَمْنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبَّنَا وَلَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۱۲

کی حاجت تو وہی تھی جسے تبلیغ عام کی راہ سے ایک ایسا قالب عطا کر دیا گیا تھا کہ اس کی یافت میں اگلوں پچھلوں کی حالت کا ایک ہو جانا ناگزیر تھا۔ بحمد اللہ ہزار سال کے بعد بھی چند صدیاں گزر چکی ہیں، اس وقت تک دین کا یہ حصہ اسی حال میں موجود ہے۔ اور دوسرا حصہ دین ہی کا تھا جس کے متعلق اگلوں اور پچھلوں کو تو کیا برابر کیا جاتا خود عہدِ نبوت میں جو موجود تھے ان لوگوں میں بھی اس کی اشاعت عمومی شکل میں اسی لئے نہیں کی گئی تھی کہ اس میں قصداً و ارادۃً اس رنگ کو چاہا جاتا تھا کہ نہ پیدا ہو، جو دین کے پہلے حصہ میں ورا اس حصہ کے مطالبہ میں یا اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

آنحضرتؐ سے روایت کرنے والوں کی تعداد

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں کا یہ ثانی الذکر حصہ کچھ تو مذکورہ بالا کتابی شکل میں افراد کے پاس تھا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس کی تعداد بہت محدود تھی اور زیادہ تر یہ ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا جن کے دل و دماغ کی تربیت دنیا کے سب سے بڑے معلمِ اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ طیبہ میں ہوئی تھی اور جن واقعات کے تجربے و مشاہدہ کا موقعہ صحبتِ نبوت میں ان کو ملا تھا ان ہی کا تذکرہ دوسروں سے وہ کرتے تھے بعض لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دین کا یہ حصہ جن لوگوں میں پھیلا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ اصابہ میں علی بن زرعۃ الرازی کے حوالہ سے یہ مشہور قول منقول ہے کہ :

تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ رَآهُ وَسَمِعَ مِنْهُ زِيَادَةٌ عَلٰى مِائَةِ أَلْفِ إِنْسَانٍ مِّنْ رَّجُلٍ وَّامْرَأَةٍ كُلُّهُمْ قَدْ رَوٰى عَنْهُ سَمَاعًا أَوْ رُؤْيَةً ۔

(اصابہ ج ۶ ص ۳۰)

وفات پا گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں کہ جن لوگوں نے آپ کو دیکھا تھا اور آپ سے آپ کی باتیں سنی تھیں ان کی تعداد ایک لاکھ انسانوں سے زیادہ تھی جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں یہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد والی جماعت وہ ہے جس نے سن کر یا دیکھ کر آپ سے ان میں ہر ایک نے روایت کی ہے ۔

لے یہ نہیں الخطیب نے خود ابوزرعہ رازی سے اپنی متصل سند کے ساتھ اس قول کو جو نقل کیا ہے اس میں بجائے ایک لاکھ کے ایک لاکھ چودہ ہزار ان صحابیوں کی تعداد بتائی گئی ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار یا رفتار کے متعلق کسی قسم کا علم لوگوں تک پہنچایا ہے۔ ابوزرعہ سے پوچھا بھی گیا تھا کہ اتنی بڑی تعداد ان صحابیوں کی کیسے ہو سکتی ہے۔ آخر اتنے آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کیسے سنیں اور آپ کو کہاں دیکھا۔ اس کے جواب میں ابوزرعہ نے کہا کہ مدینہ والے مکے والے اور ان دو شہروں کے بیچ میں جو لوگ آباد تھے اسی طرح عام اعراب و صحرا کے باشندے جو خدمت مبارک میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ نیز حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ جو شریک تھے اور عرفات کے میدان میں جن لوگوں نے آپؐ کی باتیں سنیں یا آپؐ کو کچھ کرتے دیکھا (تدریب الراوی ص ۲۰۶)۔ اسی کتاب میں سیوطی نے رافعی کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ساٹھ ہزار مسلمان (باقی بر صفحہ آئندہ)

... اس سلسلہ میں جن بزرگوں کے معلومات حدیث کی کتابوں میں جمع ہو سکے ہیں یا اس وقت جن کے معلومات تک رسائی ہو سکی ہے غالباً ان کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الحاکم نے لکھا ہے کہ :

قَدْ رَوٰی عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ رَجُلٍ وَّامْرَاَةٍ (مدخل ص ۷)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی جماعت میں روایت کرنے والوں کی تعداد چار ہزار ہے جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روپوشی یعنی وفات کے بعد دین کا یہی حال تھا اس کے بعد کیا ہُوا؟ اب کچھ قصہ اس کا سنئے :

عہدِ صدیقی اور تدوین حدیث

ابوبکر صدیق رض کی خلافت کا زمانہ اگرچہ مدتاً ایک مختصر زمانہ ہے، کُل ڈھائی سال حکمرانی کا ان کو ملا اور وہ بھی ایسے حال میں کہ اچانک مختلف قسم کے فتنے اور فساد خود عرب میں بھی پھوٹ پڑے اور عرب سے باہر بھی ایسی تیاریاں تھیں جن کی طرف توجہ ضروری تھی، تاہم ان ہی حالات میں حدیث کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رض کے تین اصولی اقدامات کا کتابوں میں تذکرہ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :۔

حضرت ابوبکر رض نے پانسو حدیثیں قلمبند کیں

جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اگرچہ بظاہر ابوبکر صدیق رض نے بہت زیادہ تجلد اور صبر و ثبات استقلال و استقامت کا اظہار کیا لیکن درحقیقت یہ ان کا ظاہر حال تھا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حضور ؐ کے بعد ابوبکر رض پر ان کی زندگی دو بھر ہو گئی تھی، عبید اللہ بن عمر اور زیاد بن حنظلہ کے حوالہ سے ابن اثیر وغیرہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ

كَانَ سَبَبُ مَوْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اِلْكَمَدُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۲۲۴)	ابوبکر رض کی موت کی وجہ وہ اندرونی سوز و غم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ان میں پیدا ہو گیا تھا۔

ایک ایسا جان لیوا اور جان گداز غم جو آخر موت ہی پر منتج ہوا، شاید اسی اندرونی خلش اور سوزش کی تسکین کی یہ تدبیر تھی ...

(باقی صفحہ گذشتہ) آپ کے بعد عرب میں موجود تھے جن میں تیس ہزار مدینہ میں اور تیس ہزار مختلف عربی قبائل میں پھیلے ہوئے تھے مگر خود اس تخمینہ کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ بخاری کی اس روایت کا لوگ اکثر تذکرہ کرتے ہیں جس میں کعب بن مالک جن کے ساتھ تبوک کی مہم میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بڑا قصہ پیش آیا۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے کہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ ایک دیوان (دفتر) میں ان کے نام کا احاطہ نہیں کیا گیا تھا یا نہیں کیا جا سکتا تھا یعنی فرمایا کہ وَاَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَثِيْرٌ لَا يَجْمَعُهُمْ كِتَابُ حَافِظٍ يَعْنِي الدِّيْوَانَ ۔ یہ حضرت کعب کے اصلی الفاظ ہیں لیکن اس سے بھی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی۔ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کے حالات پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں دس ہزار سے زیادہ تعداد نہیں پائی جاتی، حالانکہ لکھنے والوں نے سب ہی کا تذکرہ کیا ہے یعنی جن لوگوں کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو گیا تھا یا جو آپ کے سامنے پیدا ہو چکے تھے لیکن کم سن اور چھوٹے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سمجھ میں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معلومات ان کے دماغ میں تھے ان کو قلم بند کرکے اپنا جی بہلائیں مشاغل کے اس ہجوم اور کثرت کے باوجود جن میں خلافت کے بعد وہ گھر گئے تھے، اتنا وقت انہوں نے نکال لیا کہ دس بیس نہیں بلکہ پانسو حدیثوں کا ایک مجموعہ جو قریب قریب موطا امام مالک کی مرفوع حدیثوں کی تعداد کے مساوی[1] ہے۔ اپنے قلم سے لکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے تیار کر لیا۔ الذہبی نے ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

جَمَعَ اَبِی الْحَدِیْثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَتْ خَمْسُ مِائَةِ حَدِیْثٍ	جمع کیا میرے والد ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو اور یہ پانسو حدیثیں تھیں ۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ جس کام کو سو سال بعد حضرت امام مالکؒ نے موطا کی شکل میں انجام دیا۔ یہی کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ایک ایسی صورت میں انجام پا چکا تھا جس سے زیادہ بہتر صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تدوین حدیث کے سلسلہ میں سوچی نہیں جا سکتی جو کہتے ہیں کہ ابتداءً اسلام میں حدیثوں کو قلم بند نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہیں ہوتا تھا، یا لکھنے والے میسر نہیں آتے تھے یا جہاد وغیرہ کے مشاغل کی وجہ سے اس قسم کے علمی کام کے لیے مواقع نہیں تھے، ان سارے احتمالات کا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عملی جواب دیا جا چکا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کف افسوس ملنے والے آج تدوین حدیث کی عام تاریخ پڑھ کر جو کف افسوس مل رہے ہیں ان کی آرزو ایسی شکل میں پوری ہو چکی تھی جس سے بہتر شکل سوچی نہیں جا سکتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے دینی اور سیاسی جانشین کے براہِ راست قلم کا لکھا ہوا حدیثوں کا یہ نسخہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں میں اگر شائع ہو جاتا تو خیال کیجیے کہ آج پیغمبر کی ان حدیثوں کے متعلق کیا کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ سکتی تھی، الغرض آرزو کرنے والے حدیثوں کے متعلق جو کچھ آرزو اس زمانے میں کر رہے ہیں، ان کی وہی آرزو واقعہ کا قالب اختیار کر چکی تھی۔

جنھوں نے پیغمبر کے دین کے مصالح کو نہیں سمجھا ہے ان کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کتنا بڑا مبارک اور ضروری اقدام قرار دیا جا سکتا ہے لیکن خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مصلحتوں کے پیش نظر دین کے اس حصہ کی اشاعت میں پوری کوشش اس پہلو پر صرف فرمائی تھی کہ عمومیت کا رنگ اس میں نہ پیدا ہو کیا ان پیغمبرانہ مصلحتوں پر پانی نہ پھر جاتا، اگر لکھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی حکومت کی طرف سے عام مسلمانوں میں اس کو شائع بھی فرما دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ؎

---

[1] موطا کے مختلف نسخے پائے جاتے ہیں جو حدیثوں کے تعداد کی کمی وبیشی کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے مسوی شرح موطا میں ابوبکر ابہری کے حوالہ سے جو قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موطا میں مسند مرفوع حدیثیں چھ سو ہیں لیکن ابن حزم کا قول شاہ صاحب ہی نے نقل کیا ہے کہ شمار کردم آنچہ در موطا است پس یافتم از مسند پانصد و چند حدیث صلا مسوی شرح موطا۔

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اس جذبہ کی تائید تھوڑی دیر کے لئے ان کو عقل سے مل گئی۔ خیال آیا ہوگا کہ پیغمبر نے بھی تو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بعض لوگوں کو حدیثوں کے لکھنے کی اجازت دے دی تھی پھر میں بھی اگر کچھ لکھ رہا ہوں تو اجازت کے اس دائرے سے باہر تو میرا یہ کام نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ اپنے اس جذباتی فیصلہ کے وقت شاید ادھر ان کا دھیان نہ گیا کہ جن کو کتابت حدیث کی انفرادی اجازت بارگاہِ نبوت سے ملی تھی ان میں کوئی ابوبکر بھی نہ تھا اور نہ ان میں نبی کا کوئی جانشین اور مسلمانوں کا دینی و سیاسی امیر تھا اور نہ ان میں کوئی ایسی ہستی تھی جس کا کام حکومت کا کام سمجھا جا سکتا تھا۔

اسی روایت میں صدیقہؓ کے بعض الفاظ جن کا ابھی ذکر آ رہا ہے، ان سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کے بعد بجائے عام اشاعت کے اس نسخہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عائشہ صدیقہؓ کو رکھنے کے لئے دے دیا تھا، میں تو ان الفاظ سے یہ سمجھتا ہوں کہ کسی فوری جذبے سے مغلوب ہو کر اس کام کو گو ابوبکر صدیقؓ کر گزرے تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ ہی کیوں ہوتے اور نبی کی جانشینی کے لیے ان کا انتخاب ہی کیوں ہوتا اگر اس مصلحت سے وہ قطعی طور پر خالی الذہن ہو کر اپنے اس کام کو اسی طرح بڑا کام تصور فرما لیتے جیسے اس زمانے کے آرزو کرنے والے سوچ رہے ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ آج یورپ یا امریکہ میں ابوبکر صدیق کے اس نسخہ کا اگر پتہ چل جائے تو اس کو اپنی ایک بڑی کامیابی قرار دے کر شاید آسمانوں کو سر پر اٹھا لیں۔

تحقیق حدیث کے لئے اصولِ شہادت کی بنیاد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی

پس اصلی کام دین کے اس حصے کے متعلق وہی "کج دار و مریز" کے اصول کی نگرانی تھی ایک طرف تو حضرت ابوبکرؓ نے اس خطرے کے انسداد کے لئے کہ دین کے اس حصے میں عمومیت کا رنگ نہ پیدا ہو جائے جس کی عمومی اشاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی اپنے لکھے ہوئے مجموعہ کو ضائع بھی فرما دیا، لیکن اسی کے ساتھ آپ نے خبروں کی تحقیق و تنقید کے عام اصول کے سوا حضرت مغیرہ کے بیان کرنے پر جو یہ فرمایا کہ ھل معك غیرك (کیا تمہارے ساتھ اس خبر میں کوئی دوسرا آدمی بھی شریک ہے) اگرچہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو صحیح نہ ہوگا کہ جیسے فصلِ خصومات کے لئے کم از کم شہادت کا نصاب دو ہے، اسی طرح اس نوعیت کی حدیثوں پر اعتماد کرنے کے لیے کم از کم دو راویوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ دین کے اس حصہ پر اعتماد کرنے کے لیے اس کو قانونی نصاب کی شکل اگر دے دی جائے گی تو ثابت کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نوعیت کی حدیثوں کی تبلیغ کم از کم دو آدمیوں کو ضرور فرماتے تھے حالانکہ یہ قطعاً غیر ضروری ہے، ایک ذخیرہ روایات کا پایا جاتا ہے جن کے متعلق خود صحابی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ذکر اور کسی سے نہ کیا تھا۔ نیز دنیا کے عام کاروبار میں جیسے اس وقت تک دیکھا جا رہا ہے عہدِ نبوت میں بھی بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہی دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ضرورتوں کے لیے ایک ہی آدمی کو روانہ فرمایا کرتے تھے لیکن یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے اس آدمی پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہو کہ:

اَنْتَ وَاحِدٌ وَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ — تم تنہا اکیلے آدمی ہو اس لیے تمہیں اس کا حق نہیں ہے کہ ہم سے

مِنَّا مَا لَمْ نَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ بَعَثَکُمْ عَلَیْنَا۔ (الرسالہ ص ۱۱۰)

کچھ اس وقت تک وصول کروجب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم یہ نہ سن لیں کہ ہم لوگوں سے (صدقہ وغیرہ) وصول کرنے کے لئے تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔

خود ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتیں ایسی مروی ہیں جن کے تنہا وہی راوی ہیں خصوصاً "وراثت انبیاء" والی روایت؟ اور پیغمبر کے مدفون ہونے کی جگہ وہی ہوتی ہے جہاں ان کی وفات واقع ہو" ان دونوں حدیثوں کے وہ تنہا راوی ہیں، اور ایک وہی کیا آپ کے بعد خلفا اور دوسرے صحابہ صرف ایک صحابی کے بیان پر بھروسا کرکے حدیثوں کو عموماً مانتے رہے ہیں اس کے متعلق واقعات کی اتنی کثرت ہے کہ ان کو ایک جگہ اگر جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ان سے تیار ہو سکتی ہے۔ الخطیب نے اپنی کتاب کفایہ میں لکھا ہے کہ ان روایتوں کو مستقل کتاب کی شکل میں انہوں نے جمع کر دیا ہے۔

بہر حال جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قسم لینا مزید اطمینان کی ایک تدبیر تھی نہ کہ اعتماد کی شرط تھی، بجنسہٖ یہی حال حضرت ابوبکرؓ کے اس طرز عمل کا ہے کہ اعتماد میں زیادہ قوت پیدا ہو جائے اس لیے آپ نے چاہا کہ کوئی اور صاحب بھی جانتے ہوں تو بیان کریں، اتفاقاً محمد بن مسلمہ بھی اس روایت کے جاننے والے نکل آئے۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ اگر محمد بن مسلمہ کی تائید نہ ملتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مغیرہ کے بیان کو مسترد فرما دیتے۔

"تاہم ان کے اس طرز عمل سے یہ سبق مسلمانوں کو ضرور ملا کہ دین کا یہی حصہ کیوں نہ ہو یعنی خبر الخاصہ بالواحد بعد الواحد کی راہ سے، جو پہنچایا گیا ہے اس کے رد و قبول میں لاپروائی سے کام نہ لینا چاہیے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے بیان کرنے کے بعد بھی مزید تائید کا انہوں نے مطالبہ کیا تو جو صحابی نہیں ہیں خود سمجھنا چاہیے کہ ان کی روایتوں کے قبول کرنے میں مسلمانوں کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور غالباً وہ مزید اطمینان کے لئے شاید یہ سبق بھی اپنے اس طریقۂ کار سے وہ دینا چاہتے تھے کیونکہ ان کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں کہ اسی سنت صدیقی کی پیروی کرتے ہوئے بعض صحابیوں کی روایت پر مزید تائید کا آپ نے بھی مطالبہ فرمایا بلکہ اپنی خاص فطرت کے لحاظ سے اس مطالبہ میں کچھ شدت کی راہ بھی اختیار کی[1]

---

[1] میرا اشارہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مشہور دلچسپ روایت کی طرف ہے۔ جو نسائی کے سوا صحاح ستہ کی ہر کتاب میں پائی جاتی ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ اندر تھے۔ جیسا کہ اسلامی دستور ہے کہ اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے اجازت حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ باہر ہی سے حضرت عمرؓ کو سلام کیا لیکن جواب نہ آیا۔ دوسری دفعہ تیسری دفعہ بھی جب ان کو جواب نہ ملا تو لوٹ گئے۔ ان کا لوٹنا تھا کہ حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اپنا آدمی یہ ہدایت کرکے روانہ کیا کہ ابوموسیٰ کو بلا کر لے آؤ۔ جب وہ آئے تو فرمایا تم نے جو کچھ آج کیا ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم تم نے پائی ہے؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اجازت تین دفعہ لی جائے نہ ملے تو آدمی واپس لوٹ جائے اسی پر میں نے عمل کیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اس طرح سچ پوچھئے تو خبر آحاد کے متعلق اس طرزِ عمل کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن رکھ دی تھی جس دن مغیرہ کی روایت کو سن کر آپ نے مزید شہادت کا مطالبہ فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدِ خلافت

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت عمرؓ نے ذرا آنکھ نکالتے ہوئے فرمایا لتقیمن علیه بینة (تم کو اس پر شہادت پیش کرنی پڑے گی) بعض روایتوں میں ہے کہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لا فعلن (میں تمہارے ساتھ کچھ کروں گا) گویا دھمکی کی ایک شکل تھی، بعضوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ

إِنْ كَانَ هٰذَا شَيْئًا حَفِظْتَهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِهَا وَإِلَّا لَأَجْعَلَنَّكَ عِظَةً ۔ (جمع الفوائد بحوالہ خمسہ ص۱۴۴)

اگر یہ کوئی ایسی بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر تم نے یاد کر لیا ہے تو خیر ورنہ تم کو میں دوسروں کے لئے باعث عبرت بناؤں گا ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقۂ گفتگو کے اس خاص انداز سے ابوموسیٰ کچھ گھبرا سے گئے۔ انصار کا ایک مجمع کہیں قریب میں تھا اسی مجمع میں پریشان حال پہنچے۔ سید القراء حضرت ابی بن کعب اس جماعت میں سب سے بڑے تھے۔ ان ہی سے یہ دریافت کرتے ہوئے کہ آپ لوگوں میں کوئی صاحب ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہو اور حضرت عمرؓ نے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا تھا اس کا بھی اظہار کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے جو مذاق شناس تھے وہ ان کے اس طرزِ عمل کو سن کر ہنس پڑے لیکن حضرت اُبیؓ نے ان لوگوں کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ یہ بیچارے تو پریشان ہیں اور تم لوگ ہنستے ہو۔ پھر کہا کہ اس حدیث سے تو غالباً ہم انصاریوں میں جو سب سے عمر میں چھوٹا ہے وہ بھی واقف ہوگا۔ ابوسعید خدریؓ سب سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ان ہی کو کھڑا کر دیا گیا، ابوموسیٰؓ کے ساتھ گئے اور ان کے بیان کی حضرت عمرؓ کے سامنے توثیق کی۔ بہر حال یہ قصہ تو ختم ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوموسیٰؓ کو خوف زدہ پا کر کچھ حضرت ابی بن کعبؓ کو خیال آیا۔ اُسی وقت یا اس کے کچھ دیر کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:۔

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فَلَا تَكُوْنَنَّ عَذَابًا عَلٰى أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

یعنی اے ابن الخطاب (خدا نے تم کو مسلمانوں کا اگر امیر بنا دیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے لئے تم عذاب نہ بنو ۔

ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شکایت کو سن کر جو واقعہ تھا اس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا کہ

سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّمَا سَمِعْتُ شَيْئًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَثَبَّتَ

سبحان اللہ سبحان اللہ میں نے ایک بات سنی میں نے یہ چاہا کہ پایۂ ثبوت تک وہی بات پہنچائی جائے ۔

بعض روایتوں میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت عمرؓ نے ابوسعید خدری کی مزید تائید کے بعد ابوموسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ

أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَتَّهِمْكَ وَلٰكِنْ خَشِيْتُ

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ غلط بیانی کے ساتھ تم کو میں متہم نہیں

ہیں وقتاً فوقتاً اس بنیاد کو زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش کرتے رہے، ابوموسیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوروں کے ساتھ بھی حضرت عمرؓ نے کئی دفعہ اسی طرزِ عمل کو دہرایا۔ لہ

(بلکہ مجھے صرف تشویش) اَنْ یَّتَقَوَّلَ النَّاسُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ — کرتا ہیں مجھے اس کا اندیشہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں لوگ نہ منسوب کرنے لگیں۔

اور بات درحقیقت یہی تھی یہ نہ تھا کہ تنہا ابوموسیٰؓ کی روایت پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتماد نہ تھا ان کے حالات پڑھیئے خدا جانے اس نوعیت کی حدیثوں میں یعنی صرف ایک صاحب کے بیان پر ان ہی حضرت عمرؓ نے کتنی دفعہ اعتماد کیا ہے لیکن اس وقت ذرا سختی دکھا کر جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے صحابی جیسے ابوموسیٰ تھے ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے تو جو صحابی نہیں ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ پیغمبر کی طرف لاپروائی کے ساتھ باتوں کے منسوب کرنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ محدثین میں بعد کو "شواہد و متابعات" کا جو ذوق پیدا ہوا یعنی ایک ہی حدیث ممکنہ حد تک جتنے زیادہ طریقوں سے مل سکتی ہو ان طریقوں کے تلاش کرنے اور جمع کرنے میں عجیب و غریب والہانہ جذبات کا ظہور ان سے جو ہوا ہے کچھ تفصیل اس کی بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی اپنے اپنے موقعہ پر ان کوششوں کا ذکر انشاء اللہ آئے گا خصوصاً امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کی روایتوں کا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ منجملہ دوسرے امتیازات کے ایک بڑا امتیاز یہ بھی ہے یعنی شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں عموماً ان دونوں کتابوں کی روایتوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

"طرق متعددہ دارد کہ یکے گواہ دیگر تواند بود و ہر یکے متماسک بود" (مکتوبات شاہ ولی اللہؒ صفحہ ۲۱)

اور اسی چیز نے منجملہ دوسری خصوصیتوں کے ان دونوں کتابوں کے درجہ کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ حدیثوں کا کوئی مجموعہ ان کے ہم پلہ باقی نہیں رہا ہے۔ ۱۲

لہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پُرلطف قصہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان کا ہے جو مسجد نبوی سے متصل تھا بیان یہ کیا جاتا ہے کہ مدینہ کی آبادی عہدِ فاروقی میں جب بہت زیادہ بڑھ گئی اور مسجد نبویؐ میں تنگی محسوس ہونے لگی تو اطراف و جوانب کے مکانات کو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے خرید خرید کر مسجد کے ساتھ ملانا شروع کیا۔ آخر میں حضرت عباسؓ کا مکان رہ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بھی حکم دیا کہ فروخت کر دیجئے لیکن وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکم کی وجہ سے وہ اڑ گئے گو حضرت عمرؓ مختلف قسم کی رعایتوں کا ان کے ساتھ وعدے کرتے رہے لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے۔ آخر ایک دن طے ہوا کہ اس قصے کو پنچایت میں دے دیا جائے۔ ابی بن کعب سید القراء صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دونوں نے حَکَم تسلیم کر لیا۔ قصہ ان کے پاس پیش ہوا۔ اُبَیّ نے دونوں کے بیانات کو سن کر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا حکم داؤد علیہ السلام کو جب ہوا اور تعمیر میں جب وہ مشغول ہوئے تو کسی آدمی کا مکان درمیان میں کچھ ایسا حائل ہوا کہ اس مکان کا نقشہ اس سے بگڑتا تھا (یعنی تربیع یا چاروں سمت برابر ہو) اس میں نقص پیدا ہوتا تھا۔ اس شخص سے حضرت داؤدؑ نے کہا کہ فروخت کر دو مگر وہ راضی نہ ہوا آخر حضرت داؤدؑ نے دل میں طے کیا کہ (بزورِ حکومت) اس پر قبضہ کروں گا۔ حق تعالیٰ کو ان کا یہ ارادہ ناگوار گزرا۔ وحی ہوئی کہ داؤد میں نے تم کو حکم دیا کہ میری یاد کے لئے گھر بناؤ سو تم نے ارادہ کیا کہ غصب اور زبردستی چھینی ہوئی زمین کو اس مکان میں شریک کرو، یہ میری شان نہیں ہے کہ [illegible]

الغرض تدوینِ حدیث کی تاریخ میں "شواہد و متابعات" کا جو دیوانِ رفیع بعد کو قائم ہوا سچ پوچھئے تو وہ اسی صدیقی بنیاد پر اس کی تعمیر کھڑی کی گئی۔ الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کے مذکورہ بالا قصہ کو درج کرنے کے بعد بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

وَفِيْ ذٰلِكَ حَضٌّ عَلٰى تَكْثِيْرِ طُرُقِ الْحَدِيْثِ۔ ص۷

یعنی حدیثوں کے طرق میں بعد کو جس کثرت کا خیال لوگوں کو ہوا اس پر لوگوں کو (حضرت عمرؓ) ہی کے طرزِ عمل نے آمادہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جاتی ہے کہ اس کی تعمیر تم پوری نہ کر سکو گے تب داؤدؑ نے کہا کہ پروردگار ایں نہیں تو اس کی تکمیل میرے فرزند کے ہاتھوں کرا دی جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں! یہ ہوگا۔ حضرت اُبیؓ نے یہ حدیث جو سنائی تو حضرت عمرؓ بے اختیار ہوگئے اور اُبیؓ کے دامن کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ میں تو تمہارے پاس اس لئے آیا تھا کہ سہولت پیدا کرو گے تم نے تو اور بھی زیادہ سخت بات پیش کر دی اور کہا کہ تم کو اپنے اس بیان کی تائید میں شہادت پیش کرنی پڑے گی۔ دونوں مسجد آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا ایک مجمع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت ابوذرؓ بھی تھے۔ اُبیؓ نے مجمع کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بیت المقدس کی تعمیر کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اگر سنا ہو تو بیان کرے۔ حضرت ابوذرؓ کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے تب حضرت اُبیؓ نے کہا کہ عمرؓ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مجھے متہم کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا کی قسم میں نے تم کو متہم نہیں ٹھہرایا لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں عام طور پر پھیل جائیں یعنی وہی مطلب کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں عمومیت کا رنگ اگر ان حدیثوں میں پیدا کر دیا جائے گا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی اور انفرادی راہوں سے پہنچائی ہیں تو آنحضرتؐ کا جو منشائے مبارک ہے وہ جاتا رہے گا۔ حضرت اُبیؓ یہ سن کر مطمئن ہوگئے اور جب حضرت عباسؓ کو بھی محسوس ہوا کہ حکم کی راہ سے میرے گھر پر قبضہ کرنے سے عمرؓ مایوس ہو چکے تو حاضر ہو کر فرمایا کہ عمرؓ لو! اب اس مکان کو مسلمانوں کے لئے میں خیرات کرتا ہوں اور ان کی مسجد میں اس کا اضافہ کر کے گنجائش پیدا کرتا ہوں (ابن سعد ج ۴ ص ۱۴)

مسجد نبوی کے پاس حضرت عباسؓ کے اسی مکان کا ایک اور دلچسپ قصہ ہے۔ بے اختیار جی چاہ رہا ہے کہ اس کا ذکر کر دوں۔ ابن سعد ہی میں ہے کہ اسی مکان کے چھت میں ایک پرنالہ تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے کپڑے بدل کر حضرت عمرؓ خلافت کے زمانہ میں مسجد جا رہے تھے اس دن مرغی کے بچے حضرت عباسؓ کے لئے ذبح کئے گئے تھے اس بچے کے گوشت وغیرہ کے دھونے کا خون اور آلائش چھت سے کسی نے بہا دیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ پرنالے کے پاس سے گزر رہے تھے، سارا پانی ان کے جسم پر گرا، اس وقت ایسا جذب طاری ہوا کہ آدمی بلوا کر خود اپنے ہاتھ سے اس پرنالے کو آپ نے اکھڑوا دیا۔ حضرت عباسؓ کو جب خبر ہوئی تو اور کچھ نہ بولے صرف اتنا فرمایا کہ اس پرنالے کو براہِ راست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نصب کیا تھا۔ یہ سننا تھا کہ عمرؓ بے چین ہوگئے اور قسم دے کر حضرت عباسؓ کو آمادہ کیا کہ عمرؓ کے کندھے پر چڑھ کر اس نالی کو اسی جگہ پر نصب کر دیں جہاں پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس کو نصب کیا تھا۔ آخر یہی کیا گیا۔ (ابن سعد ج ۴ ص ۱۲)

لیکن میں کہتا ہوں کہ بنیاد اس کی تو ابوبکر صدیق رکھ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے اس بنیاد کے استحکام و استواری میں مدد ملی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج دین کے اس حصہ کی کیفیت تیرہ سو سال بعد تک مسلمانوں میں اپنی خاص خصوصیتوں کے ساتھ جو موجود ہے یعنی ایک طرف مسلمانوں نے اس حصہ کو دین کے بنیادی حصہ کے برابر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ مدارج و مراتب کے اس فرق کو باقی رکھنے کی کوشش کی گئی، جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً وارادۃً اس حصہ میں پیدا کرنا چاہا تھا۔ اسی طرح ہر زمانے میں اس کا بھی خیال کیا گیا کہ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جائے محض منسوب ہو جانے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہو جاتی بلکہ چھان بین، تحقیق و تلاش، تنقید و تفحص کی کوششوں میں مسلمان ابتداء اسلام سے اس وقت تک مشغول ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کسی خاص علاقہ یا ملک میں جہل کے پھیل جانے کی وجہ سے کچھ دن کے لیے بے تمیزیاں پھیل گئی ہوں۔

تدوینِ حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک اور اہم خدمت

لیکن حضرت ابوبکرؓ کا کام تدوین حدیث کے سلسلے میں صرف ان ہی دو خدمات تک محدود نہیں ہے افسوس ہے کہ کتابوں میں ان کی اس خدمت کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن شاید اس کی اہمیت کا اندازہ جیسا کہ چاہیے تھا لوگوں کو نہ ہوا۔ بات میں ممکن ہو کچھ طوالت پیدا ہو، لیکن کیا کیا جائے مجھ سے پہلے کام لینے والوں نے اختصار سے کام لیا میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جس اہمیت کے مستحق تاریخ کے یہ وثائق تھے ان کی اس اہمیت کا اندازہ اچھے اچھوں کو نہ ہو سکا۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بجائے عمومی اشاعت کے دین کے اس حصہ کے متعلق یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا کہ پہنچانے کی حد تک تو وہ پہنچا دیا جاتا تا لیکن عموماً ہر شخص تک پہنچ جائے اس کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا اسی سے مسلمانوں کی دینی زندگی میں اس حصہ کے لحاظ سے سہولتیں پیدا ہوئیں جو ان سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے بھی راہ کھلی ہوئی ہے لیکن محروموں کی محرومی میں اس لئے اضافہ نہیں ہوتا کہ اس حصہ کے مطالبہ و گرفت میں وہ نوعیت نہیں پیدا ہوتی جو بنیادی حصہ کی خصوصیت ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ایک دوسرا نتیجہ یعنی ان روایتوں کے جاننے والوں اور جو ان سے ناواقف تھے ان دونوں طبقوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا واقفیت اور عدم واقفیت کی وجہ سے ناگزیر تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے حضرت عمرؓ ہی کے متعلق دو قصے اس سلسلہ میں گزر چکے، معمولی آدمی نہیں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں یعنی استیذان (اجازت) کے خاص طریقے اور بیت المقدس والی مسجد کے اس قصے سے جس کا ذکر میں نے حاشیہ میں کیا ہے آپ سن چکے وہ ناواقف تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر دوسرے صحابیوں سے فرمایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ دین کے اس حصہ کو جس طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا تھا ایسی صورت میں بعضوں کا اس سے واقف ہونا اور بعضوں کا ناواقف رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی، خصوصاً جن لوگوں کو معاشی یا اسی قسم کے دوسرے کاروبار کی وجہ سے چوبیس گھنٹہ کی حاضر باشی کا دربارِ نبوت میں موقعہ میسر نہ تھا۔ استیذان والی روایت میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتراف کرنا پڑا:

خَفِيَ عَلَيَّ هٰذَا مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى — یعنی یہ روایت مجھ سے جو مخفی رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا نِيْ عَنْهُ الصَّفْقُ فِي الْأَسْوَاقِ (جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۴۴)

بازاروں کے کاروبار کی مشغولیت نے اس کا موقعہ میرے لیے نہیں رکھا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کثرت روایت کی وجہ بیان کرتے ہوئے بھی یہی کہتے تھے کہ:

إِنَّ إِخْوَانِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ فِي الْأَسْوَاقِ وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مِلَاءِ بَطْنِيْ

میرے دوسرے مہاجر بھائیوں کو بازار کے کاروبار نے اپنے ساتھ مشغول رکھا مگر میں تو صرف پیٹ پر رسول اللہ کے آستانے پر پڑا ہوا تھا۔

غالباً ابوہریرہؓ کی اس پوری روایت کا ذکر کہیں پہلے بھی آچکا ہے حاصل اس کا وہی تھا کہ مہاجرین تو بازار کے کاروبار میں عموماً مشغول رہتے تھے اور انصار کو اپنے باغوں اور کھیتوں کی وجہ سے زیادہ فرصت میسر نہیں آتی تھی البتہ یہ فقیر ابوہریرہ صرف پیٹ پر پیغمبر کے آستانے پر پڑا ہوا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ خود ان کا بیان ہے کہ فَاشْهَدُ إِذَا غَابُوْا وَاحْفَظُ إِذَا نَسُوْا میں اس وقت حاضر رہتا تھا جس وقت یہ لوگ غائب رہتے تھے اور جن باتوں کو دوسرے بھول جاتے تھے مجھے حاضر باشی کی وجہ سے یاد رہ جاتی تھیں، کیونکہ بار بار سننے کا موقعہ ملتا تھا۔

اگرچہ یہ باتیں کس نوعیت کی ہوتی تھیں اس کا اندازہ حضرت عمرؓ والی ان ہی دو روایتوں سے ہو سکتا ہے۔ استیذان اصولی طور پر ایک قرآنی قانون ہے، قرآن ہی میں حکم دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے گھر میں بے دھڑک بغیر اجازت مسلمانوں کو گھسنا نہ چاہیے بلکہ صاحب خانہ کو مانوس بنا کر اور سلام کلام کر کے داخل ہونا چاہیے قرآنی قانون ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ عام ہو چکی تھی، باقی سلام کتنی دفعہ کرنا چاہیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر عمومی طریقہ سے لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ تین دفعہ سلام کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملے تو لیٹ جانا چاہیے۔ پس یہی تین دفعہ سلام کرنا اس کی عمومی اشاعت مسلمانوں میں ضروری نہ تھی۔ پس استیذان یعنی کسی گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلبی کے وقت سلام کرنے کا جو قرآنی حکم ہے اسی حکم کی یہ تفصیل کہ تین دفعہ سلام کیا جائے یہ ایسا مسئلہ تھا جو عمومی اشاعت پانے والے مسائل کی حیثیت نہیں رکھتا تھا اسی طرح بیت المقدس کے متعلق حضرت داؤدؑ کا قصہ۔ سو ظاہر ہے کہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ ہر تاریخی واقعہ کی تبلیغ ہر شخص تک کھلی ہوئی بات ہے کہ فرائضِ نبوت میں داخل نہیں ہے

بقول ابوبکر الجصاص:

لَيْسَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْقِيْفُهُمْ عَلَى الْأَفْضَلِ مِمَّا خُيِّرَ هُمْ فِيْهِ - (تفسیر جصاص ج ۱ ص ۲۰۴)

یعنی جن امور میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے ان کے اس پہلو سے امت کے ہر فرد کو آگاہ کرنا جو بہتر اور افضل ہو، یہ پیغمبر کے لیے ضروری نہیں ہے۔

اسی لیے بعضوں تک پیغمبر کی اس قسم کی باتیں پہنچیں اور بعضوں تک نہ پہنچیں۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کے لحاظ سے اس کی جو بھی قیمت ہو لیکن جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے درمیان اختلاف کا پیدا ہو جانا اس کا ایک

لازمی و ناگزیر نتیجہ تھا۔ اسی کے ساتھ شرعی قوانینِ منصوصہ کی محدودیت اور قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے حوادث و واقعات کی لامحدودیت نے اس ضرورت کو جو پیدا کیا تھا کہ شرعی کلیات کو پیشِ نظر رکھ کر شریعت کے ان ہی محدود قوانین کی روشنی میں نت نئی پیش آنے والی صورتوں کے لئے احکام پیدا کئے جائیں جس کا اصطلاحی نام تفقہ ہے۔ دین اور وہ بھی دینِ اسلامی جو مدعی ہے کہ ہر وہ شخص جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰی نبوت و رسالت کے بعد انسان بن کر زمین کے کُرے پر قیامت تک پیدا ہوتا رہے گا اس کے لئے یہ آخری قانون ہے، ایک ایسے عالمگیر وسیع دینی آئین کے لیے تفقہ کے اس باب کا کھلا رکھنا کس حد تک ضروری ہے اس کا اندازہ آپ کو عام دنیاوی قوانین کے ماہرین کے بیانوں سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ کسی محدود علاقے کے لئے محدود زمانے میں حکومتیں ان قوانین کو بناتی ہیں، لیکن باوجود اس کے جیسا کہ سر سائمنڈ نے اپنی مشہور کتاب "اصولِ قانون" میں لکھا ہے:۔

"بہر حال کسی ملک کے ججوں کے اختیار تمیزی کے بغیر صرف قانون سے انفصالِ مقدمات ناممکن ہے۔" (مترجمہ دار الترجمہ سرکار عالی ص ۲۲)

تفصیل کے لیے تو دیکھئے میری کتاب "تدوینِ فقہ" یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ "تفقہ" کی اسی ناگزیر صورتِ حال سے اختلافات کا پیدا ہو جانا لابدی تھا اور وہ پیدا ہوا۔ مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کا ایک بڑا حصہ عموماً ان ہی دو توں باتوں یعنی آحاد خبروں کی واقفیت و عدم واقفیت پر مبنی ہے یا اس کا تعلق اجتہادی نقاطِ نظر سے ہے جن کا پیدا ہو جانا اجتہادی کوششوں میں قدرتی امر ہے اور خواہ ان اختلافات کے متعلق نہ جاننے والوں میں جس قسم کے خیالات بھی پھیلے ہوئے ہوں[1]۔ مگر جاننے والے جانتے

---

[1] میرا اشارہ اس عام چرچے کی طرف ہے جو مسلمانوں کے متعلق پھیلا ہوا ہے کہ بدترین قسم کی فرقہ بندیوں میں یہ قوم مبتلا ہے غیر تو غیر اپنوں کو بھی اس پر بسا اوقات چھاتی پیٹتے دیکھا گیا ہے لیکن جو اصل واقعہ ہے اسے اپنی مختلف کتابوں مقالات و مضامین میں بہ تفصیل بیان کر چکا ہوں۔ مکتبہ ندوۃ المصنفین نے "مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ" کے نام سے خاکسار کا اسی سلسلہ میں ایک رسالہ بھی الگ شائع کر دیا ہے۔ حاصل یہی ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فوج در فوج دنیا کی قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں تو اس میں شک نہیں کچھ دن کے لیے جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے نت نئے خیالات و عقائد کے رکھنے والے فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں بعض فرقوں کی بنیاد تو سیاسی اختلافات پر مبنی تھی اور ایسے فرقے بھی تھے جو درحقیقت اپنے قدیم موروثی دین اور دھرم کے جراثیم کو بھی اپنے ساتھ لائے شعوری یا غیر شعوری طور پر شروع میں یہ چاہا گیا کہ اسلامی تعلیمات اور ان کے موروثی خیالات میں تطابق و مصالحت پیدا کی جائے اسی غیر محمود کوشش نے جہاں تک میرے معلومات کا اقتضا ہے ان مختلف فرقوں کو اسلام میں پیدا کر دیا تھا لیکن جوں جوں آئندہ نسلوں کے قدم حقیقی اسلام میں راسخ ہوتے چلے گئے آبائی موثرات کا دباؤ ڈھیلا پڑتا گیا، صحیح اسلام جوں جوں نو مسلموں کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا گیا، اپنے آبائی خیالات سے ان کا تعلق کمزور ہوتا رہا تا اینکہ چوتھی پانچویں صدی ہجری تک پہنچتے ہوئے بتدریج یہ رنگ اتنا مٹا کہ یہ سارے فرقے خود بخود مضمحل ہو کر نابید ہو گئے صرف مسلمانوں کی مذہبی تاریخوں میں لوگ ان فرقوں کا نام لکھتے ہیں لیکن دنیا سے ان (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہیں کہ ان ہی اختلافات کے سلسلے میں یہ عجیب و غریب صورتِ حال جو نظر آرہی ہے کہ مسلمانوں کی قوم حالانکہ دنیا کے مختلف اقالیم و ممالک میں کروڑہا کروڑ کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے تخمینہ کرنے والے افراد کے نزدیک چالیس سے ستر کروڑ افرادِ انسانی پر یہ قوم مشتمل ہے جن میں مختلف زبانوں کے بولنے والی سینکڑوں نسلیں بنی آدم کی شریک ہیں۔ ان میں گورے، کالے زرد، گندمی الغرض ہر رنگ اور ہر شکل کے لوگ ہیں لیکن بایں ہمہ بجز شیعہ و خوارج جن کی اقلیت اتنی ناقابلِ لحاظ اقلیت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں گویا ان کا وجود عدم سمجھنا چاہئے کے برابر ہے۔ بہرحال یہ ساری عظیم اکثریت اہلِ سنت والجماعت کے ایک ہی فرقہ کی شکل میں جو پائی جاتی ہے، لوگ اس کو کیوں نہیں سوچتے کہ اختلافات کے ان دو مستقل آتش فشاں پہاڑوں پر جس قوم کی دینی زندگی کی تعمیر کھڑی کی گئی ہے، اسی دین میں وحدت و یگانگت کا یہ حیرت انگیز مدہش مگر ساتھ ہی دلکش روح پرور رنگ کیسے پیدا ہو گیا؟ کیا یہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے لوگوں کا مطالعہ اگر صحیح ہوتا تو ان کے سامنے ان سارے انتظامات اور انسدادی و احتیاطی تدبیروں کا نقشہ آجاتا جو شروع ہی سے اس راہ میں اختیار کئے گئے۔ عہدِ نبوت میں تو اختلافات کے پیدا ہونے کی گنجائش ہی کیا تھی پیغمبر کا وجود قولِ فیصل تھا جو براہِ راست خدا سے علم پا رہے تھے، ہر اختلاف کا فیصلہ پیغمبر کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا تھا۔ قرآن ہی میں بار بار مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ ہر اختلاف میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ تاہم ایک چیز اس زمانے میں بھی پیدا ہو چکی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی کو اصلاح کا ذریعہ بنایا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا وجود معدوم ہو چکا ہے معمولی چھوٹے نا پرسانِ حال فرقوں ہی کا یہ انجام نہیں ہوا بلکہ بعض بڑے منہ زور صاحب السیف والقلم فرقے مثلاً معتزلہ تک کا یہ حال ہے کہ اس وقت اس فرقے کے کسی آدمی کا ملنا تو دور کی بات ہے، کتب خانوں میں اس مذہب کے عقائد و خیالات کی کوئی خالص کتاب بھی نہیں پائی جاتی لغت یا تفسیر وغیرہ کے سلسلے میں گنتی کی چند کتابیں ہیں ان میں کچھ ان کے خیالات ملتے ہیں یا اہلِ سنت نے تردید کے لئے ان کے مسلمات کا اپنی کتابوں میں جو ذکر کیا ہے اس سے کچھ ان کے خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ باقی حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی فقہ کے یہ چار مکاتبِ خیال بلاشبہ مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کے اختلافات پر فرقہ بندی کے اختلافات کا اطلاق قطعاً غلط ہے آخر جب ان میں ہر مکتبِ خیال کے لوگ دوسرے مکتبِ خیال کے ائمہ و اکابر کا اسی قدر احترام کرتے ہیں جتنا اپنے بزرگوں کا تو پھر ان میں کسی ایک جماعت کے دین کو دوسری جماعت کے دین سے جدا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ ہر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں، ازدواجی تعلقات رکھتے ہیں۔ بلکہ حد یہ ہے کہ ایک جماعت کے لوگ دوسری جماعت کے پیروں کے ہاتھ پر بیعت تک کرتے ہیں۔ حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادرؒ کا وجود اس کی سب سے بڑی تاریخی مثال ہے فقہاً حضرت ولا حنبلی مسلک کے پابند تھے لیکن ایسا کون سا مسلمان ہے جو آپ کو سید الاولیا نہیں مانتا۔ واقعی فرقہ کا اطلاق صرف شیعوں پر یا خوارج پر ہو سکتا ہے سو خوارج کا وجود کروڑہا کے مقابلہ میں کسی حیثیت سے قابلِ ذکر نہیں ہے۔ شیعہ فرقے کے مسلمانوں کی تعداد اس میں شک نہیں کہ خوارج سے زیادہ ہے لیکن اہلِ سنت کی اکثریت کثیرہ عظیمہ کے مقابلہ میں سچ پوچھئے تو ان کی تعداد بھی سمندر میں چند تنکوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اختلافات باہمی سے مسلمانوں کو جو منع کیا گیا ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ واقعی اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا ہر مسلمان کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہی معلومات اپنے پاس رکھے جو دوسرے رکھتے ہیں، یا یہ کہ ہر مسلمان وہی بات سوچے جو دوسرے سوچتے ہیں، مگر غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ خصوصاً دین کے اس ثانوی حصہ کو جب پیغمبر اس طریقے سے پہنچا رہے تھے کہ اور تو اور ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مقربین بارگاہ کو بھی بسا اوقات اس سلسلے میں اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا ایسی صورت میں یہ خیال کہ معلومات کے اختلاف سے جو اختلاف قدرتاً پیدا ہوتا یا ہو سکتا تھا اس سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے خود ہی سوچئے کہ اس کا مطلب کیا ہوگا؟ اس طرح جب تفقہ کا باب کھولا گیا تھا اور عرض کر چکا کہ عملی طور پر کوئی دنیوی قانون بھی اس کے بغیر چل نہیں سکتا تو قیامت تک کے لئے ساری دنیا کے لئے جو دینی دستور دیا گیا تھا وہ اس دروازے کے بند کرنے کے بعد ہر نئی رو زمانہ پیش آنے والی صورتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت کیسے رکھ سکتا تھا اور ”تفقہ“ کے دروازے کو کھلا رکھنے کے بعد یہ توقع کیا پوری ہونے والی توقع ہو سکتی ہے کہ شرعی کلیات اور نصوص کو پیش نظر رکھ کر نئے پیش آنے والے حوادث کے متعلق حکم پیدا کرنے والے ہمیشہ ایک ہی نتیجہ تک پہنچیں گے۔

میرے نزدیک تو اختلاف سے ممانعت کا اگر یہی مطلب لیا جائے گا تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سارے انسانوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کے رنگ کو ایک کر دو اپنے قدوں کو برابر کر لو، ہر شخص ایک ہی قسم کی آواز منہ سے نکالے، الغرض جو کچھ ایک کے پاس ہے ضروری قرار دیا جائے کہ وہی سب کچھ دوسرے کے پاس بھی ہو اور وجہ یہ بیان کی جائے ان ہی چیزوں کے اختلاف سے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ حکم ہمیشہ ان ہی چیزوں کا دیا جا سکتا ہے جو آدمی کے اختیاری حدود میں ہوں۔ بھلا غریب آدمی کے بس میں ہے کہ اپنے چہروں کے رنگ و روغن، شکل و صورت، قد و قامت، چال ڈھال وغیرہ قدرتی اختلافات اور انفرادی خصوصیتوں کو مٹا کر ایک کر دے اور جیسے یہ اس کے بس کی بات نہیں یقین کیجئے کہ ذہنی اور دماغی یا باطنی خصائل وغیرہ کے فطری اختلافات جن کی وجہ سے فکری اختلافات پیدا ہوتے ہیں، ان اختلافات کو بھی آدمی اپنی قدرت اور اپنے ارادے سے مٹا نہیں سکتا۔ پس یہ کہنا کہ تفقہ میں ہر مسلمان فقیہ کو اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ جس نتیجہ تک شرعی قوانین کی روشنی میں دوسرے پہنچیں اسی نتیجہ تک وہ بھی پہنچے اور یہ باور کیا جائے یا کرایا جائے کہ اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہنے والے قرآن کے ان مطالبوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں جن میں مسلمانوں کو تفرق و اختلاف سے بچنے کی شدید تاکیدیں کی گئی ہیں اور عذاب عظیم کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہ ہوگا مسلمانوں کی تاریخ کے سارے روشن اوراق یقیناً اس کے بعد اچانک سیاہ پڑ جائیں گے۔ میں اوروں کے متعلق تو نہیں کہتا کہ اس سلسلے میں ان کے خیالات کیا ہیں لیکن جہاں تک اپنی ناقص غور و فکر سے کام لینے کے بعد جس نتیجہ تک پہنچا ہوں اسے پیش کر دیتا ہوں۔

میں تو یہی سمجھتا ہوں اختلاف و تفرق سے جن آیتوں میں مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اگر ان کا مطلب یہی لیا جائے گا تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ اسی قسم کا مطالبہ ہوگا کہ کالے رنگ والوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کو گورا بنالیں ورنہ عذاب عظیم کے وہ مستحق ہوں گے میرے نزدیک تو دونوں مطالبوں میں اصولاً کسی قسم کا فرق نہیں ہے پس سوچنے کی بات یہی ہے کہ قرآن جس اختلاف

سے ع کر رہا ہے وہ ہے کیا؟ یقیناً یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہو سکتی جس کی تعمیل انسانی دسترس سے باہر ہو آخر لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی وسعت اور گنجائش ہی کو دیکھ کر مطالبہ کیا جاتا ہے یہ بھی تو قرآن ہی کا کلی قانون ہے جب ہر باب میں اس قانون کی ہمہ گیری مسلم ہے تو اختلاف کا مسئلہ اس کے دائرے سے کیسے باہر ہو سکتا ہے اس معیار پر اس مسئلہ کی جو واقعی حقیقت ہو سکتی ہے اسے متعین کیجیے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں یعنی وہی گورے اور کالے کے اختلاف کو دیکھئے، چہروں کے رنگ کے اس اختلاف کو یہ تو ظاہر ہے کہ آدمی ختم نہیں کر سکتا، گوروں کو کالا اور کالوں کو گورا یا رنگینوں کو پھیکا اور پھیکوں کے چہروں پر وہ رنگ نہیں بھرے جا سکتے جو رنگین چہروں والے کی خصوصیت ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر چاہا جائے تو چہروں کے رنگ کے ان قدرتی اختلافات کو مخالفت کا ذریعہ بنا کر بنی آدم کو مختلف ٹولیوں میں یقیناً بانٹا جا سکتا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ آئے دن یہ کیا جا رہا ہے کتنی بے دردی کے ساتھ رنگ کے اسی قدرتی اختلاف کو خونریز مخالفتوں کا ذریعہ بنایا گیا ہے پس اختلاف تو ایک قدرتی بات ہے لیکن اس قدرتی اختلاف کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ بنانا یہ قطعاً انسان کی ایک مصنوعی حرکت ہے، قدرتی اختلافات کی راہوں کو بند کرنا اور کلیتہ ان کا استیصال یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے مگر ان ہی قدرتی اختلافات کو ذریعہ بنا کر ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانی یہ قطعی طور پر آدمی کی اختیاری چیز ہے ۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا یہی اختیاری پہلو ہے، بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ معلومات یا افکار و خیالات یا اجتہادی نتائج کے اختلاف کو چاہئے کہ باہمی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنائیں یعنی ان ناگزیر قدرتی اختلافات کو بنیاد بنا کر ایک طبقہ کے دین کو دوسرے طبقے کے دین سے جدا کرنے کے جرم کے مرتکب نہ ہوں قرآن اسی جرم سے مسلمانوں کو روکنا چاہتا ہے حاصل یہ ہے کہ جن اختلافات کا مٹانا آدمی کے بس میں نہیں ہے ——— ان کے مٹانے یا ختم کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ ان اختلافات کو ارادی مخالفتوں اور مخاصمتوں کا یعنی ایک کے دین کو دوسرے کے دین سے جدا کرنے کا ذریعہ بنانا یہ فعل چونکہ ہمارے اختیاری حدود میں داخل ہے، اس لیے درحقیقت اسی سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اور منع کرنے کی یہی ہو بھی سکتی ہے ۔ قرآن نے اس باب میں جو حکم دیا ہے وہ بالکل واضح اور بین ہے مثلاً ارشاد ہے :

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران)

اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور مختلف ہوئے بعد اس بات کے ان کے پاس "بینات" آ چکے تھے وہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے

آپ دیکھ رہے ہیں اِخْتَلَفُوْا سے پہلے "تَفَرَّقُوْا" کا لفظ ہے جس سے اشارہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کیا یہ اسی طرف کیا گیا ہے کہ لوگ دراصل تفرق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنا چاہتے ہیں تب اس جدائی کا ذریعہ مذہب کے اختلاف کو بنا لیتے ہیں حالانکہ البینات ان کے پاس موجود رہتا ہے

اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اسلام کا نقطۂ نظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دین کے جس حصہ کی حیثیت "بینات" کی ہو یعنی دین سے جس کا تعلق بالکل واضح اور روشن ہو، مثلاً وہ ساری چیزیں جو عمومیت کی راہ سے منتقل ہوتی ہوئی مسلمانوں میں چلی آ رہی ہیں اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا واضح اتنا بین اور کھلا ہوا ہے کہ جو اسلام اور ان چیزوں کو جانتا ہے خواہ مسلمان ہو یا نہ ہو شاید اسلام کا ان کے بغیر وہ تصور ہی نہیں کر سکتا مثلاً قرآن یا حج یا نماز، رمضان کے روزے وغیرہ ان کا یہی حال ہے

بہرحال ان ہی "البینات" پر متفق و متحد ہو جانے کے بعد ہدایت کی گئی ہے کہ دین کے "غیر بنیاتی" حصہ کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کی حرکت جدا کرنے والوں کو عذابِ عظیم کی مستحق بنا دیتی ہے۔ حاصل یہی ہوا کہ قدرتی طور پر جن اختلافات کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے ان سے نہیں منع کیا گیا ہے اور نہ ان سے منع کیا جا سکتا ہے کہ اختیاری حدود میں وہ داخل ہی نہیں ہیں بلکہ ان ناگزیر قدرتی اختلافات کو چاہیے کہ باہم ایک کو دوسرے سے جُدا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے ممانعت کا حقیقی رُخ انسان کے اسی ارادی فعل کی طرف ہو سکتا ہے اور اسی طرف اس کا رخ ہے بھی۔

میں نے جیسا کہ عرض کیا تھا کہ عہدِ نبوت میں ان قدرتی اختلافات کے پیدا ہونے کی گنجائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کی وجہ سے تھی ہی نہیں، تاہم اس وقت بھی اختلاف کی ایک صورت سامنے آ ہی گئی یعنی زبانوں کا دستور ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والے کیوں نہ ہوں لیکن ان لوگوں میں بھی تھوڑا بہت لہجہ، طریقہ ادا، تلفظ وغیرہ کے اختلافات پیدا ہی ہو جاتے ہیں کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ہر بارہ میل پر زبانوں کے ان اختلافات کا تجربہ کیا گیا ہے ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، لیکن اس مشاہدے کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والوں میں مذکورہ بالا اختلافات کو ہر جگہ لوگوں نے پایا ہے، ہماری اردو زبان ہی کو دیکھ لیجئے شمال و جنوب و مشرق و مغرب کے اکثر ہندوستانی علاقوں میں یہ بولی جاتی ہے، لیکن باوجود ایک زبان ہونے کے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جنوبی ہند کے اردو بولنے والے ایک ہی لفظ کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں کہ شمالی ہند والے اگر چاہیں بھی تو اس طریقے سے لفظ کا تلفظ نہیں کر سکتے اور یہی حال مختلف صوبجاتی مقامی اختلافات کا ہے۔ عربی زبان جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا یہ زبان سارے عرب کی تھی۔ لیکن عرب کے مختلف علاقوں کے باشندوں کی زبان میں بھی وہ سارے اختلافات پائے جاتے تھے، جن سے کوئی زبان بچی ہوئی نہیں ہے۔ حجاز، یمن، نجد یا مختلف قبائل قریش، بنی تمیم، قحطانی، غیر قحطانی قبائل کے اندر اس قسم کے کافی لسانی اختلافات پائے جاتے تھے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسی جلیل ہستی جن کی ساری زندگی قریش میں بلکہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارک میں گزری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو قرآن پڑھایا تھا، لیکن نسلاً و اصلاً یہ ہذلی تھے اس لئے حتّٰی کا تلفظ آخر عمر تک وہ عتّٰی کرتے رہے۔ مسند احمد میں ہے کہ مشہور حدیث جس میں ہے کہ تورات میں آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات بیان کئے گئے ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ آپ دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے جائیں گے جب تک ملت عوجا (ٹیڑھی ملت) سیدھی نہ ہو جائے۔ جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور جن قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ان کو اسی کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے کھول دیں گے۔ عربی میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حَتّٰی يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَيَفْتَحُ بِهَا اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا۔ حضرت عطاءؒ فرماتے تھے کہ میں نے کعب احبار سے جو توراۃ کے مستند عالم اس زمانے میں سمجھے جاتے تھے ان سے پوچھا کہ آپ کا علم ان الفاظ کے متعلق کیا ہے یعنی تورات میں الفاظ کیا پائے جاتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ کعب نے اس کی تصدیق کی صرف فرق یہ نظر آیا کہ

اَنَّ كَعْبًا يَّقُوْلُ بِلُغَتِهٖ اَعْيُنًا عُمُوْمِي اٰذَانًا

کعب بجائے اعینا عمیا کے اعینا عمومی اور اذانا صما کے اذانا

صُمُوْمِي وَقُلُوْبًا غُلُوْفِي

صمومی اور قلوبا غلفا کے قلوبا غلوفی کے ساتھ ان الفاظ کا اپنی

درحقیقت یہ زبان کا اختلاف نہیں ہے بلکہ لہجہ کا اختلاف ہے جس کی تعبیر عطائے نے "لغت" کے لفظ سے کی ہے۔ کعب یمن کے رہنے والے تھے۔ حجازی لہجہ اور یمنی لہجہ کے فرق کا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے "عما" کو کھینچ کر یمنی "عموما" اور "صما" کو "صموما" "علقا" کو "علوقا" بنا دیتے تھے۔

بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن حجاز سے نکل کر جب عرب کے دوسرے علاقے اور قبائل میں پہنچا تو تلفظ و لہجہ اور اسی قسم کے لسانی اختلافات جن کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا، نمودار ہوتے۔ غیر اصولی اختلافات کے متعلق چاہیے کہ باہمی رواداری اور ان اختلافات کے برداشت کرنے کی صلاحیت مسلمان اپنے اندر پیدا کریں۔ لب و لہجہ کے ان ہی اختلافات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عہد مبارک ہی میں عملی طور پر مسلمانوں کی تربیت کا موقعہ مل گیا، بڑے عجیب و غریب دلچسپ اور سبق آموز واقعات اس سلسلہ میں پیش آئے۔ قدرتی ناگزیر اختلافات کو ارادی مخالفت و مخاصمت اور تفرق و جدائی کا ذریعہ بنا لینا اس بدعادت کے جاہل عرب میں عموماً عادی تھے، معمولی ناقابل لحاظ اسی نوعیت کے غیر اہم اختلاف کی بدولت خدا جانے کتنی خونریزیاں ان میں ہو چکی تھیں، کسی قسم کا اختلاف ہو ان کے لیے ناقابل برداشت تھا بلکہ ان میں جو زیادہ ذکی الحس صاحب عزم و ارادہ ہوتے تھے وہی ان اختلافات کے قصوں کو آگے بڑھانے اور ان کی آگ کو ہوا دینے میں سب سے آگے آگے نظر آتے تھے۔ آج کل بھی جیسے دیکھا جاتا ہے کہ اسی قسم کے قدرتی اختلافات مثلاً رنگ و نسل کے اختلافات یا وہمی و فرضی بنیادوں پر جو اختلافات مبنی ہیں مثلاً وطن[1] اور زبان کے اختلافات ان میں سب سے زیادہ حصہ لینے والے اور فتنہ و فساد کی آگ کا ایندھن ان ہی معصوم اختلافات کی لکڑیوں کو بنانے والے زیادہ تر وہی ہوتے ہیں جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کے قومی احساسات زیادہ بیدار اور زندہ ہیں وہی قوم کے لیڈر بن کر قوم کو جنگ و جدال قتل و قتال کی جہنم میں جھونکتے رہتے ہیں۔

---

[1] ظاہر ہے کہ چہروں پر مڑھی ہوئی کھال کا رنگین یا بے رنگ ہونا یا کسی شخص کا بجائے زید کے مثلاً بکر کے خاندان میں پیدا ہو جانا یہ اس کے اختیار کی بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح زمین کا کرہ جو واقعی میں مٹی کا ایک واحد بسیط کرہ ہے ملکوں اور اقلیموں میں اسی خاکی کرے کی تقسیم ظاہر ہے کہ ایک فرضی اور وہمی تقسیم ہے۔ کسی دریا یا پہاڑ یا اسی قسم کی چیز کو سرحد قرار دے کر فرض کر لیا جاتا ہے کہ زمین کا جو حصہ اس پہاڑ یا دریا کے اس پار ہے وہ اس حصہ سے جدا ہو گیا جو اس پار ہے، پہاڑ یا دریا کا وجود تو واقعی ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ اسی پر فلاں ملک ختم ہو جاتا ہے ایک فرضی بات کے سوا اور کیا ہے۔ اسی طرح الفاظ اور معانی میں کھلی ہوئی بات ہے کہ کوئی واقعی تعلق نہیں ہوتا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پانی کو پانی کہا جائے گا۔ فرض کیجئے کہ اسی پانی کا نام کوئی آگ رکھ دے تو واقعہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ آخر کہنے والے اسی ٹھنڈک پہنچانے والے پانی کو جل بھی تو کہتے ہیں مگر لوگوں نے ان ہی مفروضہ اصطلاحات کو اس زمانہ میں شدید قومی کینوں اور عداوتوں کی بنیاد بنا کر جو کچھ کیا اور اس وقت تک کر رہے ہیں وہ ہمارے اور آپ کے سامنے ہے۔

خیر اس عام قصہ کو چھوڑیئے میں عرب کا ذکر کر رہا تھا۔ ہوا یہ کہ جب قرآن کے پڑھنے میں اس قسم کے اختلافات عہدِ نبوت میں رونما ہونے شروع میں بڑی گڑبڑ پیدا ہوئی۔ اسی سلسلے میں خود حضرت عمرؓ بعد کو اپنا یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ

"ہشام بن حکیم نماز میں سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے میں نے جو کان لگایا تو سنا کہ بہت سے حروف کو وہ اس طریقہ سے ادا کر رہے ہیں جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا۔ اس حال کو دیکھ کر میرا جی تو چاہا کہ نماز ہی میں اچھل کر اس شخص کو دبوچ لوں[1] لیکن پھر ٹھہر گیا (یعنی نماز میں مشغولیت کی وجہ سے اتنی دیر کے لیے ٹھہر گیا) جب ہشام نے سلام پھیرا تو میں نے معاً اپنی چادر اس کے گلے میں ڈالی اور پوچھنے لگا کہ تجھے اس طریقہ سے قرآن کس نے پڑھایا ہے جو اس وقت تم کو میں نے پڑھتے سنا۔ ہشام نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا ہے۔"

میں نے ہشام سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے بھی یہی سورۃ پڑھی ہے آپؐ نے قطعاً اس طریقہ سے مجھے نہیں پڑھایا جس طرح تم پڑھ رہے تھے۔ یہ گفتگو تو ان دونوں کے درمیان ہوئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس حال میں کھینچتے ہوئے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میں نے سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے اس شخص کو پایا، ایسے حروف کے ساتھ یہ پڑھ رہا تھا جن کے ساتھ آپ نے یہی سورہ مجھے نہیں پڑھائی ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گفتگو سن کر پہلے تو مجھے حکم دیا کہ اَرْسِلْہُ (تم اس کو یعنی ہشام کو چھوڑ دو) اس کے بعد ہشام کی طرف خطاب کر کے فرمانے لگے کہ

"ہشام تم سناؤ کیا پڑھ رہے تھے۔"

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جس طریقہ سے نماز میں ہشام اس سورہ کو پڑھ رہے تھے، ان ہی حروف کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا شروع کیا۔ جب ان کا پڑھنا ختم ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ ہشام کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔

هٰكَذَا اُنْزِلَتْ   اسی طرح یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔

پھر میری طرف (یعنی حضرت عمرؓ) کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ

"عمر اب تم پڑھو۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حسبِ ارشاد میں نے بھی ان ہی حروف کے ساتھ جن کے ساتھ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا پڑھنا شروع کیا جب میرا پڑھنا ختم ہو گیا تو دیکھا کہ میری قرأۃ کی طرف بھی اشارہ کر کے فرما رہے ہیں:

---

[1] میں نے یہ ترجمہ حضرت عمرؓ کے الفاظ "فَكِدْتُ اَنْ اُسَاوِرَهٗ" کا کیا ہے۔ (دیکھو جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۳۴)

هٰكَذَا اُنْزِلَتْ — اسی طرح یہ سورۃ نازل ہوئی ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ — یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو چاہئے کہ تمہارے لیے جو آسان ہوان ہی حروف کے ساتھ اس کو پڑھو۔

یہ روایت صحاح ستہ کی کل کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ شارحین حدیث نے "سبعہ احرف" کی شرح میں بہت کچھ لکھا ہے حالانکہ میرے خیال میں بات وہی تھی کہ ایک ہی زبان کے بولنے والے اس زبان کے الفاظ کو مختلف لہجوں میں ادا کرتے ہیں اور بھی کچھ اسی نوع کے اختلافات ہر زبان میں عموماً ہوتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ جس کی زبان جس تلفظ اور جس طریقہ کی عادی ہے، اسی کے ساتھ قرآن کو پڑھے۔ میرے نزدیک ان بزرگوں کی رائے اس باب میں بالکل صحیح ہے کہ "سبعہ" (سات) کے عربی لفظ سے خاص سات کا عدد مقصود نہیں ہے بلکہ عربی محاورے میں "تعدد" کے اظہار کا یہ عام طریقہ تھا جیسے اردو میں "بیسیوں" وغیرہ کے الفاظ سے بیس کا خاص عدد بولنے والے کا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کثرت کا اظہار اس سے کیا جاتا ہے، اور عربی زبان کا یہ ایک عام محاورہ ہے۔ خیر اس وقت میرے سامنے اس حدیث کی شرح ہے بھی نہیں بلکہ دکھانا یہ چاہتا تھا کہ عرب جو اس قسم کے اختلافات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہی کے برداشت کی صلاحیت پیدا کرنے کا موقعہ قرآن کے ان ہی قرآنی اختلافات کی وجہ سے مل گیا، کبھی کبھی یہ دکھانے کے لئے کہ قریشی لہجہ کے سوا دوسرے لہجہ اور الفاظ کے تلفظ کے دوسرے طریقے اسی طرح صحیح ہیں جیسے قریشی لہجہ و تلفظ صحیح ہے، باوجود قریشی ہونے کے کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرآن کو دوسرے قبائل کے لہجہ میں پڑھ دیا کرتے تھے مثلاً روایتوں میں آیا ہے کہ سورۂ رحمٰن کی آیت "عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ" کی جو آیت ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا گیا کہ اسی کو "عَلٰى رَفَارِفٍ خُضْرٍ وَّ عَبَاقَرِيِّ حِسَانٍ" کی شکل میں ادا کر رہے ہیں، یہ وہی صورت ہے کہ "عمیا" کو کعب احبار "عموما" اور "صما" کو "صموما"، "غلفا" کو "غلوفا" کے لہجہ میں ادا کرتے تھے۔

بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذکورہ بالا قصہ اگرچہ ایک شخصی واقعہ ہے لیکن قدرتی غیر ارادی اختلافات کو ارادی و اختیاری مخالفت و مخاصمت کے قالب میں ڈھال دینے کی عادت عربوں میں کتنی راسخ تھی اسی عام عادت کی یہ کتنی اچھی مثال ہے خیال تو کیجیے کہ نماز ہی میں اچھل کر دبوچ لینے کا ارادہ کرنا اور نماز کے بعد گردن میں ہشام بیچارے کے چادر ڈال کر کھینچتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانا اور سب سے زیادہ بڑی بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی[1] کو محض اس اختلاف کی وجہ سے بے دھڑک كَذَبْتَ (تم جھوٹ بولتے ہو) کہہ دینا اس سے کچھ

[1] چونکہ ام المومنین خدیجہ رضی ہشام کے والد حکیم بن حزام کی حقیقی پھوپھی تھیں کچھ تو اس کی وجہ سے ان کی ہستی صحابہ میں ممتاز تھی ماسوا اس کے قریش کے بھی ممتاز گھرانے سے ان کا تعلق تھا لیکن حضرت عمر رضی میں اس وقت تک اختلافات کے برداشت کرنے کی اتنی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی تھی کہ اتنے معزز قریشی آدمی کے ساتھ کسی قسم کی رد رعایت روا رکھیں۔ ۱۲

اندازہ ہوتا ہے کہ ان اختلافات کے باب میں عرب کے جذبات کس حد تک نازک تھے مگر پیغمبر کی تربیت نے ان ہی عربوں میں پھر کس رنگ کو پیدا کر دیا؟ یہی حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کسی ناگوار اور بُری بات کی خبر آپ کو ملتی تو فرماتے کہ

مَا بَقِيْتُ اَنَا وَ هِشَامٌ فَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱)   جب تک میں اور ہشام دونوں آدمی باقی یعنی زندہ رہیں اس وقت تک تو ایسا نہ ہوگا۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طریقہ کار کا اعلان ہوا کہ باوجود اختلاف رہنے کے آپس میں ایک کا دوسرے سے جدا ہو جانا یا مخالف ہو جانا غیر ضروری ہے بلکہ اختلاف کے ساتھ اتفاق کو بہرحال باقی رکھنا چاہیے جب قرآنی آیات کے ذریعے آپؐ نے صحابہ کی عملی تربیت اس سلسلہ میں شروع کی تو ابتدا میں بعض خطرناک واقعات بھی پیش آئے جن میں سب سے زیادہ اہم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے، صحابہ میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت سمجھی جاتی تھی کہ ان میں وہ اَقْرَءُهُمْ تھے یعنی قرآن کے پڑھنے والوں میں یہ سب سے اچھے تھے، اَقْرَءُهُمْ یعنی سب سے اچھا قرآن پڑھنے والے صحابہ میں وہی ہیں اسی کی سند بارگاہِ نبوت سے ان کو ملی تھی۔ قرآن کے ساتھ ان کی خصوصیت کا ذکر مختلف طریقوں سے کتابوں میں کیا گیا ہے۔ بہرحال ان کے ساتھ بھی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی کہ مسجد نبوی میں دو صاحبوں کو نماز میں قرآن کو اس طریقے سے پڑھتے انہوں نے سنا جو ان کی قرأت کے مطابق نہ تھا اور خود ان دونوں کی قرأتوں میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت اُبیؓ ان دونوں کو ساتھ لیے ہوئے دربار رسالت پناہی میں حاضر ہوئے اور جو واقعہ تھا اس کا اظہار حضرت ابی نے کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو حکم دیا کہ جو کچھ تم نے پڑھا تھا مجھے سناؤ۔ جب دونوں سنا چکے تو حضرت اُبیؓ کہتے ہیں کہ فَحَسَّنَ شَانَهُمَا (دونوں ہی کی قرأۃ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراہا اور کہا کہ خوب پڑھتے ہو) حضرت ابی جن کا خیال تھا کہ قرأۃ قرآن میں تمام صحابہ میں میں سند سمجھا جاتا ہوں ایسی صورت میں ان کے اس احساس پر متعجب نہ ہونا چاہیئے کہ جس قرأۃ کو میں نے ناپسند کیا ہے آنحضرتؐ بھی اس کو ناپسند کریں گے لیکن ناپسند تو کیا کرتے پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی اور پھر ایسی دو قرأتوں کو آپ نے سراہا جن میں خود بھی ہر ایک کی قرأت دوسرے کی قرأت سے مختلف تھی۔ یہ حالات تھے ہی ایسے کہ اُبی جیسے راسخ الاعتقاد مومن کا بیان ہے کہ (العیاذ باللہ) فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

سمجھا آپ نے کیا مطلب؟ حضرت اُبیؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرأۃ کے ان قدرتی اختلافات میں سے ہر ایک کے لئے گنجائش پیدا کرنا بلکہ دو مختلف باتوں کی تحسین و تعریف ان کی اس فطرت کے لیے جس میں سرے سے اختلافات ہی کی برداشت کی صلاحیت نہ تھی اسی فطرت تو قرآن کے متعلق تین تین اختلافی شکلوں کے برداشت کر لینے پر آمادہ کرنا ایک ایسی بات تھی کہ مسلمان ہونے کے باوجود پیغمبرؐ کی نبوت اور رسالت ہی کے متعلق شک نہیں بلکہ جیسا کہ وہی کہتے ہیں کہ تکذیب کا شعلہ (العیاذ باللہ) ان کے اندر بھڑک اٹھا اور کیسا شعلہ؟ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت یعنی اسلام لانے سے پہلے تکذیب کی جو کیفیت قلب میں تھی اس کو اس تکذیب سے کیا نسبت؟ گویا ایمان و اسلام کا سارا سرمایہ

... مطلب میں نے معانی حدیث کے سب سے بڑے مستند شارح علامہ طیبی کے خیال کے مطابق بیان کیا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

ان کی ذکاوت پر قریب تھا کہ قربان ہو جائے جو موروثی طور پر ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے پہلے پائی جاتی تھی اور قریب تھا کیا معنی؟ وہ تو کہتے ہیں کہ سب کچھ کھو چکا تھا سارا سرمایہ ایمان کا اسی آگ کے شعلوں میں بھسم ہو چکا تھا وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ یہ فوری کیفیت ان میں اس وقت پیدا ہوئی جب العالمین کی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ کھڑے ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اُبی کا قصہ گویا یوں سمجھئے کہ اسی وقت ختم ہو چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس کیفیت کو تاڑ لیا یا کشفاً آپ پر اُن کے قلب کی حالت کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے کسی فہمائش کے جو آپ کا عام قاعدہ تھا محسوس فرمایا کہ اس وقت اس بیچارے کا کام فہمائش سے نہ چلے گا اور آخری اقتداری تدبیر جو پیغمبروں کو قدرت کی طرف سے مرحمت ہوتی ہے اسی اقتداری تدبیر سے آپ نے کام لینا ضروری خیال کیا۔ حضرت اُبی کہتے ہیں کہ میرے اس حال کو محسوس کر کے :

ضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ ـــــــ (دو ہتھڑ میرے سینہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مارا۔)

یہ روحانی تربیت کے سلسلہ میں توجہ کی ایک شکل ہے[1]، توجہ اور وہ بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کارگر نہ ہوتی تو اور ہوتا کیا۔ اُبیؓ کہتے ہیں :

خففتُ عِرْقًا وَّکَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فَرَقًا (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم وغیرہ) ـــــــ (میں اس توجہ کے بعد پسینے سے شرابور ہو گیا اور گویا ایسا معلوم ہوا کہ خوف سے میں خدا کو دیکھ رہا ہوں۔)

ایک شر تھا جس سے حضرت اُبیؓ کے لئے ایک ایسا خیر پیدا ہوا کہ شاید اگر یہ حالت ان پر طاری نہ ہوتی تو اس کا موقعہ ان کو مشکل ہی سے میسر آ سکتا تھا، پیغمبر کی توجہ نے خدا کو ان کے سامنے بے حجاب کر دیا، سارے مقامات طے ہو گئے۔
کچھ بھی ہو میں تو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ قرآن میں مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے جو منع کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب سمجھ لینا کہ جو اختلافات قدرتی واقعات کے لازمی نتائج ہیں ان اختلافات سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ جیسا کہ عرض کرتا چلا آ رہا ہوں کہ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعض لوگ جو عربی محاوروں سے ناواقف ہیں زبردستی ان الفاظ کے معانی کو توڑنے مروڑنے کی غیر ضروری کوشش اس لئے جو کرتے ہیں تاکہ حضرت اُبیؓ کا دامن ایسے سخت الزام سے پاک رہے اولاً وہ عربی محاورے کی رو سے درست نہیں ہے نیز اس قصے سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کو بھی ان کا پیدا کیا ہوا مطلب مضمحل کر دیتا ہے۔ حضرت ابی کا جب وہ حال باقی نہ رہا تو اب ان پر الزام ہی کیا رہ جاتا ہے کتنے صحابہ ہیں جو کفر کی بدترین حالتوں سے نجات یاب ہوئے کیا اس لئے کہ وہ صحابی ہیں ان واقعات کا انکار کر دیا جائے۔

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے "توجہ" کی مختلف قسموں کو بتاتے ہوئے "توجہ بالید" یعنی ہاتھ سے توجہ دینا اس کو بھی توجہ کی ایک قسم قرار دی ہے، ابی بن کعب کی اس روایت کے سوا حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ بھی حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر وہ بیٹھ نہیں سکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس کمزوری کا اظہار کیا کہتے ہیں کہ اس وقت بھی آنحضرت نے توجہ بالید ہی سے کام لیا یعنی ان کی پیٹھ کو دونوں ہاتھوں سے آپ نے ٹھونک دیا، جب میں رہ یہ گیا ہے کہ اس توجہ کے بعد گھوڑے پر سوار ہونے کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی پیٹھ پر کوئی میخ ٹھونک دی گئی ہے۔

کہ دوسرے سے جدا کرنے کا ذریعہ ان اختلافات کو بنانا اسی عادتِ بد کا انسداد مقصود ہے، مطالبہ کی کوئی بات اگر ہو سکتی ہے تو یہی ہو بھی سکتی ہے کہ یہی چیز آدمی کے اختیار کی ہے ورنہ غیر اختیاری امور کے مطالبہ کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ مطلب نہیں ہے تو قرآن کی ان آیتوں کے پڑھنے والے اس کا کیا جواب سوچا کرتے ہیں جب ان کے سامنے ابتداء سے آخر تک مسلمانوں کی ساری تاریخ جس میں عہد صحابہ بھی شریک ہے اور اختلافات سے معمور اور بھری نظر آتی ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اول سے آخر تک بہرے اور اندھے بن کر سارے مسلمان قرآن کے ایک ایسے قانون کو مسلسل انتہائی لاپرواہیوں کے ساتھ توڑتے رہے جس کا بار بار مختلف الفاظ میں اس کتاب میں اعادہ کیا گیا ہے مالکم کیف تحکمون۔

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں قرآنی قرأت کے اختلافات کی ایک ایسی قدرتی صورت سامنے آگئی کہ مسئلہ اختلاف میں جو مطلوب تھا اس کو غیر مطلوب سے الگ کر کے دکھلانے کا موقعہ عملاً آپ کو مل گیا جس کا عملی درس مختلف شکلوں میں صحابہ کو آپ دیتے رہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں کہ میرے ساتھ بھی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ قرآن کو کچھ ایسے طریقے سے پڑھ رہا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پڑھتے ہوئے نہیں سنا تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جو کچھ اس سے میں نے سنا تھا بیان کیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جس وقت اس قصہ کو خدمت مبارک میں عرض کر رہا تھا، میں نے آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار محسوس کئے اسی مکدر چہرے کے ساتھ آپ نے ہم دونوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ

اِقْرَا فَكِلَاكُمَا مُحْسِنٌ

دونوں جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو، تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔

ابن مسعودؓ کی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ

وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔ (جمع الفوائد)

آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف مت کیا کرو تم سے پہلے بھی لوگوں نے اختلاف کیا تب وہ تباہ ہوگئے۔

آپ دیکھ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو، دیکھ رہے ہیں، دونوں کی قرأتوں میں جو اختلافات تھے ان کو باقی رکھتے ہوئے، دونوں کو سراہتے ہوئے ہر ایک کی تحسین کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ "آپس میں اختلاف نہ کیا کرو" کیا یہ سوچنے کی بات، نہ تھی کہ اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے اس حکم کی تعمیل یعنی لَا تَخْتَلِفُوْا (آپس میں اختلاف نہ کیا کرو) کی تعمیل کی ممکنہ شکل کیا ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے کہ لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو لیکن بحمد اللہ عملاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک کو مسلمان ہمیشہ سمجھتے چلے آئے ہیں اور سمجھانے والے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں جو اصل واقعہ ہے اس کو سمجھاتے رہے ہیں۔

میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ذکر کر رہا تھا کہ "تدوینِ حدیث" کی تاریخ میں ان کی تعمیری اہم خدمت یہی تھی کہ اختصاصی راہوں سے حدیثوں کا جو ذخیرہ مختلف افراد میں پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے علم و عدم علم کے اختلاف کا جو ایک بڑا خطرہ کا پہلو پیدا ہو سکتا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں جہاں تک میرا خیال ہے قرآنی اختلافات کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عملی نمونے ان کے سامنے پیش ہوئے تھے ان ہی کو پیشِ نظر رکھ کر اختلاف کے اس خطرے کے انسداد کی پوری کوشش کی۔

حدیث سے متعلق عہدِ صدیقی کا ایک اہم وثیقہ اور اس پر مبسوط بحث

ہوا یہ جیسا کہ ہونا چاہیے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان دونوں راہوں سے یعنی خبر آحاد کے معلومات میں کمی وبیشی یا ان کے متعلق علم وعدم علم کی وجہ سے نیز رہتی دنیا تک تفقہ کی راہ دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے جو کھولی گئی تھی اس راہ میں نتائج ونظریات کے اختلاف کی وجہ سے قدرتی اختلاف کی جن شکلوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا، ان کی پیدائش کا سلسلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ابن ابی ملیکہ کے حوالہ سے الذہبی نے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ

إِنَّ الصِّدِّيْقَ جَمَعَ النَّاسَ بَعْدَ وَفَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيْثَ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهَا وَالنَّاسُ بَعْدَكُمْ أَشَدُّ اخْتِلَافًا فَلَا تُحَدِّثُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ شَيْئًا فَمَنْ سَأَلَكُمْ فَقُوْلُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاسْتَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ۔

(تذکرۃ الحفاظ الذہبی ۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے ہو، جن میں باہم اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہو جائیں گے پس چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو، پھر تم سے اگر کوئی کچھ پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اشتراک کا نقطہ اللہ کی کتاب ہے پس چاہیے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال کیا ان کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا ان کو حرام ٹھہراؤ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "تدوینِ حدیث" کی تاریخ میں عہدِ صدیقی کا یہ وثیقہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے خصوصاً اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ یہ حکم کسی وقتی تاثر کا نتیجہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ روایت کے الفاظ سے جیسا کہ معلوم ہو رہا ہے صدیق اکبر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی باضابطہ ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس میں انہوں نے اپنی اس تجویز کو پیش کیا ہے لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟

مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ تجویز کے واقعی اگر یہی الفاظ تھے جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں تو ہر پڑھنے والا ان سے اسی نتیجہ تک پہنچے گا کہ حدیثوں کی روایت کے سلسلے کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ آئندہ ہمیشہ کیلئے روک دیا جائے۔

فَلَا تُحَدِّثُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ شَيْئًا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کسی قسم کی کوئی بات نہ بیان کیا کرو

سے زیادہ واضح تعبیر اس مقصد کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مگر سوال یہ ہے کہ واقعی ان کا اگر یہی مطلب تھا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی اس تجویز کو مسلمانوں نے قطعی طور پر مسترد کر دیا

پہلے ہی زمانے میں بلکہ صحابہ بھی ہمیشہ حدیثوں کی روایت میں مشغول رہے اور دوسروں کو کہا کہا جائے اس تجویز کا علم تو ہم
ایک ہی ۔ روایت اور سند کی راہ سے پہنچا ہے لیکن بیسیوں روایتیں دلالت کرتی ہیں کہ ابوبکر صدیق رضؓ خود اپنی تجویز کی مخالفت کرتے رہے
ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تخمینہ ہے کہ

نزدیک بصد و پنجاہ حدیث از مرویات او در دست محدثین باقی ماندہ است ۔ (ج ۲ ص ۲۴)

تقریباً ایک سو پچاس حدیثیں حضرت ابوبکر کی روایت کی ہوئیں محدثین کے ہاتھوں میں باقی رہ گئی ہیں ۔

ابن جوزی نے ایک سو بیالیس[۱۴۲] حدیثوں کا ذکر بقی بن مخلد کی مسند کے حوالہ سے کیا ہے (دیکھو تلقیح ص ۱۶۵) کچھ بھی ہو مذکورہ بالا تجویز والی ایک روایت کے مقابلہ میں سو ڈیڑھ سو روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے ۔ بلکہ متعدد روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں سے صدیق اکبرؓ پوچھتے تھے کہ کوئی حدیث پیش آنے والے واقعہ کے متعلق ان کو معلوم ہو تو بیان کریں ۔ مجھ ہی سے کچھ دیر پہلے یہ سن چکے کہ میراث جدہ میں حضرت ابوبکرؓ نے صحابیوں سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا علم کسی کے پاس ہو تو بیان کرے ۔

سوال یہی ہے کہ پھر آخر ان کی اس تجویز کا واقعی مقصد کیا تھا، قطع نظر ان باتوں کے کہ نہ عام مسلمانوں ہی نے ان کی اس تجویز پر عمل کیا اور نہ صحابہ نے ان کے اس حکم کی پروا کی بلکہ خود ان کا طرزِ عمل ان کی اس تجویز کے خلاف ہی نظر آتا ہے ۔ اصلی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہیں کیا تھا بلکہ گزر چکا کہ تکثیر سے روکتے ہوئے لوگوں کو اس کے عمل پر آمادہ فرمایا تھا یعنی کثرتِ اشاعت سے روکتے ہوئے حدیثوں کی روایت کرنے والوں کی ہمت افزائیاں کی گئی ہیں جن پر تفصیلی بحث گزر چکی۔

بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ کسی روایت کے چند الفاظ کو لے کر اس پر اس لئے اصرار کرنا کہ اپنی خواہش کی ان سے تائید

ؔ شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے یہ سوال اٹھا کر کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل صحبت پیغمبرؐ کے ساتھ ان کے گوناگوں تعلقات وغیرہ امور کے لحاظ سے مذکورہ بالا تعداد حدیثوں کی بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا ہے کہ حدیثوں کی روایت کا زیادہ تر موقعہ صحابیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ملا ۔ بیچارے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چونکہ آنحضرتؐ کے بعد دنیا میں رہنے ہی کا زیادہ موقعہ نہ ملا اور جو ملا بھی سو خلافت اور اس زمانے کی سیاسی پیچیدگیوں کے نذر ہو گیا نیز ان کے زمانے میں ایسے لوگ جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں حاضری کی سعادت میسر نہیں آئی تھی بہت کم مدینہ پہنچے تھے، صحابہ زیادہ تر ان ہی لوگوں سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے ۔ ورنہ جو خود شرف صحبت سے فیض یاب تھے "بہ محتاج نشاندہ بیان بسیارے از احادیث توسط لے بلکہ اکثر آں حدیث از زبانِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ بودند" (ج ۲ ص ۲۴) نیز ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ حدیثوں کے بیان کرنے کی ضرورت واقعات و حوادث کے پیش آنے کے وقت ہوئی تھی ابوبکر صدیق رضؓ کو اتنی تھوڑی مدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملی کہ وقائع ان کے سامنے کم پیش آئے ۔

... یہ دین ہی کا تقاضا ہے ۔ اور نہ علمی دیانت داری میں اس قسم کی خیانتوں کی گنجائش ہے حقیقت جوئی یا واقعہ کی تحقیق کا طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ میں ... تا ہوں کہ اپنے خود تراشیدہ اوہام یا من مانے خیالات کو دوسروں پر خواہ مخواہ مسلط کرنے کی یہ ایک غلط اور مجرمانہ تدبیر ہے۔

آئیے اب اس روایت کے سارے الفاظ کا مطالعہ دوسرے واقعات کی روشنی میں کیجیے پہلے اس کو دیکھئے کہ مجلس میں اپنی تجویز کو رکھنے سے پہلے تمہیدی تقریر حضرت ابو بکرؓ نے جو فرمائی تھی اس کے الفاظ کیا تھے:۔

إِنَّكُمْ تُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ تَخْتَلِفُونَ فِيهَا وَالنَّاسُ بَعْدَكُمْ أَشَدُّ اخْتِلَافًا۔

تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے ہو، جن میں باہم اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہو جائیں گے۔

میرے خیال میں حضرت ابوبکرؓ کے یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں بلکہ ناگزیر قدرتی اختلافات کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں میں ارادی و اختیاری مخالفتوں کے طوفان جو اٹھائے گئے ان ہی اختلافات کی طویل تاریخ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ دوسرا حادثہ تھا جس سے مسلمان دوچار ہوئے تھے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پہلا حادثہ تو اس سلسلہ کا وہی تھا جو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی قرآن کے قرأتی اختلافات سے قریب تھا کہ پھوٹ پڑے اور قریب تھا کیا معنی؟ جن واقعات کا ذکر کر چکا ہوں، ان کو دیکھتے ہوئے تو کہا جا سکتا ہے کہ فتنہ کی آگ بھڑک چکی تھی اور آپ نے دیکھا کتنی بڑی بڑی ہستیاں اس مغالطہ کی شکار ہو چکی تھیں، بلکہ بعضوں کا تو ایمان ہی خطرے میں آچکا تھا وہ تو نبوت کا مبارک عہد تھا، سر اٹھانے کے ساتھ ہی نبوت کی طاقت سے فساد کے شعلوں کو دبا دیا گیا میں تو سمجھتا ہوں کہ:

أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ

اتارا گیا ہے قرآن سات حرفوں پر نہیں ہے ان حروف میں کوئی حرف مگر سب کے سب شفا بخش اور کافی ہیں۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و مسند و النسائی)

کے مسلسل اعلانات کے ساتھ ساتھ عملی طور پر آں حضرت م قرأت قرآن کے قدرتی اختلافات کی برداشت کرنے کی صلاحیت و عادت صحابہ میں اگر پیدا نہ کر دیتے، تو مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت شاید یہی اختلاف حاصل کر لیتا کیونکہ براہ راست اس کا تعلق قرآن سے تھا اختلاف پسند جھگڑالو طبائع کے لئے قرآن کا لفظ ایک ایسی طاقت کی حیثیت رکھتا تھا کہ چاہنے والے جتنا چاہتے اسے بڑھا سکتے تھے لیکن فتنہ کی اس آگ کو چونکہ ابتداء ہی میں نبوت کی قوت بجھا چکی تھی، کریدنے والوں نے گو پچھلی صدیوں میں کرید کرید کر اس کو بھڑکانے کی کوششیں کیں لیکن رائے عامہ نے ان اغوائی کوششوں کی طرف کبھی توجہ نہ کی۔ کم از کم میں نہیں جانتا کہ قرأت قرآن کے قدرتی اختلافات نے کسی اسلامی ملک میں کسی زمانے میں کسی اجتماعی فتنہ کی شکل اختیار کی ہو[1] بظاہر ایسا معلوم

---

[1] اور چاہنے والوں نے اس سلسلہ میں کمی کیا کی؟ جن لوگوں نے قرآنی الفاظ کے خاص تلفظ اور خاص لہجوں کی مشق کو اپنا پیشہ بنا دیا ہے اور "القراء" کا لفظ جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں عام علماء کے مفہوم کو ادا کرتا تھا بتدریج عام علماء سے ہٹتے ہوئے خاص ان ہی پیشہ وروں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہر جہت نہ اس قرآنی اختلاف کے مذکورہ بالا حادثہ کے بعد مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں یہ دوسرا حادثہ تھا، جو

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کے لیے مختص ہوگیا، یعنی خاص تلفظ اور خاص لہجہ میں قرآن پڑھنے کی مشق جن لوگوں نے حاصل کی ہے ان ہی کا نام "قرا" ہوگیا خواہ اس مشق کے سوا اسلامی علوم میں سے کسی علم کا ایک حرف بھی ان کو نہ آتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب جس طریقہ سے عربی الفاظ کا تلفظ کرتے ہیں، اسی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا کرنا ایک اچھی بات ہے اور میرے نزدیک تو ایسے لہجہ میں قرآن کا پڑھنا جس سے اس کی تاثیری کیفیت میں اضافہ بھی ہو، یہ بھی کوئی بری بات نہیں ہے اگرچہ بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے، بہرحال بجائے خود تلفظ اور لہجے کے متعلق "القرأۃ" کی کوششیں محمود کوششیں ہیں۔ لیکن یہ کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا اس نے تو قولاً و فعلاً بار بار اس اس، پر اصرار کیا کہ تلفظ کے قدرتی اختلافات کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور جس سے جس طرح بن آئے اسی طرح قرآن پڑھنے کی اسے اجازت دی جائے۔ عربی لہجہ یا تلفظ میں قرآن پڑھنے والوں کو ان بیچاروں کے تلفظ اور لہجہ کو برداشت کرنا چاہیئے جو خالص عربی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے ابوداؤد وغیرہ صحاح کی کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے وَفِيْنَا الْاَعْرَبِيُّ وَالْاَعْجَمِيُّ یعنی ہم میں بعض لوگ عربی (عرب کے باشندے) تھے اور بعض اعجمی (غیر عربی ممالک) کے بھی لوگ تھے۔ آگے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو خطاب کرکے فرمایا! "اِقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ" یعنی "پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے"۔ صحاح ہی کی مختلف کتابوں مثلاً ترمذی میں ہے کہ اس کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے جو ملی کہ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے اور سب کافی اور شفا بخش ہے تو بارگاہِ الٰہی میں یہ اس درخواست کے جواب میں بشارت ملی تھی جو حضور نے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میری امت میں بوڑھے مرد بھی ہیں بوڑھی عورتیں بھی ہیں، جوان لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ لَمْ يَقْرَءُوْا كِتَابًا (جس نے کوئی کتاب نہیں پڑھی) یعنی ناخواندہ لوگ بھی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسی صورت میں ایک عجمی مسلمان پر اس لئے طعن کرنا کہ وہ بیچارا ضاد کے حرف کو اس مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے جس سے عرب اس لفظ کو نکالتے ہیں، کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے۔ السیوطی نے اتقان میں امام ابوشامہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بعض کم علم لوگوں نے پھیلا دیا ہے کہ حدیث میں "سبعۃ احرف" کے الفاظ جو آئے ہیں ان سے مراد قراءت کے مشہور سات مکاتب ہیں، ان لوگوں کی اس جراتِ بے جا کی بھی انہوں نے شکایت کی ہے جو کہتے ہیں کہ قراءت کے مقررہ طریقوں سے جو قرآن نہیں پڑھتا وہ خطا کار ہے بلکہ بعضوں نے تو کفر تک کا فتویٰ صادر کر دیا دیکھو اتقان ج ۱ ص ۱۱۵۔ کچھ بھی ہو اجمالی طور پر بحمد اللہ مسلمانوں پر پیغمبر کی تعلیم ہی کا اثر ہے کہ ان پیشہ ور قاریوں نے جیسا کہ آپ نے دیکھا کفر تک بات پہنچائی ہے لیکن محض اس لئے کہ ان قاریوں کے طریقے سے قرآن پڑھنا چونکہ نہیں آتا اس لئے قرآن کی تلاوت کسی نے ترک نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ وقت اور موقع ہو تو پیشہ ور قاریوں سے آدمی ضرور مشورہ لے لے لیکن قرآن کی تلاوت کو ان کے مشورہ پر موقوف نہ رکھے۔

اِقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ (پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کی سعادت حاصل کرتے چلے جانا چاہئے ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافتِ صدیقی کے زمانہ میں رونما ہوا جیسا کہ صدیق اکبرؓ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی نزاع کی اس شکل نے ان ہی حدیثوں کی راہ سے سر اٹھایا تھا جن کا علم کئی ہزار صحابہ میں بکھرا ہوا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ان حدیثوں کے پہنچانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاص طریقہ اختیار کیا تھا، یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا، یعنی عام طور پر ان حدیثوں کے متعلقہ معلومات کے علم میں لوگوں کی حالت متفاوت اور مختلف تھی اختیار تو کیا گیا تھا یہ طریقہ اس لئے کہ مسلمانوں کی زندگی میں اس سے سہولت پیدا ہو گی بڑھنے والوں کے لیے بڑھنے کی راہیں کھلی رکھی گئی تھیں لیکن اسی کے ساتھ مجرم ہونے سے ان لوگوں کو بچا لینا مقصود تھا جو آگے بڑھنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتے۔

مگر جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس قسم کی حدیثوں کا یہ اختلاف اور تفقہ کے جس دروازے کو قیامت تک پیش آنے والی دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کھلا رکھا گیا تھا جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا شرعی کلیات و نصوص کی روشنی میں ایک ہی نتیجہ تک پہنچنا ضرور نہ تھا۔ ناگزیر اختلافات کی یہ دونوں شکلیں ایسی تھیں کہ ہلکی سی لغزش سے یہ آتش فشاں پہاڑوں کی شکل اختیار کر سکتے تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان اس کی ایک تاریخی شہادت ہے کہ سابق الذکر یعنی حدیثوں والے اختلاف سے آزادی مخالفت کی پیدائش کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ان کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ اسی لیے "تدوین حدیث" کی تاریخ میں ان کی تمہیدی تقریر کے ان الفاظ کو ایک خطرناک منزل کا نشان سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت طیبہ میں جن بزرگوں کی تربیت ہوئی تھی خصوصاً قرآنی قرأت کے اختلافات کے ذریعہ سے اس قسم کے اختلافات کی برداشت کرنے کی صلاحیت جن لوگوں میں آپ پیدا کر چکے تھے جب ان ہی میں حدیثوں کے اس اختلاف نے یہ رنگ، اختیار کرنا شروع کیا تھا تو آئندہ اختلاف کی اس شکل میں کتنی شدت پیدا ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ اس کی پیش بینی اور کون، کر سکتا تھا انہوں نے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا اسی لئے باضابطہ صحابہ کی ایک مجلس کو انہوں نے مدعو کیا ان کی پیش بینی نے جس خطرے، کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا مجلس کے سامنے اسی کو واضح کرتے ہوئے اس خطرے کے انسداد کی جو تدبیر ان کی سمجھ میں آئی تھی، اسی کو ایک تجویز کی شکل میں ان لوگوں کے سامنے آپ نے رکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تمہیدی تقریر کے مطلب کو سمجھ لینے کے بعد ان کی انسدادی تدابیر کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی، کیونکہ جس خطرے کے پیش آجانے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ دے رہے ہیں۔ اس خطرے سے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً دو چار ہونا پڑا ہے، حتیٰ کہ ابھی کچھ دن پہلے اسی سرزمین ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا اقتدار جس وقت ختم ہوا خواہ بجائے خود اسلام اور اسلامی قوانین سے اس حکومت کے تعلق کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن اتنا تو بہرحال ہر شخص محسوس کرتا تھا کہ کسی نئی بات کو چھیڑ کر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق کی آگ بھڑکانا آسان نہیں ہے لیکن حکومت کے اس دباؤ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی جائز یا ناجائز مزاحمتوں کا اندیشہ دلوں سے نکل گیا۔ اور خواہ نیک نیتی سے ہو یا بدنیتی سے طرح طرح کے مشورے مسلمانوں کو ملنے لگے۔ اسی سلسلے میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یہاں سے مجھے بحث نہیں ہے، بلکہ ان احباب سے معافی چاہتے ہوئے جن کے دل کے آبگینوں کو ٹھیس لگاتے ہوئے مجھے خود بھی تکلیف محسوس ہو رہی ہے مگر کیا کروں، واقعہ کے اظہار کے بغیر شاید صحیح طور پر میں اس چیز کے سمجھانے میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتا جس کے سمجھانے کے لیے

اس تازہ تاریخی مثال کا میں نے انتخاب کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس تاریخی مثال کے جو اعاظم رجال و اکابر ابطال تھے اب وہ بیچارے تو دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں پھر بھی بچے کھچے ان کے نام لیواؤں کا خیال آ ہی جاتا ہے جو اپنے گزرے ہوئے ان ہی بزرگوں کے نشان مہر مزار کی حیثیت سے اس طویل و عریض ملک کے بعض گوشوں میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، اب کچھ بھی ہو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ احیائے سنت و قمع بدعت اور خدا جانے کن کن الفاظ، کن کن ارادوں، کن کن نیتوں کے ساتھ کچھ دن پہلے اسی ملک ہندوستان میں اٹھنے والے یہ کہتے ہوئے جو اٹھے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی زندگی جس کے صدیوں سے وہ پابند چلے آ رہے ہیں غیر مسنون زندگی ہے، پھر اس غیر مسنون زندگی کو مسنون زندگی بنانے کے لئے اسی خبر الخاصہ یا خبر الاحاد یا الاحاد والی حدیثوں کے ذخیروں سے ان بزرگوں نے چن چن کر ان ہی حدیثوں کا انتخاب کیا جو ابتداءً اسلام ہی سے ناگزیر قدرتی اختلافات کے رنگ سے رنگین تھے، وہ خود بھی جانتے تھے۔ یا ان کو جاننا چاہئے تھا کہ اختلافات کی یہ صورت کوئی نئی بات نہیں ہے نیز آگاہ کرنے والے ہر زمانہ میں جیسے مسلمانوں کو آگاہ کرتے چلے آئے تھے ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا تھا جس میں ان کو چونکانے والے یہ کہہ کہہ کر نہ چونکاتے رہے ہوں کہ ان اختلافات کی حیثیت وہ حیثیت نہیں ہے جو کفر و اسلام بلکہ طاعت و عصیان کے اختلافات کی ہوتی ہے۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ ضریحہ، جن کی طرف منسوب کرنے والے یہ جاتے ہیں کہ اسی غلط تحریک کی قیادت اور اولیت کو منسوب کر دیں وہی ایک جگہ نہیں بلکہ اپنی مختلف کتابوں میں صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ ان اختلافات کی ہر صورت اور ہر شکل صحیح اور درست ہے صرف ان ہی مسائل اور نتائج کی حد تک شاہ صاحب کا یہ فیصلہ محدود نہ تھا، جن کا تعلق تفقہ اور اجتہاد سے تھا۔ میں نے اپنی کتاب "تدوین فقہ" میں فقہی و اجتہادی اختلافات کے متعلق شاہ صاحب کے اقوال مختلف کتابوں سے نقل کر کے ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں اور صحیح محل ان کے ذکر کا وہی کتاب تھی بھی، بہر حال ان ہی اجتہادی مسائل کی حد تک نہیں بلکہ خبر آحاد والی حدیثوں کی بنیاد پر جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان کے متعلق بھی شاہ ولی اللہؒ اس قسم کی عبارتیں چھوڑ کر دنیا سے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ روانہ ہوئے تھے مجھے خیال آتا ہے کہ اسی مضمون میں کسی موقعہ پر شاہ صاحب کے اس قول کو ان کی کتاب انصاف سے میں نقل کر چکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ

"ایسے اختلافی مسائل جن میں صحابہ کے اقوال ہر پہلو کی تائید میں ملتے ہیں مثلاً عیدین و تشریق کی تکبیریں، محرم کا (بحالت احرام حج) نکاح کرنے کا حکم، یا تشہد (التحیات) کے کلمات جو ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں یا آمین یا بسم اللہ کو آہستہ یا زور سے پکار کر کہنا یا نماز کی اقامت میں بجائے دو دو دفعہ کے ایک ایک دفعہ اقامت کے کلمات کو ادا کرنا یہ اور اس قسم کی ساری باتوں میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ شریعت کے مطابق ہے اور اس کی مخالف شکل غیر شرعی شکل ہے بلکہ سلف کا اختلاف اگر تھا بھی تو اس میں تھا کہ ان دو مختلف صورتوں میں اولیٰ اور بہتر شکل کیا ہے ورنہ دونوں شکلوں کو شرعی شکل قرار دینے پر سب ہی متفق تھے۔" (انصاف ص ۸۹)

اسی موقعہ پر شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہی وجہ تو ہے کہ ہر مسلک کے فقیہوں کے فتووں اور ہر مسلک کے قاضیوں کے فیصلوں کی سب ہی تصحیح کرتے ہیں، بضرورت ایک امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو جو اجازت

دی گئی ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ فقہ کے سارے اختلافی مسائل کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے کہ شریعت کے دائرہ سے کوئی باہر نہیں ہے۔

اور ایک شاہ ولی اللہ صاحب کیا؟ اسلام کے جلیل القدر ائمہ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ان سارے بزرگوں کے اقوال اسی نقطۂ نظر کی تائید میں کتابوں میں موجود ہیں، ان ائمہ سے پہلے تبع تابعین بھی ہمیشہ مسلمانوں کو یہی سمجھاتے رہے۔ چونکہ زیادہ تر ان اقوال کا تعلق ان اختلافات سے ہے جن کا اجتہاد و تفقہ کے نتائج سے تعلق ہے اس لیے بجائے تدوین حدیث کے جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کے ذکر کا موزوں مقام وہی کتاب تھی۔ لیکن خبر آحاد کی حدیثوں سے اختلافات کے متعلق یہی شاہ ولی اللہ تنہا آدمی نہیں ہیں ان سے پہلے بھی علما اور ائمہ نے اسی نقطۂ نظر کا اظہار ان اختلافات کے متعلق بھی کیا ہے یعنی زیادہ سے زیادہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان مسائل میں بہتر شکل کیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ مطابق صورت اس مسئلہ میں کیا ہوسکتی ہے؟ ابوبکر الجصاص نے خبر الواحد بعد الواحد کے اختلافات کا تذکرہ کر کے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"ان حدیثوں کی بنیاد پر مسائل کی جتنی شکلیں پیدا ہوتی ہیں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں جس شکل کو چاہیں اختیار کریں فقہاء اور ائمہ میں یہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ ان شکلوں میں افضل و بہتر شکل کیا ہے"۔

(تفسیر جصاص ج ۱ ص ۲۰۴)

بلکہ الجصاص اور ان کے سوا معتبر علما کا ایک گروہ وہ بھی ہے جو خبر احاد کی ان اختلافی روایتوں کے متعلق ایک خیال یہ بھی رکھتا ہے کہ

"مختلف روایتوں کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ یہ بتانے کے لئے کہ مسلمان ان شکلوں اور پہلوؤں میں سے جس شکل اور جس پہلو کو چاہیں اختیار کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی کر کے دکھایا ہو تاکہ معلوم رہے کہ ساری صورتیں جائز ہیں"۔ (تفسیر جصاص ج ۱ ص ۲۰۴)

ائمہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ان اختلافی آثار و روایات کے متعلق زیادہ تر یہی تھا (جس کی تفصیل تدوین فقہ میں ملے گی کیونکہ امام کی اہمیت فقہ کے باب میں زیادہ تر ان کے اسی رجحان کی وجہ سے ہے)۔

یہی نہیں بلکہ براہِ راست جن لوگوں کی دینی و علمی تربیت صحابہ کرام کے زیر سایہ ہوئی تھی اپنے زمانے میں ان کی طرف سے بھی بار بار اسی نقطۂ نظر کا اعلان ہوتا رہا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے قاسم بن محمد کا شمار مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں ہے وہ بچپن ہی میں اپنی پھوپھی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آغوشِ تربیت میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے آ گئے تھے۔ اجتہادی مسائل کے اختلافات کے متعلق ان کے اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے جو اقوال کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان دونوں حضرات میں جو گفتگو ان اختلافات کے متعلق ہوئی اور آخر میں دونوں نے ان اختلافات کے ہر پہلو کے جواز پر جو اتفاق فرمایا، بقدرِ ضرورت ان سارے قصوں کو اپنی کتاب "تدوین فقہ" میں نسبتاً زیادہ تفصیل سے میں نے بیان کیا ہے[1] یہی نہیں کہ

---

[1] حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے اپنی متصل سند کے ساتھ رجاء بن جمیل کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

صرف اجتہادی و فقہی نتائج ہی کی حد تک ان بزرگوں کا یہی نقطۂ نظر تھا بلکہ خبر احاد والی حدیثوں سے جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی اس کا اندازہ حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں متصل سند کے ساتھ انہوں نے کیا ہے یعنی اسامہ بن زید کہتے ہیں :-

سَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا لَمْ تَجْهَرْ فِيهِ فَقَالَ إِنْ قَرَأْتَ فَلَكَ فِي رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ وَإِذَا لَمْ تَقْرَأْ فَلَكَ فِي رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ۔

(جامع ج ۲ ص ۸۰)

میں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ جن فرض نمازوں میں زور سے قرأت نہیں کی جاتی ان میں امام کے پیچھے پڑھنے (یعنی سورۂ فاتحہ کے پڑھنے) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس پر قاسم بن محمد نے فرمایا کہ اگر تم پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں تمہارے لیے نمونہ ہے اور نہ پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں ہی میں اس کا نمونہ تمہارے لیے موجود ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کی قرأۃ کے مسئلہ میں جو اختلافات ہیں ان اختلافات کا تعلق تفقہ و اجتہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور قاسم بن محمد دونوں حضرات جمع ہوئے اور حدیثوں کا تذکرہ شروع ہوا۔ عمر بن عبدالعزیز کو دیکھا جا رہا تھا کہ قاسم جس حدیث کا تذکرہ کرتے عمر بن عبدالعزیز اس کے مقابلہ میں ایسی روایت پیش کر دیتے جس کا مفہوم قاسم کی پیش کردہ روایت کے مخالف ہوتا آخر دیر تک جب گفتگو اسی رنگ میں ہوتی رہی تو عمر بن عبدالعزیز نے محسوس کیا کہ قاسم بن محمد ان کے طریقۂ کار سے کچھ گرانی محسوس کر رہے ہیں یہ دیکھ کر عمر بن عبدالعزیز نے قاسم سے کہنا شروع کیا، آپ اس کی گرانی کیوں محسوس کر رہے ہیں۔ آخر میں عمر بن عبدالعزیز کا اس باب میں جو خیال تھا اسی کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے :

"صحابہ کی روایتوں میں جو اختلافات پائے جا رہے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ ان اختلافات کے معاوضہ میں سرخ اونٹوں سے میں اتنا خوش نہیں ہو سکتا جتنا کہ ان اختلافی روایات سے خوش ہوں"

"سرخ اونٹ" ایک عربی محاورہ تھا انہوں جس کی قیمت کا مقابلہ کوئی دوسری چیز نہ کر سکے اسے عرب "سرخ اونٹ" کہتے تھے کیوں کہ سرخ اونٹ سے زیادہ قیمتی چیز عربوں کی نگاہ میں کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز رح کی اسی گفتگو ہی کا شاید یہ اثر تھا کہ بعد کو قاسم بن محمد مختلف جلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز رح کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں روایات کا اختلاف اگر نہ ہوتا تو میرے نزدیک یہ کوئی خوشگوار بات نہ ہوتی" آج ان ہی اختلافات کا نتیجہ ہے کہ لوگ اس تنگی میں نہیں ہیں جو ایک ہی قول یا روایت کی وجہ سے پیدا ہو جاتی۔ اب تو آزادی سے ان بزرگوں کے مختلف اقوال میں سے جس قول پر بھی عمل میسر آجائے وہ کامیاب ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۸۰)

سے نہیں بلکہ خبر احاد کی حدیثوں کے اسی ذخیرے سے ہے جس میں امام کے پیچھے پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں طرح کی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جن کو روایت کرنے والوں نے قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اگر میں یہ دعوٰی کروں تو اس کی شکل ہی سے تردید ہو سکتی ہے کہ خبر احاد کی روایتوں سے جتنے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، ان میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ غالباً سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے نہ صرف پچھلی صدیوں میں بلکہ عہد صحابہ میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی طور پر بحث و تمحیص کا مرکز یہ مسئلہ بنا ہوا تھا مگر اس سلسلہ میں ایسے شدید "نزاعی خلافیہ" کے متعلق بھی ہمارے پاس استاد واضح اور صاف تاریخی فیصلہ جب موجود ہے تو نسبتاً ان ہی حدیثوں کی بنیاد پر جن اختلافات کی اہمیت بہت کم ہے ان کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ حدیثوں ہی کی بنیاد پر بھی، جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی نوعیت ایسے حلال و حرام امور کی ہے جن پر حرمت و حلت کا حکم شریعت کے اس حصہ کے نصوص پر مبنی ہے جس کی تعبیر قرآن نے "البینات" سے کی ہے۔ امام مصر لیث بن سعد جن کے حالات کا تذکرہ کسی موقعہ پر گزر چکا ہے، ان کے حوالہ سے، یحیٰی بن سعید القطان نے یہ کتنی پختہ بات نقل کی ہے یعنی لیث کہا کرتے تھے:

مَا بَرِحَ أُولُوا الْفَتْوٰى يُفْتُوْنَ فَيُحِلُّ هٰذَا وَيُحَرِّمُ هٰذَا فَلَا يَرَى الْمُحَرِّمُ أَنَّ الْمُحِلَّ هَلَكَ لِتَحْلِيْلِهٖ وَلَا يَرَى الْمُحِلُّ أَنَّ الْمُحَرِّمَ هَلَكَ لِتَحْرِيْمِهٖ۔

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۸۰)

فتوٰی دینے والے لوگ ہمیشہ سے فتوٰی دیتے ہوئے اگرچہ کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام ٹھہراتے چلے آرہے ہیں لیکن ان فتوی دینے والوں میں سے کسی کو نہیں پایا گیا کہ حرام قرار دینے والے یہ سمجھتے ہوں کہ حلال ٹھہرانے والے تباہ ہو گئے یعنی دین سے خارج ہو کر نجات سے محروم ہو گئے اسی طرح حلال ٹھہرانے والوں نے کبھی یہ نہ سمجھا کہ اسی مسئلے کے متعلق حرمت کا فتوٰی دینے والے ہلاک و تباہ ہو گئے۔

اور سچ پوچھئے تو کتابوں میں اگرچہ اس قسم کے اختلافی نتائج پر بھی حلال و حرام کے الفاظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے لیکن یہ صرف خطرناک قسم کی غلطی ہی نہیں بلکہ میرے نزدیک تو بڑی جسارت ہو گی، اگر حرام و حلال کے الفاظ کا وہی مطلب یہاں بھی سمجھا جائے جو شریعت کے "بیناتی" حصہ میں حلال و حرام کے الفاظ کا مطلب ہوتا ہے، آخر اتنی بات تو تقریباً ہر عامی مسلمان بھی جانتا ہو گا کہ جس چیز کو "البینات" کے نصوص صریحہ میں مثلاً حرام قرار دیا گیا ہے اس کی حرمت کا انکار کرے جو اس کے حلال ہونے کا فتوٰی دے گا، یا برعکس اس کے "البینات" میں جو چیزیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں ان کو حرام قرار دینے والا دونوں کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا وہ گناہ کے نہیں بلکہ جرم بغاوت کے مجرم بن جاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے منکر کا جو انجام ہو گا وہی انجام اس قسم کے باغیوں کے سامنے بھی آئیگا۔

پھر کیا کسی حدیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کسی چیز کے حلال ہونے کا فتوٰی دیا ہے، اور حنفی مذہب میں کیا تئے حلت کے اسی چیز کی حرمت کے پہلو کو ترجیح دی گئی ہو، کیا حلت و حرمت کے یہ اختلافات جو خبر احاد کی حدیثوں پر مبنی ہیں، محض ان کی بنیاد پر مجال ہے کسی حنفی کی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کا بھی اندیشہ کر سکتا ہے کہ اس فتوے کی وجہ سے فضل و قرب کے مدارج و مراتب میں ان کے کسی قسم کی کوئی کمی ہو گئی ہے، یقیناً نہ کوئی حنفی یہ تصور کر سکتا ہے اور نہ کرتا ہے اسی طرح میں نہیں جانتا کہ باوجود ان تمام اختلافات

کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا دعائے خیر کرنے سے کسی شافعیؒ کے دل میں تنگی پیدا ہوتی ہو۔ فقہی مسائل کے اختلافات کی کیا نوعیت ہے اور خود ائمہ اجتہاد و تفقہ سے ان اختلافات کے متعلق جو باتیں کتابوں میں ملتی ہیں میں نے کتاب "تدوین فقہ" میں سب کو سمیٹ کر ایک ہی جگہ پر جمع کر دیا ہے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی معلومات کے تازہ کرنے کے لئے اس کا مشورہ ضرور دوں گا کہ ناظرین "تدوین فقہ" کے اس حصہ کا اس موقعہ پر مطالعہ کر لیں[1]

میں ذکر مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے اس حادثہ کا کر رہا تھا جس میں زوالِ حکومت کے بعد اچانک اس ملک کے مسلمان مبتلا ہو گئے تھے وہی حادثہ جس میں دیکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں نے رزمگاہوں کا قالب اختیار کر لیا، نماز کی صفیں نماز کی صفیں نہیں بلکہ باضابطہ جنگ کی صفیں بن گئی تھیں جو نماز نہیں پڑھتے تھے ان کو نہیں بلکہ نماز پڑھنے والوں کو نمازوں ہی کے پڑھنے والے اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹک رہے تھے۔ آپس میں لاٹھیاں اور جوتے صرف اس لئے چل رہے تھے کہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی تم نے کیوں نہیں اٹھایا، یا امام ولا الضالین پر جب پہنچا تو اس پر نہیں کہ تم نے آمین کیوں نہ کہی کیوں کہ آمین تو سب ہی کہتے ہیں جھگڑا اس پر تھا کہ صرف خدا ہی کو تم نے آمین کا یہ لفظ کیوں سنایا، خدا کے بندے جو تمہارے دائیں بائیں کھڑے تھے ان کو بھی اس لفظ کے سننے کا موقعہ کیوں نہ دیا مسلمانوں ہی کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو مسلمانوں ہی کی مسجدوں سے نکال رہا تھا، اس لئے نکال

---

[1] "تدوین فقہ" میں علاوہ ائمہ اربعہ دوسرے ائمہ اجتہاد کے اقوال بھی آپ کو ملیں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کہنے والے یہ جو کہتے ہیں کہ ائمہ نے یا علماء نے اختلاف کیا بجائے اس کے یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ علماء نے وسعتِ نظر سے کام لیا۔ امت کے لئے سہولت بہم پہنچائی ہے امام احمد بن حنبل سے پوچھنے والے نے جب پوچھا اور کہا کہ کیا آپ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں جس کا وضو آپ کے فتویٰ کی رو سے باقی نہیں رہا ہے اگرچہ دوسرے ائمہ کے قول کے مطابق اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو، اسی طرح کے بعض دوسرے جزئیات کا بھی اس نے ذکر کیا تو جواب میں فرمانے لگے کہ اے شخص تو کیا کہتا ہے میں سعید بن المسیب (جو افضل التابعین سمجھے جاتے ہیں) ان کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا کیونکہ اس مسئلہ میں سعید کا مذہب بھی یہی تھا کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی موقعہ پر میں نے یہ بھی نقل کیا ہے اور تقریباً یہ روایت درجۂ شہرت تک پہنچی ہوئی ہے کہ امام مالک سے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے باصرار بلیغ کہا کہ آپ کے فقہی اجتہادات کو میں بزورِ شمشیر مسلمانوں میں چاہتا ہوں کہ نافذ کرادوں اس پر امام مالک نے شدت سے اس کو منع کیا اور کہا کہ جس علاقہ کے مسلمان جن امور کے پابند ہو چکے ہیں ان کو اسی حال میں چھوڑ دو۔ میں پوچھتا ہوں کہ امام مالک اگر ان مسائل کو جو ان کے اجتہادی مسائل سے مخالف تھے قطعی طور پر خلاف شرع سمجھتے تھے تو کوئی وجہ ہو سکتی تھی، کہ جن کے نفاذ کا ایک بہترین ذریعہ ان کو مل گیا تھا اس سے نفع نہ اٹھاتے اور مسلمانوں کو غلط مسائل پر قائم رکھنے کا مشورہ دیتے؟ الغرض اسی قسم کی باتیں تقریباً تمام ائمہ کے حوالے سے اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں، کتاب "تدوین فقہ" جو ابھی غیر مطبوع نامکمل حال میں ہے اس کا یہ حصہ جس میں فقہی اختلافات کے اس پہلو کا ذکر آیا ہے مجلہ تحقیقاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں شائع ہو چکا ہے جامعہ کے تحقیقاتی شعبہ سے، غالباً یہ مل سکتا ہے۔ نیز برہان وغیرہ شہری مجلات میں بھی قسط وار یہ سلسلہ شائع ہو چکا ہے۔ ناشرین چاہیں تو صرف اسی مطبوعہ حصہ کو بھی شائع کر کے دین کی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ بڑی تقطیع کے سو صفحات بڑٹائپ کے حروف میں یہ مقالہ شائع ہوا ہے

رہا تھا کہ امام نماز میں قرآن کے جس حصہ کو پڑھتا ہے تم نے اُسے سُنا کیوں؟ بجائے سننے کے تم بھی اسی کے دہرانے میں کیوں مشغول نہ ہو گئے جسے امام اپنی طرف سے اور تمہاری طرف سے پڑھ رہا تھا اور بات اسی حد تک ختم ہو جاتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ خیر ایک حد پہ پہنچ کر وہ ختم ہو گئی لیکن قصہ تو یہاں تک دراز ہوا کہ مسلمانوں کی دنیا جن لوگوں نے جبراً ان سے چھینی تھی ان ہی کے سامنے بخوشی در رضا یہ اپنے دین کو لے کر بھی پہنچے جن کی عدالتوں میں پیٹ کے جھگڑوں کے لیے جانے پر تو سمجھا جاتا تھا کہ مسلمان مجبور ہیں ان ہی عدالتوں کے حکام کے پاس وہ اللہ کی کتاب اور جن کتابوں میں انکے رسولؐ کی حدیثیں تھیں ان سب کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے بیہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ ہی بتائیے کہ ہم دونوں فریقوں میں ان کتابوں کی رُو سے واقعی مسلمان کون ہے اور مسلمانوں کی مسجدوں کے استعمال کا قانونی حق کسے حاصل ہے۔ طیش کی آگ اور غصہ کے شعلوں میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا سارا سرمایہ جل کر بھسم ہو چکا تھا ان فیصلوں پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے تھے جو اللہ اور رسول کے جھٹلانے والوں کی طرف سے کوئی فریق حاصل کرتا تھا اور ان ہی فیصلوں کی آڑ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولؐ ماننے والی امت کی ایک جماعت عبادت گاہوں سے ڈھکیلی جا رہی تھی جو نہ عیسائیوں کے گرجے تھے اور نہ یہودیوں کی سنی گاگ ، بلکہ یہ کیسا دل خراش منظر تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں سے مسلمانوں ہی کو نکالا جا رہا تھا کہ جو مسلمان نہیں تھے ان ہی حکام سے ان کے نکالنے کا فیصلہ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کے لیے حاصل کیا تھا ۔

سوال یہی ہے کہ زیادہ دن نہیں آج سے تیس چالیس سال پہلے غیروں کی تالیوں اور اپنوں کی گالیوں کے درمیان رسوائیاں اور بر سرِ بازار فضیحتوں کے مذکورہ بالا قصے جن کی آگ نصف صدی کے قریب قریب ہندوستان کے مختلف گوشوں کے تقریباً ہر اس گھر میں بھڑکی ہوئی تھی جس میں قرآن کی پڑھنے والی اور رسول کو ماننے والی امت آباد تھی۔ یہی میں پوچھتا ہوں کہ ارادی مخالفتوں کی اس آگ کے سلگانے میں کام لینے والوں نے کس چیز سے کام لیا تھا؟ الی اختلاف کے سوا آپ ہی بتائیے اور بھی کوئی چیز تھی جن کا ان حدیثوں کے علم و عدم کی وجہ سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی جو پیغمبر کی ہی طرف سے علمی رنگ میں اس لئے نہیں پھیلائی گئی تھیں کہ ان کے مطالبہ اور گرفت میں نرمی اسی تدبیر سے پیدا ہو سکتی تھی اور اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فَلَا تُحَدِّثُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ شَيْئًا (رسول اللہؐ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کرو) اس کا مطلب بھی مذکورہ بالا تفصیلات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ارادی مخالفتوں کو پیدا کرنے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے وہ منع فرما رہے ہیں، ورنہ جیسا کہ گزر چکا روایتِ حدیث سے مطلقاً ممانعت کی تجویز اگر ہم اس کو قرار دیں گے تو خود ان کے طرزِ عمل، صحابہ کے طرزِ عمل بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے خلاف العیاذ باللہ یہ تجویز ہو گی، بلکہ آگے انہوں نے جو یہ فرمایا کہ

"جب تم سے کوئی بات پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔"

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس تجویز کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانے کے لیے حدیثوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے اور پھیلاتے ہیں انہوں نے اسی لئے قاعدہ ہی بتا دیا کہ جب کبھی اختلافی اغراض کے لیے حدیثوں کے متعلق کوئی پوچھ گچھ، کنج وکاؤ شروع کرے تو اعلان کر دینا چاہئے کہ مسلمانوں کو اتفاقی نقطہ پر سمٹے رہنے کے لئے وہی باتیں کافی ہیں جنھیں

... میں قرآن میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ حاصل یہی ہوا کہ قرآن کے "البینات" پر متحد ہو جانے کے بعد ضرورت نہیں ہے کہ غیر بنیاتی مسائل بھی ایک ہی نقطہ پر مسلمانوں کو جمع کرنے کی فضول کوشش کی جائے کہ اس کوشش سے بجائے ختم ہونے کے اختلاف بڑھے گا۔ بڑھتا ہی چلا جائیگا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں تم سے زیادہ اختلاف میں سخت ہو جائیں گی۔ بہر حال دین کے غیر بنیاتی حصے کے متعلق صحیح مسلک یہی ہے اور اسی کو ہونا چاہئے کہ باہم مسلمان اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے اختلاف کے برداشت کرنے کی صلاحیت اور گنجائش اپنے اندر پیدا کریں، قرآن کے قرأتی اختلاف کو ذریعہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اسی گنجائش کے پیدا کرنے کی مشق صحابہ سے کرائی اور ابوبکر صدیقؓ نے اپنی مذکورہ بالا تجویز کو پیش کرتے ہوئے میرا خیال یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مبارک منشا کی تعمیل پہ ان مسلمانوں کو آمادہ کرنا چاہا تھا جو ان کے زمانہ میں موجود تھے اپنے عہد کے لوگوں کو بھی انہوں نے اسی حکم کی تعمیل کی طرف توجہ دلائی۔ خبر احاد والی روایتوں کی بنیاد پہ اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں فساد اور فتنے سے بچنے کی ایک دوامی تدبیر یہ بتا دی کہ جب وہ پیدا ہو یا اس کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس زہر کے ازالہ کی یہی صورت ہے کہ قرآن کے "البینات" پہ سمٹ جانے اور جمع ہونے کی دعوت مسلمانوں کو دی جائے، دین کے غیر بنیانی مسائل کے ناگزیر قدرتی اختلافات ارادی واختیاری جنگ وجدال کی شکل اختیار نہ کرنے پائیں، اس خطرے کے انسداد کی واحد تدبیر یہی ہے ورنہ "البینات" سے ہٹ کر "غیر بنیاتی" مسائل میں بھی ایک ہی مسلک کا پابند مسلمانوں کو بنانے کا ارادہ جب کبھی کیا جائے گا درحقیقت یہ اجتماع واتفاق کی دعوت نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹنے کی طرف خطرناک اقدام ہوگا، پس سیدھا، صاف، روشن راستہ "لَیۡلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ" کا یہی ہے کہ "البینات" میں جو ایک ہیں وہ بہرحال ایک ہیں خواہ "غیر بنیاتی مسائل" میں وہ جس حد تک مختلف ہوں۔ اس اختلاف سے ان کا اتحاد قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اختلاف کے ساتھ اتحاد، اور اتحاد کے ساتھ اختلاف کی یہی حکیمانہ درمیانی راہ تھی، جس کی عملی مشق کا موقعہ مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی ملا اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں قریب تھا کہ راہ سے مسلمان ہٹ جائیں لیکن یہ ہونے سے پہلے فتنے کے اس سرچشمہ پر ہمیشہ کے لئے آپ نے ایک ایسی ڈاٹ لگا دی کہ وقت پر اگر اس کی خبر نہ لی جاتی تو بقول سعدیؒ ہاتھیوں سے بھی اس سیلاب کا روکنا ممکن نہ تھا[1]۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانے میں بھی لوگوں کو اسی مسلک پر قائم رکھنے کی کوشش کی اور آئندہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ نے اختلاف کے ساتھ اتحاد کو باقی رکھنے کا یہ کارگر بے خطا نسخہ مسلمانوں کے حوالہ فرما دیا کہ اتحاد کا معیار ہمیشہ دین کے بنیاتی حصہ کو رکھا جائے جس کی تعبیر حضرت والا نے "کتاب اللہ" کے لفظ سے فرمائی۔

جیسا کہ شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال کی طویل تاریخ میں مسلمانوں کی وسیع وعریض امت جو کروڑہا کروڑ کی تعداد میں دنیا کے اکثر حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ دین کے غیر بنیاتی حصہ میں اختلافات رکھتے ہوئے بھی ان کی اکثریت عظیمہ اہل السنت والجماعت کی ایک ہی جماعت کی شکل میں جو پائی جا رہی ہے تو یہ اسی حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ ہے اور جب کبھی غیر دینی یا اندرونی یا بیرونی مؤثرات کے دباؤ نے مسلمانوں کو اس راہ سے منحرف کیا ہے تو وہی صدیقی دعوت جس کا حاصل یہی ہے کہ :

---

[1] گلستان سعدی کے مشہور تمثیلی شعر

سرِ چشمہ باید گرفتن بہ میل　　چو پر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل

کی طرف اشارہ ہے۔

ہمارے اور تمہارے درمیان (اشتراک کا نقطہ) اللہ کی کتاب ہے آؤ ہم سب اس کی حلال کی ہوئی باتوں کے حلال ہونے پر اور حرام کی ہوئی باتوں کے حرام ہونے پر جمع ہو جائیں۔"

ہمیشہ کام آئی، اور مسلمانوں کی دینی وحدت کی محافظ بن گئی۔ پچھلے دنوں ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی غیر بنیادی مسائل کے اختلافات شروع ہوئے اور بعض لوگوں میں اس کا جوش پیدا ہوا کہ اختلافی حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج میں جن پہلوؤں کو اپنے معلومات کی بنیاد وہ زیادہ بہتر اور اولیٰ سمجھتے تھے ان ہی پہلوؤں کا پابند ہندوستان کے ہر مسلمان کو بنا دیں لیکن پوری صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ "البینات" پر متحد ہو جانے کے بعد غیر بنیادی مسائل کے اختلافات کے برداشت کرنے کی گنجائش اب ان میں بھی پیدا ہو چکی ہے اب وہ بھی کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں محسوس کرتے جو آمین زور سے نہیں کہتا یا رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ حقیقت ان پر واضح ہو چکی ہے بطور نام نہاد کے اپنے مسلک کو ایک خاص نام سے موسوم کر کے جی رہے ہیں۔ شاید یہ نام بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہے گا[1]

---

[1] پچھلے چند دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ نام پر بھی اتفاق ان میں باقی نہیں رہا ہے، بعض اپنے آپ کو بجائے اہل حدیث یا عامل بالحدیث یا محمدی وغیرہ الفاظ کے کبھی "شافعی" کبھی "حنبلی" وغیرہ بھی کہنے لگے ہیں۔ "حنبلی" ہو جانے کے بعد وہی بات سامنے آ جائے گی جو پہلے سے چلی آ رہی تھی، میں عرض کر چکا ہوں کہ لفظ "حنبلی" کے ساتھ حنفی یا شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ سارے حنفی و شافعی وغیرہ مسلمانوں میں جس کی شخصیت "قدسیہ" "غوثیت کبریٰ" کے مقام سے سرفراز بھی جاتی ہے اور مانا جاتا ہے کہ جن کا قدم مبارک "علی رقبۃ کل ولی" ہے یعنی سیدنا الشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ "حنبلی" ہیں۔ اس موقعہ پر ایک لطیفہ کا بار بار خیال آ رہا ہے میں نے براہ راست بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی ہے کہ حضرت کے پیر و مرشد مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تغمدہ اللہ بغفرانہ کی خدمت میں فرقہ اہلِ حدیث کے ایک ممتاز و نمایاں عالم وہیں حاضر ہوئے۔ مولانا ابراہیم سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت گنج مرادآبادی نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ عامل بالحدیث ہیں۔ بولے جی ہاں الحمد للہ۔ مولانا نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کونسی دعا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں ہے پوچھا کہ گھر سے نکلتے وقت کیا پڑھتے تھے بولے وہ بھی یاد نہیں ہے۔ الغرض یوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات اور مقامات میں جو دعائیں پڑھا کرتے تھے جیسے اکثر مولویوں کو عموماً یاد نہیں ہوتیں، مولوی صاحب بیچارے کو بھی یاد تھیں۔ تب مولانا نے ان ہی اہلِ حدیث مولوی صاحب کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کیوں مولانا! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کے لیے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام "عمل بالحدیث" ہے۔ کہتے ہیں کہ مولوی ابراہیم جھینپ سے گئے۔ مولانا محمد علی مرحوم یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے زمانہ میں مولوی ابراہیم نے ایک خواب دیکھا اور اسی خواب کے بعد حنفی مسلک پر واپس ہو گئے تھے۔ شاید اس مضمون کا ایک مکتوب بھی مولوی ابراہیم کا لکھا ہوا حضرت مولانا محمد علی کے پاس موجود تھا۔

...اس میں شک نہیں کہ ایک مختصر سی بات کے لئے غیر معمولی طور پر مجھے طول کلامی سے کام لینا پڑا، لیکن سچ پوچھئے تو دیکھنے کی چیز ہے، ابوبکر صدیق رضؓ کے مذکورہ بالا الفاظ مختصر نظر آتے ہیں لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ "تدوینِ حدیث" کی تاریخ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خدمت ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے عہد صدیقی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق صرف دو مسئلے اہمیت رکھتے تھے یعنی ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ یہ تو پہلی خدمت تھی جس کی نگرانی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل تھی اس کے ساتھ دوسری اہم خدمت جیسا کہ بہ تفصیل بیان کر چکا ہوں یہ تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں چاہا جاتا تھا کہ عمومیت کا ایسا رنگ نہ پیدا ہونے پائے جس کے بعد نرمی اور مسامحت کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہ سکتی تھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حدیثوں کے مطالبہ اور گرفت میں بہر حال باقی رکھنا چاہتے تھے۔ ہر شخص تک ان حدیثوں کو نہ پہنچانا، مکتوبہ مجموعے جو آپ کے زمانے میں لکھے جا چکے تھے ان کا ضائع کرا دینا عمومی طور پر آئندہ ان حدیثوں کے لکھنے سے لوگوں کو منع کر دینا، ابوبکر صدیق رضؓ کا اپنے ہاتھ سے جمع کی ہوئی حدیثوں کو نذرِ آتش کر دینا یہ اور اس کے سوا اس سلسلہ میں جن دوسرے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، بتا چکا ہوں کہ غرض و غایت سب کی یہی تھی اور عہدِ صدیقی سے ان ہی حدیثوں کے متعلق مسلمانوں کے ذمہ یہ تیسری خدمت سپرد ہوئی کہ مسلمانوں کو لڑانے بھڑانے، ان کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کا ذریعہ ان حدیثوں کو نہ بنایا جائے۔ بالفاظِ دیگر گویا سمجھنا چاہیئے کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار بنایا کہ خبر احاد کی حدیثوں میں انفرادی معلومات کے لحاظ سے قدرتاً جو اختلافات رہ گئے ہیں ان کو ارادی و اختیاری مخالفتوں کی آگ بھڑکانے کا ایندھن اگر کوئی بنانا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے اس غلط استعمال سے اس کو روکا جائے اس میں شک نہیں عملی طور پر تدوینِ حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکر رضؓ کی اس خدمت کا اور اس کی قدر و قیمت کا لوگوں نے بہت کم تذکرہ کیا ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ابوبکر صدیق رضؓ کی طرف مذکورہ بالا روایت جو منسوب کی گئی ہے گزرنے کی حد تک تو تاریخ حدیث کے پڑھنے والوں کے سامنے دوسری روایتوں کے ساتھ یہ روایت بھی گزرتی ہی ہوگی لیکن اس کا واقعی کیا مطلب ہے، ٹھہر کر سوچنے کی ضرورت شاید ہی کسی نے محسوس کی ہو لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عملاً ابوبکر صدیق رضؓ کی عائد کی ہوئی اس ذمہ داری کو صحابہ رضؓ نے قبول کیا اور بعد کو بھی تقریباً ہر زمانہ میں مسلمانوں کو اس باب میں ہم صحابہ کرام کی اس روش کا پابند پاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کے جو مختلف معلومات ان حدیثوں کے متعلق تھے، اور ان میں ہر ایک اسی پر عامل تھا جو وہ جانتا تھا، لیکن عملی اختلاف کے باوجود آج تک کوئی ایسا واقعہ منقول نہیں ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو یا ان اختلافات کی بنیاد پر اپنے دین کو کسی صحابی نے دوسرے کے دین سے الگ قرار دیا ہو، بلکہ جہاں تک میں جانتا ہوں شاید ہی کسی صحابی نے اپنی دینی زندگی کو دوسرے صحابی کی دینی زندگی سے افضل و برتر خیال کیا ہو، کم از کم کوئی روایت مجھ تک تو ایسی نہیں پہنچی ہے، صحابہ کا بھی طرزِ عمل یہی تھا، جسے ان کے فیض یافتوں یعنی تابعین نے دیکھا تھا کچھ دیر پہلے حضرت قاسم بن محمد کا یہ فتویٰ جو میں نے نقل کیا تھا کہ پوچھنے والے نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق جب حضرت سے سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"کہ اگر پڑھو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں اس کا نمونہ موجود ہے اور نہ پڑھو گے تو اس کا نمونہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں تم کو ملے گا۔"

[اسلامی] حکمرانی کے زمانے میں سلف صالح کے جن بزرگوں اور ان بزرگوں کے علم و تحقیق پر بھروسہ کر کے [بز]رگوں نے غیر بنیادی شعبہ میں جن پہلوؤں کو ہندوستان کے مسلمانوں نے افضل و اولیٰ قرار دے کر غیروں کے سامنے اس کفرستان میں بے مذہبی نظام کی وحدت و یک رنگی کے دل آویز سماں کو سیکڑوں سال محفوظ اور قائم رکھا تھا مگر زوال حکومت کے ساتھ ہی نہ معلوم کن اسباب و مؤثرات کے تحت اچانک بعضوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا علم اور ان کی تحقیق سلف کے ان بزرگوں کے علم و تحقیق سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے جن پر مسلمانانِ ہند نسلاً بعد نسل بھروسا کرتے چلے آتے تھے اس خیال کے زیر اثر عام مسلمانوں سے پھٹ کر اگر اپنے علم اور اپنی تحقیق کے وہ صرف پیرو بن جاتے تو شاید شکایت کرنے والوں کو ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن وہ آگے بڑھے اور عہد صحابہ و تابعین کے تربیت یافتہ داعیوں، اسی عہد کے تقویٰ و طہارت سے منور قلوب کے فیصلوں سے بدکا بدکا اور بھڑکا بھڑکا کر دہ اپنے داعیوں کے پیدا کئے ہوئے نتائج کی تقلید کی دعوت احیاءِ سنت یا اتباعِ سنت کے نام سے اس ملک میں مسلمانوں کو دینے لگے، قرآن جس فعل کو جرم ٹھہرا چکا تھا اور مختلف الفاظ میں اس کے حرام ہونے کا قطعی اعلان کر رہا تھا تفریق بین المسلمین کا یہ فعل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک نہ جرم ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہے جو نص قطعی کے رو سے حرام قرار پا چکا تھا، وہ بدترین جرم کا ارتکاب صرف اسی لئے کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایسی باتوں کے پابند بنانے میں شاید وہ کامیاب ہو جائیں جن کی پابندی سے انحراف خود ان کے نزدیک بھی نہ جرم تھا اور نہ گناہ۔ ان جائز پہلوؤں میں جن کا ہر پہلو شرعی حدود سے باہر نہ تھا زیادہ سے زیادہ وہ پہلو بہتر اور افضل تھا جس کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

الله الله خبر احاد کی حدیثوں کے اختلاف کا قصہ جو نرم تھا، موم سے بھی زیادہ نرم تھا، اس میں سختی اور شدت بھری گئی ایسی سختی اور ایسی شدت کہ پتھر اور لوہا بھی اس کے سامنے شاید پانی نظر آتا تھا، اختلافی حدیثوں کا یہی سرمایہ ان کا گویا اسلحہ خانہ تھا۔ پیغمبر کی ایک ایک حدیث، حدیث نہیں بلکہ حرب کا آلہ اور ضرب کے اوزار بن چکی تھی وہ اس پر ان ہی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو "السکین" (چھری) بنا کر وار کرتا تھا اور یہ اس پر حبل (ڈوری) کی شکل میں حدیثوں ہی کی کمند پھینکتا تھا اور اپنی اسی جنگ میں کبھی اس صف سے "ظفر مبین" کا شادیانہ بجایا جاتا تھا[۱] اور کبھی اس صف سے "فتح مبین" کا نرسنگھا پھونکا جاتا تھا، تحقیق کے بعد ہمیشہ یہی ثابت ہوتا تھا کہ ہر فریق جنگ کے پہلے گھنٹے پر جس مقام پر تھا وہاں سے نہ ایک قدم آگے بڑھا ہے اور نہ پیچھے ہٹا ہے، بلکہ نہ آگے بڑھ سکتا ہے، اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے کہ ہر ایک ہتھیاروں کے نہ ختم ہونے والے لامحدود ذخیرے پر قابض تھا۔

بہرحال کچھ بھی ہوا اس سارے طول طویل قصے کے ذکر سے میری غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ساتھ ان گستاخانہ بازی گریوں کو دیکھتے ہوئے اللہ کا کوئی بندہ جھگڑنے والوں کے اس گروہ کو اگر یہ مشورہ دے کہ جب تمہارا یہی حال ہے تو ایسی صورت میں حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دو، تو کیا مشورے کے ان الفاظ کا یہ مطلب لینا صحیح ہو گا کہ مشورہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] پچھلی صدی میں جو رسالے اور کتابیں اس سلسلہ میں شائع ہوتی رہی ہیں ان ہی کے ناموں کی طرف تلمیح کی گئی ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ واقعۃً ان رسالوں میں ایک رسالے کا نام "السکین" (چھری) تھا جو مسئلہ اس کے متعلق لکھا گیا تھا اسی مسئلہ میں دوسرا رسالہ حبل المتین تھا، باقی الظفر المبین، اور الفتح المبین تو اس سلسلے کی مشہور کتابیں ہیں۔ بہرحال یہ ایک بڑی طویل تاریخی داستان ہے ۱۲۔

...م کی حدیثوں کو دنیا سے ناپید کرنا چاہتا ہے، یا پیغمبر نے اپنی جن حدیثوں سے استفادے کی راہیں امت پر کھلی رکھی ہیں ان کے فوائد سے امت کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

کن لوگوں سے کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے، کن حالات میں کہہ رہا ہے، گفتگو کی ان تمام ماحولی خصوصیتوں سے قطع نظر کرکے مذکورہ بالا دعوی گفتگو کے الفاظ، صرف الفاظ سے تہمت تراشی کی میرے خیال میں یہ بدترین مثال ہوگی۔

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رض کو اس واقعہ سے مطلع کرنے کے بعد یعنی تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتے ہو، اور باہم ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہو، تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ ان اختلافات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، ان الفاظ کے ساتھ جو مشورہ دیا تھا کہ

فَلَا تُحَدِّثُوْا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ شَیْئًا۔ تم لوگ رسول اللہ کی طرف منسوب کرکے کوئی بات نہ بیان کیا کرو۔

تو صرف ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلیۃً حدیثوں کے بیان کرنے سے صحابہ کو روک دینا چاہا خود ہی سوچئے کہ بہتان و افترا کے سوا اور بھی کچھ ہے، صاف اور واضح مطلب اس کا وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے کہ مخالفانہ اغراض کو ہوا دینے کے لیے حدیثوں کے بیان کرنے سے لوگوں کو وہ روکنا چاہتے تھے[1] غرض حضرت کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ ان کے متعلق جس شخص کے جو معلومات و تاثرات ہیں خواہ مخواہ ان کی پابندی کا مطالبہ اپنے معلومات کے زور پر دوسروں سے کرے بلکہ صحیح مسلک ان اختلافات کے متعلق جو اس قسم کی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یا فقہ کے سلسلے میں اجتہادی نتائج کے اندر جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو اس قسم کے اختلافات کے متعلق چاہیے کہ ایک دوسرے کے اختلافات کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں دین کے اس غیر بیناتی حصہ کے اختلافات کے بارے میں مسلمانوں کو ایک ہی نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش غلط کوشش ہے اس کوشش کے لئے ہمارے پاس "البینات" کے احکام و مسائل ہیں ان کے متعلق کسی مسلمان میں خدانخواستہ کسی قسم کا انحراف اگر محسوس ہو تو بلاشبہ اس وقت فرض ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے قرآن کی آیتیں تلاوت کی جائیں، نصوص صریحہ کو پیش کرکے اس انحراف اور اختلاف سے اس کو روکا جائے کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی ہے۔ دین کا یہی وہ حصہ ہے قرآن میں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی گئی ہے کہ "بینات" کے ہوتے ہوئے گزشتہ قومیں جدا جدا ہو کر آپس میں مختلف ہو گئی ہیں جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اس حصہ کو اتنا واضح اور روشن شکل میں رکھا گیا ہے کہ عام و خاص اعلیٰ و ادنیٰ، عالم و جاہل سب ہی اس پر متفق ہو کر

---

[1] فلا تحدثوا کی ابتدا میں جو ف کا حرف ہے عربی زبان کی معمولی واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے یعنی اس سے پہلے جو بات بیان کی جاتی ہے اسی کے نتیجہ کا اظہار جب کرنا چاہتے ہیں تو اس کے شروع میں ف کے حرف کا اضافہ کرتے ہیں پس صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ ان کا یہ حکم اسی واقعہ کے ساتھ مربوط ہے جس سے لوگوں کو آپ نے مطلع کیا تھا اور وہ واقعہ کیا تھا؟ یہی تو کہ حدیثوں کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ بنانے والے بنانے لگے ہیں، اگر آج ہی اس کی روک تھام نہ کی گئی تو آئندہ اس کے نتائج زیادہ سخت اور زیادہ ہولناک شکلوں میں سامنے آئیں گے ۱۲۔

ایک ہو سکتے ہیں" البینات" کے ہوتے ہوئے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ دین میں ایسی کوئی چیز تھی ہی کب جس پر ہم سب اپنے اختلافات کو ختم کرکے سمٹ جاتے ہیں تو سمجھتا ہوں کہ یہی مطلب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کا بھی ہے جو آخر میں فرمایا کہ یعنی

فَمَنْ سَأَلَكُمْ فَقُوْلُوْا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ فَاحِلُّوْا حَلَالَهُ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهُ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲)

پھر تم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کرو، کہ ہمارے تمہارے درمیان (اشتراک کا نقطہ) اللہ کی کتاب ہے پس چاہئے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال کیا ان کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا ان کو حرام ٹھہراؤ۔

"تابعین کے بعد بھی مسلمانوں کو ہم اسی مسلک کا پابند پاتے ہیں معلومات کا اختلاف صرف علم تک محدود تھا لیکن "عمل" میں اختلاف کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ البتہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں حضرت امام شافعی رح کے بعض اہم اصلاحی اقدامات کے بعد ان کے ماننے والوں میں سے بعضوں کے اندر پھر ان اختلافات کی کچھ لہریں اٹھی تھیں لیکن زہر کے ساتھ ساتھ سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کی شکل میں ایک تریاق وجودِ اسلام کو عطا ہوا، آپ نے اپنی بے لاگ صداقت بے تقاء علم، مستحکم تقوے کے زور سے ان اٹھنے والی لہروں کو اتنی قوت سے دبا دیا کہ صحیح معنوں میں ان اختلافات کو پھلنے پھولنے کا موقعہ مسلمانوں کی عمومیت میں کبھی نہ ملا۔ بعض پیشہ ور مولوی ان میں ارادی مخالفتوں اور مخاصمتوں کا رنگ اپنے خاص اغراض کے تحت بھرنا بھی چاہتے تھے تو ان کے خاص تعلیمی حلقوں سے آگے اس کا اثر عام مسلمانوں تک بحمد اللہ کبھی نہیں پہنچا۔ ممکن ہے کہ میرے اس خیال سے بعضوں کو اختلاف ہو لیکن میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ طبقۂ صوفیہ سے لوگوں کو اور جتنی بھی شکایتیں ہوں اس وقت ان سے بحث نہیں ہے لیکن انصاف کی یہ بات ہے کہ غیر بنیادی مسائل کے اختلافات کے جس رنگ کو مولویوں کا ایک گروہ پختہ کرنا چاہتا تھا صوفیہ کا عام گروہ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ اس رنگ کو دھیما اور پھیکا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کچھ نہیں تو صوفیہ کے گروہ کا مسلمانوں پر یہی ایک احسان کیا کم ہے۔ بہرحال یہ ایک بڑی مفصل اور مبسوط بحث ہے۔ اہلِ علم کے لئے تو شاید یہ چند اشارے بھی کافی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جن کے لئے اتنے اشارے ناکافی ہیں ان کو میری کتاب "تدوینِ فقہ" کا انتظار کرنا چاہئے کہ ان مسائل کی تفصیل کے لیے وہی کتاب موزوں ہو سکتی ہے امام شافعی کے اصلاحی اقدامات کیا تھے، ان سے بعضوں کو کیا غلط فہمیاں ہوئیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کن تدبیروں سے کیا، ظاہر ہے کہ فقہا اور ائمہ فقہ کے حالات سے ان سوالوں کا حقیقی تعلق ہے ضمناً و ذیلاً تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا[1]

---

[1] مختصر یہ ہے کہ امام شافعیؒ حجاز سے تعلیم پا کر جب دارالخلافت بغداد پہنچے تو خود ان کا بیان ہے کہ جامع مسجد میں درس کے چالیس حلقوں میں بیٹھنے کے بعد مجھ پر ظاہر ہوا کہ ہر پڑھانے والا نہ اللہ کا نام لیتا ہے اور نہ رسول کا۔ یعنی نہ کوئی قال اللہ کہتا ہے اور نہ قال الرسول بلکہ ہر ایک قال اصحابنا یعنی میرے استادوں نے یہ کہا۔ بس یہی سنا تو ہے صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر دین کے اصل سرچشمے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے علماء اسلام کی اس بے تعلقی کو دیکھ کر قدرتاً امام میں برہمی پیدا ہوئی اور اعلان کیا کہ علماء جن کا حوالہ دیا جاتا ہے ان میں ہر ایک کے تشریحات اور اجتہادی فیصلوں کو میں پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کر کے جانچوں گا۔ آپ نے بغداد میں بیٹھ کر حنفی مذہب پر تنقید کی اور مصر جہاں ان کے استاد امام مالک کا مذہب زیادہ عروج پر تھا وہاں پہنچ کر مالکی مذہب پر تنقید فرمائی۔ امام شافعیؒ کو (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حدیث کے متعلق جو اہم خدمت انجام پائی وہ یہی تھی اسی حال میں پیغمبر کے دین اور پیغمبر کی امت کو چھوڑ کر آپ اپنے محبوب نبیؐ کے بازو میں جا کر سو گئے۔ آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ کا زمانہ آتا ہے

(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَخُلَفَائِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔)

عہدِ فاروقی اور تدوینِ حدیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے، اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض احتیاطی طریقۂ عمل کا ذکر عہدِ صدیقی کے واقعات کی ذیل میں کر چکا ہوں اور کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ کی اشدیت دین کے دوسرے شعبوں میں جیسے نمایاں ہے، حدیث کا شعبہ بھی اس سے کیوں مستفید نہ ہوتا۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور ازیں قبیل دوسرے معاملات میں فاروقِ اعظم رضؓ کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ آج تک ذکر کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی تاریخ کا بھی حضرت عمرؓ کے رعب داب کا وہی اثر ہے انکے بہت بعد یعنی تقریباً اس وقت جب دوسری صدی ہجری گزر رہی تھی مشہور محدث حضرت سفیان عینیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حدیث کے طلبا ان کے حلقہ میں جب آتے تو اُن کی طرف خطاب کر کے کہتے کہ:۔

لَوْاَدْرَکْنَا وَاِیَّاکُمْ عُمَرُ لَاَوْجَعَنَا ضَرْبًا	اگر پاتے ہمیں اور تمہیں عمرؓ تو مار کر دکھ پہنچاتے
	(جامع ج ۲ صفہ ۱۲۰)

دراصل سفیان کا اشارہ اشدیت کے ان ہی واقعات کی طرف ہے جن کا روایتِ حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی طرف انتساب کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں بعض فاسد اغراض کے تحت اسی نوعیت کی فاروقی روایات کی کافی تشہیر کی گئی ہے مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ابوسلمہ راوی ہیں کہ میں نے ابوہریرہؓ سے کہا کہ جس آزادی کے ساتھ آج کل آپ حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی ایسا کر سکتے تھے۔ جواب میں ابوہریرہؓ نے جو بات کہی تھی یعنی

لَوْکُنْتُ اُحَدِّثُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ مِثْلَ مَا اُحَدِّثُکُمْ لَضَرَبَنِیْ بِمُخْفَقَتِہٖ	اگر عمرؓ کے زمانے میں اسی طرح میں حدیثیں بیان کرتا جیسے تم سے بیان کرتا ہوں تو اپنے کوڑے سے عمر مجھے مارتے
(الذہبی ج ۱ ص ۷)	

اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف اندیشہ ظاہر کیا تھا سعید بن ابراہیم کے حوالہ سے الذہبی ہی نے یہ دوسری روایت درج کی ہے کہ ان کے والد ابراہیم کہتے تھے کہ :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کا اجر ملتا رہے گا کہ بٹنے کے بعد دین کے حقیقی سرچشموں کتاب اللہ اور سنت کی طرف مسلمان ان ہی کے طرزِ عمل کی وجہ سے لوٹتے رہے ہیں مگر فروعی اختلافات کو امام شافعی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت جب حاصل ہو گئی تو امام احمد نے مفاہمت و مصالحت کی راہ کھول ان کی طرف ایک ہی مسئلہ کے مختلف پہلو کے جواز و عدم جواز کا عموماً انتساب کتابوں میں جو کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر پہلو اس مسئلہ کا ان کے نزدیک شرعی حدود سے باہر نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اِنَّ عُمَرَ حَبَسَ ثَلَاثَۃً اِبْنَ مَسْعُوْدٍ وَاَبَا الدَّرْدَاءِ وَاَبَا مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیَّ فَقَالَ اِنَّکُمْ قَدْ اَکْثَرْتُمُ الْحَدِیْثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	حضرت عمرؓ نے تین آدمیوں کو روک[1] دیا تھا، ابن مسعودؓ کو ابو درداؓ کو اور ابو مسعود انصاری کو اور ان سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کر کے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیا کرتے ہو۔

(الذہبی ج ۱ ص ۷)

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندیشہ واقعہ کی صورت بھی بعض لوگوں کے ساتھ اختیار کر چکا تھا، یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری روایتوں کو درج کر کے حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات (نئی باتوں) کے پیدا کرنے کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا سنت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں) سے جن کے قلوب میں گرانیاں تھیں انہوں نے مذکورہ بالا روایتوں سے جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں، یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے دین سے حدیثوں کو بالکلیہ خارج کر دینا چاہتے تھے۔"

(جامع ج ۲ ص ۱۲۱)

پھر اس غلط نتیجہ کی تردید میں حافظ نے ایک طویل بحث کی ہے اور آخر میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو ان روایتوں کی صحت میں بھی شبہ ہے، ابن حزم نے بھی کتاب الاحکام میں حضرت عمرؓ کی طرف اس سلسلہ کی منسوبہ روایات کے راویوں پر جرح کر کے ان روایتوں کو مشتبہ و مشکوک قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی روایات کی تعداد

مگر میں کہتا ہوں اور پہلے بھی کہا ہے کہ باوجود روایت ہونے کے اعتماد کرنے والوں نے ان ہی روایتوں پر جب اعتماد کیا ہے تو انصاف کی بات یہی ہے کہ ان حدیثوں کو بھی چاہئے تھا کہ یہ لوگ نہ بھولتے جو روایات ہی والی کتابوں میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ گروہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ان کے اسناد کو یعنی جن راویوں سے یہ روایتیں مروی ہیں اور حضرت عمرؓ سے جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن راویوں کے توسط سے مروی ہیں دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیثیں عموماً صحاح ستہ بلکہ بخاری اور مسلم میں پائی جاتی ہیں اور جن روایتوں کو مخالفت حدیث میں یہ لوگ پیش کرتے ہیں کم از کم صحاح کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے - ابن جوزی نے تلقیح میں ان حدیثوں کی تعداد جو حضرت عمرؓ سے مروی ہیں پانسو سینتیس بتائی ہے۔ فرض کیجئے کہ متون کے ساتھ طرق کو بھی اس میں شمار کر لیا گیا ہو لیکن ابو نعیم اصفہانی کے اس بیان میں تو اس شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے ابو نعیم حافظ کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ

اَسْنَدَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بعض لوگوں نے حبس کا ترجمہ قید بھی کیا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صحابیوں کو قید کر دیا تھا۔

وَسَلَّمَ مِنَ الْمُتُوْنِ سِوَی الطُّرُقِ مِائَتَی حَدِیْثًا وَّنَیِّفًا (تنقیح ص ۱۸۴) کی دو سو سے کچھ اوپر حدیثیں مروی ہیں اس تعداد میں صرف متون کو شمار کیا گیا ہے طرق کی کثرت کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔

مان لیجئے کہ دو سو حدیثیں سہی۔ خیال تو کیجئے کہ جس شخص کا مسلک یہ قرار دیا جاتا ہو کہ وہ دنیا سے حدیثوں کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتا تھا، وہی کیا دو ایک نہیں دُو دُو سو حدیثوں کا خود راوی بن سکتا ہے؟

اور تعداد کا یہ قصہ تو محدثین کی خاص اصطلاح کی بنیاد پر ہے ورنہ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں فن حدیث کے بعض نکات کا ذکر کر کے دعوٰی کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے والوں میں حضرت عمرؓ کا شمار صحابہ کے اس طبقہ میں کرنا چاہئے جنھیں مکثرین کہتے ہیں۔ جن کی حدیثوں کی تعداد ہزار یا ہزار سے بالا ہو۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں :۔

"پس ایں عزیزانؔ از مکثرین باشند و شواہد ایں مقدمہ بسیار است لکن بسط مقال در آں باب فرصتے می طلبد" (ازالہ ج ۲ ص ۲۱۴)

یعنی ان بزرگوں کو چاہئے کہ طبقہ ٔ مکثرین (ہزار یا ہزار سے بالا حدیثوں کی روایت کرنے والوں) میں ان کو شمار کیا جائے۔ اس دعوٰی کی تائید میں بہت سی شہادتیں پیش ہو سکتی ہیں مگر اس کی تفصیل کے لئے فرصت کی ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن روایتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر کے یہ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتے تھے قطع نظر ان کمزوریوں کے جو ان روایتوں کی سندوں میں پائی جاتی ہیں میں پوچھتا ہوں کہ ان کے مقابلہ میں صحاح کی ان حدیثوں کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن کی اتنی بڑی تعداد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ سے کتابوں میں ملتی ہیں، اور یہ بحثیں تو اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب خواہ مخواہ یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ کی طرف یہ روایتیں جو منسوب کی گئی ہیں ان کا مقصد وہی ہے جو حدیث کے مخالفین ان سے سمجھنا یا سمجھانا چاہتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ معمولی تامل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو روایتوں کے اکثار سے منع فرماتے تھے یعنی چاہتے تھے کہ کَمًّا وَّ کَیْفًا حدیثوں کے بیان کرنے میں کثرت کی راہ لوگ نہ اختیار کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن صحابیوں کو آپ نے روکا تھا، ان پر الزام حضرت کا یہی تھا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں اکثار کی راہ اختیار کی آپ کے الفاظ اِنَّکُمْ اَکْثَرْتُمُ الْحَدِیْثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ بہ کثرت حدیثوں کی روایت کو وہ روکنا چاہتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ سرے سے کلیتہً روایتِ حدیث کے رواج ہی کو وہ مسدود کرنا چاہتے تھے بلکہ اسی سلسلہ میں قرظہ بن کعب صحابی سے شعبی نے یہ قصہ جو نقل کیا ہے اور مخالفین حدیث اس کو بھی عموماً اپنے خیال کی تائید میں پیش کرنے کے عادی ہیں۔ یعنی شعبی کہتے تھے کہ حضرت قرظہ بن کعب نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ:

۱؎ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں چند اور صحابیوں کو بھی شمار کیا ہے "عزیزاں" کے لفظ سے سب ہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں حضرت عمرؓ بھی شریک ہیں ۱۲

خَرَجْنَا فَشَيَّعَنَا عُمَرُ إِلَى صِرَارٍ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ أَتَدْرُونَ لِمَ خَرَجْتُ مَعَكُمْ قُلْنَا أَرَدْتَ أَنْ تُشَيِّعَنَا وَ تُكْرِمَنَا قَالَ إِنَّ مَعَ ذٰلِكَ لِحَاجَةٍ خَرَجْتُ إِنَّكُمْ تَأْتُونَ بَلْدَةً لِأَهْلِهَا دَوِيٌّ بِالْقُرْآنِ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَلَا تَصُدُّوهُمْ بِالْأَحَادِيثِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَشْغَلُوهُمْ جَوِّدُوا الْقُرْآنَ وَأَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْضُوا وَأَنَا شَرِيكُكُمْ۔

(جامع ج ۲ ص ۱۲۰ و تذکرۃ الحفاظ)

ہم (مدینہ سے) نکلے تو میری مشایعت میں حضرت عمرؓ صرار نامی مقام تک آئے پھر آپ نے پانی طلب کیا اور وضو کیا، پھر فرمایا تم لوگوں نے سمجھا بھی کہ تمہارے ساتھ میں بھی (مدینہ سے نکل کر یہاں تک) کیوں آیا، میں نے عرض کیا ہم لوگوں کی مشایعت کے لیے آپ تشریف لائے اور ہماری عزت افزائی فرمائی حضرت عمرؓ نے تب کہا کہ اس کے سوا ایک اور ضرورت بھی تھی جس کے لئے میں مدینہ سے نکل کر تمہارے ساتھ یہاں تک آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسے شہر میں پہنچو گے جس کے باشندوں میں قرآن کی تلاوت اس طرح گونجتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے گونج پیدا ہوتی ہے، تو دیکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو بیان کر کرکے تم لوگ ان لوگوں کو (قرآن کی مشغولیت سے) روک نہ دینا قرآن کو استوار کرتے چلے جائیو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی کیجیو۔ اب جاؤ میں تمہارا ساتھی ہوں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان تین صحابیوں والی روایت میں حضرت عمرؓ نے حدیثوں کے اکثار کی جہاں شکایت کی وہیں قرظہ کی اس روایت میں اپنے منشا کو ظاہر کرتے ہوئے قطعی طور پر حدیثوں کی روایت سے لوگوں کو منع نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا کہ

أَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی کیجیو۔

ممانعت تو خیر دور کی بات ہے، میں تو حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو روایت حدیث کا حکم سمجھتا ہوں، البتہ یہ حکم ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے یعنی کثرت کی راہ نہ اختیار کی جائے ورنہ اقلال اور کمی کی شرط کی تکمیل کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کا یقیناً حکم دے رہے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے بھی ان روایتوں کا تذکرہ کرکے یہی لکھا ہے کہ

هٰذَا يَدُلُّ عَلَى نَهْيِهِ عَنِ الْإِكْثَارِ وَأَمْرِهِ بِالْإِقْلَالِ مِنَ الرِّوَايَةِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۲۱)

حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ روایت حدیث میں کثرت اور زیادتی کو وہ روکنا چاہتے تھے اور اس کا حکم دے رہے ہیں کہ روایت حدیث میں کمی کی راہ اختیار کی جائے۔

پھر آگے چل کر وہ کہتے ہیں اور بالکل سچ کہتے ہیں کہ:

وَلَوْ كَرِهَ الرِّوَايَةَ وَذَمَّهَا لَنَهٰى عَنِ الْإِقْلَالِ وَالْإِكْثَارِ۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت مطلقاً ان کے نزدیک ناپسند ہوتی تو چاہیے تھا کہ روایتوں کے بیان کرنے میں کثرت وزیادتی اور قلت وکمی دونوں ہی سے لوگوں کو روک دیتے۔

تدوینِ حدیث کا خیال لیکن پھر بربنائے مصلحت تامل

بہرحال طاعون زدہ علاقوں میں رہنے نہ رہنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پیش کیا یا وجوبِ غسل کے مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے متعلق صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو علم تھا یا اور اسی قسم کے متعدد ایسے واقعات حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں پیش آتے رہے ہیں جن سے ایک طرف تو اس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ دین کے اس حصے کی تبلیغ ایسے رنگ میں کی گئی تھی کہ مہاجرین وانصار صحابہ کا عام گروہ بسا اوقات اس سلسلہ کی حدیثوں سے ناواقف نظر آتا ہے اور کتنا ناواقف کہ ہزار ہا ہزار صحابیوں کے درمیان ایک دو صاحب تک ان حدیثوں کا علم محدود تھا اور دوسری طرف جہاں تک میں سمجھتا ہوں غالباً ان ہی تجربات کے تسلسل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حدیثوں کے متعلق طرزِ عمل کے بدلنے پر شاید آمادہ کیا، میرا مطلب یہ ہے کہ بیہقی نے مدخل میں اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں زہری کے حوالے سے حضرت عروہ بن زبیرؓ کے اس بیان کو جو نقل کیا ہے کہ

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ السُّنَنَ فَاسْتَفْتٰى أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ فَأَشَارُوْا عَلَيْهِ أَنْ يَكْتُبَهَا۔

عمر بن خطابؓ نے چاہا کہ سنن یعنی حدیثوں کو لکھوا لیا جائے تب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے فتویٰ طلب کیا تو لوگوں نے یہی کہا کہ حدیثیں لکھوالی جائیں۔

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۴)

صحابہ سے فتویٰ لینے کے لئے ان کی مجلسِ شوریٰ میں حضرت عمرؓ کا اپنی تجویز کو رکھنا۔ بظاہر اس کی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کی تبلیغ میں بجائے عمومیت کے خاص خاص افراد تک ان کے علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مصلحت کے پیشِ نظر پہنچایا تھا اور ایک زمانہ تک خود حضرت عمرؓ بھی اسی مصلحت کی بنیاد پر ان حدیثوں کے بیان کرنے میں اقلال پر جو اصرار کرتے رہے تھے یہی دریافت کرنا چاہتے تھے کہ کیا اس مصلحت کی رعایت کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟ کیونکہ پہلے بھی میں کہہ چکا ہوں کہ اس خدمت کی نوعیت ایک وقتی خدمت کی تھی، نبوت اور نبوت سے قریب تر زمانوں میں عمومیت کا رنگ ان حدیثوں میں اگر پیدا ہو جاتا تو یقیناً آئندہ زمانے میں ان کے مطالبات میں زیادہ سختی پیدا ہو جاتی جو شارع علیہ السلام کا مقصود نہ تھا، سوال یہی تھا کہ وہ زمانہ گزر گیا یا ابھی ان اسباب کی مزاحمت کے سلسلے کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے جن سے ان حدیثوں کے مطالبات میں شدت کے پیدا ہونے کا خطرہ پیش آ سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی اس مجلسِ شوریٰ نے یہی طے کیا کہ وہ وقت گزر گیا اور اب قلم بند ہو کر مسلمانوں کی ایک نسل سے دوسری نسل تک اگر حدیثیں منتقل بھی ہوتی رہیں گی تو لوگ ان کے مطالبات کو اسلام کے بنیادی مطالبات کے برابر نہ قرار دیں گے۔

لیکن مجلس شوریٰ کے اس فیصلہ سے حضرت عمرؓ کا قلب مطمئن نہیں ہوا، لکھا ہے کہ استشارہ کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرے مسنون طریقہ یعنی استخارہ سے بھی فیصلہ کی یکسوئی میں مدد حاصل کرنی چاہی، فاروقی احتیاط اور اس کی نزاکتوں کی یہ انتہا ہے کہ بجائے ایک دو دفعہ کے عروہ کا بیان ہے کہ:

فَطَفِقَ عُمَرُ يَسْتَخِيرُ اللّٰهَ فِيهَا شَهْرًا ۔ (ص ۶۴)

کامل ایک مہینے تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملہ میں استخارہ کرتے رہے (یعنی جو پہلو خیر کا ہو اسی پر عمل کی توفیق عطا ہو، اس کی دعا کرتے رہے)

ایک ماہ تک استخارہ کی نماز اور جو دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے سکھائی ہے حضرت عمرؓ نے اس کو جاری رکھا آخر ایک ماہ کے بعد جس فیصلہ کو اپنے قلب مبارک میں آپ نے پایا عروہ نے اس کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

ثُمَّ اَصْبَحَ يَوْمًا وَقَدْ عَزَمَ اللّٰهُ لَهُ فَقَالَ اِنِّي كُنْتُ اُرِيْدُ اَنْ اَكْتُبَ السُّنَنَ وَ اِنِّي ذَكَرْتُ قَوْمًا كَانُوْا قَبْلَكُمْ كَتَبُوْا كِتَابًا فَاَكَبُّوْا عَلَيْهَا وَتَرَكُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَاِنِّي لَا اَشُوْبُ كِتَابَ اللّٰهِ بِشَيْءٍ اَبَدًا ۔ (ج ۱ ص ۶۴)

پھر ایک دن جب صبح ہوئی اور اس وقت حق تعالیٰ نے فیصلہ میں یکسوئی کی کیفیت ان کے قلب میں پیدا کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں نے حدیثوں کو قلمبند کرانے کا ارادہ کیا تھا پھر مجھے ان قوموں کا خیال آیا جو تم سے پہلے گزری ہیں کہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور ان ہی پر ٹوٹ پڑیں اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھیں اور قسم ہے اللہ کی کہ میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا نہیں چاہتا۔

بیہقی کے مدخل سے صاحب فتح الملہم نے اسی روایت کو درج کیا اس میں بجائے "لَا اَشُوْبُ"

لَا اُلْبِسُ كِتَابَ اللّٰهِ بِشَيْءٍ (یعنی اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مشتبہ ہونے نہ دوں گا۔)

کے الفاظ ہیں۔

معنیً "اشوب" اور "البس" دونوں کے قریب قریب ایک ہی ہیں اور یہی چیز دراصل دریافت طلب تھی یعنی کتاب اللہ کے عالیوں کی جو کیفیت ہے آیا وہی کیفیت ان حدیثوں میں بھی تو نہیں پیدا ہو جائے گی اگر اسی زمانہ میں ان کو قلمبند کر دیا گیا؟ استخارے نے حضرت عمرؓ میں اسی احساس کو استوار اور مستحکم کیا کہ ابھی اس کا خطرہ باقی ہے۔

اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ گو نبوت کا زمانہ گزر چکا تھا، نبوت کے بعد خلافت کا ایک دور بھی ختم ہو چکا تھا اور دوسری خلافت پر بھی کافی عرصہ گزر چکا تھا، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ خلافت اور حکومت کی جانب سے حضرت عمرؓ کی مدون و مرتب کی ہوئی یا کرائی ہوئی حدیثوں کی کوئی کتاب دنیا میں اس وقت اگر موجود ہوتی تو کیا نفسیاتی طور پر مسلمانوں کے قابو کی یہ بات تھی کہ ان حدیثوں کے ساتھ اور ان سے پیدا ہونے والے احکام و مطالبات کے ساتھ تعلق کی اسی کیفیت کو کیا باقی رکھ سکتے تھے جو آج خبر آحاد کی روایتوں کے ساتھ ان کے دلوں میں پائی جاتی ہے، چونکہ واقعہ سامنے نہیں ہے اس لئے کہنے والے جو کچھ چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کو اپنے

استخارے کی دعاؤں میں جس خطرے کا احساس ہوا تھا یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ خلط ملط لبس اور گڈمڈ ہو جانے کا خطرہ جس کا اظہار

فَوَاللّٰهِ لَا أُلْبِسُ كِتَابَ اللّٰهِ بِشَيْءٍ — خدا کی قسم اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مشتبہ ہونے نہ دوں گا۔

کے الفاظ میں انہوں نے فرمایا ہے۔ یقیناً یہ اندیشہ واقعہ کی شکل اختیار کر لیتا آخر مسلمان بھی انسان ہی ہیں ان کے عواطف و جذبات، احساسات و تاثرات بھی وہی ہیں جو دوسرے انسانوں کے ہیں ان ہی بے احتیاطیوں اور مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ دوسری قوموں میں بایں شکل ظاہر ہو چکا تھا جس کی طرف حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ میں نے تم سے پہلے کی قوموں کو دیکھا کہ انہوں نے ایسی کتابیں لکھیں جن پر وہ اس طرح ٹوٹ کر گریں کہ اللہ کی کتاب چھوڑ دی گئی بظاہر ان کا اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان میں یہی خلط مبحث پیدا ہوا یعنی ان کے یہاں دین کے بنیاتی اور غیر بنیاتی حصہ کی کوئی تقسیم باقی نہ رہی۔ مذہب کی طرف کسی چیز کا انتساب اس طاقت کو پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے جس قوت کو صرف ان مطالبات ہی کی حد تک محدود رہنا چاہیے جن کی براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ذمہ داری بندوں پر عائد کی گئی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب و سنت و قیاس سے پیدا ہونے والے نتائج کی گرفت اور لزوم کی قوت میں فرق کیا جاتا ہے[1]

بہر حال کچھ بھی ہو، عروہ کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ خیال کر کے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی سوچ کر پانسو حدیثوں کا مجموعہ تیار بھی کر لیا تھا لیکن بعد کو اپنے خیال کی غلطی آپ پر واضح ہوئی اور اسی وقت اس مجموعہ کو نذر آتش

---

[1] یہ واقعہ ہے کہ آج بائبل کے نام سے کتابوں کا جو مجموعہ پایا جاتا ہے، ان کے متعلق اس کا پتہ چلانا کہ براہ راست موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں عطا کی گئی تھیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مشکوٰت نبوت کی روشنی میں جو باتیں فرماتے تھے اور بعد کو موسیٰ علیہ السلام کے جانشینوں نیز احبار و فقہاء یہود نے دین موسوی میں جن اجتہادی امور کا اضافہ کیا ان سب سے پیدا ہونے والے نتائج کے مطالبات میں کسی قسم کا کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔ پھر خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کی تشریح و توضیح و تفسیر بعد کو جو لوگوں نے کی اصل متن توراۃ کے ساتھ سب مخلوط ہو چکے ہیں، ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناخن سے گوشت کو جدا کرنے کے مرادف ہے اور یہود کا دین تو خیر کسی نہ کسی شکل میں پایا بھی جاتا ہے، کچھ نہیں تو دوسری چیزوں کے ساتھ موسیٰؑ کی کچھ باتیں ان میں ابھی باقی ہیں دوسرے مذاہب کا حال تو یہ ہے کہ کتابوں پر کتابوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا، تا آنکہ آخر میں چند رزمی افسانوں پر ان کے دین کی بنیاد آج قائم ہے۔ ہندوستان میں جس دین کا رواج تھا کہنے کو تو اس میں آسمانی کتاب کا بھی پتہ دیا جاتا ہے، تصوف و کلام (اپنشد) اور فقہ (شاستر) کا بھی نام لیا جاتا ہے لیکن پرانوں کے مروج ہونے کے بعد عمومی طور پر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہر چیز کو چھوڑ کر ایک سچا مخلص ہندو صرف بالمیکی کی رزمیہ نظم رامائن اور مہابھارت کورو پانڈو کے جنگ نامے کو پڑھ دینا کافی سمجھتا ہے قطعی طور پر اس کتاب کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ "برہما" پر وہ نازل ہوئی تھی ۱۲

غرض اسی طرح حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں میں تو اسی پر مصر رہے کہ حدیثوں کی اشاعت میں عمومیت کی کیفیت کو پیدا ہونے نہ دیا جائے لیکن جیسا کہ میرا خیال ہے خلافت کے آخری سالوں میں ان تجربات سے متاثر ہو کر جس کی چند مثالیں میں نے درج کی ہیں، آپ کے ارادے میں بھی تذبذب پیدا ہوا اور جو صورت حال بھی تھی اسی کو دیکھتے ہوئے اس کیفیت کا پیدا ہونا بعید بھی نہ تھا۔ خیال تو کیجیے کہ مہاجرین اولین بلائے جاتے ہیں اور طاعون زدہ علاقے کے متعلق کوئی علم ان کے پاس نہیں ہوتا، انصار آتے ہیں ان سے بھی دریافت کیا جاتا ہے ان کے پاس بھی قطعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی روایت اس باب میں نہیں ملتی۔ فتح مکہ کے قریش سرداروں کو بلایا جاتا ہے وہ اس علم سے خالی نظر آتے ہیں آخر میں ایک آدمی عبدالرحمن بن عوفؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ملتی ہے اور ایک مسئلہ جس میں مہاجرین میں بھی انصار میں بھی شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا خود حضرت عمرؓ کے پاس بھی کوئی علم اس باب میں پیغمبر کا عطا کیا ہوا موجود نہ تھا اپنی بصیرت سے وہ ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن بعض جلیل القدر صحابی کا حضرت عمرؓ کے اس اجتہادی فیصلہ پر اعتراض باقی رہتا ہے، مسلمانوں میں خلفشار مچا ہوا ہے کہ اچانک ایک جاننے والا ان کے سامنے اس علم کو پیش کرتا ہے جس سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے جس علم کے نتائج اتنے قیمتی ہوں جس وقت خیال حضرت عمرؓ کو آتا ہو گا کہ یہی علم افراد میں منتشر بکھرا ہوا ہے۔ مرنے والے مر رہے ہیں جس کے پاس جو علم ہے اپنے ساتھ لئے چلا جا رہا ہے اگر اس حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کے خیال میں تبدیلی پیدا ہوئی تو یقیناً یہ چیز ہی ایسی تھی کہ اس مقام پر جو بھی ہوتا اس کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ علم کے اس قیمتی ذخیرے کو ضائع ہونے سے بچا لیا جائے مگر دوسری طرف خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک تھا کہ معلومات کے اس ذخیرے کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ آئندہ مسلمانوں کی بدبختیوں میں بدبختیوں کے اضافہ کا ذریعہ وہ بن جائے اور یہ چیز بھی ایسی نہ تھی کہ اس سے قطع نظر کر کے کوئی اقدام کر دیا جاتا، آج لوگوں کے سامنے اس قسم کی روایتیں گزرتی ہیں پڑھنے والے ان کو پڑھ کر گزر جاتے ہیں، ٹھہر کر ذرا کوئی نہیں سوچتا کہ پیغمبر کی حدیثوں کے قلم بند کرانے کا مسئلہ بھی کیا کسی مشورے کا محتاج تھا۔ نیکی کے کام میں بھی کیا پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے پھر حضرت عمرؓ صحابہ کی مجلس شوریٰ میں اسی نیکی کے کام کو آخر کیوں پیش کرتے ہیں اور پیش کرنے کے بعد مجلس کی رائے ان کو مطمئن کیوں نہیں کرتی، کام بھی نیک مشورہ دینے والوں کی جماعت بھی نیک، اس میں فکر و تامل کی کیا ضرورت تھی لوگ اپنا فیصلہ دے چکے تھے۔ چاہئے تھا کہ اسی کے مطابق جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کی تدوین کا ایک دفتر خلافت کی طرف سے قائم کر کے قرآنی سورتوں کو ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا کام انجام دلا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی "تدوینِ حدیث" کا ایک دفتر قائم کر دیتے، چند ہی دنوں میں "قرآن" کے ساتھ اس زمانہ میں حدیثوں کا بھی ایک مجموعہ حکومت کی طرف سے مدون کرایا ہوا مسلمانوں کو مل جاتا۔ اس سے بہتر تجویز اور کیا ہو سکتی تھی۔ لیکن عمرؓ یہی نہیں کہ صرف تامل سے کام لیتے ہیں بلکہ مخلوق سے ہٹ کر مسئلہ کی اہمیت ہی کا تو تقاضا تھا کہ خالق کے آستانہ پر اپنے آپ کو گرا دیتے ہیں اور کامل ایک مہینے تک خدا کی چوکھٹ پر ان کی جبینِ نیاز جھک جھک کر جو "خیر ہو، اسی کی توفیق عطا کی جائے" کی مسلسل درخواست میں مصروف رہتی ہے۔

آخر بات اگر اتنی ہی آسان تھی تو ان طول طویل قصوں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر سچ یہ ہے کہ جس دین کے بعد قدرت

لے کر چکی تھی کہ نسلِ انسانی کو کوئی دین نہیں دیا جائے گا، اگر شروع ہی سے اس کے ہر ہر پہلو کی نگرانیوں میں ان نزاکتوں سے کام نہ لیا جاتا تو آج جس روزِ روشن کی شکل میں اس دین کے سارے عناصر ہر عامی و خاصی کے سامنے واضح ہیں، کیا یہ کیفیت ان کوششوں کے بغیر یوں ہی پیدا ہو جاتی۔

بلاشبہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ الہامی فیصلہ تھا کہ اپنی خلافت و حکومت کی جانب سے حدیثوں کے قلم بند کرانے کا خیال جو ان کے اندر حالات نے پیدا کر دیا تھا، اس خیال کو آپ نے دماغ سے باہر نکال دیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس استشارہ و استخارہ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اور جن خطرات کا اندیشہ تھا ان کے تمام گوشوں کو نئے سرے سے تازہ کر کے آپ کے سامنے پیش کیا بظاہر اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حکومت ہی کی طرف سے "تدوینِ حدیث" کے کام کو اپنے زمانہ میں ایک خطرناک اقدام آپ نے قرار دیا بلکہ آپ کے عہدِ خلافت تک تقریباً ایک قرن یا جگ (بارہ سال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو گزر چکا تھا، اس عرصہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر لوگ حدیثوں کو پھر قلم بند کرنے لگے تھے۔ ابنِ سعد نے قاسم بن محمد کے حوالہ سے جو روایت طبقات میں درج کی ہے اس کے ان الفاظ سے یعنی:

اِنَّ الْاَحَادِيْثَ قَدْ كَثُرَتْ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَنْشَدَ النَّاسَ اَنْ يَّاْتُوْهُ بِهَا۔	عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں حدیثوں کی پھر کثرت ہو گئی تب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو قسمیں دے دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے پاس پیش کریں۔

اسے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ سال کے عرصہ میں پھر حدیثوں کے کافی مجموعے لکھے جا چکے تھے۔ شاید اس عرصہ میں حضرت عمرؓ کی طرف سے کچھ ڈھیل بھی لوگوں کو مل گئی ہو کیونکہ جب خود ان ہی کے دل میں حدیثوں کے لکھوانے اور مدون کرانے کا خیال پیدا ہو چکا تھا، تو ایسے زمانے میں دوسروں کو روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی مگر استخارہ نے آپ کے اندر جس عزمِ راسخ کو پیدا کیا اس کے بعد خود تو خیر آپ اس ارادے سے ہٹ ہی گئے لیکن اسی کو کافی خیال نہ کیا۔ آپ کو محسوس ہوا ہو گا کہ حکومت کی طرف سے نہ سہی لیکن عمر فاروق کے زمانے کی مدون کی ہوئی حدیث کی کتاب بھی عہدِ فاروقی ہی کی تدوین یافتہ قرار پائے گی۔ بہر حال قاسم بن محمد کا بیان ہے۔

فَلَمَّا اَتَوْهُ بِهَا اَمَرَ بِتَحْرِيْقِهَا۔ (طبقات ج ۵ ص ۱۴۱)	جب الحکم حضرت عمرؓ کے پاس اپنے اپنے مجموعہ کو لوگوں نے پیش کر دیا تب آپ نے ان کو جلانے کا حکم دیا۔

گویا سمجھنا چاہئے کہ حدیثوں کے نذرِ آتش کرنے کا یہ تیسرا تاریخی واقعہ ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانے تک پیش آ تا رہا ہے۔ پہلی دفعہ تو خود آنحضرتؐ نے اپنے صحابیوں سے لے کر اس کو ختم کیا پھر ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مدونہ مجموعہ کے ساتھ یہی کارروائی کی اور تیسرا واقعہ "تدوینِ حدیث" کی تاریخ میں یہ پیش آیا کہ بکثرت حدیثوں کے مجموعے تیار ہوئے لیکن سب کو قسمیں دے دے کر حضرت عمرؓ نے منگوا لیا پھر سب کو تیسری دفعہ آپ نے نذرِ آتش فرما دیا۔

لے اور ان لوگوں کو جنھوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ سامانِ کتابت کی کمی یا جہالت وغیرہ کی وجہ سے ڈھائی تین سو سال تک (باقی صفحہ آئندہ پر)

اور یہ کام تو پایۂ تحتِ خلافت میں کیا گیا، باقی فتوحاتِ فاروقی نے اسلامی علاقوں کے طول و عرض کو جتنا پھیلا دیا تھا اور ان علاقوں کی حفاظت و صیانت کے لئے "الامصار" یعنی مسلمانوں کی جو چھاؤنیاں قائم کی گئی تھیں اور صحابہ کی بہت بڑی تعداد ان ہی "الامصار" میں جا جا کر جو آباد ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان امصار میں ہر مصر اور چھاؤنی میں بھی حضرت عمرؓ نے گشتی فرمان جاری کیا۔ حافظ ابو عمرو بن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں یحییٰ بن جعدہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَرَادَ اَنْ يَكْتُبَ السُّنَّةَ ثُمَّ بَدَا لَهٗ اَنْ لَا يَكْتُبَهَا ثُمَّ كَتَبَ فِي الْاَمْصَارِ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ شَيْءٌ فَلْيَمْحُهٗ۔	عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (پہلے تو) چاہا کہ حدیثوں کو قلمبند کر لیا جائے مگر پھر ان پر واضح ہوا کہ قلم بند کرانا ان کا مناسب نہ ہوگا تب الامصار (یعنی چھاؤنیوں اور دوسرے اضلاعی شہروں) میں یہ لکھ کر بھیجا کہ جس کے پاس (حدیثوں کے سلسلے کی) کوئی چیز ہو چاہیے کہ اسے محو کر دے یعنی ضائع کر دے۔

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۵)

اس روایت سے بھی حضرت عروہ کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ ارادہ کرنے کے بعد حدیثوں کے لکھوانے کے خیال سے حضرت عمرؓ دست بردار ہو گئے۔ اور دوسرے مسلمانوں سے بھی آپ نے مطالبہ کیا کہ قرآن کے سوا ان کے زمانے کا لکھا ہوا کوئی دوسرا نوشتہ آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں میں نہ پہنچنے پائے اس میں ان کی مدد کریں۔ یہ مسئلہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس گشتی فرمان کی تعمیل میں کتنی سرگرمی دکھائی گئی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ بجز دو تین مکتوبہ سرمایہ کے حدیثوں کے متعلق ایسا کوئی نوشتہ سرمایہ مسلمانوں میں باقی نہ رہا جس کے متعلق قطعیت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہو کہ عہدِ فاروقی سے پہلے وہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا۔

بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک شبہ کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مذکورۂ بالا روایتوں میں عموماً "السنن" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ میں نے کسی موقعہ پر دعویٰ کیا ہے کہ عام حالات میں "السنن" کا لفظ جب "الفرائض" کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے مراد قرآنی مطالبات یعنی الفرائض کے عملی تشکیلات ہی ہوتے ہیں، اس بنیاد پر سوال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کیا قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات کو لکھوانے کا ارادہ کیا تھا، یا ان کے سوا عام خبر آحاد کی ان حدیثوں کو قلم بند کرا لینا چاہتے تھے جن کا علم انفرادی طور پر صحابہ میں پھیلا ہوا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حدیثوں کو قلمبند ہونے کا موقع نہ ملا۔ سوچنا چاہئے کہ واقعات سے وہ کس درجہ جاہل ہیں۔ حضرت عمرؓ ہی کے عہد تک آپ دیکھ رہے ہیں کہ تین تین دفعہ قلم بند ہونے کے بعد حدیثیں نذرِ آتش کی گئی ہیں۔ عہدِ فاروقی میں قاسم بن محمد کا یہ کہنا کہ قَدْ كَثُرَتِ الْاَحَادِيْثُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ حدیثوں کے بکثرت مجموعے ان کے زمانے میں لکھے جا چکے تھے مگر مطالعہ کے بغیر رائے قائم کرنے والوں کو اس زمانہ میں کون روک سکتا ہے ۱۲

جہاں تک میرا خیال ہے ان روایتوں میں چونکہ "السنن" کا استعمال "الفرائض" کے مقابلہ میں نہیں کیا گیا ہے اس لئے اس کو صرف قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات تک محدود کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں بھی "السنن" سے مراد قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات ہی تھے تو مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے آخر قرآن کے سوا جب قرآنی مطالبات کی عملی شکلوں کو بھی مکتوبہ شکل میں آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے پر حضرت عمرؓ آمادہ نہ ہوئے تو عام انفرادی حدیثوں کے متعلق اس باب میں جو منشا ہوگا وہ ظاہر ہے۔

بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی طے کیا کہ قرآن کے سوا جو چیز بھی ان کے زمانہ تک نوشتہ[1] شکل میں آئندہ نسلوں میں پہنچے گی وہ تورات کے مثناۃ[1] کی حیثیت اختیار کرے گی اسی لئے نہ خود اپنی حکومت کی جانب سے اس کام کے انجام دلانے پر آمادہ ہوئے اور جہاں تک ان کے بس میں تھا دوسروں سے بھی انہوں نے یہی چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی تبلیغ میں عمومیت کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا تھا ان کو ایسے زمانے میں قلمبند نہ کریں جس کے بعد اس مصلحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا جسے پیشِ نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اندیشے کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو بعد کو پیش آیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ حدیثوں کے نہ لکھوانے کے اس ارادے کو طے کرنے کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی بعض علمی و عملی چیزیں جن کا قرآن میں کم از کم صراحۃً ذکر نہ تھا یعنی چاہنے والا چاہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے رو سے ان کا ماننا ضروری نہیں ہے اپنے اس فیصلہ کے بعد

---

[1] مثناۃ کا یہ لفظ خود حضرت عمرؓ کا ہے جس کا ذکر ابن سعد نے طبقات میں اور دوسری کتابوں میں بھی لوگوں نے کیا ہے کہ اپنے زمانے میں حدیثوں کے قلم بند کرانے کے متعلق حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہودیوں کے ہاں توراۃ کے ساتھ جو مثناۃ کی حیثیت ہے وہی حیثیت قرآن کے ساتھ حدیثوں کی اسلام میں ہو جائے گی۔ یہ مثناۃ کیا چیز ہے؟ یہودیوں کا خیال ہے کہ تورات کے ساتھ موسیٰؑ کو زبانی روایات کا بھی ایک ذخیرہ دیا گیا تھا تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک زبانی روایتوں کا یہ سلسلہ یہودیوں کے ہاں قلم بند نہ ہوا، دوسری صدی عیسوی یعنی حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار سات سو سال بعد ایک یہودا احق دوش نے پہلی دفعہ ان کو قلم بند کیا۔ یہی کتاب مثناۃ کے نام سے مشہور ہوئی پھر ایک شرح اس کی یروشلم میں ہوئی اور دوسری بابل میں اسی شرح کو گمرا کہتے ہیں جس کے معنی کمال ہیں مثناۃ اور گمرا کو ملا کر تالمود کہتے ہیں آدم کلارک اور ہارن وغیرہ مفسرین توراۃ نے لکھا ہے کہ پچھلے زمانے میں یہودیوں کے ہاں مثناۃ اور تالمود کی اہمیت تورات سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ توراۃ کو علمائے یہود ناقص، مغلق غیر مفہوم قرار دیتے تھے اور دین کی حقیقی بنا انہوں نے بجائے تورات کے مثناۃ پر آخر زمانہ میں قائم کر دی تھی جیوفس اور دوسری انسائیکلوپیڈیاؤں میں تفصیلات پڑھئے انگریزی نہ جاننے والوں کو مولانا رحمۃ اللہ الہندی کی کتاب اظہار الحق عربی ایڈیشن مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ ج ۲ ص ۵۶ میں اس سلسلہ میں معلومات مل سکتی ہیں ۱۲

[1] یعنی قرآن کے سوا نوشتہ کی شکل میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔ حضرت عمرؓ کو ایک دوسرا خطرہ ستانے لگا یعنی ایسا نہ ہو کہ آئندہ کسی زمانہ میں انکار کرنے والے ان چیزوں کا انکار کر بیٹھیں اور دلیل میں اسی واقعہ کو پیش کریں کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے خصوصاً شادی شدہ

زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کے متعلق رجم (سنگسار) کرنے کی جو سزا ہے اس کے متعلق تو یہی نہیں کہ قرآن اس کے ذکر سے ساکت ہے بلکہ سورۃ النور میں زانی اور زانیہ کی سزا جلد (تازیانہ) جو بیان کی گئی ہے یعنی فرمایا گیا ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ ر ع ، پ ۱۸ — زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ہر ایک کے سو سو کوڑے مارو۔

اس کو پیش کر کے یہ غلط فہمی بھی پھیلائی جا سکتی ہے کہ "رجم" کے قانون کی قرآن سے تو نفی ثابت ہوتی ہے، حالانکہ ایک بے بنیاد غلط فہمی کے سوا یہ اور کچھ نہیں ہے[1]

بہرحال قانونِ رجم کے انکار کے اس خطرے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درجہ متاثر تھے کہ قرآن کے سوا حالانکہ طے کر چکے تھے کہ اپنے زمانہ کی کسی نوشتہ چیز کو مسلمانوں میں منتقل ہونے نہ دوں گا، لیکن اس انکار کے خطرے کی شدت کا احساس کبھی کبھی اتنا بڑھ جاتا تھا کہ اپنے خطبوں میں آپ فرماتے:

لَوْلَا اَنْ يَّقُوْلَ قَائِلُوْنَ زَادَ عُمَرُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ لَكَتَبْتُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمُصْحَفِ (بخاری ص ۱۰۱۳ ، صحاح) — اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ کہنے والے یہ کہنے لگیں گے کہ عمرؓ نے اللہ کی کتاب میں اس چیز کا اضافہ کر دیا جو قرآن کا جز نہ تھا تو قرآن کے حاشیہ پر اس کو (یعنی رجم کے قانون کو) لکھ دیتا۔

لیکن مصحف کے حاشیہ پر لکھنے کی جرأت تو وہ کیا کرتے یوں بھی آپ نے اس قانون کو قلم بند کر دینے کی ہمت نہ فرمائی۔ کبھی کبھی "رجم" کے اس قانون کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا بھی ذکر ان الفاظ میں فرماتے کہ:

اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِكُمْ قَوْمٌ يُّكَذِّبُوْنَ بِالرَّجْمِ وَبِالدَّجَّالِ وَبِالشَّفَاعَةِ وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ وَبِقَوْمٍ يُّخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتُحِشُوْا[2] — کچھ لوگ عنقریب آئندہ زمانے میں ایسے بھی آنے والے ہیں جو رجم کے قانون کا اور دجال کے ظہور کا، واقعہ شفاعت کا، عذاب قبر کا اور اس بات کا کہ جلنے کے بعد جہنم سے بعض لوگ نجات یاب ہوں گے ان ساری باتوں کا انکار کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۳۶)

کیونکہ بظاہر قرآنی آیات سے ان چیزوں کا استنباط بھی ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا اسی لئے ان کو خطرہ گزرتا تھا کہ لوگ ان

---

[1] معتزلہ وغیرہ فرقوں نے اس کا دعویٰ کیا بھی ہے حالانکہ رجم کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں تو صرف جلد (تازیانہ) کی سزا کا ذکر ہے لیکن زانی کو رجم کی سزا نہ دی جائے یقیناً قرآن سے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے بخاری میں ان کا یہ قول جو نقل کیا گیا ہے کہ رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (اس عورت کو رجم کی سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بنیاد پر میں نے دی ہے) اس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ قرآن پر نہیں بلکہ سنت پر اس قانون کی بنیاد قائم ہے یوں بھی کنوارے اور محصن (شادی شدہ) زانیوں کی سزا میں فرق ایک قدرتی امر ہے ۱۲۔

[2] جن امور کا ذکر حضرت عمرؓ کے اس بیان میں کیا گیا ہے ان میں عذاب قبر کا مسئلہ ایسا ہے جس کے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

باتوں کا کسی زمانہ میں انکار نہ کر بیٹھیں، بظاہر اسی خطرے کے انسداد کی یہ تدبیر حضرت عمرؓ نے نکالی کہ اقلال یعنی جہاں تک ممکن ہو روایتیں کم بیان کی جائیں بجائے اس اقلال کے ان خاص امور کے متعلق اکثار یعنی کثرتِ ذکر کا طریقہ اختیار فرمایا، خصوصاً اپنے خطبوں میں چرچا کر کے ان باتوں کو آپ نے اتنا مشہور کر دیا کہ خبر احاد کی حیثیت باقی نہ رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ علما کو آنحضرتؐ کی حدیثوں کے متعلق مزید ایک اور قسم کا اضافہ کرنا پڑا یعنی متواتر اور خبر آحاد کے بیچ میں مشہور حدیثوں کی ایک اصطلاح مقرر کی گئی جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت نہ تو دین کے ان قطعی عناصر اور یقینی اجزا کی ہے جن کا انکار آدمی کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے یعنی تواتر کی راہ سے مسلمانوں کی ہر اگلی نسل سے پچھلی نسلوں میں جو چیزیں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں یہ حیثیت بھی مشہور روایتوں کی نہیں ہے اور نہ ان کی حیثیت خبر آحاد کی ہے۔ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ مدینہ شہرت کو طے کر کے مسلمانوں تک جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر پہنچی ہیں ان کا انکار بھی دین سے انکار کرنے والوں کو خارج کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مشہور حنفی امام ابوبکر جصاص کا یہی خیال تھا لیکن عام طور پر علماء اس کے قائل نہیں ہیں، میں نے شاید پہلے بھی شمس الائمہ سرخسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قانونِ رجم اور مسحِ خفین جیسے مسائل کے منکر کے متعلق ان کا خیال تھا کہ:

لٰكِنْ يُخْشٰى عَلَيْهِ الْاِثْم ـــــ گناہ کا اندیشہ کیا جاتا ہے۔

بعضوں نے ان مشہور روایات کو بھی مختلف مدارج میں تقسیم کیا ہے، رجم والے قانون کی مثال دے کر لکھا ہے کہ اس قسم کی مشہور روایتوں کے منکر کو گمراہ قرار دیا جائے گا۔ صاحب کشف بزدوی نے عیسیٰ بن ابان حنفی امام کا قول نقل کیا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اشارات قرآن میں بھی ملتے ہیں، آل فرعون والی آیت اور يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ میں بھی لوگوں نے ان اشاروں کو پایا ہے موت کے وقت مرنے والوں کے سامنے جن غیبی حقائق کا ظہور ہوتا ہے ان کا ذکر بھی ایک سے زائد جگہ پر قرآن میں کیا گیا ہے ماسوا اس کے سورۃ النبا کی آخری آیتیں یعنی اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (ہم نے دھمکایا تم کو قریب والے عذاب سے جس دن دیکھے گا آدمی ان چیزوں کو جنھیں اس نے اپنے آگے روانہ کیا تھا، اور کہے گا منکر کہ کاش ہم ہوتے خاک) اس آیت میں عذابِ قریب میں قریب کا لفظ بتاتا ہے کہ کسی بعید عذاب کے مقابلہ میں آدمی قریبی زمانے میں اس سے دوچار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہنم کے عذابِ بعید کے مقابلہ میں یہ قبری کا عذاب عذابِ قریب ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ آگے جو یہ کہا گیا کہ بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھے گا یہ بھی برزخی عذاب ہی کی خاصیت ہے کہ بجائے بدلہ بھگتنے کے آدمی کے اعمال مختلف شکلوں میں اس کے آگے پیش ہوں گے جن کو دیکھ دیکھ کر گھبرائے گا اور اذیت محسوس کرے گا اور یہی وہ وقت ہے جب آدمی تمنا کرے گا کہ موت کے متعلق اس کا جو یہ خیال تھا کہ ازالہ احساس کی یہ تعبیر ہے یعنی مر کر آدمی مٹی میں مل جاتا ہے خاک دھول بن کر اڑ جاتا ہے کاش وہی واقعہ ہوتا، لیکن صورتِ حال اس سے بالکل مختلف نظر آئے گی یہ ہے وہ مطلب جو ان آیتوں سے میری سمجھ میں آیا ہے۔ اسی بنیاد پر برزخی عذاب کو قرآنی عذاب قرار دیتا ہوں یعنی عذابِ قریب میرے نزدیک عذابِ قبر ہی کی تعبیر ہے نیز سورۃ الانعام میں اور سورۃ الواقعہ کی بعض آیتوں سے عذابِ قبر کی طرف اشارے ملتے ہیں جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اسی طرح دجال کے شخصی وجود کے سوا شفاعت اور اہل ایمان کا آخری انجام نجات پر ہو گا۔ ان مسائل کو قرآن سے جانچا جائے تو فکر و تامل کے بعد مستنبط کیا جا سکتا ہے ۱۲

قِسْمٌ يُضَلَّلُ جَاحِدُهٗ وَلَا يُكَفَّرُ مِثْلُ خَبَرِ الرَّجْمِ۔ (کشف ج ۲ ص ۳۶۹)	ایک قسم مشہور روایتوں کی ایسی بھی ہے کہ اس کے منکر پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگایا جائے گا مگر اس کو گمراہ ٹھہرایا جائے گا مثلاً رجم کی روایت کا یہی حال ہے۔

بہر حال ان مسائل کی تفصیل میرے سامنے نہیں ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ مشہور روایتوں کے متعلق یہ مانتے ہوئے کہ

هُوَ اسْمٌ لِخَبَرٍ كَانَ مِنَ الْآحَادِ فِي الْأَصْلِ أَيْ فِي الْاِبْتِدَاءِ (کشف ص ۳۶۸)	کہ خبر مشہور درحقیقت ان ہی خبروں کو کہتے ہیں جو ابتدا میں آحاد ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں۔

لیکن محض اس لیے یعنی

لِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّدْرِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي عَلَى قُبُوْلِهٖ۔ (ص ۳۶۹)	صدر اول (عہد صحابہ) اور دوم (یعنی عہد تابعین) کے علمائے چونکہ ان کے ماننے پر اتفاق کر لیا تھا۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ خبر آحاد کی جو نوعیت ہوتی ہے وہ ان کی باقی نہ رہی بلکہ "صدر اول" میں نہ سہی اس کے بعد بھی یعنی قرن ثانی و ثالث تک کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس زمانے تک جن خبروں میں شہرت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا، ان کا شمار بجائے خبر آحاد کے خبر مشہور میں کیا جائے گا۔ صاحب کشف نے لکھا ہے کہ:

وَالْاِعْتِبَارُ لِلْاِشْتِهَارِ فِي الْقَرْنِ الثَّانِي وَالثَّالِثِ وَلَا عِبْرَةَ لِلْاِشْتِهَارِ فِي الْقُرُوْنِ الَّتِي بَعْدَ الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ[1] (کشف ص ۳۶۹)	بہر حال قرن دوم و سوم (تابعین و تبع تابعین) کے عہد میں جو چیزیں شہرت کے درجہ تک پہنچ گئی تھیں (ان کی شہرت کا تو اعتبار کیا جائے گا) مگر ان تینوں قرون کے بعد کی شہرت ناقابلِ لحاظ غیر مؤثر قرار پائے گی۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ "خبر آحاد" والی حدیثوں کے ذخیرہ سے جن روایتوں میں شہرت کی کیفیت عہد صحابہ ہی میں نہیں بلکہ عہد تابعین و تبع تابعین میں پیدا ہو گئی ہو، ان کو بھی مشہور خبروں میں شمار کر لیا گیا ہے[2]

اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ قلم بند ہوئے بغیر صرف زبانی چرچے کی زیادتی کی وجہ سے عہد صحابہ ہی نہیں بلکہ اس کے بعد والے دو قرنوں میں بھی جن معدودے چند روایتوں میں شہرت کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، جب ان کو "خبر آحاد" کے زمرے سے علمائے نے خارج کر دیا تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خلافت و حکومت کی طرف سے لکھوایا ہوا حدیثوں کا کوئی مجموعہ مسلمانوں کی پچھلی نسلوں تک منتقل ہوتا ہوا اگر پہنچتا تو اس کے ساتھ لوگوں کے قلبی تعلقات کی جو کیفیت ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے۔

---

[1] لکھا ہے کہ قرون ثلثہ کے بعد تو تقریباً ساری آحاد خبریں چونکہ مشہور ہو گئیں اس لیے پچھلے قرون کی شہرت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ ۱۲

[2] اگرچہ ان مشہور روایتوں میں ایسی روایتیں جن میں شہرت کا رنگ عہد صحابہ میں پیدا ہو چکا تھا اس کو مشہور روایتوں کی ان قسموں پر ترجیح دی جاتی ہے جن میں یہی کیفیت بعد والے قرون میں پیدا ہوئی، تاہم اجمالی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شہرت کے درجہ تک ان تینوں قرون میں سے کسی قرن کے اندر جو روایتیں پہنچ گئی تھیں ان کو خبر آحاد کی مد سے نکال کر مشہور روایتوں میں داخل کر دیا جائے گا تفصیل کے لیے اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے ۱۲

رہا یہ مسئلہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو احاد خبروں کی شکل میں چھوڑا تھا ان میں سے بعض چیزوں میں حضرت عمرؓ نے خواہ زبانی تذکروں کے ذریعے سے شہرت کا رنگ کیوں پیدا کیا؟ یا حضرت عمرؓ کے بعد قرن ثانی و ثالث والوں نے ان روایتوں کو کیوں مشہور کر دیا یہ ایک جداگانہ بحث ہے اور "علاوہ" مصالح مرسلہ" کے جسے خلفاء راشدین کے خصوصی اختیارات میں شمار کیا جاتا ہے قرون مشہود لہا بالخیر کے فیصلوں کے متعلق بھی یہ مانا گیا ہے کہ خاص دینی بصیرت ہی کے تحت ان کو بھی مناسب نظر آیا کہ بجائے خبر آحاد کی شکل میں باقی رکھنے کے ان میں شہرت کی کیفیت پیدا کر دی جائے۔

کچھ بھی ہو مجھے اس سے بحث بھی نہیں اور علماء نے لکھا بھی ہے کہ صحابہ کے بعد والے قرون میں جو روایتیں مشہور ہوئی ہیں، ان کے انکار کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ خطا کار قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن کفر ہی نہیں بلکہ گمراہی کا انتساب بھی انکار کرنے والے کی طرف شکل سے ہے جیسے خلفاء راشدین کے عہد میں مشہور ہونے والی روایتوں کے منکروں کی تضلیل کا فیصلہ کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں کو گمراہ سمجھا جائے گا جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشہور ہو جانے والی روایتوں کے نتائج کا انکار کرتے ہیں اور میرے نزدیک مومن کے ایمان کا اقتضا بھی یہی ہے۔

یہ بھی روئداد ان خدمات کی جو عہدِ فاروقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق انجام دی گئی جن کا حاصل یہی ہے کہ بجز چند خاص روایتوں کے خبر آحاد کے سارے ذخیرے کو خبر آحاد ہی کی شکل میں باقی رکھنے کی جو ممکنہ تدبیریں ہو سکتی تھیں حضرت عمرؓ نے ان کے اختیار کرنے میں پوری مستعدی اور بیدار مغزی سے کام لیا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ اس راہ میں اٹھا نہ رکھا، اور ان چند روایتوں کو شہرت کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش آپ نے جو کی اس کی وجہ یا تو یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی بصیرت کو اسی میں مصلحت نظر آئی، یا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص منشار کا علم ان امور کے متعلق کچھ ہو جس سے نبوت کے خصوصی مذاق شناس حضرات ہی واقف ہو سکتے تھے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کی یہ بھی ہے کہ "مشہور حدیث" کا مطلب چونکہ یہ ہے کہ ابتداً میں خبر احاد کی شکل میں رہنے کے بعد صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں عام طور پر اتنی مشہور ہو گئی کہ

رَوَتْهُ جَمَاعَةٌ لَا يُتَصَوَّرُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ۔ (کشف ج ۲ ص ۳۶۷)

اتنے آدمیوں نے ان کو بیان اور روایت کیا ہے جن کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ خواہ مخواہ وہ جھوٹ پر متفق ہو گئے تھے۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ متواتر اور مشہور میں فرق صرف اس قدر ہے کہ متواتر روایات میں تو ضروری ہے کہ ابتدا سے آخر تک ایسی جماعت اس کو بیان کرتی ہو جس کے متعلق غلط بیانی کا احتمال باقی نہ رہے، عقل کے لئے ناممکن ہو جائے کہ اس کو جھوٹ قرار دے اور مشہور روایتوں میں بھی گو یہی کیفیت پائی جاتی ہے الا یہ کہ ابتدا میں اس کی حیثیت چونکہ خبر آحاد کی تھی اس لئے متواتر روایتوں کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس معیار پر عہدِ فاروقی میں مشہور ہو جانے والی روایتوں کی تعداد بہت تھوڑی نکلے گی، شاید وہی چند باتیں جن کا تذکرہ حضرت عمرؓ اپنے خطبات میں کرتے تھے اور ان کو خطرہ تھا کہ آئندہ انکار کرنے والے کہیں ان کے انکار پر جری نہ ہو جائیں، ان کے سوا مشکل ہی سے کسی چیز کا ان پر اضافہ ہو سکتا ہے۔

لہ تفصیلات اصولِ فقہ کی کتابوں خصوصاً کشف بزدوی میں پڑھئے ۱۲

اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی بھولنا نہ چاہیئے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جیسے مشہور روایتوں کی شکل ان چند چیزوں نے اختیار کی، وہیں آپ ہی کے زمانے میں یہ بھی طے کیا گیا کہ کسی واحد خبر کا مفاد اگر قرآنی نص کے خلاف ہو تو ترجیح ہمیشہ قرآن ہی کو دی جائے گی۔ غیر حاملہ یعنی حائل عورت کو جب ایسی طلاق دی جائے جس کے بعد نکاح جدید کے بغیر پھر اس عورت کو طلاق دینے والا زن و شو کے تعلقات کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس کے نان ونفقہ اور سکنی (جائے سکونت) کے متعلق یہ سوال جب اٹھا کہ عدت کے زمانے میں طلاق دینے والے شوہر پر یہ چیزیں یعنی نان ونفقہ وغیرہ واجب ہے یا نہیں اور ایک خاتون صاحبہ فاطمہ بنت قیس نامی جن کے ساتھ طلاق کی یہی صورت پیش آئی تھی انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنی کو شوہر پر عائد نہیں کیا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک چونکہ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت کتاب یعنی قرآنی نص کے خلاف تھی آپ نے اعلان کیا کہ

لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ بِقَوْلِ امْرَأَةٍ حَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ۔ (صحاح)

ہم اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کے طریقہ کو کسی ایسی عورت کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتے جس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔[1]

عہد عثمانی اور تدوین حدیث

بہرحال عہد فاروقی ان ہی حالات میں ختم ہوا آپ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا علمی خدمات کے لحاظ سے عثمانی عہد خلافت کا سب سے بڑا کارنامہ وہ ہے جس کی وجہ سے آج تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال تک سارے جہاں کے مسلمانوں میں قرآن مجید کا ایک ہی نسخہ مروج ہے۔ "تدوین قرآن" نامی کتاب میں اس مسئلہ کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔[2]

حدیث کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ سے تدوین حدیث کی تاریخوں میں لوگوں نے کسی خاص واقعہ کا ذکر اگرچہ نہیں کیا ہے لیکن حضرت عثمانؓ سے جو روایتیں کتابوں میں نقل کی گئی ہیں ہم ان ہی میں ایک اس روایت کو بھی پاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

مَا يَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا أَكُوْنَ أَوْعَى أَصْحَابِهِ عَنْهُ وَلٰكِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں مجھے یہ چیز نہیں روکتی کہ دوسرے صحابیوں سے حدیثوں کے یاد رکھنے میں کچھ کم ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے میری طرف

---

[1] یہ مسئلہ کہ قرآن کی کس آیت کے خلاف حضرت عمرؓ نے فاطمہ والی روایت کو قرار دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس سنت کا حضرت کو علم تھا فاطمہ کی روایت اس کے مخالف تھی یہ بڑا تفصیلی مسئلہ ہے حدیث و شروح حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل ملے گی ۱۲۔

[2] اسی کتاب کا جوہری خلاصہ ہمارے عزیز شاگرد مولوی غلام ربانی ایم اے حیدرآبادی نے کیا، ندوۃ المصنفین دہلی کے مکتبہ نے اس کو شائع بھی کر دیا ہے اس خلاصہ کے بعد یہ واقعہ ہے کہ میری اصل کتاب بھی شائع نہ ہو تو اس کی ضرورت باقی بھی نہیں رہتی ہے ۱۲۔

قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (ص ۶۵)	کوئی ایسی بات منسوب کی ہے جو میں نے نہ کہی ہو تو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا وہ دوزخ میں بنالے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کافی حدیثیں حضرت عثمان رضؓ کو بھی یاد تھیں، لیکن ان کی عمومی اشاعت سے آپ بھی پرہیز کرتے تھے، کیوں کرتے تھے ؟ ممکن ہے کہ مذکورہ الفاظ سے یہ نتیجہ بھی نکالا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کے منسوب ہو جانے کا اندیشہ حضرت عثمان رضؓ کو تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جب دوسرے صحابیوں کے مقابلہ میں خود ان کا دعوٰی تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔ تو حفظ و یاد کے اس دعوے کے بعد ان کے کلام کو اس پر محمول کرنا کہ اپنی یاد پر حضرت رضؓ کو کامل بھروسا نہ تھا اس لئے روایت سے پرہیز کرتے تھے، کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

میرا تو خیال یہی ہے کہ وہی بات یعنی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اشاعتِ عام کا طریقہ اگر وہ اختیار کرتے تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے لوگ ان سے سنی ہوئی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کرتے۔ حضرت عثمان رضؓ کو زیادہ سے زیادہ اعتماد اپنے حافظہ اور اپنی یاد پر ہو سکتا تھا لیکن ان سے سن کر روایت کرنے والے بھی صحیح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی بات کو منسوب کریں گے، جو کچھ انہوں نے سنا ہے حضرت عثمان رضؓ کو چونکہ اس پر بھروسا نہ تھا اندیشہ تھا کہ اس راہ سے پیغمبر کی طرف غلط بات منسوب نہ ہو جائے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں آپ نے سنی تھیں ان کی اشاعت عام نہیں فرماتے تھے اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خبر آحاد کی ان روایتوں کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں میں اشاعت ضروری خیال نہ فرمائی، اسی طرح آپ کے خلفاء نے بھی یہی طرزِ عمل دین کے اس غیر بیناتی حصہ کے متعلق اپنے اپنے زمانہ میں اختیار فرمایا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ایک دفعہ برسرِ منبر حضرت عثمان رضؓ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے، مسند احمد ہی میں ہے :۔

عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ مَوْلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ کَتَمْتُکُمْ حَدِیْثًا سَمِعْتُہٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَرَاھِیَۃَ تُفَرِّقُکُمْ عَنِّیْ۔	حضرت عثمان رضؓ کے غلام ابو صالح سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے لوگو ! ایک حدیث جسے میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے اسے تم لوگوں سے اب تک اس لئے چھپاتا رہا کہ تم کو یہ حدیث مجھ سے جدا کر دے گی۔

(ص ۶۵)

پھر آپ نے فرمایا کہ :

ثُمَّ بَدَا لِیْ اَنْ اُحَدِّثَکُمُوْہُ لِیَخْتَارَ امْرُءٌ لِنَفْسِہٖ مَابَدَا لَہٗ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ رِبَاطُ	مگر مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں اس حدیث کو تم سے بیان ہی کر دوں، پھر اس حدیث کے سننے کے بعد جو اپنے لئے جس پہلو کو چاہیے آدمی اختیار کرے میں نے رسول اللہ

يَوْمٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرٌ مِّنْ أَلْفٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا رباط (یعنی اسلامی سرحدوں کی چھاؤنیوں میں بہ نیت جہاد قیام) دوسری جگہوں میں ہزار دن گزارنے سے بہتر ہے۔

اور یہی خبر آحاد کی حدیثوں کے استعمال کا صحیح مقام ہے جس کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ ان سے عمل کی محرومی عام دینی ثمرات سے گو آدمی کو محروم نہیں کرتی لیکن دین میں جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ چاہیں تو ان حدیثوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

لیکن بایں ہمہ حضرت عثمانؓ ہی کو ہم دیکھتے ہیں کہ الواحد بعد الواحد ہی کی راہ سے سہی، جب کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کی خبر ہو جاتی تھی تو بجائے اپنی رائے کے اسی خبر واحد کی تعمیل کو اپنی سعادت خیال فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے جا رہے تھے جب قدید نامی مقام پر پہنچے تو آپ کے باورچی خانے میں چند چکور گاؤں والوں نے شکار کر کے پہنچا دیئے، چکوروں کو بھون کر اور کھانوں کے ساتھ طشت میں مرتب کر کے حضرت عثمانؓ کے دسترخوان پر لوگوں نے چن دیا، راوی کا بیان ہے کہ:

كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى الْحَجَلِ حَوَالِي الْجِفَانِ

ہم ان بھنے ہوئے چکوروں کو گویا طشت کے کنارے چنا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ اپنے رفقاء کے ساتھ جب دسترخوان پر بیٹھے تو دیکھا کہ بعض لوگ کھانے سے رک رہے ہیں وجہ دریافت کی تو لوگوں نے کہا کہ قافلہ میں حضرت علیؓ بھی ہیں، ان کا بیان ہے کہ حج کے احرام کی حالت میں شکار کے گوشت کا کھانا جائز نہ ہوگا، سننے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ نے بلا بھیجا، دونوں میں گفتگو ہوئی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ:

"یہ شکار ہے جسے نہ میں نے شکار کیا ہے، اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم میں نے دیا تھا۔ گاؤں والے جو احرام کی حالت میں نہ تھے یہ ان کا شکار کیا ہوا ہے اور میرے پاس ان ہی لوگوں نے کھانے کے لئے بھیجا ہے، پھر اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے۔"

علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ:

احرام ہی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گورخر کی ران تحفہ میں ایک شخص نے پیش کی تھی لیکن رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہم لوگ احرام کی حالت میں ہیں، پس چاہئے کہ یہ ران ان لوگوں کو کھلا دی جائے جو احرام کی حالت میں نہیں ہیں۔

بعض دوسرے صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں ساتھ تھے، انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ جوں ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت حضرت عثمانؓ کو پہنچی لکھا ہے کہ دسترخوان سے اٹھ گئے اور

فَدَخَلَ رَحْلَهٗ وَأَكَلَ ذٰلِكَ الطَّعَامَ

اپنے خیمے میں چلے گئے اور گاؤں والوں نے

أَهْلَ الْنَّاءِ [1] ۔ (مسند احمد ص ۱۰۰) اس کھانے کو کھا لیا ۔

اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد و تفقہ کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نتیجہ تک پہنچے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر اس سے دست بردار ہو گئے حالانکہ چاہتے تو گفتگو کر سکتے تھے اور بعد کو جیسا کہ حاشیہ کے تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا ائمہ اجتہاد کی اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیان کی ہوئی اس روایت کے مقابلہ میں ابو قتادہؓ [2] کی روایت کو ترجیح دی حنفیوں اور مالکیوں کا یہی مذہب

---

[1] اس مسئلہ میں کہ خشکی کے شکار کو بحالتِ احرام کسی نے خود شکار نہ کیا ہو بلکہ جو حالتِ احرام میں نہ ہو اسی کا شکار کیا ہوا ہو، محرم یعنی جو احرام باندھے ہوئے ہو کیا اس شکار کے گوشت کو استعمال کر سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی نقل کیا جاتا ہے کہ کھا سکتے ہیں لیکن شوافع حضرت علیؓ کی اسی روایت کی بنیاد پر کھانے کی اجازت نہیں دیتے مسئلہ میں ہر فریق کے دلائل فقہ و حدیث کی شروح میں تلاش کیجئے۔ حنفیہ کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ران اس لئے واپس نہ کی تھی کہ اس کا کھانا بحالتِ احرام ناجائز تھا کیونکہ دوسری روایت صحاح ہی کی حضرت ابو قتادہ والی سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے خود بھی احرام کی حالت میں اس قسم کے شکار کے گوشت کو استعمال فرمایا اور دوسروں کو بھی اجازت دی۔ پس ران کے واپس کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ہمت افزائی نہ ہو یعنی ممانعت سد اللذریعہ کے تحت کی گئی تھی ۱۲

[2] یہ روایت صحاح ستہ کی ہر کتاب میں مل سکتی ہے، روایت چونکہ ذرا دلچسپ ہے جی چاہتا ہے ۔ کہ اس کا تذکرہ کر دوں، ابو قتادہ صحابیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھ کر صحابیوں کے ساتھ مکہ معظمہ کے قصد سے تشریف لے جا رہے تھے، یہ صلح حدیبیہ والے سفر کا واقعہ ہے، ابو قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے احرام نہیں باندھا تھا لیکن احرام بند لوگوں کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے آگے تشریف لے جا رہے تھے بہر حال میں ان ہی احرام بند لوگوں کے قافلہ میں تھا میری چپل ٹوٹ گئی تھی اُسے درست کر رہا تھا۔ اچانک ان ہی لوگوں کی جو احرام کی حالت میں تھے ایک گورخر پر نظر پڑی، میں تو چپل کے سینے میں مشغول تھا گورخر کے دیکھنے والے چونکہ حالتِ احرام میں تھے اور قاعدہ ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے کی بھی ممانعت ہے اور شکار کی طرف اشارہ کرنے کی بھی، گورخر کے دیکھنے والے سخت کش مکش میں تھے مجھ سے وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن دل سب کا چاہتا تھا کہ میں چونکہ احرام کی حالت میں نہیں ہوں کاش میری نظر اس گورخر پر پڑ جاتی۔ ابو قتادہؓ سے بعض روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ گورخر کے دیکھنے والی جماعت میں بعض لوگوں نے بعض کو دیکھ کر آپس میں ہنسنا شروع کیا۔ شاید ان کے ہنسنے پر ان کی نظر اٹھی، سامنے دامنِ کوہ میں گورخر کھڑا ہوا تھا، اس پر نظر پڑ گئی، ابو قتادہ بڑے مشتاق شکاری تھے۔ نظر پڑنے کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر چاہا کہ گورخر پر حملہ کریں لیکن جلدی میں نہ کوڑا ہی لے سکتے تھے اور نہ نیزہ اب ان احرام بند لوگوں سے کہا کہ میرا کوڑا اور نیزہ تو دے دو لیکن سبھوں نے شکار کرنے کے اس فعل میں امداد دینے سے انکار کیا۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کے انکار پر غصہ بھی آیا مگر کرتا کیا گھوڑے سے اترا، کوڑے اور نیزے کو لے کر میں نے گھوڑے کو گورخر پر ڈال دیا بہت جلد وہ میری زد میں آ گیا نیزے سے میں نے اس کو گرا لیا، جب شکار ہو چکا تو ان احرام بندوں نے گوشت کے کھانے میں شرکت کی مگر بعد کو لوگ شک میں مبتلا ہوئے۔ ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ اس گورخر کی ایک ران میں نے چھپا لی تھی ۔ اسی حال میں قافلہ آگے روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قصہ پیش کیا گیا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ گوشت باقی بھی رہ گیا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

ہے جسے حضرت عثمانؓ نے ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔

صَیْدٌ لَمْ نَصْطَدْہُ وَلَمْ نَأْمُرْ بِصَیْدِہٖ اِصْطَادَہٗ قَوْمٌ حِلٌّ فَاَطْعَمُوْنَاہُ فَمَا بَأْسٌ۔	شکار ہے جسے نہ ہم نے خود شکار کرنے کا اس کے حکم دیا، یہ ان لوگوں نے شکار کیا ہے جو احرام بند نہ تھے انہوں نے میرے پاس کھانے کے لیے بھیجا تو اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ فطرۃً وہ بڑے نرم دل آدمی تھے، اختلاف اور مقابلہ پر ڈٹنے سے ان کی طبیعت کو دور کا لگاؤ بھی نہ تھا۔ حدیث پیش کی گئی، خاموش ہوگئے اور اسی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مگر اسی کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی اسی فطری نرم مزاجی اور شرمیلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند کر دیں گو اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کرسکتے تھے کرتے رہے لیکن عنقریب معلوم ہوگا کہ "حدیث" میں فتنے کی ابتداً جن لوگوں کی راہ سے ہوئی یہ وہی تھے جن کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرم حکومت نے بدبختانہ جسارتوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دیئے تھے۔

عہدِ مرتضوی اور تدوینِ حدیث

میں نے پہلے بھی کہیں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عام عادت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے کوئی بات آپ کے سامنے اگر کوئی بیان کرتا تو آپ اس سے قسم لیتے تھے شاید اس کی ایک وجہ عہدِ عثمانی کے وہ فتنے اور فساد بھی ہوں جو مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تھے، یوں بھی اسلام کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو چکا تھا، صرف مقبوضات کا بلکہ مختلف اقوام اور طبقات کے لوگ مسلمان ہو ہو کر اسلامی جماعت میں فوج در فوج شریک ہوتے چلے جاتے تھے اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا ان میں طرح طرح کے لوگ تھے، سب کے ایمان و اسلام کی وہی حالت نہ تھی جو صحابۂ کرام کی تھی۔ ان ہی امور کے احساس کا غالباً یہ نتیجہ بھی تھا کہ حضرت علیؓ عموماً منبر سے اس حدیث کا اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَا تَکْذِبُوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّکْذِبْ عَلَیَّ یَلِجُ فِی النَّارِ۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۸۳)	میری طرف جھوٹی بات ہرگز منسوب نہ کیا کرو جو میری طرف منسوب کرکے جھوٹی بات بیان کرے گا وہ آگ میں جھونکا جائے گا۔

نہ صرف دوسروں ہی کے متعلق یہ فرماتے تھے بلکہ خود اپنی طرف اشارہ کرکے آپ نے متعدد موقعوں پر اس فقرے کو دہرایا ہے کہ:

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان جیسے میں نے چھپا رکھی تھی رسول اللہ کی خدمت میں اس کو پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا حالانکہ آپ بھی احرام ہی کی حالت میں تھے بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دریافت کیا کہ احرام بندوں سے کسی نے شکار کی طرف اشارہ تو نہیں کیا تھا ۱۲

لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکْذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔

آسمان سے میں گر پڑوں یہ میرے لیے زیادہ آسان ہے اس بات سے کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات کو منسوب کر کے بیان کروں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۸۱)

اور جیسے دوسروں سے آپ قسم لیتے تھے اسی طرح یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پوچھنے والا حضرت علیؓ کی کسی حدیث کے بیان کرنے کے بعد اگر پوچھتا کہ کیا واقعی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے تو جواب میں خود بھی قسم کھاتے ہوئے فرماتے:

اِیْ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱) ہاں! (آنحضرتؐ نے فرمایا) قسم ہے کعبہ کے رب کی۔

حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت تک نبوت سے زمانہ کا فاصلہ کافی دور ہو چکا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں آحاد کی شکل میں حضرت علیؓ تک پہنچی تھیں، میں نے پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ خود ذاتی طور پر ان کا ایک حصہ حضرت علیؓ کے پاس مکتوبہ شکل میں بھی تھا جس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے کس زمانہ میں قلمبند فرمایا تھا تاہم لکھی ہوئی شکل میں ان کے پاس کچھ حدیثیں ضرور تھیں۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر جن کے متعلق آپ یہ اقرار بھی فرماتے تھے کہ میری تلوار کی نیام میں وہ نوشتہ رکھا ہوا ہے لیکن اس کی اشاعتِ عام نہ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں آپ نے کی اور نہ عمرؓ کے عہد میں اور نہ عثمانؓ کے عہد میں حتی کہ خود آپ کے خلافت کے زمانہ میں بھی لوگوں نے چاہا کہ عام لوگوں میں ان حدیثوں کی اشاعت کر دی جائے مگر جہاں تک روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے انکار ہی کرتے رہے، لیکن جب اصرار حد سے زیادہ لوگوں کا گزر گیا۔ نیز خیال بعضوں کا یہ ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کچھ خاص باتوں کی وصیت کی ہے اور اس سے مختلف قسم کے خود آفریدہ مغالطوں میں مبتلا کرنے کا موقعہ ان لوگوں کو مل رہا تھا جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فساد اور فتنے کا ایک باضابطہ پروگرام تیار کیا تھا تو جیسا کہ مسندِ احمد میں ہے کہ آخر ایک دن آپ نے کہا کہ

مَا عَهِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا خَاصَّۃً دُوْنَ النَّاسِ اِلَّا شَیْءٌ سَمِعْتُہٗ مِنْہُ فَھُوَ فِیْ صَحِیْفَۃٍ فِیْ قِرَابِ سَیْفِیْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں سے الگ مجھ سے کوئی ایسی بات بطورِ عہد کے نہیں فرمائی ہے بجز اس کے کہ میں نے آپ سے چند باتیں سنی ہیں وہ اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہیں جو میری تلوار کی نیام میں رکھا ہوا ہے۔

آگے راوی کا بیان ہے کہ

فَلَمْ یَزَالُوْا بِہٖ حَتّٰی اَخْرَجَ الصَّحِیْفَۃَ۔ (مسند احمد ص ۱۱۹)

لوگ اس (صحیفہ کے دکھلانے) پر مُصر ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اس صحیفہ کو (نیام سے) نکالا۔

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی خواہش تو یہی تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں جنھیں آپ نے اپنی یادداشت کے لئے قلم بند فرمایا تھا، عمومیت کا رنگ پیدا نہ ہو، لیکن لوگوں کی طرف سے اصرار میں شدت بڑھتی چلی گئی۔ نیز خطرہ اس کا ہوا کہ خدا جانے لوگ کیا سمجھ بیٹھیں، آپ نے لوگوں کو دکھا دیا کہ اس میں معمولی دینی مسائل ہیں، اس قسم کے شکوک کا اس سے ازالہ بھی ہو گیا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۂ راز میں ان کو کچھ خاص رموز و اسرار کی نوعیت کی چیزیں وصیت فرمائی تھیں جنھیں مختلف طریقوں سے لوگوں نے پھیلانا شروع کیا تھا، خود ان ہی روایتوں سے جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس صحیفہ کا ذکر ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں مثلاً قتادہ ابو حسان کے حوالے سے اسی صحیفۂ علی کے قصے کو جب بیان کیا کرتے تھے تو شروع میں کہتے کہ ابو حسان کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے اور لوگ آکر عرض کرتے کہ جو حکم دیا گیا تھا اس کی تعمیل ہوگئی تو زبان مبارک پر بے ساختہ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (اللہ اور اللہ کے رسول نے سچ کہا) کے الفاظ جاری ہوجاتے الاشتر النخعی نے ایک دن حضرت سے آکر کہا کہ آپ کے اس طریقہ کا یعنی اس قسم کے مواقع میں صدق اللہ ورسولہ عام طور پر جو آپ فرما دیتے ہیں اسکی لوگوں میں آپ کے متعلق یہ بات پھیل گئی ہے اشتر نے اس کے بعد کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاص باتیں آپ سے کہی ہیں؟ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غلط فہمیاں ضرور پھیلی ہوئی تھیں، مسند احمد ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

يَرْحَمُ اللّٰهُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ مِنْ كَلَامِهِ لَا يَرَى شَيْئًا يُعْجِبُهُ إِلَّا قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَيَذْهَبُ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَكْذِبُونَ عَلَيْهِ وَيَزِيدُونَ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيثِ۔ (ج ۱ ص ۸۶)	علیؓ پر خدا رحم کرے بات کرنے میں ان کی عادت تھی جب کوئی حسب دلخواہ بات دیکھتے تو کہتے کہ سچ کہا اللہ اور اس کے رسول نے، عراق والے (ان کے اسی عام فقرے کی بنیاد پر) ان کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے لگے اور بڑھا چڑھا کر ان کی طرف باتوں کو منسوب کرنے لگے۔

بلکہ مسند احمد ہی میں طارق بن شہاب کے حوالہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے، یعنی طارق کہتے تھے:

رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ سَيْفٌ حليته مِنْ حَدِيدٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَاللّٰهِ مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ عَلَيْكُمْ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةُ أَعْطَانِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَرَائِضُ الصَّدَقَةِ (ج ۱ ص ۱۱۹)	میں نے منبر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ان کی کمر میں تلوار تھی جس کے (قبضے کی) زینت لوہے سے کی گئی تھی میں نے اس وقت سنا وہ فرما رہے تھے کہ اللہ کی قسم ہے ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس صحیفہ کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں اور یہ صحیفہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں صدقہ کے حصول کی تفصیل ہے۔ (یعنی قانون زکوٰۃ کی تفصیل)

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں حضرت والا نے ضرورت محسوس فرمائی کہ برسر منبر ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے جو آپ کے متعلق پھیل گئی تھیں یا پھیلائی جارہی تھیں عنقریب جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لیکن کچھ بھی ہو، باوجود ان تمام باتوں کے کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اپنے "نیامی صحیفہ" کی نقل لینے کی عام اجازت

مانوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دی ہو، بلکہ یہ واقعہ یعنی "صحیفہ علی" کے مضامین جن متعدد راویوں سے حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، ان میں یہ بات جو پائی جاتی ہے کہ ایک راوی جن اجزاء کا ذکر کرتا ہے دوسرا ان کے ذکر سے خاموش ہے بلکہ بجائے اس کے وہ دوسرے اجزاء کا تذکرہ کرتا ہے، اگرچہ بعض اجزاء ساری روایتوں میں مشترک ہیں، میرے نزدیک تو یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ ان راویوں میں سے کسی راوی کے پاس اس صحیفہ کی نقل موجود نہ تھی، بلکہ جن سنا کر جو باتیں جسے یاد رہ گئی تھیں ان ہی کو وہ بیان کرتا تھا[1]

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں سے دریافت کرنے سے پہلے اس صحیفہ کے مضامین کو اپنی ذات ہی کی حد تک محدود رکھنا پھر ان لوگوں کے اصرار پر ان کو بتانا، بتانے کے بعد بھی عام نقل اس صحیفہ کی لوگوں میں جو نہ پھیلی تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جیسے آپ کے پیش رو خلفاء راشدین نے یہ خیال کیا تھا کہ ان کے زمانہ میں عمومیت کا رنگ اختیار کر کے آئندہ نسلوں تک جو چیزیں پہنچیں گی ان میں شریعت کے ان عناصر اور اجزاء کی وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی جسے شارع علیہ السلام نے صرف "البینات" کی حد تک محدود رکھنا چاہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے بھی اپنے عہدِ خلافت تک یہ خیال باقی رہا تھا، جہاں تک ممکن تھا اس کی نگرانی میں آپ نے بھی کمی نہیں فرمائی۔

لیکن پھر بھی اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مسئلہ میں حزم و احتیاط اور اس کے متعلق دار و گیر میں جس تشدد اور سختی سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے کام لیا تھا، حضرت علیؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی شدت اور کڑی نگرانی آپ کے نزدیک ضروری نہ رہی تھی، آخر سوچنا چاہیے کہ اسی خبر آحاد کے مجموعہ کو لکھ لینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جلا دیا تھا یا استشارہ و استخارہ کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ ان کے عہدِ خلافت میں حدیثوں کا جو مجموعہ حکومت کی طرف سے مدون کرا دیا جائے گا آئندہ چل کر قرآن کی ہمدوش و ہم سطح کتاب (یعنی مثناۃ کمثناۃ تورات) کی شکل اختیار کرے گا اور اسی فیصلہ کی بنیاد پر صرف یہی نہیں کہ اس خیال سے خود ہی دست بردار ہوئے بلکہ گزر چکا کہ آپ کے زمانہ میں جس کسی کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں تھیں جہاں تک آپ کے امکان میں تھا سب کو ضائع کر دینے کا جو حکم آپ نے دیا تھا ان بزرگوں کے اس عمل کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس طریقہ سے کیا نسبت ہے اپنی ذاتی یادداشت ہی کے لئے سہی، لیکن بہرحال آپ نے، چند خاص حدیثوں کو قلم بند تو فرمایا اور اپنی تلوار کی نیام میں ان کو محفوظ کر دیا تھا۔

سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ طرزِ عمل کے اس اختلاف کے اسباب کیا تھے؟ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] مسند احمد میں پانچ راویوں سے "صحیفۂ علی" کے مضامین منقول ہیں یعنی ابو حسان، یزید بن شریک (ابراہیم تیمی کے والد) طارق بن شہاب، قیس بن عباد، حارث بن سوید، سب ہی نے بیان کیا ہے کہ صحیفہ علی میں فلاں فلاں مسائل تھے بعض مسائل تو سب کے بیان میں مشترک ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک کی روایت میں ہیں اور دوسرے کے یہاں بجائے ان کے دوسرے مسائل کا تذکرہ پایا جاتا ہے اسی حال کو دیکھ کر علماء نے لکھا ہے کہ صحیفہ علی میں کافی مسائل تھے بظاہر طاطفہ کی شکل میں یہ صحیفہ تھا اسی لئے تلوار کی نیام میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ کے فتووں کی ایک کتاب کا ذکر آگے آ رہا ہے جس کی بہت سی چیزوں کو ابن عباس نے قلم زد کر دیا تھا۔ لکھا ہے کہ وہ بھی "طاطفہ" ہی کی شکل میں تھا ۱۲۔

عہد اولیٰ خلافت کا جو زمانہ تھا، عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے قدرتاً خود اس زمانے کے متعلق اور اس زمانے کی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے قلوب میں احترام و تقدس کے جو جذبات تھے، جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے احترام و تقدس کی اس کیفیت میں اضمحلال کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات تھی، ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے طرزِ عمل کی تبدیلی میں کچھ اس کو بھی دخل ہو، ماسوا اس کے سیاسی حالات کے پیش رفت نے مدینہ منورہ چھوڑ کر حضرتؓ کو اپنی خلافت کے زمانہ میں کوفہ کو پایۂ تخت خلافت جو قرار دینا پڑا اور اس کی وجہ سے کوفہ میں آپ کو قیام کرنا پڑا

جیسا کہ معلوم ہے یہاں مسلمانوں کی بہت بڑی فوجی چھاؤنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قائم ہو گئی تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ

هَبَطَ الْكُوْفَةَ ثَلَاثُمِائَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ وَ سَبْعُوْنَ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ۔ (ابن سعد ج ۶ ص ۴)

کوفہ کو وطن بنا کر رہنے والوں میں تین سو تو ایسے صحابی تھے جنہوں نے الشجرہ (درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی تھی) اور ستر صحابی وہ تھے جو میدان بدر میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) ساتھ جنگ میں شریک تھے

لیکن جس کوفہ کا حال یہ ہو جیسا کہ طبقات ہی میں ہے کہ

بِهَا بُيُوْتَاتُ الْعَرَبِ (ص ۶)

اس میں عرب کے تمام قبیلوں اور خاندانوں کے لوگ تھے۔

اور بقول ابن خلدون عرب کے ان بیوتات کا حال یہ تھا کہ اس میں۔

سَائِرُ الْعَرَبِ مِنْ بَنِيْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ وَعَبْدِ الْقَيْسِ وَ سَائِرُ رَبِيْعَةَ وَالْاَزْدُ وَكِنْدَةُ وَ تَمِيْمُ وَ قُضَاعَةُ وَغَيْرُهُمْ فَلَمْ يَكُوْنُوْا مِنْ تِلْكَ الصُّحْبَةِ بِمَكَانٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ (ج ۲ ص ۱۲۸)

سارے عرب قبائل کے لوگ آکر آباد ہو گئے تھے (یعنی) بنو بکر بن وائل والے عبد القیس والے اور ربیعہ قبیلہ کی تمام شاخوں کے لوگ اور قبیلہ ازد کے کندہ والے تمیم والے قضاعہ والے اور ان کے سوا بھی ان لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے استفادہ کرنے والے بہت کم تھے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ ان میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دولت سے تو سرفراز ہوئے تھے لیکن ان بیچاروں کو جمال جہاں آرائے محمدی سے اپنی مشتاق آنکھوں کو روشن کرنے کی سعادت میسر نہ آئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے قرظہ بن کعب الانصاری کو رخصت کرتے ہوئے جو یہ فرمایا تھا:

اِذَا رَءَوْكُمْ مَدُّوْا اِلَيْكُمْ اَعْنَاقَهُمْ وَ قَالُوْا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔ (جمع الفوائد ص ۲۰ بحوالہ دارمی)

جب تمہیں وہ دیکھیں گے تو اپنی گردنیں تمہاری طرف دراز کریں گے اور کہا کریں گے کہ دیکھو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

یہ فاروقی بصیرت تھی جس نے اندازہ کر لیا تھا کہ صحبت نبوت سے محروم رہ جانے والے مسلمانوں کے قلوب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے جاننے کا ولولہ اور شوق کس طرح بھڑک اٹھے گا اور رسول اللہؐ کے صحابیوں کو دیکھ کر اپنے پیغمبر کے حالات کے جاننے کے لئے بیتابانہ کس طرح دوڑ پڑیں گے۔ حضرت عمرؓ کی یہ پیش گوئی کتنی سچی نکلی اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ صحابہ نہیں بلکہ صحابہ

کے دیکھنے والوں کے ساتھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان ہی چھاؤنیوں میں رہنے والے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت یہ ہوگئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ثابت البنانی ان لوگوں سے جو اُن سے حدیث سننے کے لیے آیا کرتے تھے، کہتے۔

لَوْ لَا تَصْنَعُوْا بِیْ مَا صَنَعْتُمْ بِالْحَسَنِ لَحَدَّثْتُکُمْ اَحَادِیْثَ مُوْنِقَةً۔

اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھ بھی وہی معاملہ تم لوگ نہ کرنے لگوگے جو (خواجہ) حسن بصری کے ساتھ تم ہی لوگوں نے کیا تو میں تم ہی لوگوں کو بہت اچھی اچھی حدیثیں سناتا۔

پھر حسن بصری کے متعلق اپنی چشم دید شہادت یہ بیان کیا کرتے تھے کہ۔

مَنْعُوْهُ الْقَائِلَةَ وَ مَنْعُوْهُ النَّوْمَ۔

(طبقات ابن سعد حصہ دوم ج ۷، ص۵)

بے چارے کو لوگ نہ دن ہی کو لیٹنے کا موقعہ دیتے اور نہ سونے کا۔

حسن بصری جو تابعی یعنی صحابہ کرام کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ان کا یہ حال، پھر عبداللہ بن عون جو تابعی نہیں بلکہ تبع تابعین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اپنی داستان سناتے ہوئے اسی سلسلہ میں وہ کہا کرتے تھے کہ

قَدْ قَطَعُوْا عَلَیَّ الطَّرِیْقَ مَا اَقْدِرُ اَنْ اَخْرُجَ لِحَاجَتِیْ یَعْنِیْ مِمَّا یَسْئَلُوْنَهٗ عَنِ الْحَدِیْثِ۔

(ابن سعد حصہ دوم ج ۷ ص ۲۵)

لوگوں نے میرا راستہ روک رکھا ہے۔ کسی ضرورت سے بھی میں نہیں نکل سکتا یعنی لوگ مجھ سے حدیث پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔

سمجھا آپ نے ابن عون کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنے پیغمبر کے حالات کے دریافت کرنے والوں کا حال ان کے ساتھ یہ ہوگیا تھا کہ راستہ چلنا ان کیلئے دشوار ہوگیا تھا، پوچھنے والوں کے ڈر کے مارے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

خیال تو کیجئے کہ جب حسن بصری جو خود صحابی نہیں ہیں بلکہ صحابیوں کے دیکھنے والے اور ان سے استفادہ کرنے والوں یعنی تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، اور ابن عون تو تابعی بھی نہیں، تبع تابعین کے طبقہ سے ان کا تعلق ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی صحبت میں رہنے والے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ جب تابعین اور تبع تابعین کی یہ حالت تھی، تو خود اپنی آنکھوں سے جن لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور براہِ راست مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضوری کی سعادت جنھیں میسر آئی تھی اُن کو دیکھ کر ان مسلمانوں کا کیا حال ہو جاتا ہوگا جنھوں نے صرف سنا تھا، لیکن اپنے محبوب پیغمبر (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) کو دیکھا نہیں تھا۔

میرا خیال ہے کہ کوفہ آجانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی اسی قسم کے حالات سے سابقہ پڑا، مدینہ منورہ میں جب تک تھے تو وہاں ان کے زمانے تک صحابیوں ہی کی کثرت تھی جس کا مطلب یہی ہوا کہ نہ پوچھنے والوں ہی کی وہاں اتنی کثرت تھی اور نہ بتانے والوں کی اتنی کمی تھی جو کیفیت مدینہ منورہ کے سوا دوسرے مقامات کی پائی جاتی تھی یا اس کو پایا جانا چاہیے تھا ماسوا اس کے، بارگاہِ نبوت میں قرب و نزدیکی کے جو مواقع مختلف وجوہ سے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھے ظاہر ہے کہ یہ ان ہی کی خصوصیت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تقلیل فی الروایۃ یعنی حدیثوں کے بیان کرنے میں زیادتی سے پرہیز اسی اصول کی آپ نے

[illegible] پابندی کی لیکن زیادہ دن یہ چیز آپ کے عہد میں معلوم ہوتا ہے کہ نبھ نہ سکی۔ آخر میں پوچھتا ہوں کہ ایک طرف آپ ہی کے متعلق یہ [illegible] بیان کیا جاتا ہے کہ تلوار کے نیام والے صحیفہ کی حدیثوں کے دکھانے پر بھی آمادہ نہ تھے لیکن اصرار لوگوں کا حد سے زیادہ گزر گیا، نیز غلط فہمیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہوا، تب آپ نے لوگوں کو اس صحیفہ کی حدیثوں سے مطلع فرمایا۔ اب ایک طرف کتابوں سے حضرت علیؓ کے طرزِ عمل کے متعلق یہ معلومات بھی ملتے ہیں اور دوسری طرف ان ہی جیسی کتابوں میں حضرت ہی کے متعلق ہمیں ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں، ابنِ سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ یَّشْتَرِیْ عِلْمًا بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرٰی الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ صُحُفًا بِدِرْهَمٍ ثُمَّ جَاءَ بِهَا عَلِیًّا فَكَتَبَ لَهٗ عِلْمًا كَثِیْرًا (ج ۶ ص ۱۱۶)	ایک دن (کوفہ) میں حضرت علی خطبہ دے رہے تھے اسی خطبہ میں فرمایا کہ ایک درم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے، حارث اعور ایک درم میں کچھ کاغذ خرید کر لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت والا نے حارثؓ کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم لکھ دیا۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں صراحۃً اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حارث کو حدیثیں لکھ کر دی تھیں لیکن میں نے پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے اور یوں بھی جاننے والے جانتے ہیں۔ اس زمانہ کی اصطلاح ہی یہ تھی کہ "علم" کے لفظ کا زیادہ تر اطلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں ہی پر کیا جاتا تھا، اگر کل نہیں تو اس اصطلاح کی بنیاد پر اتنا تو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ اس میں کچھ حصہ حدیثوں کا بھی چاہئے کہ شریک ہو اور بات کیا صرف اسی حد تک محدود رہی۔ حجرؓ بن عدی جن کی شہادت کا قصہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے واقعات میں خاص اہمیت رکھتا ہے، ابنِ سعد نے ان ہی کے متعلق یہ لکھتے ہوئے کہ

كَانَ ثِقَةً مَّعْرُوْفًا وَلَمْ یَرْوِ عَنْ غَیْرِ عَلِیٍّ شَیْئًا (ج ۶ ص ۱۵۴)	وہ بڑے معتبر مشہور آدمی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوا اور کسی سے کوئی روایت انہوں نے نہیں کی ہے۔

ان ہی کے متعلق یہ روایت بھی درج کی ہے کہ پانی سے استنجا کرنے کا ذکر ان کے سامنے ہوا تو حجر نے کہا کہ:

لہ امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد بن ابیہ جب عراق کا گورنر تھا حجر پر حکومتِ قائمہ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا خود کوفہ کے لوگوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں زیاد نے ایک جماعت کے ساتھ جن پر بغاوت میں حجر کی رفاقت کا الزام تھا۔ امیر معاویہؓ کے پاس شام بھیج دیا، فیصلہ ان سب کے قتل کا امیر معاویہ نے صادر کیا مشکیں کسے ہوئے مقتل میں سب لائے گئے۔ حجر نے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ لوگوں نے الزام لگایا کہ نماز میں قصداً دیر لگائی تاکہ جتنی دیر قتل سے بچ سکوں، قسم کھا کر بولے کہ آج تک وضو کرنے کے بعد اس سے زیادہ خفیف نماز میں نے کبھی نہیں پڑھی۔ جلاد نے کہا کہ گردن بڑھاؤ۔ بولے کہ اپنے قتل پر اعانت نہیں کر سکتا، آخر شہید کر دیئے گئے۔ حجر بن عدی کی جلالتِ شان کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ کوفہ سے شام گرفتار کر کے بھیجے گئے اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو عائشہ صدیقہؓ نے اسی وقت امیر معاویہؓ کے پاس قاصد دوڑایا کہ حجر کو ہرگز ہرگز قتل نہ کرنا لیکن قاصد اس وقت پہنچا جب وہ شہید ہو چکے تھے۔ (طبقات ج ۶ ص ۱۵۲)

نَاوِلْنِي الصَّحِيْفَةَ مِنَ الْكُوَّةِ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَذْكُرُ اَنَّ الطُّهُوْرَ نِصْفُ الْاِيْمَانِ ۔ (ص۱۵۴)

طاق میں جو صحیفہ (نسخہ) رکھا ہوا ہے ذرا اسے لاکر مجھے دو، (جب لاکر دیا گیا) تو ابن عدی یہ پڑھنے لگے بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ روایتیں ہیں جنھیں میں نے علی بن ابی طالبؓ سے سُنا ہے وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ طہور ایمان کا نصف ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ سے سُنی ہوئی حدیثوں کا کوئی لکھا ہوا مجموعہ حجر بن عدی کے پاس بھی تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنیفیہ کے پاس بھی حضرت علیؓ کی حدیثوں کا کوئی مکتوبہ مجموعہ تھا عبد الاعلیٰ بن عامر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ،

كُلُّ شَيْءٍ رَوٰى عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنِ ابْنِ الْحَنِيْفِيَّةِ اِنَّمَا هُوَ كِتَابٌ اَخَذَهٗ وَلَمْ يَسْمَعْهُ[1] (ص۹۴)

عبد الاعلیٰ محمد بن حنیفیہ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی اور عبد الاعلیٰ نے براہ راست محمد بن حنیفیہ سے ان روایتوں کو نہیں سنا تھا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حالات جو رجال کی کتابوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس بھی حدیثوں کا کوئی مکتوبہ مجموعہ تھا، فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگوں سے جو حدیثیں بیان کیا کرتا ہوں یہ

رِوَايَةٌ رَوَيْنَاهَا عَنْ اٰبَائِنَا ۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۳)

یہ وہ روایتیں ہیں جو اپنے باپ دادوں سے ہم لوگ روایت کرتے ہیں۔

اور فرماتے کہ اپنے والد امام باقرؒ کے حوالہ سے جن حدیثوں کو میں بیان کرتا ہوں۔

اِنَّمَا وَجَدْتُهَا فِيْ كُتُبِهٖ ۔ (تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴)

میں نے ان سب کو ان کے (امام باقرؒ کی) کتابوں میں پایا۔

اگر مذکورہ بالا روایات پر اعتماد کیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ کی حدیثوں کے تین چار مجموعے لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے جن میں حارث اعور والا نسخہ تو براہ راست حضرتِ والا کے دستِ مبارک ہی کا لکھا ہوا تھا۔ کچھ بھی ہو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوفہ پہنچنے کے بعد تقلیل فی الروایۃ کے اصول پر حضرت علیؓ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور روایتوں کی عمومیت کے جس دروازے کو ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں شدت کے ساتھ بند رکھنے کی کوشش کی گئی تھی وہ دروازہ کھل گیا، آخر حارث والی روایت اگر صحیح ہے تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہیں کہ خود کاغذ منگا کر آپ نے لکھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان دو صحابیوں یعنی عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے سوا حضرات صحابہ میں سے جن جن بزرگوں کی طرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے بھی رسول اللہ صلعم کی حدیثیں قلم بند کی تھیں یہ سارے قصے حضرت علیؓ کے طرزِ عمل کی تبدیلی ہی کے بعد کے واقعات ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں یہ حکم دیا تھا کہ جس کسی کے پاس حدیثوں کا مکتوبہ مجموعہ ہو، اس کو وہ

---

[1] بعضوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عامر بن جہنی نامی شخص نے ابن الحنیفیہ کی ان حدیثوں کو قلمبند کیا تھا۔ عامر کو اگرچہ ابن حبان نے "ثقات" میں شمار کیا ہے لیکن عام طور پر محدثین کو اس شخص پر اعتماد نہیں ہے دیکھو میزان لسان المیزان وغیرہ۔

صاف کر دے ان دونوں بزرگوں یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت انسؓ نے اس حکم کی تعمیل اپنے لیے ضروری خیال نہ کی، ان کا عذر غالباً یہی ہوگا کہ براہِ راست رسالت مآبؐ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے لکھا تھا۔ بلکہ انس بن مالک کا بیان جیسا کہ گزر چکا یہ تھا کہ لکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملاحظہ میں اس کو پیش بھی کر چکا ہوں۔ بہرحال ان دو استثنائی خاص واقعے اور جن جن صحابیوں کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی روایتیں قلم بند ہو چکی تھیں جن کا تفصیلی ذکر ابتدائے کتاب میں گزر چکا ہے۔ میرا خیال یہی ہے کہ حضرت علیؓ کے طرزِ عمل کی تبدیلی سے ان صحابیوں میں اس کی جرأت پیدا ہوئی اور کیسی ہمت افزائی؟ کسی اور موقعہ پر بھی میں نے تذکرہ کیا ہے یعنی کوفہ میں خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے دست راست آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق مغازی کے امام موسیٰ بن عقبہ کہتے تھے کہ:

وَضَعَ عِنْدَنَا كُرَيْبٌ (مَوْلَىٰ عَبْدِاللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ) حِمْلَ بَعِيْرٍ أَوْ عِدْلَ بَعِيْرٍ مِنْ كُتُبِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ (ج ۵ ص۲۱۶)

میرے پاس عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کریب نے ابن عباسؓ کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک یا نصف بار شتر تھیں۔

"حمل بعیرا وعدل بعیر" (یعنی ایک بار شتر یا نصف بار شتر) یہ شک کس کی طرف سے ہے ابن سعد نے اس کو واضح نہیں کیا ہے شک کسی کی طرف سے ہو، مگر مان لیا جائے کہ کتب ابن عباس ایک بار شتر نہ سہی، اس کا نصف ہی سہی ان کی آنکھوں کے کھولنے کے لیے کیا کم ہے جو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے زہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قلم بند کیں، میں یہ مانتا ہوں کہ کتب ابن عباس کے اس ذخیرے میں اس کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا بھی کوئی مجموعہ تھا لیکن اس روایت کے آخر میں جب یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

كَانَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ إِذَا أَرَادَ الْكِتَابَ كَتَبَ إِلَيْهِ ابْعَثْ إِلَيَّ الصَّحِيفَةَ كَذَا وَكَذَا فَيَنْسَخُهَا فَيَبْعَثُ إِلَيْهِ بِأَحَدِهِمَا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے علی کو (ابن عباس) کی ان کتابوں میں سے کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو لکھ بھیجتے کہ فلاں فلاں صحیفہ بھیج دو تو اس صحیفہ کی کریب نقل کرتے پھر نقل یا اصل کو علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بھیج دیتے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف عنوانوں اور مختلف مضامین پر مشتمل الگ الگ صحیفے "کتب ابن عباس" کے اس ذخیرے میں تھے پس اس میں اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن جب ہمیں معلوم ہے کہ ابن عباسؓ ان صحابیوں کے پاس جا جا کر جو ان سے بڑے تھے رسول اللہؐ کی حدیثیں دریافت کرتے تھے اور صرف دریافت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ الکتانی نے رویانی کی مسند سے بسندِ متصل یہ روایت ابن عباسؓ ہی کے متعلق جو نقل کی ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ يَأْتِيْ أَبَا رَافِعٍ فَيَقُوْلُ مَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ كَذَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ مَنْ يَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ (ج ۲ ص ۲۴۷)

ابن عباس کا حال یہ تھا کہ ابو رافع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مولیٰ و صحابی کے پاس آتے اور کہتے کہ فلاں دن رسول اللہ نے کیا کیا اور ابن عباسؓ کے ساتھ ایک شخص ہوتا جو ان ساری باتوں کو جنھیں ابو رافع بیان کرتے وہ

شخص لکھتا جاتا۔

اوراس میں توخیراسی قدر ہے کہ ابن عباسؓ کا منشی حدیثوں کو لکھتا جاتا تھا، الکتانی ہی نے بحوالہ طبقات ابن سعد ابورافع کی بیوی سلمیٰ[1] کی یہ روایت جو نقل کی ہے کہ۔

رَأَیْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ مَعَهٗ اَلْوَاحٌ یَکْتُبُ عَلَیْهَا عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ شَیْئًا مِّنْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (الکتانی فی التراتیب الاداریہ ص ۲۴۷)	میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ ان کے پاس تختیاں ہیں جن پر وہ ابورافع کی بیان کی ہوئی ان روایتوں کو لکھا کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے متعلق ابورافع بیان کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ کتب ابن عباس میں اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن حدیثوں کو انہوں نے خود قلم بند فرمایا تھا یا اپنے کاتب سے لکھوایا تھا ان کا ابن عباسؓ کی ان کتابوں میں نہ رہنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔

بہر حال کتب ابن عباس کا یہ ذخیرہ ہو یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میں نے جو نقل کیا تھا کہ حسن ابن عمرو بن امیہ الضمری کو اپنے گھر لے گئے اور لکھی ہوئی حدیثوں کا جو سرمایہ ان کے پاس تھا اُسے جب دکھایا تو حسن ابن عمرو کہتے تھے کہ

فَاَرَانَا کُتُبًا کَثِیْرَةً مِّنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔	مجھے ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی لکھی ہوئی کتابیں دکھائیں۔

اور پھر ابوہریرہؓ کا یہ فرمانا کہ :

قَدْ اَخْبَرْتُكَ اِنِّیْ اِنْ کُنْتُ حَدَّثْتُكَ بِهٖ	میں نے تم کو مطلع کیا تھا کہ تم سے جو کچھ بھی حدیثیں میں نے

---

[1] سلمیٰ آنحضرتؐ کی لونڈی تھیں، ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے جتنے بچے پیدا ہوئے قابلہ کا کام سلمیٰ ہی نے انجام دیا تھا اور ابراہیمؑ ماریہ قبطیہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جب پیدا ہوئے تھے تو اس وقت بھی قابلہ سلمیٰ ہی تھیں، ابورافع جو دراصل حضرت عباس کے غلام تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عباس نے ہبہ کر دیا تھا ان کی شادی سلمیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی تھی اور ابورافع کو آزاد کر دیا تھا ان کے لڑکے جن کا نام عبیداللہ بن ابی رافع تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے کاتب (سکریٹری) تھے غلاموں کو یہ بلندیاں اسلام نے عطا کی تھیں اس موقع پر بیساختہ سلمیٰ اور ابورافع کا قصہ جس کا مسند احمد میں تذکرہ کیا گیا ہے یاد آ گیا۔ سلمیٰ ایک دن روتی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکایت کی کہ ابورافع نے بلاوجہ مجھے آج مارا ہے۔ ابورافع بلائے گئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ بھائی تم نے اس بے چاری کو کیوں مارا۔ ابورافع نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے یہ ستاتی ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمیٰ سے دریافت کیا کہ تم نے ابورافع کو کیا تکلیف پہنچائی۔ سلمیٰ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ شخص نماز پڑھ رہا تھا اسی حال میں اس کا وضو ٹوٹ گیا اس پر میں نے کہا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ریاح اگر خارج ہو جائے تو وضو کر لیا کریں۔ بس اسی پر یہ شخص مجھے مارنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میاں بیوی کے اس قصے کو سن کر ہنسنے لگے اور ابورافع سے کہا کہ اس بیچاری نے تم سے اچھی بات تو کہی تھی۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲)

فَھُوَ مَکْتُوْبٌ عِنْدِیْ۔ (مقدمہ فتح الباری)　　　　بیان کی ہیں وہ سب میرے پاس لکھی ہوئی ہیں۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ابوہریرہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن حدیثوں کو بیان کیا کرتے تھے جن کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر بتائی جاتی ہے یہ سب ان کے پاس لکھی ہوئی تھیں۔

اس کے سوا اور بھی جن جن صحابیوں کے متعلق ذکر کر چکا ہوں کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی روایتیں قلم بند ہو چکی تھیں، میرا خیال ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرزِ عمل کی تبدیلی کے بعد ہی کے یہ واقعات ہیں، آخر جب خود رسول کا خلیفۂ راشد اپنے دستِ مبارک سے لکھ لکھ کر لوگوں کو دینے لگا ہو تو دوسروں کو اس سے روکنے والی اور کون سی چیز ہو سکتی تھی، رہی وہ مصلحت جس کی وجہ سے عہدِ نبوت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں حدیثوں کی کتابت اور عام اشاعت میں مزاحمت کی جاتی تھی اور خود حضرت علیؓ کو بھی اسی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے شروع میں پایا جاتا ہے پھر کتابت و اشاعت کی اس عام اجازت اور اس کی ہمت افزائی کے بعد اسی خطرے کے پیدا ہونے کا اندیشہ کیا باقی نہیں رہا تھا؟ مانا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں اور عہدِ نبوت میں نسبتاً کافی فاصلہ پیدا ہو چکا تھا، لیکن کتنا فاصلہ؟ پچیس سے تیس سال ہی تک کا تو فاصلہ؟ پھر کیا یہ بڑا فاصلہ تھا؟ آخر کچھ بھی ہو اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ خلافتِ راشدہ ہی کا زمانہ تھا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ کی مکتوبہ چیزوں کے متعلق یہ خطرہ کہ آئندہ نسلوں میں غیر معمولی اہمیت ان روایتوں کو حاصل ہو جائے گی، اسی وجہ سے تو تھا کہ خلافتِ راشدہ کا وہ زمانہ تھا پس اسی خلافتِ راشدہ کا عہد جب حضرت علیؓ کے زمانہ تک موجود تھا تو اس خطرے کا احساس علی کرم اللہ وجہہ کو کیوں نہیں ہوا؟

بلاشبہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور اس کو پیدا کرنا چاہئے، میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کے اٹھانے سے بعض ایسے واقعات و حقائق لوگوں کے سامنے آجائیں گے جن کی طرف اس وقت تک بہت کم توجہ کی گئی ہے

اجمالی جواب تو اس سوال کا یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں یا اس کے بعد جو چیزیں لکھی گئیں پچھلی نسلوں میں ان کو وہ اہمیت جو نہیں حاصل ہوئی جس کا اندیشہ کیا جا سکتا تھا، آخر یہ تو ایک واقعہ ہے پھر وقوع سے پیشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی پیش آنے والے واقعہ کو اگر سمجھ لیا تو تاریخی رفتار نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو جن نقاط تک پہنچا دیا تھا ان کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت علیؓ تو خیر حضرت علیؓ ہی تھے میں تو سمجھتا ہوں کہ معمولی فہم و فراست رکھنے والے آدمی کے لیے بھی اس کا اندازہ چنداں دشوار نہ تھا، میں کیا کہنا چاہتا ہوں تفصیل اس کی یہ ہے، میرے نزدیک تدوینِ حدیث کی تاریخ کی چند اہم منزلوں میں ایک بڑی اہم منزل یہی ہے پڑھنے والوں سے امید کرتا ہوں کہ ذرا زیادہ سنبھل کر اس تفصیل کا مطالعہ کریں گے۔

تدوینِ سنّت

عبد الغفار حسن

تحریف دین کی ایک صورت انکار سنت کی شکل میں آج کل منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس گروہ کے سرخیل سنت کی عظمت و اہمیت کم کرنے کے لئے مختلف نوع کے شبہات لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ:

ا۔ سنت کا کیا اعتبار۔ یہ تو دوسری تیسری صدی ہجری میں تحریری شکل میں مرتب ہوئی تھی۔

ب۔ سنت اگر واقعی اسلامی شریعت کا ماخذ اور سرچشمہ ہوتی تو کیوں نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اسے کتابی شکل میں مدون اور مرتب فرما دیا۔

ج۔ بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری شدت کے ساتھ حدیث کو قلمبند کرنے سے روک دیا تھا۔

ذیل کے مضمون میں محولہ بالا حدیث کے صحیح مفہوم کو متعین کرتے ہوئے اس سلسلے کی غلط فہمیوں یا مغالطوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی تدوین سنت کی مختصر تاریخ بھی پیش کر دی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ (باب التثبت فی الحدیث صحیح مسلم۔ ج ۲ ص ۴۱۴)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔

عام طور پر منکرین سنت اس حدیث کے صرف مذکورہ بالا الفاظ ہی بیان کرتے ہیں۔ پوری حدیث نقل نہیں کرتے۔ آخر یہ کونسی دیانت اور قرآنی اتباع ہے کہ ایک ہی روایت میں سے اپنے مطلب کے الفاظ لوگوں کے سامنے انتہائی زور و شور سے پیش کئے جائیں، اور باقی اجزا کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اسی روایت میں مزید یہ الفاظ ملتے ہیں:

وحدثوا عنی ولاحرج، ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار

اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

حدیث کے ان دونوں آخری جملوں سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ غیر قرآن کے لکھنے کی ممانعت اس بنا پر نہ تھی کہ دین میں حدیث کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اگر یہی منشا ہوتا، تو آپؐ حدیثوں کو بیان کرنے کا حکم کیوں دیتے۔ اور جھوٹی من گھڑت کے نقل در روایت پر

دعید یوں سناتے ۔

اس سے واضح ہوا کہ صحیح روایات کے سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے احادیث یاد کرنے والے اور دوسروں تک پہنچانے والے کے لئے دعا فرمائی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا
(مشکوٰۃ ص۳۵ بحوالہ ابو داؤد، ترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ اور خوش و خرم رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے خوب محفوظ رکھا اور دوسروں تک اسے پہنچایا۔

یہ تاکید و ترغیب اسی لئے دی جا رہی ہے کہ سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے۔ اس کے بغیر قرآن کا فہم ہی ناممکن ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے:

لولا السنة ما فھم احد منا القرآن
(قواعد الحدیث ص۲۱)

اگر سنت نہ ہوتی، تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کا فہم حاصل نہ کر سکتا[1]

سنت کی تفصیلات کو قلم بند کرنے کا حکم نہ صرف یہ کہ حدیث سے ملتا ہے، بلکہ خود قرآن بھی اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن اور کتابتِ حدیث :۔ قرآن میں ارشاد ہے :

ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیراً اوکبیراً الی اجلہ ذالکم اقسط عند اللہ واقوم للشھادۃ و ادنیٰ الا ترتابوا ۔
(پ۳ ۔ البقرہ)

یعنی قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، اس کو مدت کے تعین کے ساتھ لکھو۔ یہ لکھا خدا کے ہاں انصاف کی بات ہے اور شہادت کو ٹھیک رکھنے والا ہے اور یہ طرزِ عمل اس امر کے زیادہ قریب ہے کہ تم شک و شبہ سے بالا تر رہو گے۔

امام ابو حنیفہؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لما امر اللہ بکتابة الدین خوف الریب کان العلم الذی حفظہ اصعب من حفظ الدین احریٰ ان یباح کتابتہ خوف الریب والشك فیہ ۔
(شرح معانی الآثار طحاوی ج ۲ ص ۳۸۴)

جب اللہ تعالیٰ نے شک و شبہ سے بچنے کے لئے قرض کے لکھنے کا حکم دیا ہے، تو علم (حدیث) کا یاد رکھنا قرض کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اسی بنا پر علم حدیث میں شک و شبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے لکھنے کی اجازت ضروری ہے۔

---

[1] یہ قول خاص طور پر یہاں اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ منکرین سنت امام ابو حنیفہ کو اپنے گروہ میں شمار کرتے ہیں۔
(مقام حدیث شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام)

دوسرا استدلال :۔ کتابت حدیث کے لئے علامہ ابوالملیح نے دوسری آیت سے استدلال کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

یعیبون علینا الکتاب وقد قال اللہ تعالیٰ علمھا عند ربی فی کتاب

(جامع بیان العلم ج ۱ صـ۳۷)

لوگ ہم محدثین کو حدیث لکھنے کا طعنہ دیتے ہیں ، حالانکہ پہلی قوموں کا حال خود اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا موجود ہے ۔ جس کی شان یہ ہے کہ نہ وہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے ، تو انسان جو سراپا نسیان ہے آخر وہ کیسے کتابت (لکھنے) سے بے نیاز رہ سکتا ہے ۔

واضح رہے کہ محدثین میں کتابتِ حدیث کے بارے میں دو رائیں پائی جاتی ہیں :

۱۔ صحابہ کا ایک گروہ اس کا قائل اور حامی تھا ۔

۲۔ بعض صحابہ اس بنا پر اس کے مخالف تھے کہ اس طرح اہلِ علم حافظہ سے کام لینے کے بجائے سارا اعتماد اپنے نوشتوں پر کریں گے ۔
(مقدمہ ابن الصلاح صـ۲۱)

لیکن بعد کے دور میں کتابتِ حدیث کے جواز پر اجماع ہو گیا ۔ (مقدمہ ابن الصلاح صـ۱۷)

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک سرمایہ سنت قلم بند کرنے سے اختلاف اس بنا پر نہ تھا کہ ان کے نزدیک حدیث شرعی حجت نہ تھی ۔ بلکہ اس کی اصل وجہ وہی ہے جس کی وضاحت سطورِ بالا میں کی گئی ہے ۔

کتابتِ حدیث کی ممانعت کیوں :۔ زیرِ تشریح حدیث غیر قرآن لکھنے کی ممانعت دائمی اور قیامت تک کے لئے نہیں تھی ، بلکہ یہ ایک وقتی اور ابتدائی دور میں حکم دیا گیا تھا تاکہ کہیں روایات اور قرآنی آیات کے اختلاط سے قرآن کی امتیازی شان ختم نہ ہو جائے ۔

علماءِ حدیث نے اس روایت کا یہی مفہوم متعین کیا ہے :

۱۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

النھی متقدم والاذن ناسخ لہ (فتح الباری صـ۱۸۵ پ)

۲۔ ابن الجوزی کا بیان ہے :

نھی فی اول الامر ثم اجاز الکتابۃ (رسالۃ الناسخ والمنسوخ صـ۱۳)

۳۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :

نھی فی اول الامر عن ان یکتب ثم رای ان تکتب وتقید (تاویل مختلف الحدیث صـ۳۶۵)

ان سب عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ پہلے آپ نے لکھنے کی ممانعت کی تھی ، بعد میں اس کی اجازت دے دی ۔

کتابتِ حدیث کی اجازت :۔ کتابتِ حدیث کی اجازت پر مشتمل احادیث قولی بھی ہیں اور فعلی بھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں مرض الموت کی حالت میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا تھا :

ائتونی بکتاب اکتب لکم (صحیح بخاری مصری جلد ۱ صـ۳۹) میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہیں کچھ لکھوا دوں ۔

ظاہر ہے کہ یہاں "کچھ لکھوا دوں" سے مراد قرآن تو ہو نہیں سکتا کیونکہ قرآن کا نزول مکمل ہو چکا تھا اور آیت

الیوم اکملت لکم دینکم" نازل ہو چکی تھی۔ اس لئے قرآن کے سوا کچھ اور باتیں آپؐ لکھوانا چاہتے تھے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی منقول ہے :

حسبنا کتاب اللہ ۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

منکرین سنت نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو تو خوب اچھالا لیکن ارشادِ نبویؐ ائتونی بکتاب اکتب لکم کو بالکل پی گئے۔ حالانکہ اس سے کتابتِ حدیث کا جواز واضح طور پر سامنے آتا ہے (حضرت عمرؓ کے اس قول کا صحیح مطلب بعد میں عرض کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ)

کتابتِ حدیث کے بارے میں آنحضورؐ کی فعلی احادیث کی وضاحت سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منکرین سنت کے اس شبہ کو صاف کر دیا جائے کہ اگر حدیث شرعی حجت ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اسے کتابی شکل میں مدون کروا دیتے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن کی کون سی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز دین میں حجت ہو، اس کا کتابی شکل میں ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ تو اسی قسم کا مغالطہ یا مطالبہ ہے جو قرآن کے مقابلہ میں قریش مکہ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے :

او ترقیٰ فی السمآء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتابا نقرؤہ (پ : ۱۵، سورہ بنی اسرائیل)

یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے پر یقین نہیں کرینگے۔ تاوقتیکہ تو ہم پر ایسی کتاب اتار کر نہ لائے جسے خود ہم پڑھ سکیں۔

اسی طرح اہل کتاب نے مطالبہ کیا تھا :

یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتابا من السمآء

اہل کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ آسمان سے کتاب اُتار کر لائیں۔

یعنی جب تک قرآن کتابی شکل میں لکھا لکھایا ان کے سامنے نہ آجائے، وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ قرآن نے ان کے اس مطالبے کے جواب میں کہا :

ولو نزلنا علیک کتابًا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحرٌ مبین۔ (پ ۷ سورہ انعام)

اور اگر ہم آپ پر کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کر دیتے، جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے مس بھی کر لیتے، تب بھی یہ لوگ کہتے کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا ہوا جادو۔

قرآن نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے بجائے، قرآنی عظمت کی نشانی یہ قرار دی کہ وہ اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔ بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (سورہ عنکبوت پ۲۱) ٹھیک اسی طرح سنت کے ذخائر بھی شروع شروع سینوں میں محفوظ رہے اور پھر آہستہ آہستہ سفینوں میں منتقل ہوتے چلے گئے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سنت نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر[1] کا۔ اور آپؐ کے قول، فعل اور تقریر کا سلسلہ آپؐ کی زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ سنت کا سارا ذخیرہ آپؐ کی زندگی ہی میں کتابی شکل میں

---

[1] تقریر کے معنی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور اس پر آپؐ نے انکار نہ فرمایا ہو۔

مدون ہو جاتا۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ عہد نبویؐ ہی میں مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے تھے۔ ان کو یکجا کئے بغیر کسی وسیع اور جامع مجموعہ حدیث کی تدوین کیسے ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اس قسم کا اہتمام قطعاً ناممکن تھا۔ پھر یہاں یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ سنت کے وسیع سرمایہ کو قلم بند کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ بہت سے کاتبوں کو یکجا کیا جائے اور ان کو دوسرے کاموں سے فارغ کر کے صرف اسی کام پر لگا دیا جائے۔ یہ شکل بھی اس وقت ناممکن تھی۔ مسلمانوں میں کاتبین کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ اسی بنا پر آپؐ نے بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لئے کتابت کی تعلیم کو زرِ فدیہ کے ہم پلہ قرار دے دیا تھا۔

(مسند احمد، جلد ۱، صـ۲۴۶)

ویسے عقلی طور پر بھی یہ اعتراض غلط ہے کہ چونکہ عہد نبویؐ میں حدیثیں کتابی شکل میں مدون نہیں ہوئی تھیں، اس لئے ان کو حجت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

آج کے "ترقی یافتہ" دور میں بھی متعدد ملکوں کا کاروبار مملکت غیر مدون دساتیر پر چل رہا ہے۔ اس کی واضح مثال انگلستان کا روایاتی، غیر تحریری دستور ہے۔ مذکورہ بالا تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود سنت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ عہد نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں قلم بند کر لیا گیا تھا۔ اس بارے میں مستند اور قابل اعتماد شواہد و نظائر ملتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا انتہائی غلط ہے کہ سنت کی کتابت و تدوین کا آغاز دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ہوا۔

سنت کا تحریری سرمایہ:۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک تین قابل اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں:

۱۔ تعامل اُمت،

۲۔ تحریری یادداشتیں اور صحیفے،

۳۔ حافظہ کی مدد سے روایت یعنی سلسلۂ درس و تدریس،

اس لحاظ سے جمع و ترتیب اور تصنیف و تالیف کے پورے زمانے کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عہدِ نبویؐ سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک:۔ اس دور کے جامعینِ حدیث اور قلم بند کی ہوئی یادداشتوں اور مجموعوں کی تفصیل یہ ہے:

مشہور حافظین حدیث

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ (عبدالرحمٰن) وفات ۵۹ھ ہجری بعمر ۷۸ سال، تعداد روایات ۵۳۷۴۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ۸۰۰ تک پہنچتی ہے۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عباسؓ۔ وفات ۶۸ھ ہجری بعمر ۷۱ سال۔ تعداد روایات (۲۶۶۰)

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ وفات ۵۸ھ ہجری بعمر ۶۷ سال۔ تعداد روایات (۲۲۱۰)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ وفات ۷۳ھ ہجری بعمر ۸۴ سال۔ تعداد روایات (۱۶۳۰)

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ۔ وفات ۷۸ھ ہجری بعمر ۹۴ سال تعداد روایات (۱۵۶۰)

۶۔ حضرت انس بن مالکؓ۔ وفات ۹۳ھ ہجری بعمر ۱۰۳ سال۔ تعداد روایات (۱۲۸۶)
۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ۔ وفات ۷۴ھ ہجری بعمر ۸۴ سال۔ تعداد روایات (۱۱۷۰)

یہ وہ جلیل القدر صحابہؓ ہیں، جن کو ہزار سے زیادہ احادیث حفظ تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وفات ۶۳ھ ہجری، حضرت علیؓ وفات ۴۰ھ ہجری، حضرت عمرؓ وفات ۲۳ھ ہجری کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے، جن کی روایات کی تعداد پانسو اور ہزار کے درمیان ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات ۱۳ھ ہجری، حضرت عثمانؓ وفات ۳۶ھ ہجری، حضرت ام سلمہؓ وفات ۵۹ھ ہجری، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وفات ۵۲ھ ہجری، حضرت ابوذر غفاریؓ وفات ۳۲ھ ہجری، حضرت ابوایوب انصاریؓ وفات ۵۱ھ ہجری، حضرت ابی بن کعبؓ وفات ۱۹ھ ہجری اور حضرت معاذ بن جبلؓ وفات ۱۸ھ ہجری سے سو سے زیادہ اور پانسو سے کم روایات منقول ہیں۔

ان کے ماسوا اس دور کے ان کبار تابعین کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا جن کی سرفروشانہ اور پُر خلوص کوششوں کی بدولت سنت کے خزانوں سے اُمتِ محمدیہؐ قیامت تک مالا مال ہوتی رہے گی۔

چند بزرگوں کا تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ سعید بن مسیبؒ:۔ عہدِ فاروقی کے دوسرے سال مدینہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۹۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا۔

۲۔ عروہ بن زبیرؒ:۔ آپ کا شمار مدینہ کے ممتاز اہل علم میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے خواہر زادے ہیں۔ زیادہ تر انہوں نے اپنی خالہ محترمہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ صالح بن کیسانؒ اور امام زہری جیسے اہلِ علم ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

۳۔ سالم بن عبداللہ بن عمرؒ:۔ مدینہ کے فقہا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور دوسرے صحابہ سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ نافع، زہری اور دوسرے مشہور تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۰۶ھ میں رحلت فرمائی۔

۴۔ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ:۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالک کے استاد ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ سند (مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سلسلۃ الذہب (طلائی زنجیر) شمار ہوتی ہے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

دورِ اوّل کا تحریری سرمایہ:۔ ۱۔ صحیفہ صادقہ: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (وفات ۶۳ھ بعمر ۷۰ سال) کا مرتب کیا ہوا ہے۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا خاص ذوق تھا۔ یہ جو کچھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے اسے قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ اس بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہوئی تھی[1]۔ یہ مجموعہ تقریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا۔ اب یہ مسند امام احمد میں بہ تمام و کمال مل سکتا ہے۔

---

[1] مختصر جامع البیان العلم صـ ۳۶، ۳۷۔

۲۔ صحیفہ صحیحہ :۔ مرتبہ ہمام بن منبہ (وفات ۱۰۱ھ) یہ حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے استاد محترم کی روایات کو یکجا قلمبند کر لیا تھا۔ اس کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ نیز امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مشہور مسند میں ابوہریرہؓ کے زیرِ عنوان یہ پورا صحیفہ بجنسہٖ سمو دیا ہے[۱] (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۲ ص۳۱۲ تا ص۳۱۸) یہ مجموعہ کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کوششوں سے طبع ہو کر حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ۱۳۸ روایات ہیں۔ واضح رہے کہ صحیفہ صحیحہ کے قلمی نسخے اور امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کردہ احادیث دونوں کے الفاظ اگرچہ یکساں ہیں لیکن سلسلہ اسناد مختلف ہے۔ راویوں کے اختلاف کے باوجود متن حدیث میں اختلاف نہ ہونا اس امر کی واضح شہادت ہے کہ محدثین نے کتنی محنت و جانفشانی سے علم حدیث کی حفاظت کی ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ کے دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ جس کی انہوں نے رخصت ہوتے وقت حضرت ابوہریرہؓ کو سنا کر تصدیق کرا لی تھی[۲]

۴۔ مسند ابوہریرہؓ :۔ اس کے نسخے عہدِ صحابہ ہی میں لکھے گئے تھے۔ اس کی ایک نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان (گورنر مصر وفات ۸۶ھ) کے پاس بھی تھی۔

انہوں نے کثیر بن مرہ کو لکھا تھا کہ تمہارے پاس صحابہ کرامؓ کی جو حدیثیں ہوں، ان کو لکھ کر بھیج دو۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایات بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں[۳]

مسند ابوہریرہؓ کا ایک نسخہ امام ابن تیمیہؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے[۴]

۵۔ صحیفہ حضرت علیؓ : امام بخاری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کافی ضخیم تھا[۵] اس میں زکوٰۃ، حرمتِ مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات موجود تھے۔

۶۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری خطبہ : فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوشاہ یمنی کی درخواست پر اپنا مفصل خطبہ قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا[۶] یہ خطبہ حقوق انسانی کی اہم تفصیلات پر مشتمل ہے۔

۷۔ صحیفہ حضرت جابرؓ : حضرت جابر بن عبداللہ کی روایات کو ان کے تلامذہ وہب بن منبہؒ (وفات ۱۱۰ھ) اور سلیمان[۷] بن قیس لشکری نے تحریری طور پر مرتب کر لیا تھا۔ یہ مجموعہ مناسک حج، خطبہ حجۃ الوداع پر مشتمل تھا۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، دیباچہ صحیفہ ہمام مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔

[۲] جامع العلم۔ ج ۱ ص ۷۲۔ تہذیب التہذیب۔ ج ۱۔ ص ۴۷۰

[۳] دیباچہ صحیفہ ہمام ص۵۰ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۷

[۴] مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۱۶۵

[۵] صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ج ۱، ص ۵۱۴

[۶] صحیح بخاری، مطبع احمدی ج ۱۔ ص ۲۰۔ مختصر جامع العلم ص۳۶۔ صحیح مسلم ج ۱ ص۴۳۹۔ [۷] تہذیب التہذیب ج ۴۔ ص ۲۱۵

۸۔ روایات حضرت عائشہ صدیقہؓ : حضرت عائشہؓ کی احادیث ان کے شاگرد عروہ بن زبیر نے قلمبند کر لی تھیں۔[1]

۹۔ احادیث ابن عباسؓ : حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات کے متعدد مجموعے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی بھی ان کی روایات تحریری طور پر مرتب کرتے تھے۔

۱۰۔ انس بن مالکؓ کے صحیفے : سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت انس اپنی قلمی یاد داشتیں نکال کر ہمیں دکھاتے اور فرماتے یہ روایات میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور قلم بند کرانے کے بعد آپؐ کو سنا کر تصدیق بھی کرا لی ہے۔[2]

۱۱۔ عمرو بن حزمؓ : جن کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری ہدایت نامہ دیا تھا انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس ہدایت نامہ کو محفوظ رکھا بلکہ اسکے ساتھ اکیس دوسرے فرامینِ نبویؐ بھی شامل کر کے ایک اچھی خاصی کتاب مرتب کر لی۔[3]

۱۲۔ رسالہ سمرہ بن جندب : یہ ان کے صاحبزادے کو وراثت میں ملا۔ یہ روایات کے ایک بہت بڑے ذخیرے پر مشتمل تھا۔[4]

۱۳۔ صحیفہ سعد بن عبادہؓ : حضرت سعد بن عبادہ صحابی، دورِ جاہلیت سے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

۱۴۔ مکتوبات حضرت نافعؓ : سلیمان بن موسیٰ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر املا کرا رہے تھے اور نافع لکھتے جاتے تھے۔[5]

۱۵۔ معن سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود نے میرے سامنے کتاب نکالی اور حلف اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ میرے والد عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔[6] اگر تحقیق و تفتیش کا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو ان کے علاوہ بہت سی مزید مثالیں اور واقعات مل سکتے ہیں۔

اسی دور میں صحابہ کرام اور کبار تابعین نے زیادہ تر اپنی ذاتی یادداشتوں کو قلم بند کرنے پر توجہ دی۔ لیکن دوسرے دور میں جمع و تدوین کا کام مزید وسعت اختیار کر گیا۔ جامعین حدیث نے اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ ساتھ اپنے شہر یا علاقہ کے اہلِ علم سے مل کر ان کی روایات بھی منضبط کریں۔

دوسرا دور : یہ دوسرا دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف پر منتہی ہوتا ہے۔ اس دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی۔ جس نے دورِ اول کے تحریری سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا۔

جامعین حدیث : ۱۔ محمد بن شہاب زہری (وفات ۱۲۴ھ)۔ یہ اپنے زمانے کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے

---

[1] تہذیب التہذیب۔ ج ۷۔ ص ۱۸۳

[2] دیباچہ صحیفہ ہمام ص ۳۴۔ بحوالہ خطیب البغدادی۔ نیز مستدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۵۷۴

[3] الوثائق السیاسیہ ص ۱۰۵۔ از ڈاکٹر حمید اللہ بحوالہ طبری ص ۱۰۴۔

[4] تہذیب التہذیب۔ ابن حجر۔ ج ۴۔ ص ۲۳۶۔

[5] دارمی ص ۶۹۔ نیز دیباچہ صحیفہ ہمام ص ۴۵ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

[6] مختصر جامع العلم ص ۳۷

علم حدیث مندرجہ ذیل جلیل القدر شخصیتوں سے حاصل کیا ہے :

صحابہ میں سے : عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعد

تابعین میں سے : سعد بن مسیب، محمود بن ربیع وغیرہ ۔

آپ کے تلامذہ میں امام اوزاعی، امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث کا شمار ہوتا ہے۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کو ہدایت بھیجی تھی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو احادیث کا ذخیرہ ہے اسے قلم بند کرلیں ۔

یہ عمرہ حضرت عائشہؓ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور قاسم بن محمد ان کے برادر زادے ہیں۔ حضرت عائشہ نے اپنی نگرانی میں ان کی تربیت و تعلیم کا اہتمام کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۷، ص۱۷۲)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مملکت اسلامی کے تمام ذمہ داروں کو ذخائر حدیث کے جمع و تدوین کرنے کا تاکیدی فرمان جاری کردیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں احادیث کے دفتر کے دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے۔ خلیفۂ وقت نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں [1]

امام زہری کے مجموعہ حدیث مرتب کرنے کے بعد اس دور کے دوسرے اہل علم نے بھی تدوین و تالیف کا کام شروع کردیا۔ عبدالملک[2] بن جریج (۱۵۰ھ) نے مکہ میں، امام اوزاعی[3] (ف ۱۵۷ھ) نے شام میں، معمر[4] بن راشد (ف ۱۵۳ھ) نے یمن میں، امام سفیان[5] ثوری (ف ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں، امام حماد[6] بن سلمہ (ف ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں اور امام عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ) نے خراسان میں احادیث کے جمع و تدوین کے کام میں سبقت کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ر امام مالک بن انس (ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ) : امام زہری کے بعد مدینہ میں حدیث نبویؐ کی تدوین کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا ہے۔ آپ نے نافع، زہری اور دوسرے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد نو سو تک پہنچتی ہے۔ آپ کے چشمۂ فیض سے براہِ راست حجاز، شام، عراق، فلسطین، مصر، افریقہ اور اندلس کے ہزاروں تشنگانِ سنت سیراب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں لیث بن سعد (ف ۱۷۵ھ)، ابن مبارک (ف ۱۵۱ھ)، امام شافعی (ف ۲۰۴ھ)، امام محمد بن حسن الشیبانی (ف ۱۸۹ھ) جیسے مشاہیر شامل ہیں ۔

اس دور میں حدیث کے بہت سے مجموعے مرتب ہوئے۔ جن میں امام مالک کی مؤطا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کا زمانہ تالیف ۱۳۰ھ کے درمیان ہے۔ کل روایات کی تعداد ۱۷۰۰ ہے، جن میں سے مرفوع ۶۰۰، مرسل ۲۲۸، موقوف ۶۱۳، اور اقوال تابعین ۲۸۵ ہیں۔ اس دور کی چند دوسری تالیفات کے نام یہ ہیں ۔

جامع سفیان ثوری (ف ۱۶۱ھ)، جامع ابن المبارک (ف ۱۸۱ھ)، جامع امام اوزاعی (ف ۱۵۷ھ) جامع ابن جریج (ف ۱۵۰ھ)،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱، ص۱۰۶۔ مختصر جامع العلم ص۳۸

کتاب الخراج۔ قاضی ابویوسف (ف ۱۸۲ھ)، کتاب الآثار۔ امام محمد (ف ۱۸۹ھ) اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین کو ایک ہی مجموعہ میں مرتب کر لیا جاتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہو جاتی تھی کہ یہ صحابی یا تابعی کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔

تیسرا دور: یہ دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ احادیث نبویؐ کو آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کر کے مرتب کیا گیا۔

۲۔ قابل اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کئے گئے اور اس طرح چھان بین اور تفتیش کے بعد دوسرے دور کی تصانیف تیسرے دور کی ضخیم کتابوں میں سما گئیں۔

اس دور میں نہ صرف یہ کہ روایات جمع کی گئیں، بلکہ علم حدیث کی حفاظت کے لئے محدثین کرام نے سو سے زیادہ علوم کی بنیاد ڈالی، جن پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ شکر اللہ سعیهم وجزاهم عنا احسن الجزاء

مختصر طور پر چند علوم کا تعارف یہاں کرایا جاتا ہے۔

۱۔ **علم اسماء الرجال:** اس علم میں راویوں کے حالات، پیدائش وفات، اساتذہ، تلامذہ کی تفصیل۔ طلب علم کے لئے سفر اور ثقہ غیر ثقہ ہونے کے بارے میں ماہرین علم حدیث کے فیصلے درج ہیں۔ یہ علم بہت ہی وسیع، مفید اور دلچسپ ہے۔

بعض متعصب مستشرقین بھی یہ اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ اس فن کی بدولت پانچ لاکھ راویوں کے حالات محفوظ ہو گئے۔ یہ وہ خصوصیت ہے، جس میں مسلمان قوم کی نظیر ملنا مشکل ہے[۱]۔ اس علم میں سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ (ا) **تہذیب الکمال:** مولفہ امام یوسف مزی (وفات ۷۴۲ھ) اس علم میں یہ سب سے زیادہ اہم اور مستند کتاب ہے۔

(ب) **تہذیب التہذیب:** مولفہ حافظ ابن حجر۔ شارح بخاری۔ یہ بارہ جلدوں میں ہے۔ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

(ج) **تذکرۃ الحفاظ:** مرتبہ علامہ ذہبی (وفات ۷۴۸ھ)

۲۔ **علم مصطلح الحدیث** (اصول حدیث) اس علم کی روشنی میں حدیث کی صحت و ضعف کے قواعد و ضوابط معلوم ہوتے ہیں۔ اس علم کی مشہور کتاب علوم الحدیث معروف بہ مقدمہ ابن الصلاح ہے۔ مولفہ ابوعمرو عثمان ابن الصلاح (وفات ۵۷۷ھ)

ماضی قریب میں اصول حدیث پر دو کتابیں شائع ہوئی ہیں:

(ا) **توجیہ النظر:** مولفہ علامہ طاہر بن صالح الجزائری (ف ۱۳۳۸ھ)

(ب) **قواعد التحدیث:** مرتبہ علامہ سید جمال الدین قاسمی (وفات ۱۳۳۲ھ)

اوّل الذکر وسعتِ معلومات اور آخر الذکر حسن ترتیب میں ممتاز ہیں۔

---

[۱] مقدمہ الاصابہ انگریزی شائع شدہ ۱۸۶۴ء از کلکتہ مرتبہ مستشرق اسپرنگر

۳۔ **علم غریب الحدیث** : اس علم میں حدیث کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی گئی ہے۔ اس علم میں علامہ زمخشری (وفات ۵۳۸ھ) کی الفائق اور ابن الاثیر (ف ۶۰۶ھ) کی نہایہ مشہور ہیں۔

۴۔ **علم تخریج الاحادیث** : اس علم کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ مشہور کتب تفسیر، فقہ، تصوف اور عقائد میں جو روایات درج ہیں۔ ان کا اصل ماخذ اور سرچشمہ کیا ہے مثلاً ہدایہ از برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (ف ۵۹۲ھ) اور احیاء العلوم از امام غزالی (ف ۵۰۵ھ) میں بہت سی روایات بلا سند اور بلا حوالہ مذکور ہیں۔

اب اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ روایات کس پایہ کی ہیں اور کون کون سی حدیث کی اہم کتابوں میں ان کا ذکر ہے تو اول الذکر کے لئے حافظ زیلعی (وفات ۷۹۳ھ) کی نصب الرایہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور آخر الذکر کے لیے حافظ زین الدین عراقی (ف ۸۰۶ھ) کی تالیف المغنی عن حمل الاسفار موزوں رہے گی۔

۵۔ **علم الاحادیث الموضوعہ** : اس فن میں اہل علم نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ موضوع (من گھڑت) روایات کو الگ چھانٹ دیا گیا ہے۔ اس بارے میں قاضی شوکانی (ف ۱۲۵۵ھ) کی الفوائد المجموعہ اور حافظ جلال الدین سیوطی (ف ۹۱۱ھ) کی اللآلی المصنوعہ زیادہ نمایاں ہیں۔

۶۔ **علم الناسخ والمنسوخ** : اس فن میں امام محمد بن موسیٰ حازمی (ف ۵۸۴ھ بعمر ۳۵ سال) کی تصنیف کتاب الاعتبار زیادہ مستند اور مشہور ہے۔

۷۔ **علم التوفیق بین الاحادیث** : اس علم میں ان روایات کی صحیح توجیہہ بیان کی گئی ہے جن میں بظاہر تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے امام شافعی (ف ۲۰۴ھ) نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ ان کا رسالہ مختلف الحدیث کے نام سے مشہور ہے۔ امام طحاوی (ف ۳۲۱ھ) کی مشکل الآثار بھی اس فن کی مفید کتاب ہے۔

۸۔ **علم المختلف والمؤتلف** : اس علم میں خاص طور پر ان راویوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے اپنے نام کنیت، لقب، آباؤ اجداد کے نام یا اساتذہ کے نام ملتے جلتے ہیں اور اس اشتباہ کی بنا پر ایک ناواقف انسان مغالطہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس فن میں حافظ ابن حجر کی تعبیر المنتبہ زیادہ جامع کتاب ہے۔

۹۔ **علم اطراف الحدیث** : اس علم کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں روایت کس کتاب میں ہے اور اس کے راوی کون کون سے ہیں مثلاً آپ کو "انما الاعمال بالنیات" حدیث کا ایک جملہ یاد ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس کے تمام مآخذ روایت کے پورے الفاظ اور راوی معلوم ہو جائیں تو آپ کو اس علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس عنوان پر حافظ مزی (ف ۷۴۲ھ) کی کتاب تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف زیادہ مفصل ہے۔ اس میں صحاح ستہ کی روایات کی پوری فہرست آگئی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں حافظ یوسف مزی کے ۲۶ سال صرف ہوئے ہیں۔ انتہائی محنت شاقہ کے بعد یہ کتاب مکمل ہوئی ہے

آج کے مستشرقین نے ایسی ہی کتابوں سے خوشہ چینی کرکے ذرا نئے ڈھب سے احادیث کی فہرست مرتب کی ہے۔ مثلاً مفتاح کنوز السنہ انگریزی میں شائع ہوئی تھی جس کا عربی میں ترجمہ ۱۹۳۴ء میں مصر سے شائع ہوا ہے اور اب ایک وسیع فہرست

المعجم المفہرس کے نام سے زیر ترتیب ہے۔ جس کے کم و بیش بیس اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

۱۰۔ فقہ الحدیث: اس علم میں احکام پر مشتمل احادیث کے اسرار اور حکمتیں بے نقاب کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیم (ف ۷۵۱ھ) کی کتاب اعلام الموقعین اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل علم نے زندگی کے مختلف مسائل پر الگ الگ تصانیف بھی مرتب کی ہیں۔ مثلاً مالی معاملات میں ابوعبید قاسم بن سلام (ف ۲۲۴ھ) کی تالیف کتاب الاموال مشہور ہے اور زمین کے مسائل عشر اخراج وغیرہ پر قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج بہترین تصنیف ہے۔ نیز سنت کے ماخذ شریعت ہونے اور منکرین حدیث کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ مفید ہوسکتا ہے۔

کتاب الام جلد ۷۔ الرسالہ امام شافعی۔ الموافقات جلد چہارم مؤلفہ ابواسحاق شاطبی (ف ۷۹۰ھ) صواعق مرسلہ جلد ۲۔ ابن قیم۔ الاحکام ابن حزم الاندلسی (ف ۴۵۶ھ)۔ مقدمہ ترجمان السنۃ اردو از مولانا بدر عالم میرٹھی۔ اثبات الخبر مؤلفہ والد محترم مولانا حافظ عبدالستار حسن عمر پوری (وفات ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ بعمر ۴۴ سال) حدیث اور قرآن مرتبہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

نیز انکار حدیث کا منظر اور پس منظر کے نام سے جناب افتخار احمد بلخی کی تصنیف بھی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ اب تک اس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل علامہ مصطفےٰ سباعی نے احادیث کے حجت ہونے پر رسالہ المسلمون (دمشق) میں نہایت ہی مفید سلسلہ مضامین شائع کیا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ محترم رفیق ملک غلام علی صاحب نے کیا ہے۔ سنتِ رسول کے نام سے یہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے۔

تاریخ علم حدیث اور متعلقہ مباحث پر مندرجہ ذیل تصانیف اپنے اندر جامعیت اور افادیت کا پہلو رکھتی ہیں۔

مقدمہ فتح الباری، حافظ ابن حجر۔ جامع بیان العلم (از حافظ ابن عبدالبر اندلسی وفات ۴۶۳ھ) معرفت علوم الحدیث۔ امام حاکم (وفات ۴۰۵ھ)۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی، مؤلفہ عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارک پوری (ف ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء) ماضی قریب کی تصانیف میں یہ کتاب اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے ایک شاہکار ہے۔ اسی طرح مقدمہ فتح الملہم مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور اردو میں تدوین حدیث مرتبہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم وسیع معلومات کا گنجینہ ہیں۔

تیسرے دور کے جامعین حدیث: اس دور کے ممتاز اور مشہور جامعین حدیث اور مستند تالیفات کا تعارف ذیل میں کرایا جاتا ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل (ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ) آپ کی اہم تالیف مسند احمد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تیس ہزار روایات پر مشتمل ہے۔ اس کی چوبیس جلدیں ہیں۔ قابلِ ذکر احادیث سب اس میں آگئی ہیں۔ اس میں عنوان کے لحاظ سے ترتیب کے بجائے ہر صحابی کی تمام روایات یکجا مرتب کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کی تبویب یعنی عنوان وار ترتیب حسن البنا شہید کے والد محترم احمد عبدالرحمٰن ساعاتی نے شروع کی تھی۔ اس وقت تک ۱۴ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔ امام محمد بن اسماعیل البخاری (ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) آپ کی تاریخ ولادت "صدق" اور تاریخ وفات "نور" سے نکلتی ہے۔ امام بخاری کی تصانیف میں سے سب سے اہم اور مستند کتاب صحیح بخاری ہے۔ جس کا پورا نام یہ ہے "الجامع الصحیح المسند

"المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ" ۔

اس کتاب کی تالیف میں ۱۶ سال صرف ہوئے ۔ آپ سے براہ راست صحیح بخاری پڑھنے والے تلامذہ کی تعداد نوے ہزار تک پہنچتی ہے ۔ بعض دفعہ ایک ہی مجلس میں حاضرین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ جایا کرتی تھی ۔ اس قسم کے اجتماعات میں املا کرانے والوں کا شمار ۳۰۰ سے متجاوز ہو جاتا تھا کل تعداد روایات مع تعلیقات ۹۰۸۲، مرفوع مسند روایات ۷۲۷۵، غیر مکرر روایات ۴۰۰۰۔ امام بخاری نے دوسرے محدثین کی بہ نسبت راویوں کے پرکھنے کا معیار زیادہ بلند رکھا ہے ۔

۳۔ امام مسلم ابن حجاج قشیری: (ولادت ۲۰۲ھ، وفات ۲۶۱ھ) امام بخاری، امام احمد بن حنبل ان کے اساتذہ میں شامل ہیں اور امام ترمذی، ابوحاتم رازی، ابوبکر بن خزیمہ کا شمار ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے ۔ اس کی کتاب صحیح مسلم حسن ترتیب کے لحاظ سے زیادہ ممتاز مانی جاتی ہے ۔

۴۔ امام ابوداؤد اشعث بن سلیمان سجستانی (ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ) ان کی اہم تالیف سنن ابوداؤد کے نام سے مشہور ہے ۔ اس میں زیادہ تر احکام پر مشتمل روایات کو پوری جامعیت کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے ۔ فقہی اور قانونی مسائل کا یہ بہترین ماخذ ہے ۔ یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے ۔

۵۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی (ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ) ان کی کتاب میں فقہی مسالک کی تفصیل وضاحت سے کی گئی ہے ۔

۶۔ امام احمد بن شعیب نسائی (وفات ۳۰۳ھ) ان کی تصنیف کا نام السنن المجتبیٰ ہے ۔

۷۔ امام محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی: (وفات ۲۷۳ھ) ان کی کتاب سنن ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہے ۔ مسند احمد کے علاوہ ان چھ کتابوں کو محدثین کی اصطلاح میں صحاح ستہ کہا جاتا ہے ۔ بعض اہل علم نے بجائے ابن ماجہ کے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے ۔

ان کے علاوہ اس دور میں اور بھی بہت سی مفید اور جامع تالیفات شائع ہوئی ہیں ۔ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے ۔ بخاری، مسلم، ترمذی جامع کہلاتی ہیں ۔ یعنی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر ان میں احادیث موجود ہیں اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ سنن کہلاتی ہیں ۔ یعنی ان میں زیادہ تر عملی زندگی سے متعلق روایات درج ہیں ۔

طبقات کتب حدیث: محدثین نے روایات کی صحت و قوت کے لحاظ سے تمام کتب حدیث کو چار طبقات پر تقسیم کیا ہے ۔

۱۔ موطا امام مالک[۱]، صحیح بخاری[۲]، صحیح مسلم[۳] ۔ یہ تینوں کتابیں صحت، سند اور راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے اعلیٰ مقام رکھتی ہیں ۔

۲۔ ابوداؤد[۱]، ترمذی[۲]، نسائی[۳] ۔ ان کتابوں کے بعض راوی ثقاہت کے اعتبار سے طبقہ اول سے فروتر ہیں ۔ لیکن ان کو بہر حال قابل اعتماد مانا جاتا ہے ۔ مسند احمد کا شمار شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے مطابق طبقہ (۲) اور (۳) کے درمیان ہوتا ہے ۔

۳۔ دارمی (وفات ۲۵۵ھ) ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی (ف ۳۸۵ھ) کتب طبرانی (ف ۳۶۰ھ) تصانیف طحاوی (ف ۳۲۱ھ) مسند شافعی، مستدرک حاکم (ف ۴۰۵ھ) ان کتابوں میں صحیح، ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں ۔ لیکن قابل اعتماد روایات کا عنصر غالب ہے ۔

۴۔ تصانیف ابن جریر طبری (ف ۳۱۰ھ) کتب خطیب بغدادی (ف ۴۶۳ھ) ابونعیم (ف ۴۰۳ھ) ابن عساکر (ف ۵۷۱ھ) دیلمی صاحب فردوس (ف ۵۰۹ھ) کامل ابن عدی (ف ۳۶۵ھ) تالیفات ابن مردویہ (ف ۴۱۰ھ) واقدی (ف ۲۰۷ھ) اور اسی نوع کے دوسرے مصنفین کی کتابیں اسی طبقہ میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ تالیفات رطب ویابس کا مجموعہ ہیں۔ موضوع (من گھڑت) روایات تک بھی ان میں بکثرت موجود ہیں۔ زیادہ تر عام واعظین، مورخین اور اصحاب تصوف کا سہارا یہی کتابیں ہیں لیکن اگر چھان بین سے کام لیا جائے تو ان تالیفات میں سے بھی بیش بہا جواہر ریزے نکالے جاسکتے ہیں۔

چوتھا دور: تقریباً پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس عرصہ میں تیسرے دور کا اندازِ تدوین اختتام کو پہنچ گیا تھا۔ اس طویل مدت میں جو کام ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ حدیث کی اہم کتابوں کی شرحیں، حواشی اور دوسری زبانوں میں تراجم لکھے گئے۔

۲۔ جن علوم حدیث کا ذکر اوپر آیا ہے، ان پر بہت سی تصانیف اسی دور میں وجود میں آئی ہیں اور ان کی شرحیں اور خلاصے لکھے گئے ہیں۔

۳۔ اہل علم نے اپنے ذوق یا ضرورت کے مطابق تیسرے دور کی تالیفات سے احادیث منتخب کرکے مفید کتابیں مرتب کی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

ا۔ مشکوٰۃ المصابیح: مولفہ ولی الدین خطیب۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، آداب اور حشر ونشر سے متعلق روایات جمع کر دی گئی ہیں۔

ب۔ ریاض الصالحین: مرتبہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شارح مسلم (ف ۶۷۶ھ) یہ زیادہ تر اخلاق وآداب پر مشتمل احادیث کا انتخاب ہے۔ ہر باب کے شروع میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات بھی ذکر کی گئی ہیں۔ یہ اس کتاب کی اہم خصوصیت ہے صحیح بخاری کا بھی اندازِ تالیف وترتیب یہی ہے۔

ج۔ منتقی الاخبار مولفہ مجد الدین ابوالبرکات عبدالسلام بن تیمیہ (ف ۶۵۲ھ): یہ مشہور شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ) کے جدِ امجد ہیں۔ اس کتاب کی شرح آٹھ جلدوں میں قاضی شوکانی نے نیل الاوطار کے نام سے مرتب کی ہے۔

د۔ بلوغ المرام: مرتبہ حافظ ابن حجر شارح بخاری (ف ۸۵۲ھ) اس میں زیادہ تر عبادات اور معاملات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کی شرح سبل السلام عربی میں محمد بن اسماعیل صنعانی (وفات ۱۱۸۲ھ) کے قلم سے شائع ہوئی ہے۔ اور دوسری مسک الختام کے نام سے فارسی میں نواب صدیق حسن خان (ف ۱۳۰۷ھ) نے ترتیب دی ہے۔ ان میں سے اکثر کے تراجم عرصہ ہوا، اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔

غیر منقسم ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین ترک (وفات ۱۰۵۲ھ) نے علم حدیث کی شمع روشن کی۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ (وفات ۱۱۷۶ھ) اور ان کی اولاد، احفاد اور ارشد تلامذہ کی جانفشانیوں اور جگر کاویوں سے اس ملک کی سرزمین نور سنت سے جگمگا اٹھی۔ واشرقت الارض بنور ربھا۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد سے اس ملک میں تراجم شروح اور منتخب احادیث کے مجموعوں کی ترتیب و اشاعت کا مقدس سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اس پوری تفصیل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر اب تک کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا ہے جس میں حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔ یہ وہ سلسلۂ علم ہے، جس کا دن بھی روشن ہے اور جس کی رات کا دامن بھی درخشانیوں اور تابناکیوں سے بھرپور ہے۔ لیلها کنهارها

سنتِ نبویؐ اور خلفائے راشدین: ذیل میں ان روایات کی تشریح کی گئی ہے، جن کی بناء پر عام طور پر منکرین حدیث و سنت، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اپنا ہم نوا اور ہم مسلک قرار دیتے ہیں ضمنی طور پر بعض دوسرے مباحث بھی آگئے ہیں۔

عن ابن عباسؓ لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ قال عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع

(صحیح بخاری مصری باب کتابۃ العلم ج ۱ ، ص۳۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد جب شدت اختیار کر گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں کچھ لکھوا دوں، تاکہ بعد میں تم گمراہی میں مبتلا نہ ہونے پاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کی شدت کا غلبہ ہو گیا ہے، ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ وہ کافی ہے، صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا اور شور بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو میرے پاس نزاع مناسب نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں مزید یہ الفاظ ملتے ہیں:

فقالوا ما شانہ اھجر استفھموہ، قال دعونی فالذی انا فیہ خیر اوصیکم بثلاث اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد لنحو ما کنت اجیزھم قال وسکت عن الثالثۃ اوقال فانسیتھا۔

(ج ۲ ۔ ص۴۲ ۔ باب ترک الوصیتہ)

حاضرین نے کہا: کیا آپؐ (دنیا کو) چھوڑ چلے ہیں، دریافت تو کرلو (بعض روایات میں یہ الفاظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں) راوی کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں جس حال میں ہوں وہ بہتر ہے۔ میں تمہیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ (۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرو (۲) غیر ملکی یا قبائلی وفود (مہمانوں) کی اسی طرح عزت کرو جس طرح میں کرتا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ تیسری بات کے ظاہر کرنے یا تو حضرت ابن عباس خاموش رہے یا مجھے یاد نہ رہی۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

ائتونی بالکتف والدواۃ او اللوح والدواۃ۔

یعنی شانے کی ہڈی اور دوات یا تختی اور دوات (لکھنے کا سامان) لے کر آؤ تاکہ میں کچھ لکھوا دوں۔

اس حدیث کے مطالعہ کے وقت مختلف قسم کے سوالات ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

۱۔ آپؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے کہ جس کی بناء پر گمراہی کا امکان باقی نہ رہتا۔

۲۔ ضلالت سے کیا مراد ہے؟ کیا حاضرین کے اختلاف و نزاع کی وجہ سے پیغمبر کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسی بات کو ظاہر نہ کرے، جس کی بنا پر امت ضلالت سے بچ سکے۔

۳۔ بعض صحابہ خصوصاً حضرت عمرؓ نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی؟

۴۔ اس موقع پر صحابہ کے اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟

۵۔ ھَجَرَ کے معنی عام طور پر ہذیان کے لئے جاتے ہیں۔ کیا اس میں گستاخی اور سوء ادبی کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ کیا اس قسم کے کلمات صحابہ خصوصاً حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلنے کسی درجہ میں بھی مناسب تھے؟

۶۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ سے کیا مراد ہے؟ کیا ان کا یہ ارشاد مسلک انکار سنت کی تائید نہیں کر رہا ہے؟

سوال نمبر ۱، ۲، ۳ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ آپؐ کے فرمان "لا تضلوا بعدہ" سے یہی سمجھے تھے کہ لا تجمعون علی الضلالۃ ولا تسری الضلالۃ الی کلکم یعنی جو چیزیں میں لکھوانا چاہتا ہوں۔ اس کی بناء پر پوری امت اجتماعی طور پر ضلالت سے محفوظ رہے گی نہ کہ ہر ہر فرد گمراہی سے امن میں رہے گا۔ کیونکہ انفرادی طور پر ضلالت کے بارے میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات موجود ہیں، جن کی بنا پر افراد کی گمراہی کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً روایات میں ملتا ہے کہ: ستفترق الامۃ کہ امت کئی فرقوں میں بٹ جائے گی یا مثلاً آپ نے فرمایا: "ملت کے مجموعی نظم میں سے لوگ خروج کریں گے اور قسم قسم کے فتنے ظہور میں آئیں گے۔"

باقی رہا پوری امت کا ضلالت پر مجتمع اور متفق ہو جانا، تو اس کی نفی پر کتاب اللہ و سنت کی واضح نصوص موجود ہیں:

۱۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (سورہ نور پارہ ۱۸) — تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ ضرور ہی ان کو زمین میں منصب خلافت عطا فرمائے گا۔

۲۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۃ آل عمران) — تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

۳۔ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ — میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ (ترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۳۰)

۴۔ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق او کما قال (بخاری مسلم مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳) — میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جس کو راہ حق پر استقامت حاصل ہوگی۔

ان واضح شواہد و دلائل کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ یہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری

مرض میں تحریر کے لکھوانے کا ارادہ فرمایا ہے، اگر اسے قلم بند نہ کیا گیا تو امت گمراہ ہو جائے گی۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی احتیاط اور امت پر کمال شفقت و رحمت کی وجہ سے کچھ نصائح لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس چیز کو بھانپ لیا اور معاملہ کی اصل حقیقت تک پہنچ گئے۔ اسی بنا پر آنحضورؐ کے درد کی شدت کو دیکھتے ہوئے رائے ظاہر کی کہ اس وقت دوات قلم لاکر آپؐ کی تکلیف میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ اللہ کی کتاب جب تک ہمارے درمیان موجود ہے امت مجموعی طور پر گمراہ نہیں ہو سکتی۔ یہ عدول حکمی یا ارشادِ نبویؐ سے سرتابی نہ تھی۔ بلکہ آپؐ کو زحمت سے بچانے کے لئے اپنی خیر خواہی اور مخلصانہ محبت کا اظہار تھا۔

اس صورت حال سے ملتا جلتا واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ملتا ہے، جب کہ مشرکین کے اعتراض کی بنا پر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھ دیں لیکن انہوں نے لفظ رسول اللہ کے مٹانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ نافرمانی نہ تھی بلکہ ادب و احترام اور اخلاص و محبت کا پہلو غالب تھا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ امت مجموعی طور پر گمراہ نہ ہو گی، اس کے باوجود آپؐ کا یہ فرمانا کہ "کچھ لکھوا دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو"۔ اس فرمان کی جو توجیہہ و تشریح کی گئی ہے، یہ کوئی انوکھی نہیں ہے۔ سیرت میں اسی قسم کے دوسرے واقعات بھی ملتے ہیں۔

اسی نوعیت کا ایک نمونہ غزوہ بدر کے موقع پر ملتا ہے۔ جنگ بدر میں فتح و کامرانی کا وعدہ خدا کی طرف سے ہو چکا تھا۔ اس غزوہ میں مارے جانے والے مشرکین کے گرنے کی جگہیں بھی آپؐ کو بتا دی گئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے انتہائی الحاح و تضرع سے (گڑگڑا کر) دعا کی اور یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ آپؐ کی اس مشقت اور آہ و زاری پر صبر نہ کر سکے اور ان کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل گئے: "آپ کب تک یہ مشقت برداشت کریں گے اب اس الحاح و تضرع کو ختم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا"۔

جس طرح یہاں حضرت ابوبکرؓ نے کمال محبت اور انتہائی وفادارانہ جذبہ کی بنا پر طویل مناجات کے سلسلے کے ختم کرنے کی درخواست کی، اسی طرح حضرت عمرؓ کو بھی اسی جذبہ نے مجبور کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید مرض کی حالت لکھنے، لکھوانے اور املا کرنے کی زحمت سے بہر حال محفوظ رہیں۔

نیز جس غزوہ بدر کے موقع پر کمال فتح و نصرت کے الٰہی وعدے کے باوجود آپ نے طویل عرصہ تک سلسلہ دعا و مناجات جاری رکھا اور اس بنا پر انتہائی مشقت برداشت کی۔ ٹھیک اسی طرح مرض الموت میں اس علم کے باوجود کہ امت ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتی، آپ نے سامانِ کتابت لانے کا حکم صادر فرمایا۔ (مستفاد از تعلیقات السندیؒ علی البخاری)

مذکورہ بالا تفصیلات کی تائید میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد آپؐ کے مرض میں تخفیف ہوئی اور کئی دن تک آپؐ بقید حیات رہے۔ اس کے باوجود آپؐ نے دوبارہ قلم دوات طلب نہ کی۔ اگر واقعی کوئی ضروری وصیت پیش نظر تھی تو ان ایام میں اس کا اظہار ہو سکتا تھا۔ انبیاء کرام کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ محض چند افراد کے اختلاف و نزاع کی بنا پر

فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری مصری جلد ۱ ص۱۶۹)

سوال ۳ کے جواب میں یہ ہے کہ دین کے بارے میں اختلاف تین قسم کا ہو سکتا ہے:

۱۔ وجود خالق اور اس کی وحدانیت کے بارے میں اختلاف، یہ صریح کفر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اختلاف، یہ بدعت ہے۔

۳۔ ایسے فروعی مسائل میں اختلاف، جن کے بارے میں ایک سے زیادہ کا احتمال خود کتاب و سنت کے الفاظ میں موجود ہے۔ یہ اختلاف امت کے لئے زحمت کی بجائے رحمت کا باعث ہے۔ اس قسم کے اختلاف کو حدیث میں اختلاف امتی رحمۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ج ۲ ص۴۳ کلام خطابیؒ)

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف ایسا ہی تھا جیسا کہ حدیث لا یصلین احد کم صلوٰۃ العصر الا فی بنی قریظۃ کے مہم میں ہو گیا تھا۔ (یعنی تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ کے علاقے میں) واقعہ یہ ہے کہ صحابہ جب اس ارشاد کو سن کر مدینہ سے روانہ ہوئے تو راستہ ہی میں عصر کا وقت ہو گیا۔ اس موقع پر ایک گروہ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر غور کرتے ہوئے بنی قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر ہی نماز قضا کی۔ یہ لوگ عشاء کے بعد ہی مقررہ مقام پر پہنچ سکے (زاد المعاد۔ ج ۱ ص۳۲۸) دوسرے گروہ نے حدیث کے اصل منشا کو پیش نظر رکھتے ہوئے راستہ ہی میں بر وقت نماز ادا کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ سارا معاملہ پیش ہوا، تو آپؐ نے کسی کو بھی ملامت نہ کی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ فہم و اجتہاد کے اختلاف کی بنا پر کسی کو بھی زجر و توبیخ اور طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا بشرطیکہ نیت خالص اور مقصد صالح پیش نظر ہو۔ (فتح الباری ج ۱ ص۱۶۹)

سوال نمبر ۵ کا جواب "ھجر" کے کئی معنی آتے ہیں۔ اگر اسے ہُجر سے مشتق مانا جائے، تو اس کے معنی ہذیان کے ہوں گے اور اگر ہجرت ہجران سے ماخوذ ہو، تو اس کے معنی مفارقت اور ترک وطن کے ہوں گے۔ اس حدیث میں دوسرے معنی مراد لینا صحابہ کے زیادہ شایانِ شان ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک لفظ کے صحیح معنی بن سکتے ہیں، تو بلا وجہ ایسے معنی مراد لینا جس سے بے ادبی کا پہلو نکلے مناسب نہیں ہے۔ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسھم خیراً۔ یہ ربانی ہدایت اس موقع پر نگاہوں سے اوجھل نہیں رہنی چاہیئے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کیا واقعی آپ دُنیا کو چھوڑ چلے ہیں؟ اور کیا یہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں؟ آپؐ سے دریافت کر لیا جائے۔ اگر واقعی صورتِ حال یہی ہے، تب تو تعمیل ارشاد فوراً ضروری ہے، ورنہ درد کی شدت کا خیال کرتے ہوئے مرض میں تخفیف کا انتظار کرنا مناسب ہوگا۔ اس تشریح سے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی اور انتہائی مخلصانہ محبت ظاہر ہوتی ہے نہ کہ گستاخی اور سوءِ ادبی کا پہلو۔

سوال نمبر ۶ کا جواب: حسبنا کتاب اللہ حضرت عمرؓ کا یہ جملہ عام طور پر منکرین سنت کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ وہ اسے اپنے مسلک کی حمایت میں زور شور سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت عمرؓ ہوں یا دوسرے خلفائے راشدینؓ ان کے مسلک کو متعین کرنے کے لئے ایک دو مبہم اقوال سے استناد کرنے کے بجائے ضروری ہے کہ ان کی زندگی کے مجموعی طرز عمل کو

دیکھتے ہوئے اصل حقیقت کا سراغ لگایا جائے۔ حسبنا کتاب اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک شریعت کے بنیادی اصول کا تعلق ہے، وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ باقی رہا جزئیات اور تفصیلات کے تعین اور وضاحت کے لئے سنت کی طرف رجوع کرنا تو یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اس پر خود حضرت عمرؓ شدت کے ساتھ کاربند تھے۔ چند اقوال و آثار ملاحظہ ہوں۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا:

۱۔ قال عمر بن الخطابؓ ' سیأتی قوم یجادلونکم بشبہات القرآن' فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ

(مقدمہ المیزان للشعرانی مطبوعہ قاہرہ صـ۶۲)

تمہارے پاس کچھ لوگ ایسے آئیں گے، جو قرآن کے بارے میں شبہات پیدا کر کے تم سے بحث و مناظرہ کریں گے۔ ان لوگوں پر روایات کے ذریعہ گرفت کرو۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ علماء سنت قرآن مجید سے زیادہ باخبر ہیں۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سنت کے بارے میں کیا موقف تھا۔ اس کی وضاحت میمون بن مہران کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"حضرت ابوبکرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فیصلہ طلب معاملہ آتا، تو پہلے کتاب اللہ میں غور فرماتے۔ اگر اس میں حکم مل جاتا، تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ سنت نبویؐ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر یہاں بھی ناکامی ہوتی تو صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے دریافت فرماتے۔ حضرت عمرؓ کا طریق کار بھی اسی سے ملتا جلتا تھا۔" (اعلام الموقعین امام ابن قیم۔ ج ۱ صـ۲۲)

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ج ۶ صـ۳۰۱)

میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی سنت پر کاربند رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں، تو تم پر میری اطاعت لازم نہ ہوگی۔

اس خطبہ میں اطاعت رسولؐ سے سنت ہی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی اطاعت کا ذکر تو پہلے ہی " ما اطعت اللہ" میں مذکور ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ رُواۃ کے لحاظ سے یہ خطبہ قابل اعتماد ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس خطبہ کے الفاظ سے اس وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندہ شخصیت ہی کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے اہل زبان اطاعت کا لفظ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے لئے بول رہے ہیں۔ عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے:

۳۔ ان عمر بن الخطاب کان یقول اصحاب الرائ اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یعوھا وتفلتت منھم ان یحفظوھا فقالوا بالرائ؟ و ستحیوا حین سئلوا ان یقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برائیھم فایاکم وایاھم

(اعلام الموقعین۔ ج ۱ صـ۵۴)

رائے اور قیاس کے دلدادہ سنت کے دشمن ہیں۔ احادیث کا یاد رکھنا ان کیلئے دشوار ہو گیا ہے، جب کوئی ان سے مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے تو ان کو "لا نعلم" (ہم نہیں جانتے) کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ لوگ اپنی ذاتی آراء اور دماغی اختراعات کو سنت کے مقابلہ میں لے آئے۔ ان سے دُور رہو۔

(۴) قال عمرؓ ردّوا الجهالات الی سنة — حضرت عمرؓ نے فرمایا جن باتوں کا علم نہ ہو ان کو سنت کی طرف لوٹاؤ
(جامع بیان العلم۔ ج ۲۔ ص ۱۸۷)

(۵) قال عمرؓ تعلموا الفرائض والسنة کما تتعلموا القرآن۔ — حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ احکام وراثت اور سنت اس طرح سیکھو جس طرح قرآن سیکھتے ہو۔
(جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ج ۲۔ ص ۱۲۳)

عملی نمونے: اب تک حضرات شیخین (ابوبکرؓ، عمرؓ) کے چند اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ جو قابلِ اعتماد راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ اب ذیل میں چند عملی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے اسلام مباح امور میں قابلِ اعتماد اہل علم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ تاکہ سہل ترین راہ اختیار کر سکیں۔ جب کتاب و سنت کا واضح حکم سامنے آجاتا تو پھر دوسری چیز کی طرف رُخ نہ کرتے، اور یہ محض اس بنا پر کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اقتداء سے باہر نہ ہونے پائیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے (حدیث رسول پیش کرتے ہوئے) ٹوکا کہ آپ ان پر کیسے فوج کشی کر سکتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے، مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ لیں۔ اسی طرح مجھ سے وہ اپنی جانیں اور مال محفوظ کر لیں گے مگر یہ کہ اسلام کا کوئی حق ان سے وابستہ ہو۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان کے مشورہ کی پرواہ نہ کی، کیونکہ ان کے پاس نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کے قائلین کے بارے میں حکم رسول موجود تھا، یہ لوگ دین کے احکام بدلنا چاہتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے۔ "من بدل دینه فاقتلوا" (جو اپنا دین تبدیل کرلے، اسے قتل کر ڈالو)۔ (بخاری مصری۔ ج ۴۔ ص ۱۹۴)

اس سلسلے میں غور طلب معاملہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کرنے سے حدیث کی بنا پر روکا تھا۔ اب اگر حضرت ابوبکرؓ حدیث کو تاریخِ دین سمجھتے تھے تو صاف طور پر کہنا چاہیئے تھا، کہ یہ کیا تم حدیث پیش کر رہے ہو، قرآن لاؤ۔ اس کے بجائے انہوں نے حدیث کا ایسا مطلب بیان کیا، جس سے حضرت عمرؓ کی غلط فہمی بھی رفع ہوگئی اور ان کی پیش کردہ روایت کا مفہوم سامنے آگیا۔

۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب دورِ صدیقی میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ نے اپنے اپنے حصّہ کا مطالبہ کیا اور ازواج مطہرات نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ اپنا حق وراثت طلب کیا (بخاری، مسلم)، تو ابوبکرؓ نے سب کو ایک ہی حدیث سُنا کر مطمئن کر دیا۔ یعنی لا نورث ماترکناصدقة۔ انبیاء کرام کا متروکہ مال میراث کے طور پر تقسیم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ امت کے غربا و مساکین کا حق ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۵۰) حضرت فاطمہؓ نے ابتداً اس پر اصرار کیا تھا، لیکن بعد میں وہ بھی راضی ہوگئیں۔ (بیہقی۔ ج ۶۔ ص ۳۰۱)

حضرت ابوبکرؓ کے اس طرزِ عمل پر نہ حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا اور نہ دوسرے صحابہ نے کسی قسم کے اختلاف کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پاکیزہ دور میں سنت کے شرعی ماخذ ہونے پر سب کا اتفاق و اجماع تھا اور سب کے نزدیک

یہ طریقہ "سبیل المومنین" کی حیثیت رکھتا تھا۔

۳۔ حضرت عمرؓ سے دریافت کیا جاتا ہے کہ مقتول شوہر کی دیت سے اس کی بیوی حصہ پائے گی یا نہیں؟ حضرت عمرؓ اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ اس موقعہ پر ضحاک بن سفیانؓ حضرت عمرؓ سے کہتے ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ موجود ہے کہ آپ نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اپنے شوہر کی دیت میں حصہ دار ٹھہرایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا، اور حدیث کے مطابق حکم صادر فرمایا۔ (ابوداؤد، مؤطا امام مالک ص۳۴۹ باب میراث العقل)

۴۔ حضرت ابوبکرؓ سے جب دادی کے حقِ وراثت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے صحابہ سے دریافت کیا، تو اس موقع پر محمد بن مسلمؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا ہے۔ (مؤطا امام مالک ص۳۲۵)

۵۔ اسی طرح جنین کی دیت کے بارے میں حضرت عمرؓ حمل بن مالک کی روایت قبول کر لیتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نہ تو ضحاک بن سفیان سے کہتے ہیں کہ بھائی تم نجد کے رہنے والے ہو، تمہیں ان روایات کا کیا علم اور نہ آپ حمل بن مالک سے فرماتے ہیں کہ تم تہامہ کے باشندے ہو، تم کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا بہت کم موقعہ ملا۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ تمہاری یہ روائتیں مہاجرین اور انصار کے علم میں نہ آئیں اور تمہیں یہ شرف حاصل ہو گیا۔

ایک شخص کی روایت کے بارے میں بھول چوک کا احتمال بھی ہو سکتا ہے، بیان کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کی روایت کو بغیر کسی ردّ و قدح کے قبول فرما لیا۔

زیرِ عنوان حدیث کی مناسبت سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال و آثار کی تفصیل تو کافی حد تک ناظرین کے سامنے آ چکی ہے۔ لگے ہاتھوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا موقف بھی سنت کے بارے میں واضح کر دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ اور حدیثِ نبویؐ : ۶۔ حضرت عثمان کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے، وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ لیکن جب ابوسعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالک نے اپنا واقعہ پیش کیا کہ میرے شوہر کے قتل ہونے پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے شوہر کے مکان پر عدت گزارنے کا حکم دیا، تو حضرت عثمانؓ نے اس حدیث کے مطابق اپنی رائے کو بدل لیا۔ (موطا امام مالکؒ۔ باب مقام المتوفی عنہا زوجہا)

حضرت علیؓ اور سنتِ نبویؐ : ۷۔ حضرت علیؓ کے پاس چند مرتد افراد لائے گئے۔ آپ نے ان کو آگ میں جلا ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حدیث پیش کی کہ :

من بدل دینہ فاقتلوہ یعنی "جو اپنا دین بدل ڈالے، اسے قتل کر دو۔" یہاں قتل کا حکم ہے نہ کہ جلا ڈالنے کا۔ حضرت علیؓ نے یہ حدیث سن کر فرمایا صدق ابن عباس (ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے)۔ (ترمذی ابواب الحدود ص۱۶۹ مجتبائی دہلی)

احادیث جلانے کا واقعہ : حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف یہ بات بھی منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں احادیث کے مجموعے جلا ڈالے تھے لیکن یہ دونوں واقعات سند کے لحاظ سے انتہائی ناقابلِ اعتماد ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ والی روایت میں ایک راوی علی بن صالح مدنی ہے، جس کو محدثین نے مستور الحال قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے احوال و کوائف

معلوم نہیں ہو سکے۔ اس لئے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (تقریب التہذیب)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۵ پر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی سند پر جرح بھی کر دی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انکار سنت کے حامی اس روایت کو تو بڑے زور شور سے نقل کرجاتے ہیں، لیکن مصنف کتاب نے اس پر جو جرح کی ہے، اس کا نام تک نہیں لیتے۔ آخر یہ کونسی دیانت اور کہاں کا انصاف ہے؟

اگر بالفرض اس روایت کو درست بھی مان لیا جائے، تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابوبکرؓ حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری وجہ ہو، جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں مستند روایات میں ملتا ہے:

وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة اذا اختلفتم انتم و زيد بن ثابت في شيئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتى اذا نسخوا الصحف في المصاحف ردّ عثمان الصحف الى حفصة وارسل الى كل افق مصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن في كل صحيفة او مصحف ان يحرق.

حضرت عثمانؓ نے (اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں کو اختلافِ قرأت سے بچانے کے لئے) تین قریشی صحابہ (عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبداللہ بن الحارثؓ) سے فرمایا کہ اگر تمہارے اور زید بن ثابتؓ کے درمیان اختلاف ہو جائے تو قرآن کو قریش کی زبان میں لکھو۔ اس لئے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ قرآن کے اجزاء کو مصاحف میں لکھ چکے تو حضرت عثمانؓ نے اصل قرآنی اجزاء حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھجوا دیئے اور ان کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں میں بھجوا دیں۔ ان کے علاوہ جو مصاحف بچے، ان کے جلانے کا حکم دے دیا۔

(بخاری مصری مع حاشیہ السندی ج ۳۔ ص۲۲۶ باب جمع القرآن)

اس روایت کے مضمون کو منکرین حدیث کے مشہور رہنما حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بیان کیا جاتا ہے کہ مصحف اصلی کی نقل لینے کے بعد حضرت عثمانؓ نے متفرق صحیفوں کو، جو لوگوں کے پاس تھے اور صحیح قرأت کے مطابق نہ تھے جلا ڈالنے کا حکم دے دیا۔ بعض فرقے اس کو حضرت عثمانؓ کے مصائب میں بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان پر تحریق کا الزام لگاتے ہیں لیکن عقل کے نزدیک اگر انہوں نے ایسا کیا، تو ان کا یہ فعل مستحسن تھا، کیونکہ ان اجزاء سے اختلافِ قرأت کا اندیشہ تھا جس سے وہ امت کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لئے ایسی حالت میں جب کہ باتفاق صحابہؓ قرأت صحیحہ کے مطابق قرآن لکھ لیا گیا۔ ان اختلافی مواد کا جلا دینا امت پر بہت بڑا احسان تھا۔"

(تاریخ القرآن ص۶۰)

اس اقتباس میں خط کشیدہ الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ کیا جس طرح قرأت صحیحہ پر صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا اور اس کو منکرین سنت نے بھی حجت تسلیم کیا، تو کیا ٹھیک اسی طرح کا اتفاق سنت کے حجت ماننے پر صحابہ کرام کے درمیان نہیں پایا جاتا؟ کیا اس کی مخالفت میں کسی ایک صحابی کا قول پیش کیا جا سکتا ہے؟ پھر لطف یہ ہے کہ قرآن کی قرأت صحیحہ پر اتفاق کا علم ہمیں کس طرح ہوا۔ اسی روایت در روایت کے ذریعہ جس پر منکرین سنت ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن سعد نے طبقات ج۔ ۵ میں نقل کیا ہے۔

الاحادیث کثرت علی عهد عمرؓ فانشد الناس ان یأتوهُ بها فلما اتوه بها امر بتحریقها

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں احادیث کثرت سے پھیل گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو قسم دے کر کہا وہ احادیث ان کے پاس لائیں۔ جب لوگ ان کے پاس احادیث لے کر پہنچے، تو وہ ان کو جلا ڈالتے۔

یہ واقعہ بھی سند کے لحاظ سے ناقابلِ اعتبار ہے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کے راوی حضرت ابو بکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ قاسم کی ولادت ۳۶ھ میں ہوئی ہے، یعنی حضرت عمرؓ کی شہادت کے تیرہ سال بعد۔ اس روایت کی سند میں ایک کڑی غائب ہے۔ جب تک اس کا علم نہ ہو اور اس کی ثقاہت قابل اعتماد نہ ہو یہ روایت بھی ناقابل قبول ہے۔ اگر کسی درجہ میں اس روایت کو قبول کر بھی لیا جائے، تو بھی حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے اس اقدام کو احتیاط پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ان کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ بے احتیاطی کے ساتھ حدیث رسول بیان کرنے میں بیباک ہو جائیں۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

"اقلوا الروایة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم" یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات کم بیان کرو۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ ج۔ ۱۔ ص۷)

اس قسم کی ضعیف اور ناقابلِ اعتماد روایات و آثار اور بھی ہیں، جن کو پیش کر کے عام طور پر منکرینِ سنت کی طرف سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر عرض کی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

اس حدیث زیرِ عنوان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت کا حکم عارضی تھا۔ اس روایت سے غیر قرآن لکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ واقعہ آپ کی زندگی کے آخری دور میں پیش آیا۔ اس لئے علماءِ امت کے نزدیک اس کو سابقہ ممانعت کا ناسخ قرار دیا گیا ہے۔ فللہ الحمد

حدیثوں کی جمع و تدوین

ضیاء الدین اصلاحی

حدیثوں کے معتبر و مستند ہونے کا ایک بڑا ثبوت وہ سعی و کاوش اور اہتمام بلیغ ہے، جو ان کے نقل و روایت میں پیش نظر رہا ہے۔ ذیل میں اس پہلو کی وضاحت کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے رہنما اور قائد ہیں، اور وہ آپؐ کی اتباع و اطاعت کو عین دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضؓ کی زندگی میں آپؐ کی اطاعت و پیروی سے ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ اس لیے جب وہ اپنی گذشتہ زندگی کا اس موجودہ زندگی سے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی، مقابلہ کرتے، تو خدا کا شکر بجالاتے۔ خدا نے بھی اپنے اس احسان و انعام کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولاً من أنفسهم يتلوا عليهم آيته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين (آل عمران ۱۶۴)

اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا، جب ان میں ان ہی کے اندر سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے

دوسری جگہ فرمایا:

واذكروا نعمة الله عليكم إن كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها۔ (آل عمران)

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے، لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا۔

اس لیے وہ کامل ذوق و شوق اور پوری توجہ و کاوش سے دین کو سیکھتے اور رسولؐ کی ہر بات معلوم کرتے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کو عزت و وقار کی زندگی اسی سے ملی ہے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ دین اس سانچے اور رنگ میں ڈھل اور رنگ جانے کا نام ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھالنا اور رنگنا چاہتے تھے۔

ایک طرف صحابۂ کرام رضؓ کے یہ احساسات کہ دین ہی کی بدولت ان کو ہدایت و سعادت ملی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مذہبی قائد و رہنما ہیں، اس لیے فطری طور پر ان میں آپؐ کی ہر ہر بات معلوم کرنے کی خواہش تھی۔ دوسری طرف قرآن اور حدیث نے دین سیکھنے کی ترغیب اور احکام و مسائل دین کی تحصیل کو ضروری قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وما كان المؤمنون لينفروا كافةً فلولا نفر من

سارے مسلمانوں کے لیے کوچ کرنا ممکن نہیں، تو کیوں نہ ہر فرقہ کا ایک

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون	(کیوں نہ نکلا) ہر فرقے میں سے ایک حصہ نکلے، تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور تاکہ خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب وہ لوٹ کے آئیں، اُن کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں۔

(توبہ ۱۲۳)

اس آیت میں اعراب کو جو مدینہ سے دور دیہاتوں میں رہتے تھے، ہدایت دی گئی ہے کہ اگر سارے لوگ دربارِ نبوی میں جا کر دینی بصیرت نہیں حاصل کر سکتے، تو ہر طبقہ و جماعت سے کچھ افراد اور لوگوں کو تو ضرور ہی اس کام کے لیے مدینہ جانا چاہیے، تاکہ جب وہ وہاں سے واپس ہوں تو اپنی پوری بستی اور جماعت کے لوگوں کو رسولؐ کی باتوں سے واقف کرا دیں۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو نہایت غنیمت جانتے تھے۔ اور آپؐ سے سب کچھ جان اور سیکھ لینا چاہتے تھے۔ ہر شخص کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت آپ کی خدمت میں گزارے تاکہ دین کو حاصل کر سکے۔ معاش اور اہل و عیال کی ضرورتیں اگر اس راہ میں رکاوٹ بنتیں، تو وہ بقدرِ استطاعت اس کے لیے قربانی دیتے۔ دو آدمیوں کی باری بن جاتی کہ ایک دن ایک آدمی دربارِ نبویؐ میں جائے اور دوسرا اپنی روزی کا انتظام کرے اور دوسرے دن دوسرا جائے اور پہلا بال بچوں کے لیے کمائے۔ تاکہ ہر ایک کو وہ ساری باتیں، جو آپؐ کے یہاں ہوتی ہیں، معلوم ہو جائیں اور بال بچوں کے گزر بسر کا بھی سامان ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ اور اُن کے ایک پڑوسی کا ایسا ہی واقعہ مذکور ہے۔

یہ تو دین و شریعت معلوم کرنے میں ان کے جوش و سرگرمی کا حال تھا۔ لیکن وہ جس سرگرمی سے دین سیکھتے تھے، اسی مستعدی سے دوسروں کو سکھلاتے اور بتاتے بھی تھے اور اسے اپنا فریضہ مذہبی سمجھتے تھے۔

احادیث میں بھی علمِ دین کی نشر و اشاعت کی تلقین کی گئی ہے، فرمایا:

نضر الله امرأ سمع منا شيئاً فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى من سامع	اللہ اس شخص کو شاداب کرے، جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور اسے ویسے ہی دوسروں تک پہنچا دیا۔ جیسے اس نے سُنی تھی۔ بعض لوگ جن تک کوئی بات پہنچائی جاتی ہے، وہ سُننے والے سے زیادہ محفوظ رکھتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے بار بار تاکید فرمایا کہ جو باتیں میں تم کو بتلا رہا ہوں، وہ دوسرے لوگوں کو بھی ذمہ داری کے ساتھ بتا دینا۔

فليبلغ الشاهد الغائب۔	موجود غیر موجود تک (میرے احکام) پہنچا دے۔

ان احکام و تعلیمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابۂ کرامؓ جو کچھ جانتے تھے، اسے دوسروں تک پہنچاتے تھے اور یہی ذوق و جذبہ اُن کے بعد تابعین، تبع تابعین اور آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتا رہا۔

یہ ذوق و جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اگر کوئی بزرگ کسی روایت کے متعلق یہ سن لیتے کہ فلاں مقام پر فلاں بزرگ سے معلوم ہو سکتی ہے، تو وہ سخت مشقت جھیل کر سفر کرتے اور اسے معلوم کر کے ہی چین لیتے۔ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں اس قدر غیر معمولی جد و جہد کی ہے کہ آنحضورؐ کی سیرت مبارکہ اور حیاتِ طیبہ کا کوئی گوشہ اور پہلو مخفی نہ رہنے دیا۔ اس سلسلے میں ان کو بڑی آسانی اس سبب سے رہی کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اُن ہی کے ساتھ آپؐ کا کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا سب کچھ ہوتا تھا۔ لوگ آپ کی خلوت و جلوت ہر ایک میں شریک ہوتے تھے۔ آپؐ کی حیثیت بادشاہوں اور بڑے آدمیوں جیسی نہ تھی، جو اپنے کو بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں اور جنہیں لوگوں سے ملنا جُلنا بھی گوارا نہیں ہوتا، بلکہ آپؐ سب کو اللہ تعالیٰ کا پیغام بتلاتے اور سکھلاتے تھے۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ کوئی بیمار ہوتا، تو اس کے گھر جا کر اس کی عیادت کرتے۔ جنازوں میں شریک ہوتے اور ہر شخص کے معاملات اور جھگڑوں کا تصفیہ کرتے۔ اس طرح آپؐ کی زندگی ایک کھُلی ہوئی کتاب تھی۔ جسے ہر شخص پڑھتا اور دیکھتا تھا اور بقدرِ حوصلہ ظرف اس سے استفادہ کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک خاص قابلِ لحاظ بات یہ بھی ہے کہ عربوں کا حافظہ نہایت قوی تھا، اس لیے وہ جو بات بھی سنتے تھے، اسے محفوظ کر لیتے تھے۔ سینکڑوں طویل قصائد اور ہزاروں اشعار ان کی زبان پر رہتے تھے۔ قدیم وقائع و ایّام کے متعلق اُن کے سینوں میں جو کچھ ازبر اور محفوظ تھا بمشکل سفینوں میں وہ محفوظ رہ سکتا تھا۔ اپنا، اپنے قبیلہ کا اور دوسروں کے پُشتہا پُشت بلکہ اصیل گھوڑوں تک کے نسب نامے اُن کے حافظہ میں ہوتے تھے، اور فطرت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جس قوت سے جس درجہ زیادہ کام لیا جائے، اُسے اسی قدر زیادہ ترقی ہوتی ہے، اور جب اُن کے حافظہ کا یہ عالم رہا ہو، تو پھر نبیؐ کے اعمال و اشغال جنہیں وہ اپنا دین و ایمان اور جن کی تحصیل کو وہ دین و دُنیا دونوں کی سعادت و برکت کا ذریعہ سمجھتے تھے، کیوں نہ پوری مستعدی اور ذمہ داری سے محفوظ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثیں محفوظ اور اس درجہ مستند شکل میں آج موجود ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ کے حافظہ نے وہ کام کیا جو تحریری یادداشتیں بھی نہیں کر سکتی تھیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں حدیثوں کی تحریر و کتابت سے جو منع کیا تھا، اس کی وجہ علاوہ قرآن میں التباس و اختلاط کے یہ بھی تھی کہ یہ چیز ان کی ذہانت اور حافظہ پر اثر انداز ہوتی ہے، تاہم یہ ممانعت آخر میں ختم ہو گئی تھی اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے احکام و ہدایات نقل بھی کر لیے تھے۔ کیونکہ انہیں اپنی یادداشت پر زیادہ اعتماد نہ تھا۔

اُن وجوہ و اسباب کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیثوں کی نشر و اشاعت میں صحابہ کرامؓ نے پورے شوق، دلچسپی اور توجہ سے حصّہ لیا اور اُن کے حافظہ نے اس شوق کے لیے مہمیز کا کام کیا، اس درجہ کامل انہماک و اشغال کے بعد یہ ناممکن ہے کہ آنحضورؐ کے اعمال و اشغال کا معتدبہ حصّہ محفوظ ہونے سے رہ گیا ہو۔

ایک طرف اگر اس درجہ جوش و ولولہ تھا کہ رسولؐ اللہ کی کوئی بات مخفی نہ رہ جائے اور جو کچھ بھی آپؐ نے فرمایا ہے، اُسے جان لیا جائے اور دوسروں کو بھی بتا دیا جائے، تو دوسری طرف ہوش سے بھی کام لیا گیا۔ یعنی یہ بات ہمیشہ مدِّنظر رکھی گئی کہ جو کچھ بھی آپؐ سے بیان کیا جائے، وہ پورے وثوق و احتیاط اور کامل اطمینان کے بعد ہی بیان کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ جوشِ عقیدت میں سرشار ضرور تھے، لیکن اس جوش نے غلط و صحیح میں امتیاز کی قوت و صلاحیت کو ختم نہیں کر دیا تھا کہ غلط سلط سب کچھ وہ نقل و بیان کر دیتے۔ اس احتیاط کا اندازہ درج ذیل باتوں سے کیا جا سکتا ہے۔

قرآن و حدیث نے جس طرح کتمانِ علم کی مذمت کی ہے، اسی طرح روایتِ حدیث میں تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ — مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے، تو تم اچھی طرح

بنباءٍ فتبینوا (حجرات ۵) تحقیق کرلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف مواقع پر اس سلسلہ میں نہایت ضروری ہدایات دیں۔ اس قسم کی چند روایتیں مسلم شریف کے مقدمہ سے نقل کی جاتی ہیں:۔

حضرت ابوہریرہ رض، جو مخالفین حدیث کے طبقہ میں کثرتِ روایت کی وجہ سے خاص طور پر مطعون ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ — جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ گھڑا، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنائے۔

انہی سے ایک اور روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:

کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکلِ ما سمع۔ — آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو کچھ بھی سنے، اسے وہ (بے تحقیق) بیان کرنے لگے۔

حضرت علی رض اپنے خطبوں میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔

لاتکذبوا علیّ فانّہ من یکذب علیّ یلج النار۔ — مجھ پر جھوٹ مت گھڑو، کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ گھڑے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین۔ — جس نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی، جسے وہ جھوٹ سمجھ رہا ہے تو ایسا شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

غور فرمائیے کہ صحابہ کرام، جن کا مقصد زندگی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال اور طرز ادا کی تقلید تھا اور جنہوں نے پورے ذوق و شوق اور مستعدی سے آپؐ کے اقوال و اعمال اس لیے سیکھے اور رکھائے ہوں کہ آپؐ کے سانچے میں تو دڈھلیں اور دوسروں کو ڈھال دیں، کیا یہ غلط سلط روایتیں بیان کرسکتے تھے۔ غلط سلط روایتیں بیان کرنا یوں ہی کیا کم قابل مذمت فعل ہے لیکن جب معاملہ دین کا ہو اور غلط سلط روایتیں بیان کرنے پر ایسی سخت اور شدید وعیدیں بھی ہوں، تو اس کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی کہاں رہ جاتا ہے۔

اب صحابہ رض کی احتیاط پسندی کی مختصر کیفیت بیان کی جاتی ہے۔

بعض صحابہ کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تکثیر روایت کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اس کا یہ سبب ہرگز نہ تھا کہ وہ حدیثوں کو معتبر نہیں خیال کرتے تھے، بلکہ اس لیے کہ آپؐ کی جانب کوئی غلط بات نہ منسوب ہو جائے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ، جو کثیر الروایت ہیں، حضرت عمر رض کے زمانہ میں اس قدر آزادی سے حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ وہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک دنیا میں رہے۔ ان کے سامنے متعدد واقعات پیش آتے رہے۔ اُن کا خود بیان ہے کہ: "اگر قرآن مجید میں دو آیتیں اِنّ الذین یکتمون ما انزلنا الیٰ قولہٖ انا التواب الرحیم۔ نہ ہوتیں، تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ ہمارے

مہاجر بھائی بازاروں میں اپنی روزی روزگار میں لگے رہتے تھے اور انصار اپنی کھیتوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے اور میں برابر خدمتِ نبویؐ میں حاضر اور آپ کے ارشادات سنتا رہتا تھا۔"

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اپنے والد حضرت زبیرؓ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ فلاں فلاں بزرگوں کی طرح روایتیں کیوں نہیں بیان کرتے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ مجھے آپؐ کی صحبت میں رہنے کا ضرور موقعہ ملا ہے، لیکن میں نے آپؐ سے سنا ہے۔ من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار ——— حضرت زید بن ارقمؓ سے حدیثیں بیان کرنے کے لئے کہا گیا تو ارشاد فرمایا کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہمارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنے کا معاملہ نہایت اہم ہے۔

سائب بن زید فرماتے ہیں کہ میں سعد بن مالک کے ساتھ مدینہ سے مکہ گیا لیکن میں نے ان سے کوئی حدیث نہ سنی۔

شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک برس تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں رہا لیکن اُن کو آنحضرتؐ کی طرف کوئی بات منسوب کر کے بیان کرتے ہوئے نہ سنا۔

حضرت انس بن مالکؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بیان کرتے تو اس خوف سے کہ آپؐ کی جانب کوئی غلط بات منسوب ہو جائے اوکما قال بھی کہہ دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آنحضورؐ کے متعلق جب کوئی بات بیان کرتے تھے، تو کانپ اُٹھتے اور لرز جاتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ یہ یا اسی طرح کی بات آپؐ نے بیان کی ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط پسندی تو مشہور ہی ہے۔ وہ بسا اوقات ایک شخص سے کوئی روایت سنتے تھے، تو مزید اطمینان کے لئے کسی اور شخص کو بھی ثبوت و شہادت کے لئے طلب کرتے تاکہ وہ بھی اس روایت کی تائید کر دے۔

حضرت علیؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ روایت بیان کرنے والے سے قسم لے کر اطمینان حاصل کرتے تھے۔

جرح و تعدیل کا اصطلاحی فن گو محدثین کی ایجاد ہے، لیکن عہدِ صحابہؓ ہی میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی اور وہ باقاعدہ روایتوں اور راویوں پر نقد کرتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہؓ سے جب رویتِ الٰہی کے متعلق روایتیں بیان کی گئیں تو انہیں ان کے قبول میں تامل ہوا اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی: لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت کو کہ مردہ پر اگر نوحہ کیا جائے تو اسے قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر رد فرمایا کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ "من حمل جنازۃ فلیتوضاء" جس نے جنازہ اٹھایا اسے وضو کر لینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ خشک لکڑیوں کے چھونے یا اٹھانے سے وضو لازمی نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے پکی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تب تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازمی ہے۔" حضرت ابوہریرہ نے کہا: "بھتیجے جب تم آنحضورؐ کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو۔"

ام المومنین حضرت عائشہؓ تو راویوں کے حفظ و ضبط کا امتحان بھی لیتی رہتی تھیں۔ چنانچہ اپنے بھتیجے حضرت عروہ بن زبیر سے ایک مرتبہ کہا کہ ہمارے اس سفر حج میں عبداللہ بن عمر بھی شریک ہیں۔ اُن کے پاس علم حدیث کا وسیع ذخیرہ ہے اس لئے ان کی ملاقات کر کے کچھ روایتیں سنو۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا کیا اور منجملہ متعدد روایات کے اُنہوں نے عبداللہ بن عمر سے یہ حدیث بھی سنی کہ: اِنّ اللّٰہ لا ینزع العلم من الناس انتزاعا ولکن یقبض العلماء فیرفع العلم معھم ویبقی فی الناس رؤس جھال یفتونھم بغیر علم فیضلون ویُضلون۔ حضرت عروہ نے جب اس روایت کا ام المومنین سے ذکر کیا تو اُنہوں نے ناگواری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ کیا اُنہوں نے تم سے ایسے بیان کیا اور یہ کہا ہے کہ اُنہوں نے اس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ عروہ نے اثبات میں جواب دیا۔ دوسرے سال پھر حج کے موقع پر حضرت عائشہؓ نے عروہ سے کہا' ابن عمر کے پاس جا کر پھر علم والی حدیث معلوم کرو۔ چنانچہ حضرت ابن عمر نے اسے بعینہٖ اسی طرح بیان کیا۔ جس طرح گزشتہ سال بیان کیا تھا تو ام المومنین نے فرمایا کہ بے شک ابن عمر صحیح بیان کرتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے روایت میں کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے۔

صحابہ کرام کے زمانہ سے یہ احتیاط بھی چلی آ رہی ہے کہ جن روایتوں کے عام لوگ متحمل نہ ہو سکیں اور وہ ان کی فہم سے بالاتر ہوں' اُنہیں نہ بیان کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی ایک مشہور واقعہ ہے' جس کو امام بخاری نے کتاب العلم میں نقل کیا ہے' حضرت معاذ بن جبلؓ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ صدق قلب سے اگر کسی نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تو اللہ تعالےٰ اس پر جہنم کو حرام قرار دے گا۔ حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میں یہ بشارت لوگوں کو بھی سُنا دوں؟' آپ نے فرمایا: نہیں! ایسا نہ کرو۔ ورنہ لوگ اسی پر اکتفا کریں گے حضرت معاذ نے اپنی وفات کے وقت یہ روایت اس لئے بیان کی کہ وہ کتمان علم کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔

اسی طرح کی ایک روایت امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جب آنحضورؐ سے یہ بشارت سنی کہ من قال لآ اِلٰہ الا اللہ صدقا من قلبہ دخل الجنۃ تو اس کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو اُنہیں زدو [illegible] اور آنحضورؐ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ کیا آپؐ نے ابوہریرہؓ سے اس طرح کی بات کہی ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں۔ حضرت [illegible] نے کہا کہ ایسا نہ کیجئے' اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر تکیہ کریں اور عمل سے باز آ جائیں' اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ وہ عمل کرتے رہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم کسی جماعت سے اگر ایسی بات کی روایت کرو گے جو اس کی عقل و فہم سے ماوراء اور بالاتر ہو تو وہ اس کے لئے باعث فتنہ ہو گی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ مَیں نے رسُول کریمؐ سے دو طرح کی باتیں سیکھی ہیں۔ ایک طرح کی باتیں تو میں نے لوگوں سے بیان کر دیں۔ لیکن اگر دوسری قسم کی باتیں بھی ان سے بیان کر دوں تو یہ گردن کٹ جائے گی۔

اس قسم کی روایتیں بیان کرنے میں متعدد مفسدے ہو سکتے ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ چونکہ اس نوعیت کی احادیث لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتی ہیں' اس لئے وہ راوی ہی کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہیں جس سے ثقہ و ضابط لوگوں کی ثقاہت و ضبط پر اثر پڑتا ہے اس لئے ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سُنے اُسے بیان بھی کر دے۔

دوسرے ان روایتوں کا کچھ سے کچھ مطلب نکال کر لوگ احکام شریع کے تارک و مخالف ہو جائیں گے۔

تیسرے لوگوں کو دین کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور وہ خدا اور رسولؐ کی تکذیب و تردید پر آمادہ ہوں گے۔ اسی لئے حضرت علیؓ اور عبداللہ ابنِ عباسؓ سے منقول ہے۔

حدثوا الناس بما یعرفون اترید ون ان یکذب اللہ و رسولہ

لوگوں کو وہی باتیں بیان کرو، جن کو وہ جانتے ہوں۔ (جو ان کی فہم سے ماوراء اور جو ان کے نزدیک مستبعد نہ ہو) کیا تم پسند کرتے ہو کہ لوگوں کی سمجھ سے بالاتر روایتیں بیان کرنے کی وجہ سے خدا اور رسول کی تکذیب کی جائے۔

غرضیکہ صحابہ کرام نے احادیث کے نقل و روایت میں نہ تو کسی طرح کی کوئی کوتاہی کی اور نہ اُن کی صحت کی چھان بین اور احتیاط میں کوئی دقیقہ فروگذاشت رکھا۔

ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، فقہاء، محدثین اور علمائے اسلام نے بھی روایات کے نقل کرنے میں اسی طرح کا وش، دسعی اور تحقیق و احتیاط سے کام لیا ہے اور یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے حدیثوں کے ضبط و روایت میں جس قدر تحقیق و کاوش، چھان بین اور احتیاط سے کام لیا ہے، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ سید سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں:-

"اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبرؐ کی اور نہ صرف پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی، جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ عالم کے لئے مایہ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں۔ جب تمام سرمایہ روایت، تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قید تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ اقوال کا نام اسماء الرجال ہے۔" (خطبات مدراس طبع سوم ۳۴)

علامہ شبلی دوسری قوموں اور مسلمانوں کے اصولِ سیرت اور تحریر واقعات کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اس قسم (زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے) کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فنِ سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا، کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بترتیب بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے۔ کون لوگ تھے ہ کیسے تھے؟ اُن کے کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتا

روایات مشکل بلکہ تقریبًا ناممکن تھا۔ سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کر دیں۔ ایک ایک شہر میں گئے۔ راویوں سے ملے ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں۔ جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے۔ ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہ کی۔ بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاق سُراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی۔"

(سیرت النبیؐ جلد اوّل ص ۳۸، ۳۹۔ طبع چہارم)

پھر یہ نہیں کہ راویان حدیث کے متعلق ہی اس قدر چھان بین کی گئی۔ بلکہ نفس روایت کی تحقیق و صحت کے لیے بھی جس حد تک احتیاط و تحقیق ممکن تھی، وہ سب کی گئی۔ مثلاً روایت کے متن کو پرکھا گیا۔ اس کے متعلق صحیح، حسن، ضعیف، متصل، مرسل، مرفوع، منقطع، منفصل، مقلوب، مشہور، غریب، متواتر، آحاد، افراد، معروف، شاذ، منکر، معلل، موضوع، مدرج، ناسخ، منسوخ، خاص، عام، مجمل، مبین اور دوسرے مختلف و متعدد انواع کی معلومات حاصل کی گئیں اور یہی امور علم حدیث کا اصل موضوع ہیں، علامہ نووی فرماتے ہیں۔

ان المراد من علم الحدیث تحقیق معانی المتون وتحقیق علم الاسناد والمعلل- والعلۃ عبارۃ عن معنی فی الحدیث خفی یقتضی ضعف الحدیث مع ان ظاہرہ السلامۃ منھا وتکون العلۃ تارۃ فی المتن وتارۃ فی الاسناد ولیس المراد عن ھذا العلم مجرد السماع ولا الاسماع ولا الکتابۃ بل الاعتناء بتحقیقہ والبحث من خفی معانی المتون والاسانید والفکر فی ذالک ودوام الاعتناء بہ ومراجعۃ اھل المعرفۃ بہ ومطالعۃ کتب اھل التحقیق فیہ و تقیید ما حصل من نفائسہ وغیرھا فیحفظھا الطالب بقلبہ ویقیدھا بالکتابۃ ثم یدیم مطالعۃ ماکتبہ ویتحری التحقیق فیھما یکتبہ ویتثبت فیہ فانہ فیما بعد ذالک یصیر معتمدا علیہ ویذاکر بمحفوظاتہ من ذلک من یشتغل بھذا الفن سواء کان مثلہ فی المرتبۃ او فوقہ او تحتہ فان بالمذاکرۃ یثبت المحفوظ ویتحرر ویتاکد ویتقرر ویزداد بحسب کثرۃ

علم حدیث کا مقصد معانی متون، علم اسناد اور معلل کی تحقیق ہے۔ حدیث کے اندر علت اس معنی خفی کو کہتے ہیں، جو اس کے ضعف کے متقاضی ہو، لیکن بظاہر حدیث اس عیب سے پاک معلوم ہوتی ہو۔ یہ علت کبھی متن میں اور کبھی اسناد کے اندر ہوتی ہے۔ علم حدیث کا مقصد محض سننا سنانا اور کتابت نہیں بلکہ تحقیق حدیث میں اعتناء، متون و اسانید میں بحث و تفتیش، اس میں غور و فکر اور ہمیشہ اس کی جانب توجہ و انہماک اور اس فن کے واقف کاروں سے مراجعت، ماہرین و محققین فن کی کتابوں کے مطالعہ اور اس کا عمدہ انتخاب کرنا وغیرہ سب علم حدیث کے مقصود میں داخل ہے تاکہ طالب حدیث اسے یاد کرے اور قید تحریر میں لائے۔ نیز جو کچھ اس نے لکھا اس کا بار بار مطالعہ اور اس میں غور و فکر اور تحقیق و جستجو کرے کیونکہ اس کے بعد وہ خود معتمد و مرجع بنے گا۔ طالب حدیث کا یہ بھی کام ہے کہ اس فن میں اشتغال رکھنے والوں سے اپنے محفوظات کے متعلق مذاکرہ کرے۔ خواہ اس طرح کے لوگ اس کے ہمسر ہوں یا بلند تر اور کمتر ہوں۔ کیونکہ مذاکرہ سے اس کی یاد کی ہوئی چیز اور زیادہ ثاقب و پختہ ہو گی اور کثرت مذاکرہ سے اس کے علم میں خود بھی اضافہ ہو گا اور کسی حاذق و ماہر سے ایک گھنٹہ کا مذاکرہ کئی گھنٹوں بلکہ کئی دنوں کے مطالعہ و حفظ سے

...ذاكرة و مذاكرة حاذق فى الفن ساعة انفع من المطالعة والحفظ ساعات بل اياما وليكن فى مذاكرته متحريا الانصاف قاصد الاستفادة او الافادة غير مترفع على صاحبه بقلبه ولا بكلام ولا بغير ذلك من حاله مخاطباله بالعبارة الجميلة اللينة فبهذا ينمو علمه وتزكو محفوظاته والله اعلم۔

زیادہ مفید ہے لیکن مذاکرہ میں انصاف، استفادہ یا افادہ کا ... ہونا چاہیے اور افادہ کی صورت میں جس سے مذاکرہ کیا جائے۔ اس پر اپنی برتری اور ترفع کا اظہار نہیں کرنا چاہیے، نہ دل سے، نہ بات سے اور نہ کسی اور ادا سے بلکہ نہایت نرم وخوبصورت انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اس طرح سے اس کے علم میں اضافہ اور یادداشتوں میں زیادتی ہوگی۔

شرح نووی برحاشیہ مسلم۔ جلد اول صفحہ ۴۷، ۴۸
مطبع مصریہ ازہر سنہ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء

امام مسلم بھی اس کے متعلق نہایت اہم اور قابل غور حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں؛

واعلم وفقك الله تعالى ان الواجب على كل احد عرف التمييز بين صحيح الروايات وسقيمها و ثقات الناقلين لها من المتهمين ان لا يروى منها الا ما عرف صحة مخارجه والستارة فى ناقليه وان يتقى منها ما كان منها عن اهل التهم والمعاندين من اهل البدع والدليل على ان الذى قلنا من هذا هو اللازم دون ما خالفه قول الله جل ذكره (يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ) وقال جل ثناءه (ممن ترضون من الشهداء) وقال عز وجل (واشهدوا ذوى عدل منكم) فدل بما ذكرنا من هذه الآى ان خبر الفاسق ساقط غير مقبول وان شهادة غير العدل مردودة والخبر وان فارق معناه معنى الشهادة فى بعض الوجوه فقد يجتمعان فى اعظم معانيهما اذ كان خبر الفاسق غير مقبول عند اهل العلم كما ان شهادته مردودة

جس شخص کو صحیح وسقیم روایات اور ثقہ ومتہم راویوں کی تمیز اور پرکھ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف ایسی روایتیں بیان کرے، جن کے صحت مخارج اور ناقلین کی ثقاہت کے متعلق اسے واقفیت ہو اور ان روایتوں کے نقل وبیان سے احتراز کرنا چاہیے جو متہم اور اہل بدع معاندین سے مروی ہوں۔ اس بات کے لازمی اور ضروری ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد:۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ

(اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح تحقیق کر لو ورنہ کہیں نادانی سے کسی قوم پر جا پڑو۔ اور پھر اپنے کیے پر پچھتانے لگو) نیز خدا نے فرمایا ممن ترضون من الشهداء (ان لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو گواہوں میں) اور یہ بھی فرمایا کہ "واشهدوا ذوى عدل منكم" (اور گواہ بناؤ اپنے اندر سے دو معتبر شخصوں کو) ان آیتوں سے ثابت ہو گیا کہ فاسق کی خبر ساقط اور غیر مقبول ہے اور غیر عادل شخص کی شہادت مردود ہے شہادت اور خبر کے مفہوم میں گو بعض اعتبار سے فرق ضرور ہے لیکن اہم اور عظیم مفہوم میں دونوں یکساں ہیں۔ اس لئے کہ جس طرح

عند جميعهم ودلت السنة على نفي رواية المنكر من الأخبار كنحو دلالة القرآن على نفي خبر الفاسق وهو الاثر المشهور عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

فاسق کی خبر تمام اہل علم کے نزدیک غیر مقبول ہوتی ہے اسی طرح اس کی شہادت بھی سب کے نزدیک قابلِ رد ہے اور حدیث و سنت سے منکر روایت کا عدم قبول و نفی اسی طرح ثابت ہے، جس طرح قرآن مجید سے خبر فاسق کا عدم قبول ثابت ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور روایت ہے کہ:۔ من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین، جس نے مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کو وہ جانتا تھا کہ یہ غلط اور جھوٹی ہے، تو وہ بھی ایک جھوٹا (مسلم صفحہ ۶ ج ۱ مطبع مصریہ ازہریہ ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء)

من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين -

احادیث کے متعلق اس درجہ احتیاط سے کام لیا گیا کہ محدثین نے کتب حدیث کے جو مجموعے مرتب و مدون کئے اور جو اس زمانہ میں متداول ہیں وہ بار بار کی حک و اصلاح اور انتخاب کا نتیجہ ہیں۔ امام احمد اپنی مسند کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا الكتاب جمعته وانتقيته من اكثر من سبعمائة الف حديث وخمسين الفا (الحديث والمحدثون ص ۳۷۱)

یہ مجموعہ میں نے سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں سے منتخب کیا ہے

امام بخاری کی صحیح میں مکررات کو شامل کر کے سات ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں ہیں لیکن علماء کا بیان ہے۔

انه اختارها وصحت عنده من ستمائة الف حديث كانت متداولة في عصره (فجر الاسلام ص ۲۵۳)

اس کو انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا جو خود ان کے نزدیک صحیح اور اس زمانہ میں متداول تھیں۔

امام ابوداؤد نے ۵ لاکھ حدیثوں سے صرف ۴ ہزار آٹھ سو منتخب حدیثیں اپنی سنن میں شامل کیں

امام نسائی نے پہلے سنن کبریٰ مرتب کی تھی، لیکن پھر اس میں انتخاب سے کام لے کر سنن صغریٰ الموسوم بہ المجتبیٰ مرتب کی۔

امام ترمذی نے اپنی جامع کے متعلق جب پورا اطمینان کر لیا اور عام علماء نے اس کی توثیق و تحسین کر دی، تب اسے منظر عام پر لائے۔

عرضت هذا الكتاب على علماء الحجاز والعراق وخراسان فرضوا به واستحسنوه (الحطہ ص ۱۰۳)

میں نے اس کتاب کو حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے اس پر رضامندی اور پسندیدگی کا اظہار کیا

یہی حال حدیث کی دوسری کتابوں کا بھی ہے اس موقع پر یہ نکتہ چینی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ائمہ فن نے جن حدیثوں کو نظر انداز کر دیا اور انہیں اپنی کتابوں میں شامل نہیں کیا وہ سب غلط نہ تھیں بلکہ ان کے خاص معیار و اصول اور سخت شرائط پر وہ پوری نہیں اترتی تھیں۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حدیثوں کی روایت اور تحریر میں جس طرح جوش و خروش اور غیر معمولی سرگرمیوں سے کام لیا گیا اور اس کی کوشش کی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر حدیث ضبط تحریر میں آ جائے اور آپ کا کوئی فعل و عمل عام نگاہوں سے مستور نہ رہ جائے اسی طرح ان کے نقل و بیان میں مکمل ہوش و احتیاط کو بھی پیش نظر رکھا گیا اور اس بات کی سعی و کاوش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کوئی غلط اور جھوٹی بات منسوب نہ ہو جائے۔

کیا اس قدر سعی و کاوش اور انتہائی احتیاط و ضبط کے بعد بھی حدیثوں کو ناقابلِ تسلیم و حجت اور غیر مستند کہنے کے لیے کوئی گنجائش اور وجہ جواز باقی رہ جاتی ہے۔

یہ بات اگر کہی جائے تو کچھ قرینِ قیاس بھی ہے کہ یہ تمام کاوش و احتیاط انسان کی ہے اور انسانی کاوش و احتیاط میں غلطیوں کا امکان ہوتا ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس امکان کی بھی تو ایک حد ہو گی۔ ایسا تو نا ممکن ہے کہ ساری کاوشیں لا حاصل اور تمام کوششیں ہی بے سود ہوں اور جملہ احتیاط کے بعد بھی سارا ذخیرۂ احادیث باطل اور دفتر بے معنی رہے۔

غالباً اسی امکان کی بنا پر علماء نے اخبار آحاد کو موجب علم و یقین کہنے میں تامل اور احتراز کیا ہے اور اسی بنا پر نقلی حیثیت سے متعدد حدیثوں کی قطعیت اور صحت پر خود محدثین و فقہا کے زمانے میں کافی بحث ہو چکی ہے اور عقلی پہلو سے بھی بعض احادیث پر اعتراضات کیے گئے ہیں قرآن مجید کو بھی احادیث کی صحت کا معیار قرار دیا گیا ہے اور جو حدیثیں اس کے مخالف نظر آئی ہیں، ان کو خود صحابہ نے بھی ناقابلِ تسلیم قرار دیا ہے لیکن بایں ہمہ اصولی حیثیت سے اتنا سب نے تسلیم کیا ہے کہ حدیث ایک حجت شرعی اور اس کا ایک معتدبہ حصہ عقلی و نقلی اعتراضات سے محفوظ ہے باقی حدیثوں کو سرے سے لائقِ اعتبار و قابلِ تسلیم و حجت نہ سمجھنا تو ہمارے زمانے کے بعض ذہین اور جدت و اختراع پسند لوگوں کا کام ہے اور ان لوگوں کا سب سے بڑا سہارا محدثین کا وہ اصول ہے کہ حدیثیں اگر قرآن و عقل صریح کے خلاف ہوں تو ناقابلِ قبول ہیں، لیکن قرآن سے ان لوگوں کی واقفیت کا حال بڑا ہی دردناک ہے اپنی طبیعت و مزاج سے، یہ اس کی جیسی غلط سلط تعبیریں چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اور ان تاویلات باردہ اور دور از کار تعبیروں کو بنیاد بنا کر حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں۔ اقبال نے ایسے ہی "متجددین" کے متعلق کہا تھا۔

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر

چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

رہا عقل کا معاملہ تو اس کا ہرگز یہ معاملہ نہیں ہے کہ عقل عمومی کے بجائے محض انفرادی عقول کو معیار بنا لیا جائے کسی حدیث کے کسی خاص انسان کی عقل کے نزدیک خلاف عقل ہونے اور واقعتہً خلاف ہونے میں بڑا فرق ہے۔ پھر ان حضرات کے نزدیک وہی عقل قابلِ معیار ہے جسے یورپ نے پیش کیا ہے لیکن اپنی گرہ کی عقل، اپنے مذاق، اپنی روایات اور اپنی خصوصیات کو سامنے رکھنا تو ان کے نزدیک رجعت پسندی اور بے عقلی ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی فکر و نظر کا کوئی فساد اور بگاڑ ہو سکتا ہے کہ اختراع و اکتشاف پسندی کے مدعی لوگ یورپ کی اندھی تقلید کو تو اپنے لیے قابلِ فخر تصور کرتے ہیں لیکن اس ذات گرامی کی اتباع و تقلید نہ تو خود کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ جس کی آمد سے دنیا سے ظلمت و جہالت کی بنیادیں ڈھے گئیں غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ آج کل مذہب کے خلاف اس کی اصلاح کے پردہ میں جو آوازیں بلند کی جا رہی ہیں، وہ سب یورپ ہی کی صدائے باز گشت ہیں اور اس میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ دینی حدود و قیود سے آزادی حاصل کی جائے اور یورپ کی غلامی و تقلید کے مضبوط بندھنوں میں اپنے کو جکڑ دیا جائے اور لطف و حیرت کی بات یہ ہے کہ اس اندھی تقلید و غلامی کو آزادی فکر و اجتہاد کا نام دیا جاتا ہے۔

صدر اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین

از محمد عجاج الخطیب ، ترجمہ: احمد خان ایم اے

ہم یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے جیسے عبداللہ بن عمرو الانصاری جو حدیث کو یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی اجازت کے تحت کچھ احادیث لکھ رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ اور صحابہؓ نے بھی کچھ حدیثیں تحریر کر رکھی تھیں۔ ہمارے پاس اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ کئی صحابہؓ نے صحیفے لکھ رکھے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم سمجھی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ صحیفے کن کن احادیث پر مشتمل تھے۔ اس لیے کہ بعض صحابہؓ اپنی وفات سے قبل ان صحیفوں کو نذر آتش کر دیتے تھے یا انہیں دھو ڈالتے تھے۔ ایسا فعل بعض تابعین نے بھی کیا ہے۔ مگر بعض مرتے وقت اس کی وصیت کر جاتے تھے کہ ان کا صحیفہ کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ وصیت اس خدشہ کے تحت کرتے تھے کہ مبادا وہ صحیفہ کسی غیر اہل کے پاس نہ پہنچ جائے۔[1] یہ بات بلاشک و شبہ کہی جا سکتی ہے کہ صحابہؓ کے اکثر صحیفے رسول مقبولؐ کی حیات ہی میں احاطۂ تحریر میں آچکے تھے اور اکثر صحیفوں کی نقول صحابہؓ کی عین حیات ہی میں لے لی گئی تھیں، یا پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں، پوتوں اور دیگر رشتہ داروں کے توسط سے حاصل کی گئی تھیں۔ ابن عبدالبرؒ نے ابوجعفر محمدؒ علی کی سند سے بیان کیا ہے کہ:

"رسول مقبولؐ کی تلوار کے قبضے میں ایک صحیفہ موجود پایا گیا جس میں تحریر تھا:

ملعونٌ من سرق تخوم الارض ملعون من تولی غیر موالیہ او قال

ملعون من جحد نعمۃ من انعم علیہ"[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک عظیم الشان صحیفے کو بہت شہرت حاصل ہو چکی تھی، جو آنحضورؐ نے مہاجرین، انصار، اہل یثرب اور یہود کے حقوق کی تعیین کے سلسلے میں سن ہجری کے پہلے سال میں تحریر کروایا تھا۔ اس صحیفہ میں "اصل الصحیفہ" کا لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ وہ صحیفہ یوں شروع ہوتا ہے۔

"ھذا کتاب محمد النبی رسول اللہ بین المؤمنین والمسلمین من قریش واھل یثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم، انھم امۃ واحدۃ من دون الناس۔۔۔۔۔ الخ"[3]

یہ صحیفہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس نوخیز مملکت اسلامیہ کا یہ دستور نہ صرف احاطۂ تحریر میں آچکا تھا، بلکہ بہت شہرت بھی پا چکا تھا، اور پھر متواتر اس کی نقول بھی ہو چکی تھیں۔

اپنے عمال کی طرف آنحضورؐ نے بعض احکام تحریری شکل میں ارسال فرمائے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن حکیم سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے آنحضورؐ کا خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں لکھا تھا: ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب[4]

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مالک بن انسؓ کو ایک خط لکھا تھا جس میں زکوٰۃ و صدقات کے بارے میں آنحضورؐ کے

تفصیلی احکامات تھے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ اس خط پر آنحضورؐ کی خاتم مبارک بھی ثبت تھی [۵]

عبداللہ بن عمرؓ سے نافع روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کی تلوار کے قبضے میں چوپایوں کی زکوٰۃ کے احکام کے بارے میں ایک تحریر دیکھی تھی [۶] یہ تحریر سالم بن عبداللہ ابن عمر نے وراثت میں پائی تھی اور اس کو امام ابن شہاب الزہری نے ان کے سامنے بھی پڑھا تھا۔[۷] اس امر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو محمد بن عبدالرحمٰن الانصاری نے کی ہے۔

لما استخلف عمر بن عبد العزیز ارسل الی المدینة یلتمس کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصدقات وکتاب عمر بن الخطاب ..... ووجد عند آل عمر کتاب فی الصدقات مثل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: فنسالہ [۸]

امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب کی ایک تحریر کو بڑی شہرت حاصل ہے، جسے وہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے۔ اس تحریر میں اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب، کسی کو زخمی کرنے کی پاداش کا ذکر، مدینہ کے حرم ہونے کا حکم اور کوئی مسلم کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، تحریر تھا۔ [۹]

ابن الحنفیہ محمد بن علی بن ابی طالب (م ۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا اور کہا: یہ لیجئے خط اور اسے حضرت عثمانؓ کے پاس لے جائیے۔ اس کے اندر آنحضورؐ کے زکوٰۃ کے بارے میں احکام درج ہیں [۱۰]

حضرت مسعر، حضرت معن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود نے مجھے ایک تحریر نکال کر دی اور قسم کھائی کہ اسے میرے باپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے [۱۱]

سعد بن عبادۃ الانصاری (م ۱۵ھ) کے پاس ایک تحریر یا چند تحریریں تھیں، جن میں کچھ احادیث رسولؐ لکھی ہوئی تھیں۔ سعد بن عبادہ کے بیٹے نے اپنے والد کی تحریرات سے آنحضورؐ کے چند اعمال کی روایت کی ہے [۱۲] امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحریر عبداللہ بن ادنی کے صحیفے کی نقل تھی، جس میں وہ اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے اور لوگ ان کے اس مجموعے کو انہی کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ [۱۳]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع (م ۳۵ھ) کے پاس ایک تحریر تھی، جس میں نماز کے ابتدائی جملے تحریر تھے۔ انہوں نے یہ اوراق سات عظیم فقہائے ملت میں سے ایک حضرت ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث (م ۹۴ھ) کو دے دیے تھے [۱۴]

حضرت اسماءؓ بنت عمیس (م ۳۸ھ) کے پاس ایک تحریر تھی، جس میں انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث جمع کر رکھی تھیں [۱۵]

محمد بن سعید سے روایت ہے کہ جب محمد بن سلمہ انصاری [۱۶] (م ۴۲ھ) نے وفات پائی، تو ہم نے ان کی تلوار کی پیٹی میں ایک تحریر پائی، جس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان لربکم فی بقیة دھرکم نفحات فتعرضوا لہ ..... [۱۷]

سبیعۃ الاسلمیہ نے عبداللہ بن عتبہ کو لکھا تھا کہ حضرت رسول اکرمؐ نے ان کو خاوند کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب انہیں بچہ ہو چکا تھا، تو نکاح کا حکم دیا تھا [۱۸]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر کو ان کے قبیلے کے لیے، جو حضرت میں مقیم تھا، ایک تحریر عطا کی تھی، جس میں اسلام کی بنیادی باتیں، زکوٰۃ کے بعض نصاب، زنا کی حد، تحریم خمر اور ہر مسکر کے حرام ہونے کے بارے میں تحریر تھا۔[۱۹]

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزام (م ۵۳ھ) کو یمن کا والی بنا کر بھیجا، تو انہیں ایک خط دیا جس میں فرائض، سنن، دیت اور دیگر امور کے بارے میں ہدایات درج تھیں۔[۲۰]

حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۹ھ) کے پاس کئی تحریریں محفوظ تھیں، جن میں آنحضورؐ کی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔
الفضل بن حسن بن عمرو بن امیہ الضمری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے: "میں نے حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۹ھ) کے سامنے ایک حدیث کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اس حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے، تو حضرت ابوہریرہؓ فرمانے لگے: اگر تونے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے، تو میرے ہاں لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ وہاں انہوں نے آنحضورؐ کی احادیث پر مشتمل بہت سی تحریریں ہمیں دکھائیں۔ چنانچہ وہ حدیث بھی ان میں مل گئی۔ تب فرمانے لگے، میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اگر تونے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے، تو میرے ہاں تحریر ہوگی۔[۲۱] مجھ سے قبل جو تحریر بشیر بن نہیک نے حضرت ابوہریرہؓ سے لکھ رکھی تھی، میرے سامنے پڑھ کر سنائی۔[۲۲]

سمرہ بن جندب (م ۶۰ھ) نے احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ جمع کر رکھا تھا، جو ان کے بیٹے سلیمان نے ان سے روایت کیا ہے۔[۲۳] اور بعید نہیں کہ یہی وہ تحریریں ہوں، جو سمرہ بن جندب نے اپنے بیٹوں کو لکھ کر بھیجی تھیں۔ اس مجموعے کے بارے میں محمد بن سیرین کہتے ہیں۔ فی رسالة سمرة الی بنیه علم کثیر۔[۲۴]

عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۵ھ) کا صحیفہ صادقہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو احادیث کی کتابت کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ بہت اچھے خوشنویس تھے، انہوں نے آنحضورؐ کی بہت سی حدیثیں لکھ رکھی تھیں۔ عبداللہ ابن عمرو کا صحیفہ کاتب کی مرضی کے مطابق "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور تھا۔ اس لیے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست لکھا گیا تھا۔ اس صحیفے کو مجاہد بن جبیر (۲۱، ۱۰۴ھ) نے عبداللہ بن عمرو کے ہاں دیکھا تھا۔ مجاہد اس صحیفے کے حصول کے لیے ان کے پاس گئے، تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: تو مخزوم کے لڑکے رہنے دو! مجاہد نے کہا: کیا آپ نے کچھ نہیں لکھا ہے؟ حضرت عبداللہ فرمانے لگے: ھذہ الصادقة فیھا ما سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس بینی و بینه احد۔[۲۵] یہ صحیفہ عبداللہ کو بہت ہی عزیز تھا، وہ کہا کرتے تھے: ما یرغبنی فی الحیوۃ الا الصادقة والوھط۔[۲۶] وہ اس صحیفے کو ضائع ہونے کے ڈر سے ایک مضبوط صندوق میں رکھا کرتے تھے۔[۲۷] بعد میں ان کی اولاد نے اس صحیفے کو محفوظ کیا۔ غالب قیاس یہ ہے کہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب اسی صحیفے سے حدیث کی روایت کرتے تھے۔[۲۸] ابن اثیر کے قول کے مطابق یہ صحیفہ عبداللہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔[۲۹] مگر جن احادیث کو عمرو بن شعیب نے عن ابیه عن جده روایت کی ہے، ان کی تعداد پانچ سو تک نہیں پہنچتی۔[۳۰] اگر صحیفہ صادقہ بخط عبداللہ بن عمرو بجنسہٖ ہم تک نہیں پہنچا، مگر امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس کے مشتملات کو نقل کر دیا ہے۔[۳۱] اسی طرح حدیث کی دیگر کتب میں بھی اس کا بہت سا حصہ نقل ہو گیا ہے۔[۳۲]

بحیثیت ایک تاریخی اور علمی وثیقہ کے اس صحیفہ کی اہمیت غیر معمولی ہو گئی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ صحیفہ باجازت رسول مقبول صلی اللہ

[...] ہم انہیں کے سامنے احادیث نبوی کی کتابت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔[۳۳]

حضرت عبداللہ اپنے شاگردوں کو حدیث لکھوایا کرتے تھے۔[۳۴] ان کے شاگرد حسین بن شفی ابن ماتع الاصبحی نے مصر میں دو کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک میں یہ تھا: قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کذا، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا: اور دوسری کتاب میں تھا: ما یکون من الاحداث الی یوم القیامۃ۔[۳۵]

اگرچہ ہم یہاں صحیفہ صادقہ پر بحث کر رہے ہیں، مگر ضمناً عرض کر دیتے ہیں کہ ابن عمرو کے پاس اہل کتاب کے علم پر مشتمل بھی کئی کتابیں تھیں، یہ کتابیں انہیں جنگ یرموک میں دو اونٹوں پر لدی ملی تھیں۔[۳۶] بشر المریسی کا خیال ہے کہ عبداللہ بن عمرو ان تمام کتب کو آنحضورؐ سے روایت کیا کرتے تھے۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ اونٹوں والی کتب سے ہمیں حدیث نہ سنائیں مگر ان کا یہ گمان غلط ہے، اس لیے کہ عبداللہ بن عمرو کی روایت حدیث اور اس کی نقل میں امانت مسلمہ امر ہے۔ وہ ان روایات کو بھی کبھی توڑتے یا موڑتے نہ تھے۔ جو حضورؐ نے اہل کتاب کے خلاف کہی ہیں اور اس طرح نہ وہ ان روایات کو خلط ملط کرتے، جو اہل کتاب نے آنحضورؐ کے خلاف کہی ہیں۔[۳۷]

حضرت عبداللہ بن عمرو کے لیے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ان کی مختلف حالتوں یعنی غضب اور رضا دونوں میں خود آنحضورؐ کی اجازت سے احادیث کو لکھا ہے۔

ابن عباس کی تحریریں

حضرت ابن عباسؓ حدیثوں کی طلب اور ان کے حصول کی جد و جہد کے لیے مشہور ہیں۔ وہ آنحضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام سے پوچھ پوچھ کر لکھ لیا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: اللھم الھمہ الحکمۃ وعلمہ التاویل۔[۳۸] ابن عباس کی وفات کے وقت ان کی کتابیں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر تھیں۔[۳۹]

روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمر (۱۰ ق - ۷۳ ھ) جب بازار کی طرف نکلتے تھے، تو اپنی کتابوں پر نگاہ ڈالتے نکلتے تھے راوی نے تیقن سے کہا ہے کہ یہ کتابیں حدیث رسولؐ پر مشتمل تھیں۔[۴۰]

صحیفہ جابر بن عبداللہ الانصاری (۱۶ ق - ۷۸ ھ)

اس امر کا احتمال ہے کہ یہ صحیفہ اس چھوٹے سے ہدایت نامہ حج کے علاوہ ہو جسے امام مسلم بن الحجاج نے اپنی کتاب الجامع الصحیح کے باب الحج میں نقل کیا ہے۔[۴۱] ابن سعد نے اس امر کے بارے میں مجاہد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جابر اس صحیفے سے حدیث بیان کیا کرتے تھے۔[۴۲] جلیل القدر تابعی قتادہ بن دعامہ السدوسی (م ۱۱۸ھ) اس صحیفہ کی قدر و منزلت کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ لأنا بصحیفۃ جابر بن عبداللہ احفظ منی لسورۃ البقرۃ۔[۴۳] ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ قتادہ، سلیمان الیشکری کے صحیفے سے حدیث بیان کرتے تھے اور سلیمان کے پاس جابر بن عبداللہ کا صحیفہ تھا۔[۴۴] یہ بعید نہیں کہ سلیمان الیشکری نے یہ صحیفہ جابر سے نقل کیا ہو کیونکہ سلیمان ان کے شاگرد تھے۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ سلیمان، جابر کے ہاں بیٹھتے تھے اور ان کے صحیفے نقل کیا کرتے تھے۔[۴۵] غالباً قتادہ نے جابر بن عبداللہ کے صحیفہ کی روایت سلیمان الیشکری سے کی ہے۔ سلیمان کی والدہ ایک صحیفے کو لائیں اور وہ صحیفہ ثابت، قتادہ اور ابو العشر کے سامنے پڑھا گیا۔ انہوں نے ان احادیث کی روایت کی ہے۔ مگر ثابت نے صرف ایک حدیث اس واسطے

نے بیان کی ہے کہ جابر بن عبداللہ کا صحیفہ کافی مشہور و معروف تھا۔ اسی طرح اس سے ملی ہوئی وہ نقل بھی شہرت پا چکی تھی، جو سلیمان الیشکری نے حاصل کی تھی اس امر کی تائید کئی روایات سے ملتی ہے۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے، شعبہ کا خیال تھا کہ ابوسفیان طلحہ بن نافع نے حضرت جابر بن عبداللہ سے جو روایتیں کی ہیں، وہ سلیمان الیشکری کے صحیفے کی ہیں[47] حضرت جابر بن عبداللہ کے شاگردوں کا ایک حلقہ تھا، جنہیں وہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر احادیث لکھوایا کرتے۔ ان سے کئی لوگوں نے حدیثیں لکھی ہیں، جن میں سے ایک وہب بن منبہ (م ۱۱۴ھ) بھی ہیں[48] ابوالزبیر، ابوسفیان اور الشعبی نے جابر سے روایت کی ہے، انہوں نے حضرت جابر سے یہ احادیث سن رکھی تھیں، جن میں سے اکثر اس صحیفے میں مرقوم تھیں[49] عروہ بن الزبیر (۲۲-۹۳ھ) کہتے ہیں کہ، کتبت الحدیث ثم محولہ فوددت انی فدیتہ بمالی وولدی وانی لم امحہ[50]۔ غالباً انہوں نے اس کے علاوہ بھی احادیث لکھی تھیں۔ مگر وہ سب الحرہ کی جنگ میں جل کر خاکستر ہو گئی تھیں جس پر انہیں بہت ہی ملال تھا۔ وہ کہا کرتے تھے۔ وددت لوان عندی کتبی باھلی ومالی[51]

خالد بن معدان الکلاعی الحمصی (م ۱۰۴ھ) کے پاس ایک صحیفہ تھا، جس میں گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس میں انہوں نے علم (یعنی احادیث) جمع کر رکھا تھا[52] اس کی ایک نقل جبیر بن سعید کے پاس بھی تھی۔[53]

ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی (م ۱۰۴ھ) نے اپنے نوشتوں کو ایوب سختیانی کے حوالے کرنے کی وصیت کی تھی۔ وہ نوشتے ایک اونٹنی کے کجاوے میں لائے گئے[54] اور ایوب نے اس کام کی اجرت کچھ اوپر دس درہم دی تھی[55]

الحسن البصری سے الاعمش روایت کرتے ہیں کہ: ہمارے پاس لکھے ہوئے کتابچے تھے، جو ہم آپس میں دہرایا کرتے تھے[56]

محمد الباقر بن علی بن الحسین (۵۶-۱۱۴ھ) کے پاس بہت سی تحریرات تھیں، ان کے بیٹے جعفر الصادق نے ان سے کچھ تو سن رکھی تھیں اور کچھ پڑھ لی تھیں[57]

مکحول الشامی[58] اور الحکم بن عتیبہ کے پاس بھی کتابچے تھے۔[59] بکیر بن عبداللہ بن الاشج (م ۱۱۷ھ) جو مدینہ منورہ کے جید عالم تھے، اپنے پاس کئی کتابچے رکھتے تھے، جو بعد میں ان کے بیٹے مخرمہ کے پاس منتقل ہو گئے[60]

قیس بن سعد المکی (م ۱۱۷ھ) کے پاس ایک نوشتہ تھا، جو حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ) کے پاس پہنچا[61]

یہ بات بلا شبہ کہی جا سکتی ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں علماء نے کئی کتابیں تالیف کی تھیں۔ ان کے سامنے ہی ان کتابوں کی تعداد بے شمار ہو گئی۔ امام زہری کی کتابوں کا کافی بڑا مجموعہ تھا۔ الولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان (۸۸-۱۲۶ھ) کے قتل کے بعد وہ کتابیں امام زہری کے کتب خانے سے کئی اونٹوں پر لاد کر دوسری جگہ منتقل کی گئیں[62]

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں حدیث کے عام ہونے اور اس میدان میں علماء کی خدمات کے ذکر سے قبل ہم صحیفہ ہمام بن منبہ کی تدوین اور اس کی تاریخی اور علمی حیثیت کو واضح کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

صحیفہ ہمام بن منبہ (۴۰-۱۳۱ھ)[63]

ہمام بن منبہ کو جو ایک ممتاز تابعی تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے بہت سی احادیث لکھیں۔ انہیں ایک صحیفہ یا کئی صحیفوں میں جمع کیا اور ان کا نام: الصحیفۃ الصحیحہ رکھا[64] ممکن ہے انہوں نے ان تحریرات کا نام عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ صادقہ کی طرز پر

ہے، وہ اپنے صحیفے کا نام صحیحہ رکھنے کے مجاز بھی تھے۔ اس لیے کہ جس صحابیؓ سے وہ نقل کرتے ہیں، وہ آنحضورؐ کے ساتھ چار سال تک متواتر رہے اور ان سے بہت سی احادیث کی روایت کی۔

یہ ہماری خوبیٔ قسمت ہے کہ ہمام بن منبہ کا صحیفہ بعینہٖ ہم تک پہنچا جس طرح کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے لکھ کر روایت کی ہے۔ اس صحیفے کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے دمشق اور برلن کے دو مخطوطوں کے مطابق اپنی تحقیق اور مقدمہ کے ساتھ المجمع العلمی العربی دمشق کی وساطت سے ۱۹۵۲ء میں چھاپ دیا ہے۔[۶۵]

اس صحیفے کی حفاظت کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں تمام کا تمام نقل کر دیا ہے۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اس صحیفے کی بہت سی احادیث اپنی کتاب کے کئی ابواب میں درج فرمائی ہیں۔[۶۶]

تدوین حدیث کے ضمن میں اس صحیفے کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ یہ ایک قطعی دلیل اور حجت ہے کہ حدیث نبویؐ ابتدائے عہد میں مدوّن ہو چکی تھی۔ یہ اس غلط نظریے کو رفع کرتی ہے کہ حدیث دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مدوّن ہوئی تھی۔[۶۷] یہ حقیقت ہے کہ ہمام بن منبہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ملاقات کے دوران یہ حدیثیں لکھیں اور حضرت ابوہریرہ کی وفات کا سن ۵۹ھ ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ صحیفہ اس سن سے قبل یعنی پہلی صدی ہجری کے وسط میں لکھا گیا۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضورؐ کے عہد ہی میں صحیفہ لکھ لیا تھا، اور یہ صحیفہ ہمام بتاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے وسط میں لکھا گیا۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم کتابت حدیث سے پہلے ہی علمائے حدیث کی تدوین عملاً شروع کر دی تھی۔ ہم اس صحیفے کا تذکرہ حضرت ابوہریرہؓ کے کتابچوں میں بھی کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ صحیفہ انہی کی املا ہے۔ مگر یہ چونکہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہے، اس لیے ہم نے انہی کے ساتھ ذکر کیا۔ ہمام سے ان کے شاگرد معمر بن راشد پھر ان سے عبدالرزاق پھر ان سے دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔[۶۸]

ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمام بن منبہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک ہی سند کے ساتھ کوئی ایک سو چالیس احادیث سُنی تھیں۔[۶۹] مگر اس وقت صحیفہ ایک سو انتیس احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ امر بھی اس صحیفہ کی صداقت پر عین دلیل ہے کہ جو کچھ تعداد علمائے بتائی تھی، تقریباً وہی تعداد اس وقت صحیفے میں موجود ہے۔

دوسری صدی ہجری کے وسط میں تدوین حدیث اس قدر عام ہو چکی تھی کہ حدیث کی ایسی کوئی کتاب نظر نہ آتی تھی۔ جس میں باقاعدہ ابواب نہ ہوں، بلادِ اسلامیہ کے مختلف علاقوں میں جو کچھ اس میدان میں تالیف ہُوا، اس کا تفصیلی تذکرہ اوپر کیا گیا ہے، اس عرصہ میں جن حضرات کے ہاں اس قسم کی کتابیں پائی گئی ہیں، وہ ان حضرات کی اپنی تالیفات تھیں یا غیروں کی، اُن کے اسماء ذیل میں دیے جا رہے ہیں

یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ) امام زہریؒ کے معاصر تھے۔[۷۰] محمد بن سوقہ (م ۱۳۵ھ)[۷۱] زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ) کے پاس ایک تفسیر کی کتاب تھی، جس میں زیادہ حصہ احادیث پر مشتمل تھا۔[۷۲] موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کے پاس عبداللہ بن عمر کے غلام نافع کی حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا۔[۷۳] الاشعث بن عبدالملک الحمرانی (م ۱۴۲ھ) کے پاس ایک کتابچہ تھا، جو بعد میں سلیمان بصری کو ملا۔[۷۴] عقیل بن خالد بن عقیل (م ۱۴۲ھ) نے امام زہری سے بہت سی احادیث لکھی تھیں، بلکہ یہ شخص امام زہری کی احادیث سے باقی تمام لوگوں کی نسبت زیادہ واقف تھا۔[۷۵] یحییٰ بن سعید الانصاری (م ۱۴۳ھ) کے ہاں ایک نوشتہ تھا، جو بعد میں حماد بن زید کے پاس پہنچا۔[۷۶]

عوف بن ابی جمیلہ العبدی (م ۱۴۶ھ) نے حسن بصری سے کچھ اطراف احادیث نبویؐ لکھی تھیں [۷۷] یہ اطراف بعد میں یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰-۱۹۸ھ) کے پاس سے تھے [۷۸] جعفر صادق بن محمد الباقر (۸۰-۱۴۸ھ) کے پاس جو ایک ثقہ محدث تھے، احادیث کے کئی کتابچے اور دیگر تحریریں پائی گئیں۔[۷۹] یونس بن یزید ابی النجار (م ۱۵۲ھ) کے پاس ایک کتاب تھی، جس کی صحت کی شہادت ابن المبارک نے دی ہے [۸۰]

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ مسعودی (م ۱۶۰ھ) کے پاس کئی کتابچے تھے، جن کو شعبہ بغداد سے لائے تھے۔[۸۱] زائدہ بن قدامہ (م ۱۶۱ھ) کے ہاں کچھ کتابچے تھے، جو انہوں نے سفیان ثوری کو دکھائے تھے [۸۲] زائدہ بن قدامہ اور شعبہ ابن الحجاج ہمسر تھے [۸۳] حضرت سفیان ثوری نے بہت سی کتب لکھی تھیں، جن میں سے حدیث پر الجامع الکبیر اور الجامع الصغیر تھیں [۸۴]

ابن المبارک کا قول ہے کہ ابراہیم بن طہمان (م ۱۶۳ھ) اور ابو حمزہ السکری (م ۱۶۷ھ) کی کتابیں بالکل صحیح تھیں [۸۵]

شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ) کی "غرائب الحدیث" میں ایک کتاب تھی [۸۶] عبدالعزیز ابن عبداللہ ماجشون (م ۱۶۴ھ) نے بہت سی کتب تالیف کیں، جو انہوں نے ابن وہب سے روایت کی ہیں [۸۷] عبداللہ بن عبداللہ بن ادریس (م ۱۶۹ھ) جو مالک کے چچیرے بھائی اور ان کے بہنوئی تھے۔ ان کے پاس کئی کتابچے تھے، جو ان کے اسماعیل تک پہنچے [۸۸]

سلیمان بن بلال (م ۱۷۲ھ) نے اپنی کتابوں کے بارے میں وصیت کی تھی کہ وہ عبدالعزیز بن ابی حازم کو دے دی جائیں [۸۹] یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مصر کے محدث علی بن لہیعہ (م ۱۷۴ھ) کے پاس بہت سی کتب تھیں۔ یہ سب کتابیں صحیح السند تھیں، مگر افسوس کہ سن ۱۶۹ھ میں جل کر راکھ ہوگئیں [۹۰] علی بن لہیعہ نے حدیث میں ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جو قدیم مجموعات میں شامل ہوتا ہے، یہ مجموعہ اوراق بردی کے مجموعات میں محفوظ ہے جو ہائیڈل برگ (جرمنی) میں محفوظ ہیں [۹۱] دیارِ مصر کے شیخ لیث بن سعد کی بہت سی تصانیف تھیں [۹۲]

اس میدان میں علماء کی بے شمار تالیفات کی ہمیں خبر ہے، مگر ان کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، مذکورہ بالا کتب ہی اس ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں لاتعداد کتب موجود تھیں۔ کیا علی بن عبداللہ المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) نے حدیث کے مختلف ابواب، رجال حدیث، غریب حدیث اور حدیثوں کے علل پر کچھ زیادہ سو کتابیں نہیں لکھی تھیں؟ ان میں سے کچھ اوپر پچیس کا ذکر تو محمد بن صالح الہاشمی نے کیا ہے ان میں سے ہر کتاب کئی اجزا پر مشتمل تھی اور بعض تو تیس اجزا تک پہنچتی ہیں [۹۳]

یوں علمائے ملت نے اپنے سینوں اور کتابوں میں حدیث نبویؐ کی حفاظت کی ہے، علی بن عبداللہ المدینی کا یہ قول سچ ہے کہ میں نے جب غور کیا، تو معلوم ہوا کہ ساری اسناد ان چھ اشخاص کے گرد گھومتی ہیں، اہلِ مدینہ کے لیے یہ مرکز مسلم بن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) اور اہلِ مکہ کے لیے عمرو بن دینار (م ۱۲۶ھ) [۹۴] اہلِ بصرہ کے لیے قتادہ بن دعامہ السدوسی (م ۱۱۷ھ) اور یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ) [۹۵] اور اہلِ کوفہ کے لیے ابو اسحٰق عمرو بن عبداللہ السبیعی [۹۶] (م ۱۲۷ھ) اور سلیمان بن مہران الاعمش (م ۱۴۸ھ) مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، اس کے بعد علی بن عبداللہ المدینی نے یہ بھی کہا ہے کہ ان چھ بزرگوں کی جمع کردہ احادیث بعد کے مؤلفین تک پہنچیں [۹۷]

حوالہ جات و حواشی

۱ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جو تحریرات تھیں، اُن کے دھونے اور جلانے کے بارے میں ملاحظہ ہو شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ط

حیدر آباد دکن، ۱۳۴۳ھ : ۱/۵، اس کے علاوہ باقی دیکھیے :خطیب بغدادی، تقیید العلم ط دمشق ۱۹۴۹ء : ۵۹-۶۲، زہیر بن حرب
کتاب العلم (مخطوط) المکتبۃ الظاہریۃ، دمشق : ۱۹۲، خطیب بغدادی : الجامع الاخلاق الراوی تصدیر دار الکتب المصریۃ : ۴۴

۵؎ عبدالبر : جامع بیان العلم وفضلہ ط المطبعۃ المنیریۃ : ۱/۷۱

۶؎ ابن ہشام : سیرۃ النبیؐ تحقیق محی الدین ط قاہرہ ۱۳۵۶ : ۲/۱۱۹ قاسم بن سلام : کتاب الاموال ط مصر ۱۳۵۳ھ : ۲۰۲،
ڈاکٹر حمید اللہ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ط قاہرۃ، ۱۹۵۸ء : ۱۵ -

۷؎ تقی الدین الشہرزوری علوم الحدیث ط مصر ۱۳۲۶ھ، ۸۶، الحاکم نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث سے
یہ حدیث منسوخ ہو جاتی ہے، جس میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ میتۃ فقال : ھلا استمتعتم بھا دہا
قالوا یا رسول اللہ انھا میتۃ فقال، انما حرم اکلھا - ملاحظہ فرمائیں :اخبار اھل الرسوخ فی الفقہ والحدیث : از ابو الفرج عبدالرحمٰن
بن علی بن الجوزی ط مصر ۱۳۲۲ھ : ۲۷ -

۸؎ عثمان بن سعید الدارمی : الرد علی الجہمیۃ (رد الدارمی علی بشر المریسی) ط قاہرہ، ۱۳۵۸ : ۱۳۱، امام احمد بن حنبل نے اس خط کا ذکر اپنی مسند
میں کیا ہے، دیکھیے :مسند احمد بن حنبل ط دار المعارف مصر : ۱/۱۸۳-۱۸۴ -

۹؎ خطیب بغدادی : الکفایۃ فی علم الروایۃ ط ہند ۱۳۵۷ھ : ۳۵۳، ۳۵۴، طاہر الجزائری : توجیہ النظر الی اصول الاثر ط مصر
۱۹۱۰ء : ۳۴۸،

۷؎ الاموال : ۳۶۰، رد الدارمی علی بشر : ۱۳۱ -

۸؎ الاموال : ۳۵۸، ۳۵۹، کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس عہد نامہ جات اور مواثیق کے نسخے ایک صندوق میں
محفوظ تھے، مگر وہ جنگِ الجماجم (۸۳ھ) کے موقع پر جل گئے - ان میں جو بچ رہے، وہ دست بُرد زمانہ کی نذر ہو گئے، یا پھر تاتاری حملہ کی بھینٹ
چڑھ گئے - الوثائق السیاسیۃ کے مقدمہ میں ہے کہ آنحضورؐ کے کچھ خطوط نویں صدی ہجری تک محفوظ رہے مثلاً وہ خط جو آپ نے تمیم الداری کی زمینوں
کے بارے میں لکھا تھا - دیکھیے :ابن فضل اللہ العمری :مسالک الابصار دار الکتب المصریۃ : ۱۸۳، ۱۷۵

۹؎ مسند امام احمد : ۲/۲۵۴، ۴۴، ۱۲۱، ۱۳۱، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ط قاہرہ ۱۹۵۹ ۷۰/۸۳؛ رد الدارمی علی بشر المریسی
۱۳۰ -

۱۰؎ رد الدارمی علی بشر ص ۱۳۰، ابن حجر العسقلانی، فتح الباری ج ۲ ص ۲۲،

۱۱؎ جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱، ص ۷۲ -

۱۲؎ جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ ص ۷۲ - ڈاکٹر علی حسین عبدالقادر نظرۃ عامہ تاریخ الفقہ الاسلامی ط مصر ۱۹۵۶ء ص ۱۱۸، ڈاکٹر
حمید اللہ : صحیفہ ہمام بن منبہ ط المجمع العلمی العربی دمشق ۱۹۵۳ء ص ۱۶

۱۳؎ صبحی الصالح، علوم الحدیث ومصطلحہ، ط دمشق ۱۹۵۹ء ص ۱۳، اور حاشیہ بھی جس میں ہے - عبداللہ بن اوفی مگر یہ طباعت
کی غلطی ہے اور صحیح ہے عبداللہ بن ابی اوفی ملاحظہ ہو : محمد بن عبدالہادی السندی :صحیح البخاری ط دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ : باب الصبر
عند القتال ج ۲ ص ۱۴۳ - عبداللہ بن ابی اوفی صحابی ہیں، رسولِ مقبولؐ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے - بالآخر ۸۷ ہجری میں وفات پائی

آپ کوفہ میں مرنے والے آخری صحابی تھے۔ دیکھیے: ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب ط حیدر آباد دکن، ۱۳۲۵ھ ج ا ص ۴۰۲

۱۴؎ الکفایہ ص ۳۰۳، کہتے ہیں کہ ابورافع کی وفات شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے اور بعض کا خیال ہے کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ میں انتقال فرمایا۔

۱۵؎ نظرۃ عامہ فی تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۱۸

۱۶؎ محمد بن مسلمہ صحابہ کبار میں سے تھے۔ یہ ان تینوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے کعب بن الاشرف کو قتل کیا تھا۔ بعض غزوات میں آنحضورؐ نے انھیں مدینہ ہی میں رہنے دیا۔ فسادات کے زمانے میں گوشہ نشین رہے۔ اس لیے جنگ جمل اور صفین میں شریک نہیں ہوئے ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ دیکھیے: تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵۴۔

۱۷؎ الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامہرمزی: المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (مخطوطہ) دار الکتب المصریہ ص ۱۱۲۔

۱۸؎ الکفایۃ ص ۳۲۲، یہ سبیعہ الحارث کی بیٹی اور سعد بن خولہ کی بیوی تھیں، ملاحظہ فرمائیں: تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۲۳

۱۹؎ ابن حجر العسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ ط ۱۳۲۳ھ ج ۶ ص ۳۱۲، اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المصباح المضئ از محمد بن علی الانصاری (مخطوطہ) مکتبۃ الاوقاف حلب ورق ۱۱۲)

۲۰؎ الاصابہ ج ۴ ص ۲۹۳۔ ابوداؤد، النسائی، ابن حبان اور دارمی وغیرہ نے بھی اس خط کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: رد الدارمی علی بشر ص ۱۳۱، فتوح البلدان، از البلاذری ط قاہرہ ۱۹۵۹ء ص ۸۱۔ پھر اس کا مقابلہ کتاب الاموال (۲۵۹ - ۲۵۵) کے ساتھ کیجیے۔

۲۱؎ دیکھیے جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۴۔ اس اطلاع کے بعد عبدالبر کہتے ہیں کہ جو پہلے باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گزرا ہے کہ انہوں نے حدیث نہیں لکھی، یہ امر اس کے خلاف ہے۔ اور عبداللہ بن عمرو نے حدیثیں لکھی ہیں۔ اس لئے عبداللہ بن عمرو کی احادیث نقل میں حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح ہیں اس لئے بھی کہ حضرت عبداللہ نے اسناد بھی ساتھ دی ہیں، ابن حجر نے ان سے زیادہ مضبوط جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان لکھی ہوئی احادیث کا ہونا یہ لازمی قرار نہیں دیتا کہ وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں، ممکن ہے کسی اور سے لکھوا کر رکھی ہوئی ہوں۔ دیکھیے فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۸۔ میں کہتا ہوں کہ ابوہریرہ کا حدیث نہ لکھنا ان کے ہاں لکھی ہوئی حدیث کے وجود کی نفی نہیں کر سکتا۔ یہ بعید نہیں کہ جو لوگ لکھ سکتے تھے، ان سے لکھوائی ہو۔

۲۲؎ محمد بن سعد: الطبقات الکبریٰ ط بریل لیڈن ۱۳۲۲ھ ج ۷ ص ۱۶۲، زہیر بن حرب: کتاب العلم: ۱۹۳ ب، الجامع الاخلاق الراوی: ص ۱۲۷ ب، المحدث الفاصل ص ۱۲۸ و

۲۳؎ تہذیب التہذیب: ج ۴ ص ۱۹۸

۲۴؎ تہذیب التہذیب: ج ۴ ص ۲۳۶، امام بخاری نے سمرۃ بن جندب کے بیٹوں کے نام پہلے خط کا ذکر محمد بن ابراہیم بن خبیب کے تذکرے میں کیا ہے اس میں ہے: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من سمرۃ بن جندب الی بنیہ: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یأمرنا ان نصلی کل لیلۃ من المکتوبۃ ما قل اوکثر ونجعلہا وترا۔ اس کے لئے دیکھیے: التاریخ الکبیر از امام بخاریؒ (جلد اوّل) ط ہند ۱۳۶۱ھ: ص ۲۶

۲۵ المحدث الفاصل (مخطوطہ) دمشق ج ۴ ص ۲ ب، طبقاتِ ابن سعد ج ۲، حصّہ دوم ص ۱۸۹، اسی طرح تقیید العلم ص ۸۲ پر ہے۔

۲۶ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی: سنن ط دمشق ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۱۲۷، اور الوہط عمرو بن العاص کی زمین تھی، جس کی یہ خبر گیری کرتے تھے۔

۲۷ مسند امام احمد، ص ۱۷۱ ج ۱: عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی۔ کتاب العلم (مخطوطہ) دار المکتبۃ الظاہریۃ دمشق: ص ۳۰

۲۸ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۸-۴۹۔

۲۹ اسد الغابۃ ج ۳۔ ص ۲۳۳

۳۰ ملاحظہ ہو: مسند عبداللہ بن عمرو صحیفۃ الصادقۃ: از محمد سیف الدین علیش۔
(یہ ایم۔ اے کا مقالہ ہے، جو کلیۃ دار العلوم قاہرہ میں ہے) صفحہ ۶۷۱، اس میں صحیفہ صادقہ کی احادیث کی یوں تفصیل ہے۔
اصل ۶۲۲ حدیثوں سے ۲۰۲ حدیثیں امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہیں۔
" ۲۲۲ " " ۸۱ " داؤد نے اپنی سنن میں " " " " " "
" ۱۲۸ " " ۵۲ " النسائی " " " " " " " "
" ۱۱۷ " " ۶۵ " ابن ماجہ " " " " " " " "
" ۸۹ " " ۳۵ " الترمذی " " " " " " " "
صحیفہ صادقہ کی حدیثوں کی تعداد تقریباً ۴۳۶ ہوتی ہے۔ مسند امام احمد اور دوسری سنن میں کئی احادیث مکرر بھی ذکر ہوئی ہیں

۳۱ مسند امام احمد ج ۹ ص ۲۳۵، حدیث نمبر ۶۴۷۷ سے لے کر ج ۱۰ ص ۵۰، حدیث نمبر ۷۱۰۳ تک۔

۳۲ مسند عبداللہ بن عمرو و صحیفۃ الصادقۃ ص ۶۷۱۔

۳۳ اہلِ علم میں سے المغیرہ بن مقسم الضبی جیسے لوگوں نے صحیفہ صادقہ پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے، جیسے تاویل مختلف الحدیث از ابن قتیبہ ط مصر ۱۳۲۶ھ ص ۹۳ و میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۹۰۔ اگر مغیرہ کی روایت درست ہے، تو اس کا اخذ و قبول جائز نہیں ہے، اس لیے جس سیاق میں وہ اس بات کو کہہ رہے ہیں، وہ مسئلہ ضعیف روایات کا ہے۔ اور اگر یہ صحیفہ بھی ضعیف قرار دیتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحیفہ اُن تک وجادہ کے ذریعے پہنچا ہے، تو اس صورت میں وہ اس صحیفے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اس لیے کہ وجادہ اخذِ حدیث میں کمزور ترین ذریعہ ہے، وہ لوگ صحیفوں سے روایت کو پسند نہیں کرتے تھے، ہاں البتہ شیوخ سے اخذ مقبول ترین طریقہ تھا، اس کے سوا کوئی ایسی تاویل نہیں ہے، جس سے اس صحیفے کا دفاع کیا جا سکے، کیونکہ بالفعل یہ صحیفہ آنحضورؐ کے سامنے لکھا گیا۔ اس ضمن میں دوسرے علماء کے اقوال کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے، چنانچہ دیکھیے: میزان الاعتدال ج ۲، ص ۲۸۹، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۸-۵۵، فتح المغیث ج ۴، ص ۶۸، ۶۹۔ ان کتب میں صحیفے کی صحیح قدر و قیمت بتائی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کے راوی عمرو بن شعیب کی ثقاہت کے ثبوت مہیا کیے گئے ہیں۔

امام تقی الدین ابن تیمیہ نے اس صحیفے کے دفاع میں بہت کچھ کہا ہے۔ دیکھیے: قواعد التحدیث از جمال الدین قاسمی ط دمشق ۱۹۳۵ ص ۳۱، ۳۷۔

۳۴ تاریخ دمشق از علی بن حسن ہبتہ اللہ (مخطوطہ) دار الکتب المصریہ ج ۶، ص ۴۹۔

۳۵ المقریزی: خطط المقریزی، ط مصر ۱۸۵۳ء ج ۲، ص ۲۲۲، ۳۳۲۔

۳۶ زاملۃ: اونٹ جس پر کھانے پینے کی اشیاء لادی جاتی ہیں، لسان العرب مادہ زمل۔

۳۷ رد الدارمی علی بشر ص ۱۳۶۔ ابوریّہ صاحب کتاب اضواء علی السنۃ المحمدیہ نے ص ۱۲۶ کے حاشیہ نمبر ۲ پر عبداللہ بن عمرو کے بارے میں بتایا کہ وہ ان سب کتابوں کو نبی اکرمؐ سے روایت کرتے تھے۔ مگر یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ ابوریّہ کی بدنیتی کا اظہار کئی مقامات پر ہو چکا ہے۔

۳۸ الکفایہ ص ۲۱۳، تقیید العلم ص ۹۱-۹۳، ۱۰۹۔

۳۹ طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۲۱۶۔

۴۰ الجامع الاخلاق الراوی، ص ۱۰۰ا؛ طبقات ابن سعد ج ۶، ص ۱۶۹۔

۴۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۴۱۔

۴۲ طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۴۲۳۔

۴۳ ایضاً ج ۷، حصہ دوم ص ۲۰۱۔

۴۴ القیاس از ابن قیم الجوزیہ، ص ۱۰۸

۴۵ تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۲۱۴، تقیید العلم ص ۱۰۸

۴۶ الکفایۃ، ص ۳۵۴

۴۷ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی: تقدمۃ المعرفۃ الکتاب الجرح والتعدیل ط ہند ۱۹۵۲ء

۴۸ صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۱۴، تقیید العلم ص ۱۰۴، تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۴۴۰-۴۴۱۔

۴۹ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۲۱۴، المحدث الفاصل، ص ۹۱ ب۔

۵۰ تقیید العلم ص ۹۰، المحدث الفاصل نسخہ دمشق ج ۴، ص ۴ ب

۵۱ جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱، ص ۷۱، طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۱۳۲۔

۵۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۸

۵۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۶۶

۵۴ طبقات ابن سعد ج ۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۸۸

۵۵ طبقات ابن سعد ج ۷ حصہ دوم، ص ۲۱۷

[56] المحدث الفاصل نسخہ دمشق، ج ۴، ص ۲ ب، طبقات ابن سعد، ج ۷، حصہ دوم، ص ۱۷

[57] تہذیب التہذیب جلد ۲، ص ۱۰۴، محمد الباقر اثنا عشریہ کا ایک عہد امام ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب ج ۹، ص ۳۵۰۔
وشذرات الذہب از ابن العماد الحنبلی طبع قاہرہ ۱۳۵۰ھ ج ۱ ص ۴۹۔

[58] الفہرست از ابن الندیم طبع قاہرہ ص ۳۱۸

[59] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۳۰۔

[60] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۷۰۔۷۱، علوم الحدیث ص ۱۱۰۔

[61] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۰

[62] تاریخ الاسلام از ذہبی طبع قاہرہ ۱۹۴۷ء ج ۵، ص ۱۴۱

[63] ڈاکٹر صبحی الصالح نے ہمام کی وفات ۱۰۱ھ لکھی ہے مگر میرے نزدیک ۱۳۱ھ صحیح ہے۔ دیکھیے: تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۷، جس میں ہے کہ معمر بن راشد ہمام سے ملے ہیں۔

[64] صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۲۰

[65] ایضاً ص ۲۱-۲۳

[66] ایضاً ص ۲۰

[67] ڈاکٹر صبحی الصالح: علوم الحدیث ومصطلحہ، ص ۲۷۔

[68] صحیفہ ہمام بن منبہ، ص ۲۰

[69] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۷

[70] معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۱۰، المحدث الفاصل ص ۹۴، ایک روایت میں ہے کہ وہ ۱۳۲ھ میں یمامہ میں مرے، دیکھیے المحدث کا ہی ص ۱۵۶۔

[71] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۷۵، تہذیب التہذیب ج ۹، ص ۲۱۰

[72] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۲۴، تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۲۹۵۔

[73] الکفایہ: ص ۲۶۶۔

[74] المحدث الفاصل، ص ۱۳۶ ب

[75] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۵۲

[76] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۰۸،

[77] تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۱۶۷

[78] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۳۶۔

۴۹ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

۵۰ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۵۰ تقدمتہ الجرح والتعدیل ص ۲۰۲ یونس امام زہری سے نقل کیا کرتے تھے۔ دیکھیے تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۰۵

۵۱ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۴۵

۵۲ ایضاً ص ۸۰

۵۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۰

۵۴ الفہرست ص ۳۱۵

۵۵ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۷۰

۵۶ الرسالۃ المستطرفۃ از محمد بن جعفر الکتانی، ط بیروت ۱۳۳۲ھ ص ۵۸۔

۵۷ تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۴۴

۵۸ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۲۸۰

۵۹ الاصابہ ج ۷، ص ۱۹۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴۷۔

۶۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۰

۶۱ نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۱۸

۶۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹

۶۳ الجامع لاخلاق الراوی ص ۱۹۴۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۱۹

۶۴ تاریخ الاسلام از ذہبی ج ۵، ص ۱۱۴، تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۰

۶۵ رامہرمزی نے ان کی وفات یمامہ میں ۱۳۲ھ بتائی ہے مگر مجھے اس کی صحت نہیں مل سکی۔ دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۱، تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۸۔

۶۶ یہ ثقہ تابعین میں سے تھے۔ کوفہ کے شیخ و امام تھے۔ ان کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۴۸ صحابہ سے حدیث سنی ہے، تاریخ الاسلام از ذہبی ج ۵ ص ۱۱۶، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۳

۶۷ المحدث الفاصل ص ۱۵۶ و ۔ ب، تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۴، ۱۲۹۔

کتابتِ احادیث عہدِ نبویؐ میں

خلیق نقوی

ذیل کا مضمون ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے اصل مضمون انگریزی زبان میں ہے۔ اور" روئداد ادارۂ معارفِ اسلامیہ" ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا ہے۔ مضمون صاحبِ مضمون کی محنت اور کد و کاوش کا نتیجہ ہے۔ بعض مقامات پر البتہ قلم کی تیز روی سلامتی طبع پر کچھ گراں گزرتی ہے۔ مثلاً اگناتس گولڈ سیہر کے تبحرِ علمی و سلامتِ فکر اور بالخصوص اس کی غیر جانبدارانہ علمی تحقیقات کی مدح سرائی میں موصوف حقیقت سے دور ہو گئے ہیں۔ اس کی کتاب (" MOHAMMDISCHE STUDIEN ") جس کا انھوں نے بار بار حوالہ دیا ہے تعصب کی آلودگیوں سے پاک نہیں۔ مشارقہ و مغاربہ میں وہ کو نسا مردِ صالح ہے، جس نے اسلام سے بیگانگی کے ساتھ ساتھ اپنی تصنیف و تالیف میں کج نظری و تعصبات کے رنگ نہ بھرے ہوں۔

ترجمہ کرتے وقت خیال آیا کہ جمع و تدوینِ احادیث کے موضوع پر دوسرے فضلائے وقت نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی بھی ایک مختصر فہرست دے دی جائے تاکہ ان ناظرین کو جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں، نہ صرف تلاش و تحقیق میں آسانی ہو، بلکہ وہ راہ یقین و استقامت سے بھٹکنے والوں کی گمراہیوں اور ضلالتوں کا معاملہ بھی سمجھ لیں۔ ہم اپنے وقت کے علمائے محققین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ فرمائیں کہ انکارِ حدیث کی ضلالتیں ہر طرف گھر رہی ہیں، گمراہیوں کے افسون پھونکے جا رہے ہیں، جا و بے توفیق مٹایا جا رہا ہے، لوگوں کے دلوں کو شک و ظن، انکار و جحود سے زخمی رکھنے کے لیے طرح طرح کی بے سر و پا باتیں بنائی جا رہی ہیں، جھوٹے سچے ثبوت فراہم کیے جا رہے ہیں اور پوری امکانی کوشش سے آثارِ رسولؐ کی عظمت کو جہالت و نامرادی کے زعم میں مٹایا جا رہا ہے۔

اب ہم ذیل میں ناظرین کی سہولت کے لیے چند محققانہ و فاضلانہ مقالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ خطباتِ مدراس — علامہ سید سلیمان ندوی

۲۔ سیرت النبیؐ ——— شبلی نعمانی (جلد اوّل)

۳۔ تدوینِ احادیث از مولانا مناظر احسن گیلانی (مجموعہ تحقیقاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ۔
اس مقالہ کی بعض قسطیں تشنۂ تکمیل ہیں)

۴۔ تدوینِ احادیث کی ابتدائی تاریخ، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، اسلامک ریویو ووکنگ، مؤرخہ جولائی ۴۴ء

۵۔ عظمتِ حدیث۔ از مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی (استاذ شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

۶۔ تاریخِ تدوینِ حدیث۔ مولانا عبد السلام قدوائی ندوی

(خلیق نقوی)

علم حدیث کا شمار اہم ترین اسلامی علوم میں ہے اور یہ اسلامی الٰہیات اور قانون کے اہم ترین ماخذوں میں بھی ہے، اور بڑی حد تک اس کا اثر عقائد پر بھی رہا ہے۔ حدیث کے مطالعہ ہی سے بہت سے علوم عربیہ کی بنیاد پڑی اور ان کو عروج حاصل ہوا۔ مثلاً تاریخ تذکرہ نگاری، جغرافیہ، لغت اور قدیم عربی اشعار کی تدوین و تالیف وغیرہ، اسی کے ساتھ بہت سے بیرونی علوم طب اور فلسفہ وغیرہ بھی حدیث کے اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکے۔ وسٹن فیلڈ (WASTEN FELD) کے قول کے مطابق دورِ عباسیہ میں مسلمانوں کی ساری علمی سرگرمیوں کا سرچشمہ دراصل قرآن و حدیث ہی رہے ہیں۔[1]

جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے، کتابت احادیث کے نقطۂ آغاز کا تعین ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا احادیث کا معتدبہ حصہ دورِ نبوت ہی میں قلمبند کر لیا گیا تھا، یا کل کا کل مجموعہ احادیث ایک سو سال تک سفینوں کے بجائے سینوں میں محفوظ رہا اور عہدِ نبوی میں اگر کچھ حصہ قلمبند بھی کیا گیا، تو وہ بہت ہی خفیف تھا؟

بڑی حد تک اس مسئلہ کے حل پر احادیث کی ایک کثیر تعداد کا قابل اعتماد ہونا اور اسلام کے متعدد اہم الٰہیاتی، قانونی، معاشرتی اور سیاسی اصول کا مستند ہونا موقوف ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احادیث کا یہ مجموعہ پہلی صدی ہجری تک محض مسلمانوں کی قوتِ حافظہ کے سہارے زندہ رہا، تو یقیناً ان علوم اسلامیہ کا کافی حصہ جن کی بنا احادیث پر ہے، کالعدم ہو جائے گا۔

حقیقتہً اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے۔ کیونکہ وہ احادیث جن کا موضوع زیر بحث سے تعلق ہے، ایک دوسرے سے متضاد پائی جاتی ہیں۔ متقدمین میں صاحبِ سنن دارمی، خطیب بغدادی[2]، ابن عبدالبر[3] اور دوسرے علماء و محدثین جنھوں نے اس موضوع پر کافی مواد جمع کیا ہے، کوئی آخری و قطعی حکم نہ لگا سکے، اور بعد کے علما محققین کا حال یہ ہے کہ وہ جمع و ترقیم احادیث میں کوئی امتیاز ہی نہیں سمجھتے۔

یورپ کے محققین میں اسپرنگر (SPRENGER)[4] کا جو اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ہے کہ موجودہ زمانہ میں وہ پہلا شخص ہے، جس نے احادیث کے مطالعہ میں نقد و نظر سے کام لیا ہے، خیال ہے کہ احادیث کی کتابت و تحریر عہد نبوت ہی میں ہوئی۔ اسپرنگر کے بعد گولڈ سیہر (GOLD ZIHER) نے بھی، جو وسیع علم کا مالک کہا جاتا ہے، مدلل طریق سے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث عہد نبوی ہی میں قلمبند کی گئی تھیں۔

اگر کتب احادیث اور ان کے موضوعات کو امعان نظر سے دیکھا جائے، تو صاف طور پر یہ پتا چلتا ہے کہ صحابہؓ میں سے اکثر کے پاس صحیفے تھے، جن میں اقوال و اعمال کو جمع کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اس کو ساتھ ہی قلمبند بھی کر لیا[5] اور ایک ہزار حدیثیں اپنے صحیفہ میں رقم کیں، جس کو وہ الصادقہ[6] سے موسوم کرتے تھے۔ مجاہد نے یہ صحیفہ ان کے پاس دیکھا تھا[7] اور ان کی وفات کے بعد یہ صحیفہ شعیب کے قبضہ و تصرف میں آیا، جو حضرت عبداللہ کے پوتے تھے[8] اسی طرح

---

[1] عرابشس اکاڈے میین [2] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۲۵ ص ۳۰۲ تا ۳۲۹، ۳۷۵ تا ۳۸۶ [3] جامع بیان العلم حصہ اول ص ۶۳ تا ۷۷ [4] طبقات ابن سعد جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۷، بخاری، علم کتابت، ترمذی باب العلم، مسند امام احمد بن حنبل، جلد دوم صفحات ۱۶۴، ۲۰۷، ۲۱۵، ۲۴۸ [5] اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن العاص [6] طبقات ابن سعد جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۸

[7] MUHST دمرکن کتاب تحقیقات اسلامیہ، جلد دوم، ص ۱۰

حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اوّل کے پاس پانسو احادیث کا مجموعہ تھا، لیکن انہوں نے یہ مقدس بیاض اس خیال سے تلف کر دی کہ ممکن ہے کہ بعض احادیث ان تک غیر معتبر رواۃ سے پہنچی ہوں[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت علیؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس میں کچھ قوانین درج تھے۔[2] ایک دوسرے صحیفہ کے متعلق روایت ہے کہ سمرہ بن جندبؓ کے پاس تھا۔ گولڈ سیہر کے قول کے مطابق یہ وہی رسالہ ہے، جو انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا۔ اس میں بہت سی احادیث درج تھیں[3]۔ جابر بن عبداللہؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس کی محتویات کے حوالہ سے قتادہ بعد کے زمانہ میں حدیثیں روایت کیا کرتے تھے[4]۔ عبادہ بن سعیدؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادہ نے بعض اعمال رسولؐ بیان فرمائے ہیں۔[5] امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں ایک حدیث بیان کی ہے، جو ان کے نزدیک دراصل عبداللہ بن ابی ادفی کی کسی کتاب سے لی گئی تھی[6]۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک سے زیادہ کتابوں میں احادیث جمع کی تھیں۔ کیونکہ امام ترمذی اپنی "سنن" میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص شہر طائف سے ان ہی کتابوں سے کوئی کتاب ان کے پاس لایا اور وہ ان کو پڑھ کر سنائی۔ گویا سند و اجازت حاصل کی[7]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اس قدر کتابیں چھوڑیں کہ ایک بار شتر کے مساوی ہوئیں[8]۔ بعد کو ان ہی کتابوں سے ان کے بیٹے علی نے استفادہ کیا[9]۔ اور یہی وہ کتابیں ہیں جن سے کچھ مواد واقدی نے بھی جمع کیا تھا، جیسا کہ ایک عبارت سے جو مواہب میں منقول ہے، متبادر ہوتا ہے[10]۔ حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق غالب خیال یہ ہے کہ بعض احادیث انہوں نے اپنی زندگی کے آخر زمانہ میں قلمبند فرمائیں اور ان قلمبند شدہ احادیث کو انہوں نے ابن وہب[11] اور امیہ الضمری[12] کو دکھایا تھا۔ صحیفہ ہمام جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث پر مبنی ہے، کافی مشہور ہے[13]۔

بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان صحائف و کتب کے علاوہ اصحاب رسولؐ اور ان کے تلامذہ نے بعض جستہ جستہ احادیث بھی قلمبند کیں۔ سنن ترمذی کی ایک روایت کے مطابق انصار میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کمزوری حافظہ کی شکایت کی۔ ارشاد ہوا کہ اپنے دستِ راست کو کام میں لاؤ یعنی لکھ لیا کرو[14]۔ حضرت ابورافعؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگ لی تھی۔[15] حضرت ابوشاہؓ نے سال فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ عالیہ سن کر التجا کی کہ یہ خطبات ان کے لیے قلمبند کرا دیے جائیں۔ چنانچہ ان کی درخواست منظور ہوئی[16]۔ حضرت عتبان بن مالک انصاری نے ایک حدیث کو اس درجہ پسند فرمایا کہ انہوں نے وہ حدیث لکھ لی۔[17]

ان صحائف و کتب کے علاوہ جن کی تعداد میں مزید تحقیق و تلاش کے بعد مزید اضافہ ممکن ہے اور نیز ان متفرق احادیث کے علاوہ

---

[1] طبقات الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۵، [2] بخاری، دیت عاقلہ [3] MUHST [4] ایضاً [5] ترمذی باب الیمین مع الشاہد [6] باب الصبر علی القتال [7] علل ترمذی [8] جامع البیان العلم حصہ اوّل [9] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۶ [10] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵ صفحہ ۳۸۔ [11] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ [12] جامع البیان العلم حصہ اوّل [13] تہذیب التہذیب جلد اوّل شمارہ ۵۷۴۔ نیز دیکھو مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۸ [14] سنن ترمذی [15] تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ [16] بخاری باب العلم [17] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵۔

جن کو صحابۂ کرام رضؓ نے اپنی اپنی پسند سے نقل کیا تھا، جن میں ممکن ہے کہ بعض صحیح نہ ہوں یا بعض مکرر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زکوٰۃ [1] صوم و صلوٰۃ [2] اور صدقہ و دیت [3] کے متعلق قوانین املا فرمائے۔ ایک فرمان جس میں صدقات کے متعلق احکام درج تھے، جو ہنوز عمال کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تھا۔ آپؐ کی وفات پر آپؐ کی تلوار سے لپٹا ہوا پایا گیا، جو بعد کو خلفائے راشدین کے قبضہ میں آیا [4]
بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں، جن میں قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز خصوصاً احادیث کو نقل کرنے کی مخالفت آئی ہے۔

چنانچہ ابوسعید سعد بن مالک الخدری، حضرت زید بن ثابت رضؓ (کاتب رسولؐ) اور حضرت ابوہریرہ سے ایسی احادیث مروی ہیں [5] صحابہ میں تابعین میں سے بعض بزرگوں نے احادیث کو قلمبند کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت ابوموسیٰ رضؓ، ابن سیرین، ضحاک، عبیدہ، ابراہیم ابن المعتمر، اوزاعی، علقمہ، عبیداللہ بن عبداللہ، ابن عیینہ کے نام خاص طور پر بیان کیے جاتے ہیں [6]
ان میں سے بعض مثلاً حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے خود بھی احادیث قلمبند فرمائیں اور ان کے پاس اپنی کتابیں اور صحیفے بھی موجود تھے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، ان میں سے بعض مثلاً ضحاک، ابراہیم اور علقمہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ احادیث کو بصورتِ کتاب مرتب کرنے کے خلاف تھے مگر بطور یادداشت قلمبند کرنے کے مخالف نہ تھے کہ جس سے حافظہ کو مدد مل سکے۔ مگر ان میں سے بعض مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن سیرین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کتابت احادیث کی ہر شکل کو ناپسندیدہ خیال کرتے تھے [7]

علمائے اسلام نے اس ظاہری تضاد و تخالف کی، جو کتابت احادیث کے بارہ میں پایا جاتا ہے، مختلف توجیہات کی ہیں۔ ابن قتیبہ "تاویل مختلف الحدیث" (صفحہ ۳۶۵ تا ۳۶۶) میں فرماتے ہیں کہ یا تو یہ امتناعی احادیث (جن میں تحریرِ حدیث سے روکا گیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور بعد کی احادیث سے، جو ان کی متضاد ہیں منسوخ قرار پاتی ہیں، یا یہ ممانعت محض ان صحابہ رضؓ کے لیے تھی، جو فنِ تحریر سے واقف نہ تھے۔ اس کے برعکس جن صحابہ رضؓ کے متعلق یہ یقین تھا کہ وہ صحیح طور پر لکھنا جانتے ہیں کتابتِ احادیث کی اجازت تھی۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم (کتاب الزہد) میں اس ظاہری تضاد کی اور بھی متعدد توجیہات کی ہیں۔
اگرچہ عرب میں فنِ تحریر کا رواج بعثت نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور نثر یات سے بھی اہل عرب بالکل ناآشنا نہ تھے۔ [8] لیکن قبل از اسلام نہ تو فنِ تحریر ہی عرب میں عام تھا اور نہ عربی میں نثر کی کتابیں۔ پورے شہر مکہ میں، جو جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر تھا، کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے [9] مدینہ میں جہاں یہودیوں کا اثر تھا اور جن کے متعلق شہرت ہے کہ وہ فنِ تحریر میں عربوں کے استاد تھے۔ اس فن کے واقف کاروں کی تعداد ایک دجن سے بھی کم تھی۔ طبقات ابن سعد میں اس زمرہ کے صرف ۹

---

[1] دارقطنی صفحہ ۲۰۴، ۲۰۹، ۴۸۵، [2] طبرانی ص۲۱۔ [3] کنزالعمال جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۷، طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۹، دارمی صفحہ ۲۹۳، [4] ابوداؤد زکوٰۃ السائمہ [5] مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۴۰۳، ج ۳ ص ۱۲، ج ۵ ص ۱۸۳، دارمی ص ۶۴ مسلم باب الزہد [6] جامع بیان العلم ص۶۳ تا ۷۶، جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۲۵۔ [7] دارمی ص۶۴ [8] (MUHST) ج ۲ ص ۲۰۴ تا ۲۰۵۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵ ص ۳۷۵ وغیرہ، [9] فتوح البلدان ص ۴۷۷ تا ۴۸۰۔ [10] ان ۹ شخصوں کے نام یہ ہیں: ابوعبس، ابی بن کعب، عبداللہ بن رواحہ، اوس بن خولی، منذر بن عمرو، اسید بن حضیر اور ان کا باپ، سعد بن عبادہ، رافع بن مالک

آدمیوں کا ذکر آیا ہے۔ ابن سعد کا بھی یہ بیان ہے کہ قبل از اسلام فنِ تحریر سے شاذ ہی کام لیا جاتا تھا اور اس کا جاننا عربوں میں بڑا کمال سمجھا جاتا تھا۔ جو شخص فنِ تحریر، شناوری، تیر اندازی تین فن جانتا تھا، اس کو الکامل[1] کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی روایت ہے کہ ذوالرمہ نے جو عرب کا آخری خضرمی شاعر تھا۔ تحریر سے واقفیت کے باوجود اس نے محض اس لیے کام نہیں لیا تھا کہ علمۃ الناس اسے نظرِ حقارت سے نہ دیکھیں[2]

گولڈ سیہر کہتا ہے کہ: "بدو لوگ آج بھی لکھنے پڑھنے کو حقیر خیال کرتے ہیں[3]"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں اس فن کو فروغ دینے کے لیے کافی کوشش فرمائی۔ آپ کی توجہات کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ جن مسلمانوں کو نبوت کے ابتدائی دور میں آپؐ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہوا۔ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہ اس فن سے محروم رہتے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص مکی سے ارشاد فرمایا: کہ وہ اہلِ مدینہ کو فنِ تحریر سکھائیں[4]۔ شفاء بنت عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کو تحریر کی تعلیم دیں[5]۔ غزوہ بدر کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اسیرانِ جنگ میں سے جو مفلس و نادار فدیہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اور فنِ تحریر سے واقف ہوں، وہ دس مسلمان بچوں کو یہ فن سکھائیں، اس کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیا جائے[6]۔ ان ہی اسیرانِ جنگ میں کسی شخص سے حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ فن حاصل کیا۔ آپ کی رضامندی کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ حضرت عبادہ بن الصامت۔ بعض اصحابِ صفہ کو قرآن اور فنِ تحریر کی تعلیم دیتے۔ ان ہی اصحاب الصفہ میں سے کسی نے حضرت عبادہ کو ایک کمان بھی نذر کی تھی[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں فنِ تحریر کی بالواسطہ بھی ترویج و اشاعت فرمائی۔ ایک باضابطہ مملکت کے قیام کے لیے یہ ضروری تھا کہ دوسرے قبیلوں سے تحریری معاہدے کیے جائیں، مختلف فرمانرواؤں کو خطوط اور عمالِ مملکت کو احکام لکھے جائیں اور مملکت کے لیے قوانین قلمبند کیے جائیں۔ اس لیے تاریخ کے صفحات ہمیں یہ بھی بتلاتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفا نے فنِ تحریر کو تمام ان … میں جو انہوں نے قائم کیے، لازمی قرار دے دیا تھا۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ آپؐ کو کاتبین سے نفرت تھی۔ لغو سی بات ہے۔ بعض وہ احادیث … حدیث کا بالخصوص اور قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا بالعموم ضبطِ تحریر میں لانا ممنوع قرار دیا ہے، ان احادیث کے مقابلہ میں جو کتابت احادیث کی تائید میں ہیں ضعیف بھی ہیں اور تعداد میں بھی کم ہیں۔ ان احادیث کی بنا یقیناً یا تو اس فن سے بیزاری و ناپسندیدگی ہوگی، جو نبوت کے ابتدائی دور میں عربوں میں عام تھی یا اس کا محرک یہ خوف و خطرہ ہوگا کہ کہیں حدیثیں متن قرآن میں خلط ملط نہ ہو جائیں، جس کی تقدیس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد عزیز تھی۔ جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے، تو حکم دے دیا کہ احادیث اور نسخہ آن کے علاوہ دوسری چیزیں بھی تحریر میں لائی جا سکتی ہیں۔ بخاری کی ایک حدیث سے بھی، جس میں فتح مکہ میں حضرت ابو شاہؓ کے لیے رسول اللہ …

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ حصہ ۲ [2] کتاب الاغانی جلد ۱۶ ص ۱۲۱ [3] MUH. ST. جلد اول ص ۱۱۲ [4] اسد الغابہ، عبدا… العاص (ج ۳ ص ۲۴۵) [5] فتوح البلدان ص ۴۷۷ ، [6] طبقات ابن سعد جلد ۲ حصہ اول صفحہ ۱۴ [7] ابو داؤد۔ کتاب العلم

صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی تحریر و تہذیب کی اجازت کا ذکر ہے، اس خیال کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ جن احادیث میں رقم و تحریر احادیث کی اجازت ہے، وہ ان احادیث کے مقابلہ میں، جن میں اس کی ممانعت ہے بعد کی ہیں، اس لیے وہ پہلی احادیث کی ناسخ ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین تحریر کرانے سے اس خیال کی مزید توثیق ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کا جمع و تالیف احادیث کے بارہ میں جو عمل تھا۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام مانع تحریر حدیث تھے، اس وقت منسوخ ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے جمع احادیث کا قصد فرمایا، تو دوسرے صحابہؓ سے بھی مشورہ لیا۔ سب نے بالاتفاق اُن کے خیال کی تائید کی۔ حضرت عمرؓ نے پورے ایک ماہ تک اس پر غور فرمایا اور استخارہ کر کے اس مصلحت کی بنا پر فی الحال اس کام کو ملتوی کر دیا کہ مسلمان کہیں احادیث کے شغف میں قرآن سے بے پروا اور غافل نہ ہو جائیں یہ کسی طرح عقل و قیاس میں نہیں آسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود حضرت عمرؓ اس مسئلہ پر پورے ایک ماہ تک سنجیدگی سے غور فرماتے اور دوسرے تمام صحابۂ کرام بالاتفاق جمع احادیث کی صلاح دیتے۔ پھر حضرات صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے کے خلاف اس کام کو ملتوی رکھنے کے بارے میں قولِ رسولؐ نقل کرنے کے بجائے یہ عذر پیش کرنے کہ ڈر ہے کہ جمع و تدوین احادیث کے بعد مسلمان قرآن سے غفلت و بے اعتنائی نہ برتنے لگیں۔

یورپ کے ان مستشرقین کا جنہوں نے اس موضوع کا مطالعہ ناقدانہ نظر سے کیا ہے، خیال ہے کہ بعض احادیث ایسی بھی ہیں، جو زمانۂ رسالت میں لکھی جا چکی تھیں، چنانچہ ڈاکٹر اے سپرنگر (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) لکھتا ہے۔

"عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری تک احادیث کی حفظ و صیانت کا طریقہ محض زبانی یادداشت تھا۔ یورپ کے محققین ایک غلط تخیل کے تحت (جس کا سبب لفظ "حدثنا" ہے عموماً روایت احادیث ان ہی الفاظ سے شروع ہوتی ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری نے جو احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث بھی ان سے قبل نہیں لکھی گئی۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو اور بعض دوسرے صحابہؓ نے خود اقوالِ رسولؐ قلم بند کیے تھے اور ساتھ ہی بہت سے تابعین نے بھی ان حضرات کی پیروی کی۔" [1]

یہ محقق اور فاضل مستشرق اپنے پُر از معلومات مقالہ "تاریخ نویسی کا آغاز وارتقاء" (جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے مجلہ جلد [2] ۲۵ میں شائع ہوا ہے) اس مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تاہم متکلمین و محدثین میں سے بعض بالکل ابتدائی دور ہی سے جو چیز محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اس کو قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت عبداللہ بن عمروؓ، انس بن مالکؓ اور ابن عباسؓ کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور دوسروں کی بہ نسبت ان بزرگوں نے اخبار و آثار رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ تعداد میں محفوظ کیا۔ ان بزرگوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی احادیث اُن کے بعد اُن کے خاندانوں میں محفوظ رہیں۔" [3]

اگناتس گولڈ سیہر جو ایک بڑا فاضل مستشرق اور علم الحدیث کا مبصر سمجھا جاتا ہے، اپنی کتاب "MOHAMMADISCHE STUDIEN"

---

[1] LIFE OF MOHAMMAD (حیاتِ محمد) ص ۶۶ تا ۶۷ [2] [3] ص ۳۸۰

میں جواس کی دوسری تصانیف کی طرح خزینۂ معلومات اور تنقید و تاریخ حدیث کی ایک مستند کتاب ہے، لکھتا ہے۔

" حدیث کی کسی عبارت کے لیے لفظ "متن" کا استعمال، جو لفظ "اسناد" یعنی سلسلۂ رواۃ سے الگ چیز ہے، خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ مسلمانوں میں احادیث کا لکھا جانا ممنوع و ناجائز تھا، اور وہ صرف زبانی یاد کی جاتی تھیں۔ یہ بات ماننا پڑے گی کہ حدیثوں کا لکھنا حفظ و صیانت احادیث کا بہت پرانا طریقہ ہے۔ دراصل تحریر حدیث سے کراہت کا نتیجہ ہے، ان خیالات کا جو بعد میں پیدا ہوئے۔ ان احادیث کو جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہی میں لکھ کر محفوظ کر لی گئی تھیں، متن حدیث کا قدیم ترین عنصر خیال کرنا چاہیے۔ اس خیال میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ صحابۂ کرام اور ان کے تلامذہ سہو و نسیان کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام لکھ کر محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں معمولی انسانوں کے حکیمانہ اقوال تک تحریراً محفوظ کر لیے جاتے تھے، پیغمبر خدا کے اقوال و ارشادات کو محض زبانی یادداشت پر چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ بہت سے صحابہ اپنے ساتھ صحیفے رکھا کرتے تھے۔ ان صحیفوں کی مدد سے اپنے تلامذہ کو تعلیم و تربیت دیتے تھے اور ان صحیفوں کی محتویات "متن الحدیث" کہلاتی تھیں۔ یہی مصنف اپنی تصنیف کے باب ہفتم (صفحہ ۱۹۵) میں لکھتا ہے:

"ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ اصحاب الحدیث اس نظریہ کی تردید نہیں کرتے کہ احادیث رسولؐ بالکل ابتدائی زمانہ ہی میں قلمبند کر لی گئی تھیں۔ درحقیقت تحریر حدیث کی قدامت کے بارے میں ہمیں بہت سے ثبوت ملتے ہیں، مثلاً بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے صحیفے"

عربی کی بعض قدیم اور مستند کتابوں اور یورپ کے بعض ممتاز ترین علم الحدیث کے مبصرین کے مذکورہ بالا بیانات ان لوگوں کو بھی، جو حدیث کی جانب سے شک و شبہ میں گرفتار ہیں، اس امر کا یقین دلانے کے لیے کافی ہیں کہ درحقیقت احادیث رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں سپرد قلم کی گئی تھیں اور اس زمانہ کے حدیث کے صحیفے بھی اس امر کا ثبوت ہیں کہ تاریخ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں کثیر التعداد احادیث ضبط تحریر میں لائی جا چکی ہوں گی۔

؎ MUH. ST جلد نمبر ۲ صفحہ ۸ تا ۹

حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت

عبد الغفار حسن

حدیث کی عظمت و اہمیت گھٹانے اور انکارِ سُنت کی راہ ہموار کرنے کے لیے عموماً اُن آیات و روایات کا سہارا لیا جاتا ہے، جن میں "ظن" کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ذیل کے مضمون میں "ظن" کی اصلی حقیقت قرآن و سُنت اور لغت عرب سے واضح کرتے ہوئے یقین و ظن کے لحاظ سے سُنت و حدیث کا جو مقام ہے، اس کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

"ظن سے" کی مذمت میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن۔ (حجرات ۱۲)	اے ایمان والو! گمان کی بہت سی قسموں سے بچو۔
۲۔ ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدی۔ (النجم ۲۳)	وہ مشرکین صرف ظن اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔
۳۔ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (یونس ۶۶)	وہ نہیں پیروی کرتے، مگر گمان کی، وہ تو صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں۔
۴۔ وما یتبع اکثرھم الا ظنا، ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (یونس ۳۶)	ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں، بلاشبہ ظن حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔
۵۔ وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون (جاثیہ ۲۴)	اور کہا انہوں نے نہیں وہ مگر دنیاوی زندگی۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا، مگر زمانہ اور ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں۔ وہ تو صرف ظن و تخمین میں مبتلا ہیں۔
۶۔ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین (جاثیہ ۳۲)	ہم صرف گمان ہی کرتے ہیں اور ہم یقین نہیں رکھتے۔
۷۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم (بنی اسرائیل ۳۶)	جس بات کا تمہیں علم نہیں، اُس کے پیچھے مت پڑو۔

ان آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

ایاکم والظن فان الظن اکذب (الحدیث)	ظن سے بچو۔ بیشک "ظن" سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

"ظن" کی اصل حقیقت

مذکورہ بالا آیات اور حدیث میں "ظن" کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل حقیقت لغتِ عرب اور قرآنِ حکیم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

امام راغب کہتے ہیں:

الظن اسم لما یحصل عن امارة ومتی قویت ادت الی العلم ومتی ضعفت جدًّا لم یتجاوز حد التوھم۔ (مفردات راغب ص ۳۱۹)

علامات وقرائن سے جو شے حاصل ہو اُسے ظن کہا جاتا ہے۔ اگر یہ علامات وقرائن قوی ہوتے ہیں، تو ظن کی سرحد علم ویقین سے مل جاتی ہے اور اگر یہ قرائن بہت ہی زیادہ کمزور ہوں، تو پھر انتہائی درجہ وہم ہے۔

یعنی علامات وقرائن کی قوت وضعف کے لحاظ سے ظن کے درجات ومراتب مختلف ہیں۔

ظن کے مراتب و اقسام

۱۔ کسی شے کے وجود یا عدم پر قرائن وعلامات انتہائی قوی اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہوں، تو ظن کی یہ شکل یقین کے ہم معنی ہے۔ قرآن مجید میں ظن بمعنی یقین متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

ا۔ الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم وانھم الیہ راجعون (بقرہ ۴۶)

جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ب۔ قال الذین یظنون انھم ملاقوا اللہ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ۔ (بقرہ۔ ۲۴۹)

ان لوگوں نے، جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ملنے والے ہیں، کہا کہ: ایسے گروہ تھے جو قلّتِ تعداد کے باوجود کثیر التعداد گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آگئے۔

ان آیات میں "ظن" بمعنی یقین یا قریب بہ یقین مراد لینے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید نے مومنوں کی ایک نمایاں صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا وہ بالآخرۃ ھم یوقنون۔ واضح رہے کہ آخرت اور لقاءِ رب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۲۔ ظن کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کسی شے کے وجود یا عدم پر سو فی صدی قرائن موجود نہ ہوں بلکہ اس سے کم ہوں، مثلاً ۹۰ فی صدی اور اس سے بھی زیادہ۔ اس کو اردو میں گمان غالب سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس قسم کے ظن پر اعتماد واعتبار نہ صرف یہ کہ پسندیدہ ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری اور واجب ہے۔ ظن کا یہ مفہوم مندرجہ ذیل آیات میں ملتا ہے:

ا۔ لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسھم خیرًا (نور)

کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے اس (بہتان) کو سنا، مومن عورتوں اور مومن مردوں کے بارے میں اچھا گمان کرتے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں حسنِ ظن (خوش گمانی) سے کیوں نہ کام لیا کیونکہ زیادہ قرائن وعلامات اسی بات کے حق میں تھے کہ حضرت عائشہؓ کا دامن اس قسم کی تہمت سے پاک ہے۔

ب۔ فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما

دونوں میاں بیوی پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ آپس میں رجوع کر لیں،

حدود اللہ - (بقرۃ ۲۳۰) اگر ان کو یہ گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کر سکیں گے -

طلاق رجعی کی شکل میں میاں بیوی سے کہا جا رہا ہے کہ اگر دونوں اپنے حالات اور قرائن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کرنے پر آمادہ ہوں اور اس کے لیے گمان غالب کی حد تک روشن امکانات موجود ہوں، تو میاں بیوی اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں -

۳ - ظن بمعنی شک، یعنی کسی چیز کے وجود اور عدم پر یکساں قرائن و علامات موجود ہوں، دونوں میں سے کسی ایک کے قرائن کو ترجیح دینا ناممکن ہو - مثلاً ارشاد ربانی ہے -

وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً - (نساء)

اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس کی جانب سے شک میں ہیں، ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی علم و یقین نہیں ہے - سوائے ظن کی پیروی کے اور انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا -

اس آیت میں یہود کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے سلسلے میں ان کے اقوال و آرا کی بنیاد شک پر ہے علم و یقین پر نہیں ہے - اسی شک اور عدم علم و یقین کو اتباع ظن سے تعبیر کیا گیا ہے - اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس آیت میں ظن بمعنی شک استعمال ہوا ہے -

"شک" کے مفہوم کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو، مفردات راغب ص ۲۶۶ -

الشک اعتدال النقیضین عند الانسان وتساویھما وذالک قد یکون لوجود امارتین متساویتین عند النقیضین او العدم الامارۃ منھما -

۴ - "ظن" بمعنی وہم یعنی ایسا خیال و گمان، جس کی بنیاد کسی دلیل پر نہ ہو بلکہ واضح نص اس کے خلاف موجود ہو - مضمون کے شروع میں جن آیات کو نقل کیا گیا ہے، ان میں اس قسم کے بے بنیاد وہم و خیال کی مذمت کی گئی ہے اور حدیث میں اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے -

۵ - "ظن" بمعنی تہمت، جیسا کہ ایک قرأت میں ہے : وما ھو علی الغیب بظنین (سورۃ تکویر ۲۴) یہاں ظنین متہم کے معنی میں ہے - قرآن و سنت کی روشنی میں ظن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم مذموم اور قابلِ اجتناب ہیں اور اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں - مذکورہ بالا زیر بحث آیات پر غور کیا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۱ میں فرمایا گیا ہے کہ گمان کی بہت سی قسموں سے بچو - معلوم ہوا کہ گمان "ظن" کی ہر شکل قابلِ مذمت نہیں ہے، اس لیے بعد میں ارشاد ہوا :

ان بعض الظن اثم بلاشبہ گمان کی بعض صورتیں گناہ ہیں -

آیات (۲، ۳، ۴) میں مشرکین کے عقیدہ شرک اور ان کے مشرکانہ اقوال اور رسم و رواج کو بیان کیا گیا ہے، اور آخر میں ان کے عقائد کی بنیاد ظن و تخمین کو قرار دیا گیا ہے - یعنی اُن کے ان عقائد و رسوم کی پشت پر کوئی قابلِ اعتماد دلیل موجود نہیں ہے، حالانکہ اس کے برعکس شرک کی تردید اور توحید کے اثبات میں نہایت قوی عقلی اور کائناتی دلائل و قرائن موجود ہیں -

آیت (۵) میں حشر و نشر کے انکار کو "ظن" یعنی بے بنیاد وہم قرار دیا گیا ہے کیونکہ حشر و نشر (زندگی بعد موت) کا ثبوت متعدد عقلی اور نقلی دلائل و براہین سے واضح ہو چکا ہے۔ اس کا انکار کسی یقین اور علمی استدلال پر مبنی نہیں ہے۔

آیت (۶) میں مشرکین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے، جو انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

آیت (۷) میں ان باتوں کے پیچھے پڑنے اور ان کے بارے میں زبان کھولنے سے منع کیا گیا ہے جن کی بنیاد وہم و خیال پر ہو، اس لحاظ سے یہ آیت، آیت ۱ کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح حدیث "وایاکم والظن" میں اس ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو شکی اور وہمی مزاج کی پیداوار ہو۔

"ظن" کے یہ مراتب و اقسام اسی طرح ہیں، جس طرح کہ "یقین" کے متعدد مراتب و اقسام قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں۔

مراتب یقین

قرآن مجید میں یقین کے تین مراتب و منازل بیان کیے گئے ہیں، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ امام ابن تیمیہ نے ان تینوں مراتب کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "علم الیقین" علم کے اس درجہ کا نام ہے، جو کسی شخص کو کسی کی بات سننے۔ کسی دوسرے شخص کے بتلانے اور کسی امر میں قیاس اور غور و فکر کرنے سے حاصل ہو پھر جب اُسے آنکھوں سے مشاہدہ اور معائنہ کرے گا، تو اسے "عین الیقین" کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا، اور جب دیکھنے کے بعد اسے چھوئے گا محسوس کرے گا، اُسے چکھے گا اور اس کی حقیقت کو پہچان لے گا، تو اُسے "حق الیقین" کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ علم الیقین کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں مقام پر شہد ہے۔ اب راوی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا علم الیقین ہے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ خود آنکھوں سے شہد کے چھتے کا مشاہدہ کر لیا جائے یہ عین الیقین کا مرتبہ ہے۔ یہ درجہ پہلے مرتبہ کی بہ نسبت اعلیٰ اور یقین و اذعان کے لحاظ سے اونچا مقام رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "ولیس الخبر کالمعاینۃ" یعنی جو کان سے سن لے، وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو آنکھ سے دیکھ لے۔ حق الیقین کی مثال یہ ہے کہ کسی نے شہد کو چکھ کر اس کا مزہ اور اس کی مٹھاس محسوس کر لی یہ تیسرا درجہ دوسرے درجہ کی نسبت اعلیٰ و ارفع ہے۔

اب یوں سمجھنا چاہئے کہ جہاں سے یقین کا ابتدائی درجہ شروع ہوتا ہے، وہاں ظن کی اعلیٰ ترین قسم کی سرحد ختم ہوتی ہے یقین کے یہ تینوں مراتب درجہ بدرجہ شریعت اسلامیہ میں مطلوب ہیں۔ لیکن "ظن" کی مذکورہ بالا پانچ اقسام میں سے دو یعنی ظن بمعنی یقین اور ظن یعنی گمان غالب مستحسن ہیں، بلکہ بعض حالات میں ان پر اعتماد کرنا واجب ہے باقی رہیں آخری تین قسمیں، تو ان سے احتراز و اجتناب ضروری ہے اصولِ حدیث کی کتابوں میں حدیث کو ظنی یا مفید کہا گیا ہے۔ اس سے مراد ظن کے پہلے یا دوسرے معنی ہو سکتے ہیں نہ کہ تیسرے اور چوتھے معنی!

واضح رہے کہ گمان غالب کے لحاظ سے مفید ظن روایات کو اخبار آحاد کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی حدیث جس کے راوی تعداد کے اعتبار سے حد تواتر کو نہ پہنچے ہوں۔

خبر متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ناممکن ہو۔

اب یقین کے مختلف مراتب اور ظن کی متعدد صورتوں کے اعتبار سے حدیث کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

۱۔ ایسے عملی مسائل پر مشتمل احادیث، جو امت میں شروع سے اب تک بغیر کسی اختلاف کے ایک دَور سے دوسرے دَور میں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ مثلاً اذان و اقامت کے کلمات، صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، رکوع و سجود کی تعداد۔ اس قسم کے بیسیوں وہ امور ہیں، جو حدیث کی مستند کتابوں میں درج نہیں اور ان کی تائید میں پوری امت کا تعامل (عملدرآمد) بغیر کسی شائبۂ اختلاف کے موجود ہے۔ سنت و حدیث کا یہ وہ سرمایہ ہے جس کا یقینی پہلو قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی طرح محکم اور مضبوط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے کاتبوں اور حافظوں کی تعداد اگر ہر دَور میں لاکھوں رہی ہوگی، تو نمازیوں اور روزہ رکھنے والوں کی گنتی کروڑوں سے کم نہ ہوگی۔ تواتر اور راویوں کی ان گنت تعداد کے لحاظ سے حدیث کا یہ سرمایہ قرآن ہی کی طرح یقینی ہے، اس کا انکار خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔

حدیث کا یہ سرمایہ شک و شبہ سے بالاتر ہونے کے اعتبار سے حق الیقین کا مقام رکھتا ہے۔

۲۔ تواتر کی دوسری قسم علم کی اصطلاح میں تواتر طبقہ عن الطبقہ کہلاتی ہے۔ یعنی ایک دور کے ان گنت افراد دوسرے اور بے شمار لوگوں کی طرف کامل اتفاق کے ساتھ کسی بات کو منتقل کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال قرآن مجید کا ایک دَور سے دوسرے دَور کی طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہونا ہے۔ یہ قسم بھی حق الیقین کے درجہ میں ہے۔

۳۔ تواتر اسناد: یعنی حدیث کا ایک متن متعدد سندوں سے مروی ہو۔ یہ تعداد بھی اتنی ہو کہ حدِ تواتر تک پہنچ جائے۔ مثلاً حدیث من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار (یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔)

یہ روایت ۶۲ صحابہ سے منقول ہے، جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ایک دوسری تحقیق کے مطابق صحابہ کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ ابن اصلاح ص ۱۳۵

اسی طرح ختم نبوت پر احادیث ۱۵۰ اصحابہ سے مروی ہیں، جن میں سے تیس ۳۰ صحابہؓ کے اسمائے گرامی صحاح ستہ میں ملتے ہیں۔
مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم ص۲

۴۔ تواتر قدر مشترک یا تواتر معنوی: یعنی کسی واقعہ کے بارے میں منقول تمام جزئیات و تفصیلات تو حدِ تواتر کو نہیں پہنچتیں، لیکن مختلف روایات میں جو قدر مشترک پایا جاتا ہے، اس کے متواتر ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً حاتم طائی کی سخاوت کے بارے میں جو تفصیلات زبان زد عوام ہیں، وہ سب کی سب متواتر نہیں ہیں لیکن ان سب حکایات و واقعات میں ایک بات قدر مشترک کی حیثیت سے پائی جاتی ہے اور وہ ہے حاتم کی بے پناہ جود و سخا۔ اس کا انکار بداہت کے انکار کا ہم معنی ہے۔ سنت کے مستند ذخیرے میں اس تواتر کی نمایاں مثال احادیث معجزات ہیں۔ یہ روایات اپنی سند اور راویوں کی تعداد کے لحاظ سے متواتر کی حد سے کم ہیں لیکن ان میں جو قدر مشترک پایا جاتا ہے، اس کے متواتر ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان احادیث میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسے افعال کا صدور ہوا ہے جو خارق عادت اور سلسلہ اسباب سے ماوراء ہیں۔

حدیث کی اقسام (۳، ۴) سے یقین و اطمینان کی وہی کیفیت حاصل ہوتی ہے، جو "عین الیقین" سے حاصل ہو سکتی ہے۔

حدیث متواتر کی ان اقسام کے بعد خبرِ واحد کا نمبر آتا ہے۔ راویوں کی تعداد اور ان کی ثقاہت کے لحاظ سے اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے بعض اقسام مفید لیقین ہیں۔ (یعنی ان سے علم الیقین کی سی اطمینانی کیفیت حاصل ہوتی ہے) اور بعض انواع مفید ظن ہیں یعنی گمان غالب کی حد تک انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ایسی روایات، جو راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدِ تواتر کو نہ پہنچ سکیں۔ ان کو اخبار آحاد (خبرِ واحد) شمار کیا جاتا ہے۔ خبرِ واحد کی راویوں کی تعداد کے اعتبار سے چند قسمیں ہیں۔

۱۔ مشہور۔ ایسی روایت جس کے سلسلہ سند میں شروع سے آخر تک (یعنی ہر دور میں) راویوں کی تعداد دو سے زیادہ ہو

۲۔ عزیز۔ ایسی حدیث جس کی تعداد رواۃ ہر دور میں دو سے کم نہ ہو۔

۳۔ غریب۔ ایسی روایت جس کی سند کسی دور میں یا تمام ادوار میں ایک راوی پر مشتمل ہو۔

واضح رہے کہ محدثین کے نزدیک اگر کسی روایت کی سند کے اکثر ادوار میں راویوں کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہو لیکن کسی ایک دور میں ایک ہی راوی ہو تو اس روایت پر "غریب" ہی کا اطلاق ہوگا۔ یہی حال خبرِ واحد کی دوسری انواع کا بھی ہے مثلاً بعض محدثین کی بعض روایات کی سند اس طرح پر ہے: عن احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سند میں مولف کتاب اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان چار واسطے پائے جاتے ہیں۔ اب اگر تین واسطوں کے ساتھ بہت سے راوی موجود ہوں لیکن ایک واسطہ بھی اپنی جگہ منفرد رہ جائے، تو یہ حدیث غرابت سے خالی نہ ہوگی اس قسم کی احادیث کے راوی اگر ثقہ اور قابلِ اعتماد ہوں، تو یہ محدثین کے نزدیک قابلِ قبول ہوتی ہیں لیکن خبرِ واحد کی ان انواع کو ظنی (مفید ظن) قرار دیا گیا ہے یہاں ظن سے مراد گمان غالب ہے، جس کی سرحدیں علم لیقین سے انتہائی قریب ہوتی ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں ان تمام ذرائع پر اعتماد کیا گیا جن کی بنیاد گمان غالب پر ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی آیت: واشھدوا ذوی عدل منکم کی روشنی میں دو عادل گواہوں کی شہادت پر اعتماد کیا گیا ہے اور اس شہادت کی بناء پر قتل جیسے فوجداری معاملات کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے حالانکہ اس شہادت کا درجہ سو فی صدی یقینی نہیں ہے، بلکہ جو کچھ بھی ہے، وہ ظن (گمان غالب) ہی ہے یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس مسلمان کی جان کا تحفظ (عصمت) قرآن اور سنت متواترہ کے ذریعہ ثابت ہے، اسی کو دو عادل گواہوں کی شہادت کی بناء پر قتل کا مجرم قرار دیتے ہوئے قصاص میں پھانسی پر لٹکایا جا سکتا ہے۔

خبرِ واحد کا یقینی پہلو

محدثین کرام نے جہاں خبرِ واحد کو مفید ظن کہا ہے، وہاں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ اگر خبرِ واحد کے ساتھ دوسرے قرائن و شواہد وابستہ ہوں، تو یقین کا پہلو نکل آتا ہے۔ یعنی خبرِ واحد مشتمل بر قرائن و شواہد علم الیقین کا فائدہ دیتی ہے۔

اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان قرائن و شواہد کی تین مثالیں دی گئی ہیں۔

۱۔ بخاری و مسلم کی وہ تمام روایات، جو محدثین کے نقد و تبصرے سے بالاتر رہی ہیں صحت و قوت اور قبولیتِ عام کے لحاظ سے ان کا درجہ ان روایات سے کہیں زیادہ بلند ہے، جو صرف راویوں کی ثقاہت کی بناء پر قابل اعتماد ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو تلقی

بالقبول (قبولیتِ عام) کا مقام حاصل ہونا اور ان کی صحت قابلِ اعتماد ہونے پر امت کا اجماع (اتفاق ہونا) ایسے مضبوط قرائن و شواہد ہیں کہ جن کی بنا پر یہ احادیث مفید علم یقین قرار پاتی ہیں۔

حدیث مشہور بھی مفید علم یقین ہے جب کہ وہ متعدد الگ الگ سندوں سے مروی ہو۔ اور ہر قسم کی فنی خامی اور راویوں کے ضعف سے پاک ہو۔

۲۔ حدیث مسلسل بالائمۃ: یعنی ایسی حدیث جس کے راوی ہر دور میں مشہور اہلِ علم میں سے ہوں، بشرطیکہ وہ اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد نہ ہوں، بلکہ علم و تقویٰ کے لحاظ سے اُن کے ہم پایہ کوئی دوسری شخصیت بھی ان کی ہم نوا ہو۔ مثلاً امام احمد بن حنبل، امام شافعی سے روایت کریں اور وہ بھی امام مالک سے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں بزرگوں کی ثقاہت اور علمی جلالت و عظمت سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے۔ اب اگر ان میں سے ہر امام کے ساتھ ایک دوسرا جلیل القدر عالم بھی شریک روایت ہو، تو سہو و نسیان کا امکان انتہائی کم سے کم رہ جاتا ہے اور اگر مذکورہ بالا تینوں شکلیں کسی ایک ہی حدیث میں یکجا ہو جائیں، تو اس صورت میں قطعیت اور یقین کا پہلو اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے یعنی جب ایک روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہو۔ راویوں کی تعداد کے لحاظ سے مشہور ہو، اور راوی بھی اکابر ائمہ دین میں سے ہوں۔

ان کے علاوہ اور بھی قرائن و شواہد ہو سکتے ہیں جن کی تفصیل کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔ اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خبرِ واحد کی بھی متعدد انواع مفید علم الیقین ہیں، اب صرف وہ اخبار احاد رہ جاتی ہیں جن کے راوی تقویٰ اور حافظہ کے لحاظ سے تو قابلِ اعتماد ہیں، لیکن دوسرے قرائن و شواہد سے ان کو تقویت اور تائید حاصل نہیں ہو سکی ہے، ان روایات کو بھی صحت و قوت کے لحاظ سے مختلف مراتب میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً صحیح لذاتہٖ، حسن لذاتہٖ، صحیح لغیرہٖ، حسن لغیرہٖ۔

۱۔ صحیح لذاتہٖ سے مراد وہ روایت ہے، جس کے راوی عدالت (تقویٰ) اور قوتِ حافظہ کے لحاظ سے قابلِ اعتماد ہوں، سند کی تمام کڑیاں باہمی متصل و مربوط ہوں، انقطاع کے نقص سے پاک ہوں، اور ہر قسم کی ان فنی خامیوں سے مبرا ہوں، جن کو فنِ حدیث کے ماہرین ہی جان سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ روایت ہر قسم کے شذوذ سے پاک ہو۔ (شذوذ کا مطلب محدثین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ قابلِ اعتماد راوی سے، حدیث میں دو یا تین ثقہ راویوں سے سند یا متن حدیث کے بیان میں اختلاف کرے) یہ پانچ شرطیں جس حدیث میں پورے کمال کے ساتھ پائی جائیں، وہ "صحیح لذاتہٖ" شمار ہوگی۔

۲۔ اگر تمام شرائط کے باوجود حافظہ کے لحاظ سے کچھ کمی پائی جاتی ہے، تو اس روایت کو "حسن لذاتہٖ" کہا جاتا ہے۔

۳۔ اگر کسی روایت میں ضعف کے متعدد وجوہ موجود ہوں، لیکن اس ضعف کی تلافی اس بنا پر ہو گئی ہو، کہ وہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے، تو ایسی حدیث کو "حسن لغیرہٖ" کہا جاتا ہے۔ محدثین کرام نے کسی روایت کو غرابت یا ضعف سے پاک کرنے کے لیے توابع و شواہد کی جستجو کا بھی اہتمام کیا ہے۔

۴۔ "صحیح لغیرہٖ" اگر کئی طرق (سندوں) سے مروی ہو، تو اس کا نام "صحیح لغیرہٖ" ہے۔

مثلاً ایک شخص مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے اساتذہ کے واسطے سے ایک قول شاہ ولی اللہؒ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اب اگر تلاش و جستجو سے مولانا مرحوم کا کوئی دوسرا شاگرد بھی اس قول کا راوی نکل آتا ہے، تو اُسے محدثین کی اصطلاح میں تابع کہتے ہیں، لیکن اگر کسی دوسری

محدث مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس قول کی تائید ہو جاتی ہے' تو اسے شاہد کہتے ہیں' اصولِ حدیث میں توابع و شواہد کی جستجو کا نام اعتبار ہے۔ محدثین کے ہاں اس "اعتبار" کی بڑی قدر و قیمت ہے' انہوں نے انتہائی کوشش اور جانفشانی سے ہزاروں روایات کے شواہد، توابع کو ڈھونڈ نکالا ہے' اس لیے پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ احکام و مسائل کے بارے میں شاید ہی ایسی کوئی منفرد روایت ہو' جس کے توابع و شواہد کا کھوج محدثین نے نہ لگا لیا ہو' واللہ درھم جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیرا۔

ان شواہد و توابع کی بنا پر بہت سی غریب یا حسن روایات گمان غالب سے بڑھ کر یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔

چند شبہات

علم حدیث پر جو مسلمانوں کو وثوق و اعتماد ہے' اس کو متزلزل کرنے اور ذخیرۂ روایات کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے منکرینِ سُنت کی طرف سے متعدد شبہات پھیلائے گئے ہیں۔

ایک لاکھ روایات

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب (صحیح بخاری جو سات ہزار روایات پر مشتمل ہے) کا انتخاب ایک لاکھ احادیث میں سے کیا ہے' امام بخاری کا اتنی بڑی تعداد کو نظر انداز کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ تیسری صدی ہجری تک احادیث کے نام سے بہت سی رطب و یابس روایات کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے انبار میں سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایک لاکھ کا عدد پیش کرتے ہوئے جو مغالطہ دیا جاتا ہے' اس کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق پیش نظر رہنے چاہئیں۔

۱۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک متنِ حدیث متعدد سندوں سے آیا ہے' تو یہ متن اپنی ہر سند کے لحاظ سے ایک حدیث شمار ہوتا ہے مثلاً مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات سات سو سندوں سے مروی ہے یعنی ایک حدیث کے سینکڑوں توابع و شواہد ہیں' فنِ حدیث میں یہ ایک حدیث نہیں بلکہ سات سو حدیثیں شمار ہوتی ہیں' ظاہر ہے کہ جب امام بخاری کی ایک ہی حدیث کی سندیں سینکڑوں تک پہنچتی ہیں' تو باقی روایات کے توابع و شواہد کی تعداد کہاں تک پہنچے گی۔ اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے:۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(تلقیح ابن جوزی مقدمہ ابن الصلاح ص۱۱)

واضح رہے کہ محدثین کی تحقیق کے مطابق تمام رطب و یابس روایات پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہیں' امام حاکم کا قول ہے کہ صحت و قوت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

۲۔ محدثین "حدیث" کا وسیع مفہوم لیتے ہوئے اس کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے آثار و اقوال پر بھی کر دیتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری نے ایک لاکھ میں سے خالص مرفوع احادیث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور اسوۂ حسنہ پر مشتمل روایات کو چھانٹ لیا۔ ظاہر ہے کہ امام محترم کا یہ طرزِ عمل امتِ اسلامیہ پر ایک بہت بڑا احسان ہے نہ کہ حدیث کے بارے میں بدگمانی کا موجب۔

۳۔ قرآنی کلمات "ماعون" کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین سے سات قول اور نعیم (سورہ تکاثر) کے بارے میں دس قول منقول ہیں' اہلِ علم کے ان ہر قول پر لفظ حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ (مقدمہ فتح الملہم ص۲)

اس ساری تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک لاکھ کے عدد کو ہوا بنا کر پیش کرنا کس قدر مغالطہ انگیز ہے۔

روایت بالمعنیٰ

دوسرا شبہ روایت بالمعنیٰ کی بنیاد پر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی استاذ اپنے شاگرد کی طرف سے ان الفاظ کو نقل نہیں کرتا، جو اس نے اپنے اُستاذ سے سُنے ہیں بلکہ اُن کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے، اس طرح بہت سے معانی اداء مطالب میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔

۱۔ روایت بالمعنیٰ فی نفسہٖ ناجائز یا ناقابل نفرت نہیں ہے۔ خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایک ہی قصّہ کو اور ایک ہی شخص کی گفتگو کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ ارشاد ہوا۔ هل اتاك حديث موسىٰ، اذ رأى نارًا فقال لاهله امكثوا انى آنست نارًا لعلى آتيكم منها بقبسٍ او اجد على النار هدىً (پ ۱۶ سورہ طٰہٰ-ع ۱)

دوسری جگہ فرمایا: فقال لاهله امكثوا انى آنست نارًا لعلى آتيكم منها بخبرٍ او جذوة من النار لعلكم تصطلون (پ ۲۰ سورہ قصص-ع ۳)

تیسرے مقام پر ارشاد ہوا: اذ قال موسىٰ لاهله انى آنست نارًا سآتيكم منها بخبرٍ او آتيكم بشهابٍ قبسٍ لعلكم تصطلون (پ ۱۹ سورہ النمل ع ۱)

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں ایمان لانے والے جادوگروں کی گفتگو متعدد مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اصل مفہوم سب جگہ ایک ہے، لیکن الفاظ میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا بہت بڑا حصّہ بعینہٖ الفاظِ نبویؐ کے ساتھ منقول ہے۔ مثلاً اذان و اقامت کے کلمات، اذکار و ادعیہ کے الفاظ اور احادیثِ قدسیہ۔

اِن کے علاوہ احکام و اخلاق کے متعلق احادیث کا دو تہائی حصّہ فعلی اور تقریری روایات پر مشتمل ہے (تقریر کے معنی ہیں کہ آپؐ کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور اس پر آپؐ نے انکار نہ فرمایا ہو۔) روایت بالمعنیٰ کا اگر سوال پیدا ہو سکتا ہے، تو وہ صرف قولی احادیث کے بارے میں ممکن ہے۔ اس طرح پورے ذخیرہ روایات پر غور کرنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن احادیث میں روایت بالمعنیٰ کا احتمال ممکن ہے وہ ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہیں۔ روایت بالمعنیٰ کو جائز قرار دیا گیا ہے، تو اس کے لیے محدثین نے بڑی شرطیں لگائی ہیں۔ یعنی یہ طریق کار وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں، جو زبان کے ماہر اور لُغت کی وسعتوں پر پوری طرح قابو پا سکتے ہوں۔

حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں:

ولا يجوز تعمد تغيير المتن مطلقاً ولا الاختصار منه بالنقص، ولا ابدال اللفظ المرادف باللفظ المرادف، الا لعالم بمدلولات الالفاظ

متنِ حدیث کے الفاظ میں عمداً تبدیلی کرنا یا اختصار کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ایک ہم معنی لفظ کو دوسرے ہم معنی لفظ سے بدلنا جائز ہے، ہاں یہ کام اس کے لیے جائز ہو سکتا ہے، جو الفاظ کے معانی و مطالب سے بخوبی واقف اور باخبر ہو (شرح نخبۃ الفکر)

نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم مقدمہ امام نووی و فتح المغیث شرح الحدیث العراقی ص ۵۷۶

۳۔ اگر اہلِ علم اور ماہرینِ لغت کے لیے بھی روایت بالمعنیٰ کی اجازت نہ ہو، تو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ بھی حرام قرار پاتا ہے اور ترجمانی بھی ناجائز ٹھہرتی ہے، حالانکہ اس بارے میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مواقع پر غیر عربی لوگوں سے ترجمانی کے واسطے سے گفتگو کی ہے، اور اسلام کا پیغام پہنچایا ہے، سردست انہی دو شبہات کے جوابات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

احادیث میں تمثیلات

مولانا جعفر شاہ پھلواروی

ہر قسم کی مادی تعلیم اور روحانی تربیت کی تکمیل تمثیل و تشبیہہ ہی سے ہوتی ہے اور دنیا کا کوئی لٹریچر خواہ وہ انسانی ہو، یا آسمانی اس سے خالی نہ رہ سکا اور نہ یہ ہونا ممکن تھا۔ کلام الٰہی کے بعد سب سے زیادہ اہم کلام رسولؐ ہے۔ ہم اس مضمون میں احادیثِ نبویؐ سے صرف چند تمثیلاتی نمونے پیش کر رہے ہیں۔

مقام نبوت کی تمثیل

اہلِ مکہ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی اہم معاملے کی اطلاع دینی ہوتی، وہ کوہِ صفا پر چڑھ جاتا اور حسبِ ضرورت فردیا خاندان کو بلانا ہوتا، آواز دے کر بلاتا۔ جب سب جمع ہو جاتے، تو ان کو اس معاملے سے آگاہ کر دیتا۔ نبوت کا تیسرا سال تھا اور ابھی چپ چپ کر تبلیغ ہوتی تھی۔ جب آیت "فاصدع بما تؤمر" نازل ہوئی، تو اہلِ مکہ کے رواج کے مطابق حضورؐ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کے مختلف خاندانوں کو آواز دے کر بلایا۔ حسبِ دستور لوگ جمع ہو گئے، تو حضورؐ نے ان لوگوں سے پوچھا:

ارئیتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی تریدان تغیر علیکم کنتم مصدقی	دیکھو اگر میں تم سے کہوں کہ شہسواروں کا ایک دستہ دوسری طرف کے دامنِ کوہ سے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا:

نعم ما جربنا علیک الا صدقا	ہاں ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ تم سچ ہی بولتے ہو۔

اپنی صداقت پر حاضرین کی زبان سے مہرِ تصدیق ثبت کرانے کے بعد حضورؐ نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:۔

فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔	(اچھا تو مجھے سچا سمجھتے ہو، تو ایک سچی حقیقت اور بھی سن لو کہ) میں تم سب کے لیے ایک بڑے سخت عذاب کی وارننگ دیتا ہوں۔

(رواہ الشیخان والترمذی عن ابن عباس)

اس واقعے میں تشبیہہ و تمثیل کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ لیکن یہ پورا واقعہ ہمہ تن تشبیہہ و تمثیل ہے۔ مقامِ نبوت کی اور اس سے بہتر تشبیہہ ممکن نہیں۔

حضورؐ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں اور سامنے ایک طرف دامنِ کوہ میں سب لوگ کھڑے ہیں، وہ سب حاضرین صرف پہاڑ کے اسی ایک طرف کا حال دیکھ رہے ہیں، جس طرف وہ خود کھڑے ہیں۔ پہاڑ کی پشت پر اس طرف کیا کچھ ہے، اس کا انہیں کوئی علم نہیں۔ اس لئے کہ بیچ میں پہاڑ حائل

حائل ہے۔ مگر حضورؐ کی حیثیت یہ ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں اور دونوں طرف دیکھ رہے ہیں۔ حضورؐ کی نظر ادھر حاضرین پر بھی ہے اور پہاڑ کے پس پشت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ نیچے کھڑے ہونے والے لوگوں کو اس طرف پس پشت کی کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ ان کو اس طرف کی اگر کوئی اطلاع مل سکتی، تو صرف اس شخص کے اطلاع دینے سے جو اوپر کھڑا پہاڑ کے دونوں رخوں کو یکساں دیکھ رہا ہے۔ بالکل یہی مثال ہے مقام نبوت کی۔ پیغمبر حال کے اعمال کو بھی دیکھتا ہے اور مستقبل کے نتائج پر بھی اس کی نظر جمی رہتی ہے۔ وہ دنیا کو بھی دیکھتا ہے اور آخرت کو بھی۔ اس کا تعلق خدا سے بھی ہوتا ہے اور خدا کے بندوں سے بھی۔ ادھر سے لیتا ہے ادھر پہنچا دیتا ہے۔ وہ آغاز کو بھی دیکھتا ہے اور اس طرح اسے انجام بھی نظر آتا ہے۔ بندوں کے سامنے ایک ہی رُخ ہوتا ہے۔ پیغمبر کی نگاہیں آخرت پر، انجام پر، غیوب پر، دماغ انسانی سے ورا اور اُ حقائق پر بھی ہوتی ہیں اور یہ حقائق انسانوں پر منکشف ہی نہیں ہو سکتے تا آنکہ انھیں پیغمبر نہ بتائے۔ عام انسانوں کی نگاہ اور نبوی بصیرت میں جو فرق ہے، اس کی تشبیہ و تمثیل اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے، جو حضورؐ نے عملی طور پر پیش فرما دی۔

خاتم النبیین کا صحیح مقام

اپنی مدح میں مبالغہ اور دوسروں کے فضل کے اعتراف میں تنگ دلی کا مظاہرہ عام انسانی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن پیغمبر اس قسم کی انسانی کمزوریوں سے ارفع ہوتا ہے اور وہ ہر بات کو اتنا ہی بیان کرتا ہے، جتنی وہ حقیقت کے مطابق ہو۔ عدل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ حضورؐ اپنی اور پیشرو انبیاؑ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کرجل	میری اور جو انبیاء مجھ سے پہلے گزرے ہیں ان کی مثال
بنی بیتا فاحسنه و اجمله الا موضع	یوں ہے، جیسے کسی نے ایک بڑی خوبصورت اور عمدہ عمارت بنائی
لبنة من زاویة من زوایاہ	ہو اور اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ
فجعل الناس یطوفون به و یعجبون	دی ہو۔ لوگ اس عمارت کے گرد گھوم گھوم کر حیرت زدہ
له ویقولون هلا وضعت هذه فانا	ہو رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔
تلك اللبنة وانا خاتم النبیین۔	پس سمجھ لو کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں

(رواہ الشیخان عن ابی ہریرہ)

اس حدیث میں ایک بڑی حقیقت یہ پوشیدہ ہے کہ تکمیلِ دین میں بھی ارتقائی منازل طے ہوتی رہی ہیں۔ عقل انسانی کے ساتھ ساتھ دینی تصورات میں بھی ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ جب ایک عمارت بنتی ہے تو بنیاد کھودنے سے لے کر تکمیل عمارت تک ہر قدم ارتقائی ہی قدم ہوتا ہے۔ دین کی عمارت میں بھی یہی صورت رہی ہے۔ ہر پیغمبر نے ایک اینٹ رکھ کر اس مقصد کو آگے بڑھایا ہے اور عمارت کو قریب تر کر دیا۔ لیکن تکمیل خاتم النبیین کے ہاتھوں ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت	آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام
علیکم نعمتی ..... الخ	پورا کر دیا۔

یہ اسلام ایک دین اور نظامِ زندگی کی حیثیت سے تمام انبیاؑ کا واحد اور مشترک دین تھا۔ یعنی سب کا دین اسلام ہی تھا، اور سب نے اس عمارت کو پروان چڑھانے میں اپنی استطاعت بھر حصہ لیا مگر تکمیل و اختتام اور اس نعمت کا اتمام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

... نبوت کا مقصد پورا ہوگیا۔ اسی لیے نبوت بھی ختم ہوگئی۔ گویا معمارِ دین تو سبھی پیغمبر ہیں لیکن آخری معمار خاتم النبیینؐ ہیں۔ اس سے ... ہونا چاہیے کہ حضورؐ کی مقدارِ خدمت بس اتنی ہی نسبت رکھتی ہے، جتنی پوری عمارت میں ایک اینٹ۔ یہ نسبت پوری عمارت کے مقابلے میں رکھ کر نہ دیکھیے۔ الگ الگ اینٹوں کے مقابلے میں رکھ کر دیکھیے، جو ایک ایک پیغمبر نے رکھی۔ یہ ساری اینٹیں الگ الگ بھی قابلِ قدر ہیں۔ لیکن سب مل کر بھی عمارت کی تکمیل نہیں کرتیں۔ صرف حضورؐ کی رکھی ہوئی آخری اور کامل اینٹ نے تکمیلِ عمارت کی۔ اس لحاظ سے اظہارِ حقیقت کی جو مثال اس تشبیہ میں دی گئی ہے۔ اس سے بہتر تمثیل نہیں ہوسکتی۔

صدیقؓ و فاروقؓ کی تمثیل جنگِ بدر میں ستر افراد قید ہو کر آئے تھے۔ ان قیدیوں کے متعلق جب حضورؐ نے مشورہ فرمایا، تو حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ انھیں توبہ کی توفیق دے۔ حضرت عمرؓ بولے کہ ان لوگوں نے حضورؐ کو بے وطن کیا اور جھٹلایا، اس لیے سب کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

مثلك یا ابابکر کمثل ابراهیم قال فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانك غفور رحیم وکمثل عیسٰی قال ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزیز الحکیم ومثلك یاعمر کمثل نوح قال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا وکمثل موسٰی، قال واشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم۔

(رواه ابوداؤد عن ابن مسعود)

اے ابوبکرؓ! تمہاری مثال تو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسٰیؑ جیسی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ (ترجمہ) جو میری پیروی کرے، میرا ہے اور جو نافرمانی کرے تو اللہ غفور رحیم ہے اور عیسٰیؑ نے فرمایا کہ (ترجمہ) اگر تو انھیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کی مغفرت فرمائے، تو عزیز و حکیم ہے اور اے عمرؓ! تمہاری مثال نوحؑ اور موسٰیؑ جیسی ہے۔ نوحؑ نے یہ دعا کی تھی کہ (ترجمہ) ان کافروں میں کسی کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑ اور موسٰیؑ نے یہ دعا کی کہ (ترجمہ) ان کے دلوں میں اور سختی پیدا کردے تاکہ عذابِ الیم کو دیکھے بغیر یہ ایمان ہی نہ لا سکیں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرتوں کے ساتھ سیدنا ابراہیمؑ و عیسٰیؑ اور سیدنا نوحؑ و موسٰیؑ کی سیرتوں سے جو واقف ہوگا، وہ یہ اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ ان دونوں بزرگوں کے لیے اس سے بہتر تشبیہ و تمثیل ممکن نہیں۔

صراطِ مستقیم صراطِ مستقیم اور اس کے ساتھ کئی متعلقہ چیزوں کی تشبیہ حضورؐ نے یوں دی ہے:

ضرب اللّٰه مثلا صراطا مستقیما وعن جنبتی الصراط سوران فیهما ابواب مفتحة وعلی الابواب ستور مرخاة وعند راس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذالك داع یدعو کلما هم عبد ان یفتح شیئا من تلك الابواب قال ویحك لا تفتحه فانك ان تفتحه تلجه ثم فسره بان الصراط هو الاسلام وان الابواب المفتحة محارم اللّٰه وان الستور المرخاة حدود اللّٰه والداعی علی راس الصراط هو القرآن والداعی فوقه هو واعظ اللّٰه فی قلب کل مومن۔

اللہ تعالیٰ نے (قرآنِ حکیم میں) صراطِ مستقیم کا جو تذکرہ فرمایا، اس کی مثال یہ ہے، جیسے ایک سیدھا راستہ ہو، جس کے دونوں طرف دیواریں ہوں اور ان میں جابجا دروازے کھلے ہوئے ہوں جن پر پردے آویزاں ہوں اور سرِ راہ ایک نقیب کھڑا ہو کہ دیکھ بھال کر چلنا اور ادھر اُدھر نہ مڑنا۔ اس کے آگے دوسرا نقیب ہے جس کا کام یہ ہے کہ اگر کسی نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور وہ چلا اٹھا کہ ارے بدنصیب اسے نہ کھولنا ورنہ اندر چلا جائے گا پھر آنحضرتؐ نے اس کی تفسیر میں فرمایا۔ صراط اسلام ہے۔ دروازے خدا کی طرف سے حرام کردہ اشیا، پردے حدود اللہ، پہلا نقیب قرآنِ حکیم اور دوسرا مومن کا نفسِ لوامہ ہے۔

واعظ بے عمل

اس کے متعلق حضورؐ نے نہایت لطیف مثال دی ہے۔ فرمایا:
مثل الـذی یعلم الناس الخیر ویسنی نفسه کمثل السراج یضئ الناس و یحرق نفسهٗ
جو شخص دوسروں کو نیکی کی تعلیم دے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ اس کی مثال چراغ کی سی ہے، جو اوروں کو تو روشنی دے اور اپنے آپ کو جلاتا رہے۔

نماز اور مغفرت گناہ

ارایتم لوان نهراً بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمس مرات ما تقولون ذالك یبقی من درنه قالوا لا یبقی من درنه شیئًا قال فذالك مثل الصلوٰت الخمس یمحوا الله بها الخطایا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے گھر کے سامنے نہر بہ رہی ہو اور ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کیا جائے تو جسم پر ذرہ برابر میل رہ سکتا ہے، لوگوں نے کہا، ہرگز نہیں رہ سکتا۔ فرمایا یہی مثال نماز پنجگانہ کی ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ (رواہ الشیخان وموطا ونسائی)

یہ تمثیل بہت اعلیٰ ہے، مگر یہ صرف ان کے لیے ہے، جو حقیقت صلوٰۃ سے واقف ہوں۔ نماز ہوتی ہی ہے تطہیر قلب ونگاہ کے لیے، اخلاق وسیرت کی بلندی کے لیے، نفس امارہ کے تزکیے کے لیے جو دن رات میں کئی بار خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنی بندگی وعبدیت کا اقرار کرے اور اس کے تقاضوں کو سمجھے، اس کے گناہ دھل جانے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے تقاضوں کو غلط طریقے سے سمجھا جائے، تو پھر یہ ہوگا کہ نمازی دل کھول کر ارتکاب گناہ کرتا جائے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جہاں نمازیں پڑھ لیں گناہ معاف ہو گئے۔ یہ زاویہ نگاہ ایسا ہے، جو بجائے پاک کرنے کے اور زیادہ ناپاک کرتا جاتا ہے اور نمازی مستحق رحمت ہونے کے بجائے وعید کا مستحق ہو جاتا ہے قصور نماز کا نہیں، نمازی کی فطرت واستعداد کا ہے کھانا تو توانائی کے لیے کھایا جاتا ہے، لیکن اگر معدے کی استعداد ہی صحیح نہ ہو، تو وہی کھانا زہر بن جاتا ہے قصور کھانے کا نہیں کھانے والے کی صلاحیت واستعداد کا ہوتا ہے۔

مجمعے کو چیرنا

مجلس کے آداب یہ ہیں کہ جو پہلے آئے، وہ آگے بیٹھے اور جو پیچھے آئے وہ پیچھے جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ یہی صورت مجمعے میں بھی ہونی چاہیے۔ لیکن بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ آئیں گے تو سب کے بعد لیکن بیٹھنے کی کوشش کریں گے سب سے اگلی صف میں۔ اس کا مقصد ہوتا ہے اپنے آپ کو ممتاز ونمایاں رکھنا یا یہ فقہی خیال کہ آگے ہونے سے ثواب زیادہ ملے گا۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ ایسے لوگ مجمعے کو چیر کر لوگوں کو دھکے، پیتے ہوئے مجمعے کے سروں پر سے گزر جاتے ہیں اور کچھ خیال نہیں کرتے کہ ان کی اس حرکت سے کسی کو کیا تکلیف ہوگی، حضورؐ کو آداب مجلس کے علاوہ یہ بھی انتہائی خیال رہتا تھا کہ کسی سے دوسرے کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اس لیے فرمایا: من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جهنم
جو شخص جمعے میں حاضرین کو پھاندتا ہوا آگے جاتا ہے، اپنے لیے جہنم کا پل بناتا ہے۔
(رواہ الترمذی عن معاذ بن انس الجہنی)

فی الواقع لوگوں کے سروں اور گردنوں کو اپنا راستہ بنانے کے لیے اس سے بہتر تہدیدی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک پل سے گزر رہا ہے، جو سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔

جان و مال کا احترام

بعض حقایق ایسے ہوتے ہیں، جو عام حالات میں موثر نہیں ہوتے، لیکن ایک خاص موقع پر ان کی تاثیر بے پناہ ہو جاتی ہے۔ بلاغت کا مطلب بھی یہی ہے کہ بات ٹھیک موقع محل پر کہی جائے۔ مثلاً ایک مومن کی جان و مال کے متعلق سب جانتے ہیں کہ یہ حرام اور قابلِ احترام ہے۔ اس بات کو آپ جس موقعے پر بھی کہیں ٹھیک ہوگی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ مؤثر بھی ہو۔ لیکن دیکھیے حضورؐ اس بات کو کس زمان و مکان کا لحاظ کرتے ہوئے کتنے ٹھیک موقع پر فرماتے ہیں۔ لاکھ سوا لاکھ پروانہ ہائے شمع رسالت حضورؐ کے ساتھ حج کرتے ہیں۔ ایسا حج جو حکمِ فرضیت کے بعد پہلا حج اور آخری حج ہے، جو حضورؐ کے ساتھ ادا کرنے کا شرف حاصل کیا جا رہا ہے۔ زمانہ حج کا ہے، جسے شہر حرام کہتے ہیں۔ جگہ وہ پاک سرزمین ہے، جسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کا احترام اس حد تک ہے کہ ایک جانور مارنا اور ایک پتا توڑنا بھی حرام ہے اور یہ ایسی رسم کہن ہے، جو قدیم الایام سے دلوں میں راسخ بھی ہے اور اسلام بھی اسے باقی رکھتا ہے۔ ایسے موقعے پر حضورؐ ایک بلیغ خطبہ دیتے ہیں، جس کا ایک ایک لفظ دلوں میں گھر کیے لیتا ہے۔ اشاروں میں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اس کے بعد آئندہ میری تمہاری یکجائی اس جگہ نہ ہوگی۔ اور سمجھنے والے اسے رخصتی کا پیغام سمجھ کر رونے بھی لگتے ہیں۔ تکمیلِ دین کی آیت بھی نازل ہو جاتی ہے۔ کتنا روح پرور، کس درجے مؤثر اور کس قدر دلگدازانہ منظر ہے۔ ٹھیک اس موقعے پر حضورؐ لوگوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ یہ کونسا مقام ہے؟ یہ کونسا مہینہ ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ حضورؐ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ مسجد حرام اور ماہِ حرام نہیں؟ سب اثبات میں جواب دیتے ہیں اور دل ان دونوں زمان و مکان کی حرمت کے جذبات سے بھرپور ہو جاتے ہیں۔ لوہا گرم ہو گیا اور حکیم الامت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلیغ برمحل موقع پر ایک چوٹ لگائی اور یوں گویا ہوئے:

ان دماءکم و اموالکم حرام علیکم	اچھا تو سن لو کہ تمہارا خون اور تمہارے مال تم پر
کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا	اس طرح حرام اور واجبُ الاحترام ہیں، جس طرح آج
فی بلادکم هذا (رواہ مسلم، ابوداؤد عن جعفر بن محمد بن علی)	کا دن، اس مہینے میں اور اس شہر مکہ میں حرام اور واجب الاحترام ہے

اس تشبیہ کو دیکھیے اور موقع و محل کو دیکھیے۔ اس کے بعد فیصلہ کیجیے کہ دنیا میں اس سے بہتر کوئی اور تشبیہ بھی ممکن ہے؟

اقامت حدود اللہ

کسی تعزیر یا حدود یا سزا کا تصور سلیم طبائع کے لئے خوشگوار نہیں ہوتا۔ سزا بہر حال ایک سخت دلی کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔ لیکن اگر اسے بالکل ترک کر دیا جائے، تو دنیا سے امن و امان اُٹھ جائے۔ کیونکہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ اگر سزا کا خوف نہ ہو، تو وہ ہر بدی کے ارتکاب پر جری ہو جائیں۔ یہ صرف تصورِ سزا ہے، جو بے شمار انسانوں کو فساد فی الارض سے روکے ہوئے ہے۔ اس کے لیے حضورؐ نے جو مثال دی ہے، وہ یہ ہے:

مثل القائم فی حدود اللہ والواقع فیہا کمثل قوم استهموا	حدود اللہ کو جو نافذ کرتا ہے اور جس پر وہ نافذ ہوتی ہیں، ان دونوں

...ا فی سفینۃ فاصاب بعضھم اعلاھا وبعضھم اسفلھا اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقھم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا ولم نوذ من فوقنا فان ترکوھم وما ارادوا ھلکوا جمیعا وان اخذوا علی ایدیھم نجوا جمیعاً ۔

(رواہ البخاری والترمذی عن نعمان بن بشیر)

کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک کشتی میں اپنی اپنی جگہیں تقسیم کر کے بیٹھ گئے ہوں۔ بعض اوپر کی منزل میں ہوں اور بعض نیچے کی منزل میں پھر نیچے والوں کو پانی کی ضرورت محسوس ہو اور اوپر والوں سے جا کر ہم اپنے والے حصے میں پانی لینے کے لیے ایک سوراخ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو ہم کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے ایسی حالت میں اگر اوپر والے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے آزادی دے دیں، تو نتیجے میں سب کے سب ہلاک ہوں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھ پکڑلیں، تو وہ بھی اور یہ بھی سب بچ جائیں گے۔

تلاوتِ قرآن اور اثر صحبت

تلاوت کرنے والوں کی قسموں کو یوں سمجھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کوئی کرتا ہے، کوئی نہیں کرتا۔ تلاوت کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں مومن متقی بھی ہو سکتے ہیں اور مومن فاسق بھی۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے حضورؐ نے الگ الگ تشبیہیں دی ہیں۔ گویا چار تمثیلیں ہیں۔ ایک مومن قاری کی، دوسری غیر مومن قاری کی، تیسری فاسق قاری کی اور چوتھی فاسق غیر قاری کی ——— اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے نیک و بد کی صحبت کے اثر کی بھی تمثیلیں بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہوا :۔

مثل المومن الذی یقرأ القرآن مثل الاترج ریحھا طیب وطعمھا طیب ومثل المومن الذی لا یقرأ القرآن کمثل التمرۃ طعمھا طیب ولا ریح لھا ومثل الفاجر الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر ومثل الفاجر الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلۃ طعمھا مر ولا ریح لھا ومثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منہ شیٔ اصابک من ریحہ ومثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سوادہ اصابک من دخانہ (رواہ ابوداؤد عن انس)

جو مومن قرآن حکیم پڑھتا ہو، اس کی مثال ترنج (لیموں یا نارنگی) جیسی ہے جس کا مزہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ جو مومن تلاوت قرآن پاک نہ کرتا ہو، وہ گویا چھوہارا ہے جس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو کوئی نہیں۔ لیکن وہ فاجر جو قرآن پڑھتا ہو، ایسا ہے جیسا ریحان (خوشبو دار پودا) جس کی مہک اچھی اور مزہ کڑوا اور جو فاجر تلاوت قرآن پاک نہ کرتا ہو، اس کی مثال حنظلہ (اندرائن) جیسی ہے جس کا مزہ کڑوا اور بو کوئی نہیں اور صالح کا ہم نشین جیسے مشک پاس رکھنے والا یعنی اگر مشک میسر نہ آئے تو بو تو آ ہی جائے گی اور بری صحبت میں رہنے والا ایسا ہے جیسے بھٹی والا کہ اگر سیاہی سے بچ...

حُبِ جاہ و مال

دنیا میں کون انسان ہے جسے عزت اور دولت مرغوب و محبوب نہ ہو۔ یہ چیزیں صرف مرغوب ہی نہیں بلکہ انسان ہر دو زمان میں اضافہ چاہتا ہے اور کوئی مقام ایسا نہیں، جہاں یہ ہوس جا کر رک جائے۔ جب یہ محبت روح میں پیوست ہو جاتی ہے، تو زندگی کا نصب العین بن جاتی ہے اور پھر ہر فتنہ و فساد اسی سے پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انسان سیاست و مذہب کے نئے نئے روپ دھارتا ہے اور ہر راہ سے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہوسِ زر ہو یا ہوسِ اقتدار، دونوں انسانیت اور دین کے لیے زہر ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمثیل یوں فرمائی :۔

ما ذئبان ضاریان فی حظیرۃ یا کلان ویفسدان باضر فیھا من حب الشرف وحب المال فی دین المرء المسلم

(رواہ بزار عن ابن عمر)

دو خونخوار بھیڑیوں کا کسی زخم کو چاٹ چاٹ کر خراب کرنا زخم کے لیے اتنا مضر نہیں جتنی مضر ایک مسلمان کے دین کے لیے حُبِ جاہ و مال ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ، اُن کا کلام تو تمام تر وحی ہی ہے ۔

(النجم : ۳)
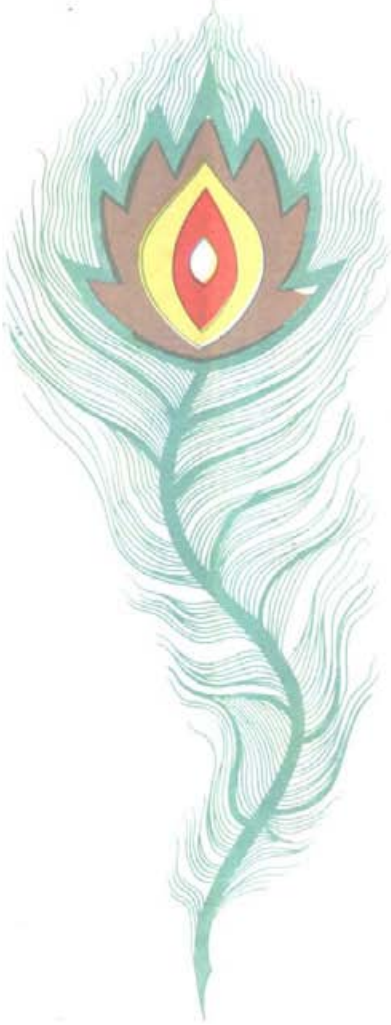
اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم [احادیث]

اقوالِ رسول ﷺ

مرتبہ

مولانا سیّد محمد متین ہاشمی

سنت وحدیث اور ان کی تشریعی حیثیت

سید محمد متین ہاشمی، ڈائریکٹر مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور

لغوی معنیٰ ۔ لغت میں سنت طریق مستقیم، سیرت مستمرہ (خواہ وہ حسنہ ہو یا سیئہ) کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اہل عرب کے قول سنّ الماءُ[1] سے ماخوذ ہے یعنی آہستہ آہستہ اگر کسی چیز پر پانی بہایا جائے تو اس موقع پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا، تو آپ نے اس پر ایک ڈول پانی بہایا۔ اس موقع پر حدیث میں جو جملہ استعمال ہوا ہے، وہ اس طرح ہے "فدعا بدلوٍ من ماء فسنّه علیہ" ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا منگوایا اور اس جگہ پر بہا دیا۔ چونکہ چشمے اور دریا کا پانی مسلسل ایک ہی نہج پر بہتا رہتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی عمل انسان مواظبت کے ساتھ کرتا رہے، تو اسے "اس مشابہت کی بنا پر "سنت" کہنے لگے۔

قرآن کریم میں "سنّۃ الاولین" انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِنَا تَبْدِيلًا[2]

ترجمہ: اور تم ہماری سُنت (طریق مستمرہ) میں کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔

اصطلاحی معنیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد علمائے اسلام نے اس لفظ کو صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق اور سیرت کے لیے مخصوص کر دیا۔

آگے چل کر یہ لفظ "طریقہ محمودہ مستقیمہ" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا چنانچہ "اہل طریقہ محمودہ مستقیمہ" کو "اہل السنۃ" کہنے لگے[3] یہی سنت ہے جس کی اتباع کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیث میں حکم فرمایا ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ[4]

ترجمہ (میں تمہارے درمیان دو اہم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے، تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک تو اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت۔

سنت اصطلاح فقہا میں فقہا کی اصطلاح میں سنت اس عمل کو کہتے ہیں جس کا جانب وجود جانب عدم کے مقابلے میں قابل ترجیح ہو اور اس کا کرنے والا مستحق ثواب ہوتا ہے۔ گو کہ سنت فرض یا واجب کے درجے میں نہیں ہوتی تاہم چونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہوتی ہے، اس لیے لائق اتباع اور قابل ترجیح ضرور ہو گی۔

---

[1] ابن منظور الافریقی: لسان العرب: ۱۷: ۹۲ طبع مصر ۱۳۰۳ھ [2] الکہف: ۵۵ [3] الفتح ۲۳ [4] لسان العرب: ۱۷: ۶۰

[5] ابن عبدالبر: جامع بیان العلم: ۲: ۱۱۰ طبع مصر ۱۳۴۶ھ
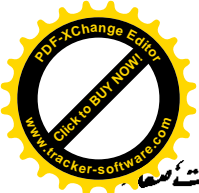
سنت اصطلاحِ محدثین میں محدثین کے نزدیک سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات، آپ کی ہیئت، صفاتِ خلقیہ، صفاتِ خُلقیہ، شمائل اور ان تمام امور کو کہتے ہیں جو قبل رسالت یا بعد بعثت آپ کی طرف منسوب ہوں خواہ ان سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

محدثین یہ تعریف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے علم کا موضوع ہر اس امر کا اثبات ہے جو آپ سے تعلق رکھتا ہو۔[1]

سنت اور حدیث حدیث کا لفظ بھی "السنۃ" ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

علوم الحدیث علوم الحدیث دو علوم پر مشتمل ہیں۔

(۱) علم الراویہ جس میں سلسلۂ روایت، ضبط اور ابلاغ سے بحث کی جاتی ہے۔

(۲) علم الدرایہ۔ جس میں مفہوم حدیث زیر بحث آتا ہے۔

ان دونوں سے مندرجہ ذیل شاخیں نکلی ہیں۔

(الف) علم اسماء الرجال۔ اس میں راویوں کے حالات۔ مزاج اور ان کے درجۂ ثقاہت سے بحث کی جاتی ہے۔

(ب) علم النظر فی الاسناد۔ اس میں حدیث کی سند سے بحث کی جاتی ہے۔

(ج) علم طبقات الحدیث۔ یعنی حدیث کس درجہ کی ہے اور راوی کا رتبہ کیا ہے۔

(د) علم تدوین حدیث۔ اس میں حدیثوں کے جمع کرنے کے نظام سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

(ہ) علم کیفیۃ الروایۃ راویوں نے کس کیفیت میں یہ حدیث روایت کی آیا اس روایت میں راوی کے جذبات کا بھی دخل ہے؟ اس علم میں اس سے بحث کی جاتی ہے۔

(و) علم الناسخ والمنسوخ۔ اس کا موضوع حدیث کی تاریخی حیثیت کا تعین اور معلوم کرنا ہے کہ کون کون سی احادیث منسوخ ہیں؟ اور کیوں منسوخ ہیں۔

(ز) علم الفاظ الحدیث اس کا موضوع محدثین کی اصطلاحات اور روایت بالمعنی کی تنقیح ہے۔

(ح) علم غریب الحدیث حدیث میں جو نامانوس الفاظ کہیں کہیں استعمال ہوئے ہیں، اُن کا صحیح محل تلاش کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ وہ الفاظ کیوں استعمال ہوئے؟ یہ اس علم کا موضوع ہے۔

(ط) علم المؤتلف والمختلف: ایک ہی واقعہ کے سلسلے میں دو آدمیوں کو دو مختلف قسم کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دیئے؟ اس راز سے جس علم میں بحث کی جائے۔

---

[1] عباس متولی حمادہ: السنۃ النبویۃ: ۲۳: طبع مصر

(ی) علم طرق الاحادیث : اس علم کا موضوع حدیث کی روایت کے متعدد طریقوں کا پتہ چلانا اور ان میں رُونما ہونے والے جزوی اختلافات کا تعین ہے۔

(ک) علم الجرح والتعدیل : کوئی راوی کیوں ضعیف ہے؟ اس کے اسباب کا پتہ چلانا اس علم کا موضوع ہے۔

(ل) علم الموضوعات : موضوع حدیثوں پر تنقید۔

اقسامِ حدیث

ذیل میں حدیث کی مختلف قسموں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

صحیح : وہ حدیث ہے جس کی سند راوی سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مُسلسل و متصل ہو اور کوئی راوی درمیان میں چھوٹ نہ گیا ہو۔ اس حدیث کے سب راوی سچے، یاد کے پکے اور روایت کے خلاف اسبابِ طعن و اعتراض ہرگز نہ رکھتے ہوں۔

حسن : وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں کسی پر جھوٹ کی تہمت نہ لگی ہو اور نہ کہیں روایت کا خلاف ہو۔ یعنی کسی دوسرے راوی نے اس سے دوسری طرح، جو خلافِ اوّل ہے۔ روایت نہ کیا ہو اور حدیث حسن کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کے راوی یاد کے پختہ ہونے میں حدیث صحیح کے راویوں سے کمتر ہوں۔ اسی بناء پر حدیث حسن کا رُتبہ حدیث صحیح کے رتبہ سے کم ہے۔

مرفوع : وہ حدیث ہے جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو یا جسے تقریر میں آپؐ نے مقرر رکھا ہو

متصل : وہ حدیث ہے جس کی روایت و سند برابر ملی ہوئی ہو کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

مُسند : وہ حدیث ہے جس کے راویوں کے نام مذکور ہوں۔

مشہور : وہ حدیث ہے کہ محدثین کے نزدیک شائع ہو یعنی ہر زمانے میں بہت سے راویوں نے اس کو روایت کیا ہو۔

ضعیف : وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں سے کوئی دروغ گو یا فاسق یا کسی اور طرح سے مطعون ہو۔

موقوف : آنحضرتؐ کا وہ قول یا فعل ہے، جو کسی صحابی سے روایت کیا جائے۔ (یعنی صرف صحابی کی طرف منسوب ہو آنحضرتؐ کا اسم گرامی نہ لیا گیا ہو)

مُرسل : وہ حدیث ہے جسے کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے کہ آپؐ نے ایسا کہا یا ایسا کیا اور صحابی کا ذکر نہ کرے

منقطع : وہ حدیث ہے جس کی سند برابر متصل نہ ہو۔ شروع سے، درمیان سے یا اخیر سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو۔ مگر منقطع اکثر اس روایت کو کہا جاتا ہے، جسے کوئی تبع تابعی صحابی سے روایت کرے اور تابعی کا ذکر نہ کرے۔

معضل : وہ حدیث ہے جس کی سند میں سے دو یا زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

مضطرب : وہ حدیث ہے جس میں روایات مختلف ہوں۔ کوئی کسی طرح روایت کرے اور کوئی کسی طرح۔ سب کے الفاظ یکساں اور متحد نہ ہوں

غریب : وہ حدیث ہے جس کی روایت میں کسی جگہ ایک راوی اکیلا ہو اور اگر ہر زمانے میں اکیلا ہو گا، تو وہ فرد کہلاتی ہے۔

متواتر : وہ حدیث ہے کہ اس کے راوی ہر زمانے میں کثرت سے موجود ہوں اور ان کا اتفاق جھوٹ پر عادۃً محال ہو۔

مُنکر: اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص دیگر لوگوں کی روایت کے خلاف بیان کرے۔ اس کو "شاذ" بھی کہتے ہیں۔

معلق: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے شروع میں سے ایک یا زیادہ راوی چھوڑ دیے جائیں۔ اس فعل کو "تعلیق" کہتے ہیں۔

تدلیس "مدلس": علم حدیث میں اس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی جس شخص سے روایت کرے، اس سے ملاقات کی ہو یا وہ اس کا ہم عصر ہو مگر اس سے اس روایت کو سُنا نہ ہو، اور ایسے الفاظ بیان کرے جن سے یہ وہم ہوتا ہو کہ سُنا ہوا بیان کرتا ہے۔ ایسی حدیث کو "مدلس" کہتے ہیں۔

معلل وہ حدیث ہے کہ بظاہر تو عیب سے پاک معلوم ہو مگر اس میں طعن و اعتراض کے پوشیدہ اسباب پائے جاتے ہوں۔

مُدرج وہ حدیث ہے جس میں کسی راوی کا اپنا کلام بھی درج ہو جائے اور گمان ہو کہ یہ کلام بھی حدیث ہی ہے یا دو حدیثوں کے دو متن جو دو اسناد سے مروی ہوں، انہیں ایک ہی سند سے روایت کیا جائے۔

موضوع وہ مصنوعی حدیث ہے جو کسی نے خود بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا صحابہ کی طرف سے منسوب کر دی ہو کہ یہ فلاں صحابی سے مروی ہے۔

مختصر تاریخ حدیث

حدیث کی حفاظت اور تدوین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا، لہٰذا جن لوگوں نے کہا ہے کہ "تدوین حدیث کا کام ایک سو سال کے بعد شروع ہوا" وہ غلط کہتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کا قول موجود ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنتے تھے لکھ لیتے تھے، اور میں لکھتا نہیں تھا[1]

ابو داؤد شریف میں ہے۔

> بعض لوگوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ میں ہوتے اور کبھی خوشی میں اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، تو انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا اور اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کر دیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "تم لکھ لیا کرو" اور زبان مبارک کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا: "اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔"[2]

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے اپنے تحریر کردہ مجموعۂ احادیث کا نام "صادقہ" رکھا تھا[3]

فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اہم ترین امور کے بیان کے ساتھ ساتھ احکام بھی ذکر فرمائے،

---

[1] بخاری: ۱: ۹۷ حدیث نمبر ۱۰۷۔ طبع قاہرہ ۱۳۸۶ھ / دارمی: ۱: ۱۲۵ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ [2] سلیمان بن اشعث ابو داؤد: سُنن ابی داؤد: ۲: ۵۱۳، ۵۱۴ طبع کانپور / دارمی: ۱: ۱۲۵ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ [3] ابن سعد: ۲: ۳۷۳ طبع بیروت ۱۹۵۷ء

[illegible] نے درخواست کی کہ یہ احکام لکھوا کر مجھے دیے جائیں، تو آپ نے لکھوا کر عنایت فرمائے [1]

ابوبکر صدیق رضی نے زکوٰۃ کے احکام لکھوا کر آپ نے خود عاملوں کو بھجوائے تھے [2]

حضرت عمرو بن حزم رضی کو جب آپ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو صدقات، دیات اور فرائض سے متعلق احکام لکھوا کر ان کے حوالہ فرمائے [3]

ان روایات سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ تحریری صورت میں جمع و تدوین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باقاعدہ تالیفی صورت میں یہ کام نہیں ہوا تھا۔

تالیفات کی ابتداء ابنِ جریج سے ہوئی۔ پھر امام مالکؒ نے موطا لکھی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (سنہ ۱۰۱ھ) نے اپنے دورِ خلافت میں سرکاری طور پر باقاعدہ حدیث لکھنے کے احکام جاری کیے۔ کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی تعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا [4]

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (عاملِ مدینہ) ابوبکر بن حزم کو لکھا۔ دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تمہیں ملیں، انہیں لکھ لو۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں علمِ دین مٹ نہ جائے اور عالم چل بسیں اور ہاں! صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھنا اور عالموں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور تعلیم دینے کے لیے بیٹھا کریں، تاکہ جاہل لوگ اُن سے علم حاصل کریں کیونکہ علم اگر پوشیدہ رہ جائے تو رفتہ رفتہ مٹ جاتا ہے

سعید بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ:

امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ دفترا [5]

ترجمہ: ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا اور ہم نے دفتر دفتر حدیثیں لکھیں۔ انہوں نے ان دفاتر کو تمام ممالکِ محروسہ میں بصورتِ مجموعہ بھیجا۔

دورِ تابعین صحابہ کے دور میں بہت سے تابعین تھے جو صحابہ رضی سے حدیثیں سُن کر لکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس سے حدیثیں سُن کر لکھتے [6]

حضرت نافع حضرت ابنِ عمر رضی کے غلام تھے اور اُن سے روایت نقل کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال کر لائے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ یہ انہی کی لکھی ہوئی احادیث ہیں۔ مشہور تابعی محدث یہ ہیں:

---

[1] بخاری: ۱: ۹۶ حدیث ۱۰۷ طبع قاہرہ ۱۳۸۶ھ [2] دار قطنی: ۱: ۲۰۸، ۲۰۹ طبع دہلی۔

[3] علی متقی ہندی: کنز العمال: ۳۔ [4] بخاری: ۱: حدیث ۹۵ طبع قاہرہ ۱۳۸۶ھ

[5] ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۰۶ بحوالہ علم الحدیث للعماری [6] سنن دارمی: ۱: ۱۲۷، طبع دمشق ۱۳۴۹ھ

...اسود سعید بن جبیر، ہشام بن عروہ۔ محمد بن شہاب زہری، عطا ابن رباح، ابو الزناد، طاؤس، مکحول مجاہد۔ قیس بن ابی حازم رحمہم اللہ اجمعین۔

دورِ تبع تابعین

یوں تو تابعین کے دور ہی سے حدیث کی کتابوں کی تالیف شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ ابن جبیر اور زہری نے کتابیں لکھنا شروع کر دیا تھا، تاہم تبع تابعین کے دور میں یہ شوق بہت بڑھ گیا اور بعض نے مسانید کے انداز میں، بعض نے حروفِ تہجی کے اعتبار سے بعض نے فقہی طرز پر اور بعض نے صرف عبادات پر کتابیں لکھیں۔ اس دور کے بعد تو یہ صورت ہوگئی کہ ایک ایک محدث کے درس میں ایک ایک لاکھ طالبانِ علمِ حدیث کا مجمع ہوتا۔ مسند امام احمد، مسند ابن ابی شیبہ اور مسند امام شافعی اسی دور کی یادگار کتابیں ہیں۔

اس کے بعد صحاح ستہ کا دور آیا، اور صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف جیسی کتابیں تالیف ہوئیں۔

حدیث کی چند مستند اور مشہور کتابیں

موطا، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مستدرک حاکم، دارمی، مسند احمد، دار قطنی، بیہقی، رزین، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن عوانہ، منتقی ابن جارود، مختارہ ابن ضیاء الدین المقدس، طحاوی، مسند امام شافعی مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، جامع سفیان ثوری، جامع ابن المبارک، جامع جریر ابن عبدالحمید، جامع معمر، جامع حماد بن مسلم، جامع اوزاعی جامع ابن جریج، مسند حمیدی، مسند ابن ابی عاصم، مسند اسحاق ابن راہویہ، مسند علی بن المدینی، مسند دارمی، مسند ابی لیلیٰ، مسند کبیر بخاری، معجم کبیر، صحیح ابن ابی حاتم، معجم اوسط، موطا امام محمد، معجم صغیر، وغیرہ

نامقبول رواۃ

مندرجہ ذیل قسم کے راویوں کی روایت رد کر دی جائے گی۔

(۱) جو شخص جھوٹ بولتا ہو (۲) وضع حدیث کا اس پر شبہ ہو (۳) اس کے مزاج پر وہم غالب ہو (۴) حدیث کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتا ہو (۵) بدعتی ہو (۶) روایت کے معنی یا الفاظ میں تحریف کرتا ہو (۷) غیر معروف ہو۔

راوی کے امتیازات و خصائص

(۱) بیان کرنے والا معتمد علیہ ہو (۲) جو واقعہ بیان کرے وہ ممکن الوقوع ہو (۳) مبالغہ کرنے کی عادت نہ ہو (۴) رفتار اور گفتار قابلِ اعتراض نہ ہو (۵) حافظہ اور فہم میں فرق نہ آیا ہو۔ (۶) جاہل نہ ہو (۷) محتاط ہو اور سند متصل سے روایت کرے (۸) جس آخری شخص سے روایت کرے وہ خود واقعہ میں شریک رہا ہو (۹) اس میں آخری شخص کے مقصود کو سمجھنے کی صلاحیت ہو (۱۰) کسی خاص اثر یا تعصب کے تحت روایت نہ کرتا ہو (۱۱) تنقیح روایت میں سہل انگاری سے کام نہ لیتا ہو۔[۱]

مشتبہ احادیث

مندرجہ ذیل احادیث مشتبہ قرار دی جائیں گی۔

۱۔ وہ حدیث جو عقلِ رشید کے خلاف ہو۔

۲۔ مشاہدہ کے خلاف ہو۔

۳۔ قرآن کے خلاف ہو۔

---

[۱] مقدمہ نووی ص ۱۷ طبع دہلی

۴۔ حدیث متواتر کے خلاف ہو

۵۔ اجماعِ قطعی کے خلاف ہو

۶۔ جو اصول سے موافقت نہ رکھتی ہو۔

۷۔ جس میں معمولی سے گناہ پر سخت عذاب کی خبر دی گئی ہو۔

۸۔ معمولی سے کارِ خیر پر بڑے بڑے انعام کا وعدہ کیا گیا ہو۔

۹۔ سلسلہ روایت یا مضمون حدیث قابلِ اعتراض ہو۔

۱۰۔ اکیلا ایک شخص کسی ایسے راوی سے روایت بیان کر رہا ہو جس سے اس کا لقاء ثابت نہ ہو۔

۱۱۔ روایت میں کوئی ایسی بات ہو جس کے جھوٹ ہونے کی ایک ایسی بڑی جماعت تصریح کر رہی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ممتنع ہو[۱]

۱۲۔ سلسلہ سند میں کوئی ایک راوی بھی ایسا ہو جس کا مدت العمر میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ ثابت ہو گیا ہو۔ اس کی کوئی بھی روایت باجماع محدثین معتبر نہیں ہوگی۔

۱۳۔ جس زمانے کی روایت بیان کرے وہ تاریخی شہادت کے صریح خلاف ہو، مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جنگِ صفین میں شریک ہونا، کیونکہ اُن کی وفات حضرت عثمانؓ ہی کے زمانۂ خلافت میں ہو چکی تھی۔

۱۴۔ حدیث کسی ایسے معروف و مشاہد واقعہ کو بیان کر رہی ہو، جو وقوع پذیر ہوتا، تو ہزاروں اس کے روایت کرنے والے ہوتے، مگر روایت صرف ایک شخص کرے۔

۱۵۔ واضع حدیث خود وضع حدیث کا اعتراف کرے جیسا کہ نوح بن عصم نے اقرار کیا کہ "میں نے ایک ایک سورت کی فضیلت میں حدیثیں وضع کی ہیں"[۲]

سُنّت کی تشریعی حیثیت

جس طرح ایمان باللہ فرض ہے، اسی طرح ایمان بالرسول بھی فرض ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہر حکم (جو قرآن میں مذکور ہے) واجب العمل ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم (جو صحیح حدیث سے ثابت ہے) واجب العمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوی حیثیت میں مطاعِ مطلق ہیں، اس بات پر اوّلین و آخرین کا اجماع ہے۔

ارشاداتِ ربّانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ[۳]

ترجمہ: اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۲۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[۱]

---

[۱] ابن الجوزی: فتح المغیث (ملخصاً) ۱۱۴ طبع لکھنؤ [۲] مولانا ادریسؒ کاندھلوی: حجیتِ حدیث: ۹۲-۹۳

[۳] النساء - ۶۴

پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ ہرگز ایماندار نہ ہوں گے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو فیصلہ کن نہ بنالیں، پھر آپ کے فیصلوں سے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور اچھی طرح سر تسلیم خم کردیں۔

٣۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا [٢]

ترجمہ: تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔ یہ اس کے لیے ہے جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتا ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

٤۔ وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً بعیدا [٣]

ترجمہ: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کردیں، تو وہ اس میں چون وچرا کرسکیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، تو وہ کھلا گمراہ ہوگیا۔

٥۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول [٤]

ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

٦۔ ومن یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزاً عظیما [٥]

ترجمہ: اور جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔

٧۔ مومنوں کی پہچان بتلاتے ہوئے ارشاد ہوا۔

ویطیعون اللہ و رسولہ [٦]

ترجمہ: وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتے ہیں۔

٨۔ حکم دیا گیا: یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

٩۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ [٧]

اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

١٠۔ آپؐ قرآن کے مبین، شارح اور معلم ہیں، لہٰذا آپ کا فرمان درحقیقت شرح و بیان قرآن ہے۔

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم [٨]

ترجمہ: اور ہم نے صرف اس لیے آپ پر قرآن کو اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کھول کر بیان کریں۔

---

[١] النساء - ٦٥ [٢] الاحزاب : ٢١ -

[٣] الاحزاب : ٣٦ [٤] النساء : ٥٩

[٥] الاحزاب : ٧١ [٦] التوبہ : ٧١

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ؀

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

یہ اور اس طرح کی سینکڑوں آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن سے صریحاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطاع ہونے کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا آپ کے اقوال وافعال و تقریرات کو تشریع اسلامی میں قرآن کریم کے بعد اولین حیثیت حاصل ہے۔ مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو چکا ہو گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہی تھا کہ آیات کی تلاوت فرمائیں۔ پھر ان کی اپنے عمل و قول سے توضیح فرمائیں، حدیث درحقیقت آپ کی اسی توضیح و تشریح کا نام ہے۔ کسی صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کان خلقہ القرآن یعنی قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔

پوری حیات طیبہ میں آپؐ کا ایک لمحہ بھی خلاف قرآن نہیں گزرا۔ قرآن میں وہی ہے جو آپؐ کا عمل تھا اور آپ کا عمل وہی تھا، جو قرآن میں ہے، اس لیے اگر میں یہ کہہ دوں کہ قرآن دو نازل ہوئے، ایک وہ قرآن جو بین الدفتین ہمارے ہاتھوں میں موجود و مکتوب ہے، دوسرا وہ جو وادی ام القریٰ میں ۱۲ ربیع الاول کو بطن آمنہ سے ہویدا ہوا تریسٹھ سال زندگی گزاری اور آج گنبد خضراء کے سایہ تلے آرام فرما ہے، تو غلط نہ ہوگا۔

اسلامی تشریع کے کسی بھی مرحلے میں اگر سنت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ادنیٰ سا بھی اغماض برتا گیا، تو ہم ضلالت وذلت کے ایسے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ جائیں گے کہ پھر قیامت تک بس سے نہ نکل سکیں گے۔ انکار حدیث کا فتنہ کوئی نیا فتنہ نہیں ہے۔ خود مخبر صدق مجسم صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش گوئی فرمادی تھی اسے پڑھیے اور لفظ لفظ پر اپنے آقا ومولا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پر گواہی دیجئے۔

اللّٰھم صلِّ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما حرم اللہ - الخ ؀

حضرت مقدام بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سن لو! مجھے قرآن مجید دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی مثل (حدیث)، عنقریب ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے نرم بستر پر بیٹھا کہے گا:

تمہارے اوپر بس یہی قرآن لازم ہے۔ اس میں جو چیز حلال پاؤ، اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (بعض چیزوں کو) حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

۱؎ النساء: ۸۰ ۲؎ النحل: ۴۴ ۳؎ آل عمران: ۳۱

۴؎ دلی اللہ محمد بن عبد اللہ مشکوٰۃ المصابیح ۲۹ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ

اِعتقادات

نیّت :

۱۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَھِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِمْرَاَةٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْهِ ۔ (الخمسۃ)

اعمال کے نتیجے نیت پر منحصر ہیں، اور ہر ایک مرد کے واسطے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے واسطے ہجرت کی پس اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوگی اور جس نے دنیا کے فائدے ہی کی خاطر ہجرت کی کہ اسے وہ میسر ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے۔ پس اس کی ہجرت اسی کے واسطے ہوئی جس کے واسطے اس نے کی۔

ایمان ۔ اسلام ۔ اعتصام (مضبوط پکڑنا) اقتصاد (میانہ روی) :

۲۔ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ اِیْمَانٍ ۔ (الترمذی)

وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا۔ دوزخ سے نکالا جائے گا۔

۳۔ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ کُلَّهٗ لَهٗ خَیْرٌ وَّلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا وَّاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا ۔ (مسلم)

ایمان دار آدمی کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ اس کا ہر ایک کام اچھا ہے۔ اور یہ بات سوائے ایمان دار آدمی کے اور کسی کو میسر نہیں۔ اُسے جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور شکر کرنا خیر ہے اور اگر اُسے دُکھ پہنچتا ہے، تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی خیر ہے۔

۴۔ اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ ۔ (الخمسۃ)

تیری دو خصلتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، ایک حلم اور دوسرا وقار (یعنی جلد باز نہ ہونا، اور آہستگی اختیار کرنا)۔

۵ - خدا اور بندے کا ایک دوسرے پر کیا حق ہے؟

(معاذؓ بن جبل) کنت ردف رسول الله صلی الله علیه وسلم علی حمار یقال له عفیر فقال یا معاذ هل تدری ماحق الله علی عباده وما حق العباد علی الله؟ قلت: الله ورسوله اعلم قال فان حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئًا فقلت: یا رسول الله افلا ابشر الناس؟ قال لا تبشرهم فیتکلوا (شیخین، ترمذی الا التبشیر)

معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی سواری (عفیر نامی) پر مجھے اپنے ہمراہ بٹھا کر فرمایا: معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا ایک دوسرے پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اس کا علم تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیادہ ہے! فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر ایسی عبادت ہے جس کے ساتھ شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اور بندے کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر بندہ شرک سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب نہ کرے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو میں یہ بشارت نہ پہنچا دوں؟ فرمایا: ایسا نہ کرو، ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

۶ - شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار:

(ابو هریرةؓ) قلت: یا رسول الله من اسعد الناس بشفاعتک یوم القیامة؟ قال لقد ظننت ان لا یسألنی عن هذا الحد اوّل منک لما رأیت من حرصک علی الحدیث اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامة من قال لا اله الا الله خالصًا مخلصا من قلبه - (البخاری)

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! قیامت کے روز آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟

فرمایا: ابوہریرہ! حدیث سے جس طرح کا شغف تمہیں ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہی گمان تھا کہ تم سے پہلے کوئی دوسرا یہ سوال نہ کرے گا۔ اس روز میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہوگا جس نے صدق دل سے "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کیا ہو۔

۷ - سچے اور جھوٹے کلمہ گو کا صلہ:

(عیاضؓ الانصاری) رفعه: ان

اللہ تعالیٰ کے نزدیک لا الہ الا اللہ بہت موقر کلمہ ہے

لاالٰہ الااللہ کلمۃ علی اللہ کریمۃ لھا عنداللہ مکان من قالھا صادقا ادخلہ اللہ بھا الجنۃ ومن قالھا کاذبا حقنت دمہ واحرزت مالہ ولقی اللہ غدا فحاسبہ ۔ (میزان)

جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقام ہے اسے سچے دل سے کہنے والے پر جنت واجب ہے اور جھوٹے دل سے اس کا اقرار کرے گا ۔ اُسے صرف یہ فائدہ پہنچے گا کہ اُس کا خون حرام ہوگا ، اور اس کا مال محفوظ رہے گا ، اور کل قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو وہ اس کا حساب کتاب فرمائے گا ۔

۸ ۔ کلماتِ زبان کا انجام :

(معاذؓ)...... الا اخبرک برأس الامر کلہ وعمودہ وذروۃ سنامہ؟ قلت : بلی یا رسول اللہ قال رأس الامر الاسلام وعمودہ الصلوٰۃ وذروۃ سنامہ الجہاد ثم قال الا اخبرک بملاک ذلک کلہ؟

اے معاذؓ .... میں تمہیں بتا نہ دوں کہ : چوٹی کی بات کیا ہے اور اس کا ستون کیا اور کوہان؟ عرض کیا ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور ۔ فرمایا : چوٹی کی بات تو ہے اسلام ، اس کا ستون ہے نماز ، اور (اس کی) کوہان ہے جہاد ۔

قلت : بلی یا رسول اللہ قال کف علیک ھذا واشار الی لسانہ قلت : یا نبی اللہ ونبی اللہ وانا لمؤاخذون بما نتکلم بہ ؟ قال ثکلتک امک یا معاذ وھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم او قال الی مناخرھم الا حصائد السنتھم ۔ (ترمذی)

پھر فرمایا کہ : ان تمام باتوں کا نچوڑ نہ بتا دوں ؟ میں نے عرض کیا ضرور ،

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

اے معاذؓ .... اس پر قابو رکھو ۔ عرض کیا : اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہماری گفتگو پر بھی مواخذہ ہوگا ۔ ؟

فرمایا : تیری عقل پر پتھر پڑیں ۔ لوگوں کو صرف کلماتِ زبان ہی کی وجہ سے تو آگ میں منہ کے بل جھونکا جائے گا ۔

جنّتی اور جہنّمی فرقہ

۹ - عَنِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ -

(ترمذی - مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میری اُمّت پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ بالکل ہو بہو ایک دوسرے کے مطابق یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہو گی تو میری اُمت میں ضرور کوئی ہو گا جو ایسا کرے گا اور بنی اسرائیل بہتّر مذہبوں میں بٹ گئے تھے۔ اور میری اُمت تہتّر مذہبوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں ایک مذہب والوں کے سوا باقی تمام مذاہب والے ناری اور جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ایک مذہب والے کون ہیں ؟ (یعنی ان کی پہچان کیا ہے ؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اسی مذہب و ملت پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں، اور میرے صحابہؓ ہیں۔

۱۰ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَرَأَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ -

(الآیۃ)

(احمد، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک (سیدھی) لکیر کھینچی پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اسی سیدھے خط کے دائیں بائیں اور چند لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ یہ بھی راستے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔ (پارہ ۸۔ رکوع ۶) یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس

سیدھی راہ سے جدا کر دیں گی۔

۱۱ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں (ایک گروہ) فریب دینے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کا ہوگا۔ وہ تمھارے سامنے ایسی باتیں لائیں گے جن کو نہ تم نے کبھی سنا ہوگا نہ تمھارے باپ دادا نے۔ تو ایسے لوگوں سے بچو اور انھیں اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔

بدمذہب

۱۲ - عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ مَیْسَرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جس نے بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔

۱۳ - عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمْ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَاکْفَهِرُّوْا فِیْ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ کُلَّ مُبْتَدِعٍ۔ (ابن عساکر)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بدعتی کو دیکھو تو اس کے سامنے ترش روئی سے پیش آؤ اس لیے کہ خدا تعالیٰ ہر بدعتی کو دشمن رکھتا ہے۔

۱۴ - ثَلٰثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَحْدَهٗ وَعَلِمَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَعْطٰی زَکٰوةَ مَالِهٖ طَیِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ رَافِدَةً عَلَیْهَا کُلَّ عَامٍ وَلَمْ یُعْطِ الْهَرِمَةَ وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا الْمَرِیْضَةَ

تین کام ایسے ہیں کہ جس نے وہ کیے اس نے ضرور ایمان کا مزہ چکھا (۱) صرف خدا ہی کی عبادت کی (۲) خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھا۔ (۳) اور ہر سال اپنے مال کی مقررہ زکوٰۃ رضا و رغبت سے ادا کی اور بوڑھا، بیمار، نکما یا چھوٹا جانور اپنے ریوڑ یا گلے میں سے، نہیں بلکہ اوسط درجے کا مال زکوٰۃ میں دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا

...سَطِ اللَّئِيْمَةِ وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهٖ - (ابو داؤد)

کر تم اپنا اچھا مال دے ڈالو، مگر ناقص دینے کا بھی حکم نہیں دیتا۔

۱۵- عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم)

سفیانؓ بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اسلام (یعنی مسلمان ہونے) کی بابت مجھے ایسی بات تبلا دیجئے کہ اس کے متعلق پھر آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہو کہ میں خدا پر ایمان لایا اور پھر اسی پر قائم رہو۔

۱۶- لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ - (الشیخان والنسائی) وَفِيْ أُخْرٰى لِلنَّسَائِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ وَأَهْلِهٖ -

تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے باپ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ نسائی سے دوسری روایت میں مذکور ہے کہ مال اور عیال سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

۱۷- لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ - (الخمسة الا ابوداؤد)

کوئی شخص تم میں سے ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۱۸- مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ - (ابوداؤد)

جس شخص نے کسی سے دوستی یا دشمنی پیدا کرنے میں، یا اپنے مال کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں رضائے الٰہی ہی کو مدنظر رکھا۔ اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

۱۹- سَأَلُوْهُ إِنَّا نَجِدُ فِيْ أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ أَوَقَدْ وَجَدْتُّمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ - (مسلم وابوداؤد)

چند لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے دلوں میں (ایسے برے خیالات) پاتے ہیں کہ ان کا زبان پر لانا بڑی (معیوب) بات ہے۔ فرمایا کیا یہ تحقیق ہے کہ تمہارے دلوں میں ایسا آتا ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا یہ عین ایمان ہے۔

۲۰- قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَجْلِسٍ فَقَالَ أَتُبَايِعُوْنِيْ

ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم مجھ

عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (وَفِيْ اُخْرٰى وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ) وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْنِيْ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ اَيْ غَيْرَ الشِّرْكِ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (الخمسة الا ابوداؤد) بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِيْ اُخْرٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ۔

(الثلاثة والنسائی)

سے اس بات پر بیعت (یعنی تابعداری کا عہد) کرنے ہو کہ ... کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے۔ چوری نہ کرو گے، زنانہ کرو گے اور کسی ایسی جان کو جس کا قتل خدا نے حرام کیا ہے۔ ناحق قتل نہ کرو گے؟ دوسری روایت میں ہے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور کسی پر تہمت نہ لگاؤ گے جس کا مخرج وہ شے ہے جو تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہے (یعنی دل) اور اچھی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ پس تم میں سے جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا۔ اس کا اجر خدا کے پاس ہے اور جو شخص شرک کے سوائے ان میں سے کسی فعل کا مرتکب ہوا اور اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے چاہے اُسے معاف کرے چاہے اُسے سزا دے۔ پس ہم نے اس عہد پر بیعت کی۔

(ایک دوسری روایت میں راوی کہتا ہے) کہ ہم نے اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم (جو ارشاد ہوگا) سنیں گے۔ اور اس کی تعمیل کریں گے۔ خواہ تنگی ہو خواہ فراخی، خواہ راحت ہو، خواہ رنج، اور خواہ اس کا بُرا اثر ہم پر پڑے۔ اور ہم ایسے شخص کے سردار ہونے میں جو اس کے لائق ہو نہیں جھگڑیں گے۔ ہر حالت میں سچ کہیں گے۔ خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسے شخص کے خلیفہ ہونے میں جو اس کے لائق ہو نہیں جھگڑیں گے مگر اس وقت کہ صریحًا کفر دیکھنے میں آئے یعنی اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

۲۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ۔

(ستة)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت اور اطاعت پر بیعت کرتے تو آپؐ فرماتے اس حد تک کہ تمہارے احاطہ قدرت میں ہے۔

اِیمان کی خصلتیں

۲۲ - ایمان کا سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ عمل :

(ابوھریرۃ رضی) رفعہ : الایمان بضع وسبعون اوستون شعبۃ والحیاء شعبۃ من الایمان وفی روایۃ : و افضلھا قول لا الٰہ الا اللّٰہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق -
(للستۃ الا الموطأ)

ایمان کی کچھ اُوپر ستر یا ساٹھ شاخیں ہیں یہ حیا بھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے ان میں سب سے چوٹی کی چیز لا الٰہ الا اللّٰہ کا قائل ہونا ہے۔
اور معمولی درجے کی چیز راستے سے ایذا رساں اشیاء کا ہٹا دینا ہے۔

۲۳ - تین چار قسمیہ کا بیان :

(عائشۃ رضی) رفعتہ ثلاث احلف علیھن لا یجعل اللّٰہ من لہ سھم الاسلام کمن لا سھم لہ واسھم الاسلام الثلاثۃ الصلوۃ والصوم والزکوۃ ولا یتولی اللّٰہ عبدا فی الدنیا فیولیہ غیرہ یوم القیامۃ ولا یحب رجل قوما الا جعلہ معھم والرابعۃ لوحلفت علیھا رجوت ان لا آثم لا یستر اللّٰہ عبدا فی الدنیا الا سترہ یوم القیامۃ
(احمد، موصلی)

میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں : ایک یہ کہ اللّٰہ اسلام کے حصے دار کو محروم الاسلام کے برابر نہ کرے گا۔ اسلام کے بڑے حصے تین ہیں : (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ
دوسرے یہ کہ : جس کا اللّٰہ دُنیا میں دوست ہو بروزِ قیامت بھی اُسے دوسروں کی سپردگی میں نہ دے گا۔
تیسری یہ کہ دنیا میں جس نے جن لوگوں سے محبت کی، اُس کا حشر بھی انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔
حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں اگر میں چوتھی بات بھی آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی طرف سے قسم کھا کر کر دوں تو مجھ پر گناہ عائد نہ ہوگا - یعنی اللّٰہ جس کی ستر پوشی دنیا میں کرتا ہے اس کی ستر پوشی آخرت میں بھی کرے گا۔

۲۴ - حلاوتِ ایمان کن کو حاصل ہوتی ہے ؟

(انس رضی) رفعہ : ثلاث من کن فیہ

ان تین شخصوں کو ایمان کا لطف حاصل ہوگا :

وجد بهن طعم الایمان من کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبدا لا یحبہ الا للہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

۱۔ جو شخص سارے جہان سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہے۔
۲۔ اور جو شخص دوسرے بندے سے بھی اللہ ہی کے لیے محبت کرتا ہے۔
۳۔ جس کو کفر سے اللہ تعالےٰ نے نکال لیا ہو اس میں واپس جانا اسے ایسا ہی ناگوار ہو جیسا آگ میں ڈالا جانا۔

۲۵۔ تکمیل ایمان کے ذریعے:

(ابو امامہؓ) رفعہ: من احب للہ و ابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان (ابو داؤد)

جس شخص کی محبت اور بغض، عطا اور ترکِ عطا سب کچھ اللہ تعالےٰ کے لیے ہو۔ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر لیتا ہے۔

۲۶۔ مسلم اور مومن کی صحیح تعریف:

(ابو ھریرہؓ) رفعہ: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمؤمن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم (ترمذی، نسائی، بخاری)

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
اور مومن وہ ہے جس کی ذات سے لوگوں کی جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

۲۷۔ ایمان کی تین بنیادیں:

(انسؓ) رفعہ: ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ ولا یکفرہ بذنب ولا یخرجہ عن الاسلام بعمل (ابو داؤد)

تین چیزیں بنیاد اسلام ہیں:
۱۔ کلمہ گو سے ہاتھ روک لینا
۲۔ اور اس کی کسی لغزش پر اس کی تکفیر نہ کرنا اور
۳۔ اس کے کسی عمل کی وجہ سے اُسے خارج از اسلام نہ کرنا۔

۲۸۔ اقرار توحید کا اثر دنیا میں:

(طارق الاشجعی) رفعہ: من قال لا الہ

جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور غیر اللہ کی عبادت

الا اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم اللہ مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ (مسلم)

کا منکر، اس کی جان و مال کو اللہ نے حرام کیا ہے اور اس کا حساب کتاب اللہ کے ہاں ہو گا۔

۲۹۔ مغز اسلام (سات سوالوں کا جواب):

(عمرو بن عبسۃ) قلت: یارسول اللہ من معک علی ھذا الامر؟ قال حر وعبد قلت: ما الاسلام؟ قال طیب الکلام واطعام الطعام قلت: ما الایمان؟ قال الصبر والسماحۃ قلت: ای الاسلام افضل؟ قال من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ قلت: ای الایمان افضل؟ قال خلق حسن قلت: ای الصلوٰۃ افضل؟ قال طول القنوت قلت: ای الھجرۃ افضل؟ قال ان تھجر ما کرہ ربک (للکبیر واحمد بلفظہ)

میرے سات سوالات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب یوں ہیں:

۱۔ ابتداء میں تبلیغ میں کون لوگ آپ کے ساتھ ہوئے؟ فرمایا: آزاد اور غلام دونوں! (۲) اسلام کیا ہے؟ فرمایا: خوش کلامی اور کھانا کھلانا۔

(۳) ایمان کیا چیز ہے؟ فرمایا صبر اور فیاضی (۴) سب سے اچھی اسلامی صفت کیا ہے؟ فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے سب مسلمان محفوظ رہیں۔

۵۔ سب سے افضل ایمان کیا ہے؟ فرمایا: اچھے اخلاق۔

۶۔ سب سے بہتر نماز کونسی ہے؟ فرمایا: جس میں قیام زیادہ ہو۔

۷۔ سب سے افضل ہجرت کیا ہے؟ فرمایا: جو خدا کو ناپسند ہو وہ چھوڑ دیا جائے۔

تفسیر اور متفرق!

۳۰۔ اِتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (الترمذی)

جب تک تمہیں یقین نہ ہو کسی حدیث کو میری طرف منسوب کرنے سے بہت پرہیز کیا کرو، اور جو شخص جان بوجھ کر دروغ گوئی کر کے کسی قول کو میرے ذمے لگائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے گا۔

۳۱۔ اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ

قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کرتے وقت فرمایا کہ بنی آدم (کے دل) میں ایک میلان شیطانی ہے اور ایک ملکی شیطانی میلان تو بدی کرنے اور حق کو جھٹلانے کے لیے آمادہ کرتا ہے

فَالْعَادُ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَعْلَمْ اَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(الترمذی)

ملکی میلان نیکی کرنے اور حق کی تصدیق کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ پس جب کوئی شخص اپنے دل میں یہ (ملکی) کیفیت دیکھے۔ تو اسے سمجھنا چاہیئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عنایت) ہے اور اس کا شکر کرے۔ اور اگر دوسری کیفیت دیکھے تو اُسے شیطان کے شر سے بچنے کے لیے خدا سے دعا کرنی چاہیئے۔

۳۲۔ اَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَّ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَّ زَوْجَةٌ صَالِحَةٌ تُعِيْنُ الْمُؤْمِنَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ۔ (الترمذی)

یہ معلوم ہوجاتا کہ کونسا مال اچھا ہے کہ ہم اُسے حاصل کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا مال یہ ہے کہ زبان خدا کا ذکر کرنے والی ہو۔ دل خدا کا شکرگزار ہو۔ اور بیوی نیک ہو۔ جو مومن کی اس کا ایمان (قائم) رکھنے میں اعانت کرے۔

۳۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاِسَاءَةِ فَاِذَا فَعَلُوْهُ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ۔

(البخاری معلقا)

حضرت ابن عباس رض نے اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ آیت کی تفسیر میں فرمایا: کسی کے غضب پر صبر کرنا اور دُکھ دینے والے سے درگزر کرنا۔ جب اس رویہ کو لوگ اختیار کریں گے تو خدا انھیں محفوظ رکھے گا۔ اور ان کے مخالف ان سے عاجزی کریں گے۔

۳۴۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ۔

(الشیخان والترمذی)

ایمان دار بندہ اپنے گناہ کو اس طرح محسوس کرتا ہے گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ جو اس پر گرتا معلوم ہوتا ہے اور بدکار شخص اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی اس کی ناک پر بیٹھی اور ہاتھ ہلانے سے اُڑ گئی۔

۳۵۔ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔

(الخمسۃ)

کسی تکلیف کی وجہ سے کوئی شخص ہرگز موت کی خواہش نہ کرے۔ اور اگر کوئی ایسا کرنے سے باز نہیں آسکتا تو اسے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اے خدا مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میری حیات میرے لیے مفید ہو اور مجھے موت دے جب میرے لیے موت بہتر ہو۔

وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔

(الترمذی)

جس شخص نے دکھاوے کے واسطے ایسی وضع بنائی جو اُس کی اصلی نہیں ہے (یعنی حاجیوں یا علماء کا لباس پہن لیا حالانکہ نہ وہ حاجی ہے نہ عالم) تو گویا اس نے فریب کے وہ کپڑے پہن لیے۔

۲۷۔ مذمتِ دنیا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَحُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔

(ابوداؤد)

دنیا کی محبت سب گناہوں کی سردار ہے اور ایک (ہی) چیز کی محبت تمھیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ ؎

دنیائے دوں کی دے نہ محبت خدا ظفر
انساں کو پھینک دے ہے یہ ایمان و دیں سے دور

سُنّت اور بدعت

۲۸۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔

(مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت میں (عملی یا اعتقادی) خرابی پیدا ہونے کے وقت میری سنت پر عمل کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

۲۹۔ عَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيٰى سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ أُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَإِنَّ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو (لوگوں میں) رائج کیا جس کا چلن ختم ہو گیا ہو تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، ان سب کے برابر رائج کرنے والے کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور جس نے کوئی ایسی نئی بات نکالی جو سیّئہ ہے جسے اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پسند نہیں فرماتے تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کے برابر نکالنے والے پر

...اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔

(ترمذی ۔ مشکوٰۃ)

گناہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں ... ہوگی۔

۴۰ ۔ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ ۔ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت جریر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: جو اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا تو اس کو اپنے رائج کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔ اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی اور جو مذہب اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو رائج کرے گا تو اُس شخص کو اس کے رائج کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

۴۱ ۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔

(مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے (غالباً ایک خطبہ میں) فرمایا ۔ بعد حمد الٰہی کے معلوم ہونا چاہیئے کہ سب سے بہتر کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور بدترین چیزوں میں وہ ہے جسے نیا نکالا گیا اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

احکامِ ایمان اور بیعتِ ایمان

۴۲ ۔ عورتوں کے اسلام کا امتحان :

(ابن عباسؓ) سئل كيف كان صلى الله عليه وسلم يمتحن النساء قال اِذا اتته المرأة لتسلم احلفها بالله

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے پوچھا گیا کہ جب کوئی عورت اسلام لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تو حضورؐ اس کا امتحان کس طرح فرماتے؟

ما خرجت لبغض زوجها و بالله ما خرجت لاكتساب دنيا و بالله ما خرجت من ارض الى ارض و بالله ما خرجت الا حبا لله و لرسوله۔

(كبير مليين)

جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر حلف لیتے کہ بخدا میں شوہر سے ناراض ہو کر نہیں آئی! بخدا مجھے دنیا حاصل کرنا مقصود نہیں! بخدا ایک خطہ چھوڑ کر دوسری زمین پر بسنے کے شوق میں نہیں آئی بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت میرے آنے کا سبب ہوئی!

۴۳ - انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے:

(ابوہریرہ) رفعه: ما من مولود الا يولد على الفطرة ثم يقول اقرؤا فطرة الله التى فطر الناس عليها فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء قالوا يا رسول الله افرأيت من يموت صغيرا؟ قال الله اعلم بما كانوا عاملين (للشيخين ونحوه للباقين الا النسائى)

تمام بچے فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: فطرة الله التى فطر الناس عليها پر غور کرو۔ لیکن ان کے ماں باپ انہیں یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ چوپائے کا بچہ بھی مکمل پیدا ہوتا ہے، کیا تم ان بچوں میں کسی کو کن کٹا دیکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بچہ کم سنی میں مر جائے اس کا حشر؟ فرمایا: یہ علم خدا تعالےٰ ہی کو ہے کہ وہ بڑا ہو کر کیا عمل کرتا۔

۴۴ - ایمان اور عمل کا گہرا تعلق:

(ابن عمرؓ) رفعه: لا يقبل ايمان بلا عمل ولا عمل بلا ايمان (كبير ملين)

ایمان عمل کے بغیر اور عمل ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔

۴۵ - دین صحیح کیا ہے؟:

(ابن عباسؓ) قال اى الاديان احب الى الله يا رسول الله؟ قال الحنيفية السمحة (احمد، كبير، اوسط، بزار)

ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ: اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا دین اللہ کے ہاں مقبول ہے؟ فرمایا: ایسی یکسوئی جس میں فراخ دلی و توسع ہو۔

۴۶ - عجیب و لطیف تمثیل :

(ابن مسعودؓ) ضرب اللہ مثلا صراطا مستقیما وعن جنبتی الصراط سوران فیھما ابواب مفتحۃ وعلی الابواب ستور مرخاۃ وعند رأس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلک داع یدعو کلما ھم عبد ان یفتح شیئا من تلک الابواب قال ویحک لا تفتحہ فانک ان فتحتہ تلجہ ثم فسرہ بان الصراط ھو الاسلام وان الابواب المفتحۃ محارم اللہ وان الستور المرخاۃ حدود اللہ والداعی علی رأس الصراط ھو القرآن والداعی فوقہ ھو واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن ۔ (رزین)

اللہ تعالیٰ نے (قرآن حکیم میں) جس "صراطِ مستقیم" کا تذکرہ فرمایا، اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک سیدھا راستہ ہو جس کے دونوں طرف دیواریں ہوں اور ان میں جا بجا دروازے کھلے ہوئے ہوں جن پر پردے آویزاں ہوں اور سرِراہ ایک نقیب پکار رہا ہو کہ دیکھ بھال کر چلنا اور اِدھر اُدھر نہ مڑنا۔ اس کے آگے دوسرا نقیب ہے جس کا کام یہ ہے کہ: اگر کسی نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور وہ چلّا اٹھا کہ ! ارے بدنصیب ! اسے نہ کھولنا ورنہ اندر چلا جائے گا۔ پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی تفسیر یں فرمایا :

(۱) یہ صراط اسلام ہے (۲) دروازے خدا کی طرف سے حرام کردہ امور (۳) پردے حدود اللہ (۴) پہلا نقیب قرآن حکیم اور (۵) دوسرا مومن کا نفس لوّامہ ہے۔

۴۷ - پانچ باتیں :

(ابوموسیٰؓ) قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات فقال ان اللہ لاینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط ویرفعہ یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار وعمل النھار قبل عمل اللیل حجابہ النور (مسلم)

ایک خطبے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ امور کا ذکر فرمایا :

۱ - اللہ تعالیٰ پر نیند وارد نہیں ہوتی، اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے۔

۲ - عدل کی ترازو اس کے ہاتھ میں ہے جسے وہ اٹھاتا اور جھکاتا رہتا ہے۔

۳ - بندوں کے دن کے اعمال اس کے حضور شب سے قبل اور رات کے اعمال دن سے پہلے پیش ہوتے ہیں۔

۴ - اس کی ذات نور کے پردوں میں نہاں ہے۔

جنّت کی کیفیت

۴۸ ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ ؓ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۔ (الشیخان والترمذی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیز تیار کر رکھی ہے جس کی کیفیت کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کے کان نے سُنی نہیں، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو (اور تسلی کر لو) کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے واسطے کس قسم کی آنکھ کی ٹھنڈک مخفی ہے۔

وعظ!

۴۹ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِكُمْ يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِيْ اَكْسُكُمْ يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ لَكُمْ يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ

یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی طرف سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "اے میرے بندو میں نے اپنے اُوپر ظلم کو حرام کر رکھا ہے۔ اور تمھارے واسطے بھی ایک دوسرے پر اسے حرام کر دیا ہے۔ پس ظلم مت کیا کرو۔ اے بندو۔ تم سب بے راہ ہو۔ سوائے اس کے جسے میں نے ہدایت کی۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ کہ میں تمھیں ہدایت کروں۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو۔ سوائے اس کے جسے میں نے کھانا کھلایا۔ پس مجھ سے کھانا مانگو۔ کہ میں تمھیں کھانا دوں۔ اے میرے بندو۔ تم سب ننگے ہو۔ سوائے اس کے کہ جسے میں نے کپڑا پہنایا۔ پس مجھ سے کپڑا مانگو۔ کہ میں تمھیں دوں۔ اے میرے بندو تم دن رات خطا کرتے رہتے ہو اور میں سب گناہوں کا بخشنہار ہوں۔ پس مجھ سے بخشش کی طلب کرو کہ میں تمھارے خطا بخش

يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ
وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى
قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَٰلِكَ
فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ
وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى
أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَٰلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا
يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ
قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ وَسَأَلُونِي
فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ
مَا نَقَصَ ذَٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا
يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا دَخَلَ فِي الْبَحْرِ
يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا
لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ
خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ تَعَالَى وَمَنْ
وَجَدَ غَيْرَ ذَٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا
نَفْسَهُ ۔ (مسلم والترمذی)

دوں۔ اور میرے بندو تم مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہو۔ کہ ایسا کرنے کی کوشش کرو۔ اے میرے بندو اگر تمھارے اگلوں اور پچھلوں کا سب جن اور انس کا اور (خود) تم میں سے ہر ایک کا دل ایک بڑے پرہیزگار شخص کے دل کی طرح ہو جائے تو میری بادشاہی میں کچھ بیشی نہیں ہو سکتی، اور نہ کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ اگر تم سب کے دل ایک بڑے گناہگار کی طرح ہو جائیں اور تم سب جو اوپر مذکور ہوئے ہو۔ اگر روئے زمین پر کھڑے ہو کر مجھ سے کچھ مانگو اور میں ہر ایک انسان کو وہ چیز عطا کروں جو وہ مانگے تو اس سے میرے خزانے میں اتنی کمی نہیں ہو سکتی جتنی کہ سمندر میں (کسی ذخیرہ سے) ایک سوئی کے گر جانے سے ہوتی ہے۔ اے میرے بندو یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جنھیں میں تمھارے واسطے گنتا رہتا ہوں۔ پھر تمھیں ان کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جسے نیک بدلہ ملے اُسے چاہیئے کہ خدا کا شکر کرے اور جسے نیکی کے سوا (یعنی بُرا) بدلہ ملے وہ کسی کو ملامت نہ کرے، سوائے اپنے آپ کے۔

۵۰۔ مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ
اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ عَلَيْهِ
شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ
وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ
فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ
شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ
فَلَا يُمْسِي إِلَّا فَقِيرًا وَلَا يُصْبِحُ إِلَّا
فَقِيرًا وَمَا أَقْبَلَ عَبْدٌ عَلَى اللهِ بِقَلْبِهِ
إِلَّا جَعَلَ اللهُ قُلُوبَ الْمُؤْمِنِينَ تَنْقَادُ
إِلَيْهِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَةِ وَكَانَ اللهُ تَعَالَى

جس شخص کو آخرت کا غم ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی یعنی بے پروا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی اس کے واسطے جمعیت خاطر ہوتی ہے اور دُنیا اسے حقیر دکھائی دیتی ہے اور جس شخص کو دنیا کا غم ہو۔ اللہ تعالیٰ محتاجی کو اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اور اس کے کام اس پر پریشانی طاری کر دیتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی چیز اُسے نہیں ملتی۔ سوائے اس کے جو اس کے مقدر میں ہے۔ شام ہو تب وہ محتاج، صبح ہو تب محتاج۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کسی شخص نے اللہ کی طرف اپنا دل لگایا ہو، تو ایسا نہ ہوا (لوگوں کے دل محبّت اور رحمت کے ساتھ اس کی طرف نہ پھرے ہوں۔

بِکُلِّ خَیْرٍ اِلَیْہِ اَسْرَعُ۔ (الترمذی)

اور اللہ تعالیٰ ہر نیکی اس کی طرف جلد بھیجتا ہے۔

۵۱۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَالَنَا اِذَا کُنَّا عِنْدَکَ رَقَّتْ قُلُوْبُنَا وَزَھِدْنَا فِی الدُّنْیَا وَکَانَتِ الْاٰخِرَۃُ کَاَنَّھَا رَأْیُ عَیْنٍ وَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ وَاٰنَسْنَا اَھْلِیْنَا وَشَمَمْنَا اَوْلَادَنَا اَنْکَرْنَا اَنْفُسَنَا فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلٰی حَالِکُمْ مِنِّیْ لَزَارَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَصَافَحَتْکُمْ فِیْ طُرُقِکُمْ وَلَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکُمْ وَلَجَآءَ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ لِّیُذْنِبُوْنَ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُلَھُمْ۔ (الترمذی)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہمیں کیا ہے؟ کہ ہم آپؐ کی خدمت میں ہوتے ہیں۔ ہمارے دل نرم ہوتے ہیں اور ہم دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں۔ اور آخرت گویا آنکھ کے سامنے دکھائی دیتی ہے اور جب ہم آپؐ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں کی طرف رغبت کرتے ہیں اور اپنی اولاد سے ملتے ہیں تو ہمارے دل پلٹ جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اسی حال پر رہتے۔ جو حال تمھارا میری صحبت میں ہوتا ہے تو فرشتے (خدا کا ان پر سلام ہو) تمھارے گھروں میں جاکر تمھاری ملاقات کرتے، اور رستوں میں تم سے ہاتھ ملاتے۔ اور اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا تمھیں اُٹھالیتا اور اور خلقت پیدا کرتا۔ جو گناہ کرتی۔ اور تشنا مخول کرتی اور معافی اور بخشش مانگتی۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا۔

۵۲۔ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَمَانِیَّ۔ (الترمذی)

دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کا اندازہ کیا اور اس (جزا) کے واسطے جو مرنے کے بعد (ملنے والی) ہے نیک عمل کیے اور نادان وہ شخص ہے جس نے نفس کی (بُری) خواہشوں کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے (بخشش کی) آرزو رکھی۔

۵۳۔ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلَّا ثَلٰثَۃٌ: صَدَقَۃٌ جَارِیَۃٌ اَوْعِلْمٌ یُّنْتَفَعُ بِہٖ اَوْوَلَدٌ صَالِحٌ یَّدْعُوْلَہٗ۔ (الخمسۃ الا البخاری)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سوائے تین (عملوں) کے کہ وہ جاری رہتے ہیں۔ (۱) صدقہ جاری (مثلاً تعمیر پل، مسجد، چاہ اور مہمان سرائے (۲) علم جس سے خلق کو فائدہ پہنچے (جیسے شاگرد لائق یا کسی مفید کتاب کی تصنیف) (۳) نیک بخت بیٹا، جو اس کے واسطے دُعا کرے ۔

علم اور علمائے کرام!

۵۴۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَیْرِ اَھْلِہٖ کَمُقَلِّدِ الْخَنَازِیْرِ الْجَوَاھِرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّھَبَ۔ (ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسے خنزیر یعنی سور کے گلے میں جواہرات، موتی اور سونے کا ہار پہنا دیا ہو۔

۵۵۔ عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ (مسلم۔ مشکوٰۃ)

حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ یہ علم (یعنی قرآن و حدیث کو جاننا) دین ہے۔ لہٰذا تم دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

۵۶۔ عَنْ کَثِیْرِ بْنِ قَیْسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَاءِ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَدِیْنَۃِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُہٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَۃٍ قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا

حضرت کثیر بن قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا تو ایک آدمی نے آ کر کہا کہ اے ابو الدرداء بے شک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ طیبہ سے یہ سن کر آیا ہوں کہ آپ کے پاس کوئی حدیث ہے جسے آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور میں کسی دوسرے کام کے لیے نہیں آیا ہوں۔ حضرت ابو الدرداء نے کہا کہ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص علم (دین) حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتا ہے اور طالب علم کی رضا حاصل کرنے کے لیے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور ہر وہ چیز جو آسمان و زمین

بِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

(ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

میں ہے۔ یہاں تک کہ مچھلیاں پانی کے اندر عالم کے لیے دعائے استغفار کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر۔ اور علماء انبیائے کرام کے وارث و جانشین ہیں۔ انبیائے کرام کا ترکہ دینار و درہم نہیں ہیں۔ انھوں نے وراثت میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اسے حاصل کیا، اس نے پورا حصہ پایا۔

۵۷ - عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور خدا دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

۵۸ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا۔

(دارمی، مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اُنھوں نے فرمایا کہ رات میں ایک گھڑی علم دین کا پڑھنا پڑھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

۵۹ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔

(ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ ایک فقیہ یعنی ایک عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

۶۰ - عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدُّ الْعِلْمِ الَّذِيْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے کہ جسے آدمی حاصل کرے تو

كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّ شَهِيْدًا ۔
(مشکوٰۃ)

فقیہ یعنی عالمِ دین ہو جائے تو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت تک پہنچانے کے لیے دینی اُمور کی چالیس حدیثیں یاد کرے گا تو خدائے تعالےٰ اسے قیامت کے دن عالمِ دین کی حیثیت سے اُٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہ رہوں گا۔

۶۱۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا۔
(ابوداؤد، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسے علم کو سیکھا جس کے ذریعے خدائے تعالےٰ کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے۔ (مگر) اس نے صرف اس لیے سیکھا کہ اس علم سے متاعِ دنیا حاصل کرے تو قیامت کے دن اس کو جنّت کی خوشبو تک میسر نہ ہوگی۔

۶۲۔ عَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الطَّمَعُ ۔
(دارمی، مشکوٰۃ)

حضرت سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اہلِ علم کون لوگ ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ جو اپنے علم کے موافق عمل کریں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ عالموں کے دلوں سے کون سی چیز علم (کے انوار و برکات) کو نکال لیتی ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ لالچ۔

۶۳۔ عَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ ۔
(دارمی، مشکوٰۃ)

حضرت احوص بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ بُروں میں سب سے بدترین علمائے سوء ہیں اور اچھوں میں سب سے بہتر علمائے حق ہیں۔

۶۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس

صلی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وسلّم مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْہِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِہٖ فَقَدْ خَانَہٗ۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے بغیر علم کے کوئی فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتوے دینے والے پر ہوگا اور جس نے جان بوجھ کر اپنے بھائی کو غلط مشورہ دیا، تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

کتاب و سنّت سے وابستگی

۶۵۔ کتاب و سنّت سے وابستگی:

(مالکؒ) بلغنی ان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنّۃ رسولہٖ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

۶۶۔ چند وصایائے نبویؐ:

(۱) عرباض بن الساریۃؓ)..... فقال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجھہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال رجل یارسول اللّٰہ کان ھذہ موعظۃ مودع فماذا تعھد الینا؟ قال اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعۃ وان عبداً حبشیا فانہ من یعش منکم

ایک مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر وعظ فرمایا اور وعظ ایسا تھا کہ سننے والوں کی آنکھیں بہ گئیں۔ اور دل خشیت میں ڈوب گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اگویا کہ یہ آخری وعظ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا وصیّت فرماتے ہیں؟ فرمایا:

میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے رہو اگرچہ وہ حبشی

بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة (ترمذی، ابوداؤد، بلفظه)

غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عنقریب جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ کئی قسم کے اختلاف دیکھے گا۔ اس وقت میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر اس مضبوطی سے چلنا کہ گویا تم نے سنّت کی رسّی کو اپنی ڈاڑھوں سے دبا رکھا ہے۔ اور دین میں نئے اختراعات سے بچنا کیونکہ ہر اختراع بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

۶۷ - ہر کلمۂ خیر کا سرچشمہ زبانِ رسالت ہے:

(ابو ہریرہؓ) ما جاءکم عنی من خیر قلته اولم اقله فانا اقوله وما اتاکم من شر فانی لا اقول الشر (احمد، بزار بلین)

تمھارے پاس میرے نام سے خیر کی کوئی بات آئے تو خواہ میں نے وہ کہی ہو یا نہ کہی ہو (تم سمجھ لو کہ) وہ بات میری ہی زبان سے نکلی ہے اور اگر کوئی شر کی بات ہو تو (سمجھ لینا چاہیئے کہ) میں شر کی بات کہتا ہی نہیں۔

۶۸ - بہترین کلام اور بہترین سیرت:

(ابن مسعودؓ) احسن الحدیث کتاب اللہ واحسن الهدی هدی محمّد صلّی اللہ علیه وسلّم وشر الامور محدثاتها وان ما توعدون لآت وما انتم بمعجزین۔ (بخاری)

سب سے بہتر کلام قرآن مجید ہے، سب سے بہتر سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت ہے اور بُری چیزوں میں سے بدعات سب سے بدتر ہیں۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ آکر رہے گی اور تم اسے روک نہ سکو گے۔

۶۹ - اقتدائے قرآن کا صلہ:

(ابن عباسؓ) من اقتدی بکتاب اللہ لا یضل فی الدنیا ولا یشقی فی الآخرة ثم تلا فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقی (رزین)

متبع قرآن دنیا میں گمراہی اور عقبیٰ کی بدبختی سے محفوظ رہے گا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقیٰ (جس نے میری ہدایت قبول کر لی، وہ گمراہ اور بدبخت نہیں ہوگا)۔

۷۰ ۔ احیائے سنت نبوی کا انعام :

(علیؓ) رفعہ : من احیی سنة من سنتی امیتت بعدی فقد احبنی ومن احبنی کان معی (رزین)

جس نے میری ایک سنّت کو بھی جو میرے بعد ختم ہو چکی ہو زندہ کیا وہ میرا محب ہے اور جو میرا محب ہے وہ میرے ساتھ ہوگا۔

۷۱ : قرآن اور دیگر صحف انبیاؑ پر ایمان :

(معقلؓ بن یسارؓ) رفعہ : اعملوا بالقرآن واحلوا حلاله وحرموا حرامه واقتدوا به ولا تکفروا بشیء منه وما تشابه علیکم فردوه الی الله والی اولی الامر من بعدی کیما یخبرکم وآمنوا بالتوراة والانجیل والزبور وما اوتی النبیون من ربهم (کبیر)

قرآن حکیم پر عمل کرو اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دو ۔ اس کی پیروی کرو ۔ اس کے کسی ادنیٰ جزسے بھی انکار نہ کرو ۔ اگر کسی جگہ اشتباہ پیدا ہو تو میرے بعد کے اولی الامر سے دریافت کر لو وہ تمہیں صحیح بات بتا دیں گے ۔ اور توریت ، انجیل ، زبور ، بلکہ تمام صحف انبیاء پر بھی ایمان رکھو ۔

۷۲ ۔ تھوڑی نیکی نئی بدی سے بہتر ہے :

(ابن مسعودؓ) قال اقتصاد فی سنة خیر من اجتهاد فی بدعة (کبیر بمعنی)

کسی سنّت میں تھوڑے پر قناعت کیے رہنا بدعت میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے ۔

۷۳ ۔ بدعت پر وعید :

(حذیفةؓ) رفعہ : لا یقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلوٰة ولا صدقة ولا حجة ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین (قزوینی بنحو)

بدعتی کا روزہ ، نماز ، زکوٰۃ ، حج ، عمرہ ، جہاد ، بدلہ ، معاوضہ کچھ بھی اللہ تعالےٰ قبول نہ فرمائے گا ، وہ اسلام سے اس طرح خارج ہو جاتا ہے ، جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال دیا جاتا ہے ۔

۷۴۔ فرقے بندی کی لعنت اور انتباہ :

(ابن عمروؓ بن العاص) رفعہ: لیأتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وستفترق امتی علی ثلثۃ وسبعین ملۃ کلھا فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ؟ قال من کان علی ما انا علیہ واصحابی (ترمذی)

میری اُمّت پر بھی ویسا ہی دور آئے گا، جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا۔ یہ بھی ان کے قدم بقدم چلے گی۔ اگر ان میں بہتر (۷۲) فرقے بن گئے، تو یہ تہتر (۷۳) گروہ میں منقسم ہو کر رہیں گے، مگر ان میں ایک فرقے کے سوا بقیہ تمام گروہ آگ میں جانے والے ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسا گروہ ہوگا؟ فرمایا: جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر رہے۔

تقدیر کا بیان

۷۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔
(مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ خدائے تعالٰی نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس قبل مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا (لوحِ محفوظ میں ثبت فرما دیا)۔

۷۶۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ۔
(ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے بعد) سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ قلم ہے۔ خدا تعالٰی نے اس سے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر۔ تو قلم نے لکھا جو کچھ ہو چکا تھا اور جو ابد تک ہونے والا تھا۔

۷۷۔ عَنْ مُطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً۔

(ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص کی موت کسی زمین پر مقدر کر دیتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی حاجت پیدا کر دیتا ہے۔

۷۸۔ آخری بازگشت رحمت الٰہی ہے نہ کہ عمل:

(عائشۃ رضی) رفعتہ: سددوا وقاربوا واعلموا انہ لن یدخل احد کم عملہ الجنۃ قالوا ولا انت یا رسول اللّٰہ؟ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللّٰہ بمغفرۃ ورحمۃ۔ (بخاری)

میانہ روی اختیار کرو اور خوب سمجھ لو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہ لے جائیں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا عمل بھی آپ کو جنت میں نہ لے جائے گا؟ فرمایا: ہاں! میرا بھی یہی حال ہے۔ مجھے بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہی اپنے دامنِ رحمت میں چھپائے گی۔

۷۹۔ دین اسلام میں سہولتیں ہیں نہ کہ سختیاں:

(ابوھریرۃ رضی) رفعہ: ان ھذا الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ۔

(شیخین)

دین سہل چیز ہے۔ جو شخص اس میں سختی پیدا کرے گا اسی پر وہی سختی مسلط رہے گی۔

۸۰۔ تبلیغ کی رُوح:

(انس رضی) رفعہ: یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا۔ (شیخین)

سہولت پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو۔ خوشخبری سناؤ۔ نفرت نہ دلاؤ۔

قبر کا عذاب حق ہے

۸۱۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ مُردے

يَاتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ
لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللّٰهُ
فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ دِينِيَ
الْإِسْلَامُ فَيَقُولَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ
الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هُوَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَيَقُولَانِ لَهُ وَمَا يُدْرِيكَ
فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ
بِهِ وَصَدَّقْتُ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ
يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ الْآيَةَ قَالَ فَيُنَادِي مُنَادٍ
مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي
فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوهُ
مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ
بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ
قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيبِهَا
وَيُفْسَحُ لَهُ فِيهَا مَدَّ بَصَرِهِ وَأَمَّا
الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ وَيُعَادُ
رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ
فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ مَنْ رَبُّكَ
فَيَقُولُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ
لَهُ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ هَاهْ هَاهْ
لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ
الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هَاهْ هَاهْ
لَا أَدْرِي فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ

کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، تو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ
تیرا رب کون ہے؟ تو مُردہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔
تو فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا
دین اسلام ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں کون نبی ہے جو
تم میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔؟ تو مُردہ کہتا ہے کہ وہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پھر فرشتے دریافت
کرتے ہیں کہ تمہیں کس نے بتایا (کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم ہیں) تو مُردہ کہتا ہے میں نے خدائے تعالیٰ
کی کتاب کو پڑھا تو ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق
کی (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا) تو خدائے تعالیٰ
کے اس قول يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کا یہی
مطلب ہے (یعنی مومن خدائے تعالیٰ کے فضل سے فرشتوں
کو جواب دینے میں ثابت رہتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکار کر
کہتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا تو اس کے لیے جنت
کا بچھونا بچھاؤ اور اس کو جنت کا کپڑا پہناؤ اور اس کے
لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ تو دروازہ کھول
دیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کے پاس
جنت کی ہوا، اور خوشبو آتی ہے۔ اور حدِ نگاہ تک اس کی
قبر کشادہ کر دی جاتی ہے (یہ حال تو مومن کا ہے) اور اب رہ
گیا کافر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کا ذکر کیا اور
فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے، اور
اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں تو اُسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ
تیرا رب کون ہے؟ تو کافر مردہ کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں
جانتا۔ پھر فرشتے دریافت کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے

اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَ سَمُوْمِهَا قَالَ وَ يُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهُ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ اَعْمٰى وَاَصَمُّ مَعَهُ مِرْزَبَةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَوْضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔

(ابو داؤد، مشکوٰۃ)

ہاہا میں نہیں جانتا۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں کون ہے جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے تو وہ کہتا ہے ہاہا میں نہیں جانتا۔ تو آسمان سے ایک ندا دینے والا پکار کر کہتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور آگ کا کپڑا پہناؤ اور اس کے لیے دوزخ کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کے پاس جہنم کی گرمی اور لپٹ آتی ہے اور کافر کی قبر اس پر تنگ کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ فرشتہ اس گرز سے کافر کو ایسا مارتا ہے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے۔ مگر انسان اور جن نہیں سنتے ہیں تو وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے اندر روح لوٹائی جاتی ہے۔

۸۱۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقْبِرَ الْمَيِّتُ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ يُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ ثُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مُردہ کو رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو کالے فرشتے نیلی آنکھوں والے آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نکیر۔ دونوں فرشتے اس مُردہ سے پوچھتے ہیں کہ تو اس ذاتِ گرامی کے بارے میں کیا کہتا تھا تو مُردہ کہتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خدائے تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (یہ سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر اس کی

يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِيْ فَاُخْبِرَهُمْ فَيَقُوْلَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهٖ ذٰلِكَ. وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهٖ۔

(ترمذی، مشکوٰۃ)

قبر، ۷۰ گز لمبی اور ۷۰ گز چوڑی کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد قبر میں روشنی کی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے "سو جا" تو مُردہ کہتا ہے کہ میں اپنے اہل و عیال میں جا کر اس حال سے اُن کو آگاہ کر دوں۔ تو فرشتے کہتے ہیں "سو جیسے دولہا سوتا ہے" جس کو صرف وہی جگا سکتا ہے کہ جو اس کے اہل میں سب سے زیادہ محبوب ہو (تو وہ سو جاتا ہے) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) اُس کی قبر سے اُٹھائے گا۔ (یہ حال تو مومن کا ہے) اور اگر مُردہ منافق ہوتا ہے تو فرشتوں کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سُنا تھا، اسی کے مثل میں بھی کہتا تھا۔ خود میں کچھ جانتا نہیں تھا، تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم لوگ جانتے تھے کہ تو ایسا ہی کہے گا۔ پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو دبا تو وہ دبائے گی۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جائیں گی تو اسی طرح وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک خدائے تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اُٹھائے۔

مصائب میں رحمت کا پہلو

۸۳۔ اسقاط شدہ بچّہ شفیع ہوگا:

(علیؓ) رفعه: ان السقط ليراغم ربه اذا دخل ابويه النار فيقال ايها السقط المراغم ربه ادخل ابويك الجنة فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنة۔

(ترمذی بضعف)

اسقاط شُدہ بچّے کے والدین کو جب خدا آگ میں داخل کرنے لگے گا تو وہ (بچّہ) اپنے رَبّ کے سامنے مچل جائے گا پھر آواز آئے گی کہ اے اپنے رَبّ کے آگے مچلنے والے بچّے اپنے والدین کو جنّت میں لے جا۔ چنانچہ وہ دونوں کو اپنی ناف سے کھینچتا ہُوا جنّت میں لے جائے گا۔

۸۴ ۔ کمسن مرنے والا بھی والدین کا شفیع ہوگا :

(ابن عباسؓ) رفعه : من كان له فرطان من امّتى دخل الجنة بهما قالت عائشة فمن كان له فرط من امتك ؟ قال ومن كان له فرط يا موفّقة قالت فمن لم يكن له فرط من امتك ؟ قال انا فرط امتى لم يصابوا بمثلى (ترمذی)

میری اُمت میں جس کے دو پیش رو (مرنے والے نابالغ بچے) ہوں وہ جنتی ہے ۔حضرت عائشہ رضنے پوچھا کہ : جس اُمتی کا ایک ہی پیش رو ہو ؟ فرمایا : وہ بھی جنتی ہے جس کا ایک پیش رو ہو ۔عرض کیا کہ : جس اُمتی کا کوئی پیش رو نہ ہو ؟ فرمایا :

میں اپنی ساری اُمت کا پیش رو ہوں ۔ ان پر میری جیسی مصیبت نہیں آئی ۔

۸۵ ۔ رقوب اور عدیم کا صحیح مفہوم :

(انسؓ) وقف النبى صلى الله عليه وسلم على مجلس من بنى سلمة فقال يابنى سلمة ما الرقوب فيكم ؟ قالوا الذى لا ولد له قال بل هو الذى لا فرط له قال فما العديم فيكم ؟ قالوا الذى لا مال له ۔ قال بل هو الذى يقدم وليس له عند الله خير ۔ (موصلی والبزار)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بنی سلمہ کے مجمع میں ٹھہر گئے اور پوچھا کہ : اے بنی سلمہ ! تم لوگ رقوب کسے کہتے ہو ؟ کہا : جس کے کوئی اولاد نہ ہو ۔فرمایا : نہیں بلکہ رقوب وہ ہے جس کا کوئی پیش رو نہ ہو ۔ پھر پوچھا کہ : تم میں عدیم (مفلس) کون ہوتا ہے ؟ عرض کیا : جو بے مال ہو ۔ فرمایا : نہیں بلکہ عدیم وہ ہے جو اللہ کے آگے پیش ہو ، لیکن اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہو ۔

۸۶ ۔ مدینے کے لیے بخار کا انتخاب :

(ابو عبیدؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رفعه : اتانى جبريلؑ بالحمى والطاعون فامسكت الحمى بالمدينة وارسلت الطاعون الى الشام فالطاعون شهادة لامتى

میرے پاس (حضرت) جبریل (علیہ السلام) بخار اور طاعون کو لے کر آئے ، تو میں نے مدینے کے لیے تو بخار کو روک لیا ، اور طاعون کو شام کی طرف جانے دیا ۔ پس طاعون میری اُمت کے لیے موتِ شہادت اور رحمت ہے اور اہلِ کفر

رحمة لهم ورجز على الكافر (احمد، کبیر) کے لیے عذاب۔

تقدیر و تدبیر

۸۷۔ تقدیر کی صحیح حقیقت:

(ابن عباس رضؓ) رفعه ...... فقال ابوعبيدةؓ افرارًا من قدر الله؟ فقال عمرؓ لو غيرك قالها يا ابا عبيدة وكان عمر يكره خلافه نعم نفر من قدر الله الى قدر الله ارأيت لو كان لك ابل فهبطت واديًا له عدوتان احداهما خصبة والاخرى جدبة اليس ان رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله وان رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله فجاء عبد الرحمن بن عوف وكان متغيبا فى بعض حاجاته فقال ان عندى من هذا علمًا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا عليه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارًا منه فحمد الله عمرؓ ثم انصرف (شیخین، موطأ، ابوداؤد)

(شام میں ایک بار وبائے طاعون پھیلی۔ مشورے کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ طے کیا کہ مقامِ وبا کی طرف لوگ نہ جائیں اس موقعہ پر) حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ: کیا خدا کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ کاش اے ابوعبیدہؓ! یہ بات تمھارے سوا کوئی اور کہتا۔ (حضرت عمرؓ ان کے اس اختلاف کو پسند نہ فرماتے تھے)۔۔ ہاں ہم قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف جا رہے ہیں۔ دیکھئے اگر آپ کی ایک اونٹنی ہو اور وہ ایک ایسے میدان میں نازل ہو جس کے دو حصے ہوں، ایک سرسبز، ایک خشک تو اگر آپ اُسے شاداب حصے میں چرائیں تو وہ بھی تقدیرِ الٰہی ہے اور اگر خشک حصے میں چرائیں تو وہ بھی تقدیرِ الٰہی ہو گی۔ اتنے میں (حضرت) عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو اپنی کسی ضرورت سے اس وقت غیر حاضر تھے آ گئے، اُنھوں نے کہا کہ: مجھے اس معاملے کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ فلاں جگہ وبا پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی جگہ تم موجود ہو اور وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرو۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ سن کر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور واپس ہو گئے۔

گریہ وغم

۸۸ - چند اور رسوم جاہلیت اور اُن کی سزا :

(ابو مالک الاشعری) رفعہ: اربع فی امتی من امر الجاھلیۃ لا یترکونھن الفخر فی الاحساب والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحۃ وقال النائحۃ اذا لم تتب قبل موتھا تقام یوم القیامۃ وعلیھا سربال من قطرانٍ ودرعٌ من جرب (مسلم)

میری اُمت میں چار باتیں جاہلیت کی ہیں جن سے لوگ باز نہیں آتے :
(۱) اپنے خاندان پر فخر (۲) دوسروں کے خاندان پر طعن (۳) ستاروں کے وسیلے سے پانی (بارش) مانگنا اور (۴) نوحہ کرنا۔ پھر فرمایا کہ : اگر نوحہ کرنے والی نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو بروز قیامت وہ اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے جسم پر تارکول کا پاجامہ اور زنگ آلود زرہ ہوگی۔

حوضِ کوثر اور شفاعت

۸۹ - عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میرے پاس خدائے تعالےٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آیا تو اس نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو یا میں شفاعت کو اختیار کروں تو میں نے شفاعت کو منظور کیا۔ میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی کہ جو اس حال میں مرے کہ اس نے کسی کو خدائے تعالیٰ کا شریک نہ مانا ہو۔
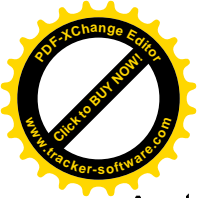
۹۰۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلٰثَۃٌ اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَاءُ۔ (ابن ماجہ۔مشکوٰۃ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام، پھر علمائے دین، پھر شہدائے اسلام۔

جنّت کا بیان

۹۱۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ اس کی خوبیوں کو کسی کان نے سُنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اُس کی ماہیّت کا خیال گزرا۔

دوزخ کا بیان

۹۲۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْقِدَ عَلَی النَّارِ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اِحْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْھَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اَبْیَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْھَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اِسْوَدَّتْ فَھِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَۃٌ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کو ایک ہزار برس جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سُرخ ہو گئی۔ پھر اس کو ایک ہزار برس تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔ پھر اسے ایک ہزار برس اور جلایا گیا، یہاں تک کہ وہ کالی سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ و تاریک ہے۔

۹۳ - عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَاِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ - (مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے ٹخنوں تک آگ ہوگی، اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے زانوؤں تک آگ کے شعلے پہنچیں گے اور بعض وہ ہوں گے جن کے کمر تک ہوگی اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے گلے تک آگ کے شعلے ہوں گے۔

۹۴ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِيٌّ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنِ الشَّقِيُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَتِهٖ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهٗ بِمَعْصِيَةٍ -

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ دوزخ میں صرف بدنصیب داخل ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! بدنصیب کون ہے؟ فرمایا بدنصیب وہ شخص ہے کہ جس نے خدائے تعالٰی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت نہیں کی اور اللہ تعالٰی کے لیے گناہ کو نہیں چھوڑا۔

کتاب الزکوٰۃ

۹۵ - تبلیغ میں حکمت تدریج اور زکوٰۃ کا مصرف:

(ابن عباسؓ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذا الی الیمن قال انک تقدم علی قوم اھل کتاب فلیکن اول ما تدعوھم الیہ عبادۃ اللہ فاذا عرفوا فاخبرھم ان اللہ فرض علیھم خمس صلوات فی یومھم ولیلتھم فاذا فعلوا فاخبرھم ان اللہ فرض علیھم زکوٰۃ توخذ من اموالھم

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ: تم اہل کتاب کی طرف تبلیغ کے لیے جا رہے ہو۔ لہٰذا پہلی چیز جس کی طرف دعوت دی جائے وہ خدا کی بندگی ہونی چاہیئے۔ جب وہ اسے سمجھ لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض کی ہیں۔ جب وہ یہ کرنے لگیں تو پھر بتاؤ کہ: اللہ تعالٰی نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو ان (ذی حیثیت لوگوں) کے مال سے

وترد علی فقراءھم فاذا اطاعوا بھا فخذ منھم وتوق کرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب (للستۃ الا مالکا)

لے کر ان ہی کے محتاجوں پر لوٹا دی جائے گی۔ جب وہ اُسے مان کر اطاعت کر لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرو، مگر عمدہ سے عمدہ مال چھانٹ کر لینے سے بچو، اور مظلوم کی فریاد سے بھی ڈرتے رہو۔ کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں۔

قسم

۹۶۔ غیر اللہ کی قسم کھانا:

(ابن عمرؓ) رفعہ: من حلف بغیر اللہ فقد کفر و اشرک (ترمذی)

جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے وہ ایک طرح کے کفر و شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

تصاویر

۹۷۔ تصاویر کی خاص نوعیت:

(عائشۃ رضؓ) لما اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بعض نسائہ کنیسۃ یقال لھا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ اتتا ارض الحبشۃ فذکرتا من حسنھا وتصاویر فیھا فرفع راسہ فقال اولئک اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدًا ثم صوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار خلق اللہ۔ (شیخین، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے، تو آپؐ کی کسی بیوی نے "ماریہ" نامی ایک کنشت کا ذکر کیا۔ اُم سلمہ اور اُم حبیبہ نے جو ملک حبشہ کو دیکھ چکی تھیں، وہاں کی خوبصورتی اور تصویروں کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اُٹھا کر فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی صالح آدمی مرتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے ہیں، اور اس میں اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔ یہ لوگ بدتر خلائق ہیں۔

کتابُ التفسیر

۹۸ ۔ رائے کو پابندِ قرآن ہونا چاہیئے نہ کہ قرآن کو پابندِ رائے :

(ابن عباس رضؓ) رفعه : من قال فی القرآن بغیر علم وفی روایة برأیه فلیتبوأ مقعده فی النار۔

(ترمذی)

جو قرآن (حکیم) میں جہالت سے اپنی رائے کو داخل کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنا لے۔

۹۹ ۔ حقیقتِ قرآن بزبانِ رسالتؐ :

(الحارث الاعور) : مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ فاخبرته فقال أوقد فعلوها؟ قلت نعم قال اما انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الا انها ستکون فتنة قلت فما المخرج منها یا رسول الله؟ قال کتاب الله فیه نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله وهو حبل الله المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم وهو الذی لا تزیغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا تشبع منه العلماء ولا یخلق علی کثرة الرد

میں ایک بار مسجد نبویؐ میں گیا تو دیکھا کہ لوگ احادیث (گفتگو) میں لگے ہیں۔ میں حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے پاس گیا اور ان کو یہ بات بتائی۔ آپ نے پوچھا کہ : کیا واقعی وہ ایسا ہی کر رہے ہیں ؟ میں نے کہا کہ : جی ہاں ! فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ : عنقریب اس قسم کا فتنہ ظہور میں آئے گا ، اس وقت میں نے دریافت کیا کہ : یا رسول اللہ ! اس سے چھٹکارے کی کیا سبیل ہے ؟ فرمایا : کتاب اللہ۔ اس میں گزشتہ اُمتّوں کے واقعات ہیں۔ آئندہ آنے والوں کی خبریں ہیں۔ تمہارے باہمی اختلافات کا فیصلہ ہے ، یہ ایک محکم حقیقت ہے ، کوئی بے تُکی بات نہیں۔ جو اُسے عبث سمجھ کر چھوڑ بیٹھے گا۔ اُسے اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا۔ اور جو اس کے علاوہ کسی اور جگہ ہدایت تلاش کرے گا ، اُسے اللہ گمراہی میں ڈال دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے اور پُرحکمت ذکر اور صراطِ مستقیم ہے ، اس سے نہ خواہشوں میں کجی آتی ہے نہ زبان

ولا تنقضی عجائبه وهوالـذی
لم تنته الجن اذ سمعته حتی قالوا انا
سمعنا قرآنا عجبا يهدی الی الرشد
فامنا به من قال به صدق ومن
عمل به اجر ومن حكم به عدل
ومن دعا اليه هدی الی صراط
مستقيم خذها اليك يا اعور (ترمذی)

میں لغزش ۔ اہل علم اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور بار بار دہرانے سے اس میں کوئی کھنگی نہیں آتی اور اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے ۔ یہی وہ کلام ہے ، جس کی انتہا کو جن بھی نہ پا سکے ۔ اور اسے سن کر انھیں کہنا پڑا کہ : (ترجمہ آیۃ)

ہم نے ایک عجیب کلام سُنا ہے جو رشد کی طرف لے جاتا ہے ۔ اور ہم تو اس پر ایمان لے آئے جس کا قول قرآن کے مطابق ہوگا وہ سچا ہوگا ۔ جو اس پر عامل ہوگا مستحق اجر ہوگا ۔ جو اس کے مطابق فیصلہ دے گا عادل ہوگا اور جو اس کی طرف دعوت دے گا وہ صراطِ مستقیم پالے گا ، اے حارث اعور ! ان باتوں کو پلّے باندھ لو ۔

انبیائے کرام زندہ ہیں

۱۰۰ ۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ ۔

(رواہ ابن ماجہ ، مشکوٰۃ ص۱۲۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ، کہ خدائے تعالےٰ نے زمین پر انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے ۔ لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں ۔ رزق دیئے جاتے ہیں ۔

۱۰۱ ۔ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ ۔ (رواہ ابوداؤد ، والنسائی والدارمی والبیہقی وابن ماجہ کلہم عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، مشکوٰۃ ص۱۲۰ ۔)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکار اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالےٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر (کھانا) حرام فرما دیا ہے ۔

براءت

۱۰۲ - کسی کو رب بنانے کا مطلب :

(عدی بن حاتم) اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال یاعدی اطرح عنک ھذا الوثن وسمعتہ یقول اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ قال انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا لھم شیئًا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئًا حرموہ۔

(ترمذی)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ، تو میرے گلے میں سونے کی ایک صلیب آویزاں تھی ۔ حضور نے فرمایا کہ اس بت کو اُتار پھینکو ۔ پھر میں نے حضور کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ : اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ (ان لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں رب بنا لیا ہے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یوں فرمائی کہ : یہ لوگ ان مشائخ و علماء کی پوجا نہیں کرتے ، بلکہ جس چیز کو وہ حلال کرتے یہ بھی اُسے حلال سمجھتے اور جسے وہ حرام کرتے یہ بھی حرام قرار دے لیتے (یعنی یہ تحلیل و تحریم ہی رب بنا لینا ہے ۔

حجر

۱۰۳ - فراستِ مومن سے ہوشیار رہو :

(ابوسعیدؓ) رفعہ ، اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ ثم قرأ ان فی ذلک لآیات للمتوسمین ۔

(ترمذی)

مومن کی فراست سے ہوشیار رہو ، کیونکہ وہ نورِ الٰہی کی وساطت سے دیکھتا ہے ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ: ان فی ذلك لآیات للمتوسمین (یعنی اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی فراست سے بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں)۔

فرقان

۱۰۴۔ رحمتِ الٰہی اور تکفیر سیئات :

(ابن عباسؓ) ان قوما قتلوا فاکثروا وزنوا فاکثروا وانتھکوا فاتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا یا محمد ان الذی تقول و تدعوا الیہ لحسن لو تخبرنا ان لما عملنا کفارۃ فنزلت والذین لا یدعون مع اللہ الھا اخر الی حسنات قال یبدل اللہ شرکھم ایمانا وزناھم احصانا ونزلت یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (نسائی)

کچھ لوگ جنھوں نے قتل، زنا اور بے آبروئی وغیرہ کا بکثرت ارتکاب کیا تھا۔ یہ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ: اے محمدؐ! بلاشبہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت صحیح ہے لیکن اے کاش! یہ بھی بتائیں کہ ہماری بداعمالیوں کا کوئی کفارہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: والذین لا یدعون مع اللہ الھا اخر ـــ حسنات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ان کے شرک کو ایمان سے اور زنا کو پاک دامنی سے بدل دے گا، نیز یہ آیت بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی کہ: یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (اے میرے مسرف بندو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو)

تقدیر

۱۰۵۔ نفع و نقصان اور مشیت الٰہی :

(ابن عباسؓ) کنت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی یا غلام انی اعلمک کلمات احفظ اللہ یحفظک

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: صاحبزادے! میں تمھیں چند کلمے بتاتا ہوں سنو! تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو وہ تمھاری حفاظت

احفظ اللہ تجدہ تجاھک اذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ واعلم ان الامۃ لواجتمعت علی ان ینفعوک بشئ لم ینفعوک الا بشئ قد کتبہ اللہ لک وان اجتمعوا علی ان یضروک بشئ لم یضروک الا بشئ قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف۔ (ترمذی)

فرمائے گا۔ تم اس کا لحاظ رکھو تو اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ اور کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو جب مدد چاہو تو اُسی سے چاہو اور یہ خوب یاد رکھو کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کوئی نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو فقط تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھا ہے اور سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں، جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ تقدیر کے قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔

۱۰۶۔ تقدیر و تدبیر کا ملاپ:

(علیؓ) رفعہ: ما منکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنۃ۔ قالوا یا رسول اللہ نتوکل علی کتابنا؟ فقال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ اما من کان من اھل السعادۃ فسیصیر لعمل السعادۃ واما من کان من اھل الشقاء فسیصیر لعمل الشقاء ثم قراء فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری۔ الآیۃ۔ (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

ہر ایک شخص کا ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، خواہ وہ جنّت میں ہو یا دوزخ میں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! پھر ہم لوگ اپنی تقدیر ہی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ رہیں؟ فرمایا کہ: ہر ایک کو اسی راہ پر لگا دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ صاحبِ سعادت، عملِ سعادت کی راہ پر لگا دیا جاتا ہے اور اہلِ شقاوت راہ شقاوت پر پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: "فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری" (الآیۃ)

۱۰۷۔ قضا و قدر پر بے اطمینانی:

(ابن مسعودؓ) قال لان یقبض احدکم علی جمرۃ حتی یبرد خیرلہ من ان یقول لامر قضاہ اللہ لیتہ لم یکن (کبیر)

ایک آدمی کا انگارے کو ہاتھ سے سرد ہونے تک پکڑے رہنا اس سے بہتر ہے کہ کسی معاملے میں یوں کہے کہ: یہ قضائے الٰہی تھی مگر کاش ایسا نہ ہوتا۔

۱۰۸- توفیقِ الٰہی :

(انس رض) رفعه : اذا اراد الله بعبد خيرًا استعمله فقيل له كيف يستعمله يارسول الله؟ فقال ليوفقه لعمل صالح قبل الموت (ترمذی)

اللہ تعالےٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتا ہے تو اس سے ویسا ہی کام لیتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ : اس کی کیا صورت ہوتی ہے؟ فرمایا : مرنے سے پہلے اُسے عمل خیر کی توفیق بخش دیتا ہے۔

۱۰۹- اگر مگر کا غلط استعمال :

(ابو هريرة رض) رفعه : المؤمن القوى خير واحب الى الله من المؤمن الضعيف وفى كل خيرا حرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز وان اصابك شئ فلا تقل لو انى فعلت لكان كذا وكذا ولكن قل قدر الله وماشاء فعل فان "لو" تفتح عمل الشيطان (مسلم)

قوی مومن اللہ تعالیٰ کو ضعیف مومن سے زیادہ محبوب ہے۔ ہاں خیر ہر ایک اہل ایمان کے اندر ہے۔ نفع رساں چیزوں کی طلب رکھا کرو اور اس کے حصول میں اللہ سے مدد مانگو۔ عاجز بن کر مت رہو اور اگر اس (راہ میں) تم پر کوئی آفت آجائے تو یہ نہ کہو کہ : اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا بلکہ اس طرح کہو کہ : تقدیر الٰہی ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، "اگر" کا یہ استعمال شیطانی فعل ہے۔

۱۱۰- تقدیر کی جزئیات میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں :

(ابن عباس رض) لما بعث موسىٰ وانزل التوراة قال اللهم انك رب عظيم ولو شئت ان تطاع لاطعت ولو شئت ان لا تعصى ماعصيت و انت تحب ان تطاع وانت فى ذلك تعصى فكيف هذا يارب؟ فاوحى الله اليه انى لا اسئل عما افعل وهم يسئلون فلما بعث عزيرا وانزل عليه التوراة بعد ماكان رفعها

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان پر تورات نازل فرمائی تو آپ نے عرض کیا کہ : اے مولا! تو ربِّ عظیم ہے اگر تیری مشیت ہو کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت ہی ہوگی اور اگر تو چاہے کہ تیری نافرمانی نہ ہو تو نہ ہوگی۔ اب یہ کیا معاملہ ہے کہ تیری پسند تو یہ ہے کہ تیری اطاعت کی جائے مگر ہوتی ہے تیری نافرمانی۔ آخر یہ کیا قصہ؟ اس کا جواب بذریعہ وحی دیا گیا کہ : میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی کوئی بازپرس نہیں اور انسانوں کی بازپرس ہوگی .... پھر جب حضرت عزیر علیہ السلام

عن بنی اسرائیل حتی قال من قال منهم ابن الله فقال اللّٰهم انتک رب عظیم مثل ذلک فاوحی الله الیه انی لا اسئل عما افعل وهم یسئلون فابت نفسه حتی سأل ایضاً فقال افتستطیع ان تصر صرة من الشمس؟ قال لا قال افتستطیع ان تجیئ بمکیال من ریح؟ قال لا قال افتستطیع ان تجیئ بمثقال من نور؟ قال لا قال فهکذا لا تقدر علی الذی سألت عنه انی لا اسئل عما افعل وهم یسئلون اما انی لا اجعل عقوبتك الا ان امحو اسمك من الانبیاء فلا تذکر فیهم فمحا اسمه من الانبیاء فلیس یذکر فیهم وهو نبی فلما بعث الله عیسیٰ ورأی منزلته من ربه وعلمه الکتاب الحکمة والتوراة والانجیل ویبرئ الاکمه والابرص ویحیی الموتی وینبئهم بما یأکلون وما یدخرون فی بیوتهم قال اللّٰهم انتک رب عظیم مثله فاوحی الیه انی لا اسئل عما افعل وهم یسئلون وانت عبدی ورسولی وکلمتی القیتک الی مریم و

مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کے پاس سے تورات مفقود ہونے کے بعد دوبارہ آپ (عزیر) کو دہ دی گئی تو آپ نے بھی وہی سوال کیا (جو حضرت موسیٰ نے کیا تھا) اور آپ کو بھی وہی جواب ملا (جو حضرت موسیٰ کو ملا تھا) لیکن آپکے دل نے اس جواب کو قبول نہ کیا اور آپ نے دوبارہ بھی سوال فرمایا۔ اس کے جواب میں یہ پوچھا گیا کہ: کیا تم دھوپ کی کوئی تھیلی بنا سکتے ہو؟ کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: کیا تم ہوا کو مخصوص وزن میں تول سکتے ہو؟ جواب دیا: نہیں! پھر پوچھا: کیا تم ایک مثقال روشنی لاسکتے ہو؟ جواب دیا: نہیں! ارشاد ہوا کہ: بس اسی طرح سمجھو کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب سمجھنے کی تم قدرت ہی نہیں رکھتے۔ بس اتنا ذہن نشین کرلو، کہ میں جو کچھ کروں اس کے متعلق کوئی بازپرس نہیں اور انسان جو کچھ کرے گا اس کی بازپرس ہوگی۔ میں تمھاری بس اتنی ہی گرفت کروں گا کہ تم نبی تو رہو گے مگر انبیاء کی فہرست میں تمھارا نام نہ ہوگا۔ اس کے بعد جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مبعوث ہوئے اور انھوں نے ربوبیت کے مقابلے میں اپنی ہستی کو پہچانا تو اللّٰہ تعالےٰ نے انھیں کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دی۔ وہ نابینا اور مبروص کو اچھا کرنے لگے اور مُردوں کو زندگی بخشنے لگے، نیز وُہ لوگ جو کچھ کھاتے اور اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے اُسے بتانے لگے تو آپ نے بھی اللّٰہ تعالےٰ سے یہی سوال فرمایا اور وہی جواب ملا، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ: تم میرے بندے ہو، میرا کلمہ ہو جو میں نے مریمؑ کی طرف القا کیا، میری رُوح ہو۔ میں نے تمھیں مٹی سے پیدا کرکے کُن کہا اور تم ہو گئے۔ دیکھو اگر تم باز نہ آئے

روح منی خلقتک من تراب ثم قلت لک کن فکنت لئن لم تنته لا فعلن بک کما فعلت بصاحبک بین یدیک انی لا اسئل عما افعل وھم یسئلون فجمع عیسیٰؑ من یتبعہ فقال القدر سر اللہ فلا تتکلفوہ۔ (کبیر بلبن)

(اور پھر یہی سوال کیا) تو تمھارے ساتھ بھی وہی جو تمھارے ایک ساتھی (عزیرؑ) کے ساتھ ہوچکا ہے۔ بس اتنا ہی یاد رکھو کہ میں جو بھی کروں مجھ سے کوئی باز پُرس کرنے والا نہیں اور دوسروں کی باز پُرس ہوگی اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پیروؤں کو جمع کرکے فرمایا کہ: تقدیر اللہ کا ایک بھید ہے۔ لہٰذا اسے معلوم کرنے کی مُصیبت میں نہ پڑو۔

۱۱۱۔ سعادت وشقاوتِ انسانی:

(سعدؓ) رفعہ: من سعادۃ ابن اٰدم رضاہ بما قضی اللہ لہ ومن شقاوۃ ابن اٰدم ترکہ استخارۃ اللہ ومن شقاوۃ ابن اٰدم سخطہ بما قضی اللہ لہ (ترمذی)

قضائے الٰہی پر راضی رہنا انسان کی بڑی سعادت ہے، لیکن اللہ تعالےٰ سے خیر کی طلب چھوڑ دینا بدبختی ہے، اور قضائے الٰہی پر ناراض ہونا بھی بدبختی ہے۔

۱۱۲۔ جفّ القلم:

(ابن عمرو بن العاصؓ) رفعہ: ان اللہ تعالیٰ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقیٰ علیھم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدی ومن اخطأہ ضل فلذلک اقول جف القلم علی علم اللہ تعالیٰ (ترمذی)

اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نُور ڈالا۔ جس پر یہ نُور پڑا ہدایت پاگیا اور جو اُسے قبول نہ کرسکا وہ گمراہ ہوگیا یہی ہے وہ حقیقت جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ علمِ الٰہی کے متعلّق قلم خشک ہوچکا ہے۔

۱۱۳۔ تقدیریات پر بحث نہ کرو:

(ابوھریرۃؓ) خرج علینا النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجھہ حتّٰی کانّما فقیٔ فی وجنتیہ حبّ الرمان

ہم لوگ تقدیر پر بحث کر رہے تھے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم باہر آئے اور غصّے سے چہرہ مُبارک اس قدر سُرخ ہوگیا جیسے انار کے دانے ہوں۔ پھر فرمایا کہ: کیا تمھیں اس چیز کا

قال ابهذا امرتم ام بهذا ارسلت اليكم؟ انما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا فی هذا الامر عزمت عليكم ان لا تنازعوا فيه (ترمذی)

حکم دیا گیا ہے اور کیا مجھے اس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلے لوگ اسی موضوع پر جھگڑا کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جبراً اس مسئلے میں کوئی مباحثہ نہ کیا کرو۔

۱۱۴ - توحید کی نزاکت :

(عائشۃ رض) رفعته : لا تقولوا ما شاء الله وما شاء محمّد وقولوا ما شاء الله وحده - (موصلی)

ماشاء اللہ و ماشاء محمدؐ (جو اللہ اور محمدؐ کی مشیّت ہو) مت کہا کرو۔ صرف ماشاء اللہ (جو اللہ کی مشیّت ہو) کہا کرو۔

۱۱۵ - جنت میں نیند نہیں :

(جابرؓ) سئل النبی صلّی الله علیه وسلّم أینام اهل الجنّة؟ فقال النوم اخو الموت واهل الجنّة لا ینامون (اوسط، بزار)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا گیا کہ: اہلِ جنت کو نیند بھی آئے گی؟ حضورؐ نے فرمایا: نیند تو موت کی (چھوٹی) بہن ہے اس لیے اہلِ جنّت سویا نہیں کریں گے۔

۱۱۶ - دیدارِ الٰہی :

(جریرؓ) کنّا عند رسول الله صلّی الله علیه وسلّم فنظر الی القمر لیلة البدر وقال انکم سترون ربکم عیانا کما ترون هذا القمر لا تضامّون فی رؤیته ....

(شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

ہم لوگ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضورؐ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ: تم اپنے ربّ کو اسی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس دیدار میں تمہیں کوئی کمی بیشی کی شکایت نہیں ہو گی ....

عبادات

١۔ وضو :

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ (مسلم شریف)

ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

٢۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَایَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ (بخاری، مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اچھا وضو کرے، تو اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔

٣۔ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔ (ترمذی، ابن ماجه)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جس نے وضو کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو (کامل) نہیں۔

٤۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِیْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تین تین مرتبہ وضو فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرا اور مجھ سے پہلے جو انبیائے کرام علیہم السلام تھے ان کا وضو ہے۔

۵۔ عَنْ عائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ (احمد، دارمی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور پروردگار کو راضی کرنے والی چیز ہے۔

حجّ

۶۔ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ تَرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْأَعْمَالِ أَفَلَا نُجَاهِدُ قَالَ لٰكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ ثُمَّ لُزُوْمُ الْحُصُرِ۔ البخاری وَلِلنَّسَائِي جِهَادُ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔

حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جہاد کو سب سے بہتر عمل سمجھتے ہیں۔ کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا لیکن بہترین جہاد حج ہے۔ اور خوب تر ہے۔ اگر اس میں کوئی گناہ نہ کیا جائے۔ پھر گھر میں بیٹھے رہنا چاہیئے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بچے بوڑھے، کمزور آدمی اور عورت کے واسطے حج ہی جہاد ہے۔

۷۔ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَاجِّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ۔ (الترمذی)

حاجی کی بابت آپؐ سے پوچھا گیا کہ اس کی کونسی ظاہری حالت بہتر ہے۔؟ فرمایا بکھرے بال اور خوشبو کا نہ لگانا۔

دُعا

۸۔ اَلَا أُخْبِرُكُمْ خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الْوَرِقِ وَالذَّهَبِ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ

کیا میں تمھارا سب سے بہتر عمل نہ تمھیں بتلا دوں جس سے تمھارے مرتبے بلند ہوجائیں۔ وہ تمھارے مالک کے نزدیک بہت پاکیزہ چیز ہے۔ سونے چاندی کی خیرات سے بھی بہتر ہے۔ اور اس سے بھی بہتر ہے کہ اگر دشمن سے تمھارا مقابلہ ہوجائے اور تم ان کی گردن مارو اور وہ تمھاری گردن ماریں؟ لوگوں نے کہا ہاں فرمایئے۔

قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى ۔ (مالک والترمذی)

یا رسُول اللہ ۔ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے ۔

۹ ۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ ۔ (الترمذی)

اللہ تعالیٰ (حشر کے دن) فرمائے گا ۔ اُس شخص کو جس نے ایک دن بھی میرا ذکر کیا ہو یا میرا خوف کیا ہو (دوزخ) کی آگ سے نکال دو ۔

۱۰ ۔ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْ اِجَابَتِهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ ۔ ابوداؤد والترمذی ۔ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ۔ (الخمسة)

تین دُعائیں مستجاب ہیں ۔ کہ ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے ۔ مظلوم کی دُعا ، مسافر کی دُعا اور باپ کی بددُعا اپنی اولاد کے حق میں ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مظلوم کی دُعا سے ڈرو ۔ کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے ۔

۱۱ ۔ مَا مِنْ دَعْوَةٍ اَسْرَعُ اِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ ۔ (ابوداؤد والترمذی)

کوئی دُعا ایسی جلد تر قبول نہیں ہوتی ، جیسے غیر حاضر شخص کی غیر حاضر شخص کے واسطے ۔

۱۲ ۔ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا اَيْ خَالِيًا ۔ (ابوداؤد ، ترمذی)

تمہارا پروردگار حیا والا اور بخشش والا ہے اور اپنے بندے سے جب وہ اس کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے ، حیا کرتا ہے کہ اُسے خالی ہاتھ پھیرے ۔

۱۳ ۔ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ ۔ (الترمذی)

اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں دُعا کرو کہ جب تمھیں یقین ہو کہ تمھاری دُعا قبول ہو جائے گی اور یہ سمجھ رکھو ، کہ اللہ تعالےٰ اس شخص کی دُعا قبول نہیں کرتا جس کا دل اس سے غافل ہو ۔

۱۴ ۔ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ

جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے خدا اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر ۔ بلکہ قطعی اور یقینی درخواست کرنی چاہیے ۔ کیونکہ اللہ پر کوئی

تَعَالٰى لَا مُسْتَكْرِهَ لَهٗ ۔

(السنة الا النسائی)

روک ڈالنے والا نہیں ہے ۔

۱۵۔ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْبَعُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَّهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ ۔ (الخمسة الا النسائی)

لوگ اُونچی آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِدھر سے گزرے ۔ سُنا اور فرمایا۔ آہستہ بولو کیونکہ تم کسی بہرے یا غیر حاضر شخص کو نہیں پُکار رہے ۔ تم تو اُس کو پُکار رہے ہو ۔ جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے، اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔ اور تم سے تمھاری سواری کے اُونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے ۔

۱۶۔ اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ فَكَشَفَ السِّتْرَ فَقَالَ اَلَا اِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهٗ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ اَوْقَالَ فِي الصَّلٰوةِ ۔ (ابوداؤد)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے۔ آپ نے سنا کہ لوگ اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں ۔ آپ نے پردہ اٹھایا ، اور فرمایا دیکھو تم خدا کی درگاہ میں دُعا کرتے ہو ۔ پس ایک دوسرے کو ایذا نہ دیا کرو ، اور نہ قرآن پڑھنے میں یا نماز پڑھنے میں ایک دوسرے کی نسبت بلند آواز میں بولا کرو ۔

۱۷۔ يُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَالَمْ يَعْجَلْ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ رَبِّيْ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِيْ ۔ (السنة الا النسائی ۔ وفی اُخرٰی لِمُسْلِمٍ لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ ۔

تم میں سے ہر ایک کی دُعا قبول ہوجاتی ہے ۔ اگر کوئی جلدی کرکے یہ نہ کہے کہ میں نے خدا سے دعا کی ۔ مگر قبول نہ ہوئی اور دوسری روایت میں ہے کہ بندہ کی دُعا قبول ہوجاتی ہے، اِلّا (اس صورت میں کہ مقصد) گناہ کی بات ہو ۔ یا رشتے کا توڑنا ہو (کہ اس وقت قبول نہیں ہوتی)

۱۸۔ لَا تَدْعُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓى اَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى خَدَمِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓى اَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً نَيْلٍ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبُ لَكُمْ ۔ (ابوداؤد)

اپنی جانوں ۔ اپنی اولاد ۔ اپنے خدام اور اپنے مال کے حق میں بددُعا نہ کیا کرو ۔ ایسا اتفاق نہ ہوجائے کہ وہ گھڑی اجابت کی بخشش کی ہو ۔ اور تمھاری بددعا قبول ہوجائے ۔

مَنْ دَعَا عَلَى مَنْ ظَلَمَهُ فَقَدِ انْتَصَرَ۔ (الترمذی)

جس شخص نے اپنے ظلم کرنے والے کے واسطے بد دعا کی اُس نے ضرور اپنا بدلہ لے لیا۔

۲۰۔ سَلُوا اللهَ تَعَالَى مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِنْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ (الترمذی)

اللہ تعالےٰ سے اس کا فضل طلب کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ (اسی سے) مانگا جائے اور غم کے دُور ہونے اور آسائش کے حاصل ہونے کا انتظار کرنا بہت اچھی عبادت ہے۔

۲۱۔ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔ (الترمذی)

تم میں سے ہر ایک کو اپنی ساری حاجتیں اپنے ربّ سے مانگنی چاہیئں۔ یہاں تک کہ چپل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اُسی سے مانگنا چاہیئے۔

۲۲۔ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (الترمذی)

جو خدا سے نہیں مانگتا۔ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔

۲۳۔ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ (مسلم، ابوداؤد، والترمذی) وَفِي أُخْرَى بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَحْيَى وَأَمُوتُ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (الستۃ الا مالک والمسلم)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بستر پر آتے تو فرماتے شکر ہے اللہ کا۔ جس نے ہمیں کھانے کو دیا۔ پینے کو دیا اور ہماری سب ضرورتیں پوری کیں اور ہمیں ٹھکانا دیا۔ بہتیرے ایسے ہیں۔ جن کی نہ ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ نہ کوئی ان کے لیے ٹھکانا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ سونے کے وقت یہ دُعا کرتے۔ یا خدا میں تیرے ہی نام سے جیتا ہوں اور مرتا ہوں (اور صبح بستر پر سے اُٹھتے تو یہ دُعا کرتے) اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف پھر جانا بھی ہے۔

۲۴۔ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلتے تو یہ دُعا پڑھتے۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یا اللہ تجھ سے ہی ہم پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہمارا پاؤں پھسل جائے یا ہم گمراہ ہو جائیں یا ہم کسی پر ظلم کریں، یا ہم پر کوئی ظلم کرے یا ہم کسی سے جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔

۲۵۔ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ يَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (ابوداؤد والترمذی)

جب گھر سے کوئی نکلے۔ تو یہ دُعا پڑھے۔ شروع کرتا ہوں۔ اللہ کے نام سے۔ اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اللہ کے سوا کسی میں طاقت اور قوّت (میرے نیک و بدکی) نہیں ہے۔

۲۶۔ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ اِلٰى بَيْتِهٖ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى اَهْلِهٖ۔ (ابوداؤد)

جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اُسے یہ کہنا چاہیئے۔ یا اللہ میں تجھ سے ہی اندر آنے اور باہر جانے میں بھلائی مانگتا ہوں۔ اللہ کے نام سے ہی ہم اندر آتے ہیں اور اللہ کے نام سے ہی ہم باہر جاتے ہیں۔ اللہ پر جو ہمارا پروردگار ہے۔ ہم بھروسہ کرتے ہیں پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

۲۷۔ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا۔ (الترمذی)

یا اللہ اپنا خوف ہمارے (دلوں میں) اتنا ڈال دے کہ وہ ہم میں اور ہمارے گناہوں میں حائل ہو جائے، اور اپنی فرمانبرداری اتنی دے کہ وہ ہمیں جنّت میں پہنچا دے۔ اور اتنا یقین عطا کر کہ ہماری دنیاوی مصیبتیں اس سے آسان ہو جائیں۔ اے خدا ہمارے کانوں، آنکھوں اور قوّت سے اس وقت تک ہمیں بہرہ مند رکھ جب تک کہ ہم جیتے رہیں، اور ہم میں سے ہمارے وارث بنا۔ اور ہمارا انتقام اس شخص سے لے جو ہم پر ظلم کرے۔ اور اس شخص کے مقابلہ میں جو ہم پر زیادتی کرے ہماری مدد کر اور ہمارے دین میں مصیبت نہ پڑنے دے اور دنیا کو نہ ہمارا بڑا مقصود اور نہ ہمارے علم کی انتہا بنا اور ہمارے اُوپر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔

سفر شروع کرنے کے وقت آپ یہ دُعا پڑھتے:۔

۲۸۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ

شروع کرتا ہوں۔ میں اللہ کے نام سے اے خدا تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور (میری غیر حاضری میں) عیال میں میرا

اللّٰھُمَّ اَزْدِلَنَا الْاَرْضَ وَھَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ۔ (مالک)

قائم مقام، اے خدا زمین کو ہمارے واسطے لپیٹ دے (یعنی مسافت کم معلوم ہو) اور سفر کو ہمارے واسطے آسان کر دے۔ اے خدا سفر کی تکلیفوں، رنج دینے والی واپسی اور (اپنے) مال اور عیال میں بری نظر پڑنے سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔

۲۹۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَّا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ الْاَرْبَعِ۔ (الترمذی والنسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو، ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔ ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، اور ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو۔ ان چاروں سے مجھے بچائے رکھ۔

اعمال میں میانہ روی

۳۰۔ سُنّتِ نبوی ؐ کی توضیح اور عبادت کے غلط تصوّر کی اصلاح:

(انسؓ) جاء ثلاثۃ رھط الی بیوت ازواج رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یسألون عن عبادتہ فلما اخبروا کانّھم تقالّوھا قالوا این نحن من رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وقد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخّر قال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال الآخر وانا اصوم الدھر ولا افطر وقال الاٰخر و انا اعتزل النساء ولا اتزوج ابدا فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الیھم فقال

تین صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج کے پاس آکر آپؐ کی عبادت کا حال پوچھا اور معلوم ہونے پر اپنی عبادت کو بہت کم خیال کیا۔ تینوں کہہ اُٹھے کہ: "کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں" ان میں ایک صاحب نے شب بھر تہجّد و نوافل، دوسرے نے ہمیشہ روزہ داری اور تیسرے نے تا زلیست مجرّد رہنے کا عہد کر لیا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے سُنا تو ان کے پاس آکر فرمایا:

انتم الذين قلتم كذا و كذا اما والله انى لاخشاكم لله واتقاكم له ولكنى اصوم وافطر واصلى وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس منى (للشيخين وللنسائى نحوه)۔

"تم لوگوں نے یہ یہ عہد کیے ہیں؟ بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہوں، مگر میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نمازِ شب بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت ترک کی وہ میری اُمت سے نہیں۔"

۳۱۔ سُنّت کے معنی تقشف کے نہیں:

(عائشةؓ) بعث رسول الله الى عثمان بن مظعون أرغبة عن سنّتى؟ فقال لا والله يارسول الله ولكن سنتك اطلب قال فانى انام واصلى واصوم و افطر وانكح النساء فاتق الله يا عثمان فان لاهلك عليك حقا وان لضيفك عليك حقا وان لنفسك عليك حقا فصم وافطر وصل ونم۔ (ابوداؤد)

(حضرت عثمان بن مظعون) نے ان تین کاموں پہ حلف اُٹھا لیا: (۱) شب بھر قیام (۲) صائم الدہر رہنے کا اور (۳) تجرّد کا (رسول اللہؐ نے سُنا تو) پیغام بھیجا کہ: تم میری سنّت سے منحرف ہو گئے؟ عثمان رضؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم! آپؐ ہی کی سنّت سمجھ کر تو یہ حلف اٹھایا ہے۔ فرمایا: مگر میں تو شب کو سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں۔ (نفلی) روزہ کے ساتھ ناغہ بھی کرتا ہوں۔ منا کحت پر بھی میرا عمل ہے۔ اے عثمان رضؓ! اللہ سے ڈرو! تم پر تمھارے بال بچّوں کا، مہمان کا اور اپنی ذات کا بھی کچھ حق ہے، لہٰذا روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو، نماز ادا کرو اور آرام بھی کرو۔

۳۲۔ صائم الدہر ہونا کوئی روزہ نہیں:

(ابن عمروؓ بن العاص) انك لتصوم النهار وتقوم الليل؟ قلت: نعم قال اذا فعلت ذلك هجمت له العين ونفهت له النفس لا صام من صام الابد (للستة)

رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: واقعی تم مسلسل نفلی روزے اور ساری رات تہجّد ادا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: اس طرح تو آنکھیں دھنس جائیں گی اور بدن تھک جائے گا، مسلسل نفلی روزے کوئی روزہ ہی نہیں۔؟

۳۳ - تھوڑے عمل میں مداومت :

(عائشہؓ) فقال ایھا الناس خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتّٰی تملوا وانّ احبّ الاعمال الی اللہ ما دام وان قلّ (للستۃ)

لوگو! اعمال میں اپنی برداشت کا خیال رکھو۔ ورنہ تم ہی اُکتا جاؤ گے نہ کہ خداوند کریم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے، جس میں مداومت ہو سکے اگرچہ مختصر ہو۔

۳۴ - اسلام میں تقشف نہیں :

(انسؓ) قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال ما ھذا؟ قالوا حبل لزینبؓ اذا فترت تعلقت بہ قال لا حلوہ لیصلّ احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد - (بخاری ونسائی، ابوداؤد ولہ ایضا حمنۃ بدل زینب)

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دو ستونوں کے درمیان رسی تنی ہوئی تھی پوچھا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ: بی بی زینبؓ کا انتظام ہے۔ وہ طول قیام سے تھک کر اس کا سہارا لیتی ہیں؟ فرمایا: نہیں! اسے کھول دو۔ جب تک بار نہ ہو نماز پڑھتے رہو۔ تھک جاؤ تو بیٹھ کر دم لو۔

۳۵ - پتے کی بات :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: ان لکل شیٔ شرّۃً ولکل شرۃ فترۃ فان صاحبھا سدد وقارب فارجوہ وان اشیر الیہ بالا صابع فلا تعدّوہ (ترمذی)

ہر شے میں ایک دلچسپی ہوتی ہے اور ہر دلچسپی کی ایک حد۔ اگر کوئی شخص اپنے عبادات کی دلچسپی میں اعتدال کو قائم رکھے اور غلو سے بچتا رہے تو اس کے متعلق اچھی اُمیدیں رکھو اور (کثرت عبادت کی وجہ سے) اس کی طرف اُنگلیاں اُٹھنے لگیں تو اُسے کسی شمار میں نہ لاؤ۔

۳۶ - ہر شے میں اعتدال :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: خیر الامور اوسطھا (رزین)

بہترین بات وہ ہے جس میں اعتدال قائم رہے۔

۳۷۔ منازلِ دین طے کرنے میں خوش اسلوبی:

جابرؓ) رفعہ: ان ھذا الدین متین فاوغلوا فیہ برفق۔
(بزار بلین احمد ولہ عن انسؓ)

یہ دین ایک بڑی سنجیدہ چیز ہے۔اس پر چلنے میں بڑی خوش اسلوبی سے کام لو۔

۳۸: ریاضتِ شاقہ کی ممانعت:

(سہلؓ بن حنیفؓ) رفعہ، لاتشددوا علی انفسکم فانما ھلک من کان قبلکم بتشدیدھم علی انفسھم وستجدون بقایاھم فی الصوامع والدیارات۔ (للکبیر اوسط، ابوداؤد عن انس بقصۃ)

(کثرتِ عبادت سے) اپنے اُوپر مشقت نہ ڈالو۔ اسی شوق میں پہلی اُمتیں تباہ ہوگئیں۔جن کی اولاد آج گرجاؤں اور بُت خانوں میں راہب بنی بیٹھی ہے۔

استنجاء

۳۹۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب استنجا خانہ میں داخل ہوتے تو فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی اے اللہ! میں پلیدی اور شیاطین سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۴۰۔ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو، اور نہ اس کی جانب پیٹھ کرو۔

۴۱۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ رَآنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ یَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر کبھی پیشاب نہ کیا۔

غُسل

۴۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَءَ فَغَسَلَ یَدَیْہِ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ کَمَا یَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ یُدْخِلُ اَصَابِعَہٗ فِی الْمَاءِ فَیُخَلِّلُ اُصُوْلَ شَعْرِہٖ ثُمَّ یَصُبُّ عَلٰی رَاْسِہٖ ثَلٰثَ غُرَفَاتٍ بِیَدَیْہِ ثُمَّ یُفِیْضُ الْمَاءَ عَلٰی جِلْدِہٖ کُلِّہٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ الْمُسْلِمِ یَبْدَاُ فَیَغْسِلُ یَدَیْہِ قَبْلَ اَنْ یُدْخِلَھُمَا الْاِنَاءَ ثُمَّ یُفْرِغُ بِیَمِیْنِہٖ عَلٰی شِمَالِہٖ فَیَغْسِلُ فَرْجَہٗ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب جنابت کا غسل فرماتے تو ابتداء یوں کرتے کہ پہلے ہاتھ دھوتے پھر نماز کے جیسا وضو کرتے پھر انگلیاں پانی میں ڈال کر ان سے بالوں کی جڑیں تر فرماتے۔ پھر سر پر دونوں ہاتھ سے تین چلو پانی ڈالتے۔ پھر تمام بدن پر پانی بہاتے اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور (جب غسل) شروع فرماتے تو ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھو لیتے پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے۔ لہٰذا اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو فرماتے۔

ذکر

۴۳۔ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا

جب لوگ بیٹھ کر اللہ کی یاد کرتے ہیں تو فرشتے ان

حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔
(مسلم والترمذی)

کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ ان پر رحمت چھا جاتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں تسلی اور اطمینان ہوجاتا ہے۔ اور اللہ اپنے پاس والوں سے ان کا ذکر کرتا ہے۔

۴۴۔ مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتُ الَّذِيْ لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ الشیخان۔
وَفِيْ رِوَايَةٍ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِذَا ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً۔
(الشیخان والترمذی)

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ زندہ اور مردہ کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور جب وہ میری یاد دل میں کرتا ہے میں بھی اس کی یاد دل میں کرتا ہوں اور جب وہ میری یاد جماعت میں کرتا ہے تو میں بھی اس کی یاد جماعت میں کرتا ہوں۔ جو اس سے بہتر ہے۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں اگر وہ ہاتھ بھر آئے۔ تو میں دو ہاتھ اس کی طرف جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہوں۔

۴۵۔ مَنْ أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ طَاهِرًا يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى حَتّٰى يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ۔
(ترمذی)

جب کوئی شخص اپنے بستر پر پاک اور صاف ہو کر لیٹے اور پھر خدا کی یاد شروع کرے اور یاد کرتا کرتا سو جائے۔ تو رات کو جب کروٹ بدلے گا۔ اس وقت جو بہتری دنیا اور آخرت کی اپنے لیے مانگے گا۔ خدا اُسے عطا فرمائے گا۔

۴۶۔ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔
(مالک)

اللہ کے عذاب سے بچانے والا۔ خدا کے ذکر سے بڑھ کر اور کوئی عمل نہیں ہے۔

کتاب طہارت و پاکیزگی

۴۷۔ کھڑے پانی کے اندر پیشاب کرنا:

(ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ: لا یبولن احدکم فی الماء الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ (للستۃ الا الموطأ)

جو پانی کھڑا ہوا اس میں پیشاب کر کے غسل نہ کرو۔

۴۸۔ کتے کا جھوٹا برتن:

(ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ: اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فیغسلہ سبع مرات (شیخین، موطأ، نسائی)

جب کتا کسی برتن میں پینے کے لیے منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات بار دھویا کرو۔

۴۹۔ تین جگہوں پر رفع حاجت:

(معاذ رضی اللہ عنہ) اتقوا الملاعن الثلاث البراز فی الموارد وقارعۃ الطریق والظل (ابو داؤد)

گھاٹ، سڑک اور سایہ یہ تین جگہیں ایسی ہیں جہاں رفعِ حاجت کی قابلِ ملامت عادت سے پرہیز رکھو۔

۵۰۔ رفع حاجت کے بعد ذکر الٰہی:

(عائشۃ رضی اللہ عنہا) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج من الخلاء قال غفرانک (ترمذی، ابو داؤد)

رفع حاجت سے واپس آتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: غفرانک (اے اللہ! میں تیری مغفرت کا طلب گار رہوں)۔

۵۱۔ ایضاً:

(ابو ذر رضی اللہ عنہ) کان یقول اذا خرج من الخلاء الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی

رفع حاجت سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے: (ترجمہ) اس اللہ کا شکر ہے کہ میری تکلیف دور کی

دعا مانی (رزین)

کو دُور کر کے مجھے عافیت بخشی۔

۵۲۔ سیدھے اور اُلٹے ہاتھ میں تقسیم کار:

(عائشہؓ) کانت ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الیمنی لطھورہ وطعامہ وکانت یدہ الیسرٰی لخلائہ وماکان من اذی (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ پاکیزہ کاموں کے لیے تھا یا کھانے کے لیے اور بایاں ہاتھ استنجے کے لیے تھا یا دُوسری گندگی دُور کرنے کے لیے۔

نماز

۵۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ كَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتاؤ اگر تم لوگوں میں کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہ جائے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ایسی حالت میں اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی کیفیت ہے، پانچوں نمازوں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

۵۴۔ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز سردی کے موسم میں جب کہ درختوں کے پتے گر رہے تھے، (یعنی پت جھڑ کا موسم تھا) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑیں (اور انھیں ہلایا) تو ان شاخوں سے پتے گرنے لگے۔ آپ نے فرمایا، اے ابوذر! حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حاضر ہوں

يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتَتْ ذُنُوْبُهٗ كَمَا يَتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (احمد)

یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا جب مسلمان بندہ خالص [اللہ] کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے کہ یہ پتے درخت سے جھڑ رہے ہیں۔

۵۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَّهٗ نُوْرًا وَّلَا بُرْهَانًا وَّلَا نَجَاةً وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔ (احمد، دارمی، بیہقی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جو شخص نماز کی پابندی کرے گا تو نماز اس کے لیے نور کا سبب ہوگی، کمالِ ایمان کی دلیل ہوگی اور قیامت کے دن بخشش کا ذریعہ بنے گی۔ اور جو نماز کی پابندی نہیں کرے گا اس کے لیے نہ تو نور کا سبب ہوگی نہ کمالِ ایمان کی دلیل ہوگی، اور نہ بخشش کا ذریعہ۔ اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ہمراہ ہوگا۔

۵۶۔ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا كُفُوًا۔ (ترمذی)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرنا۔ ایک تو نماز ادا کرنے میں جب وقت ہو جائے، دوسرے جنازہ میں جب کہ وہ تیار ہو جائے، تیسرے بیوہ کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو مل جائے۔

۵۷۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھے ہوئے سورج کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جب سورج پیلا پڑ جاتا ہے اور شیطان کی دونوں سینگوں کے بیچ آجاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار چونچ مار لیتا ہے۔ نہیں ذکر کرتا اس (تنگ وقت) میں اللہ تعالیٰ کا مگر بہت تھوڑا۔

۵۸۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ۔

(ابوداؤد)

نے فرمایا کہ جب تمھارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو اُن کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کو مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کے سونے کی جگہیں علیحدہ کر دو۔

زکوٰۃ

۵۹۔ قَدْ عَفَوْتُ لَکُمْ عَنِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ فَھَاتُوْا صَدَقَۃَ الرِّقَۃِ مِنْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ دِرْھَمًا دِرْھَمٌ وَلَیْسَ فِیْ تِسْعِیْنَ وَمِائَۃٍ شَیْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَیْنِ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ۔

(الترمذی، ابوداؤد والنسائی)

گھوڑے اور غلام میں نے معاف کر دیئے (کہ ان پر زکوٰۃ مت دیا کرو) مگر ہر چالیس مضروب (چاندی کے) درہموں پر ایک درہم صدقہ دیا کرو۔ ہر ایک سو نوّے درہموں تک کچھ زکوٰۃ نہیں۔ البتہ جب دو سو درہم ہو جائیں تو ان پر پانچ درہم ہیں)

۶۰۔ اَلَا مَنْ وَلِیَ یَتِیْمًا لَہٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ فِیْہِ وَلَا یَتْرُکْہُ حَتّٰی تَاْکُلَہُ الصَّدَقَۃُ۔ (الترمذی)

آگاہ رہو۔ کہ جو شخص کسی مالدار یتیم کا ولی ہو۔ اُسے چاہیے کہ اس کے مال کو تجارت میں لگاتے سا لیا نہ ہو کہ اُسے کسی کام پر نہ لگایا جائے اور اُسے زکوٰۃ ہی کھا جائے۔

۶۱۔ اَلْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَۃِ کَمَانِعِھَا۔

(ابوداؤد۔ والترمذی)

صدقہ میں حد سے زیادہ زیادتی کرنے والا ویسا ہی ہے جیسا کہ اس سے روکنے والا۔

۶۲۔ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا تَمْرَۃً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَۃِ فَجَعَلَ فِیْ فِیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَخْ کَخْ اِرْمِ بِھَا اَمَا عَلِمْتَ اَنَّا لَا نَاْکُلُ الصَّدَقَۃَ اَوْ اَنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَۃُ (الشیخان)

حسنؓ بن علیؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے نے صدقہ کی آئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اُٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھی چھی پھینک دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم خیرات نہیں کھاتے؟ یعنی ہمارے واسطے خیرات حلال نہیں[1]۔

---

[1] کھجور ناپاک نہیں تھی، کہ اُسے منہ سے نکلوایا گیا۔ غرض یہ تھی کہ وہ لوگ اگرچہ مالی حیثیت سے غنی اور رباتی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

۶۳۔ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ أَوْ عَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ غَارِمٍ أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ رَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِينٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِينِ فَأَهْدَى الْمِسْكِينُ لِلْغَنِيِّ۔ (ابوداؤد والترمذی)

صدقہ غنی کے واسطے حلال نہیں ہے سوائے پانچ (شخصوں) کے (۱) غازی (۲) صدقہ وصول کرنے والا ملازم (۳) قرض دار (۴) وہ شخص جس نے صدقہ کا مال خرید لیا ہو، (۵) وہ شخص جسے کسی مسکین ہمسائے نے صدقہ کا مال (جو کسی سے ملا، بطور تحفہ دیا ہو)۔

وضو اور اُس کے متعلّقات

۶۴۔ گندگی بھی گناہ ہے:

(ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ: اذا توضّأ العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء فاذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء

جب مسلم یا مومن وضو کرنے کے لیے منہ دھوتا ہے، تو پانی (یا پانی کے آخری قطرے) سے اس کی خطائیں دُھل جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھ دھونے سے ہاتھ کے اور پاؤں دھونے سے پیروں کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے آگے) مالدار نہیں لیکن کسی قسم کی شرافت عزّت وجاہت رکھتے ہیں۔ ان کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی یہ عزّت و شرافت دینی یا دنیوی بھی ان کے حق میں مالداری کا درجہ رکھتی ہے اور اس قسم کے مال لینے سے وہ ضائع ہو جائے گی، خیرات کے مال کی ذات میں خواہ وہ نقد ہو یا جنس۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی۔ جو ناپاک، مضرِ صحت یا فاسد خیالات پیدا کرنے والی ہو۔ البتہ جس شخص کو وہ مال بیٹھے بٹھائے بغیر مشقت ملتا رہے۔ وہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ محتاجوں کی مدد کرنا تو درکنار اپنے واسطے بھی ہاتھ نہیں ہلاتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اُسے ضرورت نہیں پڑتی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کا مال کھانے والے نہ صرف سوسائٹی پر ایک بارِ گراں ہوتے ہیں بلکہ ان کے لیے مار آستین بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے خیرات کا کھانا ناروا کر دیا۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خیرات کا مال کسی کو کھانا ہی نہیں چاہیئے۔ نہیں وہ جو محتاج اور مجبور ہیں۔ یعنی محنت کرتے ہیں۔ پھر بھی گذارہ نہیں چلتا، یا بوڑھے ہیں یا بیمار ہیں، وہ اپنی معذوری کے زمانہ میں اسے کھا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ خیرات حاصل کرنے کو پیشہ بنا نا ان کی نیت نہ ہو۔

اومع آخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب۔ (مالک، ترمذی، مسلم بلفظہ)

۶۵۔ وضو اور مسواک:

(ابوہریرہؓ) رفعہ: لو کان ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلوٰۃ بوضوء ومع کل وضوء بسواک (احمد)

اگر مجھے اُمّت پر بار پڑنے کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے وضو کا اور ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دے دیتا۔

۶۶۔ سو کر اُٹھنے کے بعد مسواک:

(عائشہؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرقد من لیل ولا نھار فیستیقظ الا تسوک قبل ان یتوضاء۔ (مسلم، نسائی)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں جب بھی سو کر اُٹھتے وضو سے قبل مسواک فرما لیتے۔

۶۷۔ مسواک کی فضیلت:

(عائشہؓ) السواک مطھرۃ للفم مرضات للرب (نسائی)

مسواک منہ کے لیے صفائی بھی ہے اور رضائے الٰہی کا سبب بھی۔

ایضاً:

(عائشہؓ) رفعتہ: فضل الصلوٰۃ بسواک علی الصلوٰۃ بغیر سواک سبعون صلاۃ۔ (احمد، موصلی، بزار)

وضوئے نماز میں مسواک کر لینے سے نماز کا اجر ستّر گنا بڑھ جاتا ہے۔

۶۸۔ سو کر اُٹھنے کے بعد ہاتھ دھونا:

(ابوھریرۃ) رفعہ: اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی

جو شخص سو کر اُٹھے، وہ پہلے ہاتھ دھولے، پھر اُسے برتن میں ڈالے، اُسے کیا معلوم کہ سوتے

يغسلها ثلاثا فانه لا يدري اين باتت يده (للستة)

میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگا ہے۔

۶۹۔ وضو میں پانی کا اسراف :

(ابن عمروؓ بن العاصؓ) انّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم مر بسعد وهو يتوضأ فقال ما هذا السرف؟ فقال أفي الوضوء سرف؟ قال نعم وان كنت على نهر جار (قزويني)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار سعدؓ کے پاس سے گذرے، سعد اس وقت (خوب پانی بہا بہا کر) وضو کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ : یہ اسراف کیسا ہے ؟ عرض کیا کہ : کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے ؟ فرمایا: بے شک، خواہ تم بہتی ہوئی نہر پر کیوں نہ ہو۔

۷۰۔ وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنا :

(عائشةؓ) كان لرسول الله صلى الله عليه وسلّم خرقة ينشف بها بعد الوضوء (ترمذي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد نمی کو پونچھ لیا کرتے تھے۔

۷۱۔ مسح :

(المغيرةؓ) توضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين (ترمذي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے میں جراب اور جوتے پر بھی مسح فرمایا ہے۔

۷۲۔ دونوں نیکو کار ہیں :

(ابو سعيدؓ) خرج رجلان في سفر فحضرت الصلوٰة وليس معهما ماء فتيمما صعيدا طيبا فصليا ثم وجدا الماء في الوقت فاعاد احدهما الصلوٰة والوضوء ولم يعد الآخر ثم اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم

دو مسلمانوں کو ایک سفر میں وقت نماز آ گیا۔ دونوں نے تیمم سے نماز پڑھ لی۔ بعد میں پانی مل جانے پر ایک نے وضو کر کے نماز دہرا لی۔ اور دوسرے نے یہ نہ کیا۔ اب وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچے، اپنا اپنا ماجرا عرض کیا۔ جس نے نماز

تذکرا ذلک فقال للذی لم یعد اصبت السنۃ واجزاءتک صلاتک وقال للذی توضأ واعاد لک الاجر مرتین (نسائی، ابو داؤد)

نہ دہرائی تھی، اس سے فرمایا: "تم نے سنت پر عمل کیا اور تمھاری نماز مکمل ہو گئی۔ دوسرے سے فرمایا: تمھارے لیے دو چند اجر ہے۔

جماعت

۷۳ - عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ نماز باجماعت کا ثواب تنہا پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ ہے۔

۷۴ - عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ صَلَاۃٌ اَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِیْھِمَا لَاَتَوْھُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ منافقوں پر فجر اور عشاء کی نمازوں سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں۔ اگر لوگ جانتے کہ ان دونوں نمازوں میں کیا اجر و ثواب ہے تو گھسٹتے ہوئے چل کر ان میں شریک ہوتے۔

۷۵ - عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَمَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّہٗ۔ (مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا وہ آدھی رات تک عبادت میں کھڑا رہا اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے ادا کی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔

۷۶ - عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلٰوةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ۔

(بخاری، مسلم)

اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں کہ اس کی اذان دی جائے پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پھر میں اُن لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے، یہاں تک کہ ان کے گھروں کو جلا دوں۔

٧٧۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ۔

(احمد، ابوداؤد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جس آبادی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز جماعت سے قائم نہ کی جائے تو شیطان اُن پر غالب آ جاتا ہے، لہٰذا جماعت کو لازم جانو۔

صلوٰۃ

٧٨۔ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ مَا تَقُولُونَ أَيُبْقِي ذٰلِكَ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئًا قَالُوا لَا يُبْقِي ذٰلِكَ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئًا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔

(الخمسۃ الا ابا داؤد)

دیکھو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ دفعہ نہائے تو تمہاری رائے میں اُس کے بدن پر کچھ میل رہ جائے گا؟ پاس بیٹھنے والوں نے عرض کیا۔ اس طرح تو کوئی میل نہیں رہتا۔ فرمایا یہی مثال پانچوں وقت نماز کی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

٧٩۔ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غمناک واقعہ پیش آتا تو آپ نماز پڑھتے

٨٠۔ مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ فَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ

لڑکا جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو

فاضربوه علیها (ابوداود والترمذی)

اُسے بدنی سزا دو۔

۸۱۔ یَا عَلِیُّ ثَلٰثًا لَا تُؤَخِّرْ اَلصَّلٰوۃُ اِذَا دَخَلَ وَقْتُهَا وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔ (الترمذی)

اے علی تین باتوں میں توقف مت کرو۔ نماز (کے ادا کرنے میں) جب اس کا وقت ہو جائے۔ جنازہ (پڑھنے) میں جب تیار ہو اور بیوہ کے نکاح (کرانے) میں جب اس کا جوڑ مل جائے۔

۸۲۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوۃً بِغَیْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةً مِّنْ غُلُوْلٍ۔ (مسلم، والترمذی)

اللہ تعالیٰ وہ نماز قبول نہیں فرماتا جو بغیر پاک ہونے کے پڑھی جائے۔ نہ وہ صدقہ قبول فرماتا ہے جو غنیمت کے مال میں خیانت یا چوری کر کے دیا جائے۔

۸۳۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوۃَ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّاَ (ابوداود وترمذی)

اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی وہ نماز قبول نہیں فرماتا جو بے وضو پڑھے۔

۸۴۔ لَا یُصَلِّ اَحَدُكُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقِهٖ اَوْ قَالَ عَلٰی عَاتِقَیْهِ مِنْهُ شَیْئٌ۔ (الخمسة الا الترمذی)

کوئی شخص تم میں سے ایک ہی کپڑا پہن کر (مثلاً صرف تہ بند) جو کندھے پر نہ ہو۔ یا یہ فرمایا کہ اُس کے کندھوں تک نہ ہو نماز نہ پڑھے۔

۸۵۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰی صَلٰوۃَ الْحَائِضِ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ (ابوداود۔ والترمذی)

اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا اگر اُس کے سر پر اوڑھنی نہ ہو (اس لیے کہ وہ عورت کے ضروری اور پورے لباس میں ملبوس نہیں ہے)۔

کتاب الصلوٰۃ

۸۶۔ نماز سے گناہ دھلنے کی تمثیل:

(ابوھریرۃؓ) رفعه: ارأیتم لوان نهراً بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمس مرات ماتقولون ذلک یبقی من درنه؟ قالوا لا یبقی من درنه شیأ قال فذلک مثل الصلوات الخمس یمحوالله بها الخطایا۔ (شیخین، موطا، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے گھر کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کیا جائے تو جسم پر ذرہ برابر میل رہ سکتا ہے؟ عرض کیا: ہرگز نہیں رہ سکتا! فرمایا: یہی مثال نماز پنجگانہ کی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

۸۷ ۔ دو وقت کی نماز بھی دوزخ سے بچا لیتی ہے :

(عمارة بن رويبة) رفعه : لن يلج النار احد صلّى قبل طلوع الشمس وقبل غروبها يعني الفجر والعصر فقال رجل من اهل البصرة انت سمعت هذا من رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال نعم فقال الرجل وانا اشهد انی سمعته صلّى الله عليه وسلّم ۔
(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

وہ لوگ ہرگز دوزخ میں نہ ڈالے جائیں گے ، جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے یعنی فجر اور عصر کی نماز ادا کر لیا کریں ۔ ایک بصری نے حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے پوچھا کہ : یہ خود آپ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے ؟ عمارہ نے جواب دیا : ہاں ! بصری رض نے کہا : میں بھی شاہد ہوں کہ میں نے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) خُدا سے ایسا ہی سُنا ۔

نماز میں پابندئ وقت

۸۸ ۔ نماز وقت پر ادا ہونی چاہیئے :

(ابن مسعودؓ) سألت النبی صلّى الله عليه وسلّم ای العمل احبّ الی الله ؟ قال الصّلوٰة لميقاتها ۔ قلت ثم ای ؟ قال برّ الوالدين قلت ثم ای ؟ قال الجهاد فی سبيل الله ۔ قال حدثنی بهن ولو استزدته لزادنی ۔
(شیخین، ترمذی، نسائی)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور دریافت کیے (۱) کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ؟ فرمایا : نماز بر وقت ادا کرنا ! پوچھا اس کے بعد ؟ فرمایا : والدین سے نیک سلوک ۔ پوچھا ۔ اس کے بعد ؟ فرمایا : جہاد فی سبیل اللہ ! ان کے سوا اگر میں کچھ اور دریافت کرتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اضافہ فرما دیتے ۔

۸۹ ۔ تین قسم کی تاخیر سے بچو :

(علیؓ) رفعه : يا علی ثلاثا لا تؤخرها الصّلوٰة اذا دخل وقتها والجنازة اذا حضرت

اے علی رض ! تین کاموں میں تاخیر نہ کرو ۔ ادائیگی میں جب وقت نماز آجائے (۲) دفن میں جب میت مرجائے (۳) نکاح میں

ولايتو اذا وجدت لها كفوًا (ترمذی) — جب بیوہ کا کفو مل جائے۔

مسجد

۹۰۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ (کی خوشنودی) کے لیے مسجد بنائے گا تو خدائے تعالیٰ اس کے صلے میں جنت میں گھر بنائے گا۔

۹۱۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تمام آبادیوں میں محبوب ترین جگہیں اس کی مسجدیں ہیں اور بدترین مقامات بازار ہیں۔

۹۲۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِئْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔ (شرح السنۃ، مشکوٰۃ)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے تارک الدنیا ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ حضور نے فرمایا میری اُمّت کے لیے ترکِ دنیا یہی ہے کہ وہ مسجدوں میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرے۔

۹۳۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ اٰكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔ (ابوداؤد)

حضرت معاویہ بن قرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان دو سبزیوں کے کھانے سے منع فرمایا یعنی پیاز اور لہسن سے اور فرمایا کہ انھیں کھا کر کوئی شخص ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔ اور فرمایا کہ اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر ان کی بو دور کر لیا کرو۔

۹۴۔ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ۔ (بیہقی)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریقِ مرسل روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجدوں کے اندر دنیا کی باتیں کریں گے تو اُس وقت تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا خدائے تعالیٰ کو ان لوگوں کی کچھ پروا نہیں ہے[1]

مقامِ ستر کا پردہ کرنا!

۹۵۔ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِيْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالرَّجُلُ يَكُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ قَالَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَّا يَرَاهَا أَحَدٌ فَافْعَلْ قُلْتُ الرَّجُلُ يَكُوْنُ خَالِيًا قَالَ اللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ۔
(ابوداؤد، والترمذی)

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے مقامِ ستر کا کس سے پردہ کریں اور کس سے نہ کریں، فرمایا اپنی بیوی یا گھر میں داخل کی ہوئی لونڈی کے سوا سب سے اپنے مقام کا ستر کا پردہ کرو۔ میں نے عرض کیا (اکثر ایسا ہوتا ہے کہ) ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر رہتا ہے فرمایا۔ حتی الامکان کوشش کرو کہ تمہارا مقامِ ستر کوئی دیکھ نہ سکے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ آدمی (کبھی) خالی مقام پر بھی ہوتا ہے۔ فرمایا اللہ کا حق زیادہ ہے کہ تم اس سے آدمیوں کی نسبت زیادہ حیا کرو۔

۹۶۔ عَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَخِذَ عَوْرَةً۔ (الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ران کو مقامِ ستر یعنی پردہ میں رہنے والے حصہ میں شمار فرمایا۔

نماز کے مقام!

۹۷۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ

یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنائیو۔ کہ پوجی جائے۔ اللہ کا

---

[1] حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ کنایت است از بیزاری حق از ایشاں (اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص۳۳۹) یعنی مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ان لوگوں سے بیزار ہے۔

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ ۔ (مالك)

غضب ان لوگوں پر بہت سخت ہوگا۔ جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنائیں گے۔ یعنی ان کی پرستش کریں گے۔

۹۸ ۔ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا اَيُّمَا اَدْرَكَ رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِي الصَّلٰوةَ صَلّٰى ۔ (النسائی)

میرے واسطے (ساری) زمین مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔ جہاں کہیں میری اُمّت کے کسی آدمی کو نماز کا وقت آجائے پڑھ لے۔

نماز میں صالح کا لحاظ

۹۹ ۔ ایک رکعت سے چار رکعات تک :

(ابن عباسؓ) فرض الله الصّلوٰة علی لسان نبیکم فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعة (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

اللہ تعالیٰ نے تمھارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی جو نمازیں فرض کی ہیں اُن کی ترتیب یوں ہے کہ حضر میں چار رکعتیں ہیں، سفر میں دو رکعتیں ہیں اور خوف میں ایک۔

۱۰۰ ۔ اوقات نماز میں موسمی لحاظ رکھنا چاہیئے :

(ابوھریرۃؓ) رفعه : اذا اشتد الحر فابردوا بالصّلوٰة فان شدة الحر من فیح جهنم (للستة)

گرمی شدت کی ہو تو نماز ٹھنڈی کرنے (یعنی تاخیر سے) ادا کرو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم ہی کی ایک جھونکا رہے۔

۱۰۱ ۔ اوّل طعام بعدہ کلام :

(ابن عمرؓ) رفعه : اذا وضع عشاء احدکم واقیمت الصلوٰة فابدءوا بالعشاء ولا تعجل حتی تفرغ ۔ منه کان ابن عمرؓ یوضع له الطعام وتقام الصّلوٰة فلا یاتیها حتی یفرغ وانه یسمع قراءة الامام (للستة الا النسائی)

جب کھانا سامنے آجائے اور اِدھر اقامت (صلوٰۃ) ہونے لگے تو پہلے کھانا شروع کرو اور کھانے میں عجلت نہ کرو۔ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سامنے جب کھانا آتا اور اُدھر اقامت شروع ہو جاتی تو وہ کھانا چھوڑ کر نماز میں شریک نہ ہوتے اور امام کی قرأت سُنتے رہتے۔!

سحر خیزی

۱۰۲ - سحر خیزی اور قربِ الٰہی:

(عمروؓ بن عبسۃ) قلت یا رسول اللّٰہ ھل من ساعة اقرب من اللّٰہ تعالیٰ من الاخریٰ؟ قال نعم ان اقرب ما یکون الرب من العبد جوف اللیل الآخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللّٰہ فی تلک الساعة فکن فان الصلوۃ محضورۃ (للسنۃ الامالکا)

میں عرض گزار ہوا کہ: اے رسولِ خدا (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) قربِ خداوندی کے لیے سب سے بہتر ساعت کونسی ہے؟ فرمایا: رات کے نصف آخر کا وسط! اگر تم اس ساعت میں ذکرِ الٰہی کر سکو تو ضرور کرو، اس نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

۱۰۳ - امام اور مؤذن کا مقام:

(ابو ھریرۃؓ) رفعه: الامام ضامن و المؤذن مؤتمن اللّٰھم ارشد الائمة واغفر للمؤذنین قالوا یا رسول اللّٰہ لقد ترکتنا نتنافس فی الاذان بعدك فقال انه یکون بعدی او بعدکم قوم سفلتهم مؤذنوهم (بزار، ابوداؤد، ترمذی الیٰ واغفر للمؤذنین)

امام ذمے دار اور مؤذن امین ہوتا ہے۔ اے اللّٰہ! اماموں کو ہدایت و رشد پر قائم رکھ اور مؤذنوں کی بخشش فرما۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) آپ تو ہمیں ایسی حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ہم حضور (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کے بعد اذان کا شرف حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔ فرمایا: ہاں میرے بعد (یا تم لوگوں کے بعد) قوم کی یہ حالت ہوگی کہ مؤذن ذلیل قسم کے لوگ ہوں گے۔

جمعہ

۱۰۴- عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔ (بخاری)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ممکن ہو سکے طہارت نظافت کرے اور تیل لگائے یا خوشبو ملے جو گھر میں میسر ہو۔ پھر گھر سے نماز کے لیے نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان (اپنے بیٹھنے یا آگے گذرنے کے لیے) شگاف نہ ڈالے۔ پھر نماز پڑھے جو مقرر کر دی گئی ہے۔ پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش بیٹھا رہے تو اس کے وہ تمام گناہ جو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس نے کئے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۰۵- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مسجد میں آنے والوں کی حاضری لکھتے ہیں۔ جو لوگ پہلے آتے ہیں اُن کو پہلے اور جو بعد میں آتے ہیں اُن کو بعد میں اور جو شخص جمعہ کی نماز کو پہلے گیا اس کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے مکہ شریف میں قربانی کے لیے اونٹ بھیجا۔ پھر جو دوسرے نمبر آیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گائے بھیجی، پھر اس کے بعد جو آئے وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے دنبہ بھیجا، پھر جو اس کے بعد آئے وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے مرغی بھیجی اور جو اس کے بعد آئے، وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے انڈا بھیجا۔ پھر جب امام خطبہ کے لیے اُٹھتا ہے تو فرشتے اپنے کاغذات لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

نماز میں بات نہیں کرنی چاہیئے!

۱۰۶۔ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِي قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ وَ اِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّهُمْ۔

(مسلم، ابوداود، والنسائی)

معاویہ بن حکم سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ جماعت میں سے ایک شخص نے چھینکا۔ میں نے کہا یرحمك الله (خدا تجھ پر رحم کرے) پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ فرمایا نماز میں بات چیت کرنا درست نہیں۔ اس کے بعد راوی نے اپنے ہاں کی بعض اور رسمیں بیان کیں، چنانچہ کہا۔ کہ ہم میں سے (بعض) لوگ نجومیوں کے پاس جاتے۔ فرمایا تم مت جایا کرو (پھر) عرض کیا کہ ہم میں سے (بعض) آدمی بدشگونی لیتے ہیں۔ فرمایا یہ ان کے توہمات ہیں۔ اس (بدشگونی) سے انھیں کام کرنے سے رُکنا نہیں چاہیئے۔

۱۰۷۔ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اثنائے نماز میں اگر (اتفاق ہو جائے کہ) سانپ اور بچھو نکل آئیں۔ تو ان کو مار ڈالو۔

۱۰۸۔ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا لِمَنْ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (مسلم، ابوداؤد)

کھانا سامنے ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے اور نہ اس وقت جبکہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہو۔

مسجد

۱۰۹۔ حلال کمائی سے تعمیر مسجد کا انعام:

(ابو ہریرۃ) رفعہ: من بنی بیتا یعبد

جو شخص خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے مالِ حلال

الله نبه من مال حلال بنی الله له بیتا فی الجنۃ (بزار، اوسط بضعت)

سے مسجد بنائے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔

۱۱۰۔ مسجدوں کو صاف اور معطّر رکھو:

(عائشہؓ) امر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدوران ینظف ویطیب (ابوداؤد، ترمذی)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں یا محلوں میں بھی مسجدوں کی تعمیر کرنے اور صفائی رکھنے اور خوشبو سے بسائے رکھنے کا حکم دیا۔

۱۱۱۔ عورت کے لیے سب سے بہتر مقامِ نماز:

(احمدؒ) ان ام حمید امرأۃ ابی حمید الساعدی قالت یا رسول اللہ انی احب الصلوۃ معك قال قد علمت انك تحبین الصلوۃ معی وصلوتك وبیتك خیر من صلوتك فی حجرتك وصلوتك فی حجرتك خیر من صلاتك فی دارك وصلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی (شیخین، موطاء، ابوداؤد)

ام حمید (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) زوجۂ ابو حمید ساعدی نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

میں نماز آپ کی اقتداء میں پسند کرتی ہوں۔ فرمایا: میں تمھاری یہ رغبت دیکھ رہا ہوں، مگر تمھاری نماز کوٹھڑی میں دالان سے، اور دالان میں صحن سے اور صحن میں مسجد محلہ سے اور مسجد محلّہ میں میری اس مسجد سے زیادہ بہتر ہے۔

۱۱۲۔ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ آؤ:

(حذیفہؓ) .... ومن اکل من ھذہ البقلۃ الخبیثۃ فلا یقربن مسجدنا ثلاثا۔

اور جو شخص کچّا لہسن یا مولی وغیرہ کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے۔

عن ابن عمرؓ: فلا یقربن المساجد حتی یذھب ریحھا۔ (ابوداؤد، شیخین)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب تک اس کی بدبو نہ چلی جائے ایسا شخص مسجدوں میں نہ جائے۔

استقبالِ قبلہ

۱۱۳ ۔ سمت قبلہ کی وسعت :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : مابین المشرق و المغرب قبلۃ (ترمذی، رزین)

قبلے کی حدود مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں ۔

۱۱۴ ۔ کشتی میں نماز کس طرح ادا کی جائے :

(جعفرؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یصلی فی السفینۃ قائما الا ان یخشی الغرق ۔

(بزار برجل لم یسم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ کو حکم دیا کہ اگر ڈوبنے کا اندیشہ نہ ہو تو کشتی میں کھڑے کھڑے نماز ادا کرلو ۔

۱۱۵ ۔ بیتی مسجد :

(ابن عمرؓ) رفعہ : اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا ۔

(للستۃ الا مالکا)

اپنے گھروں میں بھی نماز گاہ بناؤ ۔ گھروں کو بالکل قبرستان ہی نہ بنا دو (یعنی سنتیں اور نوافل گھر میں بھی پڑھا کرو) ۔

۱۱۶ ۔ ایک کپڑے میں نماز :

(ابو ھریرۃؓ) انہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الصلوۃ فی ثوب واحد فقال اولکلکم ثوبان ۔

(الستۃ الا النسائی)

ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو دو کپڑے موجود ہیں ؟ (یعنی اگر ایک ہی کپڑا میسر ہے تو اسی میں نماز پڑھ لو) ۔

عید اور بقر عید

۱۱۷۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضورؐ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ سال میں دو دن کھیل کود کرتے ہیں خوشی مناتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا ان دنوں میں ہم لوگ زمانۂ جاہلیت کے اندر خوشیاں مناتے اور کھیل کود کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان دو دنوں کو ان سے بہتر دنوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک دن عید الفطر اور دوسرا دن عید الاضحیٰ ہے۔

۱۱۸۔ عَنْ اَبِي الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوالحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عمرو بن حزم کو جبکہ وہ نجران میں تھے لکھا کہ بقر عید کی نماز جلد پڑھو اور عید الفطر کی نماز دیر سے پڑھو، اور لوگوں کو وعظ سناؤ۔

۱۱۹۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ۔ (مسلم)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت کے پڑھی ہے۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار۔

۱۲۰۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَّيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عید الفطر کے دن جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند کھجوریں نہ کھا لیتے عیدگاہ کو تشریف نہ لے جاتے اور آپ طاق کھجوریں تناول فرماتے۔

۱۲۱۔ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عید الفطر کے دن جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ کھا نہ لیتے عیدگاہ کو تشریف نہ لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیتے۔

۱۲۲۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کے دن دو مختلف راستوں سے آتے جاتے تھے۔

امام کے اوصاف

۱۲۳۔ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِيْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يَجْلِسْ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

(الخمسۃ الا البخاری)

لوگوں کا امام وہ ہونا چاہیے جو ان میں سے سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو۔ اگر (کئی آدمی) قرآن خوانی میں مساوی ہوں تو وہ جو حدیث سے زیادہ واقف ہو، اور اگر حدیث میں ہم پلہ ہوں تو وہ جو عمر میں بڑا ہو۔ اور کوئی شخص کسی اور کے علاقہ میں امامت نہ کرے۔ اور اس کی مسند پر بغیر اس کی اجازت کے نہ بیٹھے۔

۱۲۴۔ ثَلٰثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوتَهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلٰوةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ اَنْ يَّاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَمَنِ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً اَيِ اسْتَرَقَّهٗ بَعْدَ اَنْ حَرَّرَهٗ۔

(ابو داؤد)

تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نماز قبول نہیں کرتا، اول وہ جو قوم کا امام ہو اور لوگ اس کی امامت سے ناراض ہوں، دوسرا وہ جو نماز کے واسطے وقت گذرنے کے پیچھے آئے اور تیسرا وہ جو اپنے آزاد کیے ہوئے غلام کو پھر غلام بنا لے۔

۱۲۵۔ ثَلٰثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلٰوتُهُمْ اٰذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَیْهَا سَاخِطٌ وَّاِمَامُ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهٗ کَارِهُوْنَ۔ (الترمذی)

تین شخص ہیں۔ جن کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ اوّل وہ بھاگا ہوا غلام جو واپس نہ آئے، دوسری وہ عورت جس نے ایسی رات گذار دی ہو کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو۔ تیسرا وہ امام جس کے پیرو اُسے ناپسند کرتے ہوں۔

۱۲۶۔ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَ لِلْمَرِیْضَ وَ ذَاالْحَاجَةِ وَاِذَا صَلّٰی لِنَفْسِهٖ فَلْیُطِلْ مَاشَآءَ۔ (الستة)

جب تم میں سے کوئی نماز کی جماعت کا امام ہو، تو اُسے تھوڑا پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ جماعت میں ضعیف، بیمار اور کام کاج والے ہوں گے اور جب اکیلے پڑھو تو بے شک جتنا جی چاہے۔ طویل پڑھو۔

۱۲۷۔ ثَلٰثٌ لَّا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّفْعَلَهُنَّ لَایَؤُمَّ الرَّجُلُ قَوْمًا فَیَخُصَّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَآءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ قَعْرِ بَیْتٍ قَبْلَ اَنْ یَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا یُصَلِّیْ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰی یَتَخَفَّفَ۔ (ابوداؤد والترمذی)

تین کام ہیں کہ ان کا کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ (۱) کوئی شخص کسی جماعت کی امامت نہ کرائے جس میں کہ وہ اپنے پیروؤں کو چھوڑ کر اپنے ہی لیے دعا کرے اور اگر وہ ایسا کرے تو ان کی خیانت کرتا ہے۔ (۲) کسی گھر میں اندر جانے کی اجازت حاصل کرنے سے پہلے اس میں نہ جھانکے اور اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی، نماز نہ پڑھے جب اُسے پیشاب کی حاجت ہو۔

مریض کی نماز

۱۲۸۔ ادائے نماز استطاعت کے اندر ہونی چاہیئے:

(عمران رضؓ بن حصین) کانت بی بواسیر فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰة فقال صل قائمًا فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب۔

مجھے بواسیر ہو گئی۔ تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ: (حتی الامکان) کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر یہ نہ کر سکو تو بیٹھ کر پڑھو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی کروٹ ادا کر لو۔

وفی روایۃ : قال لہ فی الجواب من صلی قائما فھو افضل ومن صلی قاعدا فلہ مثل نصف اجر القائم ومن صلی نائما فلہ نصف اجر القاعد
(بخاری اصحاب السنن)

اور ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یوں منقول ہے کہ: اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جائے تو وہ بہتر و افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز ادا کرے اس کا اجر کھڑے ہو کر ادا کرنے والے سے آدھا ہوگا اور جو لیٹ کر ادا کرے اس کا ثواب بیٹھ کر ادا کرنے والے سے نصف ہوگا۔ (یہ حکم صرف نوافل میں ہے۔ فرائض اگر بغیر عذر شرعی بیٹھ کر ادا کیے جائیں تو نماز نہیں ہوگی)

۱۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نمازیں :

(ام سلمہؓ) قالت ما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کان اکثر صلاتہ جالسا الا المکتوبۃ وکان احب العمل الیہ ادومہ وان قل
(نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت ہوئی جب آپؐ کی بیشتر نمازیں بجز فرض کے بیٹھ کر ہی ادا ہوتی تھیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیادہ پسندیدہ عمل تھا جس پر مداومت زیادہ ہو اور خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۳۰۔ نماز کے اندر عبد و معبود کے حصے :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : ..... قال اللہ تعالی عز وجل قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال الحمد للہ رب العلمین قال اللہ حمدنی عبدی واذا قال الرحمن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی واذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی واذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل

اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نماز دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے اور وہ بندہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اسے ملتا ہے۔ جب وہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ جب وہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو وہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی ہے اور جب وہ کہتا ہے، مالک یوم الدین، تو وہ فرماتا ہے : میرے بندے نے میری تمجید کی۔ پھر جب وہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے، تو وہ فرماتا ہے کہ : یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا یہ بندہ جو مانگے گا، اسے

فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال هذا بینی وبین عبدی ولعبدی ماسأل - (مسلم، موطأ، ترمذی، نسائی)

ملے گا - اور جب اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہتا ہے، تو وہ فرماتا ہے کہ یہ بھی میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو مانگا وہ اُسے مل گیا -

نماز میں جائز و ممنوع افعال

۱۳۱ - نماز میں سترہ :

(ابو هریرةؓ) رفعه : اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجهه شیئاً فان لم یجد فلینصب عصاة فان لم یجد فلیخطط خطا ثم لا یضره ما مر امامه (ابوداؤد)

جب تم میں کوئی نماز پڑھے (اور سامنے گزرگاہ ہو) تو اپنے سامنے کوئی چیز (سترہ) رکھ لے، یہ نہ ہو تو کوئی لکڑی گاڑ دے - یہ بھی میسر نہ ہو تو ایک لکیر ڈال دے - پھر سامنے سے کوئی چیز گزرے تو کوئی حرج نہ ہوگا -

۱۳۲ - اُونگھتے ہوئے نماز ادا کرنا :

(عائشةؓ) اذا نعس احدکم وهو یصلی فلیرقد حتّٰی یذهب عنه النوم فان احدکم اذا صلی وهو ناعس لا یدری لعله یذهب یستغفر فیسب نفسه (للستة)

جب کوئی نماز میں اُونگھنے لگے تو جا کر آرام کرے یہاں تک کہ نیند پوری ہو جائے، اس لیے کہ جو اونگھ کر نماز پڑھتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ شاید وہ استغفار کرتے کرتے اپنے آپ کو کوسنے لگے -

۱۳۳ - اجتماعیت کی اہمیت :

(ابن عباسؓ) سئل عن رجل یصوم النهار ویقوم الليل ولا یشهد الجماعة ولا الجمعة قال هذا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو نماز (تہجد) پڑھتا ہے لیکن نہ جماعت میں شریک ہوتا ہے نہ جمعہ

فِی النَّارِ۔ (للترمذی)

فرمایا: ایسا شخص جہنم میں جائے گا۔

غُسل وکفن

۱۳۴۔ عَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَہٗ فَقَالَ اِغْسِلْنَھَا وِتْرًا ثَلٰثًا اَوْخَمْسًا اَوْسَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَا مِنْھَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْھَا۔ (بخاری)

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم حضور کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو غسل دے رہے تھے تو حضور نے فرمایا اسے غسل دو طاق۔ یعنی تین یا پانچ یا سات بار، اور غسل کا سلسلہ داہنی جانب سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کریں۔

۱۳۵۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَفَّنَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُحْسِنْ کَفَنَہٗ۔ (مسلم شریف)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو چاہیے کہ اچھا کفن دے۔

۱۳۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو اس لیے کہ وہ عمدہ قسم کے کپڑے ہیں، اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

صفوں کی ترتیب

۱۳۷۔ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلٰوۃِ یَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ

ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (کی جماعت کھڑے ہونے) کے وقت ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے سیدھے

وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.
(مسلم، ابوداؤد، والنسائی)

ہو جاؤ اور آگے پیچھے مت رہو کہ تمھارے دلوں کا اختلاف جاتا رہے۔ میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو بہت ہی سمجھ دار اور عقل مند ہوں۔ پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں، اور پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس)

وَفِيْ اُخْرٰى لِيَلِيَنِّيْ فِيْ اٰخِرِهٖ۔

اور دوسری حدیث میں "مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں" آخر میں آیا ہے۔

وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔
(مسلم، ابوداؤد، والترمذی)

(ایک اور حدیث میں فرمایا ہے) کہ محفل میں بازاری یعنی کاروبار کی باتوں سے پرہیز کرو۔

جماعت کے بعض احکام

۱۴۸۔ دوسری جگہوں میں جا کر امامت کا شوق نہ کرو:

مالک بن الحویرث) رفعہ: اذا زار احدکم قوما فلا یصلین بھم۔
(اصحاب سنن)

جب تم میں کوئی شخص کسی قبیلے میں ملنے جائے تو اُن کو نماز نہ پڑھائے۔ (یعنی امامت کا شوق نہ کرے کیونکہ اس میں اپنی تعلّی اور اس محلے یا بستی کے امام کی سُبکی سی ہوتی ہے)

۱۴۹۔ کس قسم کے لوگوں کی نماز قبول نہیں؟:

(ابن عمروؓ بن العاص) رفعہ: ثلاثۃ لا تقبل منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون ورجل اتی الصلوۃ دبارا والدبار ان یأتیھا بعد ان تفوتہ ومن اعتبد محررۃ۔
(ابوداؤد)

تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرائے مگر لوگ (مقتدین) اس سے متنفر ہوں۔ دوسرے وہ جو نماز کا وقت فوت ہو جانے کے بعد پڑھے، اور تیسرے وہ جو کسی آزاد کو غلام بنا لے۔

۱۴۰۔ مقتدی اُکتا نہ جائیں (اقتدا کے بعد امامت):

(جابرؓ) کان معاذؓ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یرجع فیصلی بقومہ فاخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ العشاء فصلی معاذ معہ ثم جاء لیؤم قومہ فقرأ البقرۃ فاعتزل رجل من القوم فصلی فقیل لہ نافقت یافلان فقال ما نافقت واتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان معاذا یصلی ثم یرجع فیؤمنا فقرأ بسورۃ البقرۃ فقال یامعاذؓ افتان انت؟ اقرأ بکذا اقرأ بکذا قال ابو الذبیر بسبح اسم ربک الاعلیٰ والیل اذا یغشی۔

معاذؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر کے واپس آتے تھے اور اپنی قوم میں امامت کرتے تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء میں تاخیر فرمائی۔ معاذؓ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر اپنی قوم میں آکر نماز پڑھائی اور سورۃ بقرہ پڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص نے جماعت سے الگ ہو کر اپنی نماز پڑھ لی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ: تو منافق ہو گیا۔ اس نے کہا: میں منافق نہیں ہوا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ معاذ رضؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس آتے ہیں اور ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ وہ آج سورۃ بقرہ پڑھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ رضؓ! کیا تم فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو۔ یہ یہ سورتیں یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ اور والیل اذا یغشی پڑھا کرو۔

۱۴۱۔ مقتدیوں کی رعایت ضروری ہے:

(ابو ہریرۃؓ) رفعہ: اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر (للستۃ)۔

جب تم میں کوئی امامت کرائے، تو تخفیف سے کام لے، کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔

۱۴۲۔ عورت کی رعایت سے نماز میں اختصار:

(انسؓ) رفعہ: انی لا دخل فی الصلوۃ ارید ان اطیلھا فاسمع بکاء الصبی

جب میں نماز شروع کر دیتا ہوں تو نماز طویل کرنے کو دل چاہتا ہے۔ پھر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو

فاتجوز فی صلوتی لما اعلم من وجد امه من بکائه۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

میں نماز سے جلدی گزر جاتا ہوں، کیونکہ ماں کو اس کے رونے سے جو تکلیف ہوتی ہے اُسے میں سمجھتا ہوں۔

۱۴۳۔ تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(ثوبانؓ) رفعه: ثلاث لا یحل لاحد ان یفعلھن لا یؤمّنّ رجل قوما فیخصّ نفسه بالدعاء دونھم فان فعل فقد خانھم ولا ینظر فی قعر بیت قبل ان یستأذن فان فعل فقد خانھم ولا یصلی وھو حقن حتی یتخفف (ترمذی، ابوداؤد بلفظه)

تین باتیں ایسی ہیں جن کو کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی آدمی کسی جماعت کی امامت اس طرح نہ کرے کہ دُعا صرف اپنے لیے مانگے اور دوسروں کو چھوڑ دے۔ اگر ایسا کرے گا، تو خائن ہوگا (دوم یہ کہ) کسی گھر کے اندرونی حصے میں بلا اجازت نہ جھانکے ورنہ خائن ہوگا (سوم یہ کہ) پیشاب کو روک کر نماز نہ پڑھے، بلکہ پیشاب کرکے ہلکا ہو جائے۔

۱۴۴۔ ہر عمل میں حضورِ قلب ضروری ہے (رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو لقمہ دینا):

(مالکؓ بلغنی: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس صلوۃ یجھر فیھا فاسقط اٰیة فقال یا فلان ھل اسقطت فی ھذہ السورۃ من شیٔ؟ قال لا ادری ثم سأل اثنین او ثلاثة کلھم یقول لا ادری فقال ھل فیکم اُبَیّ؟ قالوا نعم قال فھو لھا اذًا قال یا اُبَیّ ھل اسقطت فی ھذہ السورۃ من شیٔ؟ قال نعم اٰیة کذا قال مامنعك ان تفتحھا علی قال ظننت انھا نسخت اورفعت ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم مابال اقوام تتلی علیھم کتاب اللہ فلا یدرون ماتلی علیھم منه مما ترک ھکذا اخرجت عظمة اللہ من قلوب بنی اسرائیل تشھدت ابدانھم وغابت قلوبھم ولا یقبل اللہ من عبد عملا حتی یشھد بقلبه مع بدنه۔ (رزین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہری نماز پڑھائی اور ایک آیت چھوڑ گئے بعد نماز فرمایا کہ: اے فلاں کیا میں نے اس سورۃ میں کوئی آیت چھوڑ دی ہے؟ اس نے کہا، میں نے خیال نہیں کیا۔ پھر دوسرے سے یہی سوال کیا؟ دو یا تین آدمیوں سے یہی سوال کیا اور سب نے یہی کہا کہ میں نے خیال نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ: یہاں اُبَیؓ موجود ہیں؟ عرض کیا گیا: ہاں۔ فرمایا: وہ اسے بتا سکیں گے پھر فرمایا کہ: اے اُبَیؓ اس سورۃ میں کچھ چھوڑ دیا گیا ہے؟ عرض کیا: ہاں فلاں آیت رہ گئی ہے فرمایا کہ تمھیں مجھے لقمہ دینے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ عرض کیا مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہو گئی ہو یا اُٹھا لی گئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کے سامنے کتاب اللّٰہ تلاوت کی جاتی ہے اور انھیں یہ پتا نہیں چلتا کہ کیا پڑھا گیا اور کیا چھوٹ گیا؟ بنی اسرائیل کے دلوں سے اسی طرح اللّٰہ کی عظمت جاتی رہی تھی یعنی ان کے جسم تو موجود رہتے تھے اور دل غیر حاضر رہتے! اللّٰہ تعالیٰ کسی بندے کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک جسم کے ساتھ دل بھی حاضر نہ ہو۔

جنازہ

۱۴۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِّقَابِكُمْ۔ (بخاری، مسلم۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جنازہ کے لیے جانے میں جلدی کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ نیک آدمی کا جنازہ ہے تو اسے خیر کی (منزل) کی طرف جلد پہنچانا چاہیئے اور اگر بدکار کا جنازہ ہے تو برے کو اپنی گردنوں سے جلد اُتار دینا چاہیئے۔

۱۴۶۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَیْهَا وَیَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطَیْنِ كُلُّ قِیْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ بِقِیْرَاطٍ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کا تقاضا سمجھ کر اور حصولِ ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ساتھ چلے، یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط ثواب لے کر واپس لوٹتا ہے۔ جس میں سے ہر قیراط اُحد (پہاڑ) کے برابر ہے اور (جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے اور دفن میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراط کا ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔

۱۴۷۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَیْهَا خَیْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰی فَاَثْنَوْا عَلَیْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَیْتُمْ خَیْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰہِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چند صحابۂ کرام ایک جنازہ کے قریب سے گذرے تو خیر کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ واجب ہوگئی، پھر لوگوں کا دوسرے جنازہ پر گذر ہوا تو برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا۔ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا چیز واجب ہوگئی! فرمایا یہ میت کا تم لوگوں نے بھلائی کے ساتھ ذکر کیا اس کے لیے

فِي الْاَرْضِ۔ (بخاری، مسلم)

جنّت واجب ہوگئی اور جس کی تم لوگوں نے بُرائی کی اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔ تم لوگ زمین پر خدائے تعالیٰ کے گواہ ہو۔

۱۴۸۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ۔ (بخاری شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کہا کہ: رسُولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ مُردوں کو گالی نہ دو۔

۱۴۹۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے مُردوں کی نیکیوں کا چرچا کرو، اور ان کی بُرائیوں سے چشم پوشی کرو۔

جمعہ کی نماز

۱۵۰۔ مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَلَمْ يَلْغُ وَاسْتَمَعَ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ اَجْرُ عَمَلِ سَنَةٍ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔ (الترمذی، النسائی، ابوداؤد)

جو شخص (جمعہ کے دن) نہائے۔ اور (کسی کو) نہلائے۔ (مسجد میں) سویرے چلا جائے۔ اور (سویرے کسی کو) پہنچائے، پیدل چلے اور سوار نہ ہو۔ امام کے قریب بیٹھے۔ بکواس نہ کرے اور (خطبہ) سُنتا رہے۔ اس کے ہر ایک قدم کا (جو وہ چل کر آیا ہے) سال بھر کے روزے اور نماز کا اجر ہے۔

۱۵۱۔ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔ (ابوداؤد)

جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا لازمی ہے۔ سوائے (مفصلہ ذیل) چار شخصوں کے (۱) غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو (۲) عورت (۳) لڑکا (۴) بیمار۔

۱۵۲۔ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ رَوَاحٌ اِلَى الْجُمُعَةِ وَعَلٰى مَنْ رَاحَ اِلَى الْجُمُعَةِ الْغُسْلُ۔ (ابوداؤد، النسائی۔ وَرَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَمَالِكٌ وَاَنْ يَّسْتَنَّ وَاَنْ يَّمَسَّ طِيْبًا اِنْ وَّجَدَ)

ہر بالغ مرد کو جمعہ (کی نماز) کے واسطے جانا لازمی ہے اور جو جائے اس کے لیے نہانا بھی لازمی ہے اور دوسرے محدثوں نے مسواک کرنا اور میسّر آسکے تو خوشبو لگانا بھی لکھا ہے۔

۱۵۳۔ مَا عَلٰی اَحَدِکُمْ لَوِ اتَّخَذَ ثَوْبَیْنِ لِجُمُعَۃٍ سِوٰی ثَوْبَیْ مِهْنَتِهٖ - (مالک، ابوداؤد، ھٰذا اللفظ مالک)

تم میں سے کسی کے واسطے کچھ (حرج) نہیں - اگر روزمرہ کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے واسطے دو کپڑے الگ بنوا رکھے ۔

۱۵۴۔ مَنْ تَرَکَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی قَلْبِهٖ - (ابوداؤد، الترمذی، النسائی)

جو شخص متواتر تین جمعہ (کی نماز) سستی سے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر (سیاہی کی) مہر کر دیتا ہے۔

۱۵۵۔ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ فَلْیَتَصَدَّقْ بِدِیْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِنِصْفِ دِیْنَارٍ - (ابوداؤد والنسائی)

جو شخص جمعہ کی نماز عذر کے بغیر چھوڑ دے، اُسے ایک دینار خیرات کرنا چاہیئے، اور اگر سارے دینار کا مقدور نہ ہو تو آدھا دینار (ضرور) خیرات کر دے۔

۱۵۶۔ اِجْتَمَعَ فِیْ یَوْمِکُمْ هٰذَا عِیْدَانِ فَمَنْ شَآءَ اَجْزَاَهٗ مِنَ الْجُمُعَۃِ وَاِنَّا مُجَمِّعُوْنَ - (ابوداؤد)

(ایک عید جمعہ کے دن واقع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں۔ یعنی (عید اور جمعہ) پس جو چاہے اس کے لیے (عید کی نماز ہی) جمعہ کی نماز کے واسطے بھی کافی ہے اور ہم تو جمعہ کی نماز (بھی) پڑھیں گے۔

۱۵۷۔ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا - (الخمسۃ الا البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اوسط درجہ کی ہوتی اور خطبہ بھی اوسط درجہ کا، یعنی ہر دو لمبے نہ ہوتے۔

۱۵۸۔ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّۃٌ - (مسلم، ابوداؤد)

آدمی کا لمبی نماز پڑھنا، اور مختصر خطبہ پڑھنا اس کے سمجھدار ہونے کی علامت ہے۔

۱۵۹۔ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ - (السّتۃ)

جمعہ کے دن جب امام پڑھ رہا ہو، تمہارا اپنے پڑوسی کو کہنا کہ چپ رہو، ایک لغو قول ہے۔

۱۶۰۔ لَاَنْ یُّصَلِّیَ اَحَدُکُمْ بِظَهْرِ الْحَرَّۃِ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّقْعُدَ حَتّٰی اِذَا قَامَ الْاِمَامُ یَخْطُبُ تَخَطّٰی

اگر تم میں سے کوئی تپی ہوئی پتھریلی زمین پر نماز پڑھے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنے گھر میں بیٹھا، اور جب امام خطبہ کے واسطے

رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔
(مالک)

کھڑا ہو، تو ان کی گردنیں لتاڑتا اندر آئے۔

۱۶۱۔ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ۔
(الترمذی)

جمعہ کے دن (خطبہ میں) اگر تم میں سے کسی کو اُونگھ آجاتے، تو وہ اپنی جگہ بدل ڈالے۔

نماز جمعہ

۱۶۲۔ قربانی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی ہوسکتی ہے:

(ابوھریرۃ) رفعہ: من اغتسل یوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرّب بدنة ومن راح فی الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ومن راح فی الساعة الثالثة فكانما قرّب كبشا اقرن ومن راح فی الساعة الرابعة فكانّما قرّب دجاجة ومن راح فی الساعة الخامسة فكانّما قرّب بيضة فاذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر (للستة)

جو شخص جمعہ کے دن غسلِ جنابت کی طرح کا (یعنی مکمّل غسل کرے اور فی الفور مسجد روانہ ہو جائے وہ گویا ایک اُونٹ کی قربانی دیتا ہے اور جو ذرا ٹھہر کر جائے وہ گویا ایک گائے دے کر تقرّب حاصل کرتا ہے۔ جو اور زیادہ ٹھہر کر جائے وہ گویا ایک مینڈھا دے کر قرب حاصل کرتا ہے اور جو اس کے بھی بعد جائے وہ گویا ایک مرغی دے کر قرب حاصل کرتا ہے اور جو سب سے آخر میں جائے وہ گویا ایک انڈے کو قربان کر کے تقرّب حاصل کرتا ہے۔ پھر جب امام نکلتا ہے تو فرشتے بھی ذکرِ الٰہی سُننے کو آموجود ہوتے ہیں۔

۱۶۳۔ جمعے کو حاضر ہونے کا طریقہ:

(ابن عمرو بن العاص) رفعہ: يحضر الجمعة ثلاث نفر فرجل حضرها يلغو فذلك حظه منها ورجل حضرها بدعاء فهو رجل دعا ان شاء الله

... جمعہ میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جو محض کھیل کے لیے آتا ہے وہ اپنا ہی حصہ لے کر جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کوئی دعائیہ مقصد لے کر آتا ہے اور دُعا کرتا ہے۔ اُسے اللہ تعالےٰ چاہے تو

...عطاه وان شاء منعه ورجل حضرها بانصات وسکوت ولم يتخط رقبة مسلم ولم يؤذ احدا فهي كفارة الى الجمعة التي تليها وزيادة ثلاثة ايام وذلك ان الله تعالى يقول من جاء بالحسنة فله عشر امثالها - (ابو داؤد)

دے اور چاہے تو نہ دے۔ تیسرا وہ ہوتا ہے، ... خاموشی و وقار کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور لوگوں کے سروں پر سے گذر کر کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ ایسے آدمی کا جمعہ دوسرے جمعہ تک بلکہ تین مزید دنوں تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "جو ایک نیکی کرے گا، اُس کے لیے دس گناہ اجر ہوگا۔"

۱۶۴۔ جمعے میں کسی کو "چپ رہو" کہنا بھی بولنا ہے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعه: اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت۔ (للستة)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نے خطبہ جمعہ کے دوران میں دوسرے شخص سے کہا "چپ ہو جاؤ" تو تم نے بھی ایک لغو حرکت کی۔

۱۶۵۔ نہایت لطیف تشبیہ (مجمع کو چیرنے والوں کے لیے):

(معاذ بن انسؓ الجهنی) رفعه: من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة اتخذ جسرًا الى جهنم۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خطبہ جمعہ میں سامعین کو پھاندتا ہوا آگے جاتا ہے اپنے لیے جہنم کا پل بناتا ہے۔

۱۶۶۔ دورانِ خطبہ میں نماز یا گفتگو نہ ہونی چاہیے:

(ابن عمرؓ) اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام حتى يفرغ الامام - (کبیر بضعف)

تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو، اور امام (خطیب) منبر پر ہو تو اس وقت تک کوئی نماز اور کوئی گفتگو نہ ہو، جب تک وہ (خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے۔

نمازِ سفر

۱۶۷۔ تین فرسخ پر قصر نماز:

(انسؓ) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ

وسلم اذا خرج مسيرة ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ شك شعبة صلى ركعتين (مسلم، ابوداؤد)

(انس رضی اللہ عنہ) نے تین میل تیا یا تین فرسخ، شعبہ کو (اس میں شک ہو گیا) کی مسافت پر نکلتے تو دو رکعت (یعنی قصر) ادا فرماتے۔

۱۶۸۔ مسافرت میں نوافل نہ ادا کیے جائیں:

(ابن عمرؓ) سافرت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نکانوا یصلون الظہر والعصر رکعتین لا یصلون قبلہا ولا بعدھا ولو کنت مصلیا قبلہا او بعدھا لاتممتہا۔ (ترمذی)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا ہے۔ یہ سب حضرات ظہر و عصر کی صرف دو دو رکعتیں (فرض) ادا فرماتے تھے، نہ اس سے پہلے کوئی نماز (سنت و نفل) ادا کرتے تھے نہ اس کے بعد۔ اگر میں پہلے یا بعد میں کچھ ادا کرنا ضروری سمجھتا، تو ضرور اس کی تکمیل کرتا۔

شہید

۱۶۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

۱۷۰۔ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اپنی جان و مال اور زبانوں کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرو۔

۱۷۱۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ کوئی مالِ غنیمت

...نَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهٗ، فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔ (بخاری، مسلم)

کے لیے لڑتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لیے لڑتا ہے اور کوئی اپنی بہادری وشجاعت دکھانے کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے راہِ حق میں لڑنے والا کون ہے۔؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس کے لیے لڑتا ہے کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

قبروں کی زیارت

۱۷۲- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا تو اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ان کی زیارت کرو، اس لیے کہ قبروں کی زیارت کرنا دنیا سے بیزار کرتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے۔

نماز میں کمی کرنا

۱۷۳- صَلَّيْنَا الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَخَرَجَ يُرِيْدُ مَكَّةَ فَصَلّٰى بِذِي الْحُلَيْفَةِ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ؛ الخمسة. يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (الشیخان)

ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی نماز ہم نے چار رکعت پڑھی اور جب آپؐ مکہ جانے کے واسطے روانہ ہوئے تو (مقام) ذی الحلیفہ میں آپؐ نے عصر کی نماز (بجائے چار کے) دو رکعت پڑھی اور جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کی نمازیں ملا کر پڑھتے (یعنی ظہر اور عصر دونوں ایک دفعہ اور اسی طرح دوسری دونوں)۔

رات کی نماز

۱۷۴۔ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَقُرْبَةٌ إِلَى رَبِّكُمْ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاٰثَامِ وَتَكْفِيْرٌ لِلسَّيِّئَاتِ وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّآءِ عَنِ الْجَسَدِ ۔ (الترمذی)

رات کو اُٹھنا نیک بخت لوگوں کا طریقہ تھا۔ جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور آدمی گناہوں سے رُکتا ہے۔ یہ بداعمالیوں کا کفارہ ہے اور جسم کے دُکھ درد دُور کرتا ہے۔

نمازِ خوف

۱۷۵۔ صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ :

(سہل بن ابی حثمۃؓ) ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صلّی باصحابہ فی الخوف فصفھم خلفہ صفین فصلی بالذین یلونہ رکعۃ ثم قام فلم یزل قائما حتی صلی الذین خلفہ رکعۃ ثم تقدموا وتأخر الذین کانوا قدامھم فصلی بھم رکعۃ ثم قعد حتی صلی الذین تخلفوا رکعۃ ثم سلم (شیخین، مالک، ترمذی، ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کے ساتھ بحالت خوف یوں نماز پڑھی کہ سب کو اپنی پشت پر دو صفوں میں بانٹ دیا۔ پھر قریب تر صف نے آپ کے پیچھے ایک رکعت ادا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک کھڑے رہے کہ اس صف نے ایک رکعت اور ادا کر لی۔ اس کے بعد یہ لوگ جو اگلی صف میں تھے پیچھے چلے گئے اور پچھلی صف آگے چلی آئی اور ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک رکعت پڑھائی اور قعدے میں اتنی دیر رہے کہ انھوں نے ایک رکعت اور ادا کر لی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔

لہ پچھلی رات کو سناٹا ہوتا ہے۔ کوئی آہٹ اور آواز نہیں ہوتی جس سے توجہ منتشر ہو۔ آدمی کا دل سونے سے گذشتہ دن کی تھکاوٹ اور تفکرات دُور کر کے جمع اور آسودہ ہوتا ہے۔ اس واسطے اس وقت عبادت کرنے سے تزکیہ نفس بہت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور طبیعت بشاش ہو کر صحت پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔

۱۷۶۔ صلوٰۃ الخوف کا دوسرا طریقہ:

(جابرؓ) کنّا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات الرقاع فاذا اتینا علی شجرۃ ظلیلۃ ترکناھا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء رجل من المشرکین وسیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلق بالشجرۃ فاخترطہ فقال تخافنی فقال لا فقال فمن یمنعک منی؟ قال اللہ فتھددہ الصحابۃ واقیمت الصلوٰۃ فصلی بطائفۃ رکعتین ثم تاخروا وصلی بالطائفۃ الاخری رکعتین فکان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع وللقوم رکعتان۔ (شیخین، نسائی)

ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام ذات الرقاع میں تھے کہ ایک سائے دار درخت کے پاس پہنچے اور اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص کر دیا۔ اتنے میں ایک مشرک آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے تلوار سونت لی اور کہنے لگا، کہ: ڈرتے ہو مجھ سے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تو۔ بولا: پھر تمھیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ فرمایا: اللہ۔ اس واقعے سے صحابہ کرامؓ کو خطرہ پیدا ہوا، اور نماز (صلوٰۃ الخوف) یوں ادا کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی اور وہ پیچھے چلا گیا۔

پھر دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار اور لوگوں کی دو رکعتیں ہوئیں۔

نمازِ عید

۱۷۷۔ عورتوں میں خطبۂ عید:

(جابرؓ) شھدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم العید فبدأ بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ بلا اذان ولا اقامۃ ثم قام متوکئا علی بلال فامر بتقوی اللہ تعالیٰ وحث علی طاعتہ ووعظ الناس وذکرھم ثم مضی

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عید ادا کی ہے۔ آپؐ نے خطبے سے پہلے بلا اذان و اقامت نماز ادا فرمائی۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگا کر کھڑے رہے اور تقویٰ اللہ کا حکم دیا اور طاعت الٰہی کی ترغیب دی۔ لوگوں کو نصیحت و وعظ کیا۔ پھر عورتوں کی طرف تشریف

...حتی اتی النساء فوعظهن وذکرهن۔
(شیخین، ابو داؤد، نسائی)

...لے گئے، اور ان کو بھی پند و نصائح فرمائے۔

۱۷۸۔ اگر جمعے کے دن عید ہو تو جمعہ ضروری نہیں:

(ابو ہریرہؓ) رفعه: اجتمع فی یومکم ھذا عیدان فمن شاء اجزأہ من الجمعة وانا مجمعون (ابو داؤد)

آج دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں (یعنی عید بھی اور جمعہ بھی) جو چاہے وہ عید کو جمعے سے چھٹی سمجھ لے۔ ہم تو دونوں ہی ادا کریں گے۔

۱۷۹۔ ہتھیار بند ہو کر عید کے لیے نکلنا:

(ابن عمرؓ) کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یخرج الی العیدین ومعه حربة وترس (اوسط بضعف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لیے ہتھیار اور ڈھال ساتھ لے کر نکلتے تھے۔

نماز کسوف

۱۸۰۔ چھ رکعتوں میں صرف چار سجدے:

(جابرؓ) انکسفت الشمس یوم مات ابراھیم ابن النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال الناس انما انکسف لموت ابراھیم فقام صلی اللہ علیه وسلم فصلی بالناس ست رکعات مع اربع سجدات لیس منھا رکعة الا التی قبلھا اطول من التی بعدھا ورکوعه نحو من سجوده۔
(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے (حضرت) ابراہیم کی وفات ہوئی، اسی دن سورج گرہن ہوا۔ لوگ یہ کہنے لگے کہ: وفات ابراہیم کی وجہ سے یہ گہن لگا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو چار سجدوں کے ساتھ چھ رکعتیں پڑھائیں۔ اس کی ہر پہلی رکعت بعد والی رکعت سے زیادہ لمبی تھی اور رکوع (کا وقفہ) سجدے کے برابر تھا۔

کتاب الزکاۃ

۱۸۱ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحَ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَیُکْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَظَهْرُهٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سونے یا چاندی کے شرعی نصاب کا مالک ہو اور وہ اس کا حق یعنی زکاۃ نہ ادا کرے تو قیامت کے دن اُس کے لیے اس سونے اور چاندی کی سلیں بنائی جائیں گی اور انھیں آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر آتشیں سلوں سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ ٹھنڈی ہو جائے گی تو پھر دوزخ کی آگ تپا کر داغا جائے گا اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔

۱۸۲ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے مال عطا کیا تو اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال کو قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی، وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، پھر وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، اس کے بعد حضور نے (پارہ ۴ رکوع ۹ کی) آیت کریمہ تلاوت کی ولا یحسبن الذین الخ یعنی اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس چیز میں جسے خدائے تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی (تو انجام کار) ہرگز اُسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے۔ عنقریب وہ مال کہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

۱۸۳۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا أَتُؤَدِّيَانِ زَكٰوتَهُ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَأَدِّيَا زَكٰوتَهُ۔ (ترمذی)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ خدائے تعالیٰ تم کو آگ کے دو کنگن پہنائے۔؟ انھوں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

۱۸۴۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ۔ (ابوداؤد)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم تجارت کے لیے تیار کی جانے والی چیزوں کی زکوٰۃ نکالا کریں۔

۱۸۵۔ عَنْ مُوسَىٰ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ۔ (شرع السنۃ۔ مشکوٰۃ)

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خط موجود ہے جسے حضورؐ نے انھیں بھیجا تھا۔ راوی نے کہا کہ حضورؐ نے معاذ بن جبل کو حکم فرمایا تھا کہ وہ گیہوں، جَو، انگور اور کھجور کی پیداوار میں (مسلمانوں سے) زکوٰۃ وصول کریں۔

روزہ

۱۸۶۔ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا إِلَىٰ سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ

انسان کے ہر عمل کی نیکی (حسب اس کی خوبی کے) اس جیسے دس سے سات سو تک عملوں کی نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ روزہ میرے واسطے رکھا جاتا ہے اور میں اس کا اجر دوں گا۔ انسان میرے ہی (خوش کرنے کے) واسطے

طَعَامَهُ مِنْ اَجْلِي لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔

نفسانی خواہش اور کھانے سے باز رہتا ہے۔ روزے دار کے واسطے دو خوشیاں ہیں۔ ایک روزہ کھولنے کے وقت کی، اور ایک اپنے خدا کو ملنے کے وقت کی۔ روزہ دار کے منہ کی بو (جو روزہ رکھنے سے اکثر پیدا ہو جاتی ہے کہ مسواک عموماً دن میں نہیں کی جاتی) خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ شَاتَمَهٗ اَحَدٌ وَقَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ اِنِّيْ صَائِمٌ۔ (الستة)

اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا روزہ ڈھال ہے۔ پس جب کسی کا روزہ ہو تو۔ نہ وہ عورتوں کے ساتھ صحبت کرنے کا تذکرہ کرے اور نہ غل کرے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں (میں نہیں بولونگا، جھگڑونگا)

۱۸۷ ـ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا۔[1] (ترمذی)

جو شخص روزہ دار کا روزہ کھلوائے گا، اُسے ایسا ہی اجر ملے گا، جیسے روزہ دار کو۔ مگر یہ اجر علیحدہ ہے اور اس کے عطیے سے روزے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

---

[1] اس حدیث کی تعمیل میں جو رسم مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہے۔ وہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں صاحب توفیق لوگ اس حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے یا کبھی ہر دلعزیزی یا نیک شہرت حاصل کرنے کی غرض سے ۔ یا ایک دوسرے کی ریس سے مغرب کی نماز یعنی روزہ کھولنے کے وقت کچھ مقدار اچھے کھانے کی یا کچھ پھل، اور اگر گرمی کا موسم ہو، تو شربت محلے کی مسجد میں روزہ کھولنے کے واسطے بھیج دیتے ہیں۔ وہاں وہ کھانا یا شربت سب حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے کہ بانٹنے والے کی طرف سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ عموماً ہر ایک شخص خواہ تو انگر ہو۔ خواہ غریب ہو۔ اُسے اپنی میراث بلکہ غنیمت کا مال سمجھ کر جس قدر زیادہ حصہ میسر ہو سکے یہ لینے کی خواہش و کوشش کرتا ہے۔ گرمی میں شربت کا ایک گلاس تو روزہ دار کو شاید کچھ نہ کچھ آسائش افطار کے وقت دے دے۔ مگر ایک آدھ کھجور یا ایک دو لقمے چاول سے سوائے اس کے کہ شرعی شرط پوری ہو گئی اور روزہ کھل گیا اور کچھ آسائش نہیں ہوتی۔ روزہ داروں میں جن کا روزہ کھلوایا جاتا ہے۔ زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے گھر سے شربت یا چاول یا کھجور بہت آسانی سے اپنے لیے۔ بلکہ بعض اوروں کے لیے بھی بہم پہنچا سکتے ہیں۔ مگر وہ سب کے سب خیرات کا مال کھا جاتے ہیں اور اس طرح وہ حقیقی مستحقوں کو نہیں پہنچتا۔ روزہ کھلوانے کے معنی فاقہ کش کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔ نہ اسے یا بنیدرہ بیس تو انگر لوگوں کو ایک دانہ کھجور کا یا ایک ایک لقمہ چاولوں کا کھلانا یا ایک ایک گلاس شربت کا پلانا۔ افسوس ہے کہ یہ عمل روزِ روشن میں مسجدوں کے اندر علماء کی عین آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر کوئی توجہ اس پر نہیں ہوتی کہ یہ خیرات اپنے اصل مصرف پر خرچ ہو۔

۱۸۸- مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ تَعَالٰى حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

(البخاری، ابوداؤد، والترمذی)

جس (روزہ دار) نے جھوٹ کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا (اس کا روزہ ایک فعل عبث ہے کیونکہ) خدا کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا پیاسا رہے۔

۱۸۹- اُمّ عَمَارَةَ بِنْتَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَدَّمَتْ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ لَهَا كُلِيْ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَائِمَةٌ فَقَالَ اِنَّ الصَّائِمَ اِذَا اُكِلَ طَعَامُهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَتّٰى يَفْرَغُوْا۔ (الترمذی)

کعبؓ کی بیٹی امّ عمارہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں آئے اور میں نے کھانا پیش کیا۔ فرمایا۔ تو (بھی) کھا۔ میں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا روزے دار کا جب کوئی کھانا کھائے۔ جب تک وہ کھاتا رہے۔ فرشتے اس (روزہ دار) کے واسطے رحمت کی دُعا کرتے رہتے ہیں۔

۱۹۰- لَا تَصُوْمُ الْمَرْاَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ الخمسة الا النسائی وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

کوئی عورت اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے اس قدر زیادہ کیا ہے کہ روزہ سے مراد رمضان کے روزے کے سوا ہے۔ (واللہ اعلم)

۱۹۱- خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ۔

مکہ کی فتح کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپؐ کا روزہ تھا۔ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے۔ اور لوگوں کا بھی (روزہ تھا۔ آپؐ نے ایک پیالہ پانی کا منگوایا۔ اُسے اُٹھایا۔ جب لوگوں نے پیالے کی طرف دیکھا۔ آپؐ نے پانی پی لیا۔ بعد اس کے آپؐ کے گوش گذار کیا گیا کہ بعض لوگوں کا (ابھی) روزہ ہے۔ فرمایا: وہ گنہگار ہیں ـــ گناہگار ہیں۔

۱۹۲- اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ

انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ ہم میں سے روزے دار بھی تھے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمِنَّا الصَّآئِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِیْ یَوْمٍ حَارٍّ اَکْثَرُنَا ظِلًّا صَاحِبُ الْکِسَآءِ فَمِنَّا مَنْ یَتَّقِی الشَّمْسَ بِیَدِہٖ فَسَقَطَ الصُّوَّامُ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِیَۃَ وَسَقَوا الرِّکَابَ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَھَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْیَوْمَ بِالْاَجْرِ۔ (الشیخان والنسائی)

اور بے روزہ بھی۔ ایک دن کہ بہت گرمی تھی۔ ہم منزل پر پہنچے۔ اکثر لوگوں نے جن کے پاس چادر تھی، اپنے اُوپر سایہ کر رکھا تھا۔ بعض نے دھوپ سے بچنے کے لیے سروں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ روزے دار تو بیٹھ گئے اور بے روزہ کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے خیمے لگائے اور سواری کے جانوروں کو پانی پلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے روزہ آج کے دن ثواب میں بازی لے گئے۔

۱۹۳- کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَرَاٰی رَجُلًا قَدِ اجْتَمَعَ عَلَیْہِ النَّاسُ وَقَدْ ظُلِّلَ عَلَیْہِ فَقَالَ مَالَہٗ فَقَالُوْا رَجُلٌ صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تَصُوْمُوْا فِی السَّفَرِ۔

(الخمسۃ الا الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ ایک آدمی کو دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ اور اس پر سایہ کر رکھا تھا۔ آپؐ نے پوچھا اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ اس نے روزہ رکھا ہے (اور اس سے بے قرار ہو گیا ہے) آپؐ نے فرمایا یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم سفر میں روزہ رکھو۔

۱۹۴- اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَضَعَ شَطْرَ الصَّلٰوۃِ عَنِ الْمُسَافِرِ وَاَرْخَصَ لَہٗ فِی الْاِفْطَارِ وَاَرْخَصَ فِیْہِ لِلْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰی اِذَا خَافَتَا عَلٰی وَلَدَیْھِمَا۔

(الترمذی، ابوداؤد، النسائی)

خدا تعالیٰ نے مسافر کے واسطے نماز آدھی کر دی ہے اور اسے روزہ معاف کر دیا ہے اور ایسے ہی دُودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو جب اُنھیں اپنے بچے (کی تکلیف) کا اندیشہ ہو، روزہ معاف کر دیا ہے۔

نمازِ استسقاء

۱۹۵- توسّل:

(انسؓ) ان عمر کان اذا قحطوا استسقٰی

(عہد فاروقی میں) جب قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بالعباس فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیّك فتسقینا فانا نتوسل الیک بعم نبیّك فاسقنا فیسقون۔ (بخاری)

نے حضرت عباس رض کے وسیلے سے یوں بارش کی دُعا کی کہ: "اے اللہ! ہم پہلے تیرے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے اور اب تیرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کو تیرے حضور وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا بارانِ رحمت نازل فرما" پس بارش ہونے لگی۔

چاشت واستخارہ

۱۹۶۔ "صدقے" کا وسیع مفہوم:

(ابو ذر رض) یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقۃ فکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ وکل تھلیلۃ صدقۃ وکل تکبیرۃ صدقۃ وامر بالمعروف صدقۃ ونھی عن منکر صدقۃ ویجزیٔ من ذلك رکعتان یرکعھما من الضحیٰ۔

(مسلم، ابوداؤد)

بعض لوگوں کے ہر ہر جوڑ سے صدقہ ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ہر تسبیح صدقہ ہوتی ہے۔ ہر تحمید اور ہر تہلیل اور ہر تکبیر صدقہ ہوتی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے اور چاشت کی دو رکعتیں ادا کر لینا ان سب صدقات کا جامع ہے۔

۱۹۷۔ تین عمل کے خوش گوار نتائج:

(انس رض) رفعہ: ماخاب من استخار ولاندم من استشار ولاعال من اقتصد۔ (اوسط صغیر)

جو استخارہ (یعنی اللہ سے خیر کی طلب) کرے وہ نامراد نہیں رہتا اور جو مشورہ کرلیا کرے وہ نادم نہیں ہوتا اور جو میانہ روی اختیار کرے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

قیام لیل

۱۹۸۔ شب زندہ داری کی برکتیں:

(بلال و ابو امامۃ) رفعہ: علیکم بقیام

قیام لیل (شب زندہ داری) کا التزام رکھو، کیونکہ

اللیل فانه من دأب الصالحین قبلکم وان قیام اللیل قربة الی الله تعالیٰ و منهاة عن الاثام وتکفیر السیئات ومطردة الداء عن الجسد ۔ (ترمذی)

تم سے پہلے کے صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے اور قیام لیل قربِ خداوندی کا ذریعہ، گناہوں سے بچاؤ، بُرائیوں کا کفارہ اور جسمانی بیماری دُور کرنے والی چیز ہے ۔

۱۹۹ ۔ نمازِ شب کی تاکید :

(جابرؓ) رفعه : لاتدعن صلوٰة اللیل ولو حلب شاة ۔ (اوسط)

رات کی نماز کو نہ چھوڑو اگرچہ بکری دوہنے کی مقدار کے برابر ہی کیوں نہ ہو ۔

۲۰۰ ۔ مومن کا عزّ و شرف کس بات میں ہے :

(سہلؓ بن سعد) قال جاء جبریل الی النبیّ صلّی الله علیه وسلم فقال یا محمّد عش ماشئت فانک میت واعمل ماشئت فانك مجزیّ به واحبب من شئت فانک مفارقة واعلموا ان شرف المؤمن قیام اللیل وعزّه استغناءه عن النّاس ۔ (اوسط)

ایک بار جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ : آپؐ جب تک چاہیں زندہ رہیں لیکن آخر ایک دن مرنا ہے اور جو جی چاہے کریں ، عمل کی جزا بہرحال ملے گی ، جس سے چاہیں آپؐ محبّت کریں ، لیکن آخر اس سے آپؐ کو جُدا ہونا ہے ۔ یہ یاد رکھیئے کہ مومن کا شرف قیام لیل میں ہے ۔ اور اس کی عزّت لوگوں سے بے نیاز رہنے میں ہے ۔

۲۰۱ ۔ طاعت و معصیت کا مقابلہ :

(ابوھریرۃؓ) جاء رجل الی النبی صلّی الله علیه وسلم فقال ان فلانا یصلی باللیل فاذا اصبح سرق قال سینهاه ما یقول ۔

(احمد ، بزار)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا کہ فلاں آدمی شب کو نماز پڑھتا ہے اور دن کو چوری کرتا ہے ۔ فرمایا کہ : اس کا قیام لیل اُسے چوری سے روک دے گا ۔

صدقۂ فطر

۲۰۲ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ - (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے واجب ٹھہرایا صدقہ فطر کو غلام، آزاد، مرد، عورت، بچے اور بوڑھے ہر مسلمان پر، ایک صاع جَو یا کھجور اور حکم فرمایا کہ نماز (عید) کے لیے نکلنے سے پہلے اس کو ادا کیا جائے۔

۲۰۳ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ - (ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رمضان کے آخر میں لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے روزوں کا صدقہ ادا کرو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صدقہ کو ہر مسلمان پر مقرر فرمایا ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ایک کی طرف سے ایک صاع کھجور یا جَو یا نصف صاع گیہوں۔

۲۰۴ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ - (ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ: رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے صدقۂ فطر اس لیے مقرر فرمایا کہ تا لغو اور بیہودہ کلام سے روزہ کی طہارت ہو جائے اور دوسری طرف مساکین کے لیے خوراک ہو جائے۔

۲۰۵ - عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِيْ فِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ شریف کی گلیوں میں اعلان کر دے کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب

عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ ۔ (ترمذی)

ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، نابالغ ہو یا بالغ ۔

اہل وعیال کا خرچ ، صدقہ کی فضیلت

۲۰۶ ۔ مَا تَصَدَّقَ اَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ اِلَّا اَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِيْنِهٖ وَاِنْ كَانَتْ تَمْرَةً فَتَرْبُوْا فِيْ كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُوْنَ اَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ اَوْ فَصِيْلَهٗ ۔ (الستة الا ابا داود)

جب کوئی شخص ایک اچھی چیز صدقہ کر دیتا ہے اور خدا تعالےٰ اچھی چیزوں کا ہی صدقہ قبول کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے ۔ خواہ وہ ایک دانہ کھجور ہی ہو ۔ جیسے کوئی بچھڑے اور اُونٹ کے بچے کو پالتا ہے ۔ وہ کھجور خدا کے ہاتھ میں بڑی ہوتی رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ پہاڑ سے بڑی ہوجاتی ہے ۔

۲۰۷ ۔ سَبَقَ دِرْهَمٌ مِائَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ قِيْلَ وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ دِرْهَمَانِ وَتَصَدَّقَ بِاَجْوَدِهِمَا وَانْطَلَقَ اٰخَرُ اِلٰى عُرْضِ مَالِهٖ فَاَخْرَجَ عَنْهُ مِائَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ فَتَصَدَّقَ بِهَا ۔ (النسائی)

ایک درہم ایک لاکھ درہم سے سبقت لے گیا ۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کس طرح ؟ فرمایا ایک شخص کے پاس (صرف) دو درہم تھے ۔ اس نے جوان میں سے اچھا تھا (یعنی گھسا ہُوا نہ تھا) وہ صدقہ کر دیا ۔ ایک اور آدمی اپنے مال کے ایک کونے کی طرف گیا اور اس میں سے ایک لاکھ درہم نکال کر اس نے صدقہ کر دیا ۔ (پس اس صورت میں پہلا ایک درہم پچھلے ایک لاکھ سے سبقت لے گیا)۔

۲۰۸ ۔ اَنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنْ هِجْرَةٍ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنَّ شَاْنَهَا شَدِيْدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتُعْطِيْ صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَحْلُبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَّرَآءِ الْبِحَارِ فَاِنَّ اللّٰهَ

ایک اعرابی نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ مجھے ہجرت کے مسئلہ سے آگاہ فرمایئے ۔ آپؐ نے فرمایا تیرا بھلا ہو وہ تو بہت دشوار کام ہے ۔ کیا تیرے پاس کوئی اُونٹ نہیں ؟ عرض کیا ۔ ہاں (ہیں) فرمایا کیا تو ان میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ دیتا ہے ؟ کہا ہاں (دیتا ہوں) کیا ان کے ذریعہ عطیات بھی کرتا ہے ۔ کہا ہاں ۔ فرمایا کیا گھاٹ پر جانے کے دن مسکینوں کو دودھ بانٹتا ہے ؟ عرض کیا ۔

لَنْ يَّتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا ۔

(الخمسة الا الترمذی)

ہاں رباط میں رہتا ہوں) فرمایا سمندر کے اس پار میں (اپنے نیک) عمل کیے جا۔ خدا تعالیٰ تیرے عمل میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہونے دے گا۔

۱۶۰۔ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ ۔ (الترمذی)

صدقہ خدا کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری (طرح کی) موت کو ٹال دیتا ہے۔

۱۶۱۔ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ فِيْهِ الْعِبَادُ اِلَّا وَمَلَكَانِ يَنْزِلَانِ مِنَ السَّمَاءِ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ۔ الشیخان۔ وَفِيْ اُخْرٰى يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَيْكَ ۔ (الشیخان)

ہر روز صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک ان میں سے کہتا ہے۔ اے خدا (نیک کاموں پر) خرچ کرنے والے کو بدلا عطا کر اور دوسرا کہتا ہے اے خدا کنجوس کا مال برباد کر۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو خرچ کر۔ میں تجھے بہم پہنچائے جاؤں گا۔

۱۶۲۔ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِيْ رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ ۔ (مسلم)

ایک دینار کسی نے خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں خرچ کیا۔ ایک دینار کسی غلام کو آزاد کرانے میں صرف کیا۔ ایک دینار کسی مسکین کو دیا۔ اور ایک دینار اپنے عیال کے گزارے پر خرچ کیا۔ تو سب سے بڑا اجر اس کا ہے جو اپنے عیال پر صرف کیا۔

۱۶۳۔ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ وَتَكَفَّأُ فَاَرْسَاهَا بِالْجِبَالِ فَاسْتَقَرَّتْ فَتَعَجَّبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالَتْ يَا رَبَّنَا هَلْ خَلَقْتَ خَلْقًا اَشَدَّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمْ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا هَلْ خَلَقْتَ خَلْقًا اَشَدَّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمْ اَلنَّارُ فَقَالُوْا فَهَلْ خَلَقْتَ خَلْقًا اَشَدَّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمْ الْمَاءُ قَالُوْا فَهَلْ خَلَقْتَ اَشَدَّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمْ الرِّيْحُ قَالُوْا فَهَلْ خَلَقْتَ اَشَدَّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمْ اِبْنُ اٰدَمَ اِذَا تَصَدَّقَ

جب خدا نے زمین کو بنایا تو وہ ہلتی اور کانپتی تھی، پس اس پر خدا نے پہاڑ گاڑ دیئے اور وہ قرار پکڑ گئی۔ فرشتے ان پر سلام ہو۔ پہاڑوں کی طاقت سے متعجب ہوئے اور کہا اے خدا کیا کوئی چیز تو نے پہاڑ سے زیادہ طاقتور بھی بنائی ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ لوہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا ہاں۔ آگ۔ انھوں نے کہا۔ کیا کوئی آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا ہاں۔ پانی۔ عرض کیا کیا کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ ہوا۔ کہا کوئی ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ انسان جب

بِصَدَقَةٍ بِيَمِينِهٖ فَاَخْفَاهَا عَنْ شِمَالِهٖ ۔ (ترمذی)

جب اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ دے اور بائیں کو خبر نہ ہونے دے۔

۱۶۴۔ مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّلَا تَوَاضَعَ عَبْدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهٗ ۔
(مسلم، مالك، والترمذی)

خیرات دینے سے مال کم نہیں ہوتا، اور جو آدمی درگزر کرتا ہے۔ خدا اس کی عزت میں افزونی کرتا ہے، اور جو آدمی محض خدا کی خوشنودی کے لیے تواضع کرتا ہے خدا اس کا رتبہ بڑھاتا ہے۔

۱۶۵۔ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَّابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ ۔
(بخاری، ابوداؤد و نسائی)

بہتر صدقہ وہ ہے جو صاحب توفیق دے اور اپنے عیال سے شروع کرے۔

۱۶۶۔ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بِالصَّدَقَةِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدِيْ دِيْنَارٌ قَالَ تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى زَوْجِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَبْصَرُ بِهٖ ۔
(ابوداؤد و نسائی)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کو اپنی جان پر صدقہ کرو (یعنی اپنی ذات پر خرچ کر) اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنی اولاد پر صدقہ کر۔ اس نے عرض کیا۔ میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اسے اپنی بیوی پر صدقہ کر۔ پھر کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اُسے جہاں تو مناسب سمجھے صرف کر۔

۱۶۷۔ جَاءَ رَجُلٌ بِمِثْلِ بَيْضَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَبْتُ هٰذَا مِنْ مَّعْدِنٍ فَخُذْهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ مَا اَمْلِكُ غَيْرَهَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْاَيْسَرِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اَتَاهُ مِنْ خَلْفِهٖ فَقَالَ مِثْلَ

ایک شخص ایک انڈا اتنا سونے کا گلا لایا، اور کہا یا رسول اللہ یہ مجھے ایک دکان سے ملا ہے اسے لے لیجئے۔ یہ صدقہ ہے اور میرے پاس یہی کچھ ہے۔ آپؐ نے اس کی طرف سے رُخ ہٹا لیا۔ وہ (اسی طرف) یعنی آپؐ کے دائیں کو آیا اور اپنی بات دہرائی۔ آپؐ نے پھر رُخ بدل لیا۔ تب وہ بائیں کو آیا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ آپؐ نے پھر بھی رُخ ادھر سے ہٹا لیا۔ پھر وہ پیچھے کی طرف سے آیا اور اپنی بات دہرائی۔ رسول اللہ صلی اللہ

ذٰلِكَ فَاَخَذَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَذَفَهُ بِهَا فَلَوْ اَصَابَتْهُ لَاَوْجَعَتْهُ وَقَالَ يَاْتِيْ اَحَدُكُمْ بِجَمِيْعِ مَا يَمْلِكُ فَيَقُوْلُ هٰذِهٖ صَدَقَةٌ ثُمَّ يَقْعُدُ يَتَكَفَّفُ النَّاسَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى ۞ (ابوداؤد)

علیہ وسلم نے وہ ڈلا لے لیا اور اسے ایسا مارا، کہ اگر اسے لگ جاتا تو اُسے درد ہوتا، اور فرمایا تم میں سے کوئی اپنا سارا مال لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے (کیا وہ یہ چاہتا ہے) کہ پھر آپ بیٹھ جائے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے بہتر صدقہ وہ ہے، جو مقدور موافق ہو ۞

تراویح

۱۶۸۔ نفل گھر پر ادا کرنا افضل ہے:

(زید بن ثابت) احتجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجیرۃ بخصفۃ قال عفان فی المسجد وقال عبد الاعلی فی رمضان فخرج یصلی فیھا فتتبع الیہ رجال وجاءوا یصلون بصلوتہ ثم جاءوا الیہ فحضروا وابطاء فرفعوا اصواتھم وحصبوا الباب فخرج مغضبا فقال مازال بکم صنیعکم حتی ظننت انہ ستکتب علیکم فعلیکم بالصلوۃ فی بیوتکم فان خیر صلوۃ المرء فی بیتہ الا الصلوۃ المکتوبۃ۔ (ابوداؤد، نسائی، شیخین، بلفظھما)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کمبل کا ایک مختصر سا حجرہ بنالیا (یعنی بقول عفان مسجد میں اور بقول عبدالاعلیٰ یہ رمضان کا موقع تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں (نفلی) نمازیں ادا فرماتے پھر بہت سے آدمی ادھر ہی رُخ کرنے لگے اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز ادا کرنے لگے، پھر ایسا ہوا کہ لوگ اکٹھے ہوگئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر آنے میں دیر کردی۔ لوگ آوازیں بلند کرنے لگے اور دروازہ پیٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوکر باہر آئے اور فرمایا کہ: تمھاری اس مسلسل حرکت سے مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ نماز (تراویح) تم پر کہیں فرض نہ ہوجائے۔ للہذا تم یہ نماز اپنے گھروں میں پڑھو کیونکہ آدمی کی بہترین نماز وہی ہے جو گھر پر ادا ہو بجز فرض نمازوں کے۔

۱۶۹۔ نماز عشاء کے بعد بے ضرورت گفتگو:

(ابوبرزۃ) کان النبی صلی اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از عشاء سونے سے

...يه وسلّم ينهي عن النوم قبل العشاء والحديث بعدها۔
(ابوداؤد، ترمذی، شیخین بلفظه)

اور بعد از عشاء بے کار باتیں کرنے سے منع فرماتے تھے۔

۱۷۰۔ نمازِ عشاء کے بعد مفید باتیں :

(عمرؓ) كان رسول الله صلى الله عليه وسلّم يسمر مع ابي بكر في الامر من امر المسلمين وانا معهما۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم، جناب ابوبکرؓ کے ساتھ اہلِ اسلام کے معاملات پر شب کو گفتگو فرماتے تھے اور میں بھی ان دونوں بزرگواروں کے ساتھ ہوتا تھا۔

۱۷۱۔ فنا فی اللہ ہونے کا مطلب اور ذریعہ :

(ابوهريرةؓ) رفعه : قال الله تعالىٰ من عادى لي وليًا فقد اٰذنته بحرب وما تقرّب الىّ عبدي بشئ احب الىّ من اداء ما افترضت عليه ولا يزال عبدي يتقرب الىّ بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به و بصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وان سألني اعطيته وان استعاذ بي اعذته وما ترددت عن شئ انا فاعله ترددي عن نفس المؤمن من يكره الموت وانا اكره مساءته۔
(بخاری)

اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے اس کے جنگ کے چیلنج کو میں قبول کرتا ہوں میرا بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز وہ فرض ہے جو وہ ادا کرتا ہے اور نوافل سے میرا قرب اتنا حاصل کرتا جاتا ہے کہ میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبّت کر لیتا ہوں میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے وہ اُسے دیتا ہوں میری پناہ چاہتا ہے تو اُسے پناہ میں لے لیتا ہوں اور جو کام مجھے کرنا ہی ہوتا ہے اس میں سب سے زیادہ تامّل اس مومن کی جان لینے وقت ہوتا ہے جو ابھی مرنا پسند نہیں کرتا اِدھر اسے موت ناپسند ہوتی ہے اور اُدھر مجھے اس کی ناپسندیدگی ناپسند ہوتی ہے۔

۱۷۱ - چند افضل عبادات :

(عبد اللہ بن حبشی الخثعمی)

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل؟ قال طول القیام قال ای الصدقۃ افضل؟ قال جھد المقل قیل فای الھجرۃ افضل؟ قال من ھجر ما حرم اللہ علیہ قیل فای الجھاد افضل؟ قال من جاھد المشرکین بمالہ و نفسہ قال فای القتل افضل؟ قال من اھریق دمہ وعقر جوادہ -

(نسائی، ابوداؤد بلفظہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ : بہترین عمل کیا ہے ؟ فرمایا : طول قیام - پھر پوچھا : افضل ترین صدقہ کیا ہے ؟ فرمایا : کم مایہ کی کوشش - پھر پوچھا : سب سے بہتر ہجرت کون سی ہے ؟ فرمایا : اللہ تعالیٰ کی حرام باتوں کو ترک کر دینا - پھر پوچھا : بہترین جہاد کیا ہے ؟

فرمایا : مشرکوں کے مقابلے میں اپنے مال وجان کی بازی لگا دینا -

پھر پوچھا : بہترین قتل کیا ہے ؟

فرمایا : یہ کہ مجاہد کا خون بہے اور ساتھ ہی اُس کا تیز رفتار گھوڑا بھی مارا جائے -

روزہ

۱۷۲ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ -

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں ، اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں -

۱۷۳ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی اُمید سے روزہ رکھے گا تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔
(بخاری، مسلم)

جائیں گے جو ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام یعنی عبادت کرے گا تو اُس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے شب قدر میں قیام کرے گا، اُس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۱۷۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَّفُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَّیُنَادِیْ مُنَادٍیًا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ۔
(ترمذی، ابن ماجه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنّ قید کر لیے جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ (پھر رمضان بھر) ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو ان میں کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ اور مُنادی پکارتا ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والے، متوجہ ہو اور اے بُرائی کا ارادہ رکھنے والے! بُرائی سے باز رہ۔ اور اللہ بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور ہر رات ایسا ہوتا ہے۔

۱۷۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ تَعَالٰی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاکُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَکٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ صِیَامَهٗ تُفْتَحُ فِیْهِ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَتُغْلَقُ فِیْهِ اَبْوَابُ الْجَحِیْمِ وَتُغَلُّ فِیْهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ لِلّٰهِ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَیْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔ (احمد، نسائی، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رمضان آیا یہ برکت کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے اور سرکش شیاطین کو طوق پہنائے جاتے ہیں اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو اس کی برکتوں سے محروم رہا۔ وہ بے شک محروم ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ:
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شعبان کے آخر میں وعظ فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے پاس عظمت والا برکت والا مہینہ آیا۔ وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے اور اس کی رات میں قیام کرنا (نماز پڑھنا) تطوع یعنی نفل قرار دیا ہے۔ جو اس میں نیکی کا کوئی کام یعنی نفل عبادت کرے تو ایسا ہے جیسے اور دنوں میں ستر فرض ادا کیے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ غمخواری کا مہینہ ہے اور اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جو اس میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لیے مغفرت ہے اور اس کی گردن دوزخ سے آزاد کر دی جائے گی۔ اور اس میں افطار کرانے والے کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا روزہ رکھنے والے کو ملے گا۔ بغیر اس کے کہ اس کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں کا ہر شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا، جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرا دے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے سیراب کرے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور اس کا درمیانی حصہ مغفرت ہے اور اس کا آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے اور جو اپنے غلام پر اس مہینہ میں تخفیف کرے

رَحْمَةٌ وَّ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (بیہقی)

یعنی کام لینے میں کمی کردے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ اور جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

۱۷۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ۔ (احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں اس اُمّت کی مغفرت ہوتی ہے عرض کیا گیا کیا وہ شب قدر ہے؟ فرمایا نہیں۔ لیکن کام کرنے والوں کو اس وقت مزدوری پوری دی جاتی ہے جب وہ کام پورا کرے۔

۱۷۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص (روزہ رکھ کر) بُری بات کہنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو خدائے تعالیٰ کو اس کی پروا نہیں کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

۱۷۹۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَاْوِیْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ۔ (ابوداؤد)

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو آرام سے منزل تک پہنچا دے تو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے جہاں بھی رمضان آجائے۔

۱۸۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (شرعی) مسافر سے آدھی نماز معاف فرما دی (یعنی مسافر چار رکعت والی فرض نماز دو پڑھے۔) اور مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت سے روزہ معاف کر دیا۔ (یعنی ان لوگوں کو جائز ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھیں بعد میں قضا کرلیں)

۱۸۱۔ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ (مسلم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے رمضان کا روزہ رکھا پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے، تو اس نے گویا ہمیشہ روزہ رکھا۔

۱۸۲۔ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (نسائی)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جنھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں چھوڑتے تھے۔ عاشورہ کا روزہ۔ ذی الحجہ کے روزے (ایک سے نو تک) ہر مہینہ کے تین روزے۔ دو رکعتیں فجر کی فرض سے پہلے۔

۱۸۳۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے ابوذر! جب کسی مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا ہو تو تیرہ۱۳، چودہ۱۴ اور پندرہ۱۵ تاریخ کو (روزہ) رکھو۔

صلۂ رحم!

۱۸۴۔ اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَّصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (الشیخان)

رشتہ عرش سے لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے جس نے مجھے جوڑا۔ اسے اللہ جوڑے گا اور جس نے مجھے قطع کیا۔ اُسے اللہ قطع کرے گا۔

۱۸۵۔ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ فِیْ رِزْقِهٖ وَاَنْ يُّنْسَاَ لَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔ (البخاری)

جو شخص چاہے کہ اس کا رزق خدا وافر کرے اور اس کی عمر لمبی کرے تو اُسے چاہیئے کہ رشتے داروں سے محبت رکھے۔

۱۸۶۔ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَعَلٰى ذِی الرَّحِمِ اِثْنَتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔ (النسائی)

مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور قرابتی کو صدقہ دینا دو صدقے ہیں۔ ایک تو اصل صدقہ (کا) اور دوسرا رشتہ داری کی نگہداشت کا (ثواب)

نمازِ جنازہ

۱۸۷ ۔ غائبانہ نمازِ جنازہ :

(ابن المسیب) ان امّ سعد ماتت و النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم غائب فلما قدم صلّی علیہا وقد مضی لذلک شھر۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی غیر موجودگی میں اُمِّ سعدؓ نے انتقال کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی، حالانکہ ان کو مرے ہوئے ایک ماہ گزر چکا تھا۔

۱۸۸ ۔ خودکُش کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے :

(جابرؓ بن سمرۃ) اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ (مسلم، ترمذی، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے تیر سے خودکشی کر لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (مسئلہ یہ ہے کہ عالم مقتدا کو ایسے جنازے کی نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ البتہ عام لوگ ضرور نماز ادا کریں۔ چونکہ آپؐ مقتدا تھے اس لیے آپؐ نے نماز نہیں پڑھی)۔

۱۸۹ ۔ غیر مسلم کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا :

(جابرؓ) مرت جنازۃ فقام لھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وقمنا معہ فقلنا یا رسول اللہ انھا یھودیۃ فقال ان للموت فزعا فاذا رأیتم الجنازۃ فقوموا۔ (شیخین، ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ہم لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو یہودیہ کا جنازہ ہے فرمایا کہ : موت ایک دہشت ناک شے ہے۔ لہٰذا جب کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔

(نوٹ) یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔

۱۹۰- خونِ شہیداں راز آب اولیٰ ترست :

(ابن عباسؓ) امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتلی احد ان ینزع عنھم الحدید والجلود وان یدفنوا بثیابھم و دمائھم
(ابو داؤد)

شہدائے اُحد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اُتار لیے جائیں اور ان کو ان ہی کے کپڑوں میں اور خون کے دھبّوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔

۱۹۱- ایک کفن میں کئی مُردے :

(انسؓ) .... وقلّت الثیاب وکثرت القتلیٰ فکان الرجل والرجلان والثلاثۃ یلفّون فی الثوب الواحد ثم یدفنون فی قبر واحد وکان صلّی اللہ علیہ وسلّم ایھم اکثر قرآنا یقدمہ الی القبلۃ
(ابو داؤد، ترمذی)

(غزوۂ احد کے موقع پر) کپڑے کم اور شہداء زیادہ تھے۔ چنانچہ ایک ایک کپڑے میں نہ فقط ایک ایک بلکہ دو دو اور تین تین شہداء لپیٹے جاتے تھے اور پھر ایک ہی قبر میں دفن کئے جاتے تھے اور جو قرآن سے زیادہ واقف ہوتا۔ اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبلے کی سمت رکھتے تھے۔

کتاب الزکوٰۃ

۱۹۲- جس کا سب کچھ اللہ کے لیے وقف ہو، اُس پر زکوٰۃ نہیں :

(ابو ھریرۃؓ) امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصدقۃ فقیل منع ابن جمیل وخالد ابن الولید والعباس فقال ...... اما خالد فانکم تظلمون خالدًا قد احتبس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدقے (زکوٰۃ) کا حکم دیا تو کہا گیا کہ : ابن جمیل اور خالد بن ولید اور عباس نے صدقے کو روک رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ...... رہے خالد تو تم لوگ اس سے صدقہ طلب کرکے اس پر ظلم کرتے ہو، اس کے تو

ادراعہ[1] و اعتدہ فی سبیل اللہ والعباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہی علیہ صدقۃ ومثلہا معہا وفی روایۃ : ہی علیّ ومثلہا معہا۔

(شیخین، ابوداؤد، نسائی)

تو بدن کے کپڑے بھی فی سبیل اللہ وقف ہیں اور خود خالد کو میں (ہمہ تن) فی سبیل اللہ شمار کرتا ہوں اور عباس رضی اللہ عنہ تمھارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چچا ہے جس پر دوگنا صدقہ واجب ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس کی زکوٰۃ بلکہ اتنی ہی مزید میرے ذمے ہے۔

۱۹۳۔ وقت سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے :

(علیؓ) ان العباسؓ سأل رسول اللہ علیہ وسلّم فی تعجیل زکوٰتہ قبل ان یحول الحول مسارعۃ الی الخیر فاذن لہ فی ذلک۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ : خیر کی طرف عجلت کرنے کی غرض سے سال تمام گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔

۱۹۴۔ زکوٰۃ وصول کرنے میں آسانی کا حکم :

(عمرانؓ بن حصینؓ) رفعہ: لاجلب[2] ولا جنب[2] ولا شغار فی الاسلام ومن انتہب نہبۃ فلیس منا (نسائی)

اسلام میں نہ جلب ہے نہ جنب اور نہ شغار اور جو لوٹ کھسوٹ کرتا ہے۔ وہ ہماری جماعت سے الگ ہے۔

---

[1] درع کے معنے ذرہ کے ہیں جس کی جمع دِرِدع، دراع اور ادرُع ہے اور معنی چھوٹی قمیص بھی ہے۔ اس کی جمع ادراع ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اس کا ترجمہ کپڑے کیا ہے۔

[2] جلب کے معنی ہیں مالک مواشی کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ مُصدّق (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل) کے پاس ادائے زکوٰۃ کے لیے اپنے جانور لائے۔ جنب کے معنی ہیں جانوروں کو میدانوں سے چراگاہ کی طرف ہانک کر لانا "تاکہ یہاں آکر زکوٰۃ وصول کرلے۔ ان دونوں باتوں میں مالکِ مواشی کو دِقّت و دشواری ہے اس لیے حکم ہے کہ مُصدّق گھاٹ ہی پر میدانوں میں جاکر مواشی کا اندازہ کرکے اس کے مطابق زکوٰۃ وصول کرے۔ شغار کے معنی ہیں کسی سے یہ طے کرنا کہ ایک لڑکی (خواہ وہ دُختر ہو یا ہمشیرہ یا اور کوئی جس کا یہ ولی ہو) میں تمھارے نکاح میں دیتا ہوں۔ اور اس کے عوض تم ایک لڑکی میرے نکاح میں دے دو اور مہر نہ میں دوں اور نہ تم بلکہ دونوں لڑکیاں ہی گویا ایک دوسری کا مہر بن جائیں۔ اسلام نے عورتوں کی حق تلفی کو بھی روک دیا ہے۔

رُویتِ ہلال

۱۹۵ - عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ - (بخاری ،مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ : رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تک چاند نہ دیکھ لو افطار نہ کرو، اور اگر ابر یا غبار ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن کی (مقدار پوری کرلو، اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ کبھی انتیس[۲۹] دن کا ہوتا ہے پس تم جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو جائے تو تیس[۳۰] دن کی گنتی پوری کرلو۔

۱۹۶ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ - (بخاری ،مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر ابر ہو تو شعبان کی گنتی تیس پوری کرلو۔

نجاست رفع کرنا اور پاک ہونا

۱۹۷ - اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ - (ابوداؤد، والترمذی)

ہر ایک بال کے نیچے جنابت (یعنی ہم بستر ہونے) کا اثر ہے (پس اس کے بعد) اپنے بالوں کو دھو ڈالو۔ اور بدن کو صاف کرو۔

۱۹۸ - رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ننگے نہاتے ہوئے دیکھا۔ آپ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ خدا حیا دار ہے اور پردے والا ہے اور حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی نہائے

يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ۔ (ابوداؤد، والنسائی)

تو پردہ کرے۔

۱۹۹۔ مَنْ غَسَلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ (ابوداؤد والترمذی) وَزَادَ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

جو شخص مُردے کو نہلاتے اُسے چاہیئے کہ بعد میں آپ بھی نہالے اور جو میّت کو اُٹھائے وہ بعد میں وضو ضرور کرے (اور نہائے تو اور اچھا ہے)۔

زکوٰۃ کہاں فرض ہے؟

۲۰۰۔ زیوروں پر زکوٰۃ:

(عمرو بن شعیبؓ) عن ابیہ عن جدہ: ان امرأۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابنۃ لھا فی ید ابنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال اتعطین زکوٰۃ ھذا؟ قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بھما یوم القیمۃ سوارین من نار؟ فخلعتھما فالقتھما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ھما للہ ولرسولہ (اصحاب سنن)۔

ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی بیٹی کو لے کر آئی جس کے ہاتھوں میں بھاری سونے کے کنگن تھے۔ فرمایا کہ: کیا تم اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: کیا تجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تجھے ان کے عوض آگ کے دو کنگن پہنا دے؟ یہ سُن کر اس عورت نے دونوں کنگن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیئے اور یہ کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہیں۔

۲۰۱۔ مالِ یتیم کو تجارت میں لگانے کا حکم اور اس کی مصلحت:

(عمروؓ بن شعیبؓ) عن ابیہ عن جدہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس فقال الا من ولی یتیما لہ مال فلیتجر فیہ ولا یترکہ حتی تاکلہ الصدقۃ۔ (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ: جو کسی یتیم کا ولی ہو، وہ اس کے مال کو تجارت میں لگائے۔ ایسا نہ ہو کر زکوٰۃ ادا کرتے کرتے وہ مال ہی ختم ہو جائے۔

۲۰۲۔ ہر مالِ تجارت پر زکوٰۃ ہے:

(سمرۃ بن جندبؓ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمرنا ان نخرج من الذی نعدہ للبیع (ابو داؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو ہر اُس مال کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جسے ہم مالِ تجارت شمار کرتے تھے۔

۲۰۳۔ صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا چاہیئے:

(ابن عباسؓ) فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر طھرۃ للصیام من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین من اداھا قبل الصلوۃ فھی زکوٰۃ مقبولۃ ومن اداھا بعد الصلوٰۃ فھی صدقۃ من الصدقات۔ (نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر کو اس لیے واجب کیا ہے کہ روزوں میں جو فضول اور بیہودہ باتیں ہو جاتی ہیں۔ ان کے اثر سے یہ پاک کر دیتی ہے اور مساکین کے لیے کھانے کا سہارا ہو جاتی ہے جو اُسے نمازِ عید سے پہلے ادا کرے تو فطرانہ قبول ہوتا ہے اور جو اس کے بعد ادا کرے تو یہ بھی دوسرے صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا (اگر صدقہ فطر نہ ہوگا)۔

زکوٰۃ کس کو دینا جائز نہیں

۲۰۴۔ ابنائے ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں:

(ابو ھریرۃؓ) اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلھا فی فیہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم کخ ارم بھا اما علمت انا لا نا کل الصدقۃ۔ (شیخین)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک بار صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اُٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخ تھو! اسے تھوک دو۔ تمھیں نہیں معلوم کہ ہم (ابنائے ہاشم) صدقہ نہیں کھایا کرتے۔

شبِ قدر

۲۰۵۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ ۔ (ابن ماجہ)
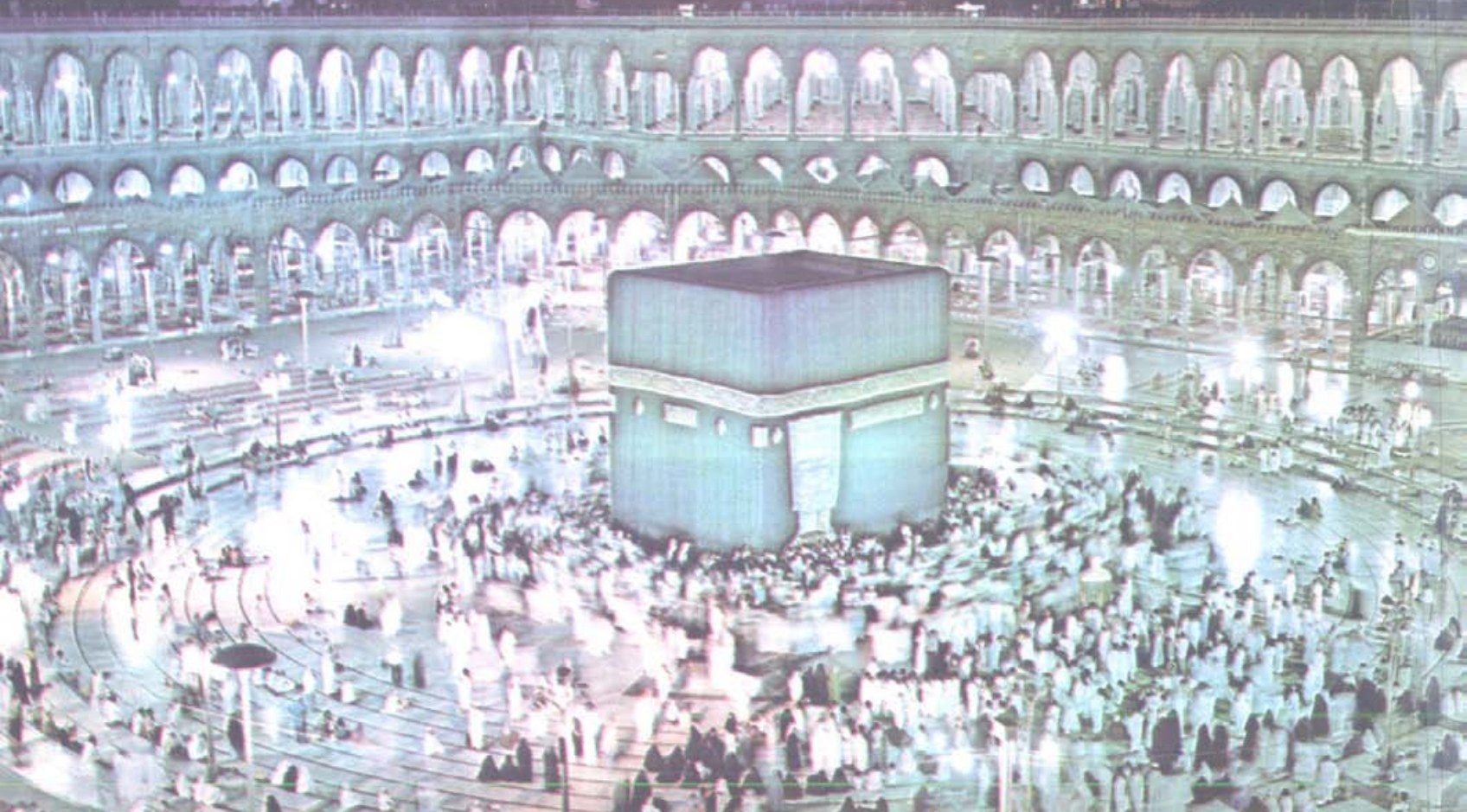
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ یہ مہینہ تم میں آیا ہے اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے تو جو شخص اس کی برکتوں سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا اور نہیں محروم رکھا جاتا اس کی بھلائیوں سے مگر وہ جو بالکل بے نصیب ہو۔

۲۰۶۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو۔

۲۰۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ ۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھ کو شب قدر معلوم ہو جائے تو اس میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (یعنی اے اللہ تو معاف فرمانے والا ہے معاف کرنا تجھے پسند ہے تو مجھے معاف فرما دے)۔

موت!

۲۰۸۔ مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَهَا

جو شخص جنازے کے ہمراہ ہوا، اور اس نے اس کے لیے دعا کی۔ نماز بھی پڑھی! اس کے

حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ وَقِيْرَاطٌ مِثْلُ الْاُحُدِ۔ (الخمسة)

واسطے ایک قیراط کے برابر ثواب ہے اور جو اس کے دفن کرنے تک ساتھ رہا اُسے دو قیراط کے برابر ثواب ہے اور قیراط گویا احد (پہاڑ) سے۔

۲۰۹۔ مَنْ شَيَّعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا۔ (الترمذی)

جو شخص جنازے کے ساتھ گیا، اُسے تین بار کندھا دیا۔ اُس نے جنازے کا حق جس قدر کہ اس پر تھا ادا کر دیا۔

۲۱۰۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اِنَّ مَلٰٓئِكَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ۔ ابوداؤد والترمذی وَفِيْ اُخْرٰى۔ اَلرَّاكِبُ يَمْشِيْ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ كَيْفَ شَآءَ مِنْهَا الترمذی وَفِيْ اُخْرٰى اِتَّبَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَازَةَ اَبِي الدَّحْدَاحِ مَاشِيًا وَرَجَعَ عَلٰى فَرَسٍ۔ (الخمسة الا البخاری)

ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے ساتھ ہوئے اور چند آدمیوں کو سوار دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم شرم نہیں کرتے کہ خدا کے فرشتے پیدل ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھ پر (سوار ہو) اور دوسری روایت میں ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل جس طرح چاہے۔ آگے یا پیچھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو دحداح کے جنازے کے ساتھ پیدل گئے اور گھوڑے پر واپس آئے۔

۲۱۱۔ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا عَلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔ (السنة)

جنازے کو جلدی لے جایا کرو۔ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اُسے اگلے جہان کی بہتری جلد تر حاصل کراتے ہو۔ اگر وہ نیک کار نہیں ہے، تو بُرے کو گردن سے اتارتے ہو۔

۲۱۲۔ اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ جَنَازَةً فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَاشِيًا مَعَهَا فَلْيَقُمْ حَتّٰى يُخَلِّفَهَا اَوْ تُخَلِّفَهٗ اَوْ تُوْضَعَ قَبْلَ اَنْ تُخَلِّفَهٗ۔ (الخمسة)

جب تم میں سے کوئی جنازہ دیکھے اور اس کے ساتھ نہ چلے۔ تو چاہیئے کہ ٹھیر جائے۔ یہاں تک کہ جنازہ آگے نکل جائے یا وہ خود آگے نکل جائے۔

۲۱۳۔ عَنْ جابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِيْ بِأَبِيْ لِتَدْفِنَهُ فِيْ مَقَابِرِنَا فَنَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلٰى إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔ (الترمذی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُحد کی جنگ میں میری پھوپھی میرے باپ کو لائی کہ اُسے اپنی قبروں میں دفن کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے پکارا کہ مقتولوں کو ان کی قتل گاہ میں واپس پھیردو۔

۲۱۴۔ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى اُحُدٍ اَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَاَنْ يُدْفَنُوْا فِيْ ثِيَابِهِمْ وَدِمَائِهِمْ۔ (ابوداؤد)

جنگِ احد کے مقتولوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوہے اور چمڑے کا سامان ان کے بدن سے اتار کر انھیں کپڑوں سمیت خون آلودہ دفن کردیا جائے۔

۲۱۵۔ زَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقْبَرَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يُّضْطَرَّ اِنْسَانٌ اِلٰى ذٰلِكَ وَقَالَ اِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهٗ۔

(مسلم، ابوداؤد، والنسائی)

(ایک صحابی شام کے وقت یا اس سے پیچھے فوت ہو گیا لوگوں نے اسے ناقص کپڑے کا کفن دے کر رات رہی) کو دفن کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی) آپ نے تنبیہ کی کہ رات کے وقت کسی کو دفن نہ کیا جائے۔ مگر مجبوری کی صورت میں۔ پھر بھی نماز پڑھ لی جائے اور فرمایا کہ جب تم اپنے بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو۔

۲۱۶۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّوْطَأَ۔

(الخمسۃ الا البخاری)

قبر گچ کرنے اور اس پر عمارت بنانے بیٹھنے اور لکھنے کو۔ اور اُسے پامال کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

۲۱۷۔ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ وَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ (الترمذی)

مدینے والوں کی قبروں کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ آپ نے ان کی طرف اپنا رُخ کیا اور کہا اے قبروں والو۔ تم پر امن ہو۔ خدا انھیں بخشے اور ہمیں بھی۔ تم ہمارے آگے گئے اور ہم پیچھے آئیں گے۔

صدقے کا وسیع مفہوم

۲۱۸ - ردّی کھجوروں کا صدقہ :

(عوف بن مالکؓ) خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبیدہ عصا وقد علق رجل قنوحشف فجعل یطعن فی ذلک القنو فقال لوشاء رب ھذہ الصدقۃ تصدق اطیب من ھذا ان رب ھذہ الصدقۃ یأکل حشفا یوم القیٰمۃ (ابوداؤد، نسائی۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں لاٹھی لیے ہوئے نکلے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے خرمے کا خشک گچھا غربا کے لیے لٹکا رکھا ہے، آپ اس پر لاٹھی مارتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ: اگر یہ صدقہ دینے والا چاہتا تو اس سے عمدہ صدقہ دے سکتا تھا۔ یہ صدقہ دینے والا قیامت کے روز خشک خرما ہی کھائے گا۔

اِعتکاف

۲۱۹۔ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (اسی طریقے پر) وصال فرمایا۔

۲۲۰۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ۔

ترمذی، ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور ایک سال اعتکاف نہیں فرمایا تو دوسرے سال بیس دن اعتکاف فرمایا۔

فضائل نماز ، روزہ ، زکوٰۃ وغیرہ

۲۲۱ - لَنْ يَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ - (مسلم، ابو داؤد، والنسائی)

کوئی شخص جس نے سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھی آگ میں نہیں دھکیلا جائے گا۔

۲۲۲ - قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِحَرْبٍ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ - وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِيْ اَعْطَيْتُهٗ وَاِنِ اسْتَعَاذَنِيْ اَعَذْتُهٗ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ مَا يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ -

(بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ جس نے میرے ولی (دوست) کے ساتھ دشمنی کی ۔ تو (سمجھ کر) میں نے اسے لڑائی کا اعلان دے دیا اور میرا بندہ اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے وہ محض میرا قرب حاصل کرنے کی غرض رکھتا ہو تو وہ مجھے اس وقت پیارا لگتا ہے ۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ (کوئی) کام کرے (اس خیال سے کہ وہ) میں نے اس پر فرض کر رکھا ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نفل عبادت سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ میں اُسے پیار کرنے لگ جاتا ہوں ۔ پس جب میں اسے پیار کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعے سے سُنتا ہے ۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے پکڑتا ہے ، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں اور اگر پناہ طلب کرتا ہے تو اُسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی چیز میں تردد نہیں ہوتا ۔ جیسے مومن کی جان سے ۔ وہ موت کو بُرا جانتا ہے اور میں اس کے دل گیر ہونے کو بُرا سمجھتا ہوں ۔

۲۲۳ - يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهٗ حِيْنَ يَذْكُرُنِيْ فَاِذَا ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں (جیسا سے میری نسبت ہے) اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے جب دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے دل ہی دل میں

ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ فَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا اقْتَرَبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ آتَانِي مَاشِيًا آتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

(الشیخان)

یاد کرتا ہوں۔ جب وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں، جو اس کی مجلس سے بہتر ہوتی ہے۔ اور اگر وہ بالشت بھر میرے نزدیک آتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ہاتھ بھر میرے قریب آتا ہے تو میں قلانچ بھر آگے ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ آتا ہوں۔

متعلقاتِ صدقہ

۲۲۴۔ متاعِ عزیز کی مثال:

(انسؓ) كان ابوطلحة اكثر انصار بالمدينة مالاً من نخل وكان احب امواله اليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب فلما نزل "لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون" قال ابوطلحة يارسول الله ان الله يقول لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون وان احب مالى الىّ بيرحاء وانها صدقة لله ارجو برها و ذخرها عند الله فضعها حيث اراك الله فقال صلى الله عليه وسلم بخ ذلك مال رابح وقد سمعت

ابوطلحہ رض خرما کے باغات کے لحاظ سے انصارِ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ لیکن ان کو اموال میں سے بیرحا (ایک میٹھا کنوآں) زیادہ عزیز تھا۔ جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ہو کر گزرتے اور اس کا پانی پیتے جس میں خوش گواری اور مٹھاس ہوتی۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (ترجمہ: تم اس وقت تک پوری نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی عزیز ترین چیزیں اس کی راہ میں خرچ نہ کرو)۔ تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ: اپنی محبوب تر اشیاء اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور یہ باغ مجھے بہت عزیز ہے، اس لیے اس کو میں بطور صدقے کے دیتا ہوں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیکی اور ذخیرۂ آخرت

ما قلت و انی اری ان تجعلها فی الاقربین فقال ابوطلحة افعل یا رسول الله فقسمها ابوطلحة فی اقاربه وبنی عمه۔ (للستة)

کا سامان ٹھہرائے گا۔ آپؐ اسے خدا کی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں خرچ کریں۔ آپؐ نے فرمایا: خوب! پھر یہ تو آمدنی کا اچھا خاصا ذریعہ ہے۔ میں نے تمہاری تجویز سن لی میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ اسے اپنے اقربا میں تقسیم کر دو۔ ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اقربا اور بنی عم میں اُسے تقسیم کر دیا۔

۲۲۵۔ شوہر اور سوتیلے یتیم فرزند کو صدقہ دینا:

(زینب امرأة بن مسعود) ......

خرج علینا بلال فقلنا له ائت رسول الله صلّی الله علیه وسلّم فاخبره ان امرأتین بالباب تسألانک اتجزئ الصدقة عنهما علی ازواجهما وعلی ایتام فی حجورهما؟ ولا تخبره من نحن فسأله بلال فقال له رسول الله صلّی الله علیه وسلّم من هما؟ فقال امرأة من الانصار وزینب فقال له ای الزیانب؟ قال امرأة عبد الله فقال لهما اجران اجر القرابة واجر الصدقة۔ (شیخین، نسائی)

....

اتنے میں بلال رضی اللہ عنہ ہماری طرف آ نکلے۔ ہم نے کہا کہ: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیے اور اُن سے کہیے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہوئی یہ پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنے غریب شوہروں پر بطور صدقے کے کچھ خرچ کریں، یا ان یتیم بچوں پر خرچ کریں جو اُن کی گود میں پل رہے ہیں تو کیا یہ صدقہ صحیح ہوگا؟ لیکن یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ ہی لیا کہ: یہ دو عورتیں کون ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک تو ان میں انصاریہ ہے اور دوسری زینبؓ ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کونسی زینب؟ بلال رضؓ نے جواب میں کہا: عبداللہ کی بیوی۔ آپؐ نے فرمایا: ان کو دہرا اجر ملے گا، ایک قرابت کا ایک صدقے کا۔

۲۲۶۔ شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا:

(اسماءؓ) قلت یا رسول الله مالی مال

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مال

ما ادخل علیّ الزبیر فاتصدق؟ قال تصدّقی ولا توعی فیوعی اللہ علیک (للستۃ الا مالکا)

تو وہی ہے جو مجھے زبیرؓ نے دیا۔ کیا میں اس میں سے بطور خیرات کسی کو دے سکتی ہوں؟ فرمایا: کیوں نہیں! دو۔ مال کو بند کر کے نہ رکھو۔ مبادا خدا بھی اس کے دروازوں کو تم پر بند کر دے۔

اعمال اور اقوال کے فضائل متفرق حدیثیں

۲۲۷۔ مَنْ اَصْبَحَ الْیَوْمَ مِنْکُمْ صَائِمًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍؓ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ الْیَوْمَ مِنْکُمْ جَنَازَۃً قَالَ اَبُوْبَکْرٍؓ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مِسْکِیْنًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍؓ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْکُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍؓ اَنَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ رَجُلٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (مسلم)

تم میں سے آج کس نے روزہ رکھا۔؟ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا۔ میں نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج جنازے کے ساتھ تم میں سے کون گیا ہے؟ ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ میں (گیا تھا) پھر فرمایا آج تم میں سے مسکین کو کھانا کس نے کھلایا ہے؟ ابوبکرؓ نے کہا۔ (یارسول اللہ) میں نے (کھلایا ہے) آج تم میں سے مریض کی بیمار پرسی کس نے کی ہے؟ ابوبکرؓ نے عرض کیا (حضرت) میں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جس شخص میں یہ خوبیاں ایک ہی دن میں) جمع ہوں۔ سوائے اس کے (اس کا اجر) نہیں کہ وہ جنّت میں داخل ہو۔

۲۲۸۔ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ اَھْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ یُصَلُّوْنَ کَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ کَمَا نَصُوْمُ وَیَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ اَمْوَالِھِمْ قَالَ اَوَلَیْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مَا تَتَصَدَّقُوْنَ بِہٖ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃً وَّبِکُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ وَبِکُلِّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ وَبِکُلِّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَھْیٌ

بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ دولت مند ثواب (لوٹ) لے گئے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور اپنے فالتو مال میں سے صدقہ دیتے ہیں (وہ علاوہ)۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا۔ کیا تمھارے لیے خدا نے کوئی چیز میسر نہیں کی، جسے تم صدقہ کرو؟ بے شک ہر ایک دفعہ تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰہِ) پڑھنا صدقہ ہے اور ہر ایک بار (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہنا صدقہ ہے اور ہر ایک بار حمد (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) پڑھنا صدقہ ہے اور ہر ایک بار خدا کی وحدانیت کا (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر)

عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَفِي بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ - قَالُوْا يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَيَاتِي اَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَءَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ كَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ اَجْرٌ۔ مسلم والترمذی وَفِي رِوَايَةٍ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ اَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِرْشَادُ الرَّجُلِ الطَّرِيقَ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ اَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔

اقرار کرنا صدقہ ہے اور نیک کام کے لیے رہنمائی کرنا ہے اور بُرے کام سے منع کرنا صدقہ ہے اور (اپنی بیوی سے) ہمبستر ہونا صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی اپنی نفسانی ہوس کو پورا کرے تو وہ اُس کے لیے (کیونکر اجر کا موجب) ہو جاتا ہے؟ فرمایا تم دیکھتے نہیں۔ اگر وہ حرام کاری کرے تو اس پر اُس کا عذاب ہوتا ہے۔ صحابہ نے کہا۔ بے شک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس اگر اس نے حلال کارروائی کی۔ تو اس کے لیے وہ اجر کا موجب ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے بھائی سے ہنس کر بولنا صدقہ ہے اور کسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے اور رستے میں سے (اینٹ) پتھر، کانٹا اور ہڈی کو ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا صدقہ ہے۔

فِتنہ و اِختلاف وغیرہ

۲۲۹۔ اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ۔ (مسلم والترمذی)

فتنے اور اختلاف کے وقت عبادت کرنا ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔

۲۳۰۔ اِنَّ السَّعِيدَ مَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا۔ (ابو داؤد)

نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنے سے الگ رہے۔ اور جب مصیبت میں گرفتار آئے تو صبر کرے۔ واہ واہ۔

تلاوتِ قرآن مجید

۲۳۱۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔
(بخاری)

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔

۲۳۲۔ عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔
(احمد)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں اور باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی دنیا کے سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی جب کہ سورج کو اتنا قریب فرض کر لیا جائے کہ گویا تمھارے گھروں میں اُتر آیا ہے۔ پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ جب ماں باپ کا یہ مرتبہ ہوگا تو اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جس نے قرآن کریم پر عمل کیا۔

۲۳۳۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔
(ترمذی، دارمی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھے تو اس کو ایک حرف کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ میں الٓمٓ کو ایک حرف نہیں کہتا۔ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے۔ اور میم ایک حرف ہے۔

۲۳۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا۔
(ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو تو انھوں نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ توراۃ، انجیل اور زبور (یہاں تک کہ) قرآن میں اس کے مثل (کوئی دوسری سورت) نہیں نازل ہوئی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ وَمَنْ قَرَأَ یٰسٓ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِقِرَاءَتِہَا قِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ عَشَرَ مَرَّاتٍ۔ (ترمذی، دارمی)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر چیز کا دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے پس جو شخص سورۂ یٰسٓ کو پڑھے اس کے لیے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

۲۳۶ عَنْ عَطَاءِ بْنِ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّہَارِ قُضِیَتْ حَوَائِجُہٗ۔ (دارمی)

حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا دن کے شروع حصہ میں جو شخص سورۂ یٰسٓ کو پڑھے تو اس کی حاجتیں پوری کردی جاتی ہیں۔

۲۳۷۔ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْءٍ عَرُوْسٌ وَعُرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔ (بیہقی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور قرآن پاک کی زینت سورہ رحمٰن ہے۔

۲۳۸۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقْرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ (مسلم بخاری عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رات کے وقت تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ صحابہ رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپ نے فرمایا (پوری سورہ) قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲۳۹۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَاہَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَہُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِہَا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ قرآن کے ساتھ اعتنا کرو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اپنی رسی سے اونٹ نکل جانے کی بہ نسبت قرآن سینہ سے جلد نکل جاتا ہے۔

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عُبَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اِمْرِئٍ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ یَنْسَاہُ اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَجْذَمَ۔
(ابوداؤد، دارمی)

حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ... علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید پڑھے اور پھر اس کو بھول جائے۔ وہ قیامت کے دن خدا سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اعضا جذام کے سبب گل گئے ہوں گے۔

کتابُ الصَّوم

فضائلِ صوم

۲۴۱۔ صوم کا لاانتہا اجر اور اس کی فرحتیں :

(ابوھریرۃ) رفعہ : کل عمل ابن اٰدم یضاعف الحسنۃ عشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف قال اللہ تعالیٰ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ یدع شھوتہ وطعامہ من اجلی للصائم فرحتان فرحۃ عند فطورہ وفرحۃ عند لقاء ربہ ولخلوف فیہ اطیب عند اللہ من ریح المسک۔ (للستۃ)

ابن آدم کی ہر ہر نیکی دس گنا بڑھا دی جاتی ہے اور سات سو گنے تک اضافہ جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ اس کلیے سے روزہ مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ یہ خالص میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کا صلہ دیتا ہوں، کیونکہ روزے دار محض میری خاطر اپنی خواہشات کو ترک کرتا ہے، کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ روزے دار کے لیے دو فرحتیں ہیں، ایک جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور ایک سے اس وقت بہرہ مند ہوگا۔ جب اپنے رب کے حضور پیش ہوگا، اور اس کے منہ کی بُو، اللہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔

۲۴۲۔ صوم سپر بھی ہے بشرطیکہ شگاف نہ ڈالا جائے :

(ابوعبیدۃ) رفعہ : الصوم جُنَّۃٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا وَذَا دَفِیْ الاوسط قیل بِمَ یخرقھا؟ قال بکذب اوغیبۃ۔

روزہ اُس وقت تک سپر ہے جب تک کہ کوئی اس میں شگاف نہ پیدا کرے (اوسط میں اس کے بعد ہے کہ) دریافت کیا گیا۔ اس میں شگاف کیسے پڑتا ہے؟ فرمایا: جھوٹ اور غیبت سے۔

۲۴۳ ۔ باب الریّان :

(سہل بن سعدؓ) رفعہ : فی الجنۃ باب یدعی الریان یدعی لہ الصائمون فمن کان من الصائمین دخلہ ومن دخلہ لم یظما ابداً ۔ (شیخین)

جنّت میں ایک دروازہ ہے ، جس کا نام باب الرّیان (ریان کے معنی سیراب) ہے ۔ اس لئے صرف روزے دار ہی بلائے جائیں گے ۔ جو روزے دار ہوگا وہی اس دروازے سے داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہوگا اُسے کبھی تشنگی نہ ہوگی

۲۴۴ ۔ روزہ کھلوانے کا اجر :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : من فطّر صائما کان لہ مثل اجرہ غیر انہ لا ینقص من اجر الصائم شیئا ۔ (ترمذی)

جو کسی صائم کا روزہ کھلوائے گا اس کے لیے روزے ہی جیسا اجر ہوگا اور روزے دار (جس کا روزہ کھلوایا ہے) کے اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی ۔

۲۴۵ ۔ روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے اور نصف صبر :

(ابوھریرۃؓ) لکل شئی زکوٰۃ وزکوٰۃ الجسد الصوم والصیام نصف الصبر (قزوینی)

ہر شے کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے اور روزے نصف صبر ہیں ۔

۲۴۶ ۔ طاعم شاکر اور صائم صابر یکساں ہیں :

(سنانؓ بن سنۃ الاسلمی) رفعہ : الطاعم الشاکر لہ مثل اجر الصائم الصابر ۔ (قن وبیہقی)

کھا کر شکر کرنے والا بھی ایسا ہی ہے جیسے روزہ رکھ کر صبر کرنے والا ۔

مساجد

۲۴۷ ۔ مَن بَنیٰ مَسجِداً یَبتَغِیْ بِہٖ وَجہَ اللّٰہِ تَعَالیٰ بَنَی اللّٰہُ تَعَالیٰ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ ۔ (شیخان وترمذی)

جس نے مسجد تعمیر کی اس غرض سے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرے اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنّت میں گھر بنا دیتا ہے ۔

۲۴۸۔ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُجُوْرُ اُمَّتِیْ حَتّٰی الْقَذَاۃُ یُخْرِجُھَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ (ابوداؤد والترمذی)

میری اُمّت کے ثواب مجھے دکھائے گئے۔ ان میں سے خس و خاشاک (کا) بھی تھا۔ جو آدمی مسجد سے نکالتا ہے۔

ہبہ و وصیّت!

۲۴۹۔ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَتَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَأْمَلُ الْغِنٰی وَتَخْشَی الْفَقْرَ وَلَا تَدَعُ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ۔ (الخمسۃ الا الترمذی)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ کونسا صدقہ سب سے اچھا ہے؟ فرمایا۔ وہ صدقہ جو تو اس وقت دے کہ تو تندرست ہو اور مالدار رہنے کی خواہش رکھتا ہو۔ اور مفلسی سے ڈرتا ہو اور صدقہ دینے میں توقف نہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا دم حلق میں آجائے، اور تو کہے فلانے کو اتنا دینا۔ حالانکہ وہ فلانے (وارث) کا ہو چکا۔

کتابُ الحج

۲۵۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ اَفِیْ کُلِّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَوْ قُلْتُھَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِھَا وَلَمْ تَسْتَطِیْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّۃٌ فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔ (احمد، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اے لوگو! خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ فرمایا اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال حج فرض ہو جائے اور اگر ہر سال فرض ہو جائے تو تم اُسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے حج پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور جو شخص اس سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

۲۵۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول کریم

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔ (ابوداؤد، دارمی)

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو پھر جلد اس کو پورا کرے۔

۲۵۲۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کو یکے بعد دیگرے ادا کرو (یعنی قران کا احرام باندھو یا بالفعل دونوں کو متصلاً کرو) اس لیے کہ یہ دونوں افلاس اور گناہوں کو اس طرح دُور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کی میل کو دُور کر دیتی ہے اور حج مقبول کا بدلہ صرف جنّت ہے۔

۲۵۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادہ سے نکلا اور پھر راستہ ہی میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ہمیشہ کے لیے مجاہد، حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

۲۵۴۔ عَنْ اَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا بوڑھا باپ اتنا کمزور ہے کہ حج و عمرہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ سواری پر سفر کرنے کی اس میں قوت ہے تو آپ نے فرمایا: تُو اپنے باپ کی طرف سے حج و عمرہ کر لے۔

۲۵۵۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی (اور نذر پوری کرنے سے پہلے) وہ مر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا اس کو ادا کرتا؟

دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ اللهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ ۔
(بخاری، مسلم ۔)

اس نے عرض کیا ہاں ۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر خدائے تعالیٰ کا فرض بھی ادا کر کہ اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے ۔

۲۵۶ ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرَنَّ اِمْرَاَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ ۔
(بخاری، مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے ہرگز سفر نہ کرے (چاہے وہ حج ہی کا سفر کیوں نہ ہو)۔

۲۵۷ ۔ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔
(پارہ ۴ ۔ رکوع ۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو شخص زاد راہ اور بیت اللہ شریف تک پہنچا دینے والی سواری کے مصارف کا مالک ہو اور پھر اس نے حج نہیں کیا تو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے میں کوئی فرق نہیں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر فرض ہے جب کہ حج کے تمام ضروری مصارف کا مالک ہو ۔

روزے کے متعلق چند خاص باتیں

۲۵۸ ۔ ایک ہی فتویٰ سب کے لیے نہیں ہوتا ۔ احوال و ظروف کا فرق ملحوظ رہنا چاہیئے :

(ابو هریرةؓ) ان رجلا سأل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه آخر فسأله فنهاه فاذا الذى رخص له شيخ واذا الذى نهاه شاب ۔ ابوداؤد)

ایک شخص نے روزے میں بیوی کو چمٹانے کے متعلق دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی ۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو اسے منع فرما دیا ۔ بات یہ تھی کہ جسے اجازت دی وہ بوڑھا تھا اور اس سے مواصلت کا خطرہ نہ تھا اور جسے روکا وہ جوان تھا اور اس سے اندیشہ تھا کہ اس آغاز کا انجام فساد صوم ہو)۔

۲۵۹۔ صورت افطار کی مگر روح صوم کی ہو سکتی ہے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: من نسی وھو صائم فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ۔
(شیخین، ابو داؤد، ترمذی)

جو شخص روزے میں بھولے سے کھا پی لے وہ اپنے روزے کو (اس دن) پورا کرلے۔ اسے تو اللہ ہی نے کھلا پلا دیا (یعنی ایسی غلطی سے روزہ نہیں ٹوٹتا)

۲۶۰۔ معنیٰ افطار اور صورۃ صوم:

(ابن عمرؓ) رفعہ: ربّ صائم حظہ من صیامہ الجوع والعطش ورب قائم حظہ من قیامہ السھر (کبیر)

بہتیرے روزے دار ایسے ہیں جن کے روزے کا ماحصل صرف بھوک پیاس ہوتی ہے اور بہتیرے شب بیدار ایسے ہیں جن کی شب بیداری کا حاصل فقط رت جگا ہوتا ہے۔

۲۶۱۔ دوسرے کو تکلیف دے کر روزہ نہ رکھا جائے:

(عائشہؓ) رفعتہ: من نزل لقوم فلا یصوم الا باذنھم (ترمذی واکثر)

جو شخص کسی کے گھر میں ٹھہرے تو ان کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ (یہ حکم نفل روزوں کے بارے میں ہے)

۲۶۲۔ "یوم عاشوراء کا روزہ":

(ابن عباسؓ) قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فرأی الیھود تصوم عاشوراء فقال ما ھذا؟ قالوا یوم صالح نجی اللہ فیہ موسیٰ وبنی اسرائیل من عدوھم فصامہ فقال انا احق بموسیٰ منکم فصامہ وامر بصیامہ۔ (شیخین، ابو داؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ یہود عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا: یہ کیسا روزہ ہے؟ کہنے لگے: یہ مبارک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن (آلِ فرعون) سے نجات دی تھی اور جناب موسیٰؑ نے روزہ رکھا تھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہم موسیٰؑ کے حق دار تم سے زیادہ ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا۔

۲۶۳ - ظاہراً افطار اور حکماً روزہ: (روزے داروں کا احترام :

سلمة بن الاكوع) ان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم امر رجلا من اسلم ان اذن فى الناس من كان اكل فليصم فان اليوم يوم عاشوراء - (شيخين، نسائى)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اسلمی شخص کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ جس شخص نے کچھ کھا لیا ہے، وہ بقیہ دن روزے میں گزارے اور جس نے نہیں کھایا ہے۔ وہ پورا روزہ رکھے کیونکہ آج عاشورے کا دن ہے۔ (آپ کا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں)

۲۶۴ - حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان میں رکھے :

(ابن عباسؓ) ما صام رسول الله صلّى الله عليه وسلّم شهرًا كاملا قط غير رمضان وكان يصوم حتى يقول القائل لا والله مايفطر ويفطر حتى يقول القائل لا والله مايصوم.

(شيخين، نسائى)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے بجز رمضان کے پورے مہینے کے روزے کبھی نہیں رکھے۔ جب روزے رکھنا شروع کرتے تو دیکھنے والا یہ کہنے لگتا کہ: بخدا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم افطار (ترک صوم) نہیں فرمائیں گے۔ اور جب افطار فرماتے تو دیکھنے والا یہ کہنے لگتا کہ بخدا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنا نہیں شروع کریں گے۔

۲۶۵ - صائم الدھر ہونے سے بچو :

(مسلم القرشى) سألت او سئل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن صيام الدهر فقال ان لاهلك عليك حقًا فصم رمضان والذى يليه وكل اربعاء وخميس فاذًا انت قد صمت الدهر كله (ترمذى)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے صوم دہر (ساری عمر روزہ رکھنا) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ: تمہارے اوپر تمہارے بال بچوں وغیرہ کا بھی حق ہے۔ بس رمضان کے روزے رکھو اور جو اس سے متصل ہوں۔ (یعنی شش عید) نیز ہر چہار شنبے اور جمعرات کو روزہ رکھ لو، تو یہ صوم الدھر کے برابر ہو جائے گا۔

۲۶۶۔ جنگ کے موقعے پر روزۂ رمضان نہ رکھنا چاہیے:

(ابو سعیدؓ) بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح مر الظہران فآذنا بلقاء العدو فامرنا بالفطر فافطرنا اجمعین۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سال فتح (جس میں مکہ فتح ہوا) مر الظہران پہنچے، تو ہم لوگوں کو دشمن سے مڈبھیڑ کرنے کا حکم دیا، نیز روزہ چھوڑ دینے کا بھی حکم دیا چنانچہ ہم سب نے روزہ چھوڑ دیا۔

۲۶۷۔ خدمتِ خلق، روزہ رکھنے سے زیادہ ثواب ہے:

(انسؓ) کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر فمنا الصائم ومنا المفطر منزلا فی یوم حار اکثرنا ظلا صاحب الکساء فمنا من یتقی الشمس بیدہ فسقط الصوام وقام المفطرون فضربوا الابنیۃ وسقوا الرکاب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذھب المفطرون الیوم بالاجر۔ (شیخین، نسائی)

ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم میں کچھ روزے سے تھے اور کچھ افطار سے۔ ہم لوگوں نے بڑے گرم دن میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ زیادہ سائے میں وہ لوگ تھے جن کے پاس کپڑا تھا، اور کچھ ایسے تھے جو دھوپ سے بچاؤ کے لیے اپنا ہاتھ استعمال کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روزے دار (غش کھاکر) گرنے لگے اور بے روزہ لوگوں نے اٹھ کر سائبان وغیرہ کھڑے کیے اور اونٹوں کو باندھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آج کا ثواب بے روزہ لوگوں نے لوٹ لیا۔

۲۶۸۔ سفر میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے:

(جابرؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فرأی رجلا قد اجتمع الناس علیہ وقد ظلل علیہ فقال مالہ؟ فقالوا رجل صائم فقال لیس البر ان تصوموا فی السفر۔ (شیخین، ابو داؤد، نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُس کے گرد جمع ہیں اور اس پر سایہ کیا جا رہا ہے۔ پوچھا: اسے کیا ہوگیا ہے؟ بولے: ایک روزہ دار آدمی ہے۔ فرمایا کہ بسفر میں روزہ رکھنے میں نیکی نہیں۔

(تاہم اگر کسی تکلیف کا اندیشہ نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے)

۲۶۹۔ کسی جان کا خیال روزے سے زیادہ ضروری ہے:

(انس بن مالکؓ من بنی عبداللہ بن کعب رفعه: ان الله وضع شطر الصلوٰة عن المسافر وارخص له في الافطار وارخص فيه للمرضع والحبلى اذا خافتا على ولديهما۔ (اصحاب سنن)

اللہ تعالیٰ نے مسافر پر آدھی نماز (کی رکعتیں) معاف فرما دی ہیں اور روزہ کھولنے کی اجازت دی ہے نیز بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو دودھ پلانے والی اور حاملہ کو بھی روزے کی رخصت دی ہے۔

۲۷۰۔ روزے میں قوتِ برداشت کا لحاظ ضروری ہے:

(ابو سعیدؓ) كنا نسافر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنا الصائم ومنا المفطر فلا يجد المفطر على الصائم ولا الصائم على المفطر وكانوا يرون انه من وجد قوة فصام فحسن ومن وجد ضعفا فافطر فحسن۔

(مسلم، اصحاب سنن)

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تو ہم میں روزے دار بھی ہوتے اور مفطر (بے روزہ) بھی۔ لیکن نہ مفطر روزہ دار سے ناخوش ہوتا تھا اور نہ روزہ دار مفطر سے۔

۲۷۱۔ میت کی طرف سے ولی بھی روزے رکھ سکتا ہے:

(عائشۃ) رفعته: من مات وعليه صوم صام عنه وليّه۔

(شیخین، ابو داؤد)

جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزہ ہو تو اس کی طرف سے اُس کا ولی روزہ رکھ لے۔

۲۷۲۔ ولی صومِ نذر کو میت کی طرف سے ادا کرے:

(ابن عباسؓ) قالت امرأة يا رسول الله ان امي ماتت وعليها صوم نذر أفاصوم عنها؟ قال أرأيت لو كان على امك

ایک عورت نے کہا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں مر گئی اور اس کے ذمے منت کا روزہ تھا، تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھ لوں؟ فرمایا کہ: اگر تیری

...ين تنسيه أكان يؤدى ذلك عنها؟ قالت نعم قال فصومى عن امك (للستة الا مالكا)

...ماں پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کر دیتی تو یہ اس کی... سے ادا ہو جاتا یا نہیں؟ عرض کیا: ہاں ہو جاتا۔ فرمایا، پھر اپنی ماں کی طرف سے روزہ بھی رکھ لے۔

مدینہ طیبہ کی حاضری

۲۷۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی۔ (دارقطنی، بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔

۲۷۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَآءَنِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (دارقطنی۔ طبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو میری زیارت کے لیے آیا سوائے میری زیارت کے اور کسی حاجت کے لیے نہ آیا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں۔

۲۷۵۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (دارقطنی، طبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہے جیسے میری حیات (دنیوی) میں زیارت سے مشرف ہوا۔

کتاب الحج

۲۷۶۔ پاکیزہ حج کب ہوتا ہے؟:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم

جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی شہوانی اور فسق کی بات نہ کرے تو وہ اس طرح لوٹ کر آتا ہے جیسے

ولدته امه - (للستة الا ابا داود)

آج ہی اُس کی ماں نے جنا ہو۔

۲۷۷: آغاز کار کے بعد موت مانع اجر نہیں:

(ابوھریرۃؓ) رفعه: من خرج حاجًا فمات كتب له اجر الحاج، الى يوم القيامة ومن خرج غازيا فمات كتب له اجر الغازي - (اوسط)

جو شخص حج کے لیے نکلے اور راستے میں مر جائے اُس کے لیے حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو غازی بن کر نکلے اور راستے میں مر جائے اس کے لیے غازی ہی کا اجر لکھا جائے گا

۲۷۸۔ حائض کا حج کس طرح ہو؟:

(ابن عمرؓ) قال الحائض تهل بالحج والعمرة وتشهد المناسك كلها غير انها لا تطوف بالبيت ولا بين الصفا والمروة ولا تقرب المسجد حتى تطهر - (مالك)

حائض عورت حج کا اہلال کر کے تمام مناسک ادا کر سکتی ہے، بجز اس کے کہ طواف کعبہ اور سعی بین الصفا و المروہ نہ کرے اور مسجد میں پاک ہوئے بغیر نہ جائے۔

خطبۂ حج

۲۷۹۔ دوسروں کو دھکا دے کر حجرِ اسود کو چومنا:

(ابن عوفؓ) سمعت رجلا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمر يا ابا حفص انك فيك فضل قوة فلا تؤذ الضعيف اذا رأيت الركن خلوا فاستلم والا كبّر وامض قال سمعت عن الفضل الرجل لا تؤذ الناس بفضل قوتك - (رزين)

میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ: اے ابو حفص! تمہارے اندر کچھ قوت و زور زیادہ ہے۔ اس لیے کمزوروں کو ایذا نہ دینا، بلکہ جب رکن خالی دیکھو، تو حجرِ اسود کو بوسہ دو۔ ورنہ تکبیر کہہ کے گزر جاؤ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت فضلؓ کو ایک شخص سے یہ کہتے سنا کہ دیکھو اپنے زائد زور کی وجہ سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

۲۸۰ - طواف بھی نماز ہی کی ایک شکل ہے :

(ابن عباسؓ) رفعه : الطواف حول البيت مثل الصلاة إلا أنكم تتكلمون فيه فمن تكلم فيه فلا يتكلم إلا بخير - (ترمذی)

بیت اللہ کے گرد طواف کرنا بھی نماز ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ طواف میں گفتگو بھی کر سکتے ہو۔ لہٰذا جو بھی گفتگو کرے وہ کلمہ خیر ہی کہے۔

۲۸۱ - کنکریاں چُننے میں بھی غلو سے بچو :

(ابن عباسؓ) قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غداة العقبة وهو علی راحلته هات القط لی فلقطت له حصيات من حصى الخذف فلما وضعتهن فی يده قال بأمثال هؤلاء وإياكم والغلو فی الدين فإنما هلك من كان قبلكم بالغلو فی الدين - (نسائی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (بموقعہ حج) عقبہ کی صبح کو مجھ سے فرمایا کہ : آؤ میرے لیے بھی کنکریاں چُن لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سواری پر تھے۔ میں نے چند کنکر کے روڑے چُن لیے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رکھ دیئے تو فرمایا : اتنے بڑے بڑے نہیں بلکہ ان جیسے (یعنی چھوٹے چھوٹے) پھر فرمایا کہ : دین میں غلو سے بچو! گزشتہ اُمتیں غلو فی الدین ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

۲۸۲ - رسمِ حج کی اصلی رُوح :

(ابن عباسؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للفضل ابن اخی ان هذا يوم من ملك فيه سمعه وبصره ولسانه غفر له - (شیخین، نسائی)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل سے (بموقعہ حج) فرمایا : اے برادرزادے! آج وہ دن ہے کہ جو شخص اپنے کان، آنکھ اور زبان پر قابو پالے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

قُربانی

۲۸۳ صلۂ رحمی عید الاضحیٰ کی قُربانی سے زیادہ افضل ہے :

(ابن عباسؓ) رفعه : فی يوم اضحی ما عمل

قربانی کے دن قربانی سے زیادہ افضل انسان کا

ذی فی ھذا الیوم افضل من دم یھراق الا ان یکون رحما یوصل۔ (کبیر بلین)

اور کوئی کام نہیں، لیکن صلۂ رحمی اس سے بھی افضل ہے۔

حلال وحرام جانور

۲۸۴۔ حرام جانوروں کے لیے قاعدۂ کلیّہ:

(خالد بن ولیدؓ) رفعہ: حرام علیکم حمر الاھلیۃ دخلیھا وبغالھا وکل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر۔ (نسائی، ابوداؤد)

تم پر پالتو گدھا حرام ہے خواہ وہ اصلی ہو یا خچر۔ نیز ہر ذی ناب (سامنے کے چار دانتوں کے ادھر اُدھر جو نوکیلے دانت ہوتے ہیں۔ انہیں ناب کہتے ہیں۔ یہ اوپر نیچے کے چار دانت صرف گوشت خور جانوروں کے ہوتے ہیں) درندہ اور ہر ذی مخلب (مخلب اس چنگل کو کہتے ہیں جس سے پرندہ اپنے شکار کو پکڑتا ہے) پرندہ بھی حرام ہے۔

قربانی

۲۸۵۔ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ۔ (احمد، ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا اس سے ہم کو ثواب ملے گا؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے عرض کیا اور اون یارسول اللہ! تو آپؐ نے فرمایا کہ اون کے ہر بال میں بھی ایک نیکی ملے گی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قربانی کے ایام میں ابن آدمؑ کا کوئی عمل خدا تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں۔ اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدائے تعالیٰ کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔

۲۸۷۔ عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ (ابوداؤد)

حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو دو دنبے ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں حضورؐ کی جانب سے قربانی کروں۔ تو میں (دوسرا دنبہ حضورؐ کی جانب سے) قربانی کر رہا ہوں۔

۲۸۸۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَّجَدَ سَعَةً وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔

۲۸۹۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهٖ وَاَظْفَارِهٖ۔ (مسلم)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب تم بقرعید کا چاند دیکھو اور تم میں کا کوئی قربانی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ بال منڈانے ترشوانے اور ناخن کٹوانے سے رُکا رہے۔

قسم

۲۹۰۔ مضر قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیے:

(عبد الرحمٰن بن سمرہؓ) رفعہ: اذا

اگر کوئی شخص کسی غلط بات پر قسم کھا لے اور بہتری اسے

حلف احدکم علی یمین فرأی غیرھا خیراً منھا فلیکفر عن یمینہ ولیفعل الذی ھو خیر (للستۃ الا مالکا، بلفظ نسائی)

ختم کر دینے میں ہو تو وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور وہی کام کرے جو بہتر ہو۔

منّت

۲۹۱۔ منّت ماننے کے دو پہلو:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئًا وانّما یستخرج بہ من البخیل (للستۃ الا مالکا بلفظ مسلم)

(ہر ذرا سی بات پر) منّت ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ منّت تقدیر کو نہیں بدلتی، البتہ بخیل کی جیب سے کچھ نکلوا لیتی ہے۔

۲۹۲۔ لایعنی منّت کو پورا نہ کرنا چاہیئے:

(ابن عباسؓ) بینما النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم یخطب اذھو برجل قائم فسأل عنہ فقال ھذا ابو اسرائیل نذر ان یقوم فی الشمس ولا یقعد ویصوم ولا یفطر نھارہ ولا یستظل ولا یتکلم فقال مروہ فلیستظل ولیقعد ولیتکلم ولیتم صومہ۔ (بخاری، ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی پر نظر پڑی جو کھڑا تھا۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: یہ ہے ابو اسرائیل، اس نے منّت مانی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا بھی نہیں اور سارا دن روزہ رکھ کر بھی افطار نہیں کرے گا اور سائے میں نہیں آئے گا اور کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: اس سے کہو کہ سائے میں آ جائے اور بیٹھے اور گفتگو کرے اور روزہ پورا کر لے۔

۲۹۳۔ ناقابلِ برداشت منّت میں ترمیم:

(عقبۃ بن عامرؓ) نذرت اختی ان

میری بہن نے یہ منّت مانی کہ پیدل ہی بیت اللہ کا

مشي الى بيت الله حافية فامرتني ان استفتي لها النبي صلى الله عليه وسلم فاستفتيته فقال لتمش ولتركب۔ (السنة)

سفر کرے گی۔ اس نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کرنے کو کہا۔ میں نے دریافت کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسے پیدل بھی چلنا چاہیئے اور سواری پر بھی۔

۲۹۴۔ قسم اور نذر کہاں غلط ہے:

(ابن المسیبؒ) ان اخوين من الانصار كان بينهما ميراث فسأل احدهما اخاه القسمة فقال له الآخر ان عدت تسألني القسمة فكل مالي في رتاج الكعبة ولا اكلمك فعاد يسأله فاتى عمر فقال له ان الكعبة لغنية عن مالك كفر عن يمينك وكلم اخاك سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يمين عليك ولا نذر في معصية الرب ولا في قطيعة الرحم ولا فيما لا تملك۔ (ابوداؤد)

دو انصاری بھائی تھے جن کی میراث مشترک تھی۔ ایک نے کہا کہ میرا حصّہ الگ کر دو، اس نے جواب میں کہا: اگر تم نے دوبارہ یہ مطالبہ کیا، تو میرا یہ سارا مال کعبے کی ملکیت ہو جائے گا اور میں تجھ سے کبھی گفتگو نہ کروں گا۔ اُس نے دوبارہ پھر اپنا مطالبہ پیش کیا اور معاملہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ: کعبہ تمہارے مال سے بےنیاز ہے۔ تم اپنی قسم کا کفّارہ ادا کرو اور اپنے بھائی سے گفتگو کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ معصیت الٰہی میں اور قطع رحمی میں اور غیر مملوکہ چیز میں تم پر نہ کوئی قسم ہے اور نہ کوئی نذر۔

(یعنی ایسی چیزوں پر نہ قسم صحیح ہے نہ ایسی چیزوں کے متعلق کوئی منّت ماننا)

۲۹۵۔ کسی کا دل رکھنے کے لیے ایفائے نذر کی اجازت:

(عمرو بن شعیبؓ عن ابيه عن جده) ان امرأة قالت يارسول الله اني نذرت اذا[illegible]

ایک عورت نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے منّت مانی تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے سے صحیح سلامت واپس تشریف

...ت عنز وتلك هـذه سالمًا غانمًا ان اضرب على رأسك بالدف فقال ان كنت نذرت فاوفي بنذرك والا فلا - (ابوداؤد)

...لے آئیں گے تو میں آپ کے سر پر کھڑے ہو کر دف بجاؤں گی۔ فرمایا: اگر تو نے یہ منت مانی ہے تو آ... پوری کرلے ورنہ رہنے دے۔

عقیقہ

۲۹۶- عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِقُوْا عَنْهُ دَمًا۔ (بخاری شریف)

حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے (کی پیدائش) کے ساتھ عقیقہ ہے۔ لہٰذا اس کی جانب سے جانور ذبح کرو۔

۲۹۷- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عقیقہ ایک ایک مینڈھے سے کیا۔ (ابوداؤد) اور امام نسائی کی روایت میں دو دو مینڈھے کا ذکر ہے۔

۲۹۸- عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ) سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص کے کوئی اولاد پیدا ہوئی، پھر اس نے اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہا تو وہ لڑکے کی جانب سے دو بکری اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔

کتاب الجہاد

سرحد کی حفاظت !

۲۹۹۔ حفاظت سرحد کی فضیلت :

(عثمانؓ) رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الف یوم فیما سواہ من المنازل۔ (نسائی، ترمذی بلفظہ)

..... سرحد پر فی سبیل اللہ ایک دن گزارنا دوسری جگہوں پر ہزار دن گزارنے سے بہتر ہے۔

ایضاً :

(سلمانؓ) رفعہ: رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من صیام شهر وقیامہ ومن مات مرابطا وقی من فتنۃ القبر ونماله عملہ الی یوم القیامۃ۔ (مسلم، نسائی، ترمذی بلفظہ)

سرحد پر فی سبیل اللہ ایک دن گزارنا پورے مہینے کی روزہ داری و شب بیداری سے افضل ہے۔ جو شخص حفاظتِ سرحد کی حالت میں مرجائے وہ آزمائش قبر سے بچا رہے گا اور اس کا یہ عمل تاقیامت پھلتا پھولتا رہے گا۔

۳۰۰۔ سمندری سرحد کا پہرہ :

(انسؓ) رفعہ: من حرس لیلۃ علی ساحل البحر کان افضل من عبادتہ فی اھلہ الف سنۃ۔ (موصلی مبلین)

جو ساحل بحر پر ایک رات پہرہ دے وہ (پہرہ) اہل وعیال میں رہ کر ہزار سال عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

۳۰۱۔ جہاد سے واپسی :

(ابن عمرو بن العاصؓ) رفعہ، قفلۃ

فی سبیل اللہ جہاد سے واپس آنا بھی

...سبیل اللہ کغزوۃ ۔ (ابوداؤد)

جہاد ہی ہے ۔

تساہل

۲۰۲ - غزوے میں تساہل کرنے کا اثر :

(معاذ بن انسؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث غزواً فتأخر رجل حتی صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم واتاہ یودعہ ویدعولہ فقال لہ تدری بکم سبقک اصحابک؟ قال نعم سبقونی الیوم بغدوتہم فقال والذی نفسی بیدہ لقد سبقوک بابعد ما بین المشرقین والمغربین فی الفضیلۃ۔

(احمد بلین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ایک شخص پیچھے رہ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرکے رخصت ہونے اور دعا لینے کے لیے آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تمھیں علم ہے کہ تمھارے ساتھی تم سے کتنا آگے نکل گئے؟ عرض کیا: ہاں آج صبح ہی تو وہ گئے ہیں۔ فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے جتنا فرق مشرقین اور مغربین میں ہے اس سے بھی زیادہ فرق کے ساتھ فضیلت میں وہ تم سے آگے نکل گئے ہیں۔

مرنا یا زخمی ہونا

۲۰۳ - راہِ خدا میں مرنے اور زخمی ہونے کی قیمت :

(معاذ بن جبلؓ) رفعہ: من قاتل فی سبیل اللہ فواق ناقۃ وجبت لہ الجنۃ ومن سأل اللہ القتل فی سبیل اللہ صادقاً من نفسہ ثم مات او قتل فان لہ اجر شہید ومن جُرح جرحا فی سبیل اللہ او نکب نکبۃ فانہا تجیٔ

جو فی سبیل اللہ تھوڑی سی دیر بھی جنگ کرے اس کے لیے جنّت ضروری ہے اور جو صدقِ دل سے راہِ خدا میں شہادت کی دُعا کرے اُس کے بعد خواہ وہ اپنی موت سے مرے یا قتل کیا جائے اس کے لیے شہید ہی کا اجر ہوگا۔

اور جو راہِ خدا میں ہتھیار یا پتھر سے زخمی ہوگا، تو اُس

يوم القيامة كهيئتها اذ جرحت تغرما كانت لونها لون الزعفران وريحها ريح المسك ومن خرج به خراج فى سبيل الله فان عليه طابع الشهداء۔ (اصحاب سنن)

کا زخم بروزِ حشر زعفرانی رنگ سے زیادہ شوخ ہو اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ اور جسے راہِ خدا میں پھوڑا نکل آئے اس پر شہید کی مہر لگ گئی۔

۳۰۴۔ جہاد کی بنیاد اور تمنائے نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام):

(ابوھریرۃؓ) رفعه: تضمن الله لمن خرج فى سبيله لا يخرجه الا جهاد فى سبيلى وايمان بى وتصديق برسلى فهو على ضامن ان ادخله الجنة اوارجعه الى مسكنه الذى خرج منه نائلا مانال من اجر وغنيمة والذى نفس محمد بيده مامن كلم يكلم فى سبيل الله الا جاء يوم القيمة كهيئته يوم كلم لونه لون دم وريحه ريح مسك والذى نفس محمد بيده لولا ان يشق على المسلمين ما قعدت خلاف سرية تغزوا فى سبيل الله ابدا ولكن لا اجد سعة فاحملهم ولا يجدون سعة ويشق عليهم ان يتخلفوا عنى والذى نفس محمد بيده لوددت ان اغزو فى سبيل الله فاقتل ثم اغزو فاقتل ثم اغزو فاقتل۔ (شیخین، موطا، نسائی)

جو شخص فی سبیل اللہ جہاد کے لیے نکلے اور اُسے باہر نکالنے والی چیز صرف جہاد فی سبیل اللہ، ایمان باللہ اور تصدیق بالرسل ہو، اس کا اللہ تعالیٰ ضامن ہو جاتا ہے۔ یا تو اُسے جنت میں داخل کرے یا اُسے وہاں واپس لے آئے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ خواہ وہ اجر لے کر لوٹے یا حصہ غنیمت لے کر۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے جس شخص کو راہِ خدا میں کوئی زخم لگے گا وہ قیامت کے دن اُسی زخمی حالت میں حاضر ہوگا۔ اس کا رنگ تو خون کی طرح سرخ ہوگا، لیکن خوشبو مشک جیسی ہوگی، اور قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر مسلمانوں پر شاق نہ ہوتا تو میں کسی جہاد فی سبیل اللہ کرنے والی جماعت کے پیچھے نہ رہتا، لیکن اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ میں انھیں تیار کروں۔ ورنہ اگر وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں گے، تو انھیں شاق گزرے گا۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ راہِ خدا میں جنگ کرتے کرتے مارا جاؤں۔ پھر زندہ ہو کر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہو کر قتال کرتا ہوا شہید کیا جاؤں۔

۳۰۵۔ دو قسم کی آنکھیں آگ سے محفوظ رہیں گی:

(ابن عباسؓ) رفعه: عينان لا تمسهما النار

دو قسم کی آنکھیں ایسی ہیں جن کو آگ نہیں چھوئے گی۔

عین بکت من خشیة اللّٰہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللّٰہ ۔ (ترمذی)

ایک وہ آنکھ جو خوفِ الٰہی سے روئے اور دوسری وہ جو شب کو فی سبیل اللّٰہ پہرہ دے۔

۳۰۶ ۔ درجاتِ جنّت اور جہاد :

(ابوسعیدؓ) رفعہ: من رضی باللّٰہ ربّا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا وجبت لہ الجنة فعجب لھا ابوسعید فقال اعدھا علی یارسول اللّٰہ فاعادھا علیہ ثم قال واخری یرفع اللّٰہ بھا العبد مائة درجة فی الجنة ما بین کل درجتین کما بین السماء والارض قال وماھی یارسول اللّٰہ ۔ ؟ قال الجھاد فی سبیل اللّٰہ الجھاد فی سبیل اللّٰہ الجھاد فی سبیل اللّٰہ ۔ (مسلم، نسائی)

جو شخص خوش دلی کے ساتھ اللّٰہ کو رب، اسلام کو نظامِ زندگی اور محمد (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کو رسولؐ مان لے۔ اس کے لیے جنّت ضروری ہے ۔ ابوسعید یہ سُن کر متعجب ہوئے اور عرض کیا: دوبارہ ارشاد ہو۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا کہ: ایک چیز ایسی بھی ہے، جس کی وجہ سے اللّٰہ بندے کے سو درجے جنّت میں بلند کرتا ہے اور ہر دو درجے کے درمیان بلندی کا اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ ابوسعیدؓ نے عرض کیا کہ: وہ کیا چیز ہے یا رسول اللّٰہؐ؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللّٰہ، جہاد فی سبیل اللّٰہ، جہاد فی سبیل اللّٰہ ۔

۳۰۷ ۔ جنّت کہاں ہے ؟

(ابوموسیٰؓ) رفعہ: الجنّة تحت ظلال السیوف (مسلم، ترمذی)

جنّت تلوار کے سائے تلے ہے ۔

۳۰۸ ۔ راہِ خدا میں تیر چلانا :

(ابوھریرةؓ) رفعہ: من رمی بسھم فی سبیل اللّٰہ کان لہ نورا لیوم القیامة ۔ (بزار)

جو راہِ خدا میں ایک تیر چلائے وہ اس کے لیے قیامت کے دن نُور بن جائے گا۔

۳۰۹ ۔ جہاد صرف قتال نہیں :

(زید بن خالدؓ) رفعہ: من جھز

جو کسی غازی کا سامانِ جہاد مہیّا کرے، وہ بھی

غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا ومن خلف غازیا فی اھلہ بخیر فقد غزا - (للستۃ الا مالکا)
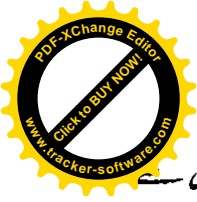
غازی ہے اور جو کسی غازی کے بال بچوں کی عمدگی سے رکھوالی کرے وہ بھی غازی ہے۔

۳۱۰ - مجاہد کی تیاری :

(ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) رفعہ: للغازی اجرہ وللجاعل اجرہ واجر الغازی (ابو داؤد)

غازی کے لیے تو ایک ہی اجر ہے اور مجاہد تیار کرنے والے کے لیے تیاری اور جہاد دونوں کا اجر ہے۔

۳۱۱ صحیح مجاہد کی شان :

(ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ: طوبی لعبد اخذ بعنان فرسہ فی سبیل اللہ اشعث رأسہ مغبرۃ قدماہ ان کان فی الحراسۃ کان فی الحراسۃ وان کان فی الساقۃ کان فی الساقۃ ان استأذن لم یؤذن (وان شفع لم یشفع (بخاری، مطولا)۔

مبارک ہے وہ جو اپنے گھوڑے کی لگان پکڑے راہِ خدا میں جا رہا ہو، اس کے سر کے بال پریشان ہوں، پاؤں گرد آلود ہوں، پہرے پر لگا دیا جائے، تو وہیں لگا رہے۔ لشکر کے پچھلے حصے میں رکھا جائے تو وہیں رہے۔ وہ چھٹی مانگے تو چھٹی نہ ملے، کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے۔

۳۱۲ - خدا کی چار پسندیدہ چیزیں :

(ابو امامۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ: لیس شیٔ احب الی اللہ من قطرتین واثرتین قطرۃ دموع من خشیۃ اللہ وقطرۃ دم تھراق فی سبیل اللہ واما الاثران فاثر فی سبیل اللہ واثر فی فریضۃ من فرائض اللہ۔ (ترمذی)

دو قسم کے قطروں اور دو طرح کے نشانوں سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں۔ ایک وہ قطرۂ اشک جو خوفِ الٰہی سے رواں ہو اور دوسرا وہ قطرۂ خون جو فی سبیل اللہ ہے اور نشانات میں ایک نشان وہ ہے جو فی سبیل اللہ پیدا ہو (مثلاً نشانِ زخم وغیرہ) اور دوسرا وہ نشان جو فرائضِ الٰہی ادا کرنے سے پیدا ہو (مثلاً نشان سجدہ وغیرہ)

شہدا کی فضیلتیں!

۴۱۳۔ شہید کی تمنّا:

(انسؓ) رفعہ: ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما علی الارض من شئ الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من فضل الشہادۃ (شیخین، ترمذی، نسائی)

جنّت میں پہنچنے کے بعد کوئی شخص بھی دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتا، کیونکہ زمین پر اس کا کچھ نہیں رہ جاتا۔ مگر شہید جب شہادت کے انعامات کو دیکھتا ہے، تو یہ تمنّا کرتا ہے کہ کاش! وہ دنیا میں لوٹا دیا جائے اور دس بار قتل ہو۔

۴۱۴۔ شہید کا قرض معاف نہیں ہوتا:

(انسؓ) (ابوھریرۃؓ) قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت ان قتلت فی سبیل اللہ صابرًا محتسبًا مقبلا غیر مدبر ا یکفر اللہ عنی سیأتی؟ قال نعم ثم سکت ساعۃ قال این السائل آنفا؟ فقال الرجل ھا انا ذا قال ما قلت؟ قال ارأیت ان قتلت فی سبیل اللہ صابرًا محتسبا مقبلا غیر مدبر ا یکفر اللہ عنی سیأتی؟ نعم الا الدین سارّنی بہ جبریل علیہ السلام آنفا (نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ: اگر میں فی سبیل اللہ ثابت قدمی کے ساتھ کارِ ثواب سمجھ کر جنگ کروں اور آگے ہی بڑھتا جاؤں، پیچھے نہ ہٹوں اور مارا جاؤں تو اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی تلافی فرما دے گا؟ فرمایا: ہاں۔ پھر ذرا دیر خاموش رہ کر فرمایا: سائل کدھر ہے؟ بولا۔ حاضر ہوں۔ فرمایا: تم نے ابھی کیا دریافت کیا تھا؟ عرض کیا: اگر میں راہِ خدا میں جنگ کرتا ہوا ثابت قدم رہوں اور قتال کو کارِ ثواب سمجھوں۔ پیش قدمی کرتا رہوں، پیچھے نہ ہٹوں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا؟ فرمایا: ہاں! بشرطیکہ تم پر کسی کا واجب الادا قرض نہ ہو۔ یہ مجھے ابھی جبرئیلؑ نے خاموشی سے بتایا ہے۔

۴۱۵۔ راہِ خدا میں قتل ہونے سے بندوں کا حق معاف نہیں ہوتا:

(ابن مسعودؓ) رفعہ: القتل فی سبیل اللہ

فی سبیل اللہ قتل ہونا تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

...انه يكفر الذنوب كلها الا الامانة والامانة فى الصلٰوة والامانة فى الصوم والامانة فى الحديث واشد ذلك الودائع ۔ (كبير)

بجز امانت کے ۔ امانت، صلوٰۃ، صوم اور گفتگو میں بھی ہوتی ہے ۔ لیکن سب سے زیادہ سخت امانت وہ ہے جس کا تعلق سونپی جانے والی چیزوں سے ہے ۔

۳۱۶ - ایک عمل مگر خوش نصیب مجاہد و شہید :

(البراء) اتى النبى صلى الله عليه وسلم رجل مقنع بالحديد فقال يا رسول الله أقاتل او اسلم ؟ قال اسلم ثم قاتل فاسلم ثم قاتل فقتل فقال صلى الله عليه وسلم عمل قليلا واجر كثيرا ۔ (اصحاب سنن)

ایک شخص جو لوہے میں غرق تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں قتال کروں یا اسلام لے آؤں ؟ فرمایا : پہلے اسلام لے آ پھر قتال کر ۔ وہ اسلام لایا اور پھر قتال کرتا ہوا مارا گیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا عمل تو برائے نام ہی تھا لیکن اس نے ثواب خوب لوٹا ۔

۳۱۷ - صدقِ نیّت کا اثر :

(سهل بن حنيف رض) رفعه : من سأل الله الشهادة بصدق بلّغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه ۔ (لمسلم واصحاب سنن)

جو صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طلبگار ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ اُسے شہداء کا درجہ عطا فرمائے گا ۔ خواہ اس کی موت بستر پر ہی کیوں نہ ہو ۔

۳۱۸ - شہادت کی اقسام میں وسعت :

(سعيد بن زيد رض) رفعه : من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد ۔ (اصحاب سنن)

مال، جان، دین اور اہل و عیال میں سے جس کو بھی بچاتا ہوا انسان مارا جائے گا شہید ہی ہو گا ۔

۳۱۹۔ ایضاً :

(سوید بن مقرن) رفعہ : من قتل دون مظلمۃ فہو شہید۔ (نسائی)

ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی کوئی مارا جائے تو وہ شہید ہوگا۔

جہاد کے آداب و وجوب

۳۲۰۔ جہاد و نماز کا غیر معیاری امام اور اجتماعیت کی اہمیت :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : الجھاد واجب علیکم مع کل امیر برًّا کان او فاجرًا والصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برًّا کان او فاجرًا و ان عمل الکبائر۔ (ابو داؤد)

ہر امیر کے ساتھ خواہ وہ متقی ہو یا فاجر، تم پر جہاد فرض ہے۔ اسی طرح نماز ہر مسلمان (امام) کے پیچھے واجب ہے، خواہ وہ متقی ہو یا فاجر، بلکہ کبائر کا مرتکب کیوں نہ ہو چکا ہو۔

۳۲۱۔ جہاد میں ہر صلاحیت سے کام لینا چاہیئے :

(انسؓ) رفعہ : جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم۔ (ابوداؤد، نسائی)

مشرکین سے اپنے مال، جان اور زبان سب سے جہاد کرو۔

۳۲۲۔ تمنائے جنگ کی ممانعت اور ثابت قدمی کا حکم :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : لا تتمنوا لقاء العدو فاذا لقیتموھم فاصبروا۔ (للشیخین)

دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو۔ لیکن جب مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو۔

۳۲۳۔ ترکِ جہاد کا نتیجہ :

(ابن عمرؓ) اذا تبایعتم بالعینۃ و

جب تم تجارت میں منہمک ہو کر یا بیل کی دم پکڑ

...أخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلًّا لا ينزعه عنكم حتى ترجعوا إلى دينكم۔ (ابوداؤد)

...کر اور کھیتی باڑی میں پھنس کر جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک تم سے اُسے نہ ہٹائے گا، جب تک تم اپنے صحیح دین پر واپس نہ آجاؤ۔

۳۲۴۔ جہاد صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہونا چاہیے:

(ابو موسیٰؓ) سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يقاتل شجاعة ويقاتل حمية ويقاتل رياء أي ذلك في سبيل الله؟ فقال من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله (للستة الا مالكا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص جو اظہار شجاعت یا حمیت یا نمائش کے لیے قتال کرے تو ان میں سے کون سا قتال جہاد فی سبیل اللہ ہوگا؟ فرمایا: کوئی بھی نہیں۔ البتہ جو قتال اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو وہی جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔

۳۲۵۔ ایک مخلص خوش نصیب کی داستانِ شہادت:

(شداد بن الهاد) أن رجلا من الأعراب جاء النبي صلى الله عليه وسلم فآمن به واتبعه ثم قال أهاجر معك فأوصى به صلى الله عليه وسلم بعض أصحابه فلما كانت غزاة غنم النبي صلى الله عليه وسلم شيئا فقسمه وقسم له فأعطى أصحابه ما قسم له وكان يرعى ظهرهم فلما جاء دفعوه إليه فقال ما هذا؟ قالوا قسم قسمه لك النبي صلى الله عليه وسلم فأخذه فجاء به فقال ما هذا؟ قال قسمته لك قال ما على هذا

ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا اور اتباع کا عہد کیا اور کہا کہ: میں آپؐ کے ساتھ ہجرت کر کے آنا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ سے اس کا خیال رکھنے کی وصیت فرمائی۔ جب ایک غزوہ پیش آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں تقسیم فرمایا اور اس اعرابی کا حصہ بھی الگ کر دیا۔ اعرابی لوگوں کے اُونٹ چرایا کرتا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو صحابہ نے اس کا حصہ اُس کے حوالے کر دیا۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ تمہارا وہ حصہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الگ کر دیا تھا، وہ اُسے لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہُوا، اور پوچھا کہ: یہ کیسا مال ہے؟ فرمایا: یہ تمہارا حصہ ہے

اتبعتك ولكن اتبعتك على ان ارمى الى ههنا واشار الى حلقه بسهم فاموت فادخل الجنة فقال ان تصدق الله يصدقك فلبثوا قليلا ثم نهضوا فى قتال العدو فاتى به صلى الله عليه وسلم يحمل قد اصابه سهم حيث اشار فقال اهو هو؟ قالوا نعم قال صدق الله فصدقه ثم كفنه صلى الله عليه وسلم فى جبة النبى صلى الله عليه وسلم ثم قدمه فصلى عليه فكان مما ظهر من صلاته اللهم هذا عبدك خرج مهاجرا فى سبيلك فقتل شهيدا انا شهيد على ذلك ۔ (نسائی)

نے لگایا ہے۔ عرض کرنے لگا کہ: میں اس شرط پر تو حضور کا متبع نہیں ہوا تھا میں نے تو اس لیے یہ اتباع اختیار کیا ہے کہ میری اس جگہ۔ اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تیر لگے اور میں مر کر جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا: اگر تو اللہ کے نزدیک اپنی نیت میں سچا ہے تو اللہ تجھے سچا ہی کر دکھائے گا۔ اس واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد ایک اور غزوہ پیش آیا (جس میں وہ اعرابی بھی شریک ہوا۔) اور وہ اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اسے ٹھیک اسی جگہ تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارے سے بتایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ وہی ہے؟ جواب ملا۔ ہاں! فرمایا: یہ سچا تھا۔ اللہ نے بھی اسے سچا ہی کر دکھایا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جُبّے میں اُسے کفنایا اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔ دُعائے جنازہ میں یہ الفاظ بھی تھے: (ترجمہ) مولا! یہ تیرا بندہ ہے جو تیری راہ میں مہاجر بن کر نکلا تھا اور شہید ہو کر مرا اور میں اس ہجرت و شہادت کا گواہ ہوں۔

۴۲۶۔ جنگی احتیاط ضروری چیز ہے:

(کعب بن مالک رض) کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا غزا ناحیة ورّی بغیرها وکان یقول الحرب خدعة ۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کسی خاص سمت میں جنگ کے لیے جانا ہوتا تو گفتگو میں کسی دوسری سمت کا ذکر فرماتے، اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ جنگ دھوکا ہے۔

۴۲۷۔ مجاہد کا بھروسا اسباب پر نہیں بلکہ خدا پر ہوتا ہے:

(انس رض) کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا غزا قال اللهم انت عضدی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ فرماتے تو یہ دُعا زبان پر ہوتی: (ترجمہ) اے اللہ! ہمارا تو ہی قوّتِ بازو اور

وتصیرے وبک اقاتل ۔ (ابوداؤد) مددگار رہے اور ہم تیرے ہی بل بوتے پر قتال کرتے ہیں۔

۳۲۸۔ جنگ میں قوانینِ اخلاق:

(انسؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا بعث جیشاً قال انطلقوا بسم اللہ ولا تقتلوا شیخا فانیاً ولا طفلا صغیراً ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی جیش روانہ کرتے تو فرماتے کہ اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ اور کسی بوڑھے کو، کسی بچے کو اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا، بلکہ غنیمت کو الگ جمع کرنا۔ مصالح عامہ اور حسن کاری کو پیشِ نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ حسن کاروں کو پسند فرماتا ہے۔

جہاد کے ضروری احکام

۳۲۹۔ ایضاً:

(یحییٰ بن سعیدؒ) ان ابا بکر بعث جیوشا الی الشام فخرج یشیعهم فمشی مع یزید بن ابی سفیان وکان امیر ربع من تلک الا رباع فقال یزید لابی بکر اما ان ترکب واما ان انزل فقال له ما انت بنازل ولا انا براکب انی احتسب خطای فی سبیل اللہ ثم قال انک ستجد قوما زعموا انهم حبسوا انفسهم للہ فدعهم وما زعموا انهم حبسوا انفسهم له وستجد قوما فحصوا عن اوساط رؤوسهم الشعر فاضرب ما فحصوا عنه بالسیف وانی موصیک بعشر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب شام کی طرف لشکر روانہ کرنے لگے تو مشایعت کے لیے باہر نکلے اور یزید بن ابی سفیان کے ساتھ ساتھ، جو چوتھائی لشکر کے امیر تھے پیدل چلنے لگے۔ یزیدؓ نے کہا: یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں نیچے اُتر پڑوں۔ آپ نے فرمایا: نہ تم اُترو اور نہ میں سوار ہوں گا میں تو ثواب سمجھ کر راہِ خدا میں چل رہا ہوں۔ پھر فرمایا: تمھیں وہاں کچھ لوگ ایسے ملیں گے۔ جو اپنے خیال میں اللہ کے لیے گوشہ نشین ہیں۔ ان کو ان کے خیال پر چھوڑ دو اور اُنھیں قتل نہ کرنا، کچھ لوگ ایسے ملیں گے جنھوں نے اپنے سروں کے بیچ میں بال رکھ چھوڑے ہیں، اُنھیں تلوار سے صاف کر دینا اور میری یہ دس نصیحتیں بھی ذہن میں رکھنا، کسی،

لا تقتلن امرأة ولا صبيا ولا كبيرا هرما ولا تقطع شجرا مثمرا ولا تخرب عامرا ولا تعقرن شاة ولا بعيرا الا لماكلة ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنه ولا تغلوا ولا تجبنوا۔ (مالک)

عورت، کسی بچے اور کسی بوڑھے کو مت مارنا، کسی پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، آبادی کو ویران نہ کرنا، کسی بکری یا اونٹ کو بلا ضرورت طعام ذبح نہ کرنا، کسی درخت خرما کو نہ کاٹنا، نہ جلانا، خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔

۲۳۰۔ عورتوں کی شرکت جہاد اور دوسرے چند مسائل:

(نجدة بن عامر الحروری) انه كتب الى ابن عباس هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزو بالنساء؟ وهل كان يضرب لهن بسهم؟ وهل كان يقتل الصبيان؟ ومتى ينقضى يتم اليتيم؟ والخمس لمن هو؟ فقال ابن عباس لو لا ان اكتم علما ما اليه كتبت تسألني هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزو بالنساء؟ فقد كان يغزو بهن فيداوين الجرحى ويحذين من الغنيمة واما سهم فلم يضرب لهن وانه لم يكن يقتل الصبيان فلا تقتل الصبيان الا ان تكون تعلم ما علم الخضر من الصبى الذى قتل وزاد فى اخرى: و تميز المؤمن فتقتل الكافر وتدع المؤمن واما اليتيم فلعمرى ان الرجل لتنبت لحيته وانه لضعيف

(نجدہ بن عامر حروری) نے ابن عباس کو خط لکھ کر یہ مسائل دریافت کیے کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی معیت میں جہاد فرماتے تھے؟ کیا عورتوں کا حصۂ غنیمت میں ہوتا تھا؟ کیا بچوں کو قتل کیا جاتا تھا؟ نیز یہ کہ یتیمی کی حالت کب ختم ہو جاتی ہے؟ اور خمس کن لوگوں کے لیے ہے؟ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جواب دیا کہ: اگر میں علم کو پوشیدہ رکھتا تو تمھیں ان سوالات کا جواب نہ لکھ بھیجتا۔ سوال اول کا جواب یہ ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی معیت میں غزوات فرماتے تھے عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور ان کو مناسب حصۂ غنیمت بھی ملا کرتا تھا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ لہٰذا تم بھی اس وقت تک بچوں کو قتل نہ کرو جب تک تمھیں ویسا علم نہ ہو جائے جیسا کہ حضرت خضر کو اس بچے کے متعلق حاصل تھا جسے انھوں نے قتل کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: (اس خضری علم کے بعد بھی) مومن و کافر کا فرق ملحوظ رہے گا۔ یعنی کافر ہی قتل کیا جائے گا نہ کہ مومن۔ چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ: بخدا بعض اوقات تو ایک آدمی کی داڑھی نکل آتی ہے۔ لیکن لین دین کے معاملے میں اس کی عقل کمزور

الا خذ لنفسه ضعيف العطاء منها وا ذا اخذ لنفسه من صالح ما يأخذ الناس فقد ذهب عنه اليتم واما الخمس فانا نقول هو لنا فابى علينا قومنا ذاک (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

ہوتی ہے۔ لہٰذا عام لوگوں کی طرح جب اپنے لیے انتخاب و پسند کی صلاحیت آجائے تو یتیمی ختم ہوجاتی ہے۔ رہا پانچواں سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے خیال میں خمس ہم ہاشمیوں کا حصہ ہے لیکن اُمت اس کے حق میں نہیں ہے۔

۳۳۱ - مجاہد عورتوں کی خدمات:

(معوذ) لقد کنا نغزوا مع النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لنسقی القوم ونخدمھم ونرد القتلیٰ والجرحیٰ الی المدینة - (بخاری)

ہم عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک غزوات ہوا کرتی تھیں تاکہ پیاسوں کو پانی پلائیں، ان کی خدمت کریں اور مقتولوں اور مجروحوں کو مدینے واپس لے آئیں۔

۳۳۲ - ایضاً:

(ام عطیة) غزوت مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سبع غزوات اخلفھم فی رحالھم فاصنع لھم الطعام واداوی الجرحیٰ واقوم علی المرضیٰ - (مسلم)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہ چکی ہوں۔ میں خیموں اور ٹھکانوں میں قیام کرتی تھی، جہاں مجاہدوں کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور مریضوں کی نگہداشت کرتی تھی۔

۳۳۳ - اخلاصِ نیّت اور قدر:

(انس رض) رفعه: لقد ترکتم بالمدینة اقواما ما سرتم مسیرا ولا انفقتم من نفقة ولا قطعتم من وادالا وھو معکم فیه قالوا یارسول اللہ وکیف یکونون معنا وھم بالمدینة؟ قال حبسھم العذر - (بخاری)

تم (مجاہدین) مدینے میں کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑ آئے ہو کہ تمھاری ہر دوڑ، ہر انفاق اور ہر قطع منازل میں وہ تمھارے ساتھ ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: وہ تو مدینے میں ہیں، ہمارے ساتھ ان کا کس طرح شمار ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لیے کہ وہ مجبوری سے رُک گئے ہیں۔

شہسواری و تیراندازی

۳۲۴ - اسبابِ جہاد کی تیاری اور اس کی فضیلت :

(عقبۃ بن عامرؓ) رفعہ : ان اللہ تعالےٰ لیدخل بالسھم الواحد ثلاثۃ نفر الجنۃ صانعہ یحتسب فی عملہ الخیر والرامی بہ والممد بہ فارموا وارکبوا واحب الی ان ترموا من ان ترکبوا کل لھو باطل لیس من اللھو محمود الا ثلاثۃ تادیب الرجل فرسہ و ملاعبتہ اھلہ ورمیہ بقوسہ ونبلہ فانھن من الحق ومن ترک الرمی بعد ما علمہ رغبۃ عنہ فانھا نعمۃ ترکھا او قال کفرھا (اصحاب سنن)

اللہ تعالیٰ ایک تیر کے عوض تین طرح کے آدمیوں کو جنّت میں داخل کرے گا۔ اس کے بنانے والے کو بشرطیکہ اس نے خیر کی نیت سے بنایا ہو، اس کے چلانے والے کو اور اس کے پیش کرنے والے کو۔ لہٰذا تیراندازی اور شہسواری کی مشق رکھو اور میرے نزدیک تو تیراندازی شہسواری سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ لہو و لعب سب بے نتیجہ چیزیں ہیں۔ اس میں صرف تین قسم کی چیزیں قابلِ ستائش ہیں۔ گھوڑے کو سکھانا، بیوی سے تفریحی باتیں کرنا اور تیر کمان سے نشانہ بازی کرنا۔ یہ تینوں باتیں نتیجہ خیز ہیں اور جو شخص نشانہ بازی سیکھنے کے بعد بے توجہی کی وجہ سے اُسے ترک کر دے، تو وہ ترکِ نعمت یا کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرتا ہے۔

(نوٹ: موجودہ زمانے میں یہ حدیث آلاتِ جنگ کی تیاری پر منطبق ہے)

کتابُ التفسیر

۳۲۵ - تلاوتِ قرآنِ حکیم کی برکات :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم

جو لوگ کسی مسجد میں یکجا ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور باہم اس کا درس دیتے لیتے ہیں، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے۔

الملائکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ۔
(ابو داؤد)

ملائکہ ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے مقربین میں ان کو یاد فرماتا ہے۔

۳۳۶۔ قرآن میں سفر و اقامت کا اجتماع :

(ابن عباسؓ) قال رجل یارسول اللہ
ای العمل احب الی اللہ؟ قال الحال
المرتحل قال وما الحال المرتحل؟ قال
الذی یضرب من اول القرآن
الی آخرہ کلما حل ارتحل ۔ (ترمذی)

ایک شخص نے پوچھا کہ: یا رسول! کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: الحال المرتحل (سفر میں رہنے والا مقیم) اس نے پوچھا کہ: یہ حال مرتحل کیا چیز ہے۔؟ فرمایا: جو شروع سے آخر تک قرآن (حکیم) کی سیر کرتا ہے، وہ جب قرآن میں حلول (اقامت) کرتا ہے تو سیر و سفر میں ہوتا ہے۔

۳۳۷۔ انہماک قراءت کا اجر :

(ابوسعیدؓ) رفعہ: یقول الرب
تعالیٰ من شغلہ قراءۃ القرآن
عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی
السائلین ۔ (ترمذی)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اگر کوئی قراءت قرآن کے انہماک کی وجہ سے مجھ سے دعا مانگنا فراموش کر جائے تو میں دعا مانگنے والوں سے زیادہ بہتر انعام اسے دیتا ہوں۔

۳۳۸۔ قراءت قرآن سری و جہری :

(عقبہ بن عامر) رفعہ: الجاھر
بالقرآن کالجاھر بالصدقۃ والمسر
بالقرآن کالمسر بالصدقۃ (اصحاب سنن)

جو شخص بالجہر قرآن پڑھے وہ علانیہ صدقہ دینے والوں کی طرح ہے اور جو آہستہ پڑھے وہ پوشیدہ صدقہ دینے والے کی مانند ہے۔

۳۳۹۔ روانی کے ساتھ اور اٹک اٹک کر پڑھنے والے :

(عائشہ) رفعتہ: الماھر بالقرآن
مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ
القرآن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق

جو تلاوت قرآن کا ماہر (رواں پڑھنے والا) ہو اسے سفرہ کرام بررہ (بزرگ و نیکوکار کاتبین) کی معیت کا شرف حاصل ہو گا اور جو جبر ہونے کے باوجود اٹک اٹک کر پڑھے

لہ اجران - (ترمذی، ابوداؤد، شیخین بلفظہما) — وہ دُہرے اجر کا مستحق ہوگا۔

۳۴۰ - قراءت سے متعلق عمدہ تشبیہیں :

(انسؓ رفعہ : مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن مثل الاترجۃ ریحہا طیب وطعمہا طیب ومثل المؤمن الذی لا یقرأ القرآن مثل التمرۃ طعمہا طیب ولا ریح لہا ومثل الفاجر الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانۃ ریحہا طیب وطعمہا مر ومثل الفاجر الذی لا یقرأ القرآن لمثل الحنظلۃ طعمہا مر ولا ریح لہا ومثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منہ شیٔ اصابک من ریحہ ومثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سوادہ اصابک من دخانہ - (ابوداؤد)

جو مومن قرآن حکیم پڑھتا ہو اس کی مثال اترج (لیموں یا نارنگی) جیسی ہے جس کا مزا بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ جو مومن تلاوتِ قرآن نہ کرتا ہو تو وہ گویا چھوہارا ہے جس کا مزہ تو اچھا ہے، لیکن خوشبو کوئی نہیں اور رہ فاجر جو قرآن پڑھتا ہو ایسا ہے جیسا ریحانہ (خوشبودار پودا) جس کی مہک اچھی اور مزا کڑوا، اور جو فاجر تلاوتِ قرآن نہ کرتا ہو۔ اس کی مثال حنظلہ (اندرائن) جیسی ہے جس کا مزا کڑوا اور بُو کوئی نہیں۔

اور صالح کا ہم نشین ایسا ہے جیسے مشک پاس رکھنے والا یعنی اگر مشک میسر نہ آئے تو لپیٹ تو آ ہی جائے گی۔

اور بُری صحبت میں رہنے والا ایسا ہے جیسے بھٹی والا کہ اگر سیاہی سے بچ بھی گیا تو دھواں تو ایک ہی جائے گا۔

۳۴۱ - قاریِ قرآن غلام کو امیر بنایا گیا :

(عامر بن واثلۃ) ان نافع بن عبد الحارث لقی عمرؓ بعسفان وکان عمرؓ استعملہ علی مکۃ فقال من استعملت علی اہل الوادی ؟ قال ابن ابزٰی قال ومن ابن ابزٰی ؟ قال مولی من موالینا قال فاستخلفت علیہم مولی ؟ قال انہ قارئ لکتاب اللہ تعالٰی وعالم بالفرائض

نافع بن عبد الحارث نے عسفان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی۔ ان کو حضرت عمرؓ نے مکے کا عامل بنایا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ : آپ نے اہلِ وادی کا عامل کسے بنا دیا ہے ؟ کہا : ابن ابزٰی کو۔ پوچھا : ابن ابزٰی کون ہے ؟ کہا : میرا ایک غلام ہے۔ بولے : آپ نے ایک غلام کو ان کا عامل بنایا ہے؟ کہا : ہاں ! وہ کتاب اللہ کا قاری ہے اور علمِ فرائض سے واقف ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ :

قال عمرؓ اما ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اس کتاب اللہ کے ذریعے اللہ تعالٰی کسی قوم کو اٹھاتا ہے اور کسی کو گراتا ہے۔

۳۴۲ - خانہ خراب کون ہے؟:

(ابن عباسؓ) ان الذی لیس فی جوفہ شئی من القرآن کالبیت الخرب (ترمذی)

وہ شخص جس کے اندر قرآن کا کوئی حصّہ محفوظ نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے خانۂ خراب۔

۳۴۳ - قرآن پڑھ کر کس سے سوال کیا جائے؟:

(عمران بن حصین) رفعہ: من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ فانہ سیجئ اقوام یقرؤن القرآن ویسألون بہ الناس - (ترمذی)

جو قرآن پڑھتا ہے وہ اس کے وسیلے سے اللہ ہی سے سوال کرے کیونکہ آئندہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن پڑھ کر اسے لوگوں سے سوال کرنے کا ذریعہ بنائیں گے۔

۳۴۴ - ایمان بالقرآن کس کا نہیں ہوتا؟:

(صہیبؓ) رفعہ: ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ - (ترمذی)

جو قرآن کریم کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھے اس کا قرآن پر ایمان ہی نہیں۔

۳۴۵ - کرامتِ قرآنی اور استعارے کی گفتگو:

(عقبۃ بن عامرؓ) لو ان القرآن جعل فی اھاب ثم القی فی النار ما احترق۔ (احمد، موصلی)

اگر قرآن حکیم کو کسی کھال میں لپیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے تو جل نہ سکے گا[1]

---

[1] انسان خود کھال ہے اس کے اندر اگر قرآن اُتر جائے تو یہ واقعی سزاوار دوزخ نہیں ہوگا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اگر قرآن کو کھال کے غلاف میں لپیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا جو لوگ ہر جگہ الفاظ کو ظاہر پر محمول کرنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں اس حدیث پر خوب غور کرنا چاہئیے۔

۳۴۶ ۔ برکات قرآنی :

(ابو ھریرۃؓ) رفعه : القرآن غنى لا فقر بعده و لا غنى دونه ۔ (کبیر بضعف)

قرآن تو سراپا غنا (امیری) ہے ۔ نہ اس کے بعد کوئی فقر ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی غنا ہے ۔

۳۴۷ ۔ سبع مثانی کیا چیز ہے ؟ :

(ابو ھریرۃؓ) رفعه : الحمد لله رب العالمين ، أم القرآن وام الكتاب والسبع المثانی ۔ (ابوداؤد ، ترمذی)

الحمد للہ رب العالمین (یعنی سورۂ فاتحہ) امّ القرآن یا ام الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے ۔

۳۴۸ ۔ قرآن سیکھنے والے کی اعلیٰ مثالیں :

(ابو ھریرۃؓ)...... فقال صلی الله عليه وسلم تعلموا القرآن واقرؤوه وقوموا به فان مثل القرآن لمن تعلمه فقرأه وقام به كمثل جراب محشو مسكا يفوح بريحه كل مكان ومثل من تعلمه ويرقد وهو فی جوفه كمثل جراب اوكی على مسك ۔ (ترمذی)

...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قرآن سیکھو ، پڑھو اور قیام لیل میں اسی کو دُہراؤ ۔ جو ایسا کرتا ہے ۔ اُس کے لیے قرآن گویا ایسی تھیلی ہے جس میں مُشک بھری ہو اور اُس کی خوشبو پھیل رہی ہو ، اور جو سیکھنے کے بعد آرام کرے اور قرآن اس کے ذہن میں محفوظ ہو ، اس کے لیے قرآن گویا ایسی مُشک کی تھیلی ہے جس کا منہ بند ہو ۔

۳۴۹ ۔ فضیلت سورۂ بقرہ :

(ابو ھریرۃؓ) رفعه : لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشيطن يفر من البيت الذی تقرأ فيه سورة البقرة ۔ (مسلم ، ترمذی)

اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے ۔

۳۵۰۔ بعض اور سورتوں کے فضائل :

(ابن عمرؓ) من سرہ ان ینظر الی یوم القیامۃ کأنہ رأی عین فلیقرأ اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت ۔ (ترمذی)

جو قیامت کو گویا سر کی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے، وہ ان سورتوں کو پڑھ لے : اذا الشمس کورت الخ۔ اذا السماء انفطرت الخ اور اذا السماء انشقت الخ ۔

سورۂ بقرہ

۳۵۱۔ آیتِ طوافِ صفا و مروہ کی تفسیر :

(عروۃؓ) سألت عائشۃؓ فقلت لھا ارأیت قول اللہ تعالیٰ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما فو اللہ ما علی احد جناح ان لا یطوف بالصفا والمروۃ قالت بئس ما قلت یا ابن اختی ان ھذہ لو کانت علی ما اولتھا کانت لا جناح ان لا یطوف بھما ولکنھا انزلت فی الانصار کانوا قبل ان یسلموا یھلون لمناۃ الطاغیۃ التی کانوا یعبدونھا عند المشلل وکان من اھل لھا یتحرج ان یطوف بالصفا والمروۃ فلما اسلموا سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقالوا

میں نے حضرت عائشہؓ سے آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما کی تفسیر دریافت کرتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اگر کوئی صفا و مروہ کا طواف نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اے ہمشیرزادے تم نے بالکل غلط بات کہی یہ تمھاری بتائی تفسیر جب صحیح ہو سکتی تھی کہ آیت یوں ہوتی : فلا جناح ان لا یطوف بھما۔ بات یہ ہے کہ آیت انصار کے بارے میں اُتری ہے جو قبل از اسلام منات کے لیے تہلیل کرتے تھے ۔ اور اسی کی پُوجا مشلل کے پاس کرتے تھے، اس وقت جو منات کے لیے تہلیل کرتا تھا وہ صفا و مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتا تھا، اسلام لانے کے بعد اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ! ہم لوگ صفا و مروہ کے

یا رسول اللہ انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالیٰ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الآیۃ وقد سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطواف بینھما۔ (بخاری، نسائی)

طواف کو گناہ سمجھتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : ان الصفا والمروۃ (الآیۃ) اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف کو سنت قرار دیا ہے۔

۳۵۲ ۔ آیتِ اطاقتِ صوم کی صحیح تفسیر :

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین قال لیست بمنسوخة ھی للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعمان مکان کل یوم مسکینا۔ (بخاری، نسائی۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین۔ ہرگز منسوخ نہیں بلکہ بہت بوڑھوں کے لیے ہے جو روزے رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ایسے لوگ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

۳۵۳ ۔ آیت تزوّد کی تفسیر :

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) کان اھل الیمن یحجون ولا یتزودون ویقولون نحن المتوکلون فاذا قدموا مکۃ سألوا الناس فانزل اللہ تعالیٰ و تزودوا فان خیر الزاد التقوی۔ (بخاری، ابو داؤد)

اہل یمن جب حج کرتے تھے تو زادِ راہ ساتھ نہ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل لوگ ہیں جب وہ مکے میں پہنچے تو لوگوں سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ : وتزودوا فان خیر الزاد التقوی (زادِ راہ ساتھ رکھا کرو بہتر زادِ راہ لینا عین تقویٰ ہے۔)

۳۵۴ ۔ فضلِ الٰہی کی جستجو کوئی گناہ نہیں :

(ابو امامۃ التیمی) کنت رجلا اکری فی ھذا الوجه وکان الناس

میں حج کے موقعے پر سواری کرائے پر دیا کرتا تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ : تیرا حج نہیں ہوا۔ میں ابن عمر

يقولون لى انه ليس لك حج فلقيت ابن عمر فقلت يا ابا عبد الرحمٰن كنت رجلا اكرى فى هٰذا الوجه وان ناسا يقولون انه ليس لك حج فقال ابن عمر أليس تحرم وتلبى وتطوف بالبيت وتفيض من عرفات وترمى الجمار؟ قلت بلى قال فان لك حجا جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم نسأله عن مثل ما سألتنى فسكت حتى نزلت هٰذه الاٰية ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم فارسل اليه وقرأها عليه وقال لك حج۔ (ابو داؤد)

رضی اللہ عنہ سے ملا اور پوچھا کہ: اے ابو عبد الرحمٰن میں حج میں اپنا جانور کرائے پر دیتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ تیرا حج ہی نہیں ہوا۔ آپ نے کہا کہ: کیا تم احرام نہیں باندھتے تلبیہ نہیں کرتے۔؟ طواف نہیں کرتے۔؟ عرفات سے واپس نہیں ہوتے؟ رمی جمارہ نہیں کرتے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ سب مراسم ادا کرتا ہوں، کہا: تو پھر تمہارا حج بھی ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جو تم نے ابھی کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ: ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم (فضل الٰہی کی جستجو کوئی گناہ نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو بلا بھیجا اور یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ: تیرا حج ہو گیا۔

سورۂ آل عمران

۳۵۵۔ ایک سوال کا لطیف جواب:

(ابو ھریرۃؓ) جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم قال ارأيت قوله: وجنة عرضها السمٰوٰت والارض فاين النار؟ قال ارأيت الليل فالتبس كل شئ فاين النهار؟ قال حيث شاء الله قال فكذلك حيث شاء الله (بزار)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: وجنة عرضها السمٰوٰت والارض (جنت کی پہنائی زمین و آسمان کے برابر ہے) تو یہ دوزخ کدھر جائے گی؟ فرمایا:

جب رات آتی ہے اور کوئی شے سجھائی نہیں دیتی تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے فرمایا: اسی طرح اسے بھی سمجھو کہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا (وہاں دوزخ چلی جائے گی)۔

سُورۃ النساء

۲۵۶ - بحالتِ امن سفر میں قصرِ نماز کیوں ہے ؟ :

(یعلی بن اُمیّۃ) قلت لعمرؓ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منہ فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ - (مسلم، اصحاب سنن)

میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی : لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا (قصر نماز میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ کفار تمھیں فتنے میں ڈالیں گے) اور کہا کہ : اب تو لوگ امن سے ہیں، (لہٰذا ہر سفر میں قصر کیوں کیا جاتے؟) آپ نے جواب دیا کہ : مجھے بھی یہی کھٹک پیدا ہوئی تھی۔ آخر میں نے حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا : یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صدقہ ہے اسے قبول کرلینا چاہیے۔

۲۵۷ - جزائے عمل کی ایک خاص نوعیت :

(ابو ھریرۃؓ) لما نزلت من یعمل سوءا یجز بہ بلغت من المسلمین مبلغا شدیدا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاربوا وسددوا ففی کل ما یصاب بہ المسلم کفارۃ حتی النکبۃ ینکبھا او الشوکۃ یشاکھا۔ (مسلم، ترمذی وعن ابی بکر الصدیق)

جب آیت میں من یعمل سوءا یجز بہ (انسان کوئی بدی بھی کرے گا تو اس کی سزا ملے گی) نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی شدید فکر لاحق ہوئی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے (یہ معلوم کرکے) فرمایا کہ : میانہ روی اختیار کرتے رہو، تو مسلمان پر جو بھی مصیبت آئے گی وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ حتیٰ کہ وہ بیماری بھی جو وہ جھیلے اور وہ کانٹا بھی جو اُسے چُبھے۔

طٰہٰ

۳۵۸ - دین کا مقصد ریاضت شاقہ نہیں :

(علیؓ) کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یراوح بین قدمیہ یقوم علی کل رجل حتی نزلت ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ ۔ (بزار ملین)

حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم باری باری ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر ریاضت و عبادت فرماتے تھے ۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی کہ : ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ ۔ (یعنی ہم نے تم پر قرآن حکیم اس لیے تو نہیں اتارا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ)

رُوم

۳۵۹ - قرآن حکیم میں نماز پنجگانہ :

(ابو رزینؓ) خاصم نافع بن الازرق ابن عباس فقال تجد الصلوات الخمس فی کتاب اللّٰہ ؟ قال نعم فقرأ علیہ سبحان اللّٰہ حین تمسون المغرب حین تصبحون الصبح وعشیا العصر وحین تظھرون الظھر ومن بعد صلوۃ العشاء ۔ (کبیر بضعف)

نافع بن ازرق نے عبداللّٰہ بن عباسؓ سے مباحثہ کرتے ہوئے پوچھا کہ : کیا آپ کو قرآن میں نماز پنجگانہ کا صریح حکم ملتا ہے ؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا : ہاں ! اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی : (ترجمہ) اللّٰہ کی تسبیح کرو بوقت مسا یعنی مغرب اور بوقت صبح یعنی فجر اور بوقت عشی یعنی عصر اور بوقت دوپہر یعنی ظہر اور نماز عشاء کے بعد ۔

تحریم

۳۶۰ - تدبر قرآن کا مطلب محض لغوی تحقیق نہیں :

(انسؓ) ان عمر قرأ فاکھۃ وابا فقال

حضرت عمرؓ نے ایک بار "فاکھۃ وابا" والی آیت

فما الاب؟ ثم قال ما كلفنا او امرنا بهذا - (بخاری)

تلاوت کی اور کہا کہ: یہ "ابّ" کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی بولے کہ: ہمیں اس کا نہ مکلّف (پابند) کیا گیا ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

آداب تلاوت وغیرہ

۳۶۱ - گر تو قرآن بریں نمط خوانی:

(البراءؓ) رفعه: زيّنوا القرآن باصواتكم - (ابوداؤد، نسائی)

قرآن حکیم کو اچھی آواز سے پڑھا کرو۔

۳۶۲ - قراءت سے دوسروں کو دق کرنا:

(ابو سعیدؓ) اعتكف النبی صلی الله عليه وسلم المسجد فسمعهم يجهرون بالقرآن فكشف الستر وقال الا ان كلكم مناج ربه فلا يؤذين بعضهم بعضا ولا يرفع بعضكم على بعض فی القراءة او قال فی الصلٰوة - (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے کہ بعض لوگوں کو زور زور سے قرآن پڑھتے سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر فرمایا کہ: تم میں سے ہر شخص مناجات الٰہی کر رہا ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے کو خلل نہ پہنچائے اور دوسرے کی قراءت یا نماز میں حارج نہ ہو۔

۳۶۳ - دورِ قرآنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم:

ابو ھریرۃؓ) كان يعرض على النبی صلی الله عليه وسلم القرآن كل عام فعرض عليه مرتين فی العام الذی قبض فيه -

(بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں قرآن حکیم کا ایک دور (جبریل علیہ السلام) سے فرمایا کرتے تھے اور سال وفات میں دو دور فرمائے۔
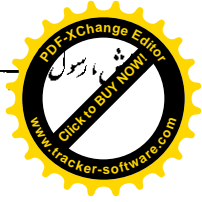
اذکار اور ادعیہ

۳۶۴۔ سو بات کی ایک بات :

(عبد اللہ بن بسرؓ) ان رجلا قال یا رسول اللہ ان ابواب الخیر کثیرۃ ولا استطیع القیام بکلھا فاخبرنی عن شئی اتشبث بہ ولا تکثر علیّ فانسی قال لا یزال لسانک رطبًا بذکر اللہ۔ (ترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ! خیر کے تو بے شمار دروازے ہیں اور میں ان سب پر عمل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ لہٰذا مجھے کوئی ایک بات بتا دیجئے جس سے میں چمٹا رہوں۔ لیکن اتنی لمبی بات نہ ہو جو میں یاد نہ رکھ سکوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ تر زبان رہو۔

۳۶۵۔ حسین بدلے :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ و ان تقرب الیّ شبرا تقربت الیہ ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔ (شیخین، ترمذی)

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ : میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے۔ میں اسی گمان سے متصل ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں، جب وہ اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی جانب ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک باع (دو ہاتھ) بڑھتا ہوں جب وہ میری طرف خراماں خراماں آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں۔

۳۶۶۔ دُنیا کی جنّت :

(انسؓ) رفعہ : اذا مررتم بریاض الجنّۃ فارتعوا قالوا وما ریاض الجنّۃ

جب تم جنّت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو خوب آسودگی حاصل کرو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ! جنّت کے

قال حلق الذکر (ترمذی)

باغ کون سے ہیں؟ فرمایا: ذکر الٰہی کے حلقے۔

۳۶۷ - قابلِ رشک اہلِ محبت:

(ابو درداءؓ) رفعہ: لیبعثن اللہ اقواما یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا شھداء قال فجثی اعرابی علی رکبتیہ فقال یا رسول اللہ حلھم لنا نعرفھم قال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی و بلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ (کبیر)

اللہ تعالیٰ بروزِ حشر کچھ ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن کے چہروں پر نور جھلک رہا ہوگا۔ وہ موتیوں کے منبر (تخت) پر بیٹھے ہوں گے اور لوگ انھیں رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے، حالانکہ نہ وہ نبی ہوں گے نہ شہید۔ یہ سن کر ایک اعرابی اپنے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ: ان کی صفت بیان فرمائیے یا رسول اللہ! تاکہ ہم بھی ان کو پہچان لیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہیں تو مختلف قبیلوں اور مختلف ملکوں کے، لیکن محض اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور یک جا ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں۔

۳۶۸ - اولیاء اللہ کی پہچان:

(ابن مسعودؓ) رفعہ: ان من الناس مفاتیح لذکر اللہ اذا رأوا ذکر اللہ (کبیر و فیہ عمر بن القاسم)

بعض لوگ ذکر الٰہی کی کنجی ہوتے ہیں، یعنی جب ان پر نظر پڑتی ہے تو اللہ یاد آ جاتا ہے۔

۳۶۹ - بہترین ذکر اور بہترین روزی:

(سعد بن مالکؓ) رفعہ: خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی۔ (احمد، موصلی، بلبن)

بہترین ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے (یعنی ضرورت سے زائد نہ ہو)

۳۷۰ - غافلوں میں یادِ الٰہی کرنے والے کا درجہ:

(مالکؒ) بلغنی ان النبی صلی اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: غافلوں

علیہ وسلم کان یقول ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین وذاکر اللہ فی الغافلین کغصن اخضر فی شجر یابس وذاکر اللہ فی الغافلین مثل مصباح فی بیت مظلم و ذاکر اللہ فی الغافلین یریہ اللہ مقعدہ من الجنۃ وھو حی وذاکر اللہ فی الغافلین یغفرلہ بعدد کل فصیح واعجم والفصیح بنو آدم والاعجم البھائم۔ (رزین)

(یعنی جو یادِ الٰہی سے غافل ہوں) میں یادِ الٰہی کو جاری رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے قتال سے بھاگنے والوں میں قتال کو جاری رکھنے والا۔ یا سوکھے درخت میں ہری ٹہنی ہو یا تاریک گھر میں روشن چراغ ہو۔ یہ غافلوں میں یادِ الٰہی کرنے والا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ زندگی ہی میں اُس کا مقام جنّت دکھا دیتا ہے۔ اور تمام فصیح (بنی آدم) اور تمام اعجم (چوپایوں) کی تعداد کے برابر بھی اس کے گناہ ہوں تو ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

۲۷۱۔ ذکرِ الٰہی کس حد تک ہو:

(ابو سعیدؓ) رفعہ: اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون (احمد، موصلی، بلین)

ذکرِ الٰہی تو اس کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون سمجھنے لگیں۔

۲۷۲۔ ذکرِ الٰہی اور نجات:

(معاذؓ) ما عمل ابن آدم من عمل انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔ (مالک، ترمذی)

عذابِ الٰہی سے نجات دینے والا کوئی عملِ انسانی ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر نہیں۔

۲۷۳۔ دُعا عین عبادت ہے:

(النعمان بن بشیرؓ) رفعہ: الدعاء ھو العبادۃ ثم قراء وقال ربکم ادعونی استجب لکم الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم

دُعا تو عین عبادت ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) تمھارے ربّ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ جلد ہی جہنم

... خرین ۔ (ابوداؤد، ترمذی، بلفظہ)

میں رسوائی کے ساتھ داخل ہوں گے ۔

۳۷۴ ۔ دُعا مغزِ عبادت ہے :

(انسؓ) رفعہ: الدعاء مخ العبادۃ (ترمذی)

دُعا تو عبادت کا مغز ہے ۔

۳۷۵ ۔ سب سے بہتر دُعا کس چیز کی ہوتی ہے :

(ابن عمرؓ) رفعہ: من فتح لہ باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ وماسئل اللہ تعالیٰ شیئا احب الیہ من ان یسأل العافیۃ وان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل ولا یرد القضاء الا الدعاء فعلیکم بالدعاء ۔ (ترمذی)

جس کے لیے دُعا کا دروازہ کھلا اس کے لیے رحمت کے تمام دروازے کھل گئے، اللہ تعالیٰ کو جو سوال سب سے زیادہ پسند ہے وہ اس آفت کے لیے ہے جو نازل ہو چکی ہو اور اس آفت کے لیے بھی جو ابھی نازل نہ ہوئی ہو۔ دُعا ہی ہے جو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔ لہٰذا دعا کا التزام رکھو۔

۳۷۶ ۔ دُعا کی قبولیت کے کئی انداز ہیں :

(جابرؓ) رفعہ: ما من عبد یدعو بدعاء الا اتاہ اللہ ما سأل او کف عنہ من السوء مثلہ ما لم یدع باثم او قطیعۃ رحم (ترمذی)

بندہ جس چیز کی بھی دُعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے یا تو مرحمت فرما دیتا ہے یا اس کے برابر آنے والی آفت سے اسے بچا لیتا ہے، بشرطیکہ وہ دُعا کسی گناہ یا قطع رحمی سے تعلق نہ رکھتی ہو۔

۳۷۷ ۔ دُعا مومن کا ہتھیار ہے :

(جابرؓ) رفعہ: ألا ادلکم علی ما ینجیکم من عدوکم ویدرّ لکم ارزاقکم؟ تدعون اللہ فی لیلکم ونہارکم فان الدعاء سلاح المؤمن۔ (موصلی بضعف)

میں تمھیں ایک ایسی چیز نہ بتا دوں جو تمھیں دشمن سے بھی نجات دے اور فراوانی رزق کا بھی سبب بن جائے؟ سنو! دن رات اللہ تعالیٰ سے دُعا کیا کرو۔ دُعا ہی مومن کا ہتھیار ہے ۔

دُعا کے اوقات اور کیفیات وغیرہ

۳۷۸۔ رحمت کی پکار:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ینزل ربنا کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ؟ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفرلہ۔

اللہ تعالیٰ ہر روز رات کی آخری تہائی میں سماءِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور آواز دیتا ہے کہ: کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے جواب دوں؟ کون ہے جو کچھ مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مغفرت چاہے اور میں مغفرت کروں۔

۳۷۹۔ اوقاتِ مقبولیّت:

(ابو امامہؓ) قیل یارسول اللہ ای الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوٰت المکتوبٰت (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ: کون سی دعا سب سے زیادہ سُنی جاتی ہے؟ فرمایا: وہ دُعا جو رات کے آخری حصّے میں ہو اور وہ دُعا جو فرض نماز کے بعد ہو۔

۳۸۰۔ سجدے میں دُعا:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: اقرب مایکون العبد من ربہ تعالیٰ وھو ساجد فاکثروا الدعاء (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

بندہ اپنے ربّ سے سب سے زیادہ اس وقت قریب ہوتا ہے جب وہ حالتِ سجود میں ہوتا ہے۔ لہٰذا (بحالت سجدہ) خوب دُعا کیا کرو۔

۳۸۱۔ آسائش میں دُعا کی برکات:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: من سرّہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد

جسے یہ پسند ہو کہ مصائب و آلام کے وقت اللہ تعالیٰ اُس کی دُعائیں قبول فرمائے تو وہ راحت و آرام کی

والکرب فلیکثر الدعاء فی الرخاء ۔ (ترمذی)

حالت میں بھی بکثرت دُعائیں کیا کرے ۔

۳۸۲ ۔ زوردار التجا اللہ پر دباؤ ڈالنا نہیں :

(ابوھریرۃؓ) رفعه، اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ فان اللہ لامکرہ لہ ۔ (للستۃ الا النسائی)

جب کوئی دُعا کرے تو یوں نہ کہے کہ : اے اللہ ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما ۔ اگر تیری مرضی ہو تو مجھ پر رحم فرما ۔ بلکہ پورے عزم کے ساتھ (یعنی کسی شرط اور اگر مگر کے بغیر) سوال کرے (اس عزم سے) اللہ تعالےٰ پر دباؤ ڈالنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

۳۸۳ ۔ جامع دُعا سے دلچسپی :

(عائشۃؓ) کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یستحب الجوامع من الدعاء ویدع ماسوی ذلک (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی دعاؤں کو پسند فرماتے تھے جو جامع ہوں ۔ غیر جامع دُعاؤں کو چھوڑ دیا کرتے تھے ۔

۳۸۴ ۔ عدمِ قبول کا گلہ :

(ابوھریرۃؓ) رفعه : یستجاب لاحدکم مالم یعجل لیقول قد دعوت ربی فلم یستجب لی ۔ (للستۃ الا النسائی)

بعض لوگوں کی دُعا اس صورت میں قبول ہوتی ہے کہ وہ جلدی نہ مچائیں اور یہ نہ کہیں کہ : میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا تو کی مگر اس نے قبول نہ کی ۔

۳۸۵ ۔ کلماتِ بددُعا سے اجتناب کرو :

(جابرؓ) رفعه : لا تدعوا علی انفسکم ولا تدعوا علی اولادکم ولا تدعوا علی خدمکم ولا تدعوا علی خدمکم ولا تدعوا علی اموالکم لا یوافق من اللہ ساعۃ نیل فیھا عطاء فیستجاب لکم ۔ (ابوداؤد)

اپنی ذات یا اپنی اولاد یا اپنے نوکروں یا اپنے مال کے لیے بددُعا کے الفاظ منہ سے نہ نکالا کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت کا ہو اور تمھیں لینے کے دینے پڑ جائیں ۔

۳۸۶ ۔ جو مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو:

(انسؓ) عنه، ليسأل احدكم ربّه حاجته كلها حتى يسأل شِسْعَ نعله اذا انقطع ۔ (ترمذی)

اپنی ساری حاجتیں اللہ ہی سے طلب کرو، حتیٰ کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے، تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگو۔

۳۸۷ ۔ ترکِ دُعا کی عادت قابلِ ترک ہے:

(ابوھریرہؓ) من لم يسأل الله يغضب عليه ۔ (ترمذی)

جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اس پر اللہ ناراض ہوتا ہے[1]

۳۸۸ ۔ قبولِ دُعا کا انتظار بھی بہترین عبادت ہے:

(ابن مسعودؓ) سلوا الله من فضله فان الله يحب ان يسئل وا فضل العبادة انتظار الفرج ۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔ اللہ تعالیٰ کو دُعا پسند ہے اور (دُعا کے بعد) کشادگی کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔

۳۸۹ ۔ اُمتی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ:

(جابرؓ) ان امرأة قالت للنبى صلى الله عليه وسلم صل علىّ وعلى زوجى فقال صلى الله عليك وعلى زوجكِ ۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے درخواست کی کہ مجھ پر اور میرے شوہر پر صلوٰۃ بھیجئے (یعنی دُعا کیجئے) حضور نے فرمایا کہ، صلی اللہ علیکِ وعلیٰ زوجکِ۔ اللہ تجھ پر تیرے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔

---

[1] ترکِ دُعا کے تین پہلو ہیں۔ ایک یہ ہے کہ انسان اپنی کاہلی یا بے توجہی کی وجہ سے ایسا کرے۔ دوسرے یہ کہ ابا (انکار) یا مایوسی کے باعث اور تیسرے یہ کہ رضا بقضا یا تفویض و سپردگی کے سبب سے ہو۔ اگر سستی و بے توجہی کی وجہ سے ہے تو یہ غفلت و فسق ہے، ابا ہو تو طغیان اور مایوسی ہو تو کفر ہے۔ اور اگر رضا بقضا کا بلند مقام ہے تو بظاہر یہ ایک سعادت سے محرومی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خاموشی ہی ہمہ تن دُعا میں شمار ہو۔ اس فرمانِ نبویؐ میں جس ترکِ دُعا کو معیوب بتایا گیا ہے، وہ پہلی قسموں کا ترک ہے۔

۳۹۰ - زیادتی کرنے والے کے لیے بددُعا:

(عائشہؓ) رفعتہ: من دعا علی من ظالمہ فقد انتصر۔ (ترمذی)

جس مظلوم نے اپنے ظالم کے لیے بد دعا کی اس نے بدلہ لے لیا۔

۳۹۱ - اولاد کی دُعا کیا اثر رکھتی ہے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ان اللہ تعالیٰ لیرفع للرجل الدرجۃ فیقول انی لی ھذہ؟ فیقول بدعاء ولدک لک۔ (بزار)

اللہ تعالیٰ ایک شخص کا درجہ اتنا بلند فرمائے گا کہ وہ کہے گا کہ: یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا؟ اللہ تعالےٰ جواب دے گا: یہ نتیجہ ہے اس دُعا کا جو تیری اولاد نے تیرے لیے کی تھی۔

۳۹۲ - تحکمانہ دُعا:

(ابن مسعودؓ) قال لرجل اذا سألت ربک الخیر فلا تسأل وفی یدک حجر (کبیر برجل لم یسم)

اُنھوں (ابن مسعودؓ) نے ایک شخص سے کہا کہ: جب اللہ تعالےٰ سے سوال کرو تو اس طرح نہ کرو کہ جیسے تمھارے ہاتھ میں پتھر ہے (یعنی لہجہ عاجزانہ ہو نہ کہ تحکمانہ)۔

اسمائے حسنیٰ

۳۹۳ - اسمائے الٰہیہ:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ان للہ تسعۃ وتسعین اسماً من احصاھا دخل الجنّۃ ھو (۱) اللہ الذی لا الٰہ الا ھو (۲) الرّحمٰن (۳) الرّحیم (۴) الملک (۵) القدوس (۶) السلام (۷) المؤمن

اللہ تعالےٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں۔ جو ان کی نگہداشت کرے گا۔ جنّت میں داخل ہوگا:

(۱) اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ ہے ...... (۲) مادری رحمت والا (۳) پدری شفقت والا (۴) بادشاہ (۵) تمام کمزوریوں سے پاک

(۸) المهيمن (۹) العزيز (۱۰) الجبار
(۱۱) المتكبر (۱۲) الخالق (۱۳) البارئ
(۱۴) المصور (۱۵) الغفار (۱۶) القهار
(۱۷) الوهاب (۱۸) الرزاق (۱۹) الفتاح
(۲۰) العليم (۲۱) القابض (۲۲) الباسط
(۲۳) الخافض (۲۴) الرافع (۲۵) المعز
(۲۶) المذل (۲۷) السميع (۲۸) البصير
(۲۹) الحكم (۳۰) العدل (۳۱) اللطيف
(۳۲) الخبير (۳۳) الحليم (۳۴) العظيم
(۳۵) الغفور (۳۶) الشكور (۳۷) العلي
(۳۸) الكبير (۳۹) الحفيظ (۴۰) المقيت
(۴۱) الحسيب (۴۲) الجليل (۴۳) الكريم
(۴۴) الرقيب (۴۵) المجيب (۴۶) الواسع
(۴۷) الحكيم (۴۸) الودود (۴۹) المجيد
(۵۰) الباعث (۵۱) الشهيد (۵۲) الحق
(۵۳) الوكيل (۵۴) القوی (۵۵) المتين
(۵۶) الولی (۵۷) الحميد (۵۸) المحصی
(۵۹) المبدی (۶۰) المعيد (۶۱) المحيی
(۶۲) المميت (۶۳) الحی (۶۴) القيوم
(۶۵) الواجد (۶۶) الماجد (۶۷) الواحد
(۶۸) الاحد (۶۹) الصمد (۷۰) القادر
(۷۱) المقتدر (۷۲) المقدم (۷۳) المؤخر
(۷۴) الاول (۷۵) الآخر (۷۶) الظاهر
(۷۷) الباطن (۷۸) الوالی (۷۹) المتعالی
(۸۰) البر (۸۱) التواب (۸۲) المنتقم
(۸۳) العفو (۸۴) الرؤف (۸۵) مالك الملك

منزہ (۶) تمام آفات سے محفوظ (۷) امن دینے والا (۸) نگہبان
(۹) غالب (۱۰) نقصان کی تلافی کرنے والا (۱۱) کبریائی والا
(۱۲) آفرینندہ (۱۳) نیست سے ہست کرنیوالا (۱۴) صورت گری
کرنے والا (۱۵) ڈھانپنے والا (۱۶) پورا غلبہ رکھنے والا (۱۷)
بے دریغ عطا کرنیوالا (۱۸) بڑا روزی رساں (۱۹) تمام فتح دینے
والا (۲۰) صاحب علم (۲۱) تنگی کر دینے والا (۲۲) کشادگی پیدا
کرنیوالا (۲۳) پست کرنے والا (۲۴) بلند کرنیوالا (۲۵) عزت
دینے والا (۲۶) ذلت دینے والا (۲۷) سننے والا (۲۸) دیکھنے والا (۲۹)
فیصلہ دینے والا (۳۰) عدل کرنیوالا (۳۱) لطف اور لطافت والا (۳۲) باخبر
(۳۳) علم والا (۳۴) عظمت والا (۳۵) خطاپوش (۳۶) قدردان (۳۷) بلند
مرتبہ (۳۸) صاحب کبریائی (۳۹) نگہدار (۴۰) حافظ (۴۱) حساب
کتاب کی پڑتال کرنے والا (۴۲) جلالت شان والا (۴۳) صاحب کرم و
کرامت (۴۴) نگہبان (۴۵) قبول کرنے والا (۴۶) وسعت والا
(۴۷) حکمت والا (۴۸) بڑا محبت کرنیوالا (۴۹) بزرگی والا۔
(۵۰) دوبارہ زندگی دینے والا (۵۱) ہمہ بین (۵۲) حق،
(۵۳) کفایت کرنیوالا۔ (۵۴) صاحب قوت (۵۵) صاحب قدرت
(۵۶) مددگار (۵۷) لائق حمد (۵۸) شمار کنندہ (۵۹) اول آفرینندہ
(۶۰) باز آفرینندہ (۶۱) زندگی بخشنے والا (۶۲) موت دینے والا
(۶۳) زندہ (۶۴) قائم بالذات (۶۵) بے نیاز،
(۶۶) صاحب بزرگی (۶۷) یکتا (۶۸)
یگانہ (۶۹) مستغنی (۷۰) قدرت والا (۷۱) صاحب اقتدار
(۷۲) آگے بڑھانے والا (۷۳) پیچھے ہٹانے والا۔
(۷۴) پہلا (۷۵) آخری (۷۶) عیاں (۷۷)
نہاں (۷۸) مالک متصرف (۷۹) بلند (۸۰) نظر
رکھنے والا (۸۱) بڑا توبہ قبول کرنے والا (۸۲) انتقام لینے والا
(۸۳) عفو کرنے والا (۸۴) نرم خو (۸۵) بادشاہت کا مالک

(۸۶) ذوالجلال والاکرام (۸۷) المقسط (۸۸) الجامع (۸۹) الغنی (۹۰) المغنی (۹۱) المانع (۹۲) الضار (۹۳) النافع (۹۴) النور (۹۵) الهادی (۹۶) البدیع (۹۷) الباقی (۹۸) الوارث (۹۹) الرشید (۱۰۰) الصبور۔ (ترمذی)

(۸۶) عظمت وکرامت والا (۸۷) عدل کرنے والا (۸۸) یکجا کرنے والا (۸۹) بے نیاز (۹۰) بے نیاز کرنے والا (۹۱) روکنے والا (۹۲) نقصان دینے والا (۹۳) نفع دینے والا (۹۴) روشنی (۹۵) ہدایت دینے والا، (۹۶) نیا سے نیا ایجاد کرنے والا (۹۷) صاحب بقا (۹۸) اصل مالک (۹۹) راہ نما (۱۰۰) بڑا صابر۔

معاملات

جاہلیّت کے اقسامِ نکاح

۱۔ جاہلیّت کے اقسامِ نکاح :

(عائشة رض) ان النكاح فى الجاهلية
كان على اربعة انحاء نكاح منها نكاح
الناس اليوم يخطب الرجل الى
الرجل وليته او ابنته فيصدقها
ثم ينكحها ونكاح آخر كان الرجل
يقول لامرأته اذا طهرت من
طمثها ارسلى الى فلان فاستبضعى
منه ويعتزلها زوجها ولا يمسها
حتى يتبين حملها من ذلك الرجل
فاذا تبين حملها اصابها زوجها
اذا احب وانما يفعل ذلك رغبة
فى نجابة الولد وكان هذا
النكاح نكاح الاستبضاع ونكاح آخر
يجتمع الرهط ما دون العشرة على
المرأة كلهم يصيبها فاذا حملت
ووضعت ومرّ ليال بعد ان تضع حملها
ارسلت اليهم فلم يستطع رجل

جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے۔ ان میں
سے ایک وہ نکاح ہے جو آج رائج ہے۔ یعنی ایک
شخص دوسرے کے پاس اس کی ولیہ یا دُختر کے نکاح
کا پیغام دیتا ہے اور وہ مہر مقرر کرتا ہے اور اسے
نکاح میں لے آتا ہے۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شخص
اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تو حیض سے پاک ہو جائے تو
فلاں کے پاس جا کر تعلق قائم کر لے اس دوران میں اس
کا شوہر اس وقت تک اُس کے پاس نہ جاتا جب
تک اُس شخص کا (جس کے پاس یہ رہی تھی) نطفہ بصورت
حمل ظاہر نہ ہو جائے۔ یہ ظاہر ہونے کے بعد اگر شوہر کا دل
چاہتا تو اس کے پاس جاتا یہ اس غرض سے کیا جاتا کہ
بچّے کی کوئی خاندانی نجابت قائم رہے۔ اس طریقۂ نکاح
کا نام نکاح استبضاع تھا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ تقریباً دس
آدمی ایک عورت کے پاس جاتے اور سب اس سے مواصلت
کرتے۔ جب وہ حاملہ ہو کر وضع حمل سے فارغ ہو
جاتی تو کچھ دنوں کے بعد سب کو بُلا بھیجتی اور کوئی آنے
سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ جب سب اُس کے پاس

رجل منهم ان يمتنع حتىٰ يجتمعوا عندها تقول لهم قد عرفتم الذي كان من امركم وقد ولدتُ فهو ابنك يا فلان تسمّي من احبّت فتلحقُ به ولدها لا يستطيع ان يمتنع الرجل ونكاح رابع يجتمع الناس الكثير فيدخلون على المرأة لا تمتنع ممّن جاءها وهن البغايا كنّ ينصبن على ابوابهن الرأيات وتكون علمًا فمن اراد هن دخل عليهن فاذا حملت احداهن ووضعت حملها جمعوا لها ودعوا لها القافة ثم الحقوا ولدها بالذي يرون فالتاط به ودعي ابنه لا يمتنع من ذلك فلما بعث محمّد صلّى الله عليه وسلّم بالحق هدم نكاح الجاهلية الا نكاح الاسلام اليوم ۔ (بخاری، ابو داؤد)

اکٹھے ہو جاتے تو وہ کہتی کہ تم سب نے جو کچھ کیا ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ پھر وہ جسے پسند کرتی اس کا نام لے کر کہتی کہ اے فلاں یہ تیرا بچّہ ہے جو میں نے جنا ہے۔ پھر وہ اس بچے کو اُسی سے وابستہ کر دیتی اور وہ اس سے انکار نہ کر سکتا۔ چوتھا طریقۂ نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ یکجا ہوتے اور مخصوص عورت سے ہم آغوش ہوتے اور جو بھی اس وقت آتے وہ اسے روک نہ سکتی۔ یہ لغایا (طوائفیں یا بدکار عورتیں) ہوتی تھیں۔ ان کی علامت یہ ہوتی تھی کہ ان کے دروازوں پر جھنڈے کھڑے کر دیئے جاتے تھے۔ اس وقت جو بھی چاہتا بے تکلف اُس پر جا پڑتا۔ جب ایسی عورتوں میں کوئی حاملہ ہو کر وضع حمل سے فارغ ہو جاتی تو سب لوگ اکٹھے ہوتے اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا اور وہی اس بچے کو جس سے صحیح سمجھتے وابستہ کر دیتے اور وہ اسی کا بچہ سمجھا جاتا اور وہ اس سے انکاری نہ ہو سکتا۔ جب حضورؐ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو بجز اس نکاح اسلام کے جو آج موجود ہے، تمام جاہلی طریقہ ہائے نکاح ختم فرما دیئے۔

۲ - تجرّد کی زندگی کوئی تقویٰ نہیں :

(سمرةؓ) ان النبي صلّى الله عليه وسلّم نهى عن التبتل وقرأ قتادة ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذرية ۔

(ترمذی، نسائی)

آنحضرتؐ نے تجرّد کی زندگی سے منع فرمایا ہے قتادہ نے اس موقعے کے لیے یہ آیت پڑھی (ترجمہ یہ ہے) کہ ہم نے اے رسولؐ تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے ہیں اور اُن کو صاحب ازواج و اولاد بھی بنایا۔

کتابُ البیوع

حلال روزی

۳۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ (شریعت کے دیگر) فرائض کے بعد حلال روزی حاصل کرنا فرض ہے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بدن کو حرام غذا دی گئی۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۵۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْہُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (بخاری شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ: رسولِ کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب کہ کوئی اس بات کی پروا نہ کرے گا کہ اس نے جو مال حاصل کیا وہ حلال ہے یا حرام؟

ایمان، اسلام، اعتصام (مضبوط پکڑنا) اقتصاد (میانہ روی) امانت امرِ معروف (نیک کام کا حکم) اُمید، اجل وغیرہ!

۶۔ مَنْ عَمَّرَ اَرْضًا لَیْسَتْ لِاَحَدٍ فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔ (البخاری)

جو ایسی زمین پر آبادی کرے، جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہی شخص اس کا زیادہ حق دار ہے۔

کتابُ النکاح

۷۔ نکاح محافظ نگاہ و عصمت ہے، مجرد کے لیے روزہ محافظ ہے:

(علقمةؓ)...... قال لنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوّج فانه اغضّ للبصر واحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء۔
(للستة الا مالكا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے، کیونکہ اس سے نگاہیں اور عصمتیں محفوظ رہتی ہیں، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، اس سے قطع شہوت ہو جائے گا۔

۸۔ نکاح کا مقصد نسلِ انسانی کی بقا بھی ہے:

(معقلؓ بن یسارؓ) جاء رجل الى النبيّ صلّى الله عليه وسلم فقال انى اصبت امرأة ذات حسب وجمال وانها لا تلد أفأتزوجها؟ قال لا ثم اتاه الثانية فنهاه ثم اتاه الثالثة فقال تزوجوا الودود الولود فانى مكاثر بكم الامم (ابوداؤد، نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ: مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوبصورت اور شریف خاندان کی ہے، مگر وہ بانجھ ہے، کیا میں اسے اپنے نکاح میں لے آؤں؟ حضورؐ نے فرمایا: نہیں۔ دوبارہ اس نے پھر آکر یہی سوال کیا اور حضورؐ نے نفی میں جواب دیا۔ تیسری بار پھر آیا تو فرمایا کہ: اس عورت سے نکاح کر جو خوب محبت کرنے والی اور خوب جننے والی ہو تا کہ میں اپنی امت کی کثرت تعداد پر بھی فخر کر سکوں۔

۹۔ زنِ صالحہ کی قدر و قیمت:

(ابن عمروؓ بن العاص) رفعه: الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة۔ (مسلم، نسائی)

دنیا سامانِ زیست ہے اور اس کی بہترین متاع صالح عورت ہے۔

اچھا تاجر

۱۰۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔

(ترمذی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بہت سچے اور دیانتدار تاجر (کا حشر) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

۱۱۔ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔

(ترمذی، ابن ماجه)

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن تاجروں کا حشر نافرمانوں کے ساتھ ہوگا مگر جو تاجر خدائے تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے حرام سے بچے، جھوٹی قسم نہ کھائے اور سچ بولے (تو اس کا حشر فاجروں کے ساتھ نہیں ہوگا)۔

۱۲۔ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَیْبًا لَمْ یُنَبِّهْهُ لَمْ یَزَلْ فِیْ مَقْتِ اللّٰهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِکَةُ تَلْعَنُهٗ۔

(ابن ماجه)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلاۃ والسّلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کے غضب میں رہے گا۔ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

سُود کا بیان

۱۳۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَهٗ وَکَاتِبَهٗ وَشَاهِدَیْهِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں

وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (مسلم شریف)

پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں ۔

۱۴- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمُ رِبًوا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَ ثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً۔ (احمد، دارقطنی، مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے اس کا گناہ چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ ہے۔

۱۵- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰو سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ۔ (ابنِ ماجہ - بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ سود (کا گناہ) ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے ۔

بیع، راستی، امانت سہولت، اوزان، حرام چیز کا بیچنا دھوکا، شفعہ وغیرہ

۱۶- اَلتَّاجِرُ الْاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔ (الترمذی)

امین اور راست باز تاجر نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور صالحین کی صف میں ہوگا ۔

۱۷- اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَ الْبَيِّعَانِ وَبَيَّنَا بُوْرِكَ فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا فَعَسٰى اَنْ يَّرْبَحَا رِبْحًا مَّا وَيُمْحَقَا بَرَكَةَ بَيْعِهِمَا۔ (الخمسۃ)

بائع (بیچنے والے) اور (خریدار) کو اس وقت تک سودے پر اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں لیں اگر ہر دو نے سچ کہا اور مال متعلقہ کی بابت سب کچھ بیان کر دیا تو دونوں کے لیے برکت کا موجب ہے اور اگر جھوٹ کہا اور مال کے عیب چھپا رکھے، ممکن ہے کہ سر دست کچھ نفع ہو۔ مگر اس سودے میں برکت نہ ہوگی ۔

۱۸۔ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَ اِذَا اشْتَرٰى وَ اِذَا اقْتَضٰى۔ (البخاری، و الترمذی)

خدا اس شخص پر مہربانی کرتا ہے جو خرید و فروخت اور قیمت وصول کرنے کے تقاضے میں سہولت اور نرمی اختیار کرتا ہے۔

۱۹۔ قَالَ لِاَهْلِ الْمِكْيَالِ وَ الْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِمَا الْاُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ۔ (الترمذی)

ماپنے اور تولنے والوں کو فرمایا تمھارے سپرد وہ کام ہیں جنھیں (ٹھیک طور پر نہ) کرنے سے تم سے پہلے بعض لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔

۲۰۔ اِذَا بِعْتَ فَكِلْ وَ اِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ۔ (البخاری)

جب تو کوئی چیز فروخت کرے تو اُسے ناپ کر دے اور جب خرید لے تو ناپ کر لے۔

۲۱۔ اِنَّ رَجُلًا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاوِيَةَ خَمْرٍ فَقَالَ لَهٗ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَهَا قَالَ لَا فَسَارَّ اِنْسَانًا اِلٰى جَنْبِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَ سَارَرْتَهٗ قَالَ اَمَرْتُهٗ بِبَيْعِهَا قَالَ اِنَّ الَّذِيْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا فَفَتَحَ الْمَزَادَتَيْنِ حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِيْهِمَا۔ (مسلم، مالک، والنسائی)

ایک شخص تحفے کے طور پر ایک شراب کا مشکیزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا، فرمایا، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے؟ اُس نے کہا نہیں (اور راوی کہتے ہیں) اس کے پاس والے آدمی نے کان میں کچھ کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کے کان میں تم نے کیا کہا؟ اس نے کہا میں نے کہا ہے کہ اسے بیچ ڈال۔ فرمایا جس نے اس کا پینا حرام کر دیا ہے۔ اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کر دیا ہے اس نے دونوں مشکیزوں کا جو اس کے پاس تھے منہ کھول دیا اور جو کچھ ان میں تھا سب بہہ گیا۔

۲۲۔ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَيْتَامٍ وَّرِثُوْا خَمْرًا فَقَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ اَوَلَا اَجْعَلُهَا خَلًّا قَالَ لَا۔ (ابوداؤد، والترمذی)

ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس شراب کو کیا کیا جائے جو بعض یتیموں کو وراثت میں ملی ہے۔ فرمایا پھینک دو۔ ابوطلحہ نے کہا کہ کیا اس کا سرکہ نہ بنا لوں؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔

۲۳۔ مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِيْعُهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ وَفِيْ اُخْرٰى حَتّٰى يَقْبِضَهٗ قَالَ وَكُنَّا نَشْتَرِى الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ جِزَافًا فَنَهَانَا

جو غلہ خریدے اس کا اس وقت تک فروخت کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ ناپا تولا نہ جائے اور دوسری روایت میں ہے کہ جب تک قبضہ میں نہ لایا جائے اور آگے چل کر راوی بیان کرتا ہے کہ ہم (بیوپاریوں سے) جو سوار ہو

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَبِیْعَهٗ حَتّٰی نَنْقُلَهٗ مِنْ مَکَانِهٖ۔ (الستۃ الا النسائی و الترمذی)

کرایا کرتے تھے۔ غلہ خرید نے مگر بغیر ٹھیک طور پر ناپ تول کیے اس کی مقدار کا اندازہ لگا لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو مت بیچو جب تک دوسری جگہ نہ لے جاؤ[1]

۲۴۔ عَنْ حَکِیْمِ ابْنِ حِزَامٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَاْتِیْنِیْ فَیُرِیْدُ مِنِّی الْبَیْعَ وَلَیْسَ عِنْدِیْ مَا یَطْلُبُ اَفَاَبِیْعُ مِنْهُ ثُمَّ اَبْتَاعُهٗ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَا تَبِعْ مَا لَیْسَ عِنْدَکَ۔

(ابوداؤد۔ والترمذی و النسائی)

حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس لوگ آتے ہیں اور بعض چیزیں خریدنا چاہتے ہیں، جو میرے پاس نہیں ہوتیں۔ کیا میں ان کے ساتھ سودا کر لیا کروں اور پھر بازار سے مطلوبہ چیز خرید کر انھیں دے دیا کروں، فرمایا ایسی چیز کے بیچنے کا سودا مت کیا کرو جو تمھارے پاس نہیں ہے[2]

۲۵۔ لَا یَحِلُّ لِامْرِئٍ مُسْلِمٍ اَنْ یَبِیْعَ سِلْعَةً یَعْلَمُ اَنَّ بِهَا دَآءً

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز بیچے جس میں کسی نقص کے ہونے کا اُسے علم ہو۔ ہاں اگر

---

[1] اس سے مراد ممانعت اس قسم کے سودے اور بیوپار کی ہے کہ غلہ جب کھیتوں سے منڈیوں میں آتا ہے تو لبا اوقات اس کے ایک ہی جگہ پڑے پڑے ایک یا ایک ہی ہفتے میں کئی شخص بغیر دیکھے اس کے مالک یا خریدار بن کر بڑا بھاری نفع یا نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہی ممنوع تجارت ہے جس کے سبب سے ملک میں باوجود جنس کے افراط سے موجود ہونے کے قحط و گرانی رہتی ہے اور یہ نافرمانی کی سزا ہے۔ مال کے دیکھنے اور اپنی جگہ موجود ہونے سے قبل بیع کرنا اس وقت سٹہ کہلاتا ہے۔

[2] یہ اسی قسم کی تجارت ہے جو آج کل کمیشن ایجنسی کے نام سے معروف ہے۔ اس کی قباحت صریح ہے اور محتاج بیان نہیں، جو فائدہ کہ فروشندہ یا خریدار کو ہونا چاہیے جس کے وہ ہر دو مستحق ہیں۔ ایک تیسرا شخص جس کی نہ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اڑا لے جاتا ہے۔ کمیشن ایجنسی تو پھر بھی کچھ ہے کہ مالک اور گاہک ہر دو کو اس کا علم ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ ناروا بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر ناجائز اور ممنوع اور غارت کرنے والا وہ طریق ہے جو آج کل بڑے بڑے شہروں میں بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ ان کے پاس نہ کوئی دوکان ہے نہ سامان۔ انگریزی ابجد کے چند حروف کو جوڑ کے اپنی فرضی دوکان یا کمپنی کا نام رکھ کر چیزوں کی ایک فہرست چھاپ لیتے ہیں اور جھوٹی قسموں اور اشتہار بازی سے بیچارے سادہ لوح اور کم علم لوگوں کو لوٹ لوٹ کر مزے اڑاتے ہیں۔

إِلَّا أَخْبَرَ بِهِ۔ (البخاری)

خریدار کو نقص سے مطلع کرے۔

۲۶۔ مَنْ بَاعَ مُحَفَّلَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا مِثْلَ أَوْ مِثْلَيْ لَبَنِهَا قَمْحًا۔ (ابوداؤد)

جو شخص ایسے جانور کو خریدے جس کے تھنوں میں دودھ روکا گیا ہو۔ اسے اس کی واپسی کا تین دن تک اختیار ہے، مگر اُسے دودھ کا معاوضہ اس کے برابر یا اس سے دوچند غلے یا آٹے سے ادا کرنا چاہیئے۔

۲۷۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ أَخْرَجَهُ الثَّلٰثَةُ وَالنَّسَائِيُّ زَادَ مَالِكٌ وَالنَّجْشُ أَنْ تُعْطِيَهُ بِسِلْعَتِهِ أَكْثَرَ مِنْهَا وَلَيْسَ فِيْ نَفْسِكَ اشْتِرَاءُهَا فَيَقْتَدِيْ بِكَ غَيْرُكَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ بڑھانے سے منع فرمایا۔ امام مالک سے روایت ہے کہ نرخ بڑھانے سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو مگر اس کی قیمت بڑھاتا جائے۔ اس غرض سے کہ اسے دیکھ دیکھ کر لوگ بھی قیمت بڑھاتے جائیں۔

۲۸۔ وَلَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ۔ (الستة)

جب کسی کا سودا ایک شخص کے ساتھ ہو جائے تو پھر دوسرے شخص کے واسطے پہلے مالک سے اس چیز کا سودا کرنا منع ہے۔

۲۹۔ وَفِيْ أُخْرٰى الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَقُوْلُ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ اخْتَرْ وَرُبَّمَا قَالَ أَوْ يَكُوْنُ بَيْعَ خِيَارٍ۔ (الستة)

ایک روایت میں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا جب تک جدا نہ ہو جائیں (سودے کے فسخ کا) اختیار رکھتے ہیں۔ یا ایک ان میں سے دوسرے کو کہہ دے (کہ اس سودے میں اختیار ہے۔ یا بیع اختیاری ہو (تو اور بات ہے)

۳۰۔ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ۔ (مالک والترمذی)

جب بیچنے والے اور گاہک کے درمیان اختلاف ہو جائے تو بیچنے والے کی بات معتبر سمجھی چاہیئے اور گاہک کو اختیار ہے۔ خواہ خریدے خواہ نہ خریدے۔

۳۱۔ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ (مسلم و ابوداؤد والترمذی)

جو شخص اس غرض سے غلہ جمع کر کے روک لے کہ نرخ بڑھنے پر بیچے تو وہ خطا کار ہے۔

۳۲۔ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ ادْعُوْا ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ نرخ مقرر فرما دیجیئے (کہ غلہ گراں ہے) فرمایا میں دعا کرتا ہوں (کہ نرخ سستا ہو جائے) پھر ایک اور شخص آیا اور وہی درخواست کی فرمایا خدا

بل اللہ تعالیٰ یخفض ویرفع و انی لارجوا ان القی اللہ تعالیٰ ولیس لاحد عندی مظلمۃ۔ (ابو داؤد)

ہی نرخ کو گھٹاتا ہے اور بڑھاتا ہے ۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی بارگاہ میں ایسی حالت میں حاضر ہوں کہ کسی پر ظلم کرنے کا مطالبہ مجھ سے نہ کیا جائے ۔

رہن اور بیع سلم

۳۳۔ عن ابن عباس قال قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ وھم یسلفون فی الثمار السنۃ والسنتین والثلث فقال من اسلف فی شیء فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے ۔ مدینہ کے لوگ پھلوں میں سال دو سال اور تین سال کی (پیشگی) بیع کیا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح کی بیع کرے اُسے چاہیئے کہ معین پیمانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ کرے ۔

۳۴۔ عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا یغلق الرھن الرھن من صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی چیز کو رہن کر دینے سے رہن کرنے والے کی ملکیت ختم نہیں ہو جاتی ۔ اس کے منافع کا حقدار راہن ہے اور (چیز ضائع ہو جائے تو) مرتہن تاوان کا ذمہ دار ہے ۔

شاہد و اذن

۳۵۔ بغیر گواہوں کے عورت کا خود نکاح کر لینا :

(ابن عباسؓ) رفعہ : البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینۃ ۔
(ترمذی وصحح انہ موقوف)

بدکار ہیں وہ عورتیں جو بغیر گواہوں کے خود ہی اپنا نکاح آپ کر لیتی ہیں ۔

۳۶- بالغہ کا اذن ضروری ہے:

(ابن عباسؓ) رفعه : الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها و اذنها صماتها (بخاری)

بیوہ عورت اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا حق اپنے ولی سے زیادہ رکھتی ہے اور کنواری عورت کے متعلق خود اس سے اذن لے لینا چاہیئے اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کا اذن ہے۔

۳۷- نکاح بلا رضا کو عورت توڑ سکتی ہے خواہ باپ ہی کیوں نہ کرے:

(ابن عباسؓ) ان جاریة بکرا اتت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فذکرت ان اباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم (ابوداؤد)

ایک باکرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر فریاد کی کہ اس کے باپ نے اس کی رضا کے خلاف اسے بیاہ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مختار کر دیا۔ (کہ خواہ یہ نکاح باقی رکھے یا توڑ دے۔)

درخت کا پھل

۳۸- لَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ۔ (السنة)

درخت کا پھل مت بیچا کرو جب تک اس میں صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے (یعنی اس کا نشو و نما اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کے پک جانے کی اُمید بندھ جائے)

۳۹- اُصِيْبَ رَجُلٌ فِيْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهٗ فَاَفْلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهٖ خُذُوْا مَا وَجَدْتُمْ لَهٗ لَيْسَ لَكُمْ

ایک شخص نے کچھ درختوں کا پھل خریدا۔ میوے پر آفت آگئی (اس وجہ سے) اس پر بہت سا قرضہ ہو گیا۔ اور وہ مفلس ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے صدقہ (حسب توفیق چندہ) دے دو۔ لوگوں نے چندہ دیا مگر اس کی مقدار قرضہ کی رقم سے کم رہی۔ آپؐ نے قرض خواہوں کو فرمایا: جو کچھ ملتا ہے (غنیمت سمجھ کر) لے لو۔ کیونکہ اس سے زیادہ تو تمھیں

إِلَّا ذٰلِكَ ۔ (الخمسة الا البخاری)

(کسی طرح) وصول ہی نہیں ہوسکتا۔

۴۰۔ إِنْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (مسلم وابوداود والنسائی وَفِي رِوَايَةٍ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ)۔

اگر تم نے کسی درخت کا پھل اپنے بھائی کے ہاتھ بیچا ہے اور اس پر کوئی آفت آئی ہے تو تمھارے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے کچھ وصول کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے میں تم بالکل ناحق پر ہوگے۔ اور ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفت سے جو نقصان ہو وہ اصل قیمت میں سے وضع کرلیا جائے۔

قرضدار کو مہلت دینا

۴۱۔ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (مسلم شریف)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص قرضدار کو مہلت دے یا قرض معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔

۴۲۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ أَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ۔ (احمد، مشکوٰۃ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو وہ اُسے مہلت دے تو اُسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔

۴۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ مومن کی جان اپنے قرض کے سبب معلّق رہتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے۔

۱۴۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، سوائے قرض کے۔

مہر

۴۵۔ صرف اسلام کا مہر ہونا، اُم سلیم کی جرأتِ ایمانی :

(انس رض) خطب ابوطلحة ام سلیم فقالت واللہ ما مثلك یا اباطلحة یرد ولکنك رجل کافر و انا امرأة مسلمة ولا یحل لی ان اتزوجك فان تسلم فذلك مهری ولا اسألك غيره فاسلم وکان ذلك مهرها۔ قال ثابت فما سمعت بامرأة قط کانت اکرم مهراً من ام سلیم الاسلام فدخل بها فولدت له۔ (نسائی)

ابوطلحہ نے اُمّ سلیم کو پیغامِ نکاح دیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ : ابوطلحہ تم جیسے آدمی کا پیغام رَدّ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان عورت۔ میرے لیے تم سے نکاح ہی درست نہیں۔ البتہ اگر تم اسلام لے آؤ تو نہ فقط یہ کہ نکاح کر لوں گی) بلکہ تمھارا اسلام ہی میرا مہر ہو جائے گا۔ اور میں اُس کے سوا تم سے کچھ بھی طلب نہ کروں گی۔ غرض وہ اسلام لے آئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔ ثابت کہتے ہیں کہ : میں نے اُم سلیم سے بہتر کسی عورت کا مہر نہیں سُنا یعنی اسلام۔ ابوطلحہ رض سے ان کے اولاد بھی ہوئی۔

۴۶۔ ام المومنین ام سلمہ رض کا مہر صرف دس درہم تھا :

(انس رض) ان النبی صلی اللہ علیه وسلم تزوج ام سلمة علی متاع قیمته عشرة دراهم۔ (موصلی، بزار کبیر بضعف۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رض کو مہر میں جو چیزیں دی تھیں ان کی قیمت دس درہم تھی۔

۴۷۔ تین آسانیوں کا شمار عورت کی برکات میں ہے:

(عائشہؓ) رفعتہ: ان من یمن المرأۃ تیسیر خطبتھا وتیسیر صداقھا وتیسیر رحمھا۔ (احمد بیلین)

عورت کی ایک برکت تو یہ ہے کہ اُسے پیغام نکاح آسانی سے دیا جاسکے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ اس کا مہر آسانی سے ادا ہوسکے۔ تیسری برکت یہ ہے کہ اس کا رحم آسانی سے حمل اور ولادت کا کام کرسکے۔

۴۸۔ مہر ہضم کرنے والے کا شمار زانیوں میں ہوگا:

(میمون الکردی) عن ابیہ رفعہ: ایمارجل تزوج امرأۃ علی ماقلّ من المھر اوکثرلیس فی نفسہ ان تؤدی الیھاحقھالقی اللہ یوم القیمۃ وھوزان۔ (اوسط صغیر)

جو شخص کسی عورت سے بھی قلیل یا کثیر مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں یہ حق مہر ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بروز حشر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک زانی کی حیثیت سے پیش ہوگا۔

(ت) تفسیر اور متفرق!

۴۹۔ إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاجْعَلُوهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ۔ (الخمسۃ الا النسائی)

جب تمہارا کسی رستے (کے عرض) میں اختلاف ہو، تو اُسے سات ہاتھ رکھ لو۔

۵۰۔ إِنَّ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْمَسَاجِدُ وَأَبْغَضَ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْأَسْوَاقُ۔ (المسلم)

خدا کے نزدیک پسندیدہ تر مقام مسجدیں ہیں اور بدترین مقام بازار۔

زمین پر ناجائز قبضہ

۵۱۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ ۔ (بخاری شریف)

کہ جو شخص دوسرے کی زمین کا کچھ حصہ ناحق دبا لے تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کی (تہ) تک دھنسا یا جائے گا۔

۵۲ - عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ ۔ (مسلم، بخاری)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلم سے حاصل کرے گا اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

۵۳ - عَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ ۔ (بیہقی)

حضرت ابوحرہ رقاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خبردار (کسی پر) ظلم نہ کرنا (اور) کان کھول کر سُن لو کہ کسی شخص کا مال (تمھارے لیے) حلال نہیں ہو سکتا مگر وہ خوشی دل سے راضی ہو جائے۔

ولیمہ

۵۴ - بدترین طعامِ ولیمہ، دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا:

(ابوھریرۃؓ) شر الطعام طعام الولیمۃ یدعیٰ لہ الاغنیاء و یترک المساکین و من لم یأت الدعوۃ فقد عصی اللّٰہ و رسولہ ۔ (شیخین، موطأ، ابو داؤد)

بدترین دعوتِ ولیمہ وہ ہے جس میں صرف اغنیاء بلائے جائیں اور مساکین کو نہ پوچھا جائے اور جو شخص اس دعوت میں (بلایا جائے اور) شریک نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

حدّ (سزا)

۵۵ - رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ

تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی جن سے کوئی مواخذہ

عَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَبْلُغَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الْمَعْتُوْہِ حَتّٰی یَبْرَئَ۔ ابو داؤد۔ وَفِیْ اُخْرٰی زَادَ عَنِ الْخَرِفِ۔ (ابوداؤد)

نہیں کیا جاتا) لڑکا جب تک بالغ نہ ہو۔ سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہوا ور دیوانہ جب تک تندرست نہ ہو اور ایک روایت میں اتنا زیادہ کیا گیا ہے کہ وہ بڈھا بھی جس کی عقل زیادتی عمر کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو مرفوع القلم ہے۔

حلالہ

۵۶۔ حلالہ کرنے والے اور کرانے والے ملعون ہیں:

(ابن مسعودؓ) ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لعن المحلل والمحلل لہ۔ (ترمذی، نسائی)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

دَین یعنی قرض کی اَدائیگی!

۵۷۔ اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی یَلْقَاہُ بِہٖ عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ لَا یَدَعُ لَہٗ قَضَاءً۔ (ابوداؤد)

کبیرہ گناہوں کے بعد جن کی خدا نے ممانعت فرمائی ہے، سب سے بڑا گناہ حساب کے وقت خدا کے نزدیک انسان کا یہ ہوگا کہ وہ اس حالت میں) مرجائے کہ اس کے ذمے اس قدر قرض ہو کہ اس کی ادائیگی کے لئے وہ جائیداد نہ چھوڑ مرا ہو۔

۵۸۔ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَھَا اَدَّی اللّٰہُ عَنْہُ وَمَنْ اَخَذَھَا یُرِیْدُ اِتْلَافَھَا اَتْلَفَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ (البخاری)

جو شخص اس نیت سے مال (قرض) لے کہ وہ اُسے ادا کرے گا تو اللہ اس سے ادا کرا دے گا۔ اور جو اس نیت سے لے کہ خُرد بُرد کر لے تو اللہ اُسے بھی خُرد بُرد کر دے گا۔

۵۹۔ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَاِذَا اُتْبِعَ

دولت مند کا (قرض کے ادا کرنے میں) التوا کرنا ظلم

أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ ۔ (الستة)

ہے جب کسی (قرض خواہ) کا قرضہ کسی مالدار آدمی ... ڈالا جائے تو اُسے مان لینا چاہیئے ۔

۶۰ ۔ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُغَلَّظُ لَهُ وَيُحْبَسُ ۔ (ابوداؤد ۔ والنسائی)

صاحب توفیق کا (قرض کی ادائیگی میں) توقف کرنا (اس امر کو) جائز کر دیتا ہے کہ اس کی عزت میں فرق آئے اور اسے تنگ کیا جائے ۔ ابن مبارک نے کہا کہ (یہ بھی جائز ہے کہ) اس پر سختی کی جائے اور اُسے قید کیا جائے ۔

۶۱ ۔ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللهُ تَعَالَى مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ ۔ (مسلم)

جو شخص یہ چاہے کہ قیامت کے دن کی سختیوں سے بچا رہے ۔ اُسے چاہیئے کہ تنگ دست کو (قرض ادا کرنے میں) مہلت دے یا (قرض) معاف کر دے ۔

۶۲ ۔ كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنٌّ مِنَ الْإِبِلِ فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ وَإِنَّهُ أَغْلَظَ فِي الْقَوْلِ حَتّٰى هَمَّ بِهِ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَالَ أَعْطُوهُ فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا فَقَالَ أَعْطُوهَا فَقَالَ أَوْفَيْتَنِي أَوْفَاكَ اللهُ تَعَالَى فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً ۔ (الخمسة الا ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ایک آدمی کا اُونٹ تھا ۔ اس نے آ کر تقاضا کیا اور سخت کلامی کی ۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے (اس کو سرزنش کرنے کا) قصد کیا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اسے کچھ نہ کہو ۔ کہ تقاضا کرنا لینے والے کا کام ہے ۔ پھر فرمایا اسے (اس کی چیز) دے دو ۔ تلاش کی گئی ۔ مگر اس کا (سا) اُونٹ نہ ملا ۔ البتہ ایک اُونٹ اس سے (قد میں) بڑا مل گیا ۔ آپؐ نے فرمایا یہی دے دو ۔ اُس نے کہا ۔ تو نے مجھے پورا (قرضہ) دے دیا خدا تجھے بھرا پُرا رکھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ تم میں سے بہتر شخص وہی ہے (جو اپنے ذمے کی چیز) اچھی طرح ادا کرے ۔

کتاب الطلاق

۶۳ ۔ مسئلہ طلاق میں وقتی حالات کی رعایت :

ابن عباسؓ، كان الرجل اذا طلّق

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو قبل از دخول تین طلاقیں

امرأته ثلاثة قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وابى بكر رضی وصدرًا من امارة عمر رضی فلما راٰه الناس قد تتابعوا فيها قال اجيزوهن عليهن۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی بلفظہ)

دے دیتا تو وہ ایک ہی طلاق سمجھی جاتی تھی یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا اور یہی حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد میں اور یہی حضرت عمر رضی کے دورِ خلافت میں ابتداءً رہا۔ جب حضرت عمر رضی نے دیکھا کہ لوگ اس معاملہ میں بے دھڑک واقع ہو گئے ہیں تو آپ نے کہا کہ: اب تین طلاقیں تین ہی سمجھی جائیں۔

۶۴۔ دماغ قابو سے باہر ہو جائے تو طلاق بے اثر ہے:

(ابو ھریرۃ رضی) كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه والمغلوب على عقله۔ (ترمذی)

ہر طلاق نافذ ہو جاتی ہے بجز معتوہ اور مغلوب العقل کی طلاق کے۔

۶۵۔ سخت غصے کی حالت میں طلاق بے اثر ہے:

(عائشۃ رضی) قالت لا طلاق ولا عتاق فی غلاق لابی داؤد وقال الغلاق الغضب۔

حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ: "غلاق" میں نہ کوئی طلاق نافذ ہوگی نہ عتاق۔ ابوداؤد میں غلاق کے معنی غضب کے ہیں۔ (غلاق غضب کی اُس کیفیت کو کہتے ہیں۔ جب کہ بات کرنے والے کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے)

۶۶۔ عورت کسی کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کی جا سکتی:

(ابن عباس رضی) ان زوج بريرة كان عبدًا يقال له مغيث كأني انظر اليه يطوف خلفها ودموعه على لحيته فقال النبي صلى الله عليه وسلم للعباس رضی يا عباس الا تعجب من حب مغيث بريرة ومن بغض بريرة مغيثا، فقال صلى الله عليه وسلم

بریرہ کا شوہر ایک غلام تھا مغیث نامی، اس کا نقشہ گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ وہ بریرہ رضی کے پیچھے پیچھے گھوم رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی داڑھی پر بہہ رہے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عباس رضی سے فرمایا کہ: اے عباس رضی! تمہیں مغیث کی محبتِ بریرہ رضی اور بریرہ رضی کی نفرتِ مغیث پر تعجب نہیں ہوتا۔!
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ فرمایا کہ:
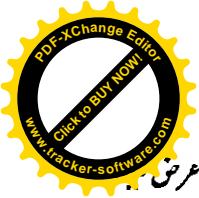
لو راجعتیه قالت یارسول الله تأمرنی؟ قال انما اشفع قالت لاحاجة لی فیه (بخاری، اصحاب سنن)	اے کاش! کہ تو اس کی طرف رجوع کر لیتی۔ عرض کیا حضورؐ! مجھے حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! بلکہ میری سفارش ہے۔ بولی: مجھے مغیث سے کوئی دلچسپی نہیں۔

۶۷۔ اللہ کی نگاہ میں طلاق سب سے زیادہ قابلِ نفرت مباح ہے:

(ابن عمرؓ) رفعہ: ابغض الحلال الی الله الطلاق۔ (ابوداؤد)	جائز باتوں میں جو چیز اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ طلاق ہے۔

۶۸۔ طلاق ایک ہی سبب سے ہو سکتی ہے:

(ابوموسیٰؓ) رفعہ: لا تطلق النساء الا من ریبة ان الله تعالیٰ لا یحب الذواقین ولا الذواقات (بزار، کبیر، اوسط)	جب تک عورت متہم نہ ہو اُسے طلاق نہیں دینی چاہیے۔ گھاٹ گھاٹ کا مزہ چکھنے والے مردوں اور عورتوں کو اللہ تعالےٰ پسند نہیں کرتا۔

۶۹۔ بلاوجہ عورت کا خود مطالبۂ طلاق کرنا:

(ثوبانؓ) رفعہ: ایما امرأة سألت زوجها الطلاق من غیر بأس فحرام علیها رائحة الجنة۔ (ابوداؤد، ترمذی)	جو عورت بھی بلا کسی سخت ناگواری کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے، اُس پر جنّت کی خوشبو حرام ہے۔

۷۰۔ تین باتوں میں سنجیدگی و مزاح کا اثر یکساں ہے:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: ثلاثة جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة۔ (ترمذی، ابوداؤد)	تین چیزیں ایسی ہیں کہ خواہ وہ سنجیدگی سے ہوں یا مزاح سے، مگر نافذ ہو جاتی ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔

۷۱۔ صرف ناپسندیدگی کی وجہ سے عورت مطالبۂ خلع کر سکتی ہے:

(ابن عباسؓ) ان امرأة ثابت بن قیس	ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی نے

بن شماس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت لہ ما اعتب علی ثابت فی خلق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام فقال تردین علیہ حدیقتہ؟ قالت نعم فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ۔
(بخاری، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ: مجھے ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے خُلق اور دین کے متعلق کوئی شکایت نہیں لیکن اسلام میں کُفر (یعنی منافقانہ محبّت) مجھے پسند نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں ملا ہے) اُسے واپس کر دو گی؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا: اے ثابت اپنا باغ لے لو، اور اُسے طلاق دے دو۔

۷۲۔ الولد للفراش:

(عمرو بن شعیب) عن ابیہ عن جدہ: قال رجل یا رسول اللہ ان فلانا ابنی عاھرت بامہ فی الجاھلیۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا دعوۃ فی الاسلام ذھب امر الجاھلیۃ الولد للفراش وللعاھر الحجر۔
(ابو داؤد)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! فلاں آدمی میرا فرزند ہے کیونکہ میں دورِ جاہلیت میں اس کی ماں سے کَوث ہوا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام کے بعد ایسا کوئی دعویٰ مقبول نہیں۔ جاہلیت کی بات ختم ہو چکی۔ بچّہ اُسی شخص کا ہو گا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ ناجائز تعلق پیدا کرنے والے کے لیے وہ پتھر سے زیادہ نہیں۔

۷۳۔ خلع کی عِدّت میں صرف ایک حیض کی مثال:

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) ان امرأۃ ثابت بن قیس بن شماس اختلعت من زوجہا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعتد بحیضۃ۔
(ابو داؤد، ترمذی بلفظہ)

عہدِ رسالت میں ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی نے اُن سے خلع کرایا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو صرف ایک حیض کی عدّت گزارنے کا حکم فرمایا۔

۷۴۔ مطلّقہ کے فرزند کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا فیصلہ :

(عمرو بن شعیب) عن ابیہ عن جدّہ : ان امرأۃ اتت النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم فقالت ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وثدیی لہ سقاء وحجری لہ حواء و ان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال صلّی اللہ علیہ وسلّم انت احق بہ مالم تنکحی ۔ (ابوداؤد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ : یا رسول اللہ! یہ بچہ ہے جس کے لیے میرا شکم اس کا ظرف، میرا سینہ اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا مسکن رہا۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اب اس بچے کو مجھ سے چھینا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جب تک عقد ثانی نہ ہو اس بچے کی حق دار تو ہی ہے۔

طلاق

۷۵۔ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ وَفِیْ اُخْرٰی اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ ۔ (ابو داؤد)

حلال چیزوں میں سے کوئی چیز خدا کے نزدیک ایسی بُری نہیں جیسی طلاق[1]

---

[1] طلاق کا دینا بعض حالتوں میں جائز رکھا گیا ہے اور اس کا فیصلہ کسی جج کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ خود مرد کو اس کا پورا اختیار دیا گیا ہے۔ مگر اُسے اپنے اس اختیار کے برتنے میں بہت محتاط ہونے کی فہمائش کی گئی ہے اور اس حالت میں جب کہ سارے حیلے جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی۔ باہمی صفائی رکھنے کے لیے ناکامیاب ہوجائیں۔ طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ وہ بھی قریباً پچیس پچیس دن کا فاصلہ کر کے تین دفعہ تاکہ پہلی بلکہ دوسری طلاق کے بعد بھی اگر صلح ہوجائے تو وہ زائل ہوجائے۔ ہاں اگر غم و غصہ اس غایت کو پہنچ گئے ہیں کہ پچاس دن کی لمبی میعاد میں بھی فرو نہیں ہوئے۔ تو تیسری طلاق دے کر آپ بھی سبکسار ہوجاتے اور عورت کی بھی بند خلاص کر دے۔
یہ بھی حکم ہے کہ جب عورت مرد سے علیحدہ رہتی ہو تو طلاق نہ دی جائے۔ غرض اس سے یہ ہے کہ دُور سے کوئی بات سُن کر اگر مرد غضب میں آکر طلاق دینے پر آمادہ ہوجائے تو ایسا نہ کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ملاقات ہونے سے غصہ دُور ہوجائے۔
مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان احکام کو بالائے طاق رکھ چھوڑا ہے اور طلاق دینا ایک معمولی بات سمجھ رکھا ہے۔ اکثر لوگ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

۷۶۔ اِمْرَأَةٌ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقَهَا مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔ (ابوداؤد والترمذی)

جو عورت بے وجہ اپنے خاوند سے طلاق مانگے اُسے جنّت کی ہوا (تک) نہیں لگے گی۔

۷۷۔ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ اَنْ تَسْأَلَ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَاِنَّ مَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔ (الستۃ)

کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بہن کی طلاق کی خواستگار ہو۔ تاکہ اس کے خاوند سے خود نکاح کرکے جو اس کے کاسے میں ہے انڈیل لے۔ کیوں کہ اُسے تو وہی ملے گا جو اس کے مقدور میں ہے۔

خرید و فروخت و کسبِ معاش

۷۸۔ علم کے باوجود مال مسروقہ کھانا چوری کرنے کے برابر ہے:

(بنت سعدؓ) قالت افتنا یارسول اللہ عن السرقۃ قال من أکلھا وھو یعلم انھا سرقۃ فقد اشرك فی اثم سرقتھا۔ (کبیر)

بنت سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! مال مسروقہ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: جو شخص چوری کا مال کھائے اور اُسے یہ علم ہو کہ یہ مالِ مسروقہ ہے۔ وہ اس چوری میں شریک ہے۔

۷۹۔ غذائے حرام سے پرورش پائے ہوئے جسم کا انجام:

(ابوبکرؓ) رفعہ، لایدخل الجنۃ جسد

جس جسم کی پرورش حرام غذا سے ہو وہ جنّت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیتے ہیں، اور بعض لوگ دُور دراز فاصلوں سے طلاق نامہ لکھ کر عورت کے پاس بھیج دیتے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ خدا کے نزدیک طلاق بہت بُری ہے، سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب حلال یعنی جائز ہے تو پھر بری کیوں۔ انسان کا ہاتھ یا پاؤں اگر کسی بیماری یا ضرب سے ایسا ناقص اور ردی ہو جائے کہ اس کا جسم کے ساتھ رہنا خطرناک ہو۔ مگر کاٹ دینا صحت بخش ہو تو اُسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ گو ایک عضو کا کٹ جانا بہت بُری بات ہے۔ اِسی طرح طلاق اگرچہ بہت بُری چیز ہے۔ مگر جہاں اس کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ جب کہ بیوی بجائے مونس غمگسار کے جان کا آزار ہو جاتی ہے اور گھر بجائے آرام گاہ کے دوزخ بن جاتا ہے۔

الّذی بحرام (موصلی، بزار، اوسط)

ولہ عن حذیفۃؓ رفعہ: لا یدخل الجنّۃ لحم نبت من سحت النار اولی بہ۔

میں نہیں جائے گا۔

جس گوشت پوست کا نمو حرام خوری سے ہو، وہ جنت نہیں جاتے گا۔ اُس کی زیادہ حق دار آتش جہنم ہے۔

۸۰۔ مشتبہات سے بچنا ہی تقاضائے احتیاط ہے، دل کا مقام:

(النعمانؓ بن بشیرؓ رفعہ: ان الحلال بیّن وان الحرام بیّن وبینھما مشتبہات لا یعلمھن کثیر من النّاس فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی حول الحِمٰی یوشک ان یرتع فیہ اَلَا ولکل مَلِک حمًی اَلَا وان حمی اللہ محارمہ اَلَا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ اَلَا وھی القلب۔ (للستۃ)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کا علم بیشتر لوگوں کو نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو ایسی مشتبہ چیزوں سے بچے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیتا ہے اور جو ان میں پڑتا ہے، وہ آخر کار حرام میں بھی جا پڑتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چرواہا ممنوعہ چراگاہ کے قریب اپنے گلّے کو چرا رہا ہو تو اس کا اس چراگاہ میں بھی جا پڑنا بعید نہیں۔ ہر فرمانروا کی ایک ممنوعہ اور مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ اور سن رکھو کہ جسم کے اندر ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ لوتھڑا "دل" ہے۔

۸۱۔ نیکی و بدی کا فتویٰ اپنے دل سے لو:

(واصبۃؓ انہ اتی النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم واضمر فی نفسہ انّہ یسألہ عن البرّ والاثم فلما دنا منہ قال لہ النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم أخبرک ام تخبرنی؟ فقال لا بل اخبرنی فقال جئت تسألنی عن البر

واصبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے دل میں کچھ سوالات لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ جب وہ قریب آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے؟ عرض کیا: حضورؐ ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا: کہ تم بِر (نیکی) اور اثم (گناہ) کے بارے میں دریافت کرنے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا:

والاثم قلت نعم فجمع انامله الثلاثة فجعل ينكت بهن فى صدرى ويقول يا وابصة استفت نفسك واستفت نفسك ثلاثا البر ما اطمأنت اليه النفس والاثم ماحاك فى نفسك وتردد فى صدرك وان افتاك الناس وافتوك۔ (احمد، موصلی، بلبن)

جی ہاں! پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی تین انگلیوں کو پیوستہ کرکے میرے سینے کو ٹھوکر دی۔ اور تین بار فرمایا کہ : اپنے دل سے فتویٰ پوچھ۔ نیکی وہ چیز ہے جس پر تیرا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ شے ہے جو تیرے دل میں جم جائے اور بار بار کھٹک پیدا کرتی رہے۔ لوگ کچھ بھی فیصلہ دیں، اس سے بحث نہیں۔

۸۲۔ جسے اللہ نے واضح کیا اور جس سے سکوت اختیار فرمایا :

(سلمانؓ وابن عباسؓ) رفعاہ : الحلال ما احل اللہ فى كتابه والحرام ما حرم اللہ فى كتابه وما سكت فهو ما عفى عنه فلا تتكلفوه۔ (رزین)

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس چیز سے سکوت اختیار کیا ہے وہ معاف ہے اس کے متعلق تکلف سے کام نہ لو۔

۸۳۔ سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی :

(المقدامؓ) رفعه : ما أكل احد طعاما قط خيرًا من أن ياكل من عمل يديه وان نبى اللہ داؤد كان يأكل من عمل يديه۔ (بخاری)

اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی روزی نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔

۸۴۔ حرام خور کی دُعا قبول نہیں ہوتی :

(ابو ھریرۃؓ) رفعه : ايها الناس ان اللہ طيب لا يقبل الا طيبا وان اللہ امر المؤمنين بما امر به المرسلين فقال يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ

اے لوگو! اللہ پاک اور ستھرا ہے اور صاف ستھری چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ نے مومن کو اُسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم پیغمبروں کو دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے (ترجمہ) کہ اے رسولو! پاک اور ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو،

الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ قال يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يارب يارب ومطعمه حرام و مشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام انى يستجاب لذلك۔ (مسلم، ت، مذحم)

جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے واقف ہوں ۔ نیز فرماتا ہے ۔ (ترجمہ) کہ مسلمانو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے پاک ستھری چیزیں کھاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک شخص بڑا لمبا سفر طے کر کے غبار میں اٹا ہوا آتا ہے اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھا کر ربّی ربّی کہتا ہوا دُعا کرتا ہے مگر اس کا کھانا پینا اور پوشش اور نشوونما سب حرام کمائی سے ہو تو اس کی دُعا کہاں سے قبول ہوگی۔

۸۵ - اولاد بھی والدین کی کمائی ہے :

(عائشہؓ) رفعتہ : ان اطیب ما اکلتم من کسبکم و ان اولادکم من کسبکم۔ (اسباب سنن)

پاک ترین روزی وہ ہے جو تمھارے اپنے کسب سے حاصل ہو۔ اور تمھاری اولاد کا شمار بھی تمھارے کسب (کمائی) ہی میں ہے۔

۸۶ - حکومتِ اسلامیہ کے عمال کے لیے معیارِ زندگی :

(المستورد بن شداد) رفعہ : من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ وان لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادما وان لم یکن لہ مسکن فلیکتسب مسکنا ومن اتخذ غیر ذلک فھو غالّ او سارق (ابو داؤد)

جو شخص ہمارے عمل میں ہو وہ شادی کر لے اور اگر اس کے پاس کوئی خادم نہ ہو تو خادم رکھ لے اور اگر اس کے پاس کوئی گھر نہ ہو تو گھر بنا لے جو اس سے زیادہ کچھ بنائے گا وہ یا تو مسرف ہوگا یا چور۔

۸۷ - خلیفہ کا حق بیت المال میں :

(عائشہؓ) : لما استخلف ابوبکر قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنۃ اھلی وشغلت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد فرمایا کہ : میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے بال بچوں کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر نہ تھا۔ اب میں

ما مرالمسلمين فسيأكل آل ابي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين۔ (بخاری)

مسلمانوں کی امارت کے فرائض انجام دینے میں ہمہ تن مشغول ہوں۔ لہٰذا اب ابوبکرؓ کے بال بچے بیت المال سے کھائیں گے اور ابوبکرؓ مسلمانوں کا کام کرتا رہے گا۔

۸۸۔ جاگیروں سے زکوٰۃ :

(کثیر بن عبد اللہ بن عوف المازنی) انہ صلی اللہ علیہ وسلم انطع بلال بن الحارث معادن القبلية وهي من ناحية الفرع وتلك المعادن لا يؤخذ منها الا الزكوٰة حتى اليوم (ابو داؤد، مالک)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارثؓ مازنی کو قبلیہ کی کانیں عطا فرمائی تھیں، جو فرع کے کنارے واقع ہیں۔ ان کانوں سے آج تک زکوٰۃ ہی لی جاتی ہے۔

۸۹۔ پانی اور درخت مفادِ عامہ کے لیے ہیں :

(قيلة بنت مخرمة) ...... المسلم اخو المسلم يسعهما الماء والشجر يتعاونان على الفتان (لابي داؤد وفتان الشيطان)

...... مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پانی اور درخت سبھوں کے لیے ہے۔ ان دونوں کو چاہیے کہ فتّان یعنی شیطان کے خلاف لڑنے میں باہمی تعاون رکھیں۔

۹۰۔ سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی :

(رافع بن خدیج) قيل يا رسول الله اىّ الكسب اطيب؟ قال عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور۔ (احمد، بزار، کبیر اوسط)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ پاک و حلال کمائی کون سی ہے؟ فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھوں سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جس میں بِرّ (تقویٰ) ہو یعنی جائز ہو۔

۹۱۔ اُجرت فوراً ادا کرنے کا حکم :

(عن ابن عمر) اعطوا الاجير اجرة قبل ان يجف عرقه۔ (ابن ماجہ)

مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

۹۲۔ دستکاری کی فضیلت:

(ابن عمرؓ) رفعہ: ان اللہ یحب المؤمن المحترف۔ (کبیر، اوسط، بضعف)

اللہ تعالٰی حرفہ پیشہ مومن کو دوست رکھتا ہے۔

۹۳۔ ایضاً:

(ابن عباسؓ) رفعہ: من امسی کالّامن عمل یدہ امسی مغفوراً لہ۔ (اوسط بخفی)

جو شخص دن بھر اپنی قوتِ بازو سے کام کرکے تھکاماندہ شام گزارے تو اس کی وہ رات مغفرت میں گزرتی ہے۔

۹۴۔ سیدنا زکریا بڑھئی کا کام کرتے تھے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: کان زکریا نجّاراً۔ (مسلم)

حضرت زکریا (علیہ السّلام) نجّار (بڑھئی) تھے۔

۹۵۔ سونا چاندی اصل دولت نہیں:

(ابو ھریرۃؓ) الدنانیر والدراھم خواتم اللہ فی ارضہ من جاء بخاتم مولاہ قضیت حاجتہ (اوسط بضعف)

اشرفی یا روپیہ اس زمین پر اللہ تعالٰی کی مہریں ہیں۔ جو اپنے اللہ کی مُہر دکھاتا ہے اُس کی ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔

۹۶۔ باغبانی باعثِ برکت ہے:

(الحسنؓ بن علیؓ) رفعہ: النخل والشجر برکۃ علی اھلہ وعلی عقبھم بعدھم اذا کانوا للہ شاکرین۔ (کبیر بضعف)

کھجور اور دوسرے درخت لگانے والے کے موجودہ اہل وعیال کے لیے بھی برکت ہے اور بعد والوں کے لیے بھی بشرطیکہ شکرِ الٰہی کرتے رہیں۔

۹۷۔ بلڈنگیں بنانا کوئی نیکی نہیں:

(انسؓ) رفعہ: النفقۃ کلھا فی

تمام طرح کے خرچ خدا کی راہ میں ہو سکتے ہیں، بجز

سبیل اللہ الا البناء فلا خیر فیہ ۔ (زائد از ضرورت) عمارت کے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ۔
(رتر مذی)

۹۸ ۔ ضرورت سے زائد مکان بنانا جائز نہیں :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : من بنی فوق ما یکفیہ کلف ان یحملہ یوم القیمۃ علی عنقہ ۔ (کبیر)

جو شخص ضرورت سے زائد مکان بنائے اُسے قیامت کے دن مجبور کیا جائے گا کہ اسے اپنی گردن پر اُٹھائے رہے ۔

۹۹ ۔ امانت دار تاجر کی فضیلت :

(ابوسعیدؓ) التاجر الامین الصدوق مع النبیین والصدیقین والشھداء (ترمذی)

امانت دار اور راست باز تاجر کو انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہداء کی معیت کا شرف حاصل ہوگا ۔

۱۰۰ ۔ تاجر اگر نیکو کار نہ ہو؟ :

(رفاعۃ بن رافعؓ) رفعہ : فقال ان التجار یبعثون یوم القیمۃ فجاراً الاّ من اتقی اللہ وبرّ وصدق ۔ (ترمذی)

تاجر بروزِ حشر عموماً فاجروں کی صف میں اُٹھیں گے بجز ان تاجروں کے جو تقویٰ اللہ رکھتے ہوں اور نیکوکار ہوں اور راست باز ہوں ۔

۱۰۱ ۔ تاجرانہ مبالغوں کی تلافی :

(قیس بن ابی غرزۃ) ...... ان البیع یحضرہ اللغو والحلف وفی روایۃ : الحلف والکذب فشوبوہ بالصدقۃ ۔
(اصحاب سنن)

...... تجارت میں عموماً فضول باتیں ہو جاتی ہیں اور جھوٹی قسمیں بھی ، لہٰذا اس حلف اور کذب کو صدقے سے پاک کر دیا کرو ۔

۱۰۲ ۔ تجارت میں جھوٹی قسم :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : الحلف منفقۃ

جھوٹی قسم سے سودے کی نکاسی تو

للسلعة ممحقة للكسب (شيخين، ابوداؤد) بلفظ: ممحقة للبركة۔

ہو جاتی ہے۔ لیکن کسب حلال کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

۱۰۳۔ فراخ دل خریدار و فروشندہ:

(جابرؓ) رفعه: رحم الله رجلاً سمحا اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى۔ (بخاری، ترمذی)

اس آدمی پر اللہ تعالےٰ رحمت نازل کرے جو خرید و فروخت اور تقاضے کے وقت شرافت سے کام لیتا ہے۔

۱۰۴۔ ناپ تول میں بے احتیاطی کا نتیجہ:

(ابن عباسؓ) ان النبی صلی الله علیه وسلّم قال لاهل الكيل و الميزان انكم قد وليتم امرين هلكت فيهما الامم السالفة قبلكم (ترمذی)

ناپ تول والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دونوں چیزیں تمھارے سپرد کی گئی ہیں اور انہی دونوں باتوں (میں غلط روی) کی وجہ سے بعض گزشتہ اُمتیں ہلاک بھی ہوئی ہیں۔

۱۰۵۔ تاجر کے لیے اسلامی اصولِ تجارت کا علم ضروری ہے:

(عمرؓ) لا يبيع فی سوقنا الا من قد تفقه فی الدين۔ (ترمذی)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ: ہمارے بازار میں وہی تجارت کرے جو تفقہ فی الدین بھی رکھتا ہو۔

وراثت

۱۰۶۔ اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ۔ (الترمذی)

قاتل (اپنے مقتول کا) وارث نہیں ہو سکتا۔

۱۰۷۔ اَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ اَوْ اَمَةٍ فَالْوَلَدُ الزِّنَا لَا يَرِثُ مِنْ اَبِيهِ وَلَا يُورِثُهُ۔ (الترمذی)

اگر کوئی شخص کسی آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے اور اس فعل سے بچہ پیدا ہو) تو ولدالزنا اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہوگا۔

۱۰۸۔ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ

میں ایمان دار شخص سے اس کی جان کے نزدیک تر ہوں (یعنی اُس کا بہت خیرخواہ ہوں)، پس اگر کوئی مرجائے اور

يَتْرُكُ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاءُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ۔ (الخمسۃ الا النسائی)

اُس کے ذمے قرض ہو اور اُس کی وراثت سے ادا نہ ہو سکے تو اُس کا ادا کرنا ہمارے ذمّہ ہے اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ مرے تو وہ اُس کے وارثوں کا ہے (کتاب تفسیر کی شیخین کی ایک حدیث میں جان سے نہ و یک تر کی بجائے اور لوگوں کی نسبت زیادہ حق دار اور وارث لکھا ہے اور زنا اور زیادہ لکھا ہے۔ کہ اگر متوفی کا کوئی عیال رہ جائے تو وہ بھی میرے پاس امداد حاصل کرنے کے لیے آتے کہ میں ان کا ولی ہوں۔)

جائز و ناجائز بیع

۱۰۹۔ حرام اشیاء کی تجارت:

(ابن عباسؓ)...... وان اللہ اذا حرم علی قوم اکل شیٔ حرم علیھم ثمنہ۔ (مالک، مسلم، نسائی، ابو داؤد)

...... جس چیز کا کھانا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی قیمت لینا بھی حرام ہے۔

۱۱۰۔ پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کا معاملہ:

ابن عمرؓ)...... ان النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم نھی عن بیع الثمار حتّی یبدو صلاحھا ونھی البائع والمبتاع (للستۃ)

...... خریدار اور فروشندہ دونوں کو حضور (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے جو ابھی تیاری کے قریب نہ ہوں۔

۱۱۱۔ ایضاً:

(انسؓ) ان النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الثمر حتی تزھو فقلنا لانسؓ ما زھوھا؟ قال

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے "زھو" سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تحمر وتصفر قال أرأيت ان منع الله الثمرة بم تستحل مال اخيك۔
(شیخین، موطأ، نسائی)

سے دریافت کیا کہ: زہو ثمر "کا کیا مطلب ہے؟ کہا کہ: سُرخ ہو کر زرد ہو جائے۔ (یعنی پکنے لگے)......

۱۱۲۔ اس سے کیوں روکا گیا؟ :

(زید بن ثابتؓ) كان الناس فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم يتبايعون الثمار فاذا جذ الناس وحضر تقاضيهم قال المبتاع انه اصاب الثمر الدمان اصابه مراض اصابه قشام عاهات يحتجون بها فقال صلى الله عليه وسلم لما كثرت عنده الخصومة فى ذلك اما لا فلا تبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم۔ (بخاری، ابوداؤد)

عہد نبوی میں ہم لوگ درختوں کے پھل کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ جب پھل توڑ لیے جاتے اور تقاضے کا وقت آتا تو لینے والا کہہ دیتا کہ: درخت میں فلاں خرابی پیدا ہو گئی ہے یا اسے فلاں بیماری ہو گئی تھی۔ یا پکنے سے پہلے اس میں فلاں نقص ہو گیا تھا۔ اس طرح کے جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ جب اس قسم کے جھگڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے تو بطور مشورے کے فرمایا کہ،
جب تک پھل صحیح انداز سے پر نہ آئے۔ اُس وقت تک لین دین کی بات ہی نہ کرو اس سے مقصد تھا، جھگڑوں کی کثرت کی طرف اشارہ فرمانا۔

۱۱۳۔ بعد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے :

(ابن عباسؓ) نهى النبى صلى الله عليه وسلم ان نباع ثمرة حتى تطعم ولا صوف على ظهر ولا لبن فى ضرع۔ (اوسط)

پھل اگر چکھ نہ لیا جاتے اور پشم اگر جانور کے جسم پر ہو اور دودھ اگر تھن کے اندر ہو تو ان چیزوں کی خرید و فروخت سے روکا ہے۔

۱۱۴۔ چند اقسام بیع کی ممانعت :

(جابرؓ) نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن المخابرة والمحاقلة و

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرے، محاقلے اور مزابنے سے اور نیز پھل کی تیاری پر

عن المزابنة وعن بيع الثمر حتى يبدو صلاحه و ان لاتباع الا بالدينار والدرهم الا العرايا اما المخابرة فالارض البيضاء يدفعها الرجل الى الرجل فينفق فيها ثم يأخذ من الثمر والمزابنة بيع الرطب فى النخل بالتمر كيلا والمحاقلة فى الزرع على نحو ذلك بيع الزرع القائم بالحب كيلا۔ (الستة الا مالكا)

آنے سے قبل بیع کرنے سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ: یہ تجارت صرف درہم و دینار (یعنی سکوں) کے ذریعے ہو۔ ہاں صرف عرایا میں غیر سکہ سے بھی بیع ہو سکتی ہے، مخابرت کا مطلب یہ ہے کہ ایک سفید زمین کوئی شخص کسی کو اس شرط پر دے کہ تمہارے اخراجات تمہارے اور پھل یا غلے میں میرا اتنا حصہ ہوگا، مزابنت یہ ہے کہ کھجوریں درخت میں ہیں ان کے عوض پیمانے سے ناپ کر اتنے چھوہارے دیئے جائیں گے۔ محاقلت بھی اسی طرح کی بیع ہے جو کھیتی میں ہوتی ہے یعنی اس کھیت کے عوض ناپ کر اتنا غلہ دیا جائے گا

۱۱۵۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نیا حکم:

(جابرؓ) بعنا امهات الاولاد على عهد النبى صلى الله عليه وسلم و ابى بكر فلما كان عمر نهانا فانتهينا (رزین)

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اُمّ ولد باندیوں کا لین دین کر لیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اس سے روک دیا اور ہم رُک گئے۔

۱۱۶۔ پانی کی بیع کی ممانعت:

(ایاس بن عبد اللہؓ) نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع الماء (اصحاب سنن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

۱۱۷۔ پانی، نمک اور ایندھن کو روک رکھنا:

(بهيسة) ..... ثم قال يا رسول الله حدثنى ما الشئ الذى لا يحل منعه؟ قال الملح قال ثم ماذا؟ قال النار قال

.... بہیسہ کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! وہ چیز بتایئے جس سے کسی کو روکنا جائز نہیں۔ فرمایا: پانی۔ پوچھا: اور کچھ؟ فرمایا:

یا نبی اللہ ما الشئ الذی لا یحل منعہ؟ قال ان تفعل الخیر خیر لك۔ (ابوداؤد)

نمک۔ پوچھا: کچھ اور؟ فرمایا: آگ۔ پوچھا: اور کچھ؟ ... جتنی خیر کر سکو، وہ تمہارے لیے بہتر ہی ہے۔

۱۱۸۔ اٹکل تجارت:

(ابن المسیب): ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المضامین والملاقیح وحبل الحبلۃ فالمضامین ما فی بطون اناث الابل والملاقیح ما فی ظھور الجمال وحبل الحبلۃ ھو بیع الجزور الی ان تنتج الناقۃ ثم ینتج الذی فی بطنھا۔ (مالك)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین، ملاقیح اور حبل الحبلہ کی تجارت سے منع فرمایا ہے، مضامین وہ ہوتے ہیں جو اُونٹنی کے شکم میں ہوں اور ملاقیح وہ جو اُونٹ کے صلب ہی میں ہوں اور حبل الحبلہ سے بچۂ شتر کی بیع مراد ہے۔ اس طرح کہ اس حاملہ اُونٹنی یا بکری وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہو، اُس کے بعد جو دوسرا بچہ ہوگا وہ میں اِتنے میں خریدتا ہوں (یہ بیع غرر ہے) اِس لیے نا جائز ہے۔

۱۱۹۔ سکوں کی بلا ضرورت تبدیلی (DEVALUATION)

(علقمۃ بن عبد اللہؓ) قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تکسر سکۃ المسلمین الجائزۃ بینھم الا من بأس۔ (لابی داؤد)

مسلمانوں میں جو سکہ رائج ہو، اُسے توڑنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے؛ بجز اس کے کہ اس میں کوئی خاص دشواری ہو۔

۱۲۰۔ چند نا جائز اقسامِ بیع:

(ابن عمرو بن العاصؓ) رفعہ: لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندك۔ (اصحاب سنن)

سلف مع بیع جائز نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں جائز ہیں۔ ایسی چیز کا منافع بھی جائز نہیں جس کے متعلق کوئی ضمانت نہ ہو۔ نیز ایسی چیز کی بیع بھی درست نہیں جو بائع کے قبضے میں نہ ہو۔

۱۲۱۔ مال کا نقص ضرور بیان کر دیا جائے:

(عقبۃ بن عامر) رفعہ: المسلم

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کسی مسلمان

اخو المسلم لا یحل لمسلم باع من اخیه بیعا فیه عیب الا بینه له۔ (قزوینی)

کے لیے اپنے بھائی کو کوئی عیب دار سودا جائز نہیں جب تک وہ اُسے اچھی طرح بتا نہ دے۔

۱۲۲۔ دھوکے کے لیے اچھے بُرے مال کا اختلاط:

(ابو هریرۃؓ) ان النبی صلّی اللہ علیه وسلّم مرّ فی السوق علی صبرة طعام فادخل یده فیها فنالت اصابعه بللا فقال ما هذا یا صاحب الطعام؟ قال یا رسول اللہ اصابته السماء قال افلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس؟ من غشّنا فلیس منا۔ (مسلم، والترمذی وابی داؤد وزاد فی الکبیر والصغیر۔)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم بازار میں ایک غلّے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو اندر کی تہوں میں اُنگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ: نمی والے حصّے کو اُوپر کیوں نہیں کر دیتے کہ لوگ دیکھ لیں؟ جو شخص دھوکا دیتا ہے، وہ میری جماعت سے خارج ہے۔

۱۲۳۔ بعض ناجائز اقسامِ بیع (ڈاک بڑھانا)

(ابن عمرؓ) نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم عن النجش۔ للشیخین والنسائی ومالك وقال: و النجش ان تعطیه بسلعته اکثر من ثمنها ولیس فی نفسك شراؤها فیقتدی بك غیرك۔

نجش یعنی خریدار کو دھوکا دینے کے لیے بولی بڑھوانے سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا ہے۔

۱۲۴۔ دھوکے کے لیے ڈاک کی بولی زیادہ دینا:

(ابن ابی اوفی) الناجش آکل الربوا خائن وهو خداع باطل

ناجش (خریدار کو فریب دینے کے لیے اپنے ایجنٹوں سے بولی زیادہ دلوانے والا) سود خور اور خائن کے شمار

...یحل - للبخاری تعلیقا)

میں ہے یہ ایک ناجائز دھوکہ ہے۔

۱۲۵۔ بعض دیگر اقسام:

(ابو ھریرۃؓ) لا تلقوا الرکبان للبیع ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا تناجشوا ولا یبیع حاضر لباد ولا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخیر النظرین بعد ان یحلبها فان رضیها امسکها وان سخطها ردها وصاعا من التمر۔ (للستۃ)

(منڈی میں آنے سے پہلے ہی بالا بالا) مال لانے والوں سے سودا مت کرو، ایک کی بیع مکمل ہونے کے بعد دوسرا اس پر (بولی دے کر) سودا نہ کرے اور تناجش (دوسروں کو فریب دینے کے لیے اپنے گرگوں سے ڈاک بڑھوانا) نہ کرو اور کوئی حاضر کسی غیر موجود کے لیے سودا نہ کرے، اور اونٹ یا بھیڑ بکری کا تصریہ (کئی دن تک دودھ نہ دوہنا تاکہ دودھ زیادہ معلوم ہو) نہ کرے۔ اگر کوئی ایسا جانور خرید لے تو دوہنے کے بعد اسے اختیار فسخ بیع رہے گا، مرضی ہو تو رکھے ورنہ ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے۔

۱۲۶۔ خرید و فروخت میں قیمتیں لگانے میں اعتدال:

(قیلۃؓ ام بنی انمار) قلت یا رسول اللہ انی امرأۃ ابیع واشتری فاذا اردت ان ابتاع الشیء سمت به اقل مما ارید ثم زدت ثم زدت حتی ابلغ الذی ارید واذا اردت ان ابیع الشیء سمت به اکثر من الذی ارید ثم وضعت حتی ابلغ الذی ارید فقال صلی اللہ علیه وسلم لا تفعلی یا قیلۃ اذا اردت ان تبتاعی شیئا فاستامی به الذی تریدین اعطیت او منعت واذا اردت ان

قیلہ نے کہا کہ: یا رسول اللہ! خرید و فروخت اس طرح کرتی ہوں کہ خریدتے وقت اپنے اصلی ارادے سے بہت کم قیمت لگاتی ہوں اور آہستہ آہستہ اپنے اندازے پر آکر ختم کرتی ہوں اور فروخت کے وقت اپنے اصلی ارادے سے بہت زیادہ قیمت بتاتی ہوں اور گھٹتے گھٹتے اپنی اصلی قیمت پر آکر رکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیلہ ایسا نہ کیا کر، بلکہ خرید اور فروخت دونوں صورتوں میں ایک جچی تلی قیمت لگا جو واقعی دل میں ہو، خواہ وہ سودا یا قیمت تجھے ملے یا نہ ملے۔

تبیع شیئاً ما سنامی به الذی
ترمیدی اعطیت او منعت (قزوینی)

کمائی !

۱۲۷- اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَقَعَ فِیْهِ وَاِنَّ لِکُلِّ مَلِكٍ حِمًی وَاِنَّ حِمَی اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔ (الخمسة)

حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی خود بخود) دکھائی دیتا ہے۔ اور ان کے بیچ بیچ ملتی جلتی مشتبہ چیزیں ہیں۔ جن سے کہ اکثر لوگ واقف نہیں ہوتے (کہ یہ حلال ہے یا حرام) جس نے مشتبہ چیز سے پرہیز کیا۔ اُس نے اپنے دین اور آبرو کو تہمت سے بچا لیا اور جس نے مشتبہ چیز میں ہاتھ ڈال دیا، اُس نے حرام میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس چرواہے کی طرح جو شاہی چراگاہ کے اِردگرد اپنا گلہ چراتا ہے اور قریب ہے کہ اس کا گلہ چراگاہ میں بھی جا پڑے اور ہر ایک بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں اور سمجھ رکھو کہ (تمہارے) جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور معلوم رہے کہ وہ دل ہے۔

۱۲۸- مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاؤدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ۔ (البخاری)

اپنے ہاتھ کی کمائی ہوئی روزی سے کوئی روزی بہتر نہیں ہے۔ داؤد نبی علیہ السلام اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کماتے تھے۔

۱۲۹- نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِیَیْنِ السَّبَّاقِ وَالْقِمَارِ۔ (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فخر کرنے والوں کو کھانا کھانے سے منع فرمایا (۱) اس کا جو کھانے کھلانے میں (۲) اور اس کا جو جوا بازی میں اوروں سے سبقت لیجانا چاہیے۔

ربٰوا (سُود) اور اُس کی قسمیں

۱۳۰۔ آیت الربٰوا :

(عن عمر بن الخطابؓ) قال من آخر ما نزل آیۃ الربٰوا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض قبل ان یفسرھا لنا فدعوا الربٰوا والریبۃ ۔ (رواہ احمد فی مسندہ)۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ (آیات احکام) میں سب سے آخر آیت الربٰوا نازل ہوئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی (جزئیات) کی تفصیل فرمانے سے قبل اِنتقال فرما گئے ۔ پس تم سُود اور مشتبہ چیزوں کو چھوڑ دو۔

۱۳۱۔ بچۂ شکم، شیرِ پستان، غلام آبق، حصۂ غنیمت کی بیع :

(ابوسعیدؓ) ...... نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شراء ما فی بطون الانعام حتی تضع وما فی ضروعھا الا بکیل وعن شراء العبد وھو آبق وعن شراء المغانم حتی تقسم وعن شراء الصدقات حتی تقبض وعن ضربۃ الغائص۔ (للقزوینی مجھول)

...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل چیزوں کی بیع سے روکا ہے۔

۱۔ چوپائے کا بچۂ شکم جب تک پیدا نہ ہوچکے (۲) تھنی کے اندر کا دُودھ دوہنے کے بعد جب تک ناپ تول نہ ہوجائے (۳) بھاگا ہُوا غلام یا قیدی (۴) حصۂ غنیمت جب تک تقسیم نہ ہوجائے ۔ (۵) حصۂ زکوٰۃ جب تک مستحق کا اس پر قبضہ نہ ہوجائے (۶) غوطہ زنی کا معاملہ۔

۱۳۲۔ منڈی میں مال پہنچنے سے پہلے سودا کرلینا :

(ابن عمرؓ) نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن تلقی البیوع وفی روایۃ: رفعہ: لاتلقوا السلع حتی یھبط بھا الی الاسواق (ھما للشیخین وابی داؤد، والنسائی)

تجارتی مال کو باہر ہی باہر سے اُچک لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب تک منڈیوں میں مال نہ آجائے اُس وقت تک باہر ہی باہر سے اس کا معاملہ نہ کرلو۔

۱۳۳ - ایک بیع میں دو رنگ کی بات :

(ابن مسعودؓ) نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صفقتین فی صفقۃ واحدۃ قال سماک الرجل یبیع البیع فیقول ھو بنساء بکذا وبنقد بکذا (احمد والبزار والاوسط)

ایک عقد میں دو طرح کی بیع کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ سماک اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ "اگر نقد دام دو تو اتنے میں اور اُدھار تو اتنے میں مال ملے گا۔

۱۳۴ - حیوان اور بچے کی جُداگانہ بیع :

(ابو ایوبؓ) رفعہ : من فرق بین والدۃ وولدھا فرق بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ ۔ (ترمذی)

جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جُدائی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی بروزِ حشر اس کے عزیزوں سے جُدا کر دے گا۔

اولاد کی مشابہت اور نسب کا دعویٰ!

۱۳۵ - اَتٰی رَجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وُلِدَ لِیْ غُلَامٌ اَسْوَدُ وَ ھُوَ یُعَرِّضُ بِنَفْسِہٖ فَلَمْ یُرَخِّصْ لَہٗ فِی الْاِنْتِفَاءِ مِنْہُ فَقَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ مَا اَلْوَانُھَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ ھَلْ فِیْھَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ نَعَمْ قَالَ عَلٰی اَنّٰی ذٰلِکَ قَالَ لَعَلَّہٗ نَزَعَہٗ عِرْقٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اِبْنَکَ نَزَعَہٗ عِرْقٌ۔ (الخمسۃ)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ یا رسول اللہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور اس سے اس کی یہ غرض تھی کہ لڑکا اس کا نہیں۔ مگر آپؐ نے اسے انکار نہ کرنے دیا۔ فرمایا۔ کیا تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں (ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا سُرخ۔ فرمایا: کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟ کہا۔ ہاں (ہے) فرمایا۔ یہ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا شاید اسے رگ نے کھینچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شاید تیرے بیٹے کو بھی رگ نے کھینچا (یعنی اس کا رنگ اپنے دادا پڑدادا وغیرہ کے رنگ پر گیا ہو)

۱۳۶۔ أَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ احْتَجَبَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔
(ابو داؤد، والنسائی)

جو مرد اپنے بیٹے (کی ولدیت) سے جان بوجھ کر انکار کرے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرے گا (یعنی اُسے اللہ کا دیدار نہیں ہوگا) اور اُسے اگلے پچھلوں کے سامنے رُسوا کرے گا۔

ناپ تول اور حیوانات میں ربٰوا

۱۳۷۔ لعنتِ سُود کی ہمہ گیری:

(ابن مسعود) لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربٰوا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ۔
(مسلم، ابی داؤد، ترمذی، بلفظھما)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربٰوا (سود) کے کھانے والے پر، گواہوں پر اور کاتب پر سب ہی پر لعنت فرمائی ہے۔

۱۳۸۔ دو مختلف جنسوں کا مبادلہ بھی دست بہ دست ہونا چاہیئے:

(عمرؓ) قال مالك بن اوس الحدثان من یصطرف الدرا ھم؟ فقال طلحة بن عبد اللہ وھو عند عمر ارنا ذھبك ثم ائتنا اذا جاء خادمنا نعطیك ورقك فقال عمر کلا واللہ لتعطینه ورقه او لتردن الیه ذھبه فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الورق بالذھب ربٰوا الا ھاء وھاء والبر بالبر ربٰوا الا ھاء وھاء والشعیر بالشعیر ربٰوا الا ھاء وھاء والتمر بالتمر ربٰوا الا ھاء وھاء (للستة)

مالک بن اوس بن حدثان نے کہا کہ: اس سونے کو دراہم کے عوض کون لے گا؟ ——— طلحہ بن عبد اللہ جو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے بولے کہ: اپنا سونا ہمیں دکھاؤ۔ پھر جب ہمارا ملازم آ جائے تو تم اپنے دراہم آکر لے جانا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یا تو اسے ابھی دراہم دے دو یا اس کا سونا واپس کرو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: مبادلہ چاندی کا سونے سے ہو، یا گندم کا گندم سے، یا جَو کا جَو سے، یا خُرمے کا خُرمے سے۔ یہ سب کا سب ربٰوا ہے اگر برابر برابر نہ ہو اور دست بدست یعنی ایک ہی مجلس میں نہ ہو۔

۱۳۹۔ سود لینے والا اور دینے والا دونوں یکساں ہیں :

(ابوسعیدؓ) رفعہ : الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء۔ (للستة الا ابا داؤد بلفظ مسلم)

مبادلہ سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گندم کا گندم سے، جَو کا جَو سے، خُرمے کا خرمے سے اور نمک کا نمک سے برابر برابر ہونا چاہیئے۔ جو زیادہ دے گا یا لے گا وہ سود ہوگا۔ اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں یکساں ہیں۔

۱۴۰۔ ربوا صرف اُدھار کی صورت میں ہوتا ہے :

(ابن عباسؓ) ...... اخبرنی اسامة بن زید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربوا الا فی النسیئة۔

...... اسامہ بن زید نے مجھ سے یہ حدیث رسولؐ بیان کی ہے کہ : ربا ہوتا ہی ہے اُدھار میں (یعنی اگر دست بدست اور نقداً نقد ایک ہی جنس کی چیز کا مبادلہ تفاضل یعنی کمی بیشی سے بھی ہو تو ربا نہیں ہے۔)

۱۴۱۔ کوالٹی مختلف ہو تو تفاضل ربوا نہیں بشرطیکہ نقداً نقد ہو :

(ابن الصامت) رفعہ : الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یداً بید فاذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید (لمسلم واصحاب سنن)

مبادلہ سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گندم کا گندم سے، خرمے کا خرمے سے اور نمک کا نمک سے ہونے میں تفاضل اس وقت ناجائز ہے جب کہ دونوں طرف ایک جیسی چیز ہو اور دست بدست ہو۔ اگر دونوں کی صنفیں مختلف ہوں (مثلاً ایک طرف معمولی گندم ہو اور دوسری طرف نفیس گندم) تو جس طرح چاہو معاملہ کر لو بشرطیکہ وہ دست بدست ہو۔

۱۴۲۔ دینار کی بجائے ہم قیمت درہم لینے میں یا اس کے برعکس میں مضائقہ نہیں :

(ابن عمرؓ) کنت ابیع الابل

میں بقیع میں دینار کی قیمت سے اُونٹنی بیچ

بالبقیع بالدنانیر فآخذ مکانہا الورق وابیع بالورق فآخذ مکانہا الدنانیر فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألتہ فقال لا بأس بہ بالقیمۃ۔ (لاصحاب سنن)

کر اس کی بجائے درہم لیا کرتا تھا۔ اور درہم کی قیمت کر اس کی جگہ دینار لیتا تھا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیع کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ: دونوں کے دام میں تفاوت نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۴۳۔

(عن ابی ھریرۃ) قال: استقرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا فاعطاہ واعطی سنا فوقہ قال خیارکم محاسنکم قضاءا۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نیزے بطور قرض لیے پھر واپس فرما دیئے اور ایک نیزہ واپس دے کر فرمایا: کہ تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اچھی طرح سے ادائیگی کرے۔

۱۴۴۔ ربٰوا کی بدترین قسم:

(البراء بن عازب) (رفعہ) الربوا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل ابتان الرجل امہ وان اربی الربا استطالۃ الرجل فی عرض اخیہ۔ (اوسط)

ربٰوا کی بہتّر (یعنی بے شمار) قسمیں ہیں۔ اس کا جو کم سے کم درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنا اور اس کی بدترین قسم اپنے بھائی کی آبرو پر ہاتھ صاف کرنا ہے۔

نکاح!

۱۴۵۔ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ اَصَبْتُ اِمْرَاَۃً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَاِنَّھَا لَا تَلِدُ اَفَاَتَزَوَّجُھَا قَالَ لَا ثُمَّ اَتَاہُ الثَّانِیَۃَ فَنَھَاہُ ثُمَّ اَتَاہُ الثَّالِثَۃَ فَنَھَاہُ فَقَالَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ

ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مجھے ایک عورت ملتی ہے جو خاندانی اور خوبصورت ہے۔ مگر بانجھ ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا نہ۔ پھر وہ دوسری دفعہ آیا۔ جب بھی آپؐ نے منع فرمایا۔ پھر وہ تیسری بار آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔ (ابوداؤد، والنسائی)	نے فرمایا۔ پیار کرنے والی اور جننے والی عورت سے نکاح کرو کہ تمھاری کثرت سے میں اور اُمتوں پر فخر کروں گا۔
۱۴۶۔ اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ۔ (مسلم والنسائی)	دنیا فائدہ حاصل کرنے کی چیز ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک عورت ہے۔
۱۴۷۔ تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ خِصَالٍ لِمَالِھَا وَلِحَسَبِھَا وِلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ۔ (الخمسۃ الا الترمذی)	عورت سے اس کی چار خوبیوں کے لیے نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱) اس کا مال (۲) اس کا گھرانہ یا شرافت (۳) اُس کا حسن (۴) اور اس کا دین۔ پس تو دین والی عورت کو حاصل کر (ورنہ) تیرے ہاتھوں پر خاک[۱]۔
۱۴۸۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ یَّخْطُبَ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَۃِ اَخِیْہِ حَتّٰی یَتْرُکَ الْخَاطِبُ قَبْلَہٗ اَوْ یَاْذَنَ لَہٗ۔ (الستۃ)	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا (اس بات سے) کہ کوئی مرد (نکاح کا) پیغام اپنے بھائی کے پیغام پر بھیجے۔ بشرطیکہ پہلے پیغام بھیجنے والا پیشتر ہی (اپنا خیال) چھوڑ دے یا دوسرے کو (پیغام بھیجنے کی) اجازت دے دے۔
۱۴۹ اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَرْأَۃِ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ مِنْھَا اِلٰی مَا یَدْعُوْہُ اِلٰی نِکَاحِھَا فَلْیَفْعَلْ۔ (ابوداؤد)	جب تم میں کوئی نکاح کا پیغام کسی عورت کے پاس بھیجے۔ اگر ممکن ہو کہ اس کا چہرہ مہرہ دیکھ سکے جس سے اس کو اس سے نکاح کرنے کی رغبت ہو تو چاہیئے کہ دیکھ لے۔
۱۵۰۔ تَزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَأَۃً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَظَرْتَ اِلَیْھَا قَالَ لَا قَالَ فَاذْھَبْ فَانْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّ فِیْ	ایک آدمی نے ایک انصاری عورت سے نکاح کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ کیا تُو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا جا اُسے دیکھ لے۔ کیونکہ انصار کی آنکھ میں

---

[۱] یہ مذہب اور پابند مذہب عورت سے نکاح کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں تو میاں بیوی میں لبا اوقات لڑائی جھگڑا اور بدمزگی رہے گی اور اولاد تو خواہ مخواہ لامذہب ہوگی۔ جو شخص لامذہب ہے وہ اخلاق کے کسی ضابطہ کا پابند نہیں اور جو اخلاق کے کسی ضابطہ کا پابند نہیں۔ اس کا وجود ابنائے جنس کے لیے وبال ہے۔

أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا۔ (مسلم والنسائی) | (کبھی کبھی) کوئی نقص ہوتا ہے۔

۱۵۱۔ أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ۔ | نکاح کو مشتہر کرو۔ دفیں بجاؤ، اور اُسے مسجدوں میں بیٹھ کر پڑھو۔

۱۵۲۔ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ۔ (الترمذی والنسائی وزاد فی النکاح۔) | نکاح کے وقت دَف اور آواز (گانا) اس کے حلال اور (حرام) ہونے میں فیصلہ کر دیتا ہے۔

۱۵۳۔ اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔ (الستة الا البخاری) | بیوہ عورت دوسرے نکاح کے معاملے میں اپنی جان کا اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔ کنواری عورت سے بھی (نکاح کے وقت) اجازت لینی چاہیئے اور اس کی خاموشی (جو اکثر حجاب کی وجہ سے اختیار کرنی پڑتی ہے) اس کی طرف سے اجازت ہے۔

۱۵۴۔ أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ (ابوداؤد) | ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میرے باپ نے میرا نکاح کر دیا۔ حالانکہ وہ مجھے ناپسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا۔

۱۵۵۔ آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ۔ (ابوداؤد) | عورتوں سے اُن کی بیٹیوں کے (نکاح کے) معاملے میں مشورہ کرو۔

۱۵۶۔ إِنَّ أَحْسَابَ أَهْلِ الدُّنْيَا الَّذِينَ يَذْهَبُونَ إِلَيْهِ الْمَالُ۔ (النسائی) | دنیا داروں کے لیے ذات صفات جسے وہ ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ دولت ہے۔

۱۵۷۔ مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ وَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ وَفِي أُخْرٰى مَائِلٌ۔ (الترمذی، ابوداؤد، النسائی) | جس شخص کی دو عورتیں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے قیامت کے دن اس کا اُوپر کا دھڑ جھڑا ہوا ہوگا دوسری روایت ہے کہ جھکا ہُوا ہوگا۔

۱۵۸۔ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَشَرَطَ لَهَا أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنْ مِصْرِهَا | جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اس شرط پر کہ اُسے اس کے شہر سے باہر نہ لے جائے گا۔ پس

فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُخْرِجَهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا۔ (الترمذی)

اس کے واسطے جائز نہیں کہ بغیر اس کی رضامندی کے اسے اس کے شہر سے باہر لے جائے۔

بعض احکام بیع

۱۵۹۔ لین دین کرنے والوں میں اگر اختلاف ہو:

(ابن مسعودؓ) رفعه: اذا اختلف البیّعان فالقول قول البائع والمبتاع بالخیار۔ (مالك وترمذی)

اگر خریدار و فروشندہ میں اختلاف ہو، تو فروشندہ کی بات مانی جائے گی۔ البتہ خریدار کو لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

۱۶۰۔ دو خریداروں میں زیادہ حق کس کا ہے؟

(عقبہ بن عامر وسمرۃ) رفعه: ایما رجل باع بیعا من رجلین فهو للاول منهما۔ للقزوینی ----

جو شخص دو آدمیوں سے سودا کرلے تو حق ان دونوں میں سے پہلے کا ہوگا۔ ....

۱۶۱۔ اگر خریدار کے مال پر آفت آجائے:

(جابرؓ) رفعه: ان بعت من اخیك ثمرا فاصابته جائحة فلا یحل لك ان تأخذ منه شیئا بم تأخذ مال اخیك بغیر حق۔ (المسلم وابی داؤد والنسائی)

اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ کسی درخت کے پھل کو فروخت کرو اور اس پر کوئی آفت آجائے تو تمہارے لیے اس سے کچھ لینا جائز نہیں۔ بغیر کسی حق کے اپنے بھائی سے مال وصول کرنا کس بنیاد پر؟

منّت کا بیان

۱۶۲۔ إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَرِّبُ مِنِ ابْنِ آدَمَ شَيْئًا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ قَدَّرَهُ لَهُ

نذر یا منّت آدمی کے نزدیک اس چیز کو نہیں لے آتی جو اس کے مقدر میں نہ ہو۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا

وَلٰكِنَّ النَّذْرَ يُوَفِّقُ الْقَدَرَ وَيَخْرُجُ بِذٰلِكَ مِنَ الْبَخِيلِ مَا لَمْ يَكُنِ الْبَخِيلُ يُرِيدُ اَنْ يُخْرِجَ۔ (الخمسة)

ہے کہ منّت اور مقدر موافق ہو جاتے ہیں اور اس طرح بخیل کا مال خرچ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نہ کرتا۔

۱۶۳۔ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَلَا يَعْصِهِ۔ (السنة الامسلمًا)

جو ایسی منّت مانے کہ اس میں خدا کی فرمانبرداری کرے۔ اُسے چاہیے کہ اسے وقت پر پورا کرے اور جو ایسی منّت مانے کہ اس میں خدا کی نافرمانی ہو۔ اُسے چاہیے کہ وہ اس سے باز رہے۔[1]

۱۶۴۔ قَالُوا هٰذَا اَبُو اِسْرَائِيلَ نَذَرَ اَنْ يَقُومَ فِي الشَّمْسِ وَيَصُومَ وَلَا يُفْطِرَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ فَقَالَ مُرُوهُ فَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ۔

(البخاری، مالک، ابو داؤد)

(ایک شخص کو دیکھ کر اُس کا حال دریافت فرمایا)۔ لوگوں نے کہا۔ یہ ابو اسرائیل ہے۔ اُس نے منّت مان رکھی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے۔ اور سائے میں نہ آئے روزہ رکھے اور کھولے نہیں۔ اور بات نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے کہو کہ سائے میں آ جائے۔ بات چیت کرے۔ مگر اپنے روزے کو پورا کرے (یعنی صرف غروب آفتاب تک اس کے بعد کھائے پیئے)۔

شُفعہ

۱۶۵۔ حق شُفعہ شاملات میں ہوتا ہے، شریک کا اذن بلکہ انتظار بھی ضروری ہے:

(جابرؓ) قضی النبیﷺ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں

---

[1] اس سے پہلی حدیث میں آیا ہے کہ منّت کا اثر کسی کام کے حسب مراد ہونے پر نہیں ہوتا لیکن اگر منّت مانی جائے، اور وہ جائز فعل ہو۔ جیسے کسی کنوئیں، مسجد، یتیم خانہ وغیرہ پر مال خرچ کرنا تو کام ہو جانے پر وہ ادا کر دینی چاہیئے۔ کہ ایک تو وعدہ خلافی کی عادت نہ ہو، دوسرا ایک نیکی کا کام سرانجام پا جائے اور اگر منّت کا فعل ممنوع ہو جیسے لڑکے سے بھیک منگوانا۔ ناک پر بھینسی ہو تو اچھی ہونے پر چاندی کی ناک کسی خانقاہ پر چڑھانا وغیرہ تو اس سے باز رہنا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں جو پانچوں صحاح میں درج ہے۔ ایک عورت کے لیے جس نے منّت مانی تھی کہ ننگے پاؤں چل کر حج کرے۔ فرمایا کہ اگر چاہے تو بے شک سوار ہو کر سفر کرلے (ننگے پاؤں چلنا لاحاصل ہے)۔

بالشفعة فی کل مالم یقسم و اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة" وفی روایة: قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط لا یحل له ان یبیع حتّٰی یؤذن شریکه فان شاء اخذ وان شاء ترک واذا باع ولم یؤذنه فهوا حق به وفی اخرٰی: الجار احق بشفعة جاره ینتظر بها وان کان غائبا اذا کان طریقهما واحداً۔ (للستة الا مالکا)

شفعے کا فیصلہ فرمایا ہے جو تقسیم نہ ہو۔ ہاں اگر حد بندیاں ہوگئی ہوں اور راستے بدلے ہوئے ہوں تو حق شفعہ نہیں رہتا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعے کے حق میں ہر اس چیز کے متعلق فیصلہ دیا ہے جسے احاطے یا دیوار نے منقسم نہ کر دیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کسی کو بیع کا حق نہیں۔ شریک چاہے تو لے چاہے تو چھوڑ دے۔ اگر وہ بلا اجازتِ شریک بیع کرے گا تو وہ شریک اس بیع کا زیادہ حق دار ہے۔ دوسری روایت میں ہے، کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کا شفعے میں زیادہ حق دار ہے۔ اگر دونوں کا راستہ ایک ہی ہو تو فروشندہ کو اپنے پڑوسی کا اگر وہ موجود نہ ہو تو انتظار کرنا چاہیے۔

۱۶۶۔ پڑوسی کا حق:

(سمرۃؓ) رفعه: جار الدار احق بدار الجار والارض۔ (ابوداؤد)

کسی کے گھر یا زمین کا (بصورت بیع) پڑوسی زیادہ حق دار ہے۔

۱۶۷۔ بیع میں دونوں فریق کا فائدہ مدِنظر ہو پھل تیار ہونے سے پہلے درخت کی بیع:

(ابن عمرؓ) ان رجلا اسلف فی نخل فلم یخرج تلک السنة شیئا فاختصما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال بم تستحل ماله؟ اردد علیه ماله ثم قال لا تسلفوا فی النخل حتّٰی یبدو صلاحه۔ (ابوداؤد)

ایک شخص نے ایک درخت خرما کسی کو ٹھیکے پر دیا۔ اتفاق سے اس سال کچھ پیدا نہ ہوا۔ دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: کس بنا پر تم اس کا مال لینا جائز سمجھ رہے ہو۔ اس کی رقم واپس کر دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ: جب تک پھل پکنے کے قریب نہ ہو جائیں لین دین کا معاملہ نہ کرو۔

احادیثِ مشترکہ

۱۶۸۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ثَلٰثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ہیں کہ قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَجُلٌ اَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا ثُمَّ اَكَلَ ثَمَنَهٗ وَرَجُلٌ اِسْتَاجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ الْعَمَلَ وَلَمْ يُوَفِّهٖ اَجْرَهٗ۔ (البخاری)

میں اُن کا دشمن ہوں گا (۱) وہ جس نے مجھے منامن دیا اور پھر دغا کیا (۲) وہ جس نے آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی (۳) اور وہ جس نے کسی مزدور سے مزدوری مقرر کی پھر اُس سے پورا کام لیا۔ مگر مزدوری پوری نہ دی۔

ذخیرہ اندوزی

۱۶۹۔ احتکار (ذخیرہ اندوزی):

(ابن عمرؓ) رفعه: من احتكر طعاما اربعين يوما يريد به الغلاء فقد برئ من الله وبرئ الله منه (رزین)

جو مہنگا کرکے نفع کمانے کی غرض سے چالیس دن غلّے کا ذخیرہ رکھ چھوڑے وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری الذمہ ہے۔

۱۷۰۔ احتکار کرنے والے کی نفسی کیفیت:

(معاذؓ) رفعه: بئس العبد المحتكر ان ارخص الله الاسعار حزن وان اغلاها فرح۔ (رزین)

احتکار (HOARD) کرنے والا بھی عجیب بدطینت انسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر ارزانی پیدا فرما دے تو اُسے افسوس ہوتا ہے اور گرانی پیدا کر دے تو خوش ہوتا ہے۔

۱۷۱۔ جرم احتکار کی کوئی تلافی نہیں:

(ابوامامةؓ) رفعه: اهل المدائن هم الجلساء في سبيل الله فلا تحتكروا عليهم الاقوات ولا تغلوا عليهم الاسعار فان من احتكر عليهم طعاما اربعين يوما ثم تصدق به لم يكن له كفارة۔ (رزین)

شہروں کے لوگ فی سبیل اللہ ہی بیٹھنے والے لوگ ہیں۔ لہٰذا غذائیات کو ان پر تنگ کرکے احتکار نہ کرو اور نہ قیمتوں کو چڑھاؤ۔ اگر کوئی شخص ان پر چالیس دن احتکار کرے تو ساری جمع پونجی صدقہ کرنے کے بعد بھی اس گناہ سے احتکار کا کفارہ نہ ادا ہوگا۔

۱۷۲-احتکار اور بھاؤ کی تیزی :

(ابوھریرۃؓ ومعقلؓ بن یسارؓ رفعه: یحشر الحاکرون وقتلة الانفس فی درجة ومن دخل فی شئی من سعر المسلمین یغلیه علیهم کان حقا علی الله ان یعذبه فی معظم النار یوم القیامة۔ (رشارین)

احتکار کرنے والے اور قتل کرنے والے دونوں ایک ہی صف میں۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں پر عام بھاؤ کو گراں کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ بروزِ حشر وہ اُسے جہنم کے سب سے بڑے طبقے میں عذاب کے لیے ڈال دے۔

۱۷۳-لعنتِ احتکار کی ہمہ گیری :

(ابوھریرۃؓ ومعقلؓ بن یسارؓ) وایما اھل عرصة یصبح فیهم امرؤ جائع فقد برءت منهم ذمة الله۔ (احمد، موصلی، بزار، اوسط)

جن محلے والوں کی صبح اس حال میں ہو کہ ان میں رات کوئی بھوکا رہ گیا ہو، تو اُن لوگوں سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہو گیا۔

حکومت کی طرف سے بھاؤ کا تعیّن

۱۷۴-جب بھاؤ کی کمی سے دوسرے تاجروں پر اثر ہو :

(ابن المسیبؓ) ان عمرؓ مر بحاطب بن ابی بلتعة وھو یبیع زبیبا بالسوق فقال له عمرؓ اما ان تزید فی السعر واما ان ترفع من سوقنا۔ (مالک)

حاطب بن ابی بلتعہ منڈی میں مویز منقٰی کی تجارت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ اُن کے پاس سے گزرے (بھاؤ معلوم کر کے) فرمایا کہ : یا تو اس کے دام میں کچھ اضافہ کرو ورنہ اس منڈی سے ہٹ جاؤ۔

قرض اور اُس کے آداب

۱۷۵- ادائے قرض کا سامان نہ کرنے کا گناہ :

(ابو موسیٰ) رفعہ : ان اعظم الذنوب عند اللہ ان یلقاہ بہ عبد بعد الکبائر التی نہی عنہا ان یموت رجل وعلیہ دین لا یدع لہ قضاء - (ابو داؤد)

ممنوعہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ جسے لے کر بندہ خدا کے سامنے پیش ہوگا وُہ یہ ہے کہ وہ قرض چھوڑ کر مرے اور اس کی ادائیگی کا کوئی سامان نہ کرے۔

۱۷۶- بدنیت قرض دار کا حشر :

(صہیبؓ) رفعہ : ایما رجل تدین دینا وھو مجمع ان لا یوفیہ ایاہ لقی اللہ سارقًا (قزوینی، بلینی)

جو شخص قرض لے اور یہ ٹھان لے کہ ادا نہ کرے گا - وہ اللہ تعالےٰ کے حضور چور کی حیثیت سے پیش ہوگا۔

۱۷۷- نیک نیّت قرض دار پر فضل :

(عمران بن حذیفة) : کانت میمونة تدان وتکثر فقال لھا اھلھا فی ذلک ولاموھا ووجدوا علیھا فقالت لا اترک الدین و قد سمعت خلیلی وصفیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول ما من احد یدان دینا فی علم اللہ انہ یرید قضاءہ الا اداہ اللہ عنہ فی الدنیا - (للنسائی)

حضرت میمونہ قرض بہت لیا کرتی تھیں۔ ان کے خاندان والوں نے ان پر ایک بار بڑی خفگی و ملامت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ : میں یہ عادت نہ چھوڑوں گی۔ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص قرض لے اور اللہ تعالیٰ اُس کی ادائیگی کی نیّت کو جانتا ہو تو اسی دنیا میں اس کی طرف سے اس کا سامان فرما دیتا ہے۔

۱۷۸- قرض دینے والوں کے ساتھ اللہ ہے (عبداللہ بن جعفر کی ایک ادا):

(عبد اللہ بن جعفرؓ) رفعہ: ان اللہ مع الدائن حتی یقضی دینہ مالم یکن فیما یکرہ اللہ قال فکان عبد اللہ یقول لخازنہ اذھب فخذ لی بدین فانی اکرہ ان ابیت لیلۃ الا واللہ معی بعد الذی سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (قسز وینی)

قرض ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ قرض دینے والے کے ساتھ رہتا ہے۔ بشرطیکہ ایسی راہ میں وہ نہ دیا گیا ہو جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ عبداللہ بن جعفر بعض اوقات اپنے خازن سے فرماتے کہ تم ہی میرے ثواب کی خاطر مجھ سے قرض لے لو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سننے کے بعد میں ایسی ایک رات بھی گزارنا پسند نہیں کرتا، جس میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ نہ ہو۔

۱۷۹- ادائے قرض میں ٹال مٹول:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: مطل الغنی ظلم واذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع (للستۃ)

توانگر اگر (ادائے قرض میں) ٹال مٹول کرے تو ظلم کرتا ہے۔ اس کے پیچھے پڑ کے تقاضا کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۰- تین قابلِ نفرت اشخاص:

(علیؓ) رفعہ: ان اللہ یبغض الغنی الظلوم والشیخ الجھول والعائل المختال۔ (بزار، اوسط، بلین)

اللہ تعالیٰ ظالم توانگر سے، بوڑھے جاہل سے اور (محتاج متکبر) سے نفرت کرتا ہے۔

۱۸۱- تقاضے میں نرمی و شرافت کرنے والے کی عاقبت:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ان رجلا لم یعمل خیرا قط وکان یداین الناس فیقول لرسولہ خذ ما تیسر واترک ما عسر وتجاوز لعل اللہ یتجاوز

ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ صرف اتنی سی بات تھی کہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب وہ وصول کرنے کے لیے کسی کو بھیجتا تو یہ تاکید کرتا کہ جتنا آسانی سے مل جائے لے لو اور جس میں دقت ہو اسے چھوڑ دو بلکہ

فلما هلك قال الله له هل عملت خيرًا قط؟ قال لا الا انه كان لی غلام وكنت اداين الناس و اذا بعثته يتقاضى قلت له خذ ما تيسر واترك ما عسر وتجاوز لعل الله يتجاوز عنا قال الله تعالى قد تجاوزت عنك۔ (بخاری ونسائی)

معاف کر دو۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم کو اسی طرح معاف فرما دے۔ جب وہ مرگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: تونے کوئی نیک کام بھی کیا ہے؟ عرض کیا کہ کوئی نیکی نہیں کی بجز اس کے کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب اپنے خادم کو تقاضے کے لیے بھیجتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ جو کچھ آسانی سے مل جائے وہ لے لو اور جس کی ادائیگی میں دشواری ہو اُسے چھوڑ دو بلکہ معاف کر دو۔ اُمید ہے کہ اللہ بھی ہمیں یوں ہی معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا میں نے بھی تجھے معاف کیا۔

۱۸۲: تنگدست کو مہلت دینے والے کا انعام:

(ابو ھریرۃؓ) رفعه: من انظر معسرا او وضع له اظله الله يوم القيامة تحت ظل عرشه يوم لا ظل الا ظله (ترمذی)

جو تنگ دست قرضدار کو مہلت دے یا معاف کردے اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سایۂ رحمت میں لے لیگا۔ یہ دن قیامت کا وہ دن ہے جس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

۱۸۳۔ فتح مکہ سے پہلے اور بعد قرضدار کی نماز جنازہ:

(جابرؓ) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يصلي على رجل مات عليه دين فاتى بميت فقال أعليه دين؟ قالوا نعم ديناران قال صلوا على صاحبكم فقال ابو قتادة هما علىّ يا رسول الله فصلى عليه فلما فتح الله على رسوله قال انا اولى بكل مؤمن نفسه فمن ترك دينا فعلىّ قضاءه ومن ترك مالا فلورثته (ابو داؤد، نسائی، احمد، بزار)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی میت کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جو قرض چھوڑ کر مرا ہو۔ ایک میت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لائی گئی تو پوچھا کہ: کیا اس پر کوئی قرض بھی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! دو دینار۔ فرمایا: تو پھر تم لوگ جا کر نماز جنازہ پڑھ لو۔ ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! یہ قرض میرے ذمے رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھ لیا۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کا اس کی اپنی ذات سے بھی زیادہ میں حق دار ہوں، لہٰذا اب جو قرض چھوڑ کر مرے اس کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی اور اگر وہ مال چھوڑ کر مرے تو یہ اس کے وارثوں کا حق ہوگا۔

۱۸۴۔ قرض دینے کا اجر:

(ابن مسعودؓ) رفعہ: ما من مسلم یقرض مسلما قرضا مرتین الا کان کصدقتھا مرۃ۔ (قز وبیہقی مطولا)

جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو دو بار قرض دیا۔ اس نے گویا ایک قرض کو صدقہ کر دیا۔

۱۸۵۔ ایضاً:

(ابوامامہؓ) دخل رجل الجنۃ فرأی علی بابھا مکتوبا الصدقۃ بعشر امثالھا والقرض بثمانیۃ عشر (کبیر)

ایک شخص جنّت میں گیا تو اُس نے اس کے دروازے پر یہ لکھا ہُوا دیکھا کہ صدقے کا ثواب تو دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔

۱۸۶۔ قرض دینے سے خوف نہ کھاؤ:

(عقبۃ بن عامرؓ) رفعہ: لا تخیفوا انفسکم بعد أمنھا قالوا و ما ذاک۔؟ قال الدین۔

(احمد، کبیر، موصلی)

بے خوف ہونے کے بعد اپنے آپ کو خوف میں مبتلا نہ کرو۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: قرض (یعنی قرض دے کر اس کے متعلق تردد نہ کرو۔ ادا ہو جب بھی اور نہ ہو جب بھی اجر کہیں نہیں گیا۔)

۱۸۸۔ قرض کا دخولِ جنّت میں رکاوٹ بننا:

(جابرؓ) ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارأیت ان جاھدت بنفسی ومالی فقتلت صابرا محتسبا مقبلا غیر مدبر أ ادخل الجنۃ؟ قال نعم فاعاد ذلک مرتین اوثلاثا قال نعم ان لم یکن علیک دین لیس عندک وفاءہ۔ (احمد، بزار)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر دریافت کیا کہ: اگر میں اس طرح اپنے مال و جان سے جہاد کروں، کہ ثابت قدم رہوں، باعث ثواب سمجھوں، آگے ہی بڑھتا جاؤں اور پیچھے نہ ہٹوں تو کیا میں جنّت میں جاؤں گا؟ فرمایا: ہاں! اُس نے دو تین بار یہ سوال دہرایا۔ ہر بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا اور آخر میں فرمایا کہ: بشرطیکہ تم پر کوئی ایسا قرض نہ ہو جس کی ادائیگی کا سامان نہ کیا ہو۔

۱۸۹ : فکرِ حق :

(جابرؓ) رفعہ : لا ھمّ الا ھمّ الدّین ولا وجع الا وجع العین ۔ (اوسط، صغیر بضعف)

فرمایا : سب سے بڑی فکر قرض کی فکر ہے ، اور سب سے بڑی تکلیف آنکھ کی تکلیف ہے ۔

۱۹۰ : تنگدست قرض دار کے لیے کشادگی پیدا کرنا :

(ابن عمرؓ) رفعہ : من اراد ان تستجاب دعوتہ و ان تکشف کربتہ فلیفرج عن معسر (احمد، ابی یعلی)

جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی دُعائیں قبول ہوں اور اس کی مُصیبتیں دُور ہوں ۔ وہ تنگدست قرض داروں کے لیے آسانی پیدا کرے ۔

۱۹۱ ۔ ادائے قرض کا اجر :

(ابن عباسؓ) من مشی الی غریمہ بحقہ صلت علیہ دواب الارض ونون الماء ونبت لہ بکل خطوۃ شجرۃ فی الجنّۃ و ذنب یغفر (للبزار بخفی)

جو شخص اپنے قرض خواہ کا قرض لے کر ادا کرنے جاتا ہے اس کے لیے خشکی کے تمام ذی روح اور پانی کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں اور اس کے ہر ہر قدم پر جنّت میں ایک درخت اُگتا ہے اور ایک گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے ۔

حکومت کی طرف سے دیوالیے کا حکم

۱۹۲ : دیوالیے کا حکم :

(ابوسعیدؓ) : اصیب رجل فی عھد النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی ثمار ابتاعھا فکثر دینہ نا فلس فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم تصدقوا علیہ فتصدق الناس علیہ

عہدِ نبوی (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) میں ایک شخص نے کچھ پھل خریدے مگر اس پر کوئی آفت آ گئی اور وہ بہت مقروض ہو کر دیوالیہ ہو گیا ۔ حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ : تم لوگ اسے صدقہ دو ۔ سب نے صدقات پیش

فلم یبلغ ذلك وفاء دینه فقال صلی الله علیه وسلم لغرمائه خذوا ما وجدتم ولیس لکم الا ذلك ۔ (مسلم، اصحاب سنن)

کیے لیکن اس کے قرض کے برابر پھر بھی نہ ہو سکے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں کو فرمایا کہ: یہ جو کچھ ہے سو لے لو۔ اس کے سوا اور تمھارا کوئی حق نہیں رہا۔

عاریت، ہبہ وغیرہ

۱۹۳۔ کچھ دے کر واپس لینا:

(ابن عباسؓ وابن عمرؓ) رفعاہ: لا یحل لرجل ان یعطی عطیۃ او یھب ھبۃ ثم یرجع فیھا الا الوالد فیما یعطی ولدہ ومثل الذی یرجع فی عطیتہ او ھبتہ کالکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ (لاصحاب سنن)

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی کو بطور عطیہ یا ہبہ کچھ دے کر واپس لے۔ ہاں صرف باپ اپنے بیٹے سے واپس لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی ایسا کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے کتے کی سی ہے جو خوب کھا کر قے کر دے اور پھر اسی قے میں منہ ڈالے۔

جائز وناجائز ہدایا

۱۹۴۔ مبادلۂ ہدایا کی برکت:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: تھادوا فان الھدیۃ تذھب وحر الصدور ولا تحقرن جارۃ لجارتھا ولو شق فرسن شاۃ (للترمذی)

آپس میں ہدیوں کا مبادلہ کیا کرو۔ ہدیہ سینے کے کینے کو دُور کرتا ہے۔ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کی تحقیر نہ کرے خواہ بکری کا ایک پایہ ہی کیوں نہ بھیج دے۔

۱۹۵۔ سفارش کی قیمت لینا ربا ہے:

(ابو امامۃؓ) رفعہ: من شفع

اگر کوئی شخص کسی کی سفارش کرے اور وہ

لاحد شفاعة فاهدى لها هدية عليها فقبلها فقد اتى بابا عظيما من ابواب الربٰوا۔ (ابو داؤد)

اس سفارش کی وجہ سے کوئی ہدیہ بھیجے، جسے سفارش کرنے والا قبول کرے تو وہ ربا (سود) کی ایک بڑی قسم کو قبول کرتا ہے۔

۱۹۶۔ تعلیمِ دین کی اُجرت حرام ہے:

(عبادة بن الصامت) علّمت ناسا من اهل الصفة الكتاب والقرآن فاهدىٰ الىّ رجل منهم قوسا فقلت ليست بمال و ارمى عليها فى سبيل الله لآتين رسول الله صلّى الله عليه وسلّم واسألنّه فقال ان كنت تحب ان تطوق طوقا من نار فا قبلها۔

(ابو داؤد)

میں نے بعض اصحابِ صفّہ کو کتاب یعنی قرآن کی تعلیم دی تھی۔ ان میں سے ایک آدمی نے ایک کمان بطور ہدیہ پیش کی۔ میں نے کہا: یہ کوئی ایسا مال تو ہے نہیں بلکہ اس میں سے فی سبیل اللہ تیر چلاؤں گا تاہم میں اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت ضرور کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پوچھنے پر فرمایا کہ: اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمھاری گردن میں آگ کا طوق ڈال دیا جائے تو اُسے قبول کر لو۔

۱۹۷۔ الهدایہ مشترک:

(ابنِ عباسؓ) رفعه: من اُهدیت له هدية وعنده قوم فهم شركاء فيها (للكبير والاوسط بلين)

اگر کسی کے پاس ہدیہ آئے اور وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود ہوں تو اُس میں سب لوگوں کو شریک کرنا چاہیئے۔

۱۹۸۔ قرض خواہ کی خاطر مدارات:

(انسؓ) رفعه: اذا اقرض احدكم قرضا فاهدىٰ اليه او حمله على الدابة فلا يركبها ولا يقبله الا ان يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك۔

(للقزويني بمجهول)

اگر کوئی شخص کسی کو قرض دے اور وہ مقروض اُسے کوئی ہدیہ یا سواری پیش کرے تو وہ نہ اس ہدیے کو قبول کرے نہ سواری استعمال کرے، بجز اس کے کہ اس قرض سے پہلے بھی دونوں کے درمیان اس طرح کے روابط موجود ہوں۔

شرکت

۱۹۹۔ معیتِ خداوندی، عدمِ خیانت سے مشروط ہے:

(ابوھریرۃ) رفعہ: ان اللہ تعالیٰ یقول انا ثالث الشریکین ما لم یخن احدھما لصاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھما۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو آدمی کوئی معاملہ کرتے ہیں تو اگر کوئی ایک دوسرے کی خیانت نہیں کرتا تو میں بھی ان دونوں کا شریک (مددگار) ہوتا ہوں اور اگر کوئی ایک خیانت کا مرتکب ہو تو میں بیچ سے نکل جاتا ہوں۔

رہن

۲۰۰۔ مال مرہونہ ہر حال میں واپس کیا جائے:

(ابن المسیب) ارسلہ: لا یغلق الرھن لمالک وقال تفسیرہ ان یرھن الرھن وفیہ فضل عما رھن فیہ فیقول المرتھن ان لم تأتنی بحقی الی اجل کذا فھو لی او یقول الراھن ھو لک ان لم آتک الی اجل وھو الذی نھی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یصلح فان جاء صاحبہ بما فیہ بعد الاجل فھو لہ۔

"غَلَقِ رہن" نہ کیا جائے۔ ابن مسیب اس کا یہ مطلب بتلاتے ہیں کہ کوئی چیز اپنی اصلی قیمت سے کم پر رہن رکھی جائے اور مرتہن (جس کے پاس رہن رکھی جائے) یہ کہے کہ اگر فلاں وقت تک تم زرِ رہن نہ ادا کرو گے، تو یہ چیز میری ہو جائے گی۔ یا راہن (رہن رکھنے والا) یوں کہے اگر میں فلاں وقت تک ادا نہ کروں تو یہ چیز تمھاری ہو گی۔ یہی ہے غَلَقِ رہن جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں بلکہ مالک مدت گزرنے کے بعد بھی اگر زرِ رہن لے کر آئے تو وہ مرہونہ چیز اسی کی ہو گی۔

۲۰۱۔ زمین پر قبضۂ ناحق:

(ابن عمرؓ) رفعہ: من اخذ شبراً

جو ناحق ایک بالشت زمین پر بھی قبضہ کرے گا

من ارض بغیر حق خسف به یوم القیامۃ الی سبع ارضین ۔ (بخاری)

وہ بروزِ حشر اسی میں سات تہوں تک دھنسایا جاتا رہے گا۔

زمین کو بٹائی یا کرائے پر دینا

۲۰۲۔ اُجرت پر زمین دینے کا جواز:

(رافع بن خدیج رض) کنا اکثر الانصار حقلا فکنا نکری الارض علی ان لنا هذه ولهم هذه فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذلك ....

انصار میں زیادہ تر لوگ زمینداری کاشت کاری کرتے تھے۔ ہم زمین کو اس شرط سے کرائے پر دیتے تھے کہ اس حصہ زمین کی پیداوار میری اور اس حصے کی تمہاری لیکن بعض اوقات یہ ہوتا کہ ایک حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی (اور کسی فریق کا نقصان ہوتا) لہٰذا آنحضرتؐ نے اس سے روک دیا....

ومنها عن نافع: ان ابن عمر كان يكرى مزارعه على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى امارة ابى بكر وعمر وعثمان وصدراً من خلافة معاوية حتى بلغه فى آخر خلافة معاوية ان رافع بن خديج يحدث فيها بنهى عن النبى صلى الله عليه وسلم فدخل عليه وانا معه فسأله فقال كان النبى صلى الله عليه وسلم ينهى عن كراء المزارع فتركها ابن عمرؓ وكان اذا سئل عنها بعد قال زعم ابن خديج ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عنها۔

نافع کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بعہدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے کھیت کرائے پر دیتے تھے بلکہ عہدِ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ میں اور پھر دورِ معاویہ میں بھی ایسا کرتے رہے۔ آخری دورِ معاویہ میں رافع بن خدیج اس کی ممانعت کی حدیث بیان کرنے لگے، تو میرے ساتھ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کے پاس جاکر دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھیت کو کرائے پر دینے سے روکتے تھے۔ اس کے بعد ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ کام ترک کر دیا۔ جب ان سے پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ:
ابن خدیج کا گمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔

ومنها: انه قال لا بأس بالذهب

ایک روایت میں ان کا قول یہ بھی ہے کہ اگر یہ معاملہ

والورق انما كان الناس يوا جرون بما على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا ولم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شئ معلوم مضمون فلا بأس به۔

سونے چاندی کے واسطے سے کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں در اصل بات یہ تھی کہ لوگ نالیوں اور حوضوں کے آس پاس کی پیداوار اور کچھ دوسرے حصوں کی پیداوار کو اپنی زمین کی اُجرت میں لیتے تھے، اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کبھی یہ حصہ ضائع ہوتا اور وہ حصہ پیدا کرتا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا۔ اس طرح کی مقررہ اُجرتوں میں کسی ایک فریق کا نقصان ہوتا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا پس اگر (روپے پیسے یا غلے) کی طرح غیر مبہم ضمانت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ومنها: نهانا صلّى الله عليه وسلّم عن امر كان نافعا لنا وطواعية الله ورسوله انفع لنا نهانا ان نحاقل الارض نكريها على الثلث والربع والطعام المسمّى وامر رب الارض ان يزرعها او يزرعها۔

ایک اور روایت ہے کہ یہ کام ہمارے لیے نفع بخش تو ضرور تھا مگر حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ و رسولؐ کی اطاعت اس سے زیادہ منفعت بخش ہے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیں زمین کی محاقلت سے بھی منع فرمایا ہے (محاقلت کے معنی ہیں کھیتی کو خوشے ہی میں بیچنا) لہٰذا ہم لوگ تہائی، چوتھائی یا معیّن مقدار پیداوار پر زمین اُجرت پر دیتے تھے۔ حضورؐ نے صاحب زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ زمین کی یا خود کھیتی کریں یا دوسروں سے کرائیں (بیکار نہ رکھیں)

ومنها عن رافع: انه زرع ارضا فمر به النبي صلّى الله عليه وسلّم وهو يسقيها فسأله لمن الزرع ولمن الارض: فقال زرعي ببذري وعملي لي الشطر ولبني فلان الشطر فقال اربيتما فرد الارض على اهلها وخذ نفقتك۔

رافع سے ایک اور روایت ہے کہ اُنھوں نے ایک کھیتی تیار کی جسے وہ سیراب کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ادھر سے گزرے تو پوچھا کہ: یہ کھیتی کس نے کی ہے اور زمین کس کی ہے؟ عرض کیا کہ: یہ کھیت میں نے اپنے بیج اور محنت سے پیدا کیا ہے۔ اس شرط پر کہ پیداوار میں نصف میرا ہوگا نصف بنی فلاں کا۔ فرمایا: تم دونوں ہی ربا کے مرتکب ہوئے۔ زمین زمین والوں کو واپس کر دو اور اپنا خرچ واپس لے لو۔

ومنها: قال له ابن عمرؓ أسمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم نهى عن كراء الارض؟ فقال رافع سمعت النبي صلّى الله عليه وسلّم يقول لا تكروا الارض بشئ۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے رافع سے پوچھا کہ: تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کرائے پر دینے سے منع کرتے سنا ہے؟ کہا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ زمین کسی شے کے عوض کرائے پر مت دو۔

ومنها: فقد قال له عمران بن سهيل بن بن رافع يا اباه انه قد اكرينا ارضنا فلانة بمائتي درهم فقال يابني دع ذلك ان النبي صلّى الله عليه وسلم قد نهى عن كراء الارض۔

ایک اور روایت ہے کہ عمران بن سہیل بن رافع نے کہا کہ: اے پدرِ بزرگوار میں نے اپنی فلاں زمین دو سو درہم کے عوض اُجرت پہ دی ہے۔ اُنھوں نے کہا: اے فرزند! اسے چھوڑ دو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو اُجرت پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

ومنها فقال له ابن عمرؓ يا ابن خديج ماذا تحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم في كراء الارض؟ فقال رافع سمعت عمي يحدثان اهل الدار انه صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء الارض (للستة)

دوسری روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: اے ابن خدیج! اُجرت پر زمین دینے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ بولے کہ: میں نے اپنے دونوں چچاؤں کو اہلِ محلہ سے یہ بیان کرتے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت پر زمین دینے سے روکا ہے۔

(عروةؓ): قال زيد يغفر الله لرافع بن خديج انا والله اعلم بالحديث منه اذما اتاه رجلان من الانصار قد اقتتلا فقال النبيّ صلى الله عليه وسلم ان كان هذا شانكم فلا تكروا المزارع فسمع لا تكروا المزارع - (ابوداؤد)

زید نے کہا کہ رافع بن خدیج کو خدا بخشے۔ بخدا میں ان سے حدیث کا زیادہ واقف ہوں، بات یوں ہے کہ دو انصاری لڑتے جھگڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے تھے جس پر حضورؐ نے فرمایا کہ جب تمھارا یہی حال ہے تو زمین کو اُجرت پر نہ دیا کرو۔ رافع نے صرف اتنا ہی سُن لیا کہ زمین کو اُجرت پر نہ دو۔

(سعدؓ) ان اصحاب المزارع يكرون مزارعهم بما يكون على الساقي من الزرع فاختصموا الى النبي صلّى الله عليه وسلّم في بعض ذلك فنهاهم ان يكروا بذلك وقال اكروا بالذهب والفضة۔ (نسائی، ابوداؤد)

کھیت والے اپنے کھیتوں کو نالیوں پر اُگنے والی پیداوار کے عوض اُجرت پر دیتے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کے بعض معاملات میں باہم جھگڑا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر زمین کو اُجرت پر دینے سے روک دیا اور فرمایا کہ: (پیداوار کی بجائے) سونے چاندی (درہم و دینار) سے معاملت کرو۔

ملکیّت زمین اور افتادہ زمین کی کاشت

۲۰۳ ۔ احیائے زمین (زمین میں کاشت کرنا):

(عروۃؓ) ارسلہ: من احی ارضامیتۃ فھی لہ ولیس لعرق ظالم حق۔
(مالک، ترمذی، ابوداؤد)

جو کسی مُردہ زمین کو زندہ کرے (یعنی کاشت کر کے اُسے سرسبز بنائے) وہ اسی کے لیے ہے اور غاصب کا کوئی حق نہیں (غصب کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص نے زمین کو زندہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے نے پھر اُسے اپنا قبضہ جمانے کے لیے زندہ کر لیا)۔

۲۰۴ ۔ ملکیّت زمین کی حقیقت (زمین خدا کی اور بندے بھی اُسی کے):

(عروۃؓ) اشھد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ فمن احیی مواتنا فھو احق بہ جاءنا بھذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی جاءنا بالصلوٰۃ عنہ۔ زاد الاوسط: قال عروۃ اشھد ان عائشۃؓ حدثتنی بھذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واشھد ان عائشۃؓ ماکذبتنی۔

میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ زمین خدا کی ہے اور یہ بندے بھی اُسی کے ہیں۔ لہٰذا جو شخص کسی مُردہ زمین کو زندہ کرے اس کا زیادہ حقدار بھی وہی ہے۔ جس نے نماز کی روایت نبویؐ ہم سے بیان کی ہے، اسی نے یہ بات بھی بیان کی ہے۔ اوسط کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ روایت مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی اور اس بات کا بھی گواہ ہوں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے مجھ سے جھوٹ نہیں بیان کیا۔

۲۰۵ ۔ احیائے زمین کرنے والے کا حق تصرّف:

(سعیدؓ بن زیدؓ) رفعہ: من احی ارضا فعجز صاحبھا عنھا وترکھا

جس زمین کا مالک اسے زندہ کرنے سے عاجز ہو اور اُسے برباد حالت میں چھوڑ دے تو یہ

بهلكة فهى له۔ (رزین)

اس کی ہو جائے گی جو اسے زندہ کرلے۔

۲۰۶۔ سامانِ آبپاشی کرنے والے کا اجر:

(ام سلمۃ رض) رفعتہ: ما من امرئ یحیی ارضا فیشرب عنه کبدٌ حرّاء و تصیب منها عافیة الّا کتب اللّٰه له به اجرا۔ (کبیر اوسط)

جو شخص کسی زمین کو زندہ کرے اور اُس سے کوئی پیاسا سیراب ہو کر راحت پائے، تو اللّٰہ تعالیٰ اُس کے لیے بڑا اجر لکھ دیتا ہے۔

۲۰۷۔ بلا اجازت کسی کی زمین میں کاشت کرنا:

(رافع رض بن خدیج رض) رفعہ: من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شئ وله نفقته۔ (للترمذی)

اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں اُس کی اجازت کے بغیر زراعت کرلے تو اس کا کھیت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اس کا خرچ اُسے ملے گا۔

عُہدۂ قضا اور اُس کے احکام

۲۰۷۔ قاضی کی بے کسی:

(ابو ھریرۃ) رفعہ: من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین۔ (ابو داؤد، ترمذی)

جس شخص کے سپرد عہدۂ قضا ہوا سمجھ لو کہ وہ بے چھری کے ذبح کیا گیا۔

۲۰۸۔ جنّتی اور جہنّمی قاضی:

(ابو بریق) رفعہ: القضاة ثلاثة واحد فی الجنّة واثنان فی النار فاما الذی فی الجنّة فرجل عرف الحق فقضی به ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار

قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جنّتی ہوتا ہے اور دو جہنمی۔ جنّتی قاضی وہ ہے جو حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ دے اور جو قاضی حق کو جان کر فیصلے میں ظلم سے کام لے وہ بھی جہنّمی

ورجل قضی للناس علی جھل فی النار۔
(ابو داؤد)

اور وہ قاضی بھی جو بے سوچے سمجھے فیصلے کرے۔

۲۰۹۔ عہدۂ قضا کی خواہش اور اس سے گریز:

(انسؓ) رفعہ: من سأل القضاء وکّل الی نفسه ومن جبر علیه ینزل علیه ملک یسدده۔
(ابوداؤد۔ ترمذی)

جو شخص عہدۂ قضا کو مانگ کر حاصل کرے گا وہ اپنے نفس کے داؤ میں آجائے گا اور جب مجبور کرکے یہ عہدہ سپرد کیا جائے گا۔ اس پر ایک فرشتہ نازل ہوگا جو اسے ٹھیک راہ پر لگاتا رہے گا۔

۲۱۰۔ عہدۂ قضا کی خواہش کے بعد:

(ابوھریرۃؓ) رفعه: من طلب قضاء المسلمین حتی یناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة ومن غلب جوره عدله فله النار۔ (ابوداؤد)

جو شخص مانگ کر عہدۂ قضا حاصل کرلے اور اس کی بے انصافی پر اس کا عدل غالب آجائے تو اس کے لیے جنّت ہے اور اگر اس کے عدل پر اُس کی بے عدلی غالب آجائے تو جہنمی ہے۔

۲۱۱۔ قاضی کے ساتھ رحمان یا شیطان کی معیّت:

(ابن ابی اوفیٰؓ) رفعه: الله مع القاضی مالم یجر فاذا جار تخلی عنه والزمه الشیطان۔ (للترمذی)

قاضی جب تک بے انصافی سے بچا رہتا ہے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ بے عدلی کرتا ہے تو اس سے الگ ہوجاتا ہے اور شیطان کو اُس کا ساتھی بنادیتا ہے۔

۲۱۲۔ اجتہاد کا اجر:

(عمروؓ بن العاص) رفعه: اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتھد فاخطاء فله اجر۔
(للشیخین، ابوداؤد)

اگر قاضی صحیح فیصلے کی کوشش کرتا رہے تو اگر صحیح فیصلہ ہوگا تو اُس کے لیے دو اجر ہوں گے۔ اور اس کوشش کے باوجود غلطی کرجائے تو اُس کے لیے ایک اجر ہے۔

۲۱۳ - قاضی ایک طبیب ہوتا ہے:

(یحیی بن سعیدؒ): ان ابا الدرداء کتب الی سلمان ان ھلم الی الارض المقدسة فکتب الیه سلمان ان الارض لا تقدس احدا وانما یقدس الانسان عمله و قد بلغنی انک جعلت طبیبا تداوی فان کنت تبرئ فنعما لك وان کنت متطببا فاحذر ان تقتل انسانا فتدخل النار فکان ابو الدرداء اذا قضی بین اثنین ثم ادبرا عنه نظر الیهما فقال متطبب والله ارجعا الیّ اعیدا قصتکما۔ (مالك)

ابو درداءؓ نے سلمانؓ کو لکھا کہ تم ارض مقدس میں آ جاؤ۔ سلمانؓ نے جواب دیا کہ زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی بلکہ اس کا عمل اسے مقدس بناتا ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تم طبیب (یعنی قاضی) بناتے گئے ہو اور لوگوں کا علاج کرتے ہو۔ اگر تم مرض کو دور کر دو تو سبحان اللہ اور اگر نقلی طبیب ہو تو ذرا ہوشیار رہو۔ کہیں کسی انسان کی جان لے کر مستحق دوزخ نہ بن جانا۔ اس کے بعد ابو الدرداء جب بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھتے تو ان کے واپس ہونے کے بعد دونوں کو دیکھتے رہتے، اور آواز دیتے کہ یعنی میں تو نقلی طبیب ہوں۔ واپس آ کر دونوں اپنا بیان پھر دہراؤ۔

۲۱۴ - رشوت دینے والا اور لینے والا:

(ابو ہریرةؓ و ابن عمرؓ) ان النبی صلی الله علیه وسلم لعن الراشی والمرتشی فی الحکم (للترمذی ولابی داؤد عن ابن عمر وحده)

فیصلہ (اپنے حق میں کرانے کے لیے) جو شخص رشوت دے یا لے۔ دونوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

۲۱۵ - قاضی دونوں فریقوں کا بیان سن کر فیصلہ دے:

(علیؓ) بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول الله ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء فقال ان الله سیھدی قلبك ویثبت لسانك فاذا جلس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی یمن بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! مجھ کم سن کو آپ اس عہدے پر بھیج رہے ہیں؟ مجھے تو فن قضاء کا کوئی علم ہی نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو راستہ سمجھا دے گا اور تمہاری زبان (فیصلے) کو ثبات عطا فرمائے گا۔ دیکھو! جب تمہارے

بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء فما زلت قاضیا او ما شککت فی قضاء بعد۔
(للترمذی وابو داؤد بلفظہ)

سامنے دونوں جھگڑے والے آئیں، تو جب تک مدعی کی طرح مدعا علیہ کے بیان کو بھی باطمینان نہ سن لو، اُس وقت تک کوئی فیصلہ مت دو۔ اس طرح صحیح فیصلہ تمھارے سامنے روشن طریق پر آجائے گا اس کے بعد میں برابر قاضی رہا اور کبھی کسی فیصلے میں تذبذب و شک نہیں پیدا ہوا۔

۲۱۶- غصّے کی حالت میں فیصلہ نہ دیا جائے:

(ابو بکرۃؓ) رفعہ: لا یحکم احد بین اثنین وھو غضبان وفی روایۃ: لا یقضین فی قضاء بقضاءین ولا یقضین احد بین خصمین وھو غضبان۔
(للستۃ الا مالکا)

غصّے کی حالت میں کوئی شخص بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ دے۔
ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس معاملے میں کوئی قاضی دو فیصلے نہ دے اور نہ دو جھگڑے کرنے والوں کے درمیان بحالت غصّہ فیصلہ دے۔

۲۱۷- فریقین میں ہر لحاظ سے برابری قائم رکھی جائے:

(ام سلمۃؓ) رفعتہ: اذا ابتلی احدکم بالقضاء بین المسلمین فلا یقضین وھو غضبان و لیسوّ بینھم بالنظر والمجلس والاشارۃ ولا یرفع صوتہ علی احد الخصمین فوق الآخر
(للموصلی والکبیر بضعف)

جب کوئی مسلمانوں کا قاضی ہونے کی آزمائش میں پڑے تو غصّے کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ دے اور متخاصمین کی طرف دیکھنے، اُن کو بٹھانے اور اُن کی طرف اشارہ کرنے تک میں برابری کو قائم رکھے اور کسی ایک فریق پر دوسرے کی بہ نسبت آواز زیادہ بلند نہ کرے۔

۲۱۸- قاضی بلائے تو جانا ضروری ہے:

(عمران بن حصینؓ) رفعہ: من دعی الی حاکم من حکام المسلمین فامتنع فھو ظالم اوقال لا حق لہ (للبزار بلین)

کسی مسلمان قاضی کے بلانے پر جو شخص نہ جائے وہ ظالم ہے اور اُسے اس کا کوئی حق نہیں۔

۲۱۹ ۔ فیصلے کے بعد اپنی مظلومیت کا اظہار غلط ہے :

(عوف بن مالکؓ) ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قضی بین رجلین فقال المقضی علیہ لما ادبر حسبی اللہ و نعم الوکیل فقال صلّی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یلوم علی العجز ولکن علیك بالکیس فاذا غلبك امر فقل حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ واپس جاتا ہوا، بولا کہ " حسبی اللہ و نعم الوکیل " میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر مددگار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ : اس طرح کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ ملامت ہے تمہیں عقل و فراست سے بھی کام لینا چاہیئے اس کے بعد بھی تم مغلوب ہو جاؤ تو حسبی اللہ و نعم الوکیل کہو۔

۲۲۰ ۔ فیصلے کی تین بنیادیں : (کتاب، سُنّت اور اجتہاد)

(معاذؓ) ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لما اراد ان یبعثه الی الیمن قال له کیف تقضی اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضی بکتاب اللہ تعالیٰ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال اقضی بسنة رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتهد رائی ولا آلو فضرب رسول اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ۔

وفی روایة : ان معاذاً سأل النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال یارسول اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذؓ بن جبل کو قاضی یمن بنا کر بھیجنا چاہا تو پوچھا کہ : تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے ؟ عرض کیا : کتاب اللہ سے فیصلہ دوں گا۔ فرمایا : اگر تمہیں کتاب اللہ میں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ملے تو ؟ عرض کیا : سنّت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ فرمایا : اگر وہاں بھی نہ ملے ؟ عرض کیا کہ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ (رضی اللہ عنہ) کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا : اس کے لیے حمد ہے جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول (فرستادہ) کو رسولِ خدا کی مرضی کے مطابق چلنے کی توفیق بخشی۔

دوسری روایت میں ہے کہ معاذ (رضی اللہ عنہ) ہی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ! میں کس چیز کے مطابق فیصلے کروں؟

دعویٰ، ثبوت اور گواہی کے احکام

۲۲۲۔ ثبوت اور قسم کس کے ذمے ہے؟:

(ابن عمرو بن العاصؓ) رفعہ: البیّنۃ علی المدعی والیمین علی المدّعیٰ علیہ۔ (الترمذی)

مدعی کے ذمے ثبوت پیش کرنا ہے اور مدعا علیہ کے ذمے قسم کھانا۔

۲۲۳۔ ایک قسم اور ایک گواہی پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے:

(ابن عباسؓ)......ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضا بیمین وشاھد (مسلم، ابوداؤد)

......ایک قسم اور ایک گواہ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے۔

۲۲۴۔ ایک قسم ایک گواہ کے ساتھ مل کر کام دے جاتی ہے:

(ابوھریرۃؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالیمین مع الشاھد الواحد (لابی داؤد والترمذی ولہ عن جابر مثلہ)

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یمین اور ایک ہی گواہی پر بھی فیصلہ دیا ہے۔ ترمذی میں جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

۲۲۵۔ کن لوگوں کی گواہیاں نامقبول ہیں؟:

(عائشۃؓ) رفعتہ: لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ ولا مجرب شھادۃ ولا القانع لاھل البیت ولا ظنین فی ولاء ولا قرابۃ (قال الفزاری القانع التابع۔) (للترمذی)

مندرجہ ذیل قسم کے لوگوں کی گواہی جائز نہیں:

(۱) خائن اور خائنہ (۲) جسے کسی حد میں کوڑے لگے ہوں۔ (۳) جسے اپنے بھائی سے کینہ ہو۔
(۴) جس کی غلط گواہی آزمائی جا چکی ہو۔
(۵) گھر والوں کے تابع (مثلاً ملازم وغیرہ)
(۶) جو دوستی یا قرابت کے معاملے میں متہم ہو۔

۲۲۵۔ کسی کے خلاف گواہی دینے والا اُسی کی سطح کا ہونا چاہیئے :

(ابو هريرةؓ) رفعه : لا تجوز شهادة بدوى على صاحب قرية۔ (ابو داؤد)

دیہقانی کی گواہی بھی شہری کے خلاف جائز نہیں۔

۲۲۶۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے :

(ايمن بن خريمؓ) رفعه : ايها الناس عُدلت شهادة الزور اشراكا بالله تعالى ثم قرأ النبى صلى الله عليه وسلّم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور الآية۔ (ابوداؤد، ترمذى بلفظه واعلّه)

اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کی ہم پلہ ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :

(ترجمہ): کہ بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی۔

۲۲۷۔ بہترین گواہ کون ہے ؟ :

(زيد بن خالدؓ) الا اخبركم بخير الشهداء؟ الذى يأتى بشهادته قبل ان يسئلها۔ لمالك، مسلم، ابى داؤد، ترمذى)

میں تمھیں نہ بتا دوں کہ سب سے بہتر گواہ کونسا ہے؟ وہ ہے جو اپنی گواہی قبل اس کے کہ اس سے اس کی درخواست کی جائے، پیش کر دے۔

۲۲۸۔ خزیمہ کی ایک عجیب دادان کی ایک گواہی دو کے برابر ہے):

(خزيمه بن ثابتؓ) ان النبى صلى الله عليه وسلّم ابتاع فرسامن اعرابى فاستتبعه الى منزله ليقبضه ثمن فرسه فاسرع النبى صلى الله عليه وسلّم المشئ وابطأ الاعرابى بالفرس فطفقت رجال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ اعرابی، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے ہو لیا، تاکہ گھر پہنچ کر اپنے گھوڑے کی قیمت لے لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تیز قدمی فرما رہے تھے اور اعرابی اپنے گھوڑے کی وجہ سے سُست رفتاری سے چل رہا تھا۔ راستے میں کچھ لوگ

يعترضون الاعرابي يساومونه بالفرس لا يشعرون ان النبي صلى الله عليه وسلم ابتاعه فنادى الاعرابي النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان كنت مبتاعا هذا الفرس والا بعته فقام النبي صلى الله عليه وسلم حين سمع نداء الاعرابي فقال اوليس قد ابتعته منك ؟ قال الاعرابي لا والله ما بعتكه فقال صلى الله عليه وسلم بلى قد ابتعته منك فطفق الاعرابي يقول هلم شهيدا فقال خزيمة انا اشهد انك قد بايعته فاقبل النبي صلى الله عليه وسلم على خزيمة فقال بم تشهد؟ قال بتصديقك يا رسول الله فجعل صلى الله عليه وسلم شهادة خزيمة بشهادة رجلين۔
(ابوداؤد، نسائی)

اُسے ملے اور گھوڑے کا مول تول کرنے لگے۔ انہیں یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑا خرید چکے ہیں۔ اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ آپ خریدتے ہیں یا میں اور کسی کے ہاتھ فروخت کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی آواز سُن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ : کیا میں تجھ سے یہ خرید نہیں چکا ہوں ؟ اعرابی بولا کہ : بخدا میں نے اسے آپ کے ہاتھ ابھی فروخت تو نہیں کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ہاں ہاں ! میں تجھ سے خرید چکا ہوں۔ اعرابی بولا کہ : لاؤ تو کوئی گواہ۔ خزیمہ (رضی اللہ عنہ) یہ سُن کر بول اُٹھے کہ : میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیع کا معاملہ کر چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف مُڑ کر پوچھا کہ : تم کس بُنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو۔ خزیمہ رضؓ نے عرض کیا کہ : حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا ماننے کی وجہ سے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اکیلی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

۲۲۹۔ کتمانِ شہادت، جھوٹی گواہی کے برابر ہے :

(ابوموسیٰ) رفعه : من كتم شهادة اذا دعي اليها كان كمن شهد بالزور۔
(كبير، اوسط)

جس شخص کو گواہی کے لیے بلایا جائے اور وہ شہادت کو پوشیدہ رکھے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا۔

۲۳۰۔ ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی کا موقع :

(ابن عمرؓ) سئل النبي صلى الله عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ :

وسلّم ما الذی یجوز فی الرضاع من الشھود؟ فقال رجل او امرأۃ وفی روایۃ: رجل وامرأۃ۔ (لاحمد والکبیر بضعف)

رضاعت کے ثبوت کے لیے کتنی گواہیاں کافی ہیں؟ فرمایا کہ: ایک مرد ہو یا ایک عورت۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت۔

۲۳۱۔ ایک ہی عورت کی گواہی کا موقع:

(حذیفۃ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اجاز شھادۃ القابلۃ۔ (اوسط بخفی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دائی جنائی کی شہادت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

۲۳۲۔ اہلِ کتاب کی گواہی (جبکہ کوئی مسلمان نہ ملے):

(الشعبیؒ) ان رجلا من المسلمین حضرتہ الوفاۃ بدقوقاء ولم یجد احدا من المسلمین یشھدہ علی وصیتہ فاشھد رجلین من اھل الکتاب فقدما الکوفۃ فاتیا ابا موسی الاشعری فاخبراہ وقدما وترکتہ ووصیتہ فقال ابو موسی ھذا لم یکن بعد الذی کان فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فاحلفھما بعد العصر باللہ ما خانا ولا کذبا ولا بدلا ولا کتما ولا غیرا وانھا لوصیۃ الرجل وترکتہ فامضی شھادتھما۔ (ابوداؤد)

ایک مرد مسلمان دقوقا، میں مرنے لگا اور اُسے کوئی مسلمان نہ ملا جو اس کی وصیت کا گواہ ہوتا، تو اُس نے دو اہلِ کتاب کو گواہ بنایا۔ یہ دونوں کوفے میں ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئے اور صورتِ حال بتا کر اس کا ترکہ اور وصیت پیش کر دی۔ ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ: عہد نبویؐ کے بعد پھر ایسا کوئی واقعہ نہیں پیش آیا۔ چنانچہ اُنھوں نے بعد عصر دونوں سے اس بات پر حلف لیا کہ اُنھوں نے نہ کوئی خیانت کی ہے نہ جھوٹ بتا رہے ہیں نہ ترکے میں کوئی تغیر و تبدل کیا ہے اور نہ کچھ چھپایا ہے اور یہ کہ یہی اس کا ترکہ اور یہی اس کی وصیت ہے۔ اس کے بعد ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے ان دونوں اہلِ کتاب کی گواہی کو قبول کر لیا۔

مجرم کو حبس میں رکھنا

۲۳۳۔ تحقیق حال تک کسی کو حبس میں رکھنا:

(بہز بن حکیم) عن ابیہ عن جدہٖ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حبس رجلا فی تھمۃ۔ (ابوداؤد وزاد ترمذی ونسائی)

کسی تہمت کے عوض حبس میں رکھا ہے۔

۲۳۴۔ صحیح غلط جانے بغیر گواہی دینا اور گواہ ہونے کا مغالطہ دینا:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: من اعان علی خصومۃ وھو لا یعلم احق او باطل فھو فی سخط اللہ حتی ینزع ومن مشی مع قوم یری انہ شاھد ولیس بشاھد فھو کشاھد زور۔ (للاوسط بلین مطولا)

جو کسی جھگڑے میں (کسی فریق کی) اعانت کرے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے یا ناحق پر تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں اُس وقت تک رہتا ہے جب تک اس سے الگ نہ ہو جائے اور جو شخص گواہ تو نہ ہو لیکن کسی فریق کے ساتھ اس انداز سے جائے کہ لوگ اُسے بھی گواہ سمجھیں، تو اس کا شمار بھی جھوٹے گواہوں میں ہوگا۔

۲۳۵۔ ظالم کی اعانت گویا ترکِ اسلام ہے:

(اوس بن شرجیل) رفعہ: من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام۔ (للکبیر وفیہ عیاش بن یونس)

جو کسی ظالم کو ظالم جانتا ہوا بھی اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ جائے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کارِ خیر میں زمین وغیرہ کا وقف

۲۳۶۔ کسی میّت کی طرف سے کارِ خیر:

(سعدؓ بن عبادۃؓ): قلت یارسول اللہ ان امی ماتت فای الصدقۃ افضل؟ قال الماء فحفر بیرا وقال ھذہ لام سعد۔ (ابوداؤد، نسائی)

میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا کون سا صدقہ بہتر ہے؟ (جو اس کی طرف سے ادا کیا جائے)، فرمایا: کنواں! چنانچہ سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور نیت کی کہ: (اس کا ثواب) سعدؓ کی ماں کے لیے ہے۔

۳۲۷۔ زمین کو تقسیم نہ کرنا بہتر ہے:

(اسلمؓ) انہ سمع عمرؓ یقول اما والذی نفسی بیدہ لولا ان اترک اخر الناس ببانا لیس لهم من شیء ما فتحت علی قریۃ الا قسمتها کما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ولکنی اترکها خزانۃ لهم یقتسمونها۔ (ابوداؤد، بخاری، بلفظہ)

اسلمؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو یہ کہتے سنا کہ: سنو قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بعد میں آنے والے لوگ کہیں گے کہ ہمارے لیے کچھ بھی نہ رہا تو میں جو لبستی بھی فتح کرتا اُسے اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو کیا۔ لیکن اسے میں ایک ایسے خزانے کی طرح باقی رکھنا چاہتا ہوں جس کی آمدنی لوگوں میں تقسیم ہوتی رہے۔

صلح جائز

۳۳۸۔ ناجائز شرطوں پر صلح غلط ہے:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطهم الا شرطاً حرم حلالا او احل حراما۔ (للترمذی)

مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس سے کوئی حلال چیز حرام یا حرام شے حلال ہوتی ہو۔ اور مسلمانوں کو ہر شرط پر قائم رہنا چاہیے بجز اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے والی ہو۔

امانت داری کے احکام

۳۳۹۔ امانت داری ہر ایک سے ہو:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: ادّ الامانۃ الی من ائتمنک ولا تخن من خانک۔ (ترمذی، ابوداؤد)

جو تمھارے ساتھ امانت کا برتاؤ کرے تم بھی اس کے ساتھ امانت داری کا حق ادا کرو۔ لیکن جو تمھارے ساتھ خیانت کرے تم اُس کے جواب میں خیانت نہ کرو۔

۳۴۰۔امانت دار خزانچی کی تعریف اور اس کا درجہ:

(ابوموسیٰؓ) رفعه: ان الخازن المسلم الامين الذى يعطى ما امر به فيعطيه كاملاً موفّراً طيبة به نفسه فيدفعه الى الذى امر له به احد المتصدقين۔ (شیخین، ابوداؤد، نسائی)

امانت دار مسلمان خزانچی کا شمار بھی صدقہ دینے والوں میں ہوگا، بشرط آنکہ جو رقم ادا کرنے کا اسے حکم دیا جائے اُسے پورا پورا، اور خوش دلی کے ساتھ اس کے حوالے کر دے جسے دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۴۱۔امانت داری اور پاس عہد:

(انسؓ) رفعه: لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له (لاحمد والموصلی والبزار والاوسط بلين)

جس میں امانت نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس میں پاس عہد نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں۔

لعنت غلامی کو ختم کرنے کے طریقے

۳۴۲۔غلام کا مقام:

(الحسنؓ) ان رجلا اتى النبى صلى الله عليه وسلم بعبد فقال انى اشتريت هذا فاعتقه فما ترى فيه؟ قال هو اخوك ومولاك قال فما ترى فى صحبته؟ قال ان شكرك فهو خير له وشر لك وان كفرك فهو خير لك وشر له قال فما ترى فى ماله؟ فقال ان مات ولم يترك عصبة

ایک شخص ایک غلام کو لے کر حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اسے خریدا ہے۔ اگر میں اسے آزاد کر دوں تو حضور علیہ السلام کی رائے میں اس کا کیا مقام ہوگا؟ فرمایا: یہ تمہارا بھائی اور تمہارا آزاد کردہ ہوگا۔ عرض کیا، اگر میں اسے ساتھ ہی رکھوں تو؟ فرمایا: اس صورت میں اگر یہ تمہارا قدر دان ہوگا تو اس کے لئے بھلا اور تمہارے لیے بُرا ہوگا اور اگر ناقدرا ثابت ہوا تو تمہارے لیے خیر اور اس کے لیے شر ہوگا۔ عرض کیا اس کے مال کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا:

فانت وارثه - (دارمی بارسال)

اگر یہ مرجائے اور اس کا کوئی عصبہ نہ ہو تو تم اس کے وارث ہوگے۔

۳۴۳-قیدی و غلام کو آزاد کرنے کا اجر:

(ابو ھریرۃ) رفعه : ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ الله بکل عضو منه عضوا منه من النار...... (شیخین، ترمذی)

جو شخص بھی کسی مرد مسلمان کو غلامی سے آزاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کا وہی وہی عضو آگ سے بچا لیتا ہے۔

۳۴۴-ایضاً:

(ابو امامۃ) ایما امرئ مسلم اعتق امرءا مسلما کان نکاکه من النار یجزے کل عضو منه عضوا منه وایما امرئ مسلم اعتق امرأتین مسلمتین کانتا نکاکه من النار یجزی کل عضو منهما عضوا و ایما امرأة مسلمة اعتقت امرأة مسلمة کانت نکاکها من النار یجزی کل عضو منها عضوا منها (ترمذی)

جو مسلمان کسی مسلمان کو غلامی سے آزاد کرلے گا وہ جہنم سے اس طرح آزاد ہوگا کہ آزاد ہونے والے کے ہر عضو کے عوض اس کا وہی عضو آزاد ہوگا اور جو مسلمان دو مسلمان عورتوں کو آزادی بخشے گا اس کا جہنم سے اس طرح چھٹکارا ہوگا کہ دونوں کے ہر عضو کے بدلے اس کا وہی عضو نجات پائے گا، اور اگر کوئی مسلمان عورت ایک مسلمان عورت کو آزاد کر دے تو اس کے ہر عضو کے جزا میں اس کا وہی عضو آگ سے آزاد ہو جائے گا۔

۳۴۵-غلام کو رہا کرنے کا اجر:

(ابو نجیح رض) رفعه : من اعتق رقبة مؤمنة کانت له فداه من النار۔ (ترمذی)

جو شخص کسی مسلمان کو غلامی سے رہا کرے وہ رہائی اس کے لیے آتش جہنم سے بچنے کا فدیہ ہو جائے گی۔

۳۴۶-قتل کی تلافی غلام کی رہائی سے:

(الغریف بن الدیلمی) اتینا واثلة الاسقع فقلنا حدثنا حدیثا لیس

ہم نے ایک بار واثلہ بن اسقع کے پاس آکر فرمائش کی، کہ کوئی حدیث ایسی سنائیے جس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ واثلہ نے

فیہ زیادۃ ولا نقصان نغضب وقال ان احدکم لیقرأ ومصحفہ معلق فی بیتہ فیزید وینقص فقلنا انما اردنا حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صاحب لنا اوجب یعنی النار بالقتل فقال اعتقوا عنہ یعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار۔
(ترمذی)

خفا ہو کر کہا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص زبانی قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کا مصحف گھر میں لٹکا ہوا ہو تو کیا وہ اس میں جان بوجھ کر کوئی کمی بیشی کرتا ہے؟ ہم نے کہا کہ: ہمارا مقصد حدیث سے کلام الٰہی نہیں بلکہ وہ قولِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو تو اُنھوں نے کہا کہ: ہم لوگ ایک بار حضور علیہ السلام کے پاس ایک ایسے شخص کی بابت دریافت کرنے آئے جو قتلِ ناحق کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس جہنمی کا بھی وہی عضو آگ سے بچالے گا۔

۳۴۷۔ حُسنِ سلوک:

(رافع بن مکیثؓ) رفعہ: حسن الملکۃ یمن وسوء الخلق شوم (ابوداؤد)

اچھا برتاؤ برکت ہے اور بدخلقی شومئ قسمت۔

۳۴۸۔ الفاظ تعظیم و تحقیر میں احتیاط:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ لایقولن احدکم عبدی وامتی ولا یقولن المملوك ربی وربتی لیقل المالك فتای وفتاتی ولیقل المملوك سیدی وسیدتی فانکم المملوکون والرب اللہ تعالیٰ
(شیخین و ابی داؤد)

مالک اپنے مملوک و مملوکہ کو عبدی (میرا بندہ) اور اَمتی (میری باندی) کے الفاظ نہ کہے اور وہ اپنے مالک و مالکہ کو ربی (میرا آقا) اور ربتی (میری آقائن) نہ کہے۔ بلکہ وہ اسے فتای اور فتاتی (صاحبزادہ اور صاحبزادی) کہے اور یہ اسے سیدی و سیدتی (میرے سردار) کہہ کر پکارے کیونکہ مملوک تم تمام لوگ ہو اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔

احکامِ وصیّت

۳۴۹۔ وصیّت کی تاکید:

(ابن عمرؓ) رفعہ: ما حق امریٔ مسلم

اگر کسی مسلمان کے پاس کوئی قابلِ وصیّت مال ہو، تو

مسلم له شئ یوصی فیه ان یبیت لیلتین وفی روایة: ثلاث لیال الا ووصیته مکتوبة عنده قال نافع سمعت ابن عمرؓ یقول مامرت علی لیلة منذ سمعته من النبی صلّی اللہ علیه وسلّم الا وعندی وصیتی مکتوبة۔ (للستة)

تو اسے یہ حق نہیں کہ دو یا تین راتیں بھی ایسی گزارے جن میں اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔ نافع نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ جب سے میں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ سُنا ہے۔ مجھ پر کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میرا وصیّت نامہ میرے پاس موجود نہ ہو۔

۳۵۰۔ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو تندرستی کی حالت میں دیا جائے:

(ابو ھریرةؓ) قیل للنبی صلی اللہ علیه وسلّم ای الصدقة خیر؟ قال ان تتصدق و انت صحیح شحیح تامل الغنی وتخشی الفقر ولا تدع حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا وقد کان لفلان۔ (شیخین، ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بہترین صدقہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ وہ صدقہ ہے جو تندرستی اور حرص کی حالت میں ادا کیا جائے جب کہ اس کے موجود ہونے سے امیر رہنے کی اُمید اور نہ ہونے سے فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو۔ تم اُسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، مگر جب جان حلق میں اٹک جاتی ہے تو کہنے لگتے ہو کہ اتنا فلاں کا حصّہ ہے اور اتنا فلاں کے لیے رکھا تھا۔

۳۵۱۔ زندگی میں ایک درہم دینا مرتے وقت کے سو درہموں سے بہتر ہے:

(ابوسعیدؓ) رفعه: لان یتصدق المرء فی حیاته وصحته بدرھم خیرله من ان یتصدق عند موته بمائة۔ (ابوداؤد)

اگر کوئی شخص اپنی زندگی اور تندرستی کی حالت میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مرتے وقت سو درہم صدقہ دے دے۔

۳۵۲۔ اہل و عیال کو محتاج نہیں چھوڑنا چاہیئے (بیوی کے منہ میں لُقمہ ڈالنا بھی باعثِ اجر ہے):

(سعدؓ)...... انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیرلک من ان تذرھم عالة

..... اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انھیں محتاج چھوڑ کر مرو اور وہ لوگوں کے آگے دستِ سوال

يتكففون الناس وانك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا اجرت بها حتى ما تجعل في امرأتك ۔ (للستة)

دراز کرتے پھریں ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے حتیٰ کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو گے اس کا بھی اجر ملے گا ۔

۲۵۳ ۔ جن کا کوئی آگے پیچھے وارث نہ ہو :

(ابن مسعودؓ) قال يموت احدكم ولا يدع عصبة ولا رحما فما يمنعه ان يصنع ماله في الفقراء والمساكين ۔ (طبرانی)

ابن مسعودؓ نے کہا کہ بعض لوگ مرتے ہیں ، اور اُن کے آگے پیچھے کوئی وارث نہیں ہوتا ۔ ایسے لوگوں کو اپنا مال فقراء و مساکین کی راہ میں دے دینے سے کیا چیز مانع ہے ۔؟

۲۵۴ ۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مال کی وصیت نہیں فرمائی (وصیت قرآن) :

(طلحةؓ بن مصرف) سألت ابن ابی اوفی هل اوصی النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال لا قلت كيف كتب على الناس الوصية وامروا بها ولم يوص؟ قال اوصى بكتاب الله ۔ (شيخين، ترمذی، نسائی)

میں نے ابن ابی اوفیٰ سے پوچھا کہ : کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی وصیت فرمائی تھی ؟ کہنے لگے نہیں ۔ میں نے پوچھا : جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی تو لوگوں پر وصیت کو کیوں ضروری قرار دیا ؟ : کہا کہ : ہاں ! کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی ۔

۲۵۵ ۔ وصیت کا اثر نجات پر :

(ابوهريرةؓ) رفعه : ان الرجل ليعمل بعمل اهل الخير سبعين سنة فاذا اوصى حاف في وصيته فيختم له بشر عمله فيدخل النار وان الرجل ليعمل بعمل اهل الشر سبعين سنة فيعدل في وصيته فيختم له

ایک شخص ستر سال تک اہل خیر جیسے کام کرتا ہے لیکن وصیت میں ظلم سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ بدترین عمل پر ہونے کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس دوسرا شخص ستر برس اہل شر جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں پورے عدل سے کام لیتا ہے تو اُس کی زندگی پر اُسی نیک عمل کی مُہر لگ جاتی ہے اور

بغیر عمله فيدخل الجنة. قال ابوهريرة واقرءوا ان شئتم تلك حدود الله الى عذاب مهين.
(قرطبی)

وہ جنّت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ابوہریرہؓ نے پھر کہا کہ: دل چاہے تو سورۂ نساء کی آیت: تلك حدود الله سے عذاب مهين تک پڑھ لو۔

حُدود اللہ

۳۵۶۔ حُدود اللہ کی ضرورت:

(النعمان بن بشیرؓ) رفعه: مثل القائم فی حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا على سفينة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها فكان الذين فی اسفلها اذا استقوا من الماء مروا على من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فی نصيبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا فان تركوهم وما ارادوا هلكوا جميعا وان اخذوا على ايديهم نجوا ونجوا جميعا.
(ترمذی، بخاری)

حدود اللہ کو جو نافذ کرتا ہے اور جن پر وہ نافذ ہوتی ہیں ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک کشتی میں اپنی اپنی جگہیں تقسیم کرکے بیٹھ گئے ہوں، بعض اوپر کی منزل میں ہوں اور بعض نیچے کی منزل میں۔ پھر نیچے والوں کو پانی کی ضرورت محسوس ہوا اور وہ آدپر والوں سے جاکر کہیں کہ ہم اپنے نیچے والے حصّے میں پانی لینے کے لیے ایک سوراخ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو ہم کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے ـــ ایسی حالت میں اگر اُوپر والے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے آزادی دے دیں تو نتیجے میں سب کے سب ہلاک ہوں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھ پکڑلیں گے تو وہ بھی اور یہ بھی سب بچ جائیں گے۔

۳۵۷۔ حُدود سے بچانے کے لیے بہانے تلاش کرو:

(عائشہؓ) رفعته: ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ فی العفو خير له من ان يخطئ فی العقوبة. (للترمذی وقال قد روی موقوفا وهو اصح)

جہاں تک تم سے ممکن ہو مسلمان کو حدود سے بچاؤ۔ کوئی صورت بھی اگر اس سے محفوظ رکھنے کی نکل سکے تو اسے بچاؤ، کیونکہ امام کے لیے معافی میں چوک جانا سزا میں چوک جانے سے بہتر ہے۔

۳۵۸۔ جرم کی ستر پوشی بہتر ہے:

(یزید بن نعیم) عن ابیه: ان ماعزًا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فاقر عنده اربع مرات فامر به فرجم وقال لهزال لو سترته بثوبک کان خیرًا لک قال ابن المنکدر هزال امر ماعزًا یأتی النبی صلی الله علیه وسلم فیخبره۔ (مالک)

ماعز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے جرم زنا کا چار حلفیہ شہادتوں کے ساتھ اقرار کیا اور بحکم نبوی انھیں رجم کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے کہا کہ: اگر تم اس کے جرم کو اپنے دامن میں چھپا لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یہ ہزال (بقول ابن منکدر) وہی تھے جنھوں نے ماعز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اقرار جرم کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

۳۵۹۔ سفارشِ مجرم عدالت میں آنے سے پہلے تک ہے:

(زبیرؓ بن العوامؓ) لقی رجلا قد اخذ سارقا وهو یرید ان یذهب به الی السلطان فشفع له الزبیر لیرسله فقال لا حتی ابلغ به السلطان فقال الزبیر انما الشفاعة قبل ان تبلغ الی السلطان فاذا بلغ الیه فقد لعن الشافع والمشفع۔ (مالک)

کسی شخص نے ایک چور کو گرفتار کیا اور سلطان (کورٹ) میں لے جانے کا ارادہ کیا۔ زبیر نے اس کے لیے چھوڑ دینے کی سفارش کی۔ اس نے کہا کہ: جب تک میں اُسے عدالت میں پیش نہ کر دوں، اُس وقت تک تمھاری سفارش قبول نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ: سفارش عدالت میں پہنچنے سے پہلے پہلے ہوتی ہے۔ پہنچنے کے بعد تو سفارش کرنے والا بھی ملعون ہوتا ہے اور وہ بھی جس کے حق میں سفارش سفارش قبول کی جائے۔

۳۶۰۔ تعزیر دس کوڑے سے زیادہ نہ ہو:

(هانی بن دینار) رفعه: لا یجلد فوق عشرة اسواط الا فی حد من حدود الله۔ (شیخین، ابوداؤد، بخاری، ترمذی)

حدود الٰہی کے سوا اور کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔

۳۶۱- حدود اور رحمت الٰہی :

(علیؓ) رفعه: من اصاب حدا فعجل عقوبته فی الدنیا فالله تعالیٰ اعدل من ان یثنی علی عبده العقوبة فی الآخرة ومن اصاب حدًّا فستره الله تعالیٰ علیه وعفا عنه فالله اکرم من ان یعود فی شیئ قد عفا عنه - (للترمذی)

جو شخص قابلِ حد جرم کا مرتکب ہوا اور جلد ہی اسے اس دنیا میں وہ سزا مل جائے تو عدلِ خداوندی یہ گوارا نہ کرے گا کہ اُسے آخرت میں بھی دوبارہ اس جرم کی سزا دے، اور جو شخص قابلِ حد جرم کا ارتکاب کرے اور اللہ اُس کے جرم کو پوشیدہ رکھے اور معاف کر دے تو اس کا کرم یہ گوارا نہ کرے گا کہ وہ جس جرم کو یہاں معاف کر چکا ہے اس کی سزا کا آخرت میں اعادہ کرے۔

جائز و ناجائز قتل کے احکام

۳۶۲- غاصب سے کب قتال کیا جائے :

(مخارق) جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال الرجل یأتینی فیأخذ مالی قال ذکره الله قال فان لم یذکر؟ قال فاستعن علیه من حولک من المسلمین قال فان لم یکن حولی احد من المسلمین؟ قال فاستعن علیه بالسلطان قال فان نأی السلطان عنی؟ قال قاتل دون مالک حتی تکون من شهداء الآخرة او تمنع مالک (للنسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر پوچھا کہ: میرے پاس ایک آدمی آکر میرا مال چھیننا چاہے تو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: اسے خدا کا خوف دلاؤ۔ عرض کیا: اگر اس میں خدا ترسی نہ پیدا ہو؟ فرمایا: اپنے آس پاس مسلمانوں سے اس کے خلاف مدد لو۔ کہا: اگر میرے آس پاس کوئی مسلمان نہ بستا ہو؟ فرمایا: پھر اس کے خلاف حکومت (عدالت) سے چارہ جوئی کرو۔ عرض کیا: اگر عدالت مجھ سے بہت دور ہو؟ فرمایا: پھر اپنے مال کی حفاظت میں اس سے قتال کرو تاآنکہ اپنے مال کو بچا لو یا مر کر شہداء میں داخل ہو جاؤ۔

۳۶۳- ساحر کی سزا :

(جندبؓ) رفعه: حد الساحر

ساحر کی سزا اُسے تلوار کے گھاٹ

ضربة بالسيف ۔ (ترمذی) | اتارنا ہے ۔

قصاص

۳۶۴ ۔ نقصان جان وعضو کے معاوضے کی تین شکلیں :

(ابو شریح الخزاعی) رفعه : من اصيب بقتل اوخبل فانه يختار احدى ثلث اما ان يقتص و اما ان يعفو و اما ان يأخذ الديته فان اراد الرابعة فخذوا على يديه ومن اعتدى بعد ذلك فله عذاب اليم ۔ (ابو داؤد)

جسے جان یا کسی عضو کا صدمہ پہنچے ، وہ تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لے : یا تو قصاص لے لے ، یا معاف کر دے یا خون بہا لے لے ۔ اگر وہ کوئی چوتھی صورت اختیار کرنا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑ لو ۔ جو اس کے بعد زیادتی کرے گا وہ بہت بڑے عذاب کا مستحق ہوگا ۔

۳۶۵ ۔ قتلِ خطا کرنے والے مفلس کو معاف کیا جا سکتا ہے :

(وائل بن حجر) انی لقاعد مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذجاء رجل یقود آخر بنسعة فقال یا رسول اللہ ھذا قتل اخی فقال له صلی اللہ علیہ وسلم أقتلته؟ فقال انه لولم یعترف اقمت علیه البینة قال نعم قتلته قال کیف قتلته؟ قال کنت انا وھو نختبط من شجرة فسبنی و اغضبنی فضربته بالفاس علی قرنه فقتلته فقال له صلی اللہ علیہ وسلم

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو تسمے سے باندھے ہوئے لایا اور فریاد کی کہ : یا رسول اللہ ! اس نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے ، حضورؐ نے پوچھا کہ : کیا تم نے واقعی اُسے قتل کیا ہے ؟ فریادی نے کہا کہ : اگر یہ اعترافِ جرم نہ کرے تو میں ثبوت پیش کرنے کو حاضر ہوں ۔ وہ بولا : کہ ہاں ! میں نے قتل کیا ہے ۔ حضورؐ نے پوچھا : کیوں اور کس طرح قتل کیا ؟ بولا کہ : میں اور وہ (مقتول) دونوں درخت سے پتیاں جھاڑ رہے تھے ۔ اس دوران میں اس نے مجھے گالی بھی دی اور غصہ دلایا ۔ میں نے اُس کے سر پر ایک کلہاڑا رسید کر دیا اور وہ مرگیا ۔ دوسری روایت میں (جو اس روایت کے آخر میں درج ہے) یہ ہے کہ میں نے اس کے سر پر کلہاڑا مارا لیکن میری نیت قتل کرنے کی نہ تھی ۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)

هل لك من شئ تؤديه عن نفسك؟ قال مالي الا كسائي وفاسي. قال أترى قومك يشترونك؟ قال انا اهون على قومي من ذلك فرمى اليه النبي صلى الله عليه وسلم بنسعته وقال دونك صاحبك فانطلق به الرجل فلما ولى قال صلى الله عليه وسلم ان قتله فهو مثله فرجع اليه فقال بلغني انك قلت ان قتله فهو مثله وما اخذته الا بامرك فقال صلى الله عليه وسلم اما تريد ان يبوء باثمك واثم صاحبك؟ قال بلى يا نبي الله قال فان ذلك كذلك فرمى بنسعته وخلى سبيله - وفي رواية: قال كيف قتلته؟ قال ضربت رأسه بالفاس ولم ارد قتله - (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

نے فرمایا کہ: تمہارے پاس خون بہا ادا کرنے کو کچھ ہے۔ اس نے کہا: کہ میری ساری دولت یہ ایک چادر اور یہ ایک کلہاڑا ہے۔ فرمایا: کیا تیری قوم تیری قیمت ادا کرسکتی ہے؟ عرض کیا کہ: میری ہستی میری قوم کی نگاہ میں مقدار خون بہا سے فروتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سن کر وہ تسمہ فریادی کے آگے پھینک دیا اور فرمایا کہ: اسے لے جا کر قتل کردے۔ وہ اسے لے کر کچھ دُور گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: اگر اس نے قتل کر دیا، تو یہ بھی ویسا ہی مجرم ہوگا۔ فریادی واپس آ گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان معلوم ہوا ہے کہ اگر اس نے اسے قتل کیا تو یہ بھی ویسا ہی قاتل ہوگا۔ حالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کے حکم سے اُسے پکڑ رکھا ہے۔ فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے اور تمہارے ساتھی دونوں کے گناہوں کا وبال اس پر پڑے؟

عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! فرمایا بس یہی تو وہ بات ہے جو میں نے کہی۔ اس کے بعد فریادی نے وہ تسمہ پھینک دیا اور اُسے چھوڑ دیا۔

۳۶۶ - اگر ایک بیکس کو کئی آدمی مِل کر مار ڈالیں:

(راوی عمرؓ) ان غلاما قتل غيلة فقال عمرؓ لو اشترك فيه اهل صنعاء لقتلتهم - للبخاری ولمالك عن ابن المسيب: ان عمر قتل نفرا خمسة او سبعة برجل واحد قتلوه غيلة وقال عمرؓ لو تمالأ عليه اهل

ایک غلام کو دھوکا دے کر قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے سب قاتلین کو سزائے موت دیتے ہوئے فرمایا کہ: اگر صنعاء کی پوری آبادی اس کے قتل میں شریک ہوتی تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ مالک، ابن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کرایا جنھوں نے ایک آدمی کو دھوکے سے مل کر قتل کیا تھا اور فرمایا کہ تمام

صنعاء لقتلتهم جميعا۔

اہل صنعاء بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو اُن کو قتل کرا دیتا۔

۳۶۷۔ قصاص میں آزاد و غلام یکساں ہیں:

(سمرۃؓ) رفعه: من قتل عبده قتلنا ه ومن جدع عبده جدعناه۔ لاصحاب السنن وفی روایة: من خصی عبده خصیناه۔

جو اپنے غلام کو قتل کرے گا، اُسے میں قتل کردوں گا۔ اور جو کوئی اس کا عضو کاٹے گا اس کا وہی عضو کٹوا دوں گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو اپنے غلام کو خصی کرے گا، میں اُسے خصی کرا دوں گا۔

۳۶۸۔ قاتل اگر مجنون ہو:

(یحییٰ بن سعید) ان مروان کتب الی معاویة انه اتی الیه بمجنون قد قتل رجلا فکتب الیه معاویة ان اعقله ولا تقدمنه فانه لیس علی مجنون قود۔ (موطأ)

مروان نے معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ: ایک مجنون نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ معاویہؓ نے لکھ بھیجا کہ: اُسے چھوڑ دو، اور قصاص نہ لو مجنون پر قصاص نہیں۔

۳۶۹۔ قصاص سے پہلے کی منزل:

(انسؓ) ما رأیت النبی صلی الله علیه وسلم رفع الیه شئ فی قصاص الا امر فیه بالعفو۔

(ابو داؤد، نسائی)

میں نے تو ہمیشہ یہ دیکھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی قصاص کا معاملہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے معاف ہی کرنے کا حکم دیا۔

۳۷۰۔ رسم جاہلیت جو روحِ اسلام کے خلاف نہ ہو باقی رہ سکتی ہے:

(ناس من الصحابة) ان القسامة

قسامت[1] جاہلیت کی ایک رسم تھی، جسے حضورؐ

---

[1] اگر ایک قبیلے کا کوئی آدمی دوسرے قبیلے کی زمین میں مقتول پایا جائے تو لازماً یہ شبہ ہو گا کہ ربانی حاشیہ لگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

كانت في الجاهلية فاقرها النبي صلى الله عليه وسلم على ما كانت عليه الجاهلية وقضى بها بين ناس من الانصار في قتيل ادعوه على يهود خيبر۔ (مسلم، نسائی)

صلی اللہ علیہ وسلم نے جوں کا توں باقی رکھا، بلکہ اس کے مطابق ایک مقدمے کا فیصلہ بھی کیا جو یہ تھا کہ ایک انصاری قتل ہوا اور انصار نے یہودِ خیبر پر اس قتل کا الزام لگایا۔

دیت (خون بہا)

۴۷۱۔ جان اور مختلف اعضا کی دیت (خون بہا)

(عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم) .... ان من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فانه قود الا ان يرضى اولياء المقتول وان في النفس الدية مائة من الابل وفي الانف اذا اوعب جدعه الدية وفي اللسان الدية وفي الشفتين الدية وفي البيضتين الدية وفي الذكر الدية وفي الصلب الدية وفي العينين الدية وفي الرجل الواحدة نصف الدية وفي المأمومة ثلث الدية و

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو جو احکام خون بہا بھیجے تھے وہ یہ تھے...... جو شخص کسی مسلمان کے خون سے اپنا ہاتھ رنگے اور اس کا ثبوت مل جائے تو اس پر قصاص ہوگا بجز اس صورت کے کہ مقتول کے اولیا (خون بہا یا معافی پر) راضی ہوجائیں۔ جان کی دیت، (خون بہا) سو اُونٹ ہیں۔ اگر کسی کی پوری ناک یا زبان یا دونوں ہونٹ یا دونوں بیضے یا عضو تناسل یا ریڑھ یا دونوں آنکھیں ضائع کردی جائیں تو ہر صورت پوری دیت لازم آئے گی اور ایک پاؤں کی دیت آدھی ہوگی جو ضرب ام الدماغ یا جوف تک اثر کرے اس کی دیت تہائی ہے اور استخوان شکن ضرب کی دیت پندرہ اُونٹ ہیں۔ ہاتھ یا پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے) وہیں کے لوگوں نے مارا ہے۔ ایسے موقعوں پر ورثائے مقتول ان لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ یا تو تم میں سے پچاس آدمی حلف لیں کہ ہم نے اسے نہیں مارا ہے یا تم سب مل کر خون بہا ادا کرو ورنہ جس پر شبہ ہوگا ہم اسے مار ڈالیں گے۔ اس طرح کی قسم کو قسامت کہتے ہیں۔ اس کے موجد ابوطالب تھے اور یہ رسم جاہلیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبائلی خصوصیات کے پیش نظر روا رکھی کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس میں عدل کے خلاف کوئی بات ہو۔

وفی الجائفۃ ثلث الدیۃ وفی المنقلۃ خمس عشرۃ من الابل وفی کل اصبع من اصابع الید او الرجل عشرۃ من الابل وفی السن خمس من الابل وفی الموضحۃ خمس من الابل وان الرجل یقتل بالمرأۃ وعلی اھل الذھب الف دینار وفی روایۃ: وفی العین الواحدۃ نصف الدیۃ وفی الید الواحدۃ نصف الدیۃ۔ (مالک، نسائی)

اُونٹ ہیں اور ہر دانت کی پانچ اُونٹ جس ضرب سے ہڈی نظر آجائے، اس کی دیت بھی پانچ اُونٹ ہیں۔
عورت کا قصاص مرد سے (اگر مرد ہی مجرم ہو) اسی طرح لیا جائے گا۔
جو لوگ اُونٹ نہ رکھتے ہوں اور دینار رکھتے ہوں، اُن سے پوری دیت ہزار دینار کی صورت میں لی جائے گی۔
ایک روایت میں ہے کہ ایک آنکھ اور ایک ہاتھ کی دیت بھی نصف ہوگی۔

۳۷۲۔ قیمت شتر کے تفاوت سے رقم میں فرق ہو جاتا ہے:

(عمرو بن شعیبؓ) عن ابیہ عن جدہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم دیۃ الخطاء علی اھل القری اربعمائۃ دینار او عدلھا من الورق ویقومھا علی اثمان الابل اذا غلت رفع فی قیمتھا واذا ھاجت نقص من قیمتھا وبلغت علی عھدہ مابین اربعمائۃ الی ثمانمائۃ وعدلھا من الورق ثمانیۃ الاف درھم وقضی علی اھل البقر مائتی بقرۃ ومن کانت دیۃ عقلہ فی شاۃ فالفا شاۃ وقال صلی اللہ علیہ وسلم العقل میراث بین ورثۃ القتیل علی قرابتھم فما فضل فللعصبۃ وقضی فی الانف اذا جدع الدیۃ کاملۃ وان جدعت ثندوتہ فنصف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر والوں سے دیت خطا میں چار سو دینار یا اُس کی ہم قیمت چاندی وصول فرماتے تھے اور اُونٹوں کی قیمت کے مطابق رقم دیت کو متعین فرماتے تھے۔ یعنی جب اُونٹ گراں ہوتے تو قیمت زیادہ دلواتے اور جب ارزاں ہوتے تو کم رقم دلواتے۔ عہد نبویؐ میں پوری دیت کی قیمت چار سو اور آٹھ سو دینار کے مابین ہوتی اور آٹھ سو دینار کے برابر آٹھ ہزار درہم ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں گائے والوں سے پوری دیت دو سو گائیں اور بکری والوں سے دو ہزار بکریاں دلواتے۔
نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: دیت مقتول کے ورثاء میں اسی طرح تقسیم ہوگی جس طرح میراث تقسیم ہوتی ہے (یعنی اصحاب فرائض کو ان کے حصے پہلے ملیں گے اور جو بچے گا وہ عصبہ کا ہوگا۔)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان

الدية وذكر نحو ما قبله ثم قال وقضى صلى الله عليه وسلم ان عقل المرأة بين عصبتها من كانوا لا يرثون منها شيئًا الا ما فضل عن ورثتها وان قتلت فعقلها بين ورثتها وهم يقتلون قاتلهم وقال صلى الله عليه وسلم ليس للقاتل شئ وان لم يكن له وارث فوارثه اقرب الناس اليه ولا يرث القاتل شيئًا...... (ابو داؤد، نسائی)

ہے کہ ناک اگر پوری کاٹ لی جائے تو پوری دیت ہوگی اور اگر صرف نیچے کی نرم ہڈی کٹے تو نصف دیت ہوگی۔
(باقی تفصیلات وہی ہیں جو اُوپر بیان ہوئیں)
دیت میں قاتل کا کوئی حصّہ نہیں۔ اگر اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کا وارث وہ ہوگا جو قرابت میں سب سے قریب ہو اور قاتل وارث بھی نہ ہوگا۔

۳۷۳۔ دیت کا بعض فرق:

(عمرو بن شعیبؓ) ان النبي صلى الله عليه وسلم قضى فى العين العوراء السادة لمكانها اذا طمست بثلث ديتها وفى اليد الشلاء اذا قطعت بثلث ديتها وفى السن السوداء اذا نزعت بثلث ديتها (نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کان، آنکھ کے بارے میں جو اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہو اور اسے پھوڑ دیا جائے۔ فیصلہ فرمایا ہے کہ: اس کی دیت تہائی ہے اور شل شدہ ہاتھ کو اگر کاٹ دیا جائے یا سیاہ دانت کی جو نکال لیا جائے دیت بھی تہائی ہے۔

۳۷۴۔ بچۂ شکم کی دیت:

(ابو ھریرةؓ) اقتتلت امرأتان من هذيل فرمت احداهما الاخرى بحجر فقتلتها وما فى بطنها فاختصموا الى النبي صلى الله عليه وسلم فقضى ان دية جنينها غرة عبد او وليدة وقضى بدية المرأة على عاقلتها....

ہذیل کی دو عورتوں میں لڑائی ہوئی۔ ایک نے دوسری کے ایسا پتھر مارا کہ وہ بھی مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچّہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ مقدمہ آیا تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ بچۂ شکم کے بدلے تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کیا جائے اور مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ[1] ادا کریں........

[1] عاقلہ جمع ہے عاقل کی جس کے معنٰی ہیں دیت ادا کرنے والا۔ اس سے مراد وہ ورثا ہیں جو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

۳۷۵- ادائے دیت میں اعانت کا درجہ :

(انس رض رفعه : درهم اعطيته في عقل احب الی من مائة فی غيره ۔ (للاوسط بمجهول)

وہ ایک درہم جو میں کسی کے خون بہا میں (بطور امداد) دوں مجھے ان سو درہموں سے زیادہ محبوب ہے جو کسی اور مصرف میں جائیں ۔

مُرتد کے ساتھ سلوک

۳۷۶- مُرتد کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے :

(عبد الرحمٰن رض بن محمد بن عبد الله بن عبد القاری رض) عن ابيه : قال قدم علی عمر رض رجل من اليمن من قبل ابي موسى وكان عامله فسأله عمر عن الناس ثم قال هل كان فيكم من مغربة خبر؟ قال نعم رجل كفر بعد اسلامه قال فما ذا فعلتم به؟ قال قربناه فضربنا عنقه قال فهلا حبستموه ثلاثا واطعمتموه كل يوم رغيفا واستتبتموه لعله يتوب ويراجع امر الله اللهم اني لم احضر ولم آمر ولم ارض اذا بلغني ۔

(مالك)

ایک یمنی شخص حضرت عمر رض کے پاس آیا ۔ یہ حضرت ابو موسیٰ رض کا بھیجا ہوا تھا اور ان کا عامل بھی تھا ۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے لوگوں کے متعلق جہاں بہت سی باتیں پوچھیں وہاں یہ بھی دریافت کیا کہ: اور کوئی نئی خبر بھی ہے! کہا : ہاں! ایک شخص اسلام لا چکنے کے بعد کافر ہو گیا ۔ حضرت عمر رض نے پوچھا کہ : پھر تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ؟ بولا : اُسے پاس بُلا کر گردن ماردی ۔ حضرت عمر رض بولے کہ : تم نے اُسے تین دن قید میں رکھا ہوتا اور ہر روز اُسے روٹی کھلائی ہوتی اور توبہ کی طرف مائل کیا ہوتا ، بہت ممکن تھا کہ وہ تائب ہو کر دین حق پھر قبول کر لیتا ۔ مولا! میں نہ تو اس واقعے میں موجود تھا اور نہ میں نے اس کا کوئی حکم دیا ۔ بلکہ یہ خبر ملنے کے بعد بھی میں اس کارروائی سے بالکل راضی نہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ترکہ پاتے ہیں ۔ اس دیت میں عاقلہ (ورثا) اسی تناسب سے شرکت کریں گے جس تناسب سے وہ ترکہ لیتے ہیں ۔

سزائے زنا

۳۷۷۔ کنوارے زانی کی حد:

(ابن عمرؓ): ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرب وغرب وان ابابکر ضرب وغرب وان عمر ضرب وغرب۔ (ترمذی)

(بن بیاہے زانی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے بھی لگوائے ہیں اور (ایک سال کے لیے) شہر بدر بھی کیا ہے اور بالکل یہی طریقہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔

۳۷۸۔ بیاہے زانی کی حد اور ایک مومنہ کی خدا ترسی:

(رواہ مسلم عن بریدۃ): انہ حفر لہ حفرۃ ثم امربہ فرجم فجاءت الغامدیۃ فقالت: یارسول اللہ انی زنیت فطھرنی فردھا فلما کان من الغد قالت یارسول اللہ لم تردنی لعلک تردنی کما رددت ماعزًا فواللہ انی حبلی قال اما لا فاذھب حتی تلدی فلما ولدت اتتہ بالصبی فی خرقۃ قالت: ھذا قد ولدتہ قال فاذھبی فارضعیہ حتی تفطمیہ فلما فطمتہ اتتہ بالصبی فی یدہ کسرۃ خبز فقالت: ھذا یا نبی اللہ قد فطمتہ وقد اکل الطعام فدفع الصبی الی رجل

ماعزؓ کے رجم کیے جانے کے بعد ایک غامدیہ عورت آئی اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں بھی یہ فعل شنیع کر بیٹھی ہوں، مجھے بھی پاک فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹالنے کے لیے واپس کر دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آئی اور کہنے لگی کہ حضور مجھے واپس کیوں فرماتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے بھی ماعزؓ کی طرح بار بار واپس فرمانا چاہتے ہیں۔ بخدا میں تو حاملہ بھی ہوں (یعنی پورا ثبوت زنا موجود ہے) فرمایا کہ: پھر تو واپس جا اور ولادت کا انتظار کر۔ جب ولادت ہو گئی تو بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے لائی اور عرض کیا، کہ اب تو ولادت بھی ہو چکی۔ فرمایا: واپس جا کر دودھ پلاتی رہ اور دودھ کے چھوٹنے کا انتظار کر۔ جب دودھ چھڑا چکی تو بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ عرض کیا کہ: اے نبی اللہ میں اس کا دودھ چھڑا چکی ہوں اور یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو ایک

من المسلمين ثم امربها
فحفر لها الى صدرها وامر الناس
فرجموها فيقبل خالد بن وليد
بحجر فرمى رأسها فنضح الدم
على وجهه فسبها فسمع صلّى الله
عليه وسلّم فقال مهلا يا خالد
فوالذي نفسي بيده لقد تابت توبة
لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم
امربها فصلى عليها ودفنت ۔

(شيخين، ترمذي، ابوداؤد)

مسلمان کے سپرد کیا اور حکم نبویؐ کے مطابق اس کے سینہ تک گڑھا کھودا، اور لوگوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ خالدؓ بن ولید نے آگے بڑھ کر ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور خون کا چھینٹا اُن کے منہ پر پڑا، جس پر خالدؓ کی زبان سے گالی نکلی اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے سُن لی حضورؐ نے فرمایا کہ: خالدؓ اپنی زبان روک۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس نیک بخت عورت نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر ظالم چُنگی والا بھی ایسی توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس غامدیہ کی نماز جنازہ ہوئی اور وہ دفن کی گئی۔

۳۷۹۔ حضرت عثمانؓ کی اجتہادی غلطی :

(مالکؒ) بلغني: ان عثمانؓ اتى بامرأة
ولدت في ستة اشهر فامر برجمها
فقال له عليؓ ما عليها رجم لانّ الله
تعالى يقول: وحمله وفصاله ثلاثون
شهرا وقال والوالدات يرضعن
اولادهن حولين كاملين لمن
اراد ان يتم الرضاعة فالحمل يكون
ستة اشهر فلا رجم عليها فامر
عثمانؓ بردها فوجدت قد رجمت ۔

(ابوداؤد)

حضرت عثمانؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جسے شادی کے چھ ماہ بعد ہی ولادت ہو گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اُسے رجم کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: اسے رجم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے (ترجمہ) کہ بچّے کی مدت حمل اور مدّت رضاعت مل کر تیس مہینے ہوتی ہے اور دوسری جگہ فرماتا ہے (ترجمہ) کہ مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دُودھ پلائیں اگر مدت رضاعت پوری کرنی مقصود ہو۔ پس (تیس ماہ میں سے دو سال رضاعت کے نکال لینے کے بعد) کم سے کم مدت چھ ماہ ہوتی ہے لہٰذا اسے رجم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسے واپس لیجانے کا حکم دیا اور وہ واپس ہو گئی۔

۳۸۰۔ کن لوگوں پر قانونی گرفت نہیں :

(ابن عباسؓ) ...... ان القلم
مرفوع عن ثلاثة عن المجنون

(حضرت عمرؓ نے ایک مجنونہ زانیہ کو رجم کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: ان تین آدمیوں پر شرعی گرفت نہیں۔ مجنون

حتی یبرأ وعن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یعقل فقال بلی قال فما بال ھذہ قال لا شیئ قال فارسلھا فارسلھا عمر وجعل یکبر۔ (لابی داؤد)

پر تندرست ہونے تک، سونے والے پر جاگنے تک اور لڑکے پر عقل آنے تک۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ہاں ٹھیک تو ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا: پھر اس مجنونہ کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ کہا اس پر کوئی حد نہیں۔ آپ نے کہا: پھر اسے چھوڑ دیجئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے چھوڑ دیا اور تکبیر الٰہی فرمانے لگے۔

۳۸۱۔ سزا بقدر برداشت ہونی چاہیے:

(ابو امامۃؓ) عن بعض الصحابۃ من الانصار انہ اشتکی رجل منھم حتی اضنی فعاد جلدۃ علی عظم فدخلت علیہ جاریۃ لبعضھم فھش لھا نوقع علیھا فلما دخل علیہ رجال من قومہ یعودونہ اخبرھم بذلک وقال استفتوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکروا لہ ذلک وقالوا ما رأینا باحد من الضر مثل ما بہ ولو حملنا ہ الیک لتفرخت عظامہ ما ھو الا جلد علی عظم فامر صلی اللہ علیہ وسلم ان یأخذوا لہ مائۃ شمراخ فیضربوہ بھا ضربۃ واحدۃ۔ لابی داؤد والنسائی نحوہ فی مقعد زنی ، ضربہ صلی اللہ علیہ وسلم با ثکول رحمہ لزمانۃ وخفف عنہ۔

ایک انصاری صحابی بیمار ہو کر بے حد کمزور ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہڈی سے چمڑا لگ گیا۔ اس دوران میں ایک عورت آپ کے پاس آئی جسے دیکھ کر ان میں تازگی آ گئی اور اس پر جا پڑے (یعنی مواصلت کر لی) جب بعض دوسرے انصار اُن کی عیادت کے لیے آئے تو اُن سے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق حکم دریافت کرو۔ ان لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس واقعے کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ ہم نے کسی کو اتنا بیمار نہیں دیکھا ہے جیسا کہ وہ ہے، اگر ہم اسے یہاں تک لائیں تو اس کی ہڈیاں بکھر جائیں گی۔ اس کا تو ہڈی چمڑا ایک ہو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سو نرم ٹہنیوں کا مٹھا لے کر اُسے ایک ضرب لگا دو۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخدار ٹہنی سے اُن کو مارا اور یہ رحمت و تخفیف ان کی ناتوانی کی وجہ سے فرمائی۔

۳۸۲۔ حد لگاتے وقت چہرے کو بچانا چاہیے:

(ابو ھریرۃؓ) اذا ضرب احدکم

اگر کوئی حد لگائی جائے تو اس کے چہرے پر ضرب لگانے

فليستنق الوجه - (لابی داؤد) سے پرہیز کیا جائے۔

چوری کی سزا

۳۸۳ - چور ماخوذ ہو تو قاضی کو ایسا انداز اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ انکارِ جرم کر دے:

(ابو امیة المخزومی) ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اتی بلصّ قد اعترف اعترافا ولم یوجد معه متاع فقال له النبی صلّی اللہ علیہ وسلم ما اخالك سرقت فقال بلی فاعاده علیه مرتین او ثلاثا کل ذلک یعترف فامر به فقطع وجیٔ به فقال له صلی اللہ علیہ وسلّم استغفر اللہ وتب الیه فقال استغفر اللہ واتوب الیه فقال صلّی اللہ علیہ وسلّم اللّٰھم تب علیه ثلاثا - (نسائی، ابوداؤد بلفظه)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے چوری کا اقرار تو کر لیا لیکن اس کے پاس سے کوئی مال برآمد نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو گمان نہیں کہ تم نے چوری کی ہو گی۔ مگر اس نے کہا کہ: میں نے تو کی ہے۔ حضور علیہ السلام نے دو تین مرتبہ اپنی بات کا اعادہ فرمایا، مگر وہ ہر بار اقرارِ جرم کرتا ہی رہا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو فرمایا کہ: اللہ تعالےٰ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ اس نے کہا: میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ دُعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما۔

۳۸۴ - قانون کی نظر میں سب برابر ہیں:

(عائشةؓ) ان قریشا اهمهم شان المرأة المخزومية التی سرقت فقالوا من یکلم فیها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم؟ فقالوا ومن یجترئ علیه الا اسامة حبّه صلی اللہ علیہ وسلّم

ایک مخزومی عورت نے چوری کی (سزا کے خوف سے) قریش چپقلش میں پڑ گئے اور باہم صلاح کی کہ کون اس کے بارے میں سفارشی گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکتا ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اسامہؓ کے سوا اور کون اس کی جرأت کر سکتا ہے؟ چنانچہ اسامہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

تشفع فی حد من حدود الله؟ ثم
قام فاختطب فقال انما هلك
الذين من قبلكم انهم كانوا
اذا سرق فيهم الشريف تركوه
واذا سرق فيهم الضعيف
اقاموا عليه الحد وايم الله
لو ان فاطمة بنت محمد سرقت
لقطعت يدها (الستة الا مالكا)

سفارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے برباد ہوئے کہ جب ان میں کوئی صاحبِ وجاہت چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی بیکس چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی ارتکابِ سرقہ کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

۳۸۵۔ ہر چوری کی سزا قطع ید نہیں:

(ابن عمروؓ بن العاص) ان رجلا
من مزينة اتى النبي صلى الله عليه وسلم
فقال يا رسول الله كيف ترى
فى حريسة الجبل؟ قال هي ومثلها
والنكال وليس فى شيء من الماشية
قطع الا فيما آواه المراح فبلغ ثمن
المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات
نكال قال يا رسول الله كيف ترى فى
الثمر المعلق؟ قال هو ومثله معه
والنكال وليس فى شيء من الثمر
المعلق قطع الا فيما آواه الجرين
فما اخذ من الجرين فبلغ ثمن
المجن ففيه القطع وما لم
يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة
مثليه۔

(اصحاب سنن)

بنی مزینہ کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! حُریسۃ الجبل کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ: وہ چوپایہ بھی چور سے لیا جائے گا اور ایک ویسا ہی چوپایہ اور دلوایا جائے گا اور کوئی مناسب تنبیہی سزا بھی دی جائے گی۔ ہاتھ صرف اُسی چوپائے کی چوری پر کاٹا جائے گا جو اپنے تھان پر محفوظ ہو اور ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو۔ اگر ایک ڈھال کی قیمت سے کم کا چوپایہ ہو تو (تھان سے چوری ہو جانے کے باوجود) چور سے دوگنا ڈنڈ دلوایا جائے گا۔ اور عبرت کے لیے چند کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس مُزنی نے پھر پوچھا کہ: یا رسول اللہ! درخت میں لٹکے ہوئے پھلوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا: یہاں بھی دوگنا ڈنڈ اور کچھ عبرتناک سزا۔ ہاتھ صرف انہی پھلوں کی چوری پر کاٹا جائے گا جو کھلیان میں محفوظ ہو اور اُسکی قیمت ایک ڈھال کے برابر ہو اور اگر مسروقہ پھول کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت سے کم ہو تو (باوجود کھلیان سے چوری ہونے کے) صرف اس کا دوگنا ڈنڈ دلوایا جائے گا۔

۳۸۶ - صرف مال لینا چوری میں داخل نہیں :

(جابرؓ) رفعہ : لیس علی خائن ولا منتہب ولا مختلس قطع ۔ (ترمذی، نسائی)

خیانت کرنے والے، جبراً یا بے استحقاق لینے والے اور اچکنے پر قطع ید نہیں۔

۳۸۷ - بعض چوریوں پر سزا کی بجائے انعام بھی ہے :

(عباد بن شرحبیل) اصابتنی سنۃ فدخلت حائطاً من حیطان المدینۃ ففرکت سنبلا فاکلت وحملت فی ثوبی فجاء صاحبہ فضربنی واخذ ثوبی فاتی بی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لہ فقال لہ ما علمت اذا کان جاھلا ولا اطعمت اذا کان جائعا او ساغبا فامرہ فرد علی ثوبی فاعطانی وسقاً او نصف وسق من طعام ۔ (ابو داؤد، نسائی)

مجھے ایک بار قحط کا سامنا کرنا پڑا تو میں مدینے کے ایک باغ میں داخل ہوا۔ پھر ایک خوشے کو مل کر کھالیا اور کچھ اپنے کپڑے میں رکھ لیے۔ اتنے میں مالکِ باغ آ پہنچا۔ اس نے مجھے مارا بھی اور میرا کپڑا بھی چھین لیا اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پکڑ کر لایا اور تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : یہ نادان تھا تم نے اُسے کوئی تعلیم نہ دی۔ یہ بھوکا تھا تو تم نے اُسے کچھ کھلایا نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اُس نے مجھے میرا کپڑا بھی واپس کر دیا اور ایک یا آدھا وسق غلّہ بھی دیا۔

۳۸۸ - بعض چوری قابلِ معافی ہے :

(رافع بن عمروؓ) کنت ارمی نخل الانصار فاخذونی فذھبوا بی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رافع لم ترمی نخلھم؟ قلت یا رسول اللہ الجوع قال لا ترمی وکل ما وقع اشبعک اللہ وارواک ۔ (لابی داؤد والترمذی)

میں انصار کے نخلستان میں ڈھیلے مار مار کر کھجوریں گرا رہا تھا کہ مجھے انھوں نے پکڑ لیا اور حضورؐ کے پاس لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ : اے رافع ان کے درختوں پر کس طرح اندازی کیوں کر رہے تھے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک نے مجبور کیا۔ فرمایا : سنگ اندازی نہ کرو بلکہ جو کھجوریں خود ٹپک پڑیں وہی اُٹھا کر کھالیا کرو، اللہ تمھیں شکم سیر اور سیراب کرے۔

۳۸۹ ۔ غلام اگر چوری کرے:

(ابن عمرؓ) جاء رجل الی عمرؓ بغلام له فقال اقطع یده فانه سرق مرآة لامرأتی فقال عمر لا قطع علیه وهو خادمکم اخذ متاعکم ۔ (مالک)

ایک شخص نے اپنے نوکر کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: اس کا ہاتھ کاٹیے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تمھارا ہی خادم ہے، اور تمھارا ہی مال لیا۔

۳۹۰ ۔ فیصلے میں قانونِ تنزیلی دوسرے ذرائع علم پر مقدم ہے:

(جابرؓ) جیء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم بسارق فقال اقتلوه قالوا یا رسول اللہ انما سرق فقال اقطعوه فقطع ثم جیء به الثانیة فقال اقتلوه فقالوا یا رسول اللہ انما سرق فقال اقطعوه فقطع ثم جیء به الثالثة فقال اقتلوه قالوا یا رسول اللہ انما سرق قال اقطعوه ثم اتی به الرابعة فقال اقتلوه فقالوا یا رسول اللہ انما سرق قال اقطعوه فاتی به الخامسة فقال اقتلوه فانطلقنا به فقتلناه ثم اجتررناه فالقیناه فی بئر ورمینا علیه بالحجارة ۔ (ابو داؤد، نسائی نحوه و انکره)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسے قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا: اچھا تو ہاتھ کاٹ دو۔ دوسری بار پھر وہی چور لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی حکم دیا کہ قتل کر دو۔ لوگوں نے پھر عرض کیا کہ: اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا کہ: اچھا (پاؤں) کاٹ دو۔ تیسری بار وہ پھر چوری میں ماخوذ ہوا اور اسی طرح سوال و جواب کے بعد اس کا دوسرا ہاتھ اور پھر چوتھی بار دوسرا پاؤں کاٹا گیا۔ پانچویں بار پھر اسی جرم میں لایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسے قتل کر دو۔ چنانچہ ہم لوگ اسے لے گئے اور قتل کر دیا اور اسے گھسیٹ کر ایک اندھے کنوئیں میں ڈال آئے اور اوپر سے پتھر مار مار کر ڈھانپ دیا۔

۳۹۱ - غلام کی چوری پر آقا سے دوگنا ڈنڈ :

(یحییٰ بن عبد الرحمانؓ) ان رقیقا لحاطب سرقوا ناقة الرجل من مزینة فانتحروها فرفع ذلک الی عمر فامر کثیر بن الصلت ان یقطع ایدیھم ثم قال عمر اراک تجیعھم واللہ لاغرمنک غرما یشق علیک ثم قال للمزنی کم ثمن ناقتک؟ فقال عمر کنت واللہ امنعھا من اربعمائة درھم فقال اعطه ثمان مائة درھم۔ (مالک)

حاتم کے غلاموں نے بنی مزینہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چُرا لی اور ذبح کر کے چٹ کر گئے، یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان سب کے ہاتھ کاٹ دو۔ پھر فرمایا کہ: معلوم ہوتا ہے کہ تم (اے حاطب) ان کو بھوکا رکھتے ہو۔ لہٰذا تم ہی پر مَیں ایسا "تاوان" لگاؤں گا کہ تمھیں یاد رہے۔ پھر آپ نے اس مزنی سے پوچھا کہ: تمھاری اُونٹنی کے کیا دام تھے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ: مَیں تو چار سو درہم قیمت لگاتا ہوں۔ اس کے بعد آپؓ نے حاطب سے کہا کہ: اس مزنی کو آٹھ سو درہم ادا کر دو۔

۳۹۲ - خدا کا مال اگر خدا کا مال چُرا لے :

(ابن عباسؓ) ان عبداً من رقیق الخمس سرق من الخمس فرفع ذلک الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فلم یقطعه وقال مال اللہ سرق بعضه بعضاً (قزوینی بمعنہ)

خُمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) کے غلاموں میں سے ایک غلام نے مالِ خُمس میں سے کچھ حصہ چُرا لیا۔ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور فرمایا کہ: دونوں ہی خدا کا مال ہیں۔ ایک نے دوسرے کو چُرا لیا تو کیا ہُوا؟

۳۹۳ - محض شُبۂ سرقہ پر مارنا نہ چاہیے :

(ازھر بن عبد اللہ) ان قوما من الکلاعیین سرق لھم متاع فاتھموا اناسا من الحاکة فاتوا بھم

بنی کلاع کے کچھ لوگوں کا مال چوری ہو گیا تو اُن لوگوں نے چند بافندوں پر الزام لگایا اور اُن کو پکڑ کر نعمان بن بشیر کے پاس لائے۔ انھوں نے ان کو چند

النعمان بن بشیر فحبسھم ایاما ثم خلی سبیلھم فاتوا النعمان فقالوا؟ خلیت سبیلھم بغیر ضرب ولا امتحان فقال لھم النعمان ما شئتم ان شئتم ان اضربھم فان خرج متاعکم فذاک والا اخذت لھم من ظھورکم مثل ما اخذت من ظھورھم فقالوا ھذا حکمک؟ قال ھذا حکم اللہ ورسولہ۔

(ابوداؤد، نسائی)

دن حبس میں رکھ کر چھوڑ دیا۔ بنی کلاع نے نعمان کے پاس آکر فریاد کی کہ آپ نے ان کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر جانچ پڑتال کیسے یوں ہی رہا کر دیا؟ آپ نے جواب دیا کہ: تم یہی چاہتے تھے کہ میں انھیں ماروں پیٹوں؟ اس کے بعد اگر تمھارا مال برآمد ہو جاتا تو پھر بات ٹھیک ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوتا، توان بے گناہوں کی پیٹھ پر جو مار پڑتی وہ تمھاری پیٹھ سے وصول کر لی جاتی۔ وہ کہنے لگے کہ یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ جواب دیا کہ: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ ہے۔

۳۹۴۔ اجرائے حد اور تاوان دونوں ایک ساتھ نہیں:

(عبدالرحمٰن بن عوفؓ) رفعہ: لایغرم صاحب سرقۃ اذا اقیم علیہ الحد (نسائی)

جس چور پر حد جاری ہو جائے اس سے تاوان کوئی نہیں لیا جائے گا۔

۳۹۵۔ اگر کسی نیک نام کے پاس سے مال مسروقہ برآمد ہو:

(اسید بن حضیر) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی انہ اذا وجدھا لعین السرقۃ فی ید الرجل غیر المتھوم فان شاء اخذھا بما اشتراھا وان شاء اتبع سارقہ وقضی بذلک ابوبکر وعمر (نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ جو شخص اپنا مال مسروقہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں پائے جو چوری سے متہم نہیں تو جتنے میں اُس نے اُسے خریدا ہے اُتنا اسے دے کر اپنا مال لے لے یا اس کے ذریعے سے اصل چور کا سراغ لگائے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

۳۹۶۔ سفر میں چوری کی حد نہیں:

(بسر بن ارطاۃ) رفعہ: لاتقطع الایدی فی السفر (اصحاب سنن)

سفر میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مے خواری کی سزائیں

۳۹۷ ۔ مے خواری کی سزا اسّی دُرّے :

(ثور بن زید) ان عمر استشار فی حد الخمر فقال له علیؓ اری ان تجعله ثمانین فانّه اذا شرب سکر واذا سکر هذی واذا هذی افترٰی فجلد عمر ثمانین ۔ (مالک)

سزائے شراب خوری کے متعلق حضرت عمرؓ نے مشورہ فرمایا تو حضرت علیؓ نے رائے دی کہ اسّی کوڑے مقرر کیجئے کیونکہ جب شراب پیئے گا تو بدمست ہوگا اور جب بدمست ہوگا تو ہذیان بکے گا اور جب ہذیان بکے گا تو افترا بھی کرے گا (جس کی سزا اسّی کوڑے ہے) غرض حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے اس کی سزا مقرر فرمائی ۔

۳۹۸ ۔ سزا دینے سے گریز چاہیے :

(ابن عباسؓ) ان النبیّ صلی الله علیه وسلّم لم یقت فی الخمر حدًّا وقال شرب رجل منکر فلقی یمیل فی الفج فانطلق به الی النبیّ صلی الله علیه وسلّم فلما حاذی بدار العباس انفلت فدخل علی العباس فالتزمه فذکروا ذٰلک للنبیّ صلّی الله علیه وسلّم فضحک وقال أفعلها؟ ولم یامر فیه بشیٔ ۔ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی کوئی قطعی (معیّن) حد نہیں بتائی ہے ۔ ایک شخص پی کر بدمست ہوگیا اور راستے میں جھومتا لڑکھڑاتا ہوا جا رہا تھا ۔ اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جانے لگا جب وہ حضرت عباسؓ کے مکان کے سامنے آیا تو ایک جست لگا کر مکان کے اندر جا گھسا اور حضرت عباسؓ سے چمٹ گیا ۔ جب یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ہنس دیئے ۔ صرف اتنا پوچھا کہ : اس نے فی الواقع یہ حرکت کی تھی ؟ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کسی سزا کا حکم نہیں دیا ۔

۳۹۹ ۔ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبّت رکھنے والا سزا یافتہ شرابی ۔

(عمرؓ) ان رجلا فی عهد النبیّ

عہدِ نبوی میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جس

صلی اللہ علیہ وسلم کان اسمہ عبد اللہ وکان یلقب حمارا وکان یضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم احیانا وکان صلی اللہ علیہ وسلم قد جلدہ فی الشراب فاتی بہ یوما فامر بہ فجلد فقال رجل من القوم اللھم العنہ ما اکثر ما یؤتی بہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ولا تلعنوہ فو اللہ ما علمت الا انہ یحب اللہ ورسولہ۔ (بخاری)

کا لقب حمار ہو گیا تھا۔ یہ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگوائے تھے، لیکن اسے دوبارہ پھر اسی جرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کوڑے لگے تو کسی نے کہا کہ: اس پر خدا کی لعنت ہو، یا ربار اسی جرم میں پکڑ کر لایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس پر لعنت نہ کرو۔ بخدا میں یہی جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔

۴۰۰۔ سزا یافتہ شرابی کے لیے دُعائے خیر:

(ابو ہریرۃؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی برجل قد شرب فقال اضربوہ فمنا الضارب بیدہ والضارب بنعلہ والضارب بثوبہ ثم قال لنا بکتوہ فاقبلنا علیہ نقول اما اتقیت اللہ اما خشیت اللہ اما استحییت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما انصرف قال لہ بعض القوم اخزاک اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا ھکذا لا تعینوا علیہ الشیطان ولکن قولوا اللھم ارحمہ اللھم تب علیہ۔

(للبخاری والی داؤد بلفظہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شرابی لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسے مارو۔ پس کسی نے ہاتھ سے، کسی نے جوتے سے اور کسی نے کپڑے سے مارنا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا کہ: اسے زبان سے شرمندہ کرو۔ چنانچہ ہم لوگ اس کے سامنے کہنے لگے کہ تجھے خدا کا لحاظ نہیں؟ تجھے خدا کا خوف نہیں؟ تجھے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرم نہیں۔ جب یہ قصے ختم ہوئے اور وہ چلا گیا تو کسی نے کہا کہ: خدا تجھے رسوا کرے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ کہہ کر اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو، بلکہ یوں کہو کہ: اللہ اس پر رحم فرما اور اس کی توبہ قبول فرما۔!

۴۰۱ - ہر کش گیر الخ :

(جابرؓ) رفعه : ما اسکر کثیره فقلیله حرام (ترمذیہ، ابوداؤد)

جس چیز کا کثیر حصہ نشہ پیدا کرے، اُس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے۔

۴۰۲ - نشہ وہ ہے جو "صلوٰۃ" سے غافل کر دے :

(ابوموسیٰؓ) بعثنی النبیؐ صلی اللہ علیه وسلّم ومعاذا الی الیمن فقال ادعوا الناس وبشرا ولا تنفرا ویسرا ولا تعسرا وتطاوعا ولا تختلفا فقلت یارسول اللہ افتنا فی شرابین کنا نصنعهما بالیمن البتع وهو من العسل ینبذ حتی یشتد والمزر وهو من الذرة والشعیر ینبذ حتی یشتد وکان صلی اللہ علیه وسلم قد اعطی جوامع الکلم بخواتمه فقال انهی عن کل مسکر اسکر عن الصلوٰۃ۔ (شیخین، ابوداؤد، نسائیہ)

مجھے اور معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یمن بھیجتے ہوئے فرمایا کہ : لوگوں کو اس طرح دعوتِ حق دو کہ کشش پیدا ہو گریز نہ پیدا ہو آسانی پیدا کرو۔ دشواری میں مت ڈالو۔ تم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے معاون رہو اور اختلاف پیدا نہ ہونے دو۔ میں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ دو شرابوں کے متعلق ارشاد فرمایئے جو ہم لوگ یمن میں تیار کرتے ہیں۔ ایک تو ہے "بتع" یہ شہد سے تیار ہوتی ہے۔ جب اس کی نبیذ بنتی ہے تو اس میں تیزی آ جاتی ہے اور دوسری ہے "مزر" یہ "ذرّہ" اور "جَو" سے بنتی ہے اور اس کی نبیذ میں بھی تیزی آ جاتی ہے۔ حضورؐ کو تو ایک آخری اور جامع بات فرمانے کا ملکہ حاصل تھا فرمایا کہ : میں ہر اس مسکر سے روکتا ہوں جو نماز سے غافل کر دے۔

۴۰۳ - ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے :

(اُمِّ سلمہؓ) نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم عن کل مسکر ومفتر (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر اُس چیز سے منع فرمایا ہے جو نشہ لائے اور (بعد میں) سُست کر دے۔

۴۰۴۔ نشہ پینے کے حیلے:

(دیلم الحمیری) قلت یا رسول اللہ انا بارض باردۃ ونعالج فیہا عملا شدیدا وانا نتخذ شرابا من ھذا القمح نتقوی بہ علی اعمالنا وعلی برد بلادنا قال ھل یسکر؟ قلت نعم قال فاجتنبوا قلت ان الناس غیر تارکیہ قال ان لم یترکوہ فاقتلوھم۔ (ابوداؤد)

میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہم لوگ سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور ہمیں بڑی سخت محنت کرنی پڑتی ہے اس لیے ہم وہاں گندم سے ایسی شراب تیار کرتے ہیں جس سے کام کے لیے چستی بھی آئے اور سردی کے اثر سے بھی محفوظ رہیں۔ فرمایا: کیا اس میں نشہ بھی ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: ہاں ہوتا ہے۔ فرمایا: پھر اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ: تمام لوگ تو اسے نہ چھوڑیں گے فرمایا کہ اگر ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو۔

۴۰۵۔ نشہ ام الخبائث ہے:

(عثمانؓ) اجتنبوا الخمر فانھا ام الخبائث (نسائی)

شراب سے بچو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

۴۰۶۔ دائم الخمر مشرک جیسا ہے:

(ابوھریرۃؓ) مدمن الخمر کعابد وثن (قزوینی بلیغ)

دائم الخمر ایسا ہی ہے جیسا بت کا پجاری۔

۴۰۷۔ نشے کی بدمستی میں کیا ہوتا ہے:

(ابن عباسؓ) رفعہ: الخمر ام الفواحش واکبر الکبائر من شربھا وقع علی امہ وخالتہ وعمتہ (اوسط، کبیر بضعف)

نشہ تمام بے حیائیوں کی جڑ ہے اور تمام کبائر گناہ سے بڑا گناہ ہے، جو پی لیتا ہے وہ بدمست ہو کر اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی پر بھی جا پڑتا ہے۔

۴۰۸۔ دس ملعون:

(انسؓ) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وساقیھا وحاملھا والمحمولۃ

نشے سے تعلق رکھنے والے دس قسم کے آدمیوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے: تیار کرنے والا، تیار کرانے والا، پینے والا، پلانے والا، اٹھا کر لے جانے

الیه و بائعها و مبتاعها و واهبها و آکل ثمنها ۔ (ترمذی)

والا، منگوانے والا، بیچنے والا اور خریدنے والا، مفت دینے والا اور دام لے کر کھانے والا۔

۴۰۹۔ خمر کی تعریف، اور تین تشنہ مسائل :

(عمرؓ) قال على المنبر اما بعد ایها الناس انه نزل تحریم الخمر وهی من خمسة انواع من العنب والتمر والعسل والحنطة والشعیر، والخمر ما خامر العقل ثلاث وددت ان رسول الله صلى الله علیه وسلم كان عهد الینا فیهن عهدا ننتهی الیه الجد والكلالة وابواب من ابواب الربوا ۔ (للستة الا مالكا)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ : لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور یہ (عموماً) پانچ چیزوں سے تیار ہوتی ہے : انگور، خرما، شہد، گیہوں اور جَو سے ۔ لیکن خمر (نشہ) ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے ۔ تین باتیں جن کے متعلق مجھے تمنا ہوتی ہے کہ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق واضح اور آخری احکام بتا جاتے : ایک دادا کا ترکہ، دوسری کلالہ کا حصہ اور تیسری سُود کی بعض قسمیں۔

۴۱۰ ۔ نام دوسرا، کام وہی :

(رجل من الصحابة) یشرب ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها ۔ (النسائی)

میری اُمت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو پئیں گے تو شراب، لیکن اس کا نام کچھ اور رکھیں گے ۔

۴۱۱ ۔ شراب چھڑوانے میں حکمت نبویؐ :

(ابو سعیدؓ) ان ناسا من عبد القیس قدموا على النبی صلى الله علیه وسلم فقالوا یا نبی الله انا حی من ربیعة و بیننا و بینك كفار مضر ولا نقدر علیك الا فی هذه الاشهر الحرم فمرنا بامر نأمر به من وراءنا وندخل به الجنة اذا نحن اخذنا به فقال

بنی عبد قیس کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم بچے از قبائل ربیعہ ہیں، اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفّار مضر حائل ہیں۔ ہم حضور کے پاس صرف شہور حرام میں ہی حاضر ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ایسی جامع بات فرمائیے کہ جو ہم اپنے لوگوں کو بتا دیں جس پر عمل کر کے مستحق جنت ہوں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : میں تمھیں چار باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے بچنے کا ۔

أمركم بأربع وانهاكم عن اربع اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا واقيموا الصلوة واٰتوا الزكوٰة وصوموا رمضان واعطوا الخمس من الغنائم وانهاكم عن اربع عن الدبّاء والحنتم والمزفّت والنقير قالوا يا نبيّ الله ما علمك بالنقير؟ قال بلى جذع تنقرونه فتلقون فيه من القطيعاء اوقال من التمر ثم تسبتون فيه من الماء حتى اذا سكن غليانه شربتموه حتى ان احدكم او احدهم ليضرب ابن عمه بالسيف وفي القوم رجل اصابته جراحة كذلك قال وكنت اخبأها حياء من النبيّ صلّى الله عليه وسلّم فقلت فيم نشرب يا رسول الله؟ قال فى اسقية الادم التي يلاث على افواهها قالوا يا نبي الله ان ارضنا كثيرة الجرذان ولا تبقى بها اسقية الادم فقال وان اكلها الجرذان ثلاثا وقال صلّى الله عليه وسلّم ان فيك خصلتين يحبهما الله عزوجل الحلم والاناءة ۔ (مسلم، نسائی)

کرنے کے کام یہ ہیں کہ: اللہ کی عبدیت اختیار کرو اور کسی شئے کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو اور غنیمتوں کا خمس ادا کیا کرو اور چار چیزوں سے پرہیز کرو: دُبّا، حنتم، مزفّت اور نقیر۔ لوگوں نے پوچھا کہ: یا نبی اللہ! حضور کو نقیر کا علم ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں! کھجور کا تنا کُھرچ کُھرچ کر برتن سا بنا لیتے ہو پھر اس میں چھوہارے اور پانی ڈال کر پکاتے ہو، پھر جب اس کا جوش سکون پر آجاتا ہے تو اسے پیتے ہو۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی اسی نشے میں اُٹھ کر اپنے عم زاد بھائی پر تلوار چلانی شروع کر دیتا ہے"۔ اتفاق سے اس وفد میں ایک شخص ایسا بھی موجود تھا۔ جو اسی طرح زخمی ہوا تھا، اس کا بیان ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم کی وجہ سے میں نے اس مانع کو پوشیدہ رکھا اور (گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے) پوچھا کہ: یا رسول اللہ! پھر ہم پانی وغیرہ کس چیز میں پئیں؟ فرمایا: چمڑے کے برتنوں میں جن کو ڈھانک کر یا باندھ کر محفوظ رکھا جاتا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہمارے ہاں جنگلی چوہے بہت ہوتے ہیں اور وہ چمڑے کے برتنوں کو چھوڑتے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: خواہ چوہے کُتر ہی کیوں نہ ڈالتے ہوں۔ پھر فرمایا کہ: تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: ایک ہے حلم اور دوسری سنجیدگی۔

۴۱۲۔ مصلحت پوری ہونے کے بعد حکم کی واپسی:

(بریدۃ) رفعه: كنت نهيتكم عن الاشربة الا فى ظروف الادم فاشربوا فى كل وعاء

میں نے تمہیں پہلے چمڑے کے برتنوں کے سوا دوسرے برتنوں کے استعمال سے روکا تھا مگر اب سب برتن استعمال کر سکتے ہو لیکن نشہ آور

غیران لا تشربوا مسکرا۔ وفی روایۃ: کنت نہیتکم عن الظروف وان الظروف او ظرفا لا یحل شیئا ولا یحرمہ وکل مسکر حرام (مسلم واصحاب السنن)

رہے کہ نشہ لانے والی چیز نہ ہو۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: میں نے تمھیں (شراب کے) برتنوں سے روکا تھا، لیکن نفس برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام، بلکہ حرام در اصل نشہ پیدا کرنے والی چیز ہے۔

۴۱۳۔ مشرک کے برتنوں کا استعمال:

(جابرؓ) کنا نغزوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنصیب من آنیۃ المشرکین واسقیتھم نستمتع بھا فلا یعیب ذلک علینا۔ (ابوداؤد)

غزوات میں ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے تھے اور مشرکوں کے برتنوں اور پیالوں سے فائدہ اُٹھاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔

لباس وزینت

۴۱۴۔ تولنے میں فراخ دلی چاہیئے:

(سوید بن قیسؓ) جلبت انا ومخرمۃ العبدی بزا من ھجر فاتینا بہ مکۃ فجاءنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فساومنا بسراویل فبعنامنہ ووزن ثمنہ وقال للذی یزن زن وارجع (اصحاب سنن والموصلی والاوسط)

میں نے اور مخرمہ نے ہجر کا ایک خاص کپڑا خرید اور مکے میں لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم سے چند پاجاموں کا مول تول کیا۔ ہم نے تول کے حساب سے اس کا سودا کر لیا۔ جو تولتا اُس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ذرا پلّہ جھکا کر (یعنی کچھ زیادہ دے دیا کرو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا اور خریدار خوش ہو جاتا ہے)

غنیمت اور غلول

۴۱۵۔ مالِ غنیمت کا ناجائز استعمال:

(رویفع بن ثابت الانصاری)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ

رفعه: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يركب دابة من فيء المسلمين حتى اذا اعجفها ردها فيه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس ثوبا من فيء المسلمين حتى اذا اخلقه رده فيه - (ابوداؤد)

(قبل از تقسیم) غنیمت کے کسی جانور پر سواری نہ کرے کہ وہ دُبلا ہو جائے تو وہ (تقسیم کے وقت) واپس کر دے اور جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین ہے، وہ غنیمت کا کوئی کپڑا بھی استعمال نہ کرے۔ کہ جب پُرانا ہو جائے تو اُسے واپس کر دے۔

۴۱۶۔ دشمن سے بھی عہد کی پابندی کی تعلیم:

(حذیفہؓ) ما منعني ان اشهد بدرًا الا اني خرجت انا وابي حسيل فاخذنا كفار قريش فقالوا انكم تريدون محمدا فقلنا ما نريد الا المدينة فاخذوا منا عهد الله وميثاقه لننصرفن الى المدينة ولا نقاتل معه فاتينا النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرناه الخبر فقال انصرفا نفي لهم بعهدهم و نستعين الله عليهم (مسلم)

میں بدر میں شرکت نہ کر سکا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ میں اور میرے والد حُسیل ہجرت کے لیے نکلے تو کفار قریش نے ہمیں گرفتار کر لیا اور کہا کہ: تم محمدؐ کے پاس جانے کے لیے نکلے ہو؟ ہم نے کہا کہ: ہم تو مدینے جا رہے ہیں۔ اس پر اُنھوں نے ہم سے قسم لی کہ مدینے تو جائیں گے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ جنگ نہ ہوں گے۔ ہم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو یہ واقعات بیان کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اچھا جاؤ! ہم ہر حال وفائے عہد کریں گے اور دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کریں گے۔

اخلاقیات

حُسنِ نیّت اور صدق و کذب

۱۔ عمل کا نتیجہ نیّت کے مطابق ہوتا ہے:

(عمرؓ) رفعه: انما الاعمال بالنيات وفی رواية بالنية وانما لكل امرئ مانوى فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الى ما هاجر اليه - وفی رواية: فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة ينكحها فهجرة الى ما هاجر اليه - (للستة الا مالكا)

اجرِ عمل، نیتِ عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کہ: ہر ایک شخص کا اجر اس کی نیّت کے مطابق ہوگا لہٰذا جس (مہاجر) نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیّت کی اُس کی ہجرت تو اللہ اور رسول ہی کی طرف شمار ہوگی اور جس نے اس نیّت سے ہجرت کی ہو کہ دنیا ملے، یا کسی عورت سے شادی کرے اُس کی ہجرت کا مقصود بھی وہی شمار ہوگا جس کی اُس نے نیّت کی تھی۔

ایمان کی خصلتیں

۲۔ تین خصائلِ ایمان:

(عمار بن یاسرؓ) رفعه: ثلاث من الايمان الانفاق من الاقتار و

یہ تین امور (بھی) داخلِ ایمان ہیں:

(۱) اپنی تنگ دستی میں بھی دوسروں کی اعانت

بذل السلام للعالم والانصاف من نفسك ۔ (موقوف)

(۲) تمام عالم کے لیے سلامتی کی تڑپ (۳) اپنی ذات سے بھی انصاف کرنا ۔

۳۔ تکمیل ایمان کا سب سے بڑا ذریعہ :

(انس رض) رفعه : لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

تم میں سے کوئی پکا مومن اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ۔

۴۔ بہترین اسلام :

(ابن عمرو بن العاص) ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر؟ قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف ۔ (شیخین، نسائی)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا :
کہ بہترین اسلام کونسا ہے ؟
فرمایا : بھوکوں کو کھانا کھلانا، اور شناسا و غیر شناسا سب کو سلام کرنا ۔

احکامِ ایمان اور بیعتِ ایمان

۵۔ ایمان کے بعض تقاضے :

(ابوبکرہ رض) رفعه : ..... ثلاث لا یغل علیهن قلب مسلم اخلاص العمل للہ ومناصحة ولاة الامر ولزوم جماعة المسلمین فان دعوتهم تحیط من ورائهم ۔

(بزار)

.... تین چیزوں میں مسلمان خیانت نہیں کرتا ۔
(۱) اخلاص فی العمل میں
(۲) حکام وقت کی خیر خواہی میں
(۳) مسلمانوں سے مل کر رہنے میں، کیونکہ ان سے کٹ کر رہنے والوں پر جماعت کی بد دعا کارگر ہو جاتی ہے ۔

۶ - گناہ کرتے وقت ایمان جدا ہو جاتا ہے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن۔ (للستۃ الا مالکا)

زانی جب زنا کر رہا ہو، چور جب چوری کر رہا ہو، شرابی جب شراب پی رہا ہو، تو وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا۔

۷ - بدکاری کے وقت ایمان معلق رہتا ہے:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: اذا زنی الرجل خرج منہ الایمان وکان علیہ کالظلۃ فاذا اقلع رجع الیہ الایمان۔ (ابوداؤد)

ارتکاب زنا کے پورے وقت تک ایمان اوپر لگ کر سایہ فگن رہتا ہے اور فارغ ہونے کے بعد پھر لوٹ آتا ہے۔

اعمال میں میانہ روی

۸ - اچھی سیرت اور میانہ روی:

(ابن عباسؓ) رفعہ: ان الھدی الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزو من اربعۃ وعشرین جزء من النبوۃ (ابوداؤد)

صالح سیرت، عمدہ طریقہ اور میانہ روی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک خاص جز ہے۔

کتاب العلم

۹ - عالم اور عابد کی فضیلتوں میں کیا تناسب ہے؟:

(ابوامامۃؓ) ذکر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ

رجلان عالم وعابد فقال فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم ان الله وملائكته واهل السموات والارض حتى النملة في جحرها والحيتان في البحر يصلون على معلم الناس الخير۔ (ترمذی)

عالم و عابد دونوں میں افضل کون ہے ؟ فرمایا : جس طرح تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے، اسی طرح عابد پر عالم کو فضیلت ہے۔ خدا تعالیٰ، اس کے فرشتے اور ارض وسما کا ایک ایک فرد حتیٰ کہ چیونٹی بھی اپنے بل میں اور مچھلیاں بھی سمندر میں اس معلم کے لیے دُعا کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے۔

۱۰۔ فقیہ اور عابد کا فرق :

(ابن عباسؓ) رفعه : فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد۔ (ترمذی)

ایک فقیہ، شیطان پر سو عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

۱۱۔ علم کے طفیل روزی :

(انسؓ) كان أخوان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم احدهما يحترف والآخر يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتعلم منه فشكى المحترف اخاه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لعلك به ترزق۔

(ترمذی)

عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دو بھائی تھے، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم حاصل کرتا، دوسرا دستکاری کرکے روٹی کماتا۔ دستکار نے اپنے بھائی کا شکوہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا: تمھیں اسی (طالب علم) کے صدقے میں روزی ملتی ہے۔

۱۲۔ جویانِ علم کا درجہ اور انبیاء کی میراث :

(ابو درداءؓ) من سلك طريقا يطلب به علما سلك به طريقا من طرق الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها رضى لطالب العلم وان العالم ليستغفر له من في السموٰت

حصولِ علم کے لیے سفر کرنا جنت کی راہ طے کرنا ہے۔ جویانِ علم کی رضاجوئی کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ ارض و سما کا ایک ایک فرد حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کی مغفرت کے لیے دست بدعا رہتی ہیں۔ عالم و عابد کی

ومن فی الارض والحیتان وجوف الماء و ان فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر (ترمذی، ابوداؤد)

فضیلتوں کا فرق یہ ہے کہ عالم بدر کامل کی ہے اور عابد ستاروں کی طرح تر کہ انبیا علیہم السلام کے یہی اہل علم وارث ہیں نبیوں نے درہم و دینار کی کوئی میراث نہیں چھوڑی بلکہ میراث علم چھوڑی ہے۔ جس نے اسے حاصل کر لیا، اس نے بہت کچھ لے لیا۔

۱۳۔ اہلِ علم کی اہانت منافقت ہے:

(ابو امامۃؓ) ثلاثۃ لا یستخف بھم الا منافق ذو الشیبۃ فی الاسلام و ذو العلم وامام مقسط (کبیر بضعف)

ان تین شخصوں کی توہین منافق ہی کر سکتا ہے: (۱) بوڑھا مسلمان آدمی۔ (۲) عالم (۳) اور امام عادل۔

۱۴۔ اہلِ علم نجوم ہدایت ہیں:

(انسؓ) مثل العالم فی الارض کمثل النجوم فی السماء یھتدی بھا فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم اوشك ان تضل الھداۃ۔ (احمد بضعف)

زمین پر عالم کی مثال فلک پر روشن ستاروں کی مانند ہے اور ستاروں کے ڈوب جانے پر ہدایت یافتہ کا گم ہو جانا بھی بہت ممکن ہے۔

۱۵۔ تعلیم کے اجر میں عمل کا اجر بھی شامل ہو جاتا ہے:

(معاذ بن انسؓ) رفعہ: من علم علما فلہ اجر من عمل بہ لا ینقص من اجر العامل۔ (رفن وینی)

جو شخص کسی کو کوئی تعلیم دے اور وہ اس پر عمل کرے تو اس عمل کا اسے بھی اجر ملے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی آئے۔

۱۶۔ حصولِ علم میں لگے رہنا فرض ہے:

(ابو مسعودؓ) رفعہ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ (کبیر)

ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا واجب ہے

۱۷۔ الٰہی ارادہ خیر تفقہ فی الدین کی شکل میں :

(ابن عباسؓ) رفعه: من یرد الله به خیرًا یفقهه فی الدین۔ (ترمذی، شیخین)

اللہ جل شانہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔

۱۸۔ حکمت مومن کی گمشدہ دولت ہے :

(ابو ہریرۃؓ) رفعه: الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو احق بها..... (ترمذی)

سخن حکیمانہ مومن ہی کی گم شدہ دولت ہے، جہاں بھی اُس کا زیادہ حق دار وہی ہے۔

۱۹۔ علم کے ساتھ حکمت بھی ضروری ہے : (لقمان حکیم کی نصیحت) :

(ابو امامۃؓ) رفعه: ان لقمان قال لابنه یا بنی علیك بمجالسة العلماء واستمع کلام الحکماء فان الله یحیی القلب المیت بنور الحکمة کما یحیی الارض المیتة بوابل المطر۔ (کبیر بضعف)

حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت فرمائی کہ: تم حلقۂ علماء میں بیٹھا کرو اور حکما کی باتیں غور سے سُنا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو نورِ حکمت سے اسی طرح زندگی بخشتا ہے جس طرح موسلا دھار بارش سے مُردہ زمین کو۔!

۲۰۔ علم کی کنجوسی اور اس کی سزا :

(ابو ہریرۃؓ) رفعه: من سئل علما یعلمه فکتمه الجم بلجام من نار۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اگر عالم سے کوئی بات دریافت کی جائے جسے وہ جانتا ہو کر وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔

۲۱۔ ہدایت کی قدر و قیمت :

(سہل بن سعدؓ) رفعه: والله لان یهدی بهداك رجل واحد خیر لك من حمر النعم۔ (ابوداؤد)

بخدا! اگر تمھاری تبلیغ سے ایک شخص کو بھی ہدایت حاصل ہو جائے تو یہ تمھارے لیے سُرخ اُونٹوں سے بہتر ہے۔

علمی سوال و جواب کے آداب

۲۲۔ مواعظ میں سامعین کی اکتاہٹ کا خیال رکھنا:

(شقیق) کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمٰن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بموعظۃ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بہا مخافۃ السآمۃ علینا۔ (شیخین و ترمذی)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے، ایک شخص نے آپ سے کہا کہ: اے ابو عبد الرحمٰن! میری تمنا تو یہ ہے کہ آپ ہر روز یہ جاری رکھیں۔ آپ نے جواب دیا کہ: مجھے اس سے جو چیز مانع ہے وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو اُکتانا پسند نہیں کرتا۔ جس طرح حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگوں کی اُکتاہٹ کا لحاظ رکھتے ہوئے وعظ فرمایا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہوں۔

۲۳۔ فقیہ کے اوصاف، غور و فکر کی غیر معمولی اہمیت:

(علیؓ) قال ان الفقیہ حق الفقیہ من لم یُقنِطِ الناس من رحمۃ اللہ ولا یؤمنھم من عذاب اللہ ولا یرخص لھم فی معاصی اللہ انہ لا خیر فی عبادۃ لا علم فیہا ولا خیر فی علم لا فہم فیہ ولا خیر فی قراءۃ لا تدبر فیہا۔ (دارمی)

فقیہ کامل وہ شخص ہے جس کا زور نقاہت لوگوں کو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ کر دے اور عذابِ خداوندی سے بے خوف نہ کر دے اور ان میں گناہ کے لیے ڈھیل نہ پیدا ہونے دے۔ جس عبادت میں علم شامل نہ ہو اُس میں کوئی خیر نہیں اور جس علم میں فہم نہ ہو، اس میں بھی اور جس قراءت میں تدبّر (غور و فکر) نہ ہو، اُس میں بھی کوئی خیر نہیں۔

۲۴۔ گفتگو میں موقع و محل کی ضروری رعایت اور علم کا حق:

(کثیر بن مرۃ) قال لا تحدث الباطل للحکماء فیمقتوک ولا تحدث الحکمۃ

داناؤں کے سامنے بے سر و پا بات نہ کرو، ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے! کم عقل سے اُونچی باتیں نہ کرو، ورنہ وہ

للسفهاء فيكذبوك ولا تمنع العلم اهله فتأثم ولا تضعه فى غير اهله فتجهل إن عليك فى علمك حقا كما ان عليك فى مالك حقا (دارمی)

تمہاری تکذیب کرے گا۔ علم کے اہل کو علم سے محروم نہ رکھو! یہ معصیت ہے۔ نا اہل سے علمی گفتگو نہ کرو۔ ورنہ وہ تمہی کو جاہل کہے گا۔ علم ہو یا دولت تم پر دونوں کے کچھ حقوق ہیں۔

۲۵۔ کلام بے محل :

(ابن مسعودؓ) قال ما انت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة۔ (مسلم)

جب تم لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کرو گے، جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو، تو وہ کچھ لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی۔

۲۶۔ دو قسم کے حریص :

(ابن مسعودؓ) رفعه : منهومان لا يشبعان طالب علم وطالب دنيا۔ (كبير بضعف)

دو حریص تانع نہیں ہو سکتے : (۱) حریص علم اور (۲) حریص دنیا۔

۲۷۔ حقوقِ علم کی ادائیگی کی نصیحت کرنا :

(ابن عباسؓ) رفعه : تناصحوا فى العلم فان خيانة احدكم فى علمه اشد من خيانته فى ماله وان الله سائلكم يوم القيامة۔ (كبير بضعف)

حقوق علم ادا کرنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو۔ مال کی خیانت سے علم کی خیانت زیادہ معیوب ہے۔ حشر میں اللہ تعالٰے اس کا بھی حساب لے گا۔

۲۸۔ تعلّم کا غلط ترین مصرف :

(كعبؓ بن مالك) رفعه : مَن طلب العلم ليجارى به العلماء او ليمارى به السفهاء ويصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار۔ (ترمذى)

جو شخص اس لیے علم پڑھتا ہے کہ علماء کا مقابلہ اور جہلاء سے مناظرہ کرکے عوام کو اپنی طرف مائل کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

۲۹ ۔ معلّم بے عمل کی لطیف مثال :

(جندل رض) رفعه : مثل الذی یعلم الناس الخیر وینسی نفسه کمثل السراج یضئ للناس و یحرق نفسه (کبیر، مطولا)

جو شخص دوسروں کو نیکی کی تعلیم دے اور خود اس پر عمل نہ کرے، اس کی مثال چراغ کی سی ہے کہ اوروں کو روشنی دے اور خود کو جلاتا رہے۔

۳۰ ۔ لغو مسائل کی تحقیق :

(ابو ھریرۃ) رفعه : شرار الناس الذین یسألون عن شرار المسائل کی یغلطوا بها العلماء۔ (رزین)

بدترین وہ لوگ ہیں جو شرانگیز مسائل پوچھ پوچھ کر علماء کو مغالطے میں ڈالتے ہیں۔

۳۱ ۔ صاف اور سیدھی بات :

(ثعلبة الخشنی) رفعه : ان الله فرض فرائض فلا تضیعو ها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم اشیاء فلا تقربوها وترک اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوها (رزین)

اللہ تعالٰی نے کچھ مسائل مقرر فرمائے ہیں، ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدیں معیّن کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ چیزیں حرام کی ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ اور کچھ چیزوں کو جان بوجھ کر ترک کر دیا ہے اُن سے بحث نہ کرو۔

روایت و کتابتِ حدیث

۳۲ ۔ جیسا سُنا جائے ویسا ہی بیان کیا جائے :

(ابن مسعود) رفعه : نضر الله امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعی من سامع (ترمذی)

اللہ تعالٰی اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سن کر اسی طرح دوسروں سے بیان کی بعض سُننے والے باتوں کو سُنانے والوں سے زیادہ محفوظ رکھتے ہیں۔

۳۳۔ تعلیم دین عام نہ کرنے پر تہدید :

(عبد الرحمٰن بن ابزی) خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فاثنی علی طوائف من المسلمین خیرًا ثم قال ما بال اقوام لا یفقّھون جیرانھم ولا یعلّمونھم ولا یعظونھم ولا یأمرونھم ولا ینھونھم وما بال اقوام لا یتعلّمون من جیرانھم ولا یتفقّھون ولا یتعظون واللہ لیعلّمن قوم جیرانھم ولیفقّھونھم ولیعظونھم ولیأمرونھم ولینھونھم ولیتعلّمن قوم من جیرانھم ویتفقّھون ویتعظون اولا عاجلنھم العقوبۃ۔ (کبیر بلبن)

ایک خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: لوگوں پر کیسی غفلت طاری ہے کہ وہ ہمسایوں کو نہ فقہ سکھاتے ہیں نہ علم، نہ انہیں نصیحت کرتے ہیں نہ امر ونہی۔ پھر ان لوگوں کا کیا عجیب حال ہے جو اپنے پڑوسیوں سے نہ فقہ سیکھتے ہیں، نہ علم، نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بخدا اس طرح کے (باہم تعلق رکھنے والے) لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو علم و فقہ سکھائیں۔ وعظ ونصیحت کریں اور امر ونہی کا فریضہ ادا کریں اور جو اس کام کے اہل ہوں) ان کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسیوں سے علم وفقہ اور پند حاصل کریں، ورنہ میں داروگیر سے اس کا علاج کروں گا۔

۳۴۔ علم کس طرح اُٹھ جاتا ہے؟ :

(ابن عمرؓو بن العاص) ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ (شیخین وترمذی)

اللہ تعالیٰ سینوں میں سے یوں علم ختم نہیں فرماتا بلکہ علماء کی موت سے اُسے ختم کرتا ہے۔ جب کوئی عالم باقی نہیں رہتا تو لوگ ناخواندہ رہنماؤں سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ خود تو گمراہ تھے ہی اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

۳۵۔ اہل علم کی موت :

(عائشہؓ) رفعته: موت العالم ثلمة

عالم کی موت قصر اسلام میں ایسی دراڑ ہے: جو

...ن الاسلام لا تنسد ما اختلف الليل والنهار - (بزار)

... قیامت تک نہیں بھر سکتی۔

جھوٹی روایت سے احتراز اور سچّی کو جھٹلانا

۳۶ - جھوٹی حدیثیں بیان کرنا :

(المغیرۃؓ) رفعہ : ان کذبا علیّ لیس ککذب علی احد فمن کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النّار - (شیخین وترمذی)

میری طرف جھوٹی نسبت ایسی معمولی چیز نہیں جیسی دوسروں کی طرف ہوتی ہے - جو شخص عمداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

کتاب طہارت و پاکیزگی

نجاست

۳۷ - ایک نازیبا حرکت کی اصلاح :

(ابوھریرۃؓ) ان ألاعرابی لمّا دخل صلی رکعتین ثم قال اللّٰھم ارحمنی ومحمّداً ولا ترحم معنا احداً فقال صلّی اللہ علیہ وسلّم لقد تحجرت واسعا ثم لم یلبث ان بال فی ناحیۃ المسجد فاسرع الیہ الناس فنھاھم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و قال انما بعثتم میسّرین ولم تبعثوا معسّرین صُبّوا علیہ سجلا من ماء - (ابو داؤد)

ایک اعرابی مسجد نبویؐ میں آیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے دُعا میں کہا : اللّٰھم ارحمنی ومحمّداً ولا ترحم معنا احداً - صرف مجھ پر اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) پر رحم فرما اور کسی پر نہیں !) حضورؐ نے فرمایا کہ : تم نے ایک بڑی وسیع حقیقت کو تنگ کر دیا - کچھ دیر بعد ہی وہ اعرابی اُٹھا اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا - لوگ اُدھر دوڑے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ فرما کر ہٹا دیا کہ تم نرمی کے لیے ہو نہ کہ سختی کرنے کو ؛ اس جگہ پر پانی کا ایک ڈول انڈیل دو۔

وضواوراس کے متعلقات

۳۸ - اکل وشرب سے پہلے ہاتھ دھولینا :

(عائشہؓ) اذا اراد ان یأکل اویشرب غسل یدیہ ثم یأکل اویشرب - (مالك)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب کھانے پینے کا ارادہ کرتے پہلے ہاتھ دھوتے پھر کھاتے پیتے -

مسجد

۳۹ - تفرد وتفرّق کا انجام کیا ہوتا ہے ؟ :

(معاذؓ) رفعہ : ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یأخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ نا یاکم و الشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ والمسجد - (احمد)

انسان کا بھیڑیا شیطان ہے - جو بکری ریوڑ سے الگ ہوئی اُسے بھیڑیا اُچک لیتا ہے (مسلمانو ! جماعت عامہ سے کٹ جانے سے بچو ! جماعت اور عوام اور مسجد سے وابستہ رہو -

استقبال قبلہ

۴۰ - حرام کمائی کے کپڑوں میں نماز - لباس اور امانت کی اہمیت :

(علیؓ) ان رجلا من اھل العالیۃ قال یارسول اللہ خبرنی باشد شیٔ فی ھذا الدین والینہ فقال الینہ

..... اہل عالیہ میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ : یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) اس دین میں سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ نرم جو چیز ہے وہ بتایئے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

شهادة ان لا اله الا الله وان محمدًا
عبده ورسوله واشده يا اخا العالية
الامانة انه لا دين لمن لا امانة له
ولا صلوة له ولا زكوة له يا اخا العالية
انه من اصاب مالا من حرام فلبس
جلبابًا لم تقبل صلوته حتى ينحّى
ذلك الجلباب عنه ان الله اكرم
واجل يا اخا العالية من ان يقبل
عمل رجل او صلاته وعليه الجلباب
من حرام - (بزار بضعف)

نے فرمایا کہ سب سے زیادہ نرم تو یہ گواہی دینا ہے
کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
اس کے بندے اور رسول ہیں اور سب سے زیادہ سخت
امانت کا معاملہ ہے جس شخص میں امانت نہیں، اس
کا نہ دین ہے، نہ نماز، نہ زکوٰۃ۔ اے برادرِ عالیہ! جو
مالِ حرام کی کمائی کی چادر اوڑھ کر نماز ادا کرے اس کی
نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی، جب تک اُسے الگ
نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ کسی
کا کوئی عمل یا اس کی نماز اس حالت میں قبول کرے کہ
اس کے اُوپر حرام کی چادر موجود ہو۔

کتاب الجنائز

امراض میں رحمت

۴۱۔ مومن کی ہر تکلیف کفارۂ گناہ ہے:

(ابوسعیدؓ و ابوہریرہؓ) رفعاہ: ما
يصيب المؤمن من وصب ولا نصب
ولا سقم ولا حزن حتى الهم يهمه
الا كفر الله به سيئاته - (شیخین، ترمذی)

مومن کی کوئی تکلیف، کوئی تھکن، کوئی بیماری، کوئی
غم، حتیٰ کہ کوئی فکر مند کرنے والی چیز بھی ایسی
نہیں، جسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ
نہ بنا دیتا ہو۔

۴۲۔ بخار کے فائدے:

(جابرؓ) ان رسول الله صلی الله
عليه وسلم دخل على ام السائب
او على ام المسيب فقال مالكِ تزفزفين؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ام سائب یا
ام مسیب کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا کہ: تم
کپکپا کیوں رہی ہو؟ عرض کیا، کہ بخار ہے،

قالت الحمی لا بارک اللہ فیھا فقال لاتسبی الحمی فانھا تذھب خطایا بنی اٰدم کما یذھب الکیر خبث الحدید (مسلم)

خدا اُس کا ناس کرے۔
فرمایا: بخار کو کوسا نہ کرو یہ تو انسان کی لغزشوں کو اس طرح دُور کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو۔

۴۳۔ سُرخ رُو ہوتا ہے انسان آفتیں پانے کے بعد:

(یحیی بن سعیدؓ) ان رجلا جاءہ الموت فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجل ھنیئا لہ مات ولم یبتل بمرض فقال صلی اللہ علیہ وسلم و یحک ما یدریک لو ان اللہ ابتلاہ بمرض فکفر عنہ من سیئاتہ۔ (مالک)

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرگیا کسی نے کہا کہ بڑا امبارک ہے کہ اسے مرض کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمھیں کیا معلوم کہ: خدا اسے کسی مرض میں مبتلا کرتا تو وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا۔

تراویح

۴۴۔ آزمائش میں اللہ کا ایک خاص مقصد:

(عمرو بن مرۃؓ) قال ان مما انزل اللہ تعالیٰ ان اللہ لیبتلی العبد وھو یحب یسمع تضرعہ۔ (اوسط، بلبن)

خداوند تعالیٰ کی نازل کردہ باتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ بندے کو بعض اوقات مبتلائے مصیبت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اس کے تضرع وزاری کو سننا پسند فرماتا ہے۔

۴۵۔ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی باعثِ اجر ہے:

(عائشہؓ) رفعتہ: لا یصیب المؤمن شوکۃ فما فوقھا الا رفعہ اللہ

مومن کو ایک کانٹا وغیرہ بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کر

بها درجة وحط عنه بها خطيئة (شيخين، موطأ، ترمذی، اوسط صغير)

دیتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دیتا ہے۔

۴۶ - اہل آزمائش کا غیر معمولی درجہ:

(ابن عباسؓ) رفعه: يؤتى بالشهيد يوم القيامة فينصب للحساب ثم يؤتى بالمتصدق فينصب للحساب ثم يؤتى باهل البلاء فلا ينصب لهم ميزان ولا ينصب لهم ديوان فيصب عليهم الاجر صبا حتى ان اهل العافية ليتمنون في الموقف ان اجسادهم قرضت بالمقاريض من حسن ثواب الله لهم (كبير، بلين)

شہید (قیامت میں) حاضر کیا جائے گا، تو حساب کتاب کے لئے پیش کیا جائے گا، پھر صدقہ دینے والا پیش ہوگا، تو وہ بھی حساب کتاب کے لیے پیش کیا جائے گا۔ پھر اہل بلا وامتحان پیش ہوں گے تو ان کے لیے نہ کوئی میزان نصب ہوگی نہ کوئی رجسٹر پیش ہوگا، بلکہ ان پر اجر و ثواب کی ایسی بارش ہوگی کہ اہل عافیت اس مقام پر تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش اس ثواب کی خاطر ہمارے جسموں کو مقراض سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا۔

(عن الحسنؓ بن علیؓ) رفعه، وفي آخره: انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب (كبير، بلين بضعف)

اس مضمون کی روایت کے آخر میں حسنؓ بن علیؓ سے یہ آیت بھی منقول ہے: (ترجمہ) صبر کرنے والوں کو بے حساب وشمار اجر عطا کیا جائے گا۔

تقدیر و تدبیر

۴۷ - اولاد کے مرنے پر حمد و ارجاع کا اجر:

(ابوموسیٰؓ) رفعه: اذا مات ولد لعبد قال الله تعالى لملئكته قبضتم ولد عبدي

جب کسی نیک بندے کی اولاد مرجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے کہ: تم نے میرے بندے کی اولاد کی روح قبض کر لی؟ وہ

فیقولون نعم فیقول قبضتم ثمرۃ فؤادہ؟ فیقولون نعم فیقول ماذا قال عبدی؟ فیقولون حمدک واسترجع فیقول ابنوا لعبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد (ترمذی)

عرض کرتے ہیں، ہاں بارالہا۔ پھر فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کی کلی توڑ لی؟ وہ کہتے ہیں: ہاں خداوندا! پھر فرماتا ہے: کہ اس بندے نے کیا کہا: وہ عرض کرتے ہیں کہ: اس بندے نے تیری حمد (شکر) ادا کی اور انا للہ الخ کہا۔ پھر وہ حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے لیے جنّت میں ایک مکان بناؤ اور اس کا نام "بیت الحمد" رکھو۔

۴۸۔ دختر کے مرنے پر صبر کا اجر و انعام:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: یقول اللہ تعالیٰ من اذھبت حبیبتہ فصبر و احتسب لم ارض لہ ثوابا دون الجنۃ۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جس کی چہیتی (دختر وغیرہ) مر جائے اور وہ حصول ثواب کے لیے صبر کرے تو میں اس کے معاوضے کے لیے جنّت سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوں گا۔

۴۹۔ گزشتہ اُمتوں کی بعض سخت آزمائشیں اور اہلِ اسلام کے لیے خوشخبری:

(خبابؓ بن الارت) شکونا الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال قد کان من قبلکم یؤخذ الرجل فیحفرلہ فی الارض فیجعل فیھا ثم یؤتی بالمیشار فیوضع علی رأسہ فیجعل نصفین و یمشط بامشاط الحدید مادون لحمہ وعظمہ ما یصدہ ذلک عن دینہ واللہ لیتمّن اللہ ھذا الامر حتی یسیر

(خباب بن ارتؓ نے اپنی کچھ تکلیف بیان کی تو) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے پہلی اُمتوں میں بعض لوگوں کو پکڑا جاتا اور زمین میں گڑھا کھود کر اس میں ان کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے سر پر آرا رکھ کر دو حصّوں میں چیر دیا جاتا تھا اور لوہے کے کنگھے اُن پر اس طرح پھیرے جاتے تھے کہ ہڈی سے گوشت الگ ہو جاتا تھا، پھر بھی یہ اذیتیں ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔ بخدا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پورا کرکے رہے گا۔ تاآنکہ ایک سوار صنعا سے

الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ والذئب علی غنمہ ولکنکم تستعجلون۔ (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

حضرموت تک اس طرح سفر کرے گا کہ اُسے صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خوف ہوگا، یا اسے اپنے گلّے کے متعلق بھیڑیے کا خطرہ ہوگا۔ مگر تم لوگ ذرا جلد باز ہو۔

۵۰۔ صبر کا ایک خاص انداز اور اُس کا اجر:

(ابن عباسؓ) رفعہ: من اصیب بمصیبۃ فی مالہ او فی نفسہ فکتمھا ولم یشکھا الی الناس کان حقا علی اللہ ان یغفرلہ۔ (اوسط)

جسے کوئی مالی یا جانی نقصان پہنچے اور وہ اسے پوشیدہ رکھے، یعنی لوگوں سے اس کی شکایت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پہ یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے۔

۵۱۔ جلوت کی زندگی خلوت کی زندگی سے بہتر ہے:

(یحییٰ بن وثابؒ) عن شیخ من الصحابہؓ رفعہ: المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم۔ (ترمذی)

وہ مسلمان جو لوگوں سے گھل مل کر رہے اور ان کی اذیتوں پہ صبر کرتا رہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے کٹا ہوا رہے، اور ان کی اذیتوں پہ صبر نہ کرے۔

۵۲۔ موت کی تمنا کرنا:

(انسؓ) رفعہ: لا یتمنّین احدکم الموت من ضرّ اصابہ فان کان لا بدّ فاعلاً فلیقل اللّھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرالی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی (للستۃ الا مالکا)

کوئی مصیبت آجانے کی وجہ سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اگر یہ (تمنائے موت) کرنا ہی پڑے تو یوں دُعا کرے کہ: اے اللہ! اگر میرے لیے حیات بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت بہتر ہے تو موت دے۔

۵۳۔ ایضاً:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: لا یتمنّین احدکم

تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے ممکن

الموت اما محسنًا فلعله یزداد واما مسیئًا فلعله یستعتب۔
(شیخین، نسائی)

ہے وہ نیکوکار ہو اور زندگی سے) اس کی نیکی میں اور اضافہ ہو یا وہ بدکار ہو تو (توبہ کا موقع نہ پانے کی وجہ سے) وہ مستحق عتاب ہو۔

عیادت مریض

۵۴۔ عیادت مریض کا اجر:

(علیؓ) قال مامن رجل یعود مریضا ممسیا الا خرج معه سبعون الف ملك یستغفرون له حتی یصبح وکان له خریف فی الجنة ومن اتاه مصبحا خرج معه سبعون الف ملك یستغفرون له حتی یمسی وکان له خریف فی الجنة۔
(ابوداؤد، ترمذی نحوہ مرفوعاً)

جو شخص بھی شام کو کسی مریض کی عیادت کرتا ہے، اُس کے لیے ستّر ہزار فرشتے صبح تک دُعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنّت میں ایک نخلستان تیار ہو جاتا ہے اور جو صبح ایسا کرے اُس کے لیے ستّر ہزار فرشتے شام تک دُعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ اور جنّت میں اُس کے لیے ایک نخلستان مہیّا ہو جاتا ہے۔

۵۵۔ معمولی امراض میں عیادت ضروری نہیں:

(ابوھریرۃؓ) رفعه: ثلاث لا یعاد صاحب الرمد وصاحب الضرس وصاحب الدملة (اوسط بضعف)

تین قسم کے مریضوں کی عیادت چنداں ضروری نہیں جس کی آنکھ آگئی ہو یا جس کے دانت میں درد ہو یا جسے پھنسی نکل آئی ہو (یعنی معمولی قسم کی تکلیف میں عیادت ضروری نہیں)

۵۶۔ مریض کو تسکین و تسلّی دینا چاہیئے:

(ابوسعیدؓ) رفعه: اذا دخلتم علی مریض فنفسوا له فی اجله فان ذلك یطیب نفسه۔ (ترمذی)

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اُسے تسلّی دے کر غم کو دُور کر دو، اس سے اس کے دل کو راحت ہوتی ہے۔

۵۷ - مریض پر بار نہ ہونا چاہیے :

(ابن عباسؓ) قال من السنة تخفيف الجلوس وقلة الصخب في العيادة عند المريض قال وقال النبي صلى الله عليه وسلم لما كثر لغطهم واختلافهم قوموا عني - (رزین)

مریض کی عیادت کے وقت کم نشینی بھی سنت ہے ۔ اور شور کم کرنا بھی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بار جب شور اور اختلافی گفتگو زیادہ ہوئی تو فرمایا کہ : بھئی ! میرے پاس سے ہٹ جاؤ ۔

۵۸ - بندوں کا اتصال خدا سے :

(ابوھریرۃؓ) رفعه : ان الله تعالیٰ يقول يوم القيمة يا ابن آدم مرضت فلم تعدنى قال يارب كيف اعودك وانت رب العلمين ؟ قال اما علمت ان عبدى فلانا مرض فلم تعده اما علمت انك لو عدته لوجدتنى عنده يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمنى قال يارب كيف اطعمك و انت رب العلمين ؟ قال اما علمت انه استطعمك عبدى فلان فلم تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندى يا ابن آدم استسقيتك فلم تسقنى قال يا رب كيف اسقيك وانت رب العلمين ؟ قال استسقاك عبدى فلان فلم تسقه اما انك لو سقيته لوجدت ذلك عندى - (مسلم)

اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت پوچھے گا کہ : اے فرزندِ آدم ! میں بیمار رہا اور تو نے میری عیادت بھی نہ کی ، وہ کہے گا کہ : تو رب العالمین ہے (یعنی تو کبھی بیمار نہیں ہوتا) میں تیری کس طرح عیادت کرتا ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ : تجھے یاد نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا ، اور تو نے اس کی عیادت نہ کی ۔ تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا ۔ اے فرزندِ آدمؑ ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھے نہیں کھلایا ۔ وہ کہے گا کہ : تو رب العلمین ہے (کھانا نہیں کھاتا) پھر میں تجھے کھانا کیا کھلاتا ؟ فرمائے گا کہ : تجھے یاد نہیں کہ میرے ایک بندے نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اسے نہیں کھلایا ، تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھلا دیتا تو اسے تو میرے پاس ہی پاتا ۔ اے فرزندِ آدمؑ ! میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے نہیں پلایا ۔ وہ کہے گا کہ : تو رب العالمین ہے (پانی نہیں پیتا) تجھے کس طرح پلاتا ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ : میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے اسے نہیں پلایا ۔ اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اسے تو میرے پاس ہی پاتا ۔

۵۹ ۔ مریض کی خواہش طعام کی اپیل :

(ابن عباسؓ) ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عاد رجلا قال ما تشتھی؟ قال اشتھی خبز بر قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان عندہ خبز بر فلیبعث الی اخیہ ثم قال اذا اشتھی مریض احدکم شیئا فلیطعمہ ۔ (قزوینی بلین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت فرمائی اور پوچھا کہ : تھیں کس چیز کی اشتہا ہے ؟ کہا : نان گندم کی ۔ فرمایا کہ جس کے پاس نان گندم ہو وہ اپنے اس بھائی کے پاس بھیج دے ۔ پھر فرمایا کہ : جب کوئی مریض کسی چیز کی اشتہا ظاہر کرے تو اُسے وہ چیز دو ۔

۶۰ ۔ مریض سے اپنے لیے دُعا کرانا چاہیئے :

(عمرؓ) رفعہ : اذا دخلت علی مریض فمرہ ان یدعو لك فان دعاءہ کدعاء الملائکۃ (قزوینی)

جب کسی مریض کے پاس جاؤ تو اُس سے اپنے لیے دُعا کی درخواست کرو ۔ کیونکہ اُس کی دُعا فرشتوں کی دُعا کی طرح (مقبول) ہوتی ہے ۔

موت

۶۱ ۔ خدا سے اچھی ہی اُمیدیں رکھنی چاہئیں :

(حیان ابوالنضر) .... قال کیف ظنك بربك ؟ قال واشار برأسہ ای حسن قال ابشر فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قال اللّٰہ تعالی انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء ۔

(احمد ، اوسط)

ابوالاسود جرشی کی وفات کے وقت واثلہ بن اسقع اور حیان ابوالنضر عیادت کو گئے ۔ واثلہ نے پوچھا کہ : اللہ سے تمھیں کیا اُمیدیں ہیں ؟ ابوالاسود نے اپنے سر سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ : اچھی اُمیدیں ہیں ۔ واثلہ نے کہا کہ : مبارک ہو ہیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ : اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ : میں اس گمان سے قریب ہوں جو میرا بندہ میرے متعلق رکھتا ہے ۔ لہٰذا وہ جیسا چاہے میرے ساتھ گمان رکھے ۔

گریہ و غم

۶۲۔ زبان کا مقام کیا ہے ؟ :

(ابن عمرؓ) اشتکی سعد بن عبادہ
فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یعودہ مع عبد الرحمٰن بن عوف
وسعد و ابن مسعود فلما دخل علیہ
وجدہ فی غشیۃ فقال قد قضی
قالوا لا قال فبکی صلی اللہ علیہ وسلم
فلما رأی القوم بکاءہ بکوا قال الا
تسمعون ان اللہ لا یعذب بدمع
العین ولا بحزن القلب ولکن
یعذب بھذا واشار الی لسانہ او
یرحم ۔ (شیخین)

سعد بن عبادہؓ ایک بار بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف رضؓ اور سعد رضؓ بن مسعودؓ بھی ساتھ تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے تو ان کو بحالت غشی پایا۔ پوچھا کہ : کیا قضا کر گئے ؟ لوگوں نے کہا کہ : نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم روئے اور جب دوسروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : کیا تم نے سُنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوؤں یا دل کے غم کی وجہ سے عذاب نازل نہیں فرماتا بلکہ ــــ زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا :ــــ اس کی وجہ سے عذاب کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے رحم فرماتا ہے (یعنی اگر نوحہ کرے گا تو عذاب ہوگا اور صبر و شکر کرے گا تو رحمت ہوگی)۔

۶۳۔ جاہلیت کا ماتم :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : لیس منا من
ضرب الخدود وشق الجیوب ودعی
بدعوی الجاھلیۃ ۔ (شیخین ، ترمذی ، نسائی)

میری جماعت سے وہ خارج ہے جو اپنے منہ پر تھپّڑ مارے، گریبان چاک کرے اور جاہلیّت کی رسم کو رائج کرے۔

۶۴۔ ایضاً :

(امرأۃ من المبایعات) قالت کان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ بیعت جن معروف

فیما اخذ علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فی المعروف الذی اخذ علینا ان لا نعصیہ فیہ و ان لا نخمش وجھا ولا ندعوا ویلا ولا نشق جیبا ولا ننشر شعرًا ۔ (ابوداؤد)

باتوں کا ہم عورتوں سے عہد لیا تھا، ان میں یہ چیزیں بھی تھیں کہ: ہم معروف میں رسول اللّٰہ علیہ وسلّم کی نافرمانی نہ کریں گے اور منہ نہ نوچیں گے اور کوسنے نہ دیں گے ۔ (خلاصہ یہ کہ کسی غلط اور جاہلی طریق سے اظہارِ ماتم نہ کریں گے ۔)

۶۵۔ تین موقعوں پر خاموشی :

(زید بن ارقم) رفعہ : ان اللّٰہ یحب الصمت عند ثلاث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف وعند الجنازۃ ۔ (للکبیر برجل لم یسم ۔)

تین مواقع پر اللہ تعالیٰ خاموشی کو پسند فرماتا ہے ۔
۱ ۔ بوقت تلاوتِ قرآن حکیم
۲ ۔ بوقت جنگ ـــــ اور
۳ ۔ بوقتِ جنازہ ۔

نمازِ جنازہ

۶۶ ۔ حالات کے بدلنے سے احکامِ جنازہ میں تبدیلی :

(ابوھریرۃؓ) ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یؤتی بالرجل المتوفی علیہ الدین فیسأل ھل ترک لدینہ قضاء فان حدث انہ ترک وفاء و الا قال للمسلمین صلوا علی صاحبکم فلما فتح اللّٰہ علی رسولہ کان یصلی ولا یسأل عن الدین وکان یقول انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن توفی من المؤمنین فترک دینًا او کلا او ضیاعا فعلیّ والیّ ومن ترک مالا فلورثتہ ۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ایسا جنازہ آتا جس پر قرض ہوتا تو حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم دریافت فرماتے کہ کیا اس نے ادائے قرض کا کوئی بندوبست کیا ہے؟ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ ہاں کیا ہے (تو نماز پڑھ لیتے) ورنہ عام مسلمانوں سے فرماتے کہ تم جا کر نماز جنازہ پڑھ لو لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرض کے بارے میں کچھ سوال نہ فرماتے۔ بلکہ یہ فرماتے کہ: اہلِ ایمان کا سب سے قریب تر ولی میں ہوں، لہٰذا جو مسلمان قرض یا یتیم یا عیال چھوڑے اس کا ذمہ دار میں ہوں اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے ۔

۶۷۔ جنازے کا حق کس طرح ادا ہو جاتا ہے؟:

(ابو ھریرۃؓ) من تبع جنازۃ وحملھا ثلث مرات فقد قضی ما علیہ من حقھا۔ (ترمذی)

جو شخص کسی کے جنازے کے ساتھ چلے اور تین بار کندھا دے تو اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا۔

مشایعت جنازہ

۶۸۔ شہادت علی الناس کا آغاز اسی دنیا سے ہوتا ہے:

(ابو ھریرۃؓ) مرّوا علی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ فاثنوا علیھا خیرا فقال وجبت ثم مروا باخری فاثنوا علیھا شرا فقال وجبت ثم قال ان بعضکم ببعض شھداء۔ (ابو داؤد)

کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک جنازے کو لیے گزرے اور اس کی تعریفیں کیں۔ فرمایا کہ: اس کے لیے جنّت واجب ہو گئی۔ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو لوگوں نے اس کی بُرائی کی۔ فرمایا کہ: اس کے لیے دوزخ لازم ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ: تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے گواہِ عمل ہو۔

۶۹۔ ہمسایوں کی گواھی کی اہمیّت:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ما من عبد مسلم یموت فیشھد لہ ثلاثۃ ابیات من جیرانہ الادنین بخیر الا قال اللہ تعالیٰ قد قبلت شھادۃ عبادی علی ما علموا وغفرت لہ ما اعلم۔ (احمد)

اگر کوئی مسلمان مر جائے اور اس کے قریب ترین پڑوسیوں میں تین گھرانے بھی اس کی نیکی کی گواہی دیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میرے بندے اپنے علم کے مطابق جس خیر کی گواہی دے رہے ہیں میں اسے قبول کرتا ہوں اور اس کی جو بُرائی میں جانتا ہوں، اُسے میں معاف کرتا ہوں۔

تعزّیت

۷۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع تعزّیت نامہ :

(معاذؓ) انہ مات لہ ابن فکتب الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم التعزیۃ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو اما بعد فاعظم اللہ لک الاجر والھمک الصبر و رزقنا وایاک الشکر فان انفسنا واموالنا واھلنا من مواھب اللہ الھنیئۃ وعواریہ المستودعۃ متعک اللہ بہ فی غبطۃ وسرور وقبضہ منک باجر کبیر الصلٰوۃ والرحمۃ والھدیٰ ان احتسبتہ فاصبر ولا یحبط جزعک اجرک فتندم واعلم ان الجزع لا یرد میتا ولا یدفع حزنا وما ھو نازل فکان قد والسلام ۔ (کبیر، اوسط بضعف)

حضرت معاذ رضؓ کے ایک فرزند کا انتقال ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک تعزیت نامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا (ترجمہ) : شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے یہ تعزیت نامہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام ۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اما بعد اللہ تمھارے اجر کو اور زیادہ کرے ۔ اور ہمیں اور تمھیں شکر کی توفیق دے ۔ ہماری جانیں، ہمارے اموال اور ہمارے اہل و عیال سب کچھ اللہ کی خوش آئند بخششیں ہیں اور اس کی ودلیعت کردہ عارتیں ہیں تمھیں شک مسرت کے ساتھ اس سے سرفراز کرتا رہا ۔ اور بڑے اجر کے عوض تم سے اُسے واپس لے لیا ۔ یہ وہ ایسا اجر ہے صلوٰۃ رحمت اور ھدیٰ ہے ۔ لہٰذا اگر تم اسے کار ثواب سمجھتے ہو تو صبر سے کام لے لو تمھاری بے صبری تمھارے اجر و ثواب کو ضائع کر کے تمھیں نادم نہ کرنے پائے ۔ یہ سمجھ لو کہ بے صبری کا ماتم نہ مرے ہوئے کو واپس لا سکتا ہے نہ غم کو دور کر سکتا ہے اور ہونے والا حادثہ تو ہو کر ہی رہتا ہے ، والسّلام !

۷۱۔ زیارت قبور کا مقصد آخرت کی یاد ہے :

(بریدۃؓ) : قد کنت نھیتکم عن

میں نے تمھیں پہلے زیارت قبور سے روک دیا تھا،

زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکرکم الآخرۃ۔
(مسلم، اصحاب سنن)

(کیونکہ تم حدیث الاسلام تھے) (اب جب کہ توحید پختہ ہو چکی ہے) زیارت کر سکتے ہو۔ کیونکہ قبریں تمھیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ

۷۲۔ منعِ زکوٰۃ ہلاکتِ مال کا سبب بن جاتا ہے:

(عمرؓ) رفعہ: ما تلف مال فی برّ و بحر الا بحبس الزکوٰۃ (اوسط بضعف)

بحر و بر میں جو مال تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ روک رکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۷۳۔ منعِ زکوٰۃ قحط سالی کا بھی سبب ہوتا ہے:

(بریدۃؓ) رفعہ: مامنع قوم الزکوٰۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین)

جب لوگ زکوٰۃ ادا کرنا بند کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

عاملِ صدقہ کو ہدایات

۷۴۔ محصّلِ صدقہ کے لیے ضروری تنبیہ:

(ابن حمیدؓ الساعدی) استعمل النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا من الازد یقال لہ ابن اللتبیۃ علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم و ھذا اھدی الیّ فقام النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ازدی شخص کو عاملِ صدقہ مقرر فرمایا، جس کا نام ابن لُتبیہ تھا۔ جب وہ صدقات لے کر آیا تو بولا کہ: یہ تو ہے آپ لوگوں کے لیے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ: میں اس اختیار سے جو مجھے اللہ نے دیا ہے۔ تم میں سے کسی کو عامل بناتا ہوں اور وہ آ کر یہ

فانی استعمل الرجل منکم علی العمل مما ولانی اللہ فیأتی فیقول ھذا لکم وھذہ ھدیۃ اھدیت لی افلا جلس فی بیت ابیہ وامہ حتی تأتیہ ھدیتہ ان کان صادقا واللہ لا یأخذ احد منکم شیئا بغیر حقہ الا لقی اللہ یحملہ یوم القیٰمۃ فلا اعرفن احدا منکم لقی اللہ یحمل بعیرا لہ رغاء او بقرۃ لہا خوار اوشاۃ تیعر ثم رفع یدیہ حتی رؤی بیاض إبطیہ یقول اللّٰھم ھل بلغت - (شیخین، ابوداؤد)

کہتا ہے کہ یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اپنے والدین کے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اس کے پاس ہدیہ آتا ہے یا نہیں۔ خدا کی قسم تم میں سے جو بھی ناحق کوئی چیز وصول کرے گا وہ اُسے قیامت میں اُٹھائے ہوئے خدا کے سامنے پیش ہوگا (میں وہاں تم میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں پہچانوں گا، جو خدا کے سامنے بلبلاتا ہوا اُونٹ یا ڈکارتی ہوئی گائے یا چلاتی ہوئی بکری کو اُٹھائے ہوئے حاضر ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اتنے بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی اور فرمایا کہ : الٰہی میں نے تیرا پیغام پہنچانے کا فرض ادا کر دیا ہے۔

۷۵ - دیانتدار محصّل کی فضیلت :

(رافع بن خدیجؓ) رفعہ : العامل فی الصدقۃ بالحق کالغازی فی سبیل اللہ حتی یرجع الی بیتہ - (ابوداؤد، ترمذی)

حصولِ صدقات کا سچائی سے کام کرنے والا گھر واپس آنے تک ایسا ہی ہے، جیسے راہِ خدا میں جہاد کرنے والا۔

۷۶ - ادائے زکوٰۃ میں خُوش دلی کی دُعا کرو :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : اذا اعطیتم الزکٰوۃ فلا تنسوا ثوابہا ان تقولوا اللّٰھم اجعلہا مغنما ولا تجعلہا مغرما - (قزوینی، بضعف)

جب تم زکوٰۃ ادا کرو تو اُس کے ثواب کے پہلو کو نہ بھولو جو اس دُعا سے حاصل ہوتا ہے کہ : اے اللہ! اسے مالِ غنیمت بنا (جس کے لینے میں خوشدلی ہوتی ہے) اور تاوان نہ بنا (جس کے دینے میں کُڑھن ہوتی ہے)

زکوٰۃ کس کو دینا جائز نہیں

۷۷۔ غنی اور ہٹے کٹے کے لیے بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں:

(ابن عمرؓ و بن العاص) رفعہ: لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی۔ (نسائی)

صدقے کا مال نہ غنی کے لیے جائز ہے اور نہ ہٹے کٹے آدمی کے لیے۔

۷۸۔ صدقے کے استعمال میں حضرت عمرؓ کی احتیاط:

(زیدؓ بن اسلم) شرب عمر لبنا ما عجبه فسأل من این هو؟ فاخبر انه من نعم الصدقة فادخل یده فاستقاءه۔ (مالک)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایک بار دودھ پیا تو انھیں خوب لطف آیا۔ پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ کسی نے کہا صدقے کے جانور کا ہے۔ آپؓ نے اپنی انگلیاں ڈال کر فوراً قے کر دی۔

صدقات یا کارِ خیر

۷۹۔ مالِ طیب کی زکوٰۃ کا فضل:

(ابو ہریرۃؓ) رفعه: ما تصدق احد بصدقة من طیب ولا یقبل الله الا الطیب الا اخذها الرحمٰن بیمینه وان کانت تمرة فتربو فی کف الرحمٰن حتی تکون اعظم من الجبل کما یربی احدکم فلوه او فصیلة۔ (للستة)

اللہ تعالیٰ پاک ہی چیزوں کا صدقہ قبول فرماتا ہے۔ لہٰذا جو شخص پاک صدقہ دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ سے لیتا ہے خواہ وہ ایک چھوہارا ہی کیوں نہ ہو اور وہ خدا کے ہاتھ میں بڑھتے بڑھتے پہاڑ سے بھی بڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی بڑھنت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے تم دودھ چھڑانے کے بعد اپنے بچھیرے کو (خوب کھلا پلا کر) بڑھا لیتے ہو۔

۸۰ ۔ کپڑا پہنانے کا اجر :

(ابن عباسؓ) جاءہ سائل فقال له ابن عباس اتشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ؟ قال نعم قال وتصوم رمضان ؟ قال نعم قال سألت وللسائل حق انہ یحق علینا ان نصلک فاعطاہ ثوبا ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مامن مسلم یکسو مسلما ثوبا الا کان فی حفظ اللہ ما دام علیہ منہ خرقۃ ۔ (ترمذی)

عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس ایک سائل آیا ۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کلمۂ شہادت (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کے قائل ہو ؟ کہا ہاں ۔ پوچھا : رمضان کے روزے رکھتے ہو ؟ کہا : ہاں ! فرمایا : تم سائل ہو اور سائل کا حق ہوتا ہے ۔ ہم پر تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ضروری ہے ۔ پھر آپ نے اُسے کپڑا دیا اور کہا کہ : میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ایک مسلمان اگر کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا پہنائے تو وہ پہنانے والا اس وقت تک حفاظت خداوندی میں رہتا ہے جب تک اُس کی ایک دھجی بھی اس کے جسم پر باقی ہے ۔

۸۱ ۔ چند نیکیوں کی برکات :

(ابو امامۃؓ) رفعہ : صنائع المعروف تقی مصارع السوء وصدقۃ السر تطفئ غضب الرب وصلۃ الرحم تزید فی العمر ۔ (کبیر)

معروف کام کرنا بُری موت (یا آفات) سے بچاتا ہے اور پوشیدگی کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلۂ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے ۔

۸۲ ۔ سخی اور بخیل کا فرق :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : مامن یوم یصبح فیہ العباد الا ملکان ینزلان یقول احدھما اللھم اعط منفقاً خلفاً ویقول الاخر اللھم اعط ممسکا تلفاً ۔

(شیخین)

ہر روز جب بندوں کی صبح ہوتی ہے ، تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ۔ ایک یہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ ہر انفاق کرنے والے کو اس کے انفاق کی جزا دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ ہر کنجوس پر بربادی نازل فرما ۔

چند مستحقینِ زکوٰۃ

۸۳- بال بچوں پر خرچ کرنا سب سے بہتر خرچ ہے :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ و دینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک (مسلم)

اپنی رقم تم اللہ کی راہ میں (جہاد میں) بھی صرف کرتے ہو اور قیدی کی آزادی میں بھی مسکین کو بھی دیتے ہو اور اپنے اہل و عیال کو بھی، ان سب مصارف میں سب سے بڑھ کر ثواب اس خرچ میں ہے، جو تم اپنے اہل و عیال پر کرتے ہو۔

۸۴- اپنے آپ کو کھلانا بھی صدقہ ہے :

(المقدام بن معدی کربؓ) رفعہ: ما اطعمت نفسك فھولك صدقۃ وما اطعمت ولدك فھولك صدقۃ ما اطعمت زوجتك فھولك صدقۃ وما اطعمت خادمك فھو لك صدقۃ۔ (احمد)

تم اپنے آپ کو کھلاؤ یا اپنی اولاد کو یا اپنی بیوی کو یا اپنے خادم کو، یہ سب کا سب صدقہ ہی ہے۔

۸۵- صدقے کے اول مستحق قرابت مند ہیں :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : والذی بعثنی بالحق لا یعذب اللہ یوم القیمۃ من رحم الیتیم و لان لہ فی الکلام ورحم یتمہ ولم یتطاول علی جارہ بفضل ما اتاہ اللہ

قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اس شخص پر عذاب نہیں کرے گا جس نے یتیم پر رحم کیا ہو، اس سے نرمی سے بات کی ہو، اس کی یتیمی اور کمزوری پر ترس کھایا ہو، نیز اپنے پڑوسی

یا امۃ محمّد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجل ولہ قرابۃ محتاجون الی صلتہ ویصرفہا الی غیرہم والذی نفسی بیدہ لا ینظر اللہ الیہ یوم القیٰمۃ ۔

(اوسط ۔ بلین)

پر اللہ کی زائد نعمتیں حاصل ہونے کی وجہ سے ظلم نہ کرے اے اُمّتِ محمّدیہ! قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا ایسا صدقہ قبول نہیں فرمائے گا کہ ادھر اس کے قرابت مند اس کی صلۂ رحمی کے محتاج ہوں اور ادھر وہ غیروں کو دیتا پھرے ۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف قیامت کے دن رُخ بھی نہیں کرے گا ۔

صدقے کا وسیع مفہوم

۸۶ ۔ کلمۂ خیر بھی صدقہ ہے :

(عدی رضؓ بن حاتم) رفعہ : اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجدوا فبکلمۃ طیّبۃ ۔ (شیخین ، نسائی)

آگ سے بچنے کی کوشش کرو چاہے آدھا خرما ہی دے کر کرو ، اور اگر یہ بھی میسّر نہ ہو تو اچھی بات کہہ کر ہی سہی ۔

۸۷ ۔ مسکین کی جو مدد ہو سکے کرو :

(ام بجیدؓ الانصاری) رفعتہ : ردّوا المسکین ولو بظلف محرق (مالک ، اصحاب سنن)

مسکین کو کچھ دے کر واپس کرو ، خواہ ایک جلا ہوا پایہ ہی کیوں نہ ہو ۔

۸۸ ۔ بہترین صدقہ اور اُس کا اوّل حق دار :

(ابو ھریرۃؓ) قال یارسول اللہ ای الصدقۃ افضل ؟ قال جُہدُ المُقِلّ وابدأ بمن تعول ۔

(ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بہترین صدقہ کون سا ہے ؟ آپ نے فرمایا : وہ جسے ایک تنگدست بمشقت عطا کرے ، اور دیتے وقت ہمیشہ ابتدا اُن لوگوں سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمّہ ہے ۔

۸۹۔ اہم معاملات کے لئے بھی اذان و نماز ہوتی تھی۔

(جابرؓ) اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم عراۃ مجتابی النمار و العباء متقلدی السیوف عامتھم من مضر بل کلھم من مضر فتمعر وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی بھم من الفاقۃ فدخل ثم خرج فامر بلالا فنادی واقام فصلی ثم خطب فقال ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ الی رقیبا والآیۃ التی فی الحشر اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد تصدق رجل من دینارہ من درھمہ من ثوبہ من صاع برہ من صاع تمرہ حتی قال ولو بشق تمرۃ فجاء الناس حتی رأیت کومین من طعام وثیاب حتی رأیت وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتھلل کانہ مدھنۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شئی ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ اس حالت میں آئے کہ ان کے پاس کافی کپڑے نہ تھے صرف مخطط صوف کے کُرتے اور عبائیں پہنے ہوئے اور تلواریں پہلو میں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر بلکہ سب کے سب قبیلہ مُضَر سے تعلق رکھنے والے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر فاقے کے اثرات دیکھے، تو چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں کبھی گھر کے اندر تشریف لے جاتے تھے کبھی باہر تشریف لے آتے تھے۔ آخر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اُنھوں نے اذان دی، اقامت کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت رقیبا تک پڑھی:

ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ (ترجمہ): اے لوگو! اپنے اُس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ نیز سورۃ حشر کی یہ آیت بھی پڑھی: اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد (ترجمہ)، خدا سے ڈرو! اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ لوگوں نے دینار درہم، کپڑا اور صاع بھر جَو اور کھجور تک دینا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدھا خرما دے سکتا ہے وہ بھی دے چنانچہ لوگ اپنی اپنی چیزیں لیے ہوئے آئے۔ میں نے دیکھا کہ کھانے اور کپڑے کی دو ڈھیریاں لگ گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نظر پڑی تو اس طرح دمک رہا تھا، جیسے اس پر چکنا ہٹ ڈل دی گئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ووزرمن عمل بها من غیر ان ینقص من اوزارهم شیٔ۔
(مسلم، نسائی)

نے فرمایا کہ: جو اسلام میں کوئی اچھا نمونہ پیش کرتا ہے اس کو اس کے اپنے عمل کا ثواب بھی ملتا ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے۔ لیکن بعد والے کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس کے برعکس اگر کوئی بُرا نمونہ پیش کرے تو اس پر اس کے اپنے عمل کا بھی بوجھ پڑے گا اور اس کا بھی جو بعد میں اس پر عمل کرے بغیر اس کے کہ بعد والوں کے بوجھ میں کوئی کمی کی جائے۔

متعلّقاتِ صدقہ

۹۰۔ صدقے کے کئی قابلِ لحاظ پہلو:

(ابوھریرۃؓ) (۱) الید العلیا خیر من الید السفلی (۲) وابدأ بمن تعول (۳) وخیر الصدقۃ عن ظھر غنیً (۴) ومن یستعفف یعفہ اللہ (۵) ومن یستغن یغنہ اللہ۔
(بخاری، ابوداؤد، نسائی)

(۱) اُوپر کا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (۲) اور عطاء و بخشش کی ابتداء اُن لوگوں سے کرو جن کا رزق تمھارے ذمے ہے۔ (۳) اچھا صدقہ وہ ہے جو غنیٰ کو قائم رکھتے ہوئے دیا جائے۔ (۴) اور جو عفیف رہنے کی سعی کرے گا اللہ اُس کو عفیف رکھے گا (۵) اور جو بے نیازی و استغنا چاہے گا۔ اللہ اُس کو بے نیاز کر دے گا۔

۹۱۔ یدِ عُلیا اور یدِ سُفلی کی شرح:

(ابن عمرؓ) رفعہ: الید العلیا خیر من الید السفلی والعلیا ھی المنفقۃ والسفلی ھی السائلۃ (للستۃ الا الترمذی)

اُوپر کا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے کہیں بہتر ہے۔ اُوپر کے ہاتھ سے مُراد خرچ کرنے والا ہاتھ ہے۔ اور نیچے والے ہاتھ سے مراد وہ ہے جو طلبِ سوال کے لیے پھیلے۔

۹۲۔ ایسا صدقہ نہیں چاہیئے جو خود کو مفلس کر دے:

(جابرؓ) کنا عند رسول اللہ صلی اللہ

ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ

عليه وسلم اذ جاء رجل بمثل البيضة من ذهب فقال يا رسول الله اصبت هذا من معدن فخذها فهي صدقة ما املك غيرها فاعرض عنه ثم قال مثل ذلك من قبل يمينه فاعرض عنه ثم من ليساره فاعرض عنه ثم من خلفه فاخذها صلى الله عليه وسلم فحذفه بها فلو اصابته لأوجعته اولعقرته وقال يأتي احدكم بجميع ما يملك فيقول هذه صدقة ثم يقعد يستكف الناس خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى۔ (ابو داؤد)

ایک آدمی بیضے کے برابر سونے کا ایک ڈلا لایا اور کہنے لگا کہ : یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایک کان سے ملا ہے ۔ آپ اسے بطور صدقہ قبول فرما لیجئے۔ اور میرے پاس یہی پونجی ہے ۔ آپ نے یہ سُن کر اعراض فرمایا : اب اس نے داہنی طرف گھوم کر یہی بات کہی، آپ نے اس پر بھی توجہ نہ کی ۔ پھر بائیں جانب سے آیا اور آپ نے پھر منہ پھیر لیا ۔ پھر یہ پیچھے کی طرف لوٹ کر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی بات دہرائی۔ آپ نے یہ ڈلا لیا اور اس کی طرف اس زور سے دے مارا کہ اگر اُسے لگ جاتا تو اُسے تکلیف پہنچاتا ، یا زخمی کر ڈالتا ۔ پھر آپ نے فرمایا : بعض آدمی اپنا پورا اثاثہ لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صدقہ ہے اور پھر تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں ۔ یاد رکھو بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ کو قائم رکھتے ہوئے دیا جائے ۔

۹۳ ۔ دینا ہے تو بے حساب دو :

(عائشةؓ) دخل على سائل مرة وعندي رسول الله صلى الله عليه وسلم فامرت له بشيئ ثم دعوت به فنظرت اليه فقال صلى الله عليه وسلم اما تريدين ان لا يدخل بيتك شئ ولا يخرج الا بعلمك؟ قلت نعم قال مهلا يا عائشة لا تحصى فيحصى الله عليك۔

(ابو داؤد، نسائی)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میرے پاس ایک سائل آیا ۔ میں نے اُسے کچھ دے دینے کو کہا ۔ پھر اس کو بُلا لیا اور دیکھا کہ اُسے کیا دیا ہے آپ نے فرمایا : تم یہی چاہتی ہونا ؟ کہ تمھارے گھر میں جتنا آئے اور جتنا خرچ ہو ۔ اُس کا تم کو علم رہے ۔ میں نے (عائشہ رضی اللہ عنہا نے) کہا ، جی ہاں ! فرمایا : حساب کتاب کے پھیر میں نہ پڑو ۔ گِن گِن کر نہ دو ۔ ورنہ اللہ تمھیں بھی گِن گِن کر دے گا ۔

۹۴ - نیکی کا ثواب کافر کو بھی ملتا ہے:

(ابن مسعودؓ) رفعہ ، ما احسن محسن من مسلم ولا کافر الا اثیب قلنا : یا رسول اللہ ھذہ اثابۃ المسلم قد عرفناھا فما اثابۃ الکافر؟ قال اذا تصدق بصدقۃ او وصل رحما او عمل حسنۃ اثابہ اللہ بھذا المال والولد فی الدنیا و عذابا دون العذاب فی الاخرۃ وقرأ ادخلوا أل فرعون اشد العذاب - (بزار)

فرمایا : کوئی شخص بھی ، مسلم ہو، چاہے کافر، جب نیکی کا کوئی کام کرے گا تو اس کا صلہ دیا جائے گا ۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمان کو ثواب سے بہرہ مند کیا جاتا ہے، اس کا تو ہمیں علم ہے لیکن کافر کو ثواب کیونکر ملتا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا: جب وہ عطا و بخشش اختیار کرتا ہے یا قرابت داری کا خیال رکھتا ہے، یا اور کوئی عمدہ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں مال ومنال اور اولاد کی صورت میں اس کا صلہ دیتا ہے اور آخرت میں اس کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے، خاتمے پر آپؐ نے یہ آیت پڑھی : ادخلوا آل فرعونؑ اشد العذاب (آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو)

۹۵ - بچ رہنے کا صحیح مطلب ؟ :

(عائشہؓ) انھم ذبحوا شاۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مابقی منھا؟ قالت مابقی منھا الا کتفھا قال بقی کلھا الاکتفھا - (ترمذی)

اُنھوں نے ایک بکری ذبح کی - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : کچھ اس میں سے بچا بھی ہے ؟ حضرت عائشہ رض نے کہا : ہاں ! ایک دست بچا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا : نہیں ! بلکہ بجز اس دست کے اور سب کچھ بچ گیا ہے ۔

۹۶ - ہر کارِ خیر صدقہ ہے، اور باعثِ اجر :

(ابو ذرؓ) ان ناسا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا یا رسول اللہ ذھب اھل الدثور بالاجور یصلون کما نصلی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے کہا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرمائے والوں نے اجر کی بازی جیت لی ۔ وہ نماز اور روزے میں تو ہمارے برابر کے شریک ہیں ۔ لیکن ان کو یہ رعایت حاصل ہے،

ویصومون کما نصوم ویتصدقون بفضول اموالھم قال اولیس قد جعل اللہ لکم ما تصدقون به ان بکل تسبیحة صدقة وکل تکبیرة صدقة وکل تحمیدة صدقة وکل تھلیلة صدقة وامر بالمعروف صدقة ونھی عن منکر صدقة وفی بضع احدکم صدقة قالوا یارسول اللہ ایأتی احدنا شھوته ویکون له فیھا اجر؟ قال ارأیتم لو وضعھا فی حرام کان علیه وزر؟ فکذلك اذا وضعھا فی الحلال کان له اجر۔ (مسلم)

کہ زائد مال کو خوب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں وہ دولت نہیں دی، جو تم اس کی راہ میں لٹا سکو؟ سن لو ہر تسبیح پر نیکی و اجر ہے، ہر تکبیر پر نیکی و اجر ہے۔ ہر تحمید پر نیکی و اجر ہے، ہر تہلیل پر نیکی و اجر ہے، امر بالمعروف میں اجر ہے۔ برائی سے روکنے میں نیکی ہے حتیٰ کہ جنسی تعلقات میں بھی نیکی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی اپنی خواہشات کو پورا کرے اور اس پر بھی اجر و نیکی کا مستحق ٹھہرے۔؟ آپؐ نے فرمایا کہ: اگر وہ خواہشات کا غلط استعمال کرتے ہوئے حرام کا مرتکب ہوتا، تو کیا اس پر کوئی گناہ عاید نہ ہوتا؟ اسی طرح جب اس نے اس کا صحیح استعمال کیا، تو اجر کا بھی مستحق ہوا۔

۹۷۔ سات اہلِ فضل:

(ابو ہریرہؓ) رفعه: سبعة یظلھم اللہ فی ظله یوم لا ظل الا ظله (۱) الامام العادل و(۲) شاب نشأ فی عبادة اللہ و(۳) رجل قلبه معلق بالمسجد اذا خرج منه حتی یعود الیه (۴) رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علی ذلك وتفرقا علیه و(۵) رجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف

سات ایسے اشخاص ہیں کہ ان پر اللہ کا سایہ ہوگا اور ایسے دن میں کہ اس میں سوائے اللہ کے سائے کے اور کہیں تمھیں پناہ نہیں ملے گی۔ (۱) امام عادل (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا پلا اور بڑھا (۳) وہ شخص کہ مسجد سے باہر نکل کر بھی اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہا، یہاں تک کہ وہ پھر مسجد میں آئے (۴) وہ دو شخص جنھوں نے اللہ کے لیے محبت کی، اسی پر جمع ہوئے اور اسی سبب سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے (۵) وہ آدمی جس کو ایسی عورت نے برائی کی

الله و (۶) رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه و (۷) رجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه۔

(شیخین)

طرف بلایا جو منصب بھی رکھتی ہے اور جمال بھی لیکن اس نے جواب میں کہا کہ اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ شخص جس نے کوئی چیز اللہ کی راہ میں دی ہو اور اتنا اس میں اخفا سے کام لیا ہو کہ اُلٹے ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہوئی ہو کہ سیدھے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔(۷) اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

سوال اور قناعت

۹۸۔ پیشہ ور بھکاری کا انجام :

(ابن عمرؓ) لا تزال المسألة باحدکم حتی یلقی الله تعالی ولیس فی وجهه مزعة لحم۔ (شیخین، نسائی)

ایک شخص جو بھیک مانگتا رہے، اللہ (تعالیٰ) سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔

۹۹۔ سوال سے لکڑی کا بوجھ ڈھولینا بہتر ہے :

(ابو هریرةؓ) رفعه، لان یحتطب احدکم حزمة علی ظهره خیر له من ان یسأل احدا فیعطیه او یمنعه (الستة الا ابا داؤد)

تم میں سے کسی شخص کا اپنی پشت پر لکڑی کا گٹھا رکھ لینا (اور اُسے بیچ لینا) اس سے کہیں بہتر ہے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ پھر بھی وہ چاہے تو دے اور چاہے تو نہ دے۔

۱۰۰۔ سوال سے فقر کا دروازہ کھلتا ہے :

(ابو هریرةؓ) رفعه : لا یفتح احدکم علی نفسه باب مسألة الا فتح الله علیه باب فقر (موصلی)

جو شخص اپنے اُوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، خدا اس پر افلاس و احتیاج کا باب وا کر دیتا ہے۔

۱۰۱۔ سوال کس کے لیے جائز ہے؟ (ایک قابلِ اقتدا اسوہ)

(انس رضؓ) ان رجلا من الانصار اتی
النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یسألہ
فقال اما فی بیتك شئ؟ قال بلی
حِلس نلبس بعضہ ونبسط
بعضہ وقعب نشرب فیہ الماء
قال ائتنی بہما فاتاہ بہما
فاخذھما بیدہ وقال من
یشتری ھذین؟ قال رجل انا آخذھما
بدرھم قال صلّی اللہ علیہ وسلّم
من یزید علی درھم؟ مرتین
او ثلاثا قال رجل انا آخذھما
بدرھمین فاعطاھما ایاہ فاخذ الدرھمین
واعطاھما الانصاری وقال اشتر باحدھما
طعاما فانبذہ الی اھلك واشتر
بالآخر قدوما فأتنی بہ فاتاہ بہ
فشد فیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عودًا
بیدہ ثم قال اذھب فاحتطب
وبع ولا اراك خمسۃ عشر یوما
ففعل وجاء وقد اصاب عشرۃ
دراھم فاشتری ببعضھا ثوبا
وببعضھا طعاما فقال لہ
صلّی اللہ علیہ وسلّم ھذا خیر لك
من ان تجئ المسئلۃ نکتۃ
فی وجھك یوم القیمۃ ان المسئلۃ لا تصلح

ایک انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آیا اور کچھ مانگنے لگا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تمھارے گھر میں
کوئی چیز نہیں ہے؟ اُس نے کہا: کیوں نہیں، ایک
ٹاٹ ہے جس کا ایک حصّہ ہم اوڑھتے ہیں اور ایک سے ہم
فرش کا کام لیتے ہیں۔ دوسرا ایک پیالہ ہے جس میں ہم
پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دونوں چیزیں گھر سے لیتا آ۔
وہ لے آیا۔ آپؐ نے انھیں اپنے قبضے میں لے لیا اور
پوچھا: انھیں کون خریدتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں
اس کو ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ایک سے
زیادہ درہم کا کون خریدار ہے؟ دو یا تین مرتبہ یہ فرمایا۔ ایک
آدمی نے کہا۔ میں دو درہم میں یہ دونوں چیزیں خرید لیتا ہوں۔
آپؐ نے اس سے یہ دونوں درہم لیے اور انصاری کو دیتے
ہوئے فرمایا: ایک درہم سے کھانے پینے کی چیزیں خرید لے
اور بال بچوں کے لیے گھر بھیج دے۔ دوسرے درہم کا ایک
کلہاڑا لے لے۔ اور لا کر مجھے دکھا۔ وہ گیا اور کلہاڑا خرید
لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔ آپؐ نے
اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی کا دستہ ٹھونکا اور فرمایا:
جاؤ اس سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو۔ اب پندرہ دن تک
میں تمھیں نہ دیکھوں۔ اس نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی پندرہ
دن کے بعد آیا تو اس کے پاس دس درہم ہو گئے تھے۔ اس
سے اس نے کپڑا خریدا اور کھانے پینے کا سامان مہیا کیا۔
آپؐ نے فرمایا: یہ مشغلہ اس سے کہیں بہتر ہے۔ بھیک مانگنے
سے قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ پڑ جاتے۔ یاد رکھو!
کہ سوال صرف تین اشخاص کے لیے جائز ہے۔ ایک اس کے

الا لثلاث لذی فقر مُدقع او الذی غرم مُفظِع او لذی دم مُوجِع ۔
(ابو داؤد)

لیے جو ذلت رساں فقر میں مبتلا ہو یا جس پر کوئی خوفناک تاوان عاید ہوتا ہو ۔ یا جودیت کے اعتبار سے تکلیف میں مبتلا ہو ۔

۱۰۲۔ سوال بس خدا ہی سے ہونا چاہیئے :

(ابن مسعودؓ) رفعه : من نزلت به فاقة فانزلها بالناس لم تسد فاقته ومن نزلت به فاقة فانزلها بالله فيوشك الله له برزق عاجل او آجل ۔
(ابو داؤد، ترمذی)

اگر کسی پر فاقہ کی نوبت آجائے اور وہ اس سے مخلصی کے لیے لوگوں کی طرف رجوع کرے تو اس کا فاقہ دور نہ ہوگا ۔
اور اگر فاقہ کشی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اس کے لیے رزق کا اہتمام فرمائے گا ۔

۱۰۳۔ کامیاب آدمی کون ہے ؟

(ابن عمرو بن العاص) رفعه : قد افلح من اسلم و رزق كفافاً وقنّعه الله بما آتاه ۔ (مسلم، ترمذی)

وہ کامیاب رہا جس نے اسلام قبول کیا اور جس کو روزی بقدر کفایت ہی ملی اور اللہ نے جتنا کچھ بھی دیا اس پر اسے قناعت بھی بخشی ۔

۱۰۴۔ انسان کا دنیا میں اصلی حق کیا ہے ؟

(عثمانؓ) رفعه : ليس لابن آدم حق فی سوی هذه الخصال بيت يكنه وثوب يواری عورته وجِلف الخبز والماء
(ترمذی)

ابن آدم کا حق سوا ان (تین) چیزوں کے کسی اور شے سے وابستہ نہیں، وہ گھر جس میں وہ رہے، وہ کپڑا جس سے وہ ستر پوشی کا کام لے اور خشک روٹی اور پانی ۔

۱۰۵۔ سب سے زیادہ قابل رشک ولی کون ہے ؟ :

(ابو امامةؓ) رفعه : ان اغبط اوليائی عندی مؤمن خفيف الحاذ ذو حظ

اللہ کا کہنا ہے کہ : میرے دوستوں میں سے زیادہ قابلِ رشک وہ مومن ہے جو سبک حال ہو، نماز سے بہرہ مند ہو، اپنے

من الصلوٰۃ احسن عبادۃ ربہ واطاعہ فی السر وکان غامضا فی الناس لا یشار الیہ بالاصابع وکان رزقہ کفافا فصبر علی ذلک ثم نقر بیدہ فقال عجلت منیتہ قلت تراثہ قلت بواکیہ۔ (ترمذی)

رب کی اچھی طرح عبادت کرتا ہو۔ پوشیدگی میں بھی اس کا اطاعت گزار ہو۔ لوگوں میں اس طرح غیر معروف زندگی بسر کرتا ہو کہ اس کی طرف انگلیاں نہ اٹھتی ہوں، اور رزق اگرچہ اس کو بقدر کفایت ہی میسر ہوتا ہو، تاہم اس پر صابر و قانع ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا، اس کی موت بھی جلد ہی آجائے، وہ کچھ چھوڑ کر جائے وہ کم ہو اور اس کو رونے والیاں بھی کم ہوں۔

۱۰۶۔ غنا کا تعلق دل سے ہے نہ کہ مال سے:

(ابوھریرۃ رضی) رفعہ: لیس الغنیٰ عن کثرۃ العرض ولکن الغنیٰ غنی النفس۔ (شیخین، ترمذی)

ساز و سامان کی کثرت سے کوئی شخص غنی نہیں ہوتا، غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو۔

۱۰۷۔ مسکین کی صحیح تعریف:

(ابوھریرۃ رضی) رفعہ: لیس المسکین الذی ترّدہ اللقمۃ واللقمتان والتمرۃ والتمرتان ولکن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن بہ فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسأل الناس۔ للستۃ الا الترمذی وفی روایۃ: انما المسکین الذی یتعفف اقرؤا ان شئتم لا یسألون الناس الحافا۔

مسکین وہ نہیں کہ ایک دو لقمے یا ایک دو خرمے بھی اس کو جواب دے دیں مسکین تو وہ ہے جو غنا سے محروم ہو۔ اور لوگوں کو بظاہر اس کی غربت کا احساس نہ ہو، کہ وہ اس کو دیں۔ اور وہ خود لوگوں سے سوال کرنے نہ کھڑا ہو۔ ایک اور روایت میں ہے: قرآن حکیم کی اصطلاح میں مسکین وہ ہے جو محتاج ہونے کے باوجود عفیف رہے۔ اس کی تائید میں چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: لا یسألون الناس الحافا۔ (ترجمہ: یہ لوگوں کے سامنے اول تو ہاتھ ہی نہیں پھیلاتے اور اگر سوال کرتے بھی ہیں تو پیچھے نہیں پڑتے۔

۱۰۸۔ نعمتِ الٰہی کی تحقیر سے بچنے کا علاج:

(ابوھریرۃ رضی) انظروا الی من ھو اسفل

دنیا کے لحاظ سے تو اس کی طرف دیکھو، جو تم سے کم

منكم في الدنيا و فوقكم في الدين فذلكم في احدر ان لا تزدروا نعمة الله عليكم۔
(رزين)

درجے کا ہے اور دین میں اس کی طرف دیکھو جو تم سے اونچے مرتبے کا ہے یہ بات تمھارے لیے زیادہ مناسب ہے کہ اس طرح تم تحقیرِ نعمت کی معصیت سے بچ جاؤ گے ۔

۱۰۹ ۔ بلا سوال اگر کچھ مل جائے تو اُسے قبول کر لینا چاہیئے :

(عطاءؓ بن یسارؓ) ان النبي صلى الله عليه وسلم ارسل الى عمر بعطائه فرده عمر فقال له لم رددته؟ فقال يا رسول الله أليس اخبرتنا ان خير لاحدنا ان لا يأخذ من احد شيئا؟ فقال له صلى الله عليه وسلم انما ذلك عن المسئلة فاما ما كان من غير مسئلة فانما هو رزق يرزقكه الله فقال عمر اما والذي نفسي بيده لا اسأل احدا شيئا ولا يأتيني شئ من غير مسئلة الا اخذته ۔
(مالك، شيخين، نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز حضرت عمرؓ کے پاس بطور عطیہ بھیجی۔ آپؓ نے اسے لوٹا دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیوں لوٹایا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ آپؐ ہی کا ارشاد نہیں کہ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم کسی سے بھی کوئی چیز نہ لیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ سوال نہیں ہونا چاہیئے اور جو بغیر سوال کے میسر آئے وہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے جس سے اس نے تمھیں بہرہ مند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آئندہ میں کسی سے بھی از خود کوئی شے طلب نہیں کروں گا۔ اور جو چیز بغیر طلب کے میرے پاس آئے گی اُسے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا ۔

۱۱۰ ۔ شیطان خون کے ساتھ دوڑتا ہے :

(صفيةؓ) كان النبي صلى الله عليه وسلم معتكفا فاتيته ازوره ليلا فحدثته ثم قمت لانقلب فقام معي ليقلبني وكان مسكنها في دار اسامة فمر رجلان من الانصار فلما رأيا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے اور میں (اُم المومنین صفیہؓ) شب کے وقت ملنے آئی اور گفتگو کرتی رہی۔ پھر واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے تا کہ مجھے چھوڑ آئیں۔ صفیہؓ کا مکان دار اسامہ میں تھا۔ اتنے میں دو انصاری بھی

النبیّ اسرعا فقال علی رسلکما انہا صفیۃ بنت حییّ فقالا سبحان اللہ یا رسول اللہ فقال ان الشیطٰن یجری من ابن اٰدم مجری الدم وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شرًّا او قال شیئًا۔

(شیخین، ابو داؤد)

ادھر سے گذرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر انہوں نے اپنے قدم تیز کر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہیں ٹھہرے رہو۔ یہ صفیہ بنت حیی ہیں (لہٰذا تمھیں کوئی سوئے ظن نہ ہو) عرض کیا: توبہ توبہ! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) فرمایا ٹھیک ہے، مگر شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ شیطان تمھارے دلوں میں کوئی شر (بدگمانی کی بات) نہ ڈال دے۔

کتاب الحج

۱۱۱۔ ادائے قرض ادائے حج پر مقدم ہے:

(ابو ھریرۃؓ) ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم علیّ حجۃ الاسلام وعلیّ دَیْن قال اقض دینک۔

(سراج منیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھ پر حج بھی واجب ہے اور مجھ پر قرض بھی ہے۔ فرمایا: پہلے قرض ادا کرو۔

۱۱۲۔ روانگی جہاد میں عجلت نہ کرنے کا نتیجہ:

(ابن عباسؓ) بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحۃ فی سریۃ فوافق ذلک الیوم یوم الجمعۃ فغدا اصحابہ فقال أتخلف فاصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم الحقھم فلما صلی مع صلی اللہ علیہ وسلم رآہ فقال ما منعک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن رواحہ کو ایک سریہ (قافلہ مجاہدین) میں روانہ ہونے کا حکم دیا۔ وہ دن جمعے کا تھا۔ ان کے ساتھی روانہ ہو گئے۔ لیکن عبد اللہ نے سوچا کہ میں ٹھہر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کروں، پھر قافلے سے جا ملوں گا۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تو انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا کہ: تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہ روانہ

ان تعدو مع اصحابک؟ فقال اردت ان اصلی معک ثم الحقهم فقال لو انفقت ما فی الارض ما ادرکت فضل غدوتهم۔ (متفق علیہ)

ہوئے؟ عرض کیا: میں نے یہ سوچا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز ادا کرکے پھر ان سے جا ملوں گا۔ فرمایا کہ: ساری کائنات زمین بھی تم خرچ کر ڈالو تو ان کی اس ڈ انگی کی فضیلت کو نہیں پاسکو گے۔

۱۱۳- جانوروں پر رحم کی تعلیم:

(معاذ بن انس) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر علی قوم وھم وقوف علی دواب ورواحل فقال لھم ارکبوھا سالمۃ ودعوھا سالمۃ ولا تتخذ وھا کراسی لاحادیثکم فی الطرق والاسواق فرب مرکوبۃ خیر من راکبھا واکثر ذکرا للہ منہ۔

(احمد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنی سواری کے جانوروں پر چڑھے ہوئے (باتیں کر رہے) تھے۔ فرمایا کہ: اچھی حالت میں ان پر سوار رہو اور اچھی حالت میں انھیں چھوڑ بھی دیا کرو۔ ان کو اپنی گفتگو کے لیے راستوں اور بازاروں میں کرسیاں نہ بنالیا کرو۔ بہتیری سواریاں ایسی ہیں جو اپنے سوار سے زیادہ بہتر اور زیادہ ذکر الٰہی کرنے والی ہوتی ہیں۔

خطبۂ حج

۱۱۴- حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت حضرت عمرؓ کا ایک ضروری انتباہ:

(حنظلہ)...... قال ابن عباس رض رأیت عمر فعل مثل ذلک ثم قال انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک ....

(نسائی)

حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجر اسود کو چوم کر انھوں نے فرمایا کہ تو محض ایک پتھر ہے۔ تیرے اندر نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا..........

....

۱۱۶۔ مفادِ عامہ کے لیے کسی کو حج سے روکنا، اطاعت امیر کی نادر مثال:

(ابن ابی ملیکۃ) ان عمر مرّ بامرأۃ مجذومۃ وھی تطوف بالبیت فقال لھا یا امۃ اللہ لا تؤذی الناس لو جلست فی بیتک لکان خیرا لک فجلست فی بیتھا فمر بھا رجل بعد ما مات عمر فقال لھا ان الذی نھاک قد مات فاخرجی فقالت واللہ ما کنت لا طیعہ حیا و اعصیہ میتا۔ (مالک)

حضرت عمرؓ ایک جذامی عورت کے پاس سے گزرے جو طواف کر رہی تھی۔ آپؓ نے اس سے کہا کہ: اللہ کی بندی! لوگوں کو اذیت نہ دے۔ تو اگر اپنے گھر بیٹھی رہے تو تیرے لیے یہی بہتر ہے۔ اس کے بعد وہ عورت اپنے گھر بیٹھی رہی۔ حضرت عمرؓ کی رحلت کے بعد ایک شخص نے اس عورت کے پاس سے گذرتے ہوئے کہا کہ: اب تو طواف کے لیے نکل۔ کیونکہ جس نے تجھے منع کیا تھا وہ مر چکا، کہنے لگی کہ: بخدا میں ایسی نہیں کہ ان کی زندگی میں ان کی بات مان لوں اور مر چکنے کے بعد اُن کی نافرمانی کروں۔

۱۱۷۔ ذخیرہ اندوزی حرم میں خصوصاً حرام ہے:

(یعلی بن اُمیہ) رفعہ: احتکار الطعام فی الحرم الحاد فیہ۔ (ابوداؤد)

حرم میں کھانے کی چیزوں کا احتکار (ذخیرہ اندوزی) حرام ہے۔

قسم

۱۱۸۔ جھوٹی قسم کا عنداللہ انجام:

(الاشعث بن قیسؓ) کان بینی و بین رجل خصومۃ فی بئر فاختصمنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال شاھداک او یمینہ قلت اذاً یحلف ولا یبالی فقال من حلف

ایک شخص کے اور میرے درمیان ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا ہو گیا اور ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے گئے۔ فرمایا کہ: تم یا تو دو گواہ پیش کر دو یا وہ قسم کھائے۔ میں نے عرض کیا کہ: قسم کھانے میں کیا جاتا ہے؟ وہ بڑی بے پروائی سے قسم کھا سکتا ہے۔ فرمایا کہ جو شخص

علی یمین صبر لیقتطع بھا مال امرئ مسلم ھو فیھا فاجر لقی اللہ وھو علیہ غضبان ونزلت ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا ۔ الآیۃ ۔

(شیخین، ابوداؤد، ترمذی، مطولا)

یمین صبر کے موقعے پر اس لیے قسم کھا لے کہ کسی مسلمان کے مال پر قبضہ ہو جائے اور ہو وہ جھوٹا تو غضب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے) : کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعے معمولی پونجی حاصل کرتے ہیں ...... الخ

شاہد و اذن

۱۱۹۔ خدا کی نگاہ میں سب بندے یکساں ہیں فضیلت صرف تقویٰ سے ہے :

(ابو سعیدؓ) رفعہ : ان ربکم واحد وابا کم واحد فلا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی ۔ (للاوسط)

وللبزار : ان اباکم واحد وان دینکم واحد وابوکم آدم وآدم خلق من تراب ۔

تم سب انسانوں کا رب بھی ایک ہے اور اب (باپ) بھی، لہٰذا نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی سُرخ کو سیاہ پر۔ اگر کوئی چیز باعث فضل ہے تو وہ عمل تقویٰ ہے۔ بزار کے الفاظ یوں ہیں کہ : تم سب کا باپ ایک اور تمھارا دین بھی ایک ہے۔ تم سب کے پدر بزرگوار آدمؑ ہیں اور آدمؑ کی خلقت مٹی سے ہوئی ۔

ولیمہ

۱۲۰۔ بدترین طعام ولیمہ، دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا :

(ابن عمرؓ) رفعہ : ...... من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ ورسولہ ومن دخل علی غیر دعوۃ دخل سارقا وخرج مغیرا ۔ (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

دوسری روایت میں ہے کہ جو دعوتِ ولیمہ میں بلایا جائے اور نہ جائے وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شخص بے بلائے گھس جائے وہ داخل ہوتے وقت چور رہتا ہے اور نکلتے وقت ڈاکو ۔

۱۲۱۔ غیرتِ الٰہی کا تقاضا ہے تحریمِ فواحش:

(ابن مسعودؓ) رفعه: لا احد اغير من الله من اجل ذلك حرّم الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا احد احب اليه المدح من الله من اجل ذلك مدح نفسه۔ (شیخین، ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں۔ یہی وجہ ہے جو اس نے ظاہری اور باطنی بے حیائی کو حرام کیا ہے اور مدح اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں، اسی لیے اس نے خود اپنی مدح فرمائی ہے۔

۱۲۲۔ اگر پرائی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے:

(جریرؓ) سألت رسول الله صلى الله عليه وسلّم عن نظر الفجاءة فقال اصرف بصرك۔

(مسلم، ابو داؤد، ترمذی)

میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت پر دفعتہً نظر پڑ جانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ نگاہ پھیر لیا کرو۔

۱۲۳۔ دوسری بار نظر ڈالنا:

(بریدہؓ) رفعه: يا عليؓ لا تتبع النظرة النظرة فان لك الاولى وليس لك الثانية۔ (ترمذی، ابو داؤد)

فرمایا کہ: اے علیؓ! ایک اچانک نظر کے بعد دوسری بار عورت پر نگاہ مت ڈالو۔ پہلی اچانک نظر تو معاف ہے لیکن دوسری جائز نہیں۔

۱۲۴۔ زنانے مرد اور مردانی عورت:

(ابن عباسؓ) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلّم المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بيوتكم واخرج فلانة اخرج عمر فلانا۔

(بخاری، ترمذی، ابو داؤد)

جو مرد ہیجڑے بنتے ہیں اور جو عورتیں مردانی بنتی ہیں، ان دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: انھیں اپنے گھروں سے باہر کر دو۔ اس قسم کی ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر کر دیا تھا اور ایسے ہی ایک مرد کو حضرت عمرؓ نے بھی نکال دیا تھا۔

۱۲۵۔ پردے میں کمال احتیاط:

(ام سلمۃؓ) کنت عند رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وعندہ میمونۃ فاقبل ابن ام مکتوم وذلک بعد ان امرنا بالحجاب فدخل علینا فقال احتجبا منہ فقلنا یا رسول اللہ الیس اعمی لا یبصرنا ولا یعرفنا قال أفعمیاوان انتما لستما تبصرانہ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ام المومنین) میمونہ بھی تھیں۔ اتنے میں ابن ام مکتوم سامنے آتے۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم دونوں پردے میں چلی جاؤ۔ ہم نے عرض کیا کہ: حضور! یہ نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکیں نہ پہچان سکیں۔ فرمایا کہ: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور اسے نہیں دیکھ سکتیں۔؟

کتاب الطلاق

۱۲۶۔ غلط انتساب کی ممانعت:

(ابوذرؓ) رفعہ: لیس من رجل ادعی لغیر أبیہ وھو یعلمہ الا کفر ومن ادعی مالیس لہ فلیس منّا ولیتبوأ مقعدہ من النار ومن رمی رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الاحار علیہ۔ (شیخین، ابوداؤد)

جان بوجھ کر جو شخص اپنا نسب اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے ملائے وہ ازتکاب کفر کرتا ہے اور جو ایسا دعوے کرے وہ میری جماعت سے خارج ہے۔ اسے اپنے ٹھکانا جہنم کو بنالینا چاہیئے اور نیز جو شخص کسی کو کافر یا دشمنِ خدا کہے اور وہ درا صل ایسا نہ ہو، تو یہ قول کہنے والے ہی پر پلٹ کر آجائے گا۔

خرید و فروخت و کسبِ معاش

۱۲۷۔ درخت لگانا بھی کارِ خیر ہے:

(ابوہریرۃؓ) رفعہ: مامن مسلم

اگر کوئی مسلمان درخت لگائے یا کھیت اُگائے

يغرس غرسا او يزرع زرعا فيأكل منه طيراو انسان او بهيمة الا كان له به صدقة - (شيخين وترمذی)

اور اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ لے تو یہ بھی اُس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

۱۲۸ - رزق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا :

(ابن مسعودؓ) ان العبد له رزقه فلو اجتمع عليه الثقلان الجن والانس ان يصدوا عنه شيئا من ذلك ما استطاعوا - (اوسط)

ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کہنا ہے کہ انسان کا رزق جو لکھا ہوتا ہے اسے جن و انس مل کر بھی اگر روکنا چاہیں تو روک نہیں سکتے۔

۱۲۹ - روزی موت سے بھی زیادہ رسا ہے :

(ابوالدرداء) رفعه ان الرزق ليطلب العبد اكثر مما يطلبه اجله - (بزار، کبیر)

موت جتنا مرنے والے کو ڈھونڈ لیتی ہے۔اس سے زیادہ روزی اُسے تلاش کر لیتی ہے۔

خادموں اور ماتحتوں سے سلوک

۱۳۰ - خادموں سے درگزر :

(ابن عمرؓ) جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله كم اعفو عن الخادم؟ فصمت ثم قال يارسول الله كم اعفو عن الخادم؟ قال اعف عنه كل يوم سبعين مرة - (ابوداؤد، ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ : یارسول اللہ! میں نوکر سے کہاں تک درگزر کروں ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے ۔اُس نے پھر یہی سوال کیا ، تو فرمایا : ہر روز ستّر بار - (یعنی بکثرت)

۱۳۱۔ خادموں کی دلداری اور مساویانہ سلوک :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : اذا صنع لاحدکم خادمہ طعاماً ثم جاءہ بہ وقد ولی حرہ و دخانہ فلیقعدہ معہ فلیاکل فان کان الطعام مشفوھا فلیضع منہ فی یدہ أکلۃ او أکلتین (بخاری، ترمذی، ابوداؤد)

تم میں سے کسی کے لیے اس کا خادم کھانا تیار کرکے لائے اور گرمی اور دھوئیں سے پریشان ہو تو چاہیئے کہ وہ اس خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر (کھانا) کھلائے۔ اگر کھانے والے زیادہ ہوں (اور جگہ تنگ ہو) تو اس کے ہاتھ ہی میں دو ایک لقمے رکھ دے۔

آدابِ طعام

۱۳۲۔ اسلامی لیڈر کے معیارِ زندگی کا واجب الاتباع نمونہ :

(یحیی بن سعیدؒ) ان عمر کان یأکل خبزا بسمن فدعا رجلاً من اھل البادیۃ فجعل یأکل ویتتبع باللقمۃ وضر الصحفۃ فقال لہ عمر کانک مقفر قال واللہ ما اکلت سمنا ولا سمینا ولا رأیت اکلا بہ منذ کذا وکذا فقال عمر لا اکل السمن حتی یحیی الناس من اول ما یحیون ۔ (مالک)

حضرت عمرؓ ایک بار روٹی اور گھی کھا رہے تھے۔ آپؓ نے ایک دیہاتی کو بلایا۔ وہ پے در پے لقمے توڑ توڑ کر پیالے میں لگے ہوئے گھی کو پونچھ پونچھ کر کھانے لگا۔ آپؓ نے فرمایا کہ: معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں گھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس نے جواب دیا کہ: خدا کی قسم اتنے عرصے سے نہ میں نے گھی چکھا ہے اور نہ گھی میں ملی روٹی دیکھی ہے۔ آپؓ نے فرمایا: اب میں بھی اس وقت تک گھی نہیں چکھوں گا جب تک تمام لوگ اپنے پہلے کے معیارِ زندگی پر نہ آ جائیں۔

۱۳۳۔ دوسروں کی خاطر اپنے عیش میں کمی کرو :

(جابرؓ) ادرکنی عمر وانا اجیئی من السوق ومعی حمال لحم فقال ما ھذا ؟ قلت قرمنا الی اللحم فاشتریت

میں بازار سے آ رہا تھا اور میرے ساتھ ایک مزدور گوشت اٹھائے ہوئے تھا۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے اور پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، گوشت کی طرف بڑی لپک پیدا ہو رہی تھی اس

یبدو هم لحما فقال اما یرید احدکم ان یطوی بطنه عن جاره وابن عمّه این یذهب عنکم قوله تعالیٰ اذهبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بها۔ (مالک)

لیے میں نے ایک درہم کا گوشت خرید لیا۔ آپؓ نے کہا: کیا تم میں کوئی اتنا حوصلہ نہیں رکھتا کہ اپنے پڑوسی یا عم زاد بھائی کی خاطر اپنا پیٹ خالی رکھے۔؟ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تمھیں یاد نہیں رہتا کہ (ترجمہ) حیات دنیا میں تم نے اپنا بہترین حصّہ پا لیا اور اس سے فائدہ اُٹھا چکے۔

۱۳۴۔ جنتی ہونے کے لیے:

(ابن عمرؓو بن العاص) رفعه: اعبدوا الرحمٰن واطعموا الطعام وافشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام - ترمذی)

خدائے رحمان کی بندگی کرو اور بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور افشائے سلام کرو تو سلامتی کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

۱۳۵۔ سب سے بہتر کھانا اللہ کی نگاہ میں:

(جابرؓ) رفعه: ان احب الطعام الی الله ما کثرت علیه الایدی۔ (موصلی، اوسط)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ کھانا ہے جس کے کھانے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔

لباس و زینت

۱۳۶۔ چند اچھی اور بُری باتیں:

(البراء) امرنا النبی صلّی الله علیه وسلّم بسبع ونهانا عن سبع امرنا (۱) بعیادة المریض (۲) واتباع الجنائز (۳) وتشمیت العاطس (۴) وابرار المقسم (۵) ونصر المظلوم (۶) واجابة الداعی (۷) وافشاء السلام ونهانا

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات باتوں سے منع فرمایا ہے۔ حکم ان باتوں کا دیا ہے: (۱) مریض کی عیادت (۲) جنازے کی شرکت (۳) چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا (۴) قسم پورا کرنا (۵) مظلوم کی مدد کرنا (۶) دعوت (ولیمہ) کو قبول کرنا (۷) ہر مسلمان کو سلام کرنا۔

(۱) عن خواتم الذهب (۲) وعن شرب بالفضة (۳) وعن المياثر الحمر (۴) وعن القسي (۵) وعن لبس الحرير (۶) و الاستبرق (۷) والديباج۔

(شیخین، ترمذی، نسائی)

جن باتوں سے روکا ہے وہ یہ ہیں :-
(۱) سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا (مردوں کے لیے)
(۲) چاندی کے برتن میں کچھ پینا (۳) ریشمی سرخ زین پوش استعمال کرنا (۴) کھوٹا سکہ دینا (۵) عام ریشم (۶) استبرق (موٹا ریشم) (۷) اور دیباج (دیباج یکے از قسم ریشم) استعمال کرنا)

۱۳۷- ریشم کی جائز مقدار :

(ابوعثمانؓ النھدی) کتب الینا عمرؓ ونحن بآذر بیجان مع عتبة بن فرقد یا عتبة انه لیس من کدك ولا کد ابیك ولا کد امك فاشبع المسلمین فی رحالهم مما تشبع منه فی رحلك وایاك والتنعم وزی اهل الشرك ولبوس الحریر فان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نھی عن لبوس الحریر الا ھکذا ورفع لنا صلی اللہ علیه وسلم اصبعیه السبابة والوسطی وضمهما۔ وفی روایة: نھی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن لبس الحریر الا فی موضع اصبعین اوثلاث اواربع۔ (للستة الا مالکا)

ہم لوگ جب عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذر بائیجان میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط میں لکھا کہ اے عتبہ! (یہ حکومت وملک) نہ تمھاری محنت کا نتیجہ ہے نہ تمھارے والدین کی کاوش کا۔ لہٰذا جو کچھ تم اپنے گھر میں کھاؤ وہی تمام مسلمانوں کو ان کے گھروں میں کھلاؤ، اور عیش وتنعم سے بچو۔ نیز مشرکوں کے فیشن اور ریشم پوشی سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑے کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ ہاں دو انگل ریشم (کی گوٹ) میں کوئی حرج نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر یہ مقدار بتائی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا۔ البتہ دو، تین یا چار انگل کی اجازت ہے۔

۱۳۸- ریشم کی اجازت ضرورتاً :

(انسؓ) رخص رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم للزبیر وعبد الرحمٰن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ریشم پہننے کی

بن عوف فی لبس الحریر لحکۃ بھما۔ (للستۃ الا مالکا)

اجازت دی تھی، کیونکہ ان دونوں کو خارشت ہوئی تھی۔

۱۳۹۔ اعمال کی شکل اور نیت:

(ابن عمرؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابوبکر یارسول اللہ ان ازاری یسترخی الا أن اتعاھدہ فقال انک لست ممن یفعلہ خیلاء۔

(شیخین ابو داؤد و النسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ: جو اپنے کپڑے کو تکبراً لٹکائے گا، اُسے اللہ تعالیٰ بروزِ حشر نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اگر ہر وقت دیکھ بھال نہ کروں، تو میرا تہمد ڈھیلا ہو کر لٹک جاتا ہے۔ فرمایا کہ: تمھارا شمار ان لوگوں میں نہیں جو تکبراً ایسا کرتے ہیں۔

۱۴۰۔ سادگی لباس تواضعاً للہ ہونا:

(معاذ بن انسؓ) رفعہ: من ترک اللباس تواضعاً للہ وھو یقدر علیہ دعاہ اللہ یوم القیٰمۃ علی رؤس الخلائق حتی یخیرہ من ای حلل الایمان شاء یلبسھا۔ (ترمذی)

جو شخص مقدور ہونے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے سامنے متواضع بنے رہنے کے لیے لباسِ فاخرہ کو ترک کر دے اسے بروزِ حشر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر یہ اختیار دے گا کہ جنت کے جس لباس کو چاہے پہن لے۔

۱۴۱۔ صفائی و نظافت:

(ابن المسیب) ارسلہ: ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافۃ کریم یحب الکرم جواد یحب الجود فنظفوا أراہ قال افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود .... (ترمذی)

اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے ستھرا ہے اور صفائی کو عزیز رکھتا ہے سخی ہے اور سخاوت کو محبوب رکھتا ہے، فیاض ہے اور فیاضی کو دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ اپنے گھروں کے صحن کو بھی صاف ستھرا رکھو اور یہود کی مشابہت سے بچو۔[1]

[1] یہود اس وقت غالباً صحن کی صفائی کا خیال نہ رکھتے ہوں گے۔ لیکن اب تو معاملہ کچھ برعکس سا ہے۔

۱۴۲۔ خوشبو کو رد نہ کرو:

(ابو عثمانؒ النہدی) ارسلہ: اذا اعطی احدکم الریحان فلا یردہ فانہ خرج من الجنۃ۔ (ترمذی)

جب تمہیں خوشبودار پھول یا پتی دی جائے تو اُسے رد نہ کرو۔ خوشبو تو جنت سے آئی ہوئی ایک نعمت ہے۔

مرنا یا زخمی ہونا

۱۴۳۔ دو قسم کے مجاہد:

(ابو سعیدؓ) اتی رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ای الناس افضل؟ قال مؤمن یجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ قال ثم من؟ قال ثم رجل فی شعب من الشعاب یتقی اللہ ویدع الناس من شرہ۔ (الستۃ الا مالکا)

......ایک شخص نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر پوچھا کہ: کون شخص سب سے افضل ہے؟ فرمایا: وہ مومن جو راہِ خدا میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ پوچھا: اس کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا: اس کے بعد وہ افضل ہے جو کسی قبیلے (یا محلے) میں رہتا ہو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ لے رکھتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔

۱۴۴۔ دو متضاد چیزوں کا اجتماع:

(ابو ہریرہؓ) رفعہ: لا یجتمعان فی النار مسلم قتل کافرا ثم سدد وقارب ولا یجتمعان فی جوف مؤمن غبار فی سبیل اللہ وفیح جہنم ولا یجتمعان فی قلب عبد مؤمن الایمان والحسد۔

(مسلم، ابوداؤد، نسائی بلفظہ)

دو شخص اکٹھے جہنم میں نہ جائیں گے، ایک کافر اور دوسرے وہ مسلمان جس نے اسے (بموقعہ جہاد) قتل کیا ہو اور پھر معتدل طریقے سے اپنی زندگی گزاری ہو اور مومن کے دل میں دو چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی گرد اور جہنم کی پھنکار۔ اور مومن کے دل میں دو چیزیں ایک ساتھ نہیں ہوتیں، ایمان اور حسد۔

۱۴۵- جنگ میں قوانینِ اخلاق:

(انسؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا بعث جیشاً قال انطلقوا بسم اللہ ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃً ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی جیش روانہ کرتے تو فرماتے کہ: اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ اور کسی بوڑھے کو، کسی بچے کو اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا خیانت نہ کرنا، بلکہ غنیمت کو الگ جمع کرنا، مصالح عامہ اور حسن کاری کو پیشِ نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ محسن کاروں کو پسند فرماتا ہے۔

غنیمت اور غلول

۱۴۶- غلول کرنے والے کے جرم کو چھپانا:

(سمرۃ) رفعہ: من کتم غالاً فانہ مثلہ۔ (ابوداؤد)

جو کسی غلول کرنے والے کے جرم کو چھپائے وہ بھی ویسا ہی مجرم ہے۔

۱۴۷- غلول کرنے والے کا انجام:

(ابن عمرؓو بن العاصؓ) کان علی ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل یقال لہ کرکرۃ فمات فقال صلی اللہ علیہ وسلم ھو فی النار فذھبوا ینظرون الیہ فوجدوا عباءۃ قد غلھا۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان سفر پر کرکرہ نامی ایک شخص متعین تھا۔ جب وہ مرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں گیا، لوگ اُسے دیکھنے گئے تو اس کے پاس سے ایک عبا نکلی جو اس نے مالِ غنیمت میں سے اُڑا لی تھی۔

۱۴۸- ایضاً:

(زید بن خالد) ان رجلاً من

ایک شخص جو صحابہؓ میں شمار ہوتا تھا، غزوہ خیبر کے

الصحابة توفی یوم خیبر فذکر له صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلوا علی صاحبکم فتغیرت وجوہ الناس لذلک فقال ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ ففتشنا متاعه فوجدنا خرزا من خرز یهود لا یساوی درهمین (مالک، ابوداؤد، نسائی)

دن مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو فرمایا تم ہی لوگ جا کر اس کا جنازہ پڑھ لو (یعنی میں نہیں پڑھوں گا) یہ سن کر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جب تفتیش کی تو اس کے پاس سے یہودیوں کے چند منکے نکلے۔ جن کی قیمت دو درہم کے برابر بھی نہ تھی۔

۱۴۹۔ لوٹ کا مال حرام ہے:

(رجل من الانصار) خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فاصاب الناس حاجة شديدة وجهد فاصابوا غنما فانتهبوها فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فاکفاء قدورنا بقوسه ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال ان النهبة لیست باحل من المیتة او ان المیتة لیست باحل من النهبة۔ (ابوداؤد)

ہم لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ لوگوں کو سخت بھوک محسوس ہوئی۔ اتفاق سے کچھ بکریاں نظر آئیں تو سب نے انھیں لوٹ لیا اور ہانڈیاں پکنے لگیں۔ اسی دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹہلتے ہوئے تشریف لائے اور (حقیقتِ حال معلوم کر کے) ہماری ہانڈیوں کو اپنی کمان سے اُلٹ اُلٹ کر گوشت کو مٹی میں ملانے لگے۔ پھر فرمایا کہ: لوٹی ہوئی چیز مُردار سے اور مُردار لوٹی ہوئی چیز سے زیادہ حلال نہیں۔

سورۃ آل عمران

۱۵۰۔ راسخ فی العلم کی تفسیر:

(انس) سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ:

من الراسخون فی العلم؟ قال ھومن تبرت عینه وصدق لسانه وعفت فرجه وبطنه فذاك الراسخ فی العلم (الکبیر بضعف)

الراسخون فی العلم کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جس آنکھ میں قرار (نہ بھٹکنا) ہو، زبان سچی ہو، شرم گاہ اور شکم محفوظ ہو، وہی راسخ فی العلم ہے۔

سورۃ النساء

۱۵۱۔ کفارۂ گناہ کی ایک اور شکل:

(علیؓ بن زید) عن امه: انها سألت عائشةؓ عن قول الله تعالیٰ ان تبدوا ما فی انفسكم او تخفوه یحاسبكم به الله وعن قوله من یعمل سوء یجز به فقالت ما سألنی عنها احد منذ سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ھذه معاتبة الله العبد بما یصیبه من الحمی والنکبة حتی البضاعة یضعها فی ید قمیصه فیفقدها فیفزع لها حتی ان العبد لیخرج من ذنوبه کما یخرج من ذنوبه کما یخرج التبر الاحمر من الکیر۔ (ترمذی)

علیؓ بن زید کی والدہ نے حضرت عائشہؓ سے ان تبدوا فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله (اپنے دل کی بات تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا۔) اور من یعمل سوء یجز به (ترجمہ اُوپر گزر چکا ہے۔) کا مطلب دریافت کیا تو اُنھوں نے کہا کہ جب سے میں نے یہی بات حضورؐ سے دریافت کی ہے، اس وقت سے اب تک کسی نے مجھ سے یہ بات نہیں پوچھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ: یہ دراصل بندے پر اللہ تعالیٰ کے عتاب کی ایک قسم ہے۔ بندے پر بخار یا دوسری بیماری کی مصیبت آتی ہے یا اس کی کوئی چیز جو وہ اپنی قمیص کی جیب میں رکھتا ہے اور وہ کھو جانے کی وجہ سے صدمہ ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اسی عتاب سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح سونا بھٹی میں ڈالنے سے صاف ہو جاتا ہے۔

سورۃ الانعام

۱۵۲۔ فرقے بندی کی بدعت:

(عمرؓ) رفعه: یا عائشةؓ ان الذین

اے عائشہؓ ان الذین فرّقوا دینھم و

فرقوا دینھم وکانوا شیعا ھم اصحاب البدع والاھواء لیس لھم توبۃ انا منھم بریٔ وھم منی براء۔ (للصغیر)

کانوا شیعا (جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور مختلف ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جو اہل بدعت ہیں اور اپنی خواہشوں کے بندے۔ ان کی توبہ قبول نہیں۔ میں ان سے اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

۱۵۳۔ رحمت الٰہی کی وسعت:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: یقول اللہ اذا اراد عبدی ان یعمل سیئۃ فلا تکتبوھا علیہ حتی یعملھا فان عملھا فاکتبوھا بمثلھا وان ترکھا من اجلی فاکتبوھا لہ حسنۃ واذا اراد ان یعمل حسنۃ فلم یعملھا فاکتبوھا لہ حسنۃ فان عملھا فاکتبوھا لہ بعشر امثالھا الی سبع مائۃ (شیخین، ترمذی) وزاد: ثم قرأ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا (شیخین) عن ابن عباس نحوہ وفیہ: الی سبع مائۃ ضعف الی اضعاف کثیرۃ۔

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو (اے کرام کاتبین) اسے اس کے نامۂ اعمال میں نہ لکھو اور اگر وہ اسے میری خاطر ترک کر دے تو ایک نیکی لکھو۔ اور اگر وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے، تو پھر بھی ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اُسے کر لے تو اسے دس سے لے کر سات سو گنے تک (حسب درجہ اخلاص ومرافع) لکھ لو۔ ترمذی میں اس کے بعد ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا۔ (جو ایک نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دس گنی جزا دیتا ہے) ابن عباسؓ سے اسی مضمون کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کی جزا سات سو گنے سے بیشمار گنے تک دیتا ہے۔

مومنون

۱۵۴۔ دفع بالاحسن کی تفسیر:

(ابن عباسؓ) ادفع بالتی ھی احسن قال الصبر عند الغضب

ادفع بالتی ھی احسن (بہترین طریقے سے مدافعت کرو) اس کا طریقہ یہ ہے کہ غصّے کے وقت

والعفو عند الاساءة فاذا فعلوه عصمهم الله وخضع لهم عدوهم (بخاری تعلیقا)

صبر ہو اور بُرائی کے جواب میں عفو ہو۔ اگر یہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ شر سے محفوظ رکھے گا، اور دشمن جھک جائے گا۔

شوریٰ

۱۵۵۔ لمم کی تفسیر:

(ابن عباسؓ) ما رأیت شیئا اشبه باللمم مما قال ابو هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الله کتب الی ابن آدم حظه من الزنا ادرک ذلک لا محالة فزنا العینین النظر وزنا اللسان النطق والنفس تمنی وتشتهی والفرج یصدق ذلك ویکذبه۔ والبوداؤد فزادو فی روایة: والاذنان زناهما الاستماع والید زناها البطش والرجل زناها الخطا۔ (شیخین)

لمم (چھوٹے گناہ) کے متعلق ابوہریرہؓ نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے بہتر بات میری نظر میں کوئی نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ:

فرزند آدم کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حصہ زنا رکھ دیا ہے۔ آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے اور زبان کا گناہ شہوانی گفتگو، دل تمنّا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس خواہش کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ کانوں کا زنا شہوانی گفتگو سننا ہے، ہاتھ کا زنا اُدھر بڑھنا ہے اور پاؤں کا اُدھر چلنا۔

نجم

۱۵۶۔ چھوٹے گناہوں سے کوئی بندہ نہیں بچ سکتا:

(ابن عباسؓ) الذین یجتنبون کبائر

الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم کے

الاثم والفواحش الا اللمم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان تغفر اللّٰھم تغفر جما، وای عبدلك لا الما۔ (ترمذی)

سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر پڑھا کرتے تھے: (ترجمہ) اے اللہ! تیری مغفرت تو بڑے ہی بڑے گناہوں کے لیے ورنہ چھوٹے گناہوں کے ارتکاب سے تیرا کون بندہ بچ سکا ہے۔؟

رحمان

۱۵۷۔ خدا ترسی تمام گناہوں کا کفّارہ ہے:

(ابو الدرداء) انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقص علی المنبر ولمن خاف مقام ربہ جنّتان فقلت وان زنا وان سرق یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال الثانیۃ ولمن خاف مقام ربہ جنتان فقلت وان زنا وان سرق؟ فقال الثالثۃ ولمن خاف مقام ربہ جنتان فقلت وان زنا وان سرق؟ قال نعم وان رغم انف ابی الدرداء (احمد، کبیر)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ آیت تلاوت کرتے سُنا کہ: ولمن خاف مقام ربّہ جنّتان (خدا ترس کے لیے دو جنّتیں ہیں) میں نے عرض کیا کہ: اگرچہ وہ خدا ترس زنا اور چوری کر چکا ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار یہ آیت پڑھی میں نے پھر یہی سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں ہاں! اگرچہ ابو درداء کو ناگوار ہو۔

حدید

۱۵۸۔ دل کی زندگی علم و حکمت سے ہوتی ہے:

(ابن عباسؓ) اعلموا ان اللہ یحیی الارض

یہ خوب سمجھ لو کہ: ان اللہ یحیی الارض

بعد موتها قال يلين القلوب بعد قسوتها فيجعلها مخبتة منيبة يحيى القلوب الميتة بالعلم والحكمة وإلا فقد علم احياء الارض بالمطر مشاهدة ۔ (رزین)

بعد موتها (اللہ تعالیٰ زمین کو مُردہ ہو چکنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔) اسی طرح دلوں کو سخت ہو چکنے کے بعد نرم بھی کر دیتا ہے اور ان کو جھکا کر فرماں بردار بنا دیتا ہے۔ دلوں کو وہ علم و حکمت کے ذریعے زندگی بخشتا ہے اور زمین کا بارش سے زندہ ہونا تو مشاہدے میں آتا ہی ہے۔

تقویٰ

۱۵۹۔ تقویٰ اور رزق کا تعلق:

(معاذؓ) رفعه: یا ایها الناس اتخذوا تقوى الله تجارة يأتيكم الرزق بلا بضاعة ولا تجارة ثم قرأ ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ۔ (کبیر بضعف)

اے لوگو! تقویٰ اللہ کو اپنی تجارت بنالو، تو تمہارے پاس بلا مال اور بلا دکان رزق آئے گا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھے گا، اللہ تعالےٰ اس کے لیے سبیل پیدا فرما دے گا اور بے گمان رزق پہنچائے گا۔

نصرت و اخوت و سفارش و تعصب

۱۶۰۔ ظالم اور مظلوم کی امداد:

(انسؓ) رفعه: انصر اخاك ظالما او مظلوما فقال رجل يا رسول الله انصره اذا كان مظلوما افرأيت ان كان ظالما كيف انصره؟ قال تحجزه او تمنعه من الظلم فان ذلك نصره (بخاری)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، یہ سُن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کر سکتا ہوں لیکن یہ فرمائیے کہ ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ فرمایا کہ: اسے ظلم سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے۔

۱۶۱۔ مسلمان کی بے عزتی کے وقت مدد کرنا :

(جابرؓ و ابوطلحہؓ) رفعہ: مامن مسلم یخذل امرأ مسلما فی موضع ینتهك فیه حرمته وینتقص فیه من عرضه الا خذله الله فی موضع یحب فیه نصرته وما من امرئ ینصر مسلما فی موضع ینتقص فیه من عرضه وینتهك فیه من حرمته الا نصره الله فی موضع یحب نصرته (ابوداؤد)

کسی مسلمان کی بے عزتی یا بے حرمتی ہو رہی ہو اور دوسرا مسلمان اس کی مدد نہ کرے ، تو دوسرے موقعے پر جب کہ اُسے مدد کی ضرورت ہوگی ، اللہ تعالےٰ اس کی کوئی مدد نہ کرے گا اور جب کسی مسلمان کی بے حرمتی یا بے عزتی کے موقعے پر دوسرا مسلمان اس کی مدد کرے گا ، تو اللہ تعالیٰ بھی دوسرے موقعے پر جب خود اُسے امداد مطلوب ہو اس کی امداد فرمائے گا۔

۱۶۲۔ کسی بھائی کی آبرو کا تحفظ :

(ابوالدرداءؓ) رفعہ : من ذب عرض اخیه رد الله النار عن وجهه یوم القیامة ۔ (ترمذی)

جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کی مدافعت کرے گا ، اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اس کے چہرے سے آگ کو دُور کر دے گا۔

۱۶۳۔ عصبیّت کی صحیح تعریف :

(واثلة بن الاسقع) قلت یارسول الله ما العصبیة ؟ قال ان تعین قومك علی الظلم۔ (ابوداؤد)

میں نے پوچھا کہ : یارسول اللہ! عصبیت کیا چیز ہے ؟ حضورؐ نے جواب دیا کہ : اپنی قوم کے ظلم کی تائید و حمایت کرنا۔

۱۶۴۔ خیر خواہی کی جزا اللہ کی طرف سے :

(ابن عمرؓ) رفعه : المسلم اخو المسلم

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اُس پر

لا یظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة ۔ لابی داؤد زاد رزین : ومن مشی مع مظلوم حتی یثبت له حقه ثبت الله قدمیه علی الصراط یوم تزل الاقدام ۔

(شیخین والترمذی)

ظلم کرتا ہے نہ اُسے ہلاکت میں جاتا دیکھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت روائی فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک تکلیف کو دُور کرے گا اللہ تعالیٰ بروزِ حشر اس کی ایک تکلیف کو دُور فرمائے گا اور جو اس کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ رزین کی روایت یہ بھی ہے کہ: جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ چل کر جائے اور اُس کا حق ثابت کرے تو اللہ تعالےٰ اُسے اس دن ثابت قدم رکھے گا، جس دن بہت سے قدم پھسل جائیں گے۔

۱۶۵ - دین اور خیر خواہی کا ربط:

(ابوهریرةؓ) رفعه : الدین النصیحة قالوا لمن یارسول الله ؟ قال لله ولکتابه ولائمة المسلمین والمسلم اخو المسلم لا یخذله ولا یکذبه ولا یظلمه وان احدکم مرأة اخیه فان رأی به اذی فلیمطه عنه (ترمذی)

دین نام ہے بہی خواہی کا۔ لوگوں نے پوچھا کہ: کس کی بہی خواہی کا؟ فرمایا کہ: اللہ تعالےٰ کی، اس کی کتاب کی اور اولی الامر کی، اور مسلمان تو دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس کی امداد سے پہلوتہی کرتا ہے نہ اُس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے تم میں ہر شخص دوسرے کا آئینہ ہے۔ لہٰذا جب اُسے تکلیف میں دیکھے تو اُسے دُور کرے۔

۱۶۶ - جماعت مومنین کی مثال:

(ابوموسیٰؓ) رفعه : المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك بین اصابعه ۔ (شیخین، ترمذی)

مومن، مومن کے لیے ایسی عمارت ہے جس کا ایک جز دوسرے سے مضبوط جڑا ہوا ہے۔ حضورؐ نے یہ گفتگو فرماتے وقت تمثیل کے لیے اپنے ایک پنجے کو دوسرے پنجے میں ڈال لیا۔

۱۶۷۔ ہنس مکھ ہونا اور پڑوسی کا خیال رکھنا:

(ابو ذرؓ) رفعه: لا یحقرن احدکم شیئا من المعروف فان لم یجد فلیلق اخاه بوجه طلق واذا اشتریت لحما او طبخت قدرا فاکثر مرقته واغرف لجارک منه۔ (ترمذی)

کوئی شخص معروف (خوش اطواری) کی تحقیر نہ کرے۔ اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو کم از کم یہی کرے کہ جب اپنے بھائی سے ملے تو خوش روئی سے پیش آئے، اور جب تم گوشت خریدو یا کوئی ہانڈی پکاؤ تو شوربا کچھ زیادہ کر دو اور تھوڑا اپنے پڑوسی کے لیے بھی نکال لو۔

۱۶۸۔ مرجع خلائق خادم قوم:

(ابن عمرؓ) رفعه: ان الله خلقا خلقهم لحوائج الناس یفزع الناس الیهم فی حوائجهم اولٰئک الآمنون من عذاب الله۔ (کبیر، بلین)

اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کو اس نے انسانوں کی حاجت روائی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اپنی ضرورتوں کے وقت لوگ انہی کی طرف دوڑتے ہیں۔ ایسے بندے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہوتے ہیں۔

۱۶۹۔ ہدایت یا ضلالت کی طرف بلانے والا:

(ابو ھریرةؓ) رفعه: من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل اجور من اتبعه ولا ینقص ذلک من اجورهم شیئا ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من اتبعه لا ینقص ذلک من اوزارهم شیئا۔ (للشیخین، ابو داؤد، ترمذی)

جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اس کا اجر ویسا ہی ہے جیسے اس پر عمل کرنے والے کا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو اور جو کسی گمراہی کی طرف دعوت دے اس کا گناہ بھی ویسا ہی ہے جیسے اس پر عمل کرنے والے کا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

ایمان واخلاق کے تقاضے

۱۷۰۔ اہل ایمان کے باہمی ربط کی مثال:

(النعمان بن بشیرؓ) رفعه: مثل

باہمی یگانگت محبت و رحمت اور لطف و کرم میں

(المومنين فی توادھم وتراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمٰی۔ (شیخین)

اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے، کہ اگر اس میں کوئی تکلیف ہو، تو سارا جسم ہی شب بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔

۱۷۱۔ محبّت کی اطلاع دینا:

(المقدادؓ) رفعه: اذا احب الرجل اخاه فليخبره انه يحبه۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے محبّت کرتا ہو تو اُسے بتا دینا چاہیے کہ میں تم سے محبّت کرتا ہوں۔

۱۷۲۔ محبّت و عداوت میں میانہ روی:

(ابوھریرةؓ) احبب حبيبك هونا ما عسٰى ان يكون بغيضك يومًا ما وابغض بغيضك هونًا ما عسٰى ان يكون حبيبك يومًا ما۔ ترمذی وقال اراه رفعه۔

اپنے دوست سے اعتدال کے ساتھ محبّت کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی روز تمھارا دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن سے دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ رکھو ممکن ہے کہ وہ کسی روز تمھارا دوست ہو جائے۔

۱۷۳۔ محض اللہ تعالیٰ کے لیے باہمی محبّت رکھنا:

(ابوھریرةؓ) رفعه: يقول الله تعالٰى يوم القيامة اين المتحابون لجلالی؟ اليوم اظلھم فی ظلی لا ظل الا ظلی۔ (مالك، مسلم)

اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا کہ میری خاطر باہم محبّت کرنے والے لوگ کہاں ہیں؟ آج میں اُنھیں اپنے سایۂ رحمت میں لوں گا جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی اور سایہ موجود نہیں۔

۱۷۴۔ محبّت و عداوت اللہ تعالیٰ کے لیے:

(ابوذرؓ) افضل الاعمال الحب فی الله والبغض فی الله۔ (ابوداؤد)

بہترین عمل ہے اللہ تعالےٰ کے لیے محبّت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بُغض رکھنا۔

۱۷۵۔ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والوں کا مقام :

(عمرؓ) رفعہ : ان من عباد اللہ ناسًاما ھم بانبیا ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامۃ بمکانتھم من اللہ قالوا یا رسول اللہ تخبرنا من ھم ؟ قال ھو قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم ولا اموال یتعاطونھا فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم لعلی نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (ابو داؤد)

اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں، مگر انبیاء اور شہداء کو بھی اُن کا مرتبہ دیکھ کر رشک آئے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ : یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں ؟ ارشاد ہُوا : یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں وحدتِ روح کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ نہ رشتے داری کو اس میں دخل ہوتا ہے۔ نہ مالی لین دین کو۔ خدا کی قسم اُن کے چہرے ہمہ تن نُور ہوں گے۔ اور یہ نُور پر ہی قائم ہوں گے۔ دوسرے لوگ خوف وحزن میں مبتلا ہوں گے۔ اور ان کو کوئی خوف وغم نہ ہوگا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ : الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف وحزن نہ ہوگا)۔

۱۷۶۔ حبؐ وبغض کا فیصلہ پہلے آسمان پر ہوتا ہے :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : ان اللہ اذا احبّ عبدًا دعا جبریل فقال انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض واذا ابغض عبدًا دعا جبریل فیقول انی ابغض فلانا فابغضہ جبریل ثم ینادی فی اھل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ فیبغضونہ ثم یوضع لہ البغضاء فی الارض۔ (بخاری، مسلم، ترمذی بلفظ مسلم)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر بتاتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو پھر جبریلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ آسمان میں پکار کر بتا دیتے ہیں کہ : اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو بعرض اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی مقبولیت کا پروانہ زمین پر نازل ہوتا ہے اور جب اللہ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر بتاتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض رکھو چنانچہ جبریلؑ بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور آسمان والوں کو ندا دے کر بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے بغض رکھتا ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو چنانچہ آسمان والے بھی بغض رکھنے لگتے ہیں اور پھر اس کے لیے پروانۂ بغض زمین پر نازل ہوتا ہے۔

۱۷۷۔ مُحبّ کا حشر محبوب کے ساتھ :

(انسؓ) ان رجلا سأل النبی صلی الله علیه وسلم فقال متی الساعة؟ قال وما اعددت لها؟ قال لاشیٔ الا انی احب الله ورسوله فقال انت مع من احببت قال انسؓ فما فرحنا بشیٔ فرحنا بقوله صلی الله علیه وسلم انت مع من احببت فانا احب النبی صلی الله علیه وسلم وابابکرؓ وعمرؓ و ارجوان اکون معهم بحبی ایاهم وان لم اعمل اعمالهم۔

(شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: اور تو کچھ نہیں ہے، بس اتنی سی بات ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبّت رکھتا ہوں۔ فرمایا: پھر تم اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ "تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو" جتنی خوشی ہوتی ہے کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس اپنی محبّت کی وجہ سے میرا حشر بھی انہی بزرگوں کے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ ان جیسے میرے عمل نہیں۔

۱۷۸۔ ارواح کی مختلف ٹولیاں :

(عائشة) وقد قدمت امرأة مزاحة من اهل مکة المدینة فنزلت علی نظیرة لها فقالت عائشةؓ صدق حبی صلی الله علیه سمعته یقول الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف۔ (بخاری)

مکّے کی رہنے والی ایک بذلہ سنج، پُر مذاق عورت مدینے آئی اور اپنے ہی جیسی ایک عورت کے پاس ٹھہری۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ: روحیں مختلف گروہوں میں منقسم ہوتی ہیں۔ جو باہم متعارف ہوتی ہیں۔ وہ مل بھی جاتی ہیں اور جو متعارف نہیں ہوتیں وہ الگ ہوجاتی ہیں۔

۱۷۹۔ اللہ اور اُس کے بندوں کے فیصلے کی یکسانی :

(ابوسعیدؓ) رفعه: الا اخبرکم باحبکم الی الله؟ قالوا بلی قال ان احبکم الی الله احبکم الی الناس الا اخبر حتـم

میں تمہیں بتا نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ضرور ارشاد ہو، فرمایا: سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہی ہے جو النّاس

بابغضكم الى الله؟ قلنا بلى قال ان ابغضكم الى الله ابغضكم ابغضكم الى الناس (اوسط وفيه عبدالرحمٰن بن حيدة الانباري)

کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ پھر فرمایا: میں بتادوں کہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ضرور! فرمایا: جو انسانوں کی نگاہ میں زیادہ قابلِ نفرت ہے وہی اللہ کے نزدیک بھی زیادہ قابلِ نفرت ہے۔

۱۸۰ - نماز، روزے سے بھی افضل عمل:

(ابو الدرداء) رفعه: الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوٰة والصدقة؟ قالوا بلى قال صلاح ذات البين فان فساد ذات البين هي الحالقة (ابو داؤد، ترمذي)

میں تمھیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں جس کا درجہ صوم، صلوٰۃ اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ لوگوں نے کہا: ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا: باہم صلح رکھنا، کیونکہ باہمی فساد تباہ کن چیز ہے۔

۱۸۱ - حسن خلق کی وصیت:

(معاذؓ) كان آخر ما اوصانی به النبی صلی الله علیه وسلم حین وضعت رجلی فی الغرز ان قال یا معاذ احسن خلقك للناس ۔ (موطا)

جس وقت میں سفر میں جا رہا تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے معاذ! لوگوں کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے رکھو۔

۱۸۲ - غرض بعثت نبویؐ:

(مالکؒ) بلغه: ان النبی صلی الله علیه وسلم قال بعثت لاتمم حسن الاخلاق ۔ (ابو داؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مبعوث ہی اس لیے ہوا ہوں کہ حسنِ اخلاق کو کمال تک پہنچا دوں۔

۱۸۳ - حسن خلق کا عجیب درجہ:

(عائشةؓ) رفعته: ان المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم ۔ (ابو داؤد)

مومن محض اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے صائم النہار اور شب زندہ دار کے درجہ کو پالیتا ہے۔

۱۸۴۔ مقیاسِ ایمان :

(عائشۃؓ) رفعتہ : ان من اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً و الطفھم باھلہ۔ (ترمذی)

جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں، اور جو اپنے اہل وعیال پر سب سے زیادہ مہربان ہو وہی ایمان میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے۔

۱۸۵۔ خلقِ حسن کا وزن :

(ابوالدرداءؓ) رفعہ : ما من شئ اثقل فی میزان المؤمن یوم القیامۃ من خُلق حَسَن وان اللّٰہ تعالیٰ یبغض الفاحش البذی۔ (ترمذی)

قیامت کے دن اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھی مومن کی میزان میں زیادہ وزن نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ بے حیا بیہودہ گو سے بغض رکھتا ہے۔

۱۸۶۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے زیادہ پیارا اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت :

(جابرؓ) رفعہ : ان من احبکم الی واقربکم منی مجلساً یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقاً وان ابغضکم الی وابعدکم منی مجلساً یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون۔ (ترمذی)

مجھے سب سے زیادہ محبوب اور بروزِ حشر سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو اخلاق میں سب سے زیادہ بہتر ہوں اور میری نگاہ میں سب سے زیادہ مبغوض اور بروزِ قیامت مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ بکواس کرتے ہوں اور خواہ مخواہ کلام کو طول دیتے ہوں اور تکبر کرتے ہوں۔

۱۸۷۔ اثم (گناہ) کی قابلِ غور تعریف :

(النواس بن سمعانؓ) رفعہ : البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک وکرھت ان یطلع علیہ الناس (مسلم، ترمذی)

بِر (نیکی) حسنِ خلق کا نام ہے اور اثم (گناہ) وہ ہے جو تمھارے دل پر اثر کرے اور تمھیں یہ پسند نہ ہو کہ دوسروں کو اس کا علم ہو۔

۱۸۸۔ حیا اور بے حیائی کا انجام :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔

حیا ایمان ہی کا ایک جزء ہے اور ایمان کا انجام بہشت ہے فحش کلامی بدخلقی ہے اور بدخلقی کا انجام دوزخ ہے۔

۱۸۹۔ حیا اور بے حیائی کا اثر دوسری چیزوں پر :

(انس رض) رفعه : ماکان الفحش فی شیٔ الاشانه وما کان الحیاء فی شیٔ الازانه ۔ (ترمذی)

بے حیائی جس چیز میں بھی شامل ہوگی اُسے معیوب بنا دے گی اور حیا جس شے میں ہوگی اُسے مزین کر دے گی۔

۱۹۰۔ دین اسلام کا قوام :

(زید بن طلحة بن رکانة) بسنده مرفوعا: ان لکل دین خلقا و خلق الاسلام الحیاء۔ (مالك)

ہر دین کا ایک خاص اخلاقی مزاج ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاقی قوام حیا ہے۔

۱۹۱۔ دوست کا انتخاب :

(ابو هریرة رض) رفعه : المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل۔ (ابو داؤد ، ترمذی)

انسان اپنے دوست کے دین (طریقۂ زندگی) پر ہوا کرتا ہے اس لیے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیئے، کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

۱۹۲۔ حلقۂ احباب مقیاس ہے :

(ابن مسعود رض) قال اعتبروا الناس باخوانهم (کبیر بلین)

لوگوں کا اندازہ ان کے بھائی بندوں سے کر لیا کرو۔

۱۹۳۔ عفو و درگزر کی تاثیر :

(ابن عمر رض) رفعه : تعافوا تسقط الضغائن بینکم۔ (بزار بضعف)

باہم عفو و درگزر سے کام لیا کرو اس سے باہمی کینے دور ہو جاتے ہیں۔

۱۹۴۔ سوئے ظن سے بچو :

(انس رض) رفعه : احترسوا من الناس بسوء الظن۔ (اوسط بمدلس)

لوگوں کے متعلق بدگمانی سے بچو۔

۱۹۵ - دو رُخا پن کا حشر :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : تجدون من شر الناس عند اللّٰہ تعالیٰ یوم القیامۃ ذالوجھین الذی یأتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ ۔ (الستۃ الا النسائی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بروزِ قیامت سب سے بدتر اسے پاؤ گے جو دو رُخی پالیسی والا ہوگا ۔ اِدھر اس کا کچھ اور رُخ ، اور اُدھر کچھ اور ۔

۱۹۶ - اطمینان و سکون کی فضیلت :

(سھل بن سعدؓ) رفعہ : الاناۃ من اللّٰہ والعجلۃ من الشیطان ۔ (ترمذی)

سنجیدگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ۔ اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ۔

۱۹۷ - کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ :

(ابوبکرۃؓ) اثنی رجل علی رجل عند النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال ویلک قطعت عنق صاحبک قطعت عنق صاحبک ثلاثا ثم قال من کان منکم مادحا اخاہ لا محالۃ فلیقل احسب فلانا واللّٰہ حسیبہ ولا ازکی علی اللّٰہ احدا احسب کذا وکذا ان کان یعلم ذلک منہ ۔ (شیخین ، ابو داؤد)

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے شخص کی تعریف کی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین بار فرمایا کہ : تم نے اپنے رفیق کی گردن کاٹ ڈالی ۔ پھر فرمایا کہ اگر تمھیں اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہی پڑے تو یوں کہو کہ : میرا گمان فلاں کے متعلق یہ ہے اور حقیقتِ حال کا علم اللہ ہی کو ہے ۔ کسی کی تعریف میں اللہ تعالیٰ سے آگے مت بڑھ جاؤ ۔ تمھیں اگر کسی کے متعلق قابلِ تعریف ہونے کا یقین ہے ، تو بس اتنا کہہ دو کہ میرے خیال میں وہ ایسا ہے ۔

۱۹۸ - نرمی سے جو محروم ہو :

(جریرؓ) رفعہ : من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ ۔ (مسلم ، ابو داؤد)

جو نرمی سے محروم ہوا وہ ساری خوبیوں سے محروم ہوا ۔

امر و نہی اور خیر خواہی

۱۹۹۔ درجات ایمان اور اس کے تقاضے (برائی کو دیکھنے کے بعد):

(ابوسعیدؓ) رفعه: من رای منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان۔ (مسلم، اصحاب سنن)

تم میں سے جس شخص کو منکر (خلاف مرضی الٰہی بات) نظر آئے وہ اُسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے ٹھیک کر دے۔ اگر اُس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے کام لے اور اُس کا بھی یارا نہ ہو تو دل سے ہی سہی اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے۔

۲۰۰۔ ظلم سے نہ روکنے کی سزا:

(ابوبکرؓ) یا ایها الناس انکم تقرءون هذه الآیة وتضعونها علی غیر موضعها یاایها الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم وانا سمعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه اوشک ان یعمهم الله بعقاب۔

(ابوداؤد، ترمذی)

اے لوگو! تم آیت پڑھتے ہو لیکن اسے اس کا صحیح مقام نہیں دیتے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) مسلمانو! اپنے آپ کو سنبھال لو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ہدایت یافتہ ہو چکنے کے بعد کوئی گمراہ تمھیں نقصان پہنچا دے۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑلیں۔ (یعنی اسے ظلم سے نہ روک دیں) تو یہ کچھ بعید نہیں اللہ سب ہی کو اپنے عتاب کی لپیٹ میں لے لے۔

۲۰۱۔ امر و نہی ایک دائمی فریضہ ہے:

(حذیفہؓ) رفعه: والذی نفسی بیده لتأمرون بالمعروف ولتنهون عن

قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرتے

المنكر اوليوشكن الله يبعث عليكم عقابا منه ثم تدعونه فلا يستجيب لكم ۔ (ترمذی)

رہو ورنہ یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے اور تم اُسے پکارتے رہو جب بھی جواب نہ ملے ۔

۲۰۲۔ سب سے بڑا جہاد :

(ابوسعیدؓ) رفعه: ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ظالم سلطان کے آگے عدل کا کلمہ کہہ دینا سب سے بڑا جہاد ہے ۔

۲۰۳۔ واعظ بے عمل کا حشر :

(اسامةؓ) ..... وانی سمعته یقول مررت ليلة اسرى بي باقوام تقرض شفاههم بمقاريض من نار قلت من هؤلاء يا جبريل؟ قال خطباء امتك الذين يقولون ما لا يفعلون ۔ (شیخین)

...... میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ کہتے سنا ہے کہ : میں شبِ اسرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے ۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا : یہ کون لوگ ہیں ؟ اُنھوں نے کہا کہ : یہ آپ کی اُمت کے وہ خطباء ہیں جو کہتے تھے لیکن عمل نہیں کرتے تھے ۔

۲۰۴۔ گمراہی اپنی انتہا کو کس طرح بتدریج پہنچتی ہے :

(علیؓ) رفعه : كيف بكم اذا فسق فتيانكم و طغى نساءكم ؟ قالوا يا رسول الله وان ذلك لكائن ؟ قال نعم و اشد كيف بكم اذا لم تأمروا بالمعروف وتنهوا عن المنكر؟ قالوا يا رسول الله وان ذلك لكائن ؟ قال نعم واشد كيف بكم اذا امرتم بالمنكر ونهيتم عن المعروف؟ قالوا

کیا حال ہوگا تم لوگوں کا اُس وقت جب تمھارے نوجوان فاسق اور تمھاری عورتیں بدکار ہو جائیں گی ۔؟ لوگوں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ ! کیا واقعی ایسا ہو جائے گا ؟ فرمایا : ہاں اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ، اور کیا حال ہوگا جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دو گے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ : یہ بھی ہوگا ؟ فرمایا: ہاں ! اس سے بھی سوا ہوگا ۔ جب تم منکر کا حکم دینے لگو گے اور معروف سے روکنے لگو گے ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ :

اللہ وان ذلک لکائن قال نعم واشد کیف بکم اذا رأیتم المعروف منکرًا والمنکر معروفا (رزین)

یا رسول اللہ! کیا یہاں تک نوبت آجائے گی؟ فرمایا: ہاں! اس سے بھی زیادہ جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگو گے (یعنی قدریں ہی بدل جائیں گی)

۲۰۵۔ تذلیل مومن کے وقت ترک مدد:

(سہل بن حنیف) رفعہ: من اذل عندہ مؤمن فلم ینصرہ وھو یقدر علی ان ینصرہ اذلہ اللہ علی رؤس الخلائق یوم القیٰمۃ۔ (احمد کبیر)

جس کے سامنے کسی مومن کی تذلیل ہو رہی ہو اور وہ امداد کی قدرت رکھتا ہوا بھی اس کی مدد نہ کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اُسے رسوا کرے گا۔

۲۰۶۔ آٹے کے ساتھ گھن کیوں پستا ہے؟:

(جابرؓ) رفعہ: اوحی اللہ الی مَلَك من الملائکۃ ان اقلب مدینۃ کذا وکذا علی اھلھا قال ان فیھا عبدك فلان لم یعصك طرفۃ عین قال اقلبھا علیہ و علیھم فان وجھہ لم یتمعر فی ساعۃ قط۔ (اوسط بلین یعنی لم یغضب اللہ)

اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ: فلاں شہر کا طبقہ اُلٹ دو۔ فرشتے نے عرض کیا کہ: بارالہا! اس میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے ایک لحظے کے لیے بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ: اس پر بھی اور دوسروں پر بھی شہر کو اُلٹ دو، کیونکہ لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے کبھی اس کے چہرے سے ناگواری کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔

۲۰۷۔ امر و نہی کے لیے سو فی صد عمل ہونا ضروری نہیں:

(انسؓ) قلنا یا رسول اللہ لانأمر بالمعروف حتی نعمل بہ ولا ننھی عن المنکر حتی نجتنبہ کلہ؟ فقال بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا بہ

ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: کیا امر و نہی کا فریضہ اس وقت تک ادا نہ کریں جب تک معروف پر پورا عمل اور نہی سے کامل اجتناب نہ کرلیں؟ فرمایا: اگرچہ معروف پر تمہارا پورا عمل اور منکر سے کامل پرہیز

وانھوعن المنکر وان لم تجتنبوہ کلہ - (اوسط صغیر بضعف)

نہ ہو لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیے جاؤ۔

۲۰۸ - دین ہر ایک کی خیر خواہی کا دوسرا نام ہے :

(تمیم الداری) رفعہ : ان الدین النصیحۃ قلنا لمن یارسول اللہ ؟ قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

دین تو نام ہے خیر خواہی کا۔ ہم نے پوچھا کہ : یارسول اللہ! کس کی خیر خواہی ؟ فرمایا : اللہ، قرآن، رسولؐ اولی الامر اور عوام کی۔

۲۰۹ - بیعت اسلام کی شرط خاص :

(جریر بن عبد اللہ) اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ابایعک علی الاسلام فشرط علی الاسلام فشرط علی والنصح لکل مسلم (الثلاثۃ الامالکا)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ : بیعت اسلام کرنا چاہتا ہوں حضورؐ نے منجملہ اور باتوں کے ہر مسلمان کی خیر خواہی کو بھی شرط اسلام قرار دیا۔

حُسنِ نیّت اور صدق و کذب

۲۱۰ - جہاد کا مقصد ہدایت ہے نہ کہ غنیمت و قتل :

(علی بن سہلؓ)...... قال علی ان اباہ حدثہ قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فلما بلغنا المغار استحثثت فرسی فسبقت اصحابی وتلقانی الحی بالرنین فقلت لھم قولوا لا الہ الا اللہ تحرزوا فقالوھا فلامنی اصحابی وقالوا احرمتنا الغنیمۃ

......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ایک سریے میں بھیجا۔ جب ہم لوگ مقام غارت گری پر پہنچے تو میں نے اپنے گھوڑے کو تیز کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے آگے نکل گیا۔ مجھے زنین کا وہ قبیلہ مل گیا۔ ان سے میں نے کہا کہ : لا الہ الا اللہ کہہ دو تو تم محفوظ ہو جاؤ گے انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور بچ گئے۔ اس پر میرے ساتھیوں نے مجھے یہ کہہ کر ملامت کی کہ : تم نے ہم لوگوں کو مالِ غنیمت سے محروم کر دیا۔

فلمّا قدمنا علی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اخبروہ بالذی صنعت فدعانی فحسن لی ما صنعت وقال اما ان اللّٰہ قد کتب لک من کل انسان منھم کذا وکذا .... (رزین)

جب ہم لوگ واپس آئے تو میرے اس فعل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر میرے اس فعل کی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ ہر انسان (جس کی جان بچی) کے بدلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ یہ انعام رکھا ہے ....

۲۱۱ - غلط مفتی اور غلط مشیر:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ - (ابوداؤد)

جو بغیر واقفیت کے فتویٰ دے تو اس غلط فتوے کا گناہ اس مفتی کے سر ہوگا، اور جو شخص اپنے بھائی کو ایسی بات کا مشورہ دے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ یہ صحیح مشورہ نہیں وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

۲۱۲ - مشورہ امانت ہے:

(ام سلمۃؓ) رفعتہ: المستشار مؤتمن۔
(ترمذی، ابوداؤد عن ابی ھریرۃؓ)

جس سے مشورہ لیا جائے اُس کی حیثیت امین کی ہو جاتی ہے۔

۲۱۳ - اللہ تعالیٰ کی نظر ظاہر پر نہیں ہوتی:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن انما ینظر الی اعمالکم وقلوبکم - (قزوینی)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں یا باتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

۲۱۴ - ایضاً:

(ابن عباسؓ) رفعہ: من اخلص للّٰہ اربعین صباحاً ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ - (رزین)

اگر کوئی شخص چالیس یوم مسلسل اخلاص و للّٰہیت میں بسر کرے تو اس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے اُبلنے لگتے ہیں۔

۲۱۵- شک سے اطمینان کی طرف :

(ابوالجوزاء السعدی) قلت للحسن ابن علی ما حفظت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال حفظت منہ دع ما یریبك الی ما لا یریبك فان الصدق طمانینة والکذب ریبة۔ (ترمذی، نسائی)

میں نے حسنؓ بن علیؓ سے پوچھا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا ارشاد آپ کو یاد ہے؟ بولے کہ: مجھے یہ بات یاد ہے کہ: جو بات تمھیں شک میں ڈالے اُسے چھوڑ کر وہ بات کرو جس میں کوئی شک نہ رہے کیونکہ سچ اطمینان کا ذریعہ اور جھوٹ شک کا سبب ہے۔

۲۱۶- جھوٹ کا اثر :

(ابن عمرؓ) رفعہ: اذا کذب العبد تباعد عنہ الملك میلا من نتن ما جاء بہ۔ (ترمذی)

جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اُس کی بدبُو سے میلوں دُور بھاگ جاتا ہے۔

۲۱۷- کسی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنا :

(بہزؓ بن حکیم) عن ابیہ عن جدہ رفعہ: ویل للذی یحدث بالحدیث یضحك بہ القوم فیکذب ویل لہ ویل لہ (ابوداؤد، ترمذی)

بُرا (ناس) ہو اُس کا جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی باتیں کرتا ہو ایسے شخص کے لیے بربادی ہی بربادی ہے۔

۲۱۸- دروغ گوئی کا بدترین انداز :

(سفیان بن اسید الحضرمی) رفعہ: کبرت خیانة ان تحدث اخاك حدیثا ھو لك بہ مصدق وانت لہ بہ کاذب۔ (ابوداؤد)

تم اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات بیان کرو جس میں وہ تمھیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم دراصل جھوٹ کہہ رہے ہو تو یہ شدید گناہ ہے۔

سخاوت وبخل

۲۱۹۔ سخی وبخیل کا فرق:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار والبخیل بعید من اللہ بعید من الناس بعید من الجنۃ قریب من النار ولجاھل سخی احب الی اللہ من عابد بخیل (ترمذی)

سخی اللہ، انسان اور جنت تینوں سے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دُور، اور بخیل اللہ تعالےٰ، انسان اور جنت تینوں سے دُور ہوتا ہے اور آگ سے قریب۔ ایک جاہل (یعنی گنوار اور اُجڈ) مگر سخی اللہ کو بخیل عابد سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

۲۱۹۔ منفق پر خدا کا انفاق:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: قال اللہ تعالیٰ اَنفِق اُنفِق علیک وقال صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ ملآی لا یغیضھا نفقۃ سحاء اللیل والنھار اریتم ما انفق منذ خلق السموات والارض فانہ لم یغض ما فی یدہ...... (شیخین وترمذی)

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: تم دوسروں پر انفاق کرو تو میں تم پر انفاق کروں گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ معمور ہی رہتا ہے۔ رات دن کی بارش جُود وعطا سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ دیکھتے نہیں کہ زمین وآسمان کی آفرینش کے دن سے آج تک کبھی اس کے خزانے میں کمی نہیں آسکی۔

۲۲۰۔ دولت مند خدا کی بادشاہت میں کس طرح جاسکتا ہے؟:

(ابوذرؓ) انتھیت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رآنی قال ھم الاخسرون ورب الکعبۃ فجئت حتی جلست فلم اتقار ان قمت فقلت یا رسول اللہ فداک ابی وامی من ھم؟ قال ھم الاکثرون اموالا الا من قال ھکذا وھکذا وھکذا من بین یدیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے اور میں وہاں حاضر ہوا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: ربّ کعبہ کی قسم وہ لوگ گھاٹے میں ہیں۔ میں حضورؐ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ میں کھڑا ہوگیا اور عرض کیا کہ: حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ (جن کے متعلق ابھی فرمایا ہے کہ وہ لوگ گھاٹے میں ہیں) فرمایا: وہ لوگ جو دولت مند ہیں بجز ان دولت مندوں کے جو اپنی دولت ہر چہار طرف

ومن خلفه وعن يمينه وعن شماله و قليل ما هم - (شيخين، ترمذی، نسائی)

(راہِ خدا میں) دیتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اس موقعے پر حضورؐ نے ہاتھوں سے اپنے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں دینے کا ارشاد فرمایا۔

۲۲۰ - شُحّ بدترین خصلت ہے :

(ابن عمرؓ) رفعه : اياكم و الشحّ فانما هلك من كان قبلكم بالشح امرهم بالبخل فبخلوا و امرهم بالفجور ففجروا - (ابوداؤد)

شُحّ (بخیلانہ حرص یا حریصانہ بخل) سے بچو۔ پچھلی اُمّتیں اسی شُحّ کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ یہ شُحّ اُنھیں بُخل پر اُکساتا تو وہ بُخل کرتے اور جب فجور پر اُبھارتا تو فجور کرتے۔

۲۲۱ - جائداد بنانے سے بچو :

(ابن مسعودؓ) رفعه : لا تتخذوا الضيعة فترغبوا فی الدنيا - (ترمذی)

اپنی کوئی جائیداد نہ بناؤ۔ ورنہ دنیا میں پھنس جاؤ گے۔

۲۲۲ - اُمّت کے لیے سب سے بڑا فتنہ :

(کعبؓ بن عیاضؓ) رفعه : ان لکل امة فتنة و ان فتنة امتی المال - (ترمذی)

ہر اُمّت کے لیے ایک ذریعہ آزمائش ہوتا ہے اور میری اُمّت کا ذریعہ آزمائش مال ہے۔

۲۲۳ - مال میں مالدار کا اصلی حصّہ کتنا ہے؟ :

(ابوھریرۃؓ) يقول العبد مالی مالی و إنّما له من ماله ثلاث ما اکل فافنی او لبس فابلی او اعطی فاقتنی وماسوی ذلك فهو ذاهب تارکه للناس -

(مسلم)

بندہ "میرا مال میرا مال" بکتا رہتا ہے، حالانکہ مال میں اس کا حصّہ صرف تین چیزیں ہوتی ہیں : (۱) جو وہ کھاکر ہضم کر لیتا ہے۔ (۲) پہن کر پُرانا کر دیتا ہے۔ (۳) اور کسی کو دے کر اپنا ذخیرۂ آخرت بناتا ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے یا وہ اُسے دوسروں کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔

۲۲۴۔ انسان کا اپنا مال کونسا ہے ؟ :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : ایّکم مال وارثہ احب الیہ من مالہ؟ قالوا یارسول اللہ مامنا احدٌ الّا مالہ احبّ الیہ قال فانّ مالہ ماقدّمَ ومال وارثہٖ ما اخّر۔ (بخاری ونسائی)

حضورؐ نے پوچھا کہ : تم میں کون شخص ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ : یارسول اللہ! ہم میں ایسا تو کوئی بھی نہیں جسے اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔ فرمایا : تو سُن لو کہ ہر ایک کا اپنا مال وہ ہے جو وہ آگے بھیج چکا ہے (یعنی راہِ خدا میں دے چکا ہے) اور دوسروں کا مال وُہ ہے جو اس نے رکھ چھوڑا ہے۔

۲۲۵۔ دنیا مومن و کافر کے لیے :

(ابوھریرۃؓ) الدنیا سجن المؤمن وجنّۃ الکافر۔ (مسلم، ترمذی)

دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔

۲۲۶۔ حُبِّ دنیا انسان کو کیا بنا دیتی ہے ؟ :

(انسؓ) رفعہ : حُبُّ الدنیا رأس کل خطیئۃ وحبك الشئی یعمی ولیصم۔ (رزین)

دُنیا کی محبّت گناہوں کی جڑ ہے۔ کسی شئے کی محبّت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

۲۲۷۔ انسان کی مثال اِس دُنیا میں :

(ابن مسعودؓ) مالی وللدنیا ما انا والدنیا الاکراکب اِستظلّ تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔ (مسلم، ابوداؤد)

میرا دنیا سے کیا سروکار ہے؟ میری اور دُنیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مسافر کسی درخت کے سائے تلے ذرا آرام کرے اور پھر اُسے چھوڑ کر چل دے۔

۲۲۸۔ آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی ہستی کی مثال :

(المستورد اخو بنی فہر) رفعہ : ما

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال

الدنیا فی الاٰخرۃ الامثل ما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ و اشار یحیی بالسبابۃ فی الیم فلینظر بم یرجع۔ (مسلم، ترمذی)

ایسی ہے جیسے کوئی یہ اُنگلی (یعنی انگشت شہادت) سمندر میں ڈال کر نکال لے۔ پھر دیکھے کہ اس نمی کو پورے سمندر سے کیا نسبت ہے؟

اخلاق رذیلہ

۲۲۹۔ بہادر کون ہے:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملك نفسہ عند الغضب۔ (شیخین، موطأ)

بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، بہادر وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے اُوپر قابو رکھے۔

۲۳۰۔ غصّے کی حقیقت اور اُس کا علاج:

(ابو وائل)...... قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الغضب من الشیطان و ان الشیطان خلق من نار وانما یطفأ النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضأ۔ (ابوداؤد)

...... عطیہ کا بیان ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: غصّہ شیطانی فعل ہے شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھتی ہے لہٰذا جسے غصّہ آئے وہ وضو کر لے۔

۲۳۱۔ ایضاً:

سلیمان بن سرد) استب رجلان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن عندہ فبینما احدھما یسب صاحبہ مغضبا قد احمر وجھہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم کلمۃ لو

دو شخصوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپس میں گالی گلوچ کی ہم لوگ بھی وہیں موجود تھے۔ ان دونوں میں ایک شخص دوسرے کو گالی دے رہا تھا تو غصّے سے اُس کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر وہ اُسے

قالها الذهب عن الذی یجد لو قال اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ذهب ما یجد ..... (شیخین، ابو داؤد)

زبان سے ادا کرے (یا اس کا قائل ہو جائے) تو اس کا غصہ جاتا رہے۔ یعنی اگر وہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہے تو اس کا غصہ دور ہو جائے۔

۲۳۲۔ ترکِ غصہ کی نصیحت کی تکرار:

(ابو ھریرۃ) ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مرنی بامر و اقلله علی کی اعقله قال لا تغضب فردد مراراً قال لا تغضب (بخاری، موطا، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ: مجھے کوئی حکم فرمائیے مگر وہ ایسا مختصر ہو کہ میرے دماغ میں آجائے۔ فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا اور حضورؐ نے ہر بار یہی فرمایا کہ: غصہ نہ کیا کرو۔

۲۳۳۔ غصے کا ایک اور علاج:

(ابن عباسؓ) رفعه: علموا و یسروا ولا تعسروا اذا غضب احدکم فلیسکت واذا غضب احدکم فلیسکت واذا غضب احدکم فلیسکت۔ (احمد، کبیر)

تعلیم دو اور آسانی کو پیش نظر رکھو اور دشواری نہ پیدا کرو۔ پھر تین بار فرمایا: اگر کسی کو طیش آجائے تو سکوت اختیار کرلے۔

۲۳۴۔ حکام کے لیے قابلِ غور:

(محمد بن عطیہؓ) عن ابیه عن جده۔ رفعه: اذا استشاط السلطان تسلط الشیطان۔ (احمد، کبیر)

اگر کسی سلطان پر غصہ سوار ہو تو سمجھ لو کہ اس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے۔

۲۳۵۔ غیبت کی تعریف اور بہتان سے فرق:

(ابو ھریرۃؓ) رفعه: أتدرون ما الغیبة؟ قالوا اللہ ورسوله اعلم قال ذکرک اخاک بما یکره فقال رجل ارأیت ان کان فی اخی ما اقول؟

جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور رسولؐ بہتر جانتا ہے، فرمایا: کسی کا اپنے بھائی کے متعلق ایسی باتیں بیان کرنا جو اسے ناگوار ہوں۔ ایک شخص نے عرض کیا: اگر اس میں واقعی وہ بات موجود ہو جس

قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته وان لم یکن فیه ما تقول فقد بهتّه - (ابوداؤد، ترمذی)

کہتا ہوں؟ فرمایا: تم جو کچھ کہو اگر وہ واقعی اس میں ہو تو یہ غیبت ہوگی - اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو جو تم کہہ رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا -

۲۳۶ - شبہہ غیبت پر نوٹس ؛

(عائشہؓ) قلت یا رسول اللہ حسبك من صفیة قصرها قال لقد قلت کلمة لو مزج بها البحر لمس جبته .... (ابوداؤد، ترمذی)

میں (عائشہ رضی) نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! صفیہؓ (ام المؤمنین) کی مذمت کے لیے تو ان کا پست قامت ہونا ہی کافی ہے - حضورؐ نے فرمایا کہ: تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو وہ اُسے بھی گدلا کردے...

۲۳۷ - مسلمان کی بے حرمتی بھی سُود خواری ہے ؛

(سعید بن زید) رفعه: ان من اربی الربوا الاستطالة فی عرض المسلم بغیر حق - (ابوداؤد)

بدترین ربا (سود) کسی مسلمان کی عزت پر بے جا حملہ ہے -

۲۳۸ - چغل خور کا انجام ؛

(حذیفةؓ) رفعه: لا یدخل الجنة قتات - (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

چغل خور جنّت میں نہیں جائے گا -

۲۳۹ - بلیغ تنبیہ ؛

(ابن مسعودؓ) کنا عند النبی صلی اللہ علیه وسلم فقام رجل فوقع فیه رجل من بعده فقال له صلی اللہ علیه وسلم تخلل فقال ومما اتخلل یا رسول اللہ أاکلت لحما؟ قال انك اکلت لحم اخیك -

(کبیر)

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص اُٹھ کر چلا گیا - دوسرے شخص نے اس کے جانے کے بعد اس کی کچھ عیب چینی کی - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: خلال کر لو، اس نے کہا: خلال کس بات کا؟ کیا میں نے کوئی گوشت کھایا ہے؟ فرمایا: ہاں تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے -

لہو و لعب

۲۴۰ - کبوتر بازی :

(ابو ھریرۃؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یتبع حمامۃ فقال شیطان یتبع شیطانۃ (ابوداؤد)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کبوتر باز کو کسی کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا تو فرمایا : شیطانہ کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے ۔

۲۴۱ - نشانہ بازی کی مشق ذی رُوح پر :

(ابن جبیر) ...... ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن من اتخذ الروح عرضاً ۔ (شیخین ، نسائی)

.... جو شخص کسی ذی روح پر نشانہ بازی کی مشق کرے ، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ۔

۲۴۲ - اظہارِ مسرت کا ایک طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا :

(انسؓ) لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ لعبت الحبشۃ لقدومہ فرحا بذلک لعبوا بحرابھم ۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تشریف لائے تو حبشیوں نے اپنے نیزوں کے کرتب دکھا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا ۔

لعن و طعن

۲۴۳ - مومن کی زبان کا منفی پہلو :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : لیس المؤمن بطعان ولا لعان ولا فاحش ولا بذی ۔ (ترمذی)

مومن نہ لعن طعن کیا کرتا ہے ، نہ بے حیائی نہ فحش گوئی ۔

۲۴۴۔ مومن کو گالی دینے اور قتل کرنے کا فرق:

(ابن مسعودؓ) رفعه: سباب المؤمن من فسوق وقتاله کفر۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

مومن کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

۲۴۵۔ کسی کو فاسق و کافر کہنے کا نتیجہ:

(ابوذرؓ) رفعه: لا یرمی رجل رجلا بالفسق او الکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلك۔ (بخاری)

اگر کسی کو فاسق یا کافر کہا جائے اور وہ دراصل ایسا نہ ہو تو یہ الفاظ پلٹ کر کہنے والے ہی پر آئیں گے۔

۲۴۶۔ کسی چیز پر لعنت کرنے کے بعد:

(ابوالدرداءؓ) رفعه: اذا لعن العبد شیئا صعدت اللعنة الی السماء فتغلق ابواب السماء دونها ثم تهبط الی الارض فتغلق ابوابها دونها فتأخذ یمینا وشمالا فاذا لم تجد مساغاً رجعت الی الذی لعن فان کان لذلك اهلا والا رجعت الی قائلها۔ (ابوداؤد)

جب بندہ کسی پر لعنت کرتا ہے، تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس لعنت کو روکنے کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ زمین کی طرف آتی ہے تو زمین کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ دائیں بائیں جاتی ہے اور جب اُسے کوئی ٹھکانا نہیں ملتا تو اس کے بعد اُدھر جاتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے۔ اگر وہ واقعی اس لعنت کا مستحق ہوا تو فبہا، ورنہ لعنت کرنے والے کی طرف پلٹ آتی ہے۔

۲۴۷۔ گالی کا آغاز کرنے والا:

(ابوھریرةؓ) رفعه: المستبان ما قالا فعلی البادی منهما حتی یعتدی المظلوم۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

دو آدمی جب ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں تو ان سب گالیوں کا گناہ اس پر ہوتا ہے جو ابتدا کرے۔ الّا آنکہ مظلوم زیادتی کا مرتکب ہو۔

۲۴۸ - زمانے کو بُرا بھلا کہنا :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : قال اللہ تعالیٰ
یسب بنو ادم الدھر وانا الدھر
بیدی اللیل والنھار - وفی روایۃ:
یؤذینی ابن ادم یقول یا خیبۃ
الدھر فانی انا الدھر اقلب
لیلہ ونھارہ - (شیخین، ابوداؤد، موطأ)

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے : یہ آدم زادے زمانے" کو گالی دیتے ہیں، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ یعنی رات اور دن میرے قبضے میں ہیں۔ دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ : جب فرزندِ آدمؑ یہ کہتا ہے کہ یہ نامراد "زمانہ"، تو دراصل مجھے (اللہ کو) اذیّت پہنچاتا ہے (لہٰذا کوئی زمانے کو نامراد نہ کہے) کیونکہ زمانہ میں خود ہی ہوں، یعنی رات اور دن کو میں ہی گردش دیتا ہوں ۔

۲۴۹ - ہوا پر ملامت کرنا :

(ابن عباسؓ) ان رجلا نازعتہ الریح
ردائہ فلعنھا فقال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم لا تلعنھا فانھا مامورۃ
مسخرۃ وانہ من لعن شیئا لیس لہ
باھل رجعت علیہ - (ابوداؤد، ترمذی)

ہوا ایک آدمی کی چادر کو اُڑانے لگی تو اس نے ہوا پر لعنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہوا پر لعنت نہ کرو - یہ تو مامور و مسخر ہے (یعنی ارادے سے نہیں چلتی) جو شخص کسی پر لعنت کرے اور وہ اُس کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت کرنے والے پر پلٹ آتی ہے ۔

۲۵۰ - مُردوں کی بُرائی کرنا :

(عائشۃؓ) رفعتہ لا تسبوا الاموات
فانھم قد افضوا الی ما قدموا -
(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

مُردوں کو بُرا بھلا نہ کہا کرو وہ جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اُدھر ہی جا چکے ہیں ۔

۲۵۱ - مُردوں کی خوبیاں بیان کرنی چاہئیں :

(ابن عمرؓ) رفعہ : اذکروا محاسن
موتاکم وکفوا عن مساویھم
(ابوداؤد، ترمذی)

مُردوں کی نیکیوں کا ذکر کرو اور بُرائیوں کے ذکر سے پرہیز کرو ۔

۲۵۲۔ اُونٹنی پر لعنت:

(عمران بن حصینؓ) بینا النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی بعض اسفارہ و امرأۃ من الانصار علی ناقۃ لھا فضجرت فلعنتھا فسمع ذلک صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال خذوا ما علیھا و دعوھا فانھا ملعونۃ قال عمران فکأنی اراھا الآن تمشی فی الناس ما یعرض لھا احد۔ (مسلم، ابوداؤد)

ایک سفر کے موقعے پر حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک انصاریہ عورت بھی اپنی اُونٹنی پر سوار تھی۔ اُس کی کسی بات سے زچ ہو کر اُس نے اپنی اُونٹنی پر لعنت کی۔ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے یہ سُنا تو فرمایا: اسے نیچے اُتار کر چھوڑ دو۔ یہ معلونہ ہے۔ اس وقت میری (عمران کی) آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے کہ وہ لوگوں میں پیدل چلی جا رہی ہے اور کوئی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

حسد و بدگمانی و پردہ دری

۲۵۳۔ حسد رشک کے دو جائز موقعے:

(ابن مسعودؓ) لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا و رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق۔ (شیخین)

(حسد و رشک) صرف دو موقعوں پر غیر مُضر ہو سکتا ہے: ایک تو ایسے آدمی سے جسے اللّٰہ نے حکمت دی ہو اور وہ اُسی کے مطابق فیصلے دیتا ہو اور اُس کی تعلیم دیتا ہو، دوسرے اُس آدمی سے جسے اللّٰہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے راہِ حق میں فنا کرنے کے درپے ہو۔

۲۵۴۔ حسد کا انجام:

(ابو ہریرہؓ) رفعہ: ایاکم والحسد فان الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب او قال العشب۔ (ابوداؤد)

حسد سے بچو! یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔

۲۵۵ - بدگمانی، ایک مسلمان دوسرے کے لیے کیسا ہو؟ :

(ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ : ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقوی ھھنا التقوی ھھنا التقوی ھھنا ویشیرہ الی صدرہ حسب امرئ من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم و اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔

(للستۃ الا النسائی)

بدگمانی سے بچو! کیونکہ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ٹوہ بھی نہ لیا کرو۔ تاہم خودغرضی، حسد، بغض اور دشمنی نہ کیا کرو۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بنے رہو۔ جیساکہ حکمِ الٰہی ہے : مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، ایک مسلمان دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، اُسے بےیارومددگار نہیں چھوڑتا اور اس کی تحقیر نہیں کرتا۔ پھر اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ : تقویٰ اس جگہ ہوتا ہے، اس جگہ ہوتا ہے، اس جگہ ہوتا ہے۔ کسی کی طرف سے شر ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کا خون آبرو اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تمھارے جسموں شکلوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

۲۵۶ - تین دن سے زیادہ ترکِ کلام کیے رہنا :

(ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) رفعہ : لا یحل لمؤمن ان یھجر مؤمنًا فوق ثلاث فان مرت بہ ثلاث فلیلقہ ولیسلم علیہ فان رد علیہ فقد اشترکا فی الاجر وان لم یرد علیہ فقد باء بالاثم۔

(ابوداؤد)

مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ دوسرے مومن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیے رہے۔ اگر تین دن ہو جائیں تو چاہیئے کہ وہ اُس سے ملے اور اُسے سلام کرے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں ہی اجر میں شریک ہوں گے اور اگر جواب نہ دے تو خود گناہ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

۲۵۷ - مومن کی حرمت کا قیام :

(ابن عمرؓ) صعد النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یُفض الایمان الی قلبہ لاتؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولا تتبعوا عوراتھم فان من یتبع عورۃ اخیہ المسلم یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ وقال نافع ونظر ابن عمر یوما الی الکعبۃ فقال ما اعظمكِ وما اعظم حرمتكِ والمؤمن اعظم حرمۃً عند اللہ منكِ ۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار منبر پر چڑھ کر زوردار آواز میں پکار کر فرمایا کہ : اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لے آئے ہو اور دل میں ابھی ایمان نہیں اُترا ہے! مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچاؤ، ان کو شرمندہ نہ کرو اور ان کی پردے کی باتوں کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پردے کی باتوں کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری کرکے رُسوا کرے گا خواہ وہ اپنے گھر میں کیوں نہ بند ہو۔
نافعؓ کا بیان ہے کہ : حضرت ابن عمرؓ نے ایک دن کعبے کو دیکھ کر فرمایا : تیری شان اور تیرا احترام زبردست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ایک مسلمان کا احترام تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

۲۵۸ - کسی کی مُصیبت پر خوش ہونے کا انجام :

(واثلۃ بن الاسقع) رفعہ : لاتظھر الشماتۃ باخیك فیعافیہ اللہ ویبتلیك۔ (ترمذی)

اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کیا کرو۔ ورنہ اُسے تو اللہ عافیت دے دے گا، اور تمھیں اُسی میں مبتلا کر دے گا۔

۲۵۹ - بلیغ اندازِ تنبیہ :

(عائشۃؓ) کان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم اذا بلغہ عن الرجل لم یقل ما بال فلان؟ ولکن یقول ما بال اقوام یقولون کذا وکذا۔ (ابی داؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ : جب کسی کی کوئی شکایت پہنچتی تو یہ کبھی نہ فرماتے کہ: فلاں شخص کا کیا حال ہے بلکہ یوں فرماتے کہ ان قوموں کا کیا حال ہے جو ایسا کہتے ہیں (یا ایسا کرتے ہیں)

تکبّر و ریاکاری وغیرہ

۲۶۰ - تکبّر اور جمال پسندی کا فرق :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : لا یدخل الجنّۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا و نعلہ حسنا قال ان اللہ جمیل و یحب الجمال الکبر بَطَرُ الحق وَغَمْطُ الناس۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

جس کے دل میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ بہشت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ: انسان تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا جوتا اچھا ہو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ یہ کبر نہیں۔ بلکہ انکار حق اور لوگوں کو نگاہ حقارت سے دیکھنا کبر ہے۔

۲۶۱ - ریاکار قاری کا ٹھکانا :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : تعوذوا باللہ من جُبّ الحزن قالوا وما جُبّ الحزن؟ قال وادٍ فی جہنّم تتعوذ منہ جہنّم کل یوم مائۃ مرۃ قیل ومن یدخلہ؟ قال القراء المراؤن باعمالھم۔ (ترمذی)

"حبّ حزن" سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے پوچھا کہ "حبّ حزن" کیا چیز ہے؟ فرمایا: جہنّم کا ایک طبقہ ہے جس سے خود دوزخ ہر روز سو بار پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا کہ: اس میں جائے گا کون؟ فرمایا: ریاکار قرّاء۔

۲۶۲ - پوشیدہ نیکی کے ظاہر ہو جانے پر خوشی :

(ابوھریرۃؓ) ان رجلا قال یارسول اللہ الرجل یعمل فیُسِرّہا ذا اطّلع علیہ اعجبہ ذلک فقال صلّی اللہ علیہ وسلّم لہ اجران اجرالسّرّ و

ایک شخص نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! بعض اوقات انسان چھپا کر نیک عمل کرتا ہے۔ لیکن جب وہ ظاہر ہو جاتا ہے تو اُسے خوشی ہوتی ہے (یہ ریاکاری تو نہیں؟) فرمایا: اس کے لیے دوہرا اجر ہے

اجر العلانية ۔ (ترمذی)

ایک پوشیدہ رکھنے کا اور دوسرا ظاہر ہو جانے کا۔

۲۶۳۔ اکبر الکبائر :

(ابو بکرۃؓ) رفعه : الا انبئکم باکبر الکبائر ثلاثا الا شراک باللہ وعقوق الوالدین الا وشهادة الزور وقول الزور وکان متکئا فجلس وما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت ۔

(شیخین ، ترمذی)

میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں (اکبر کبائر) کی نشان دہی نہ کر دوں ؟ یہ تین بار دہرانے کے بعد فرمایا کہ : یہ گناہ ہیں : اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی اور سُن لو جھوٹی گواہی اور جھوٹا بیان بھی حضورؐ اُس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر اُٹھ بیٹھے اور اس کی (یعنی جھوٹی گواہی اور جھوٹے بیان کی) اتنی بار تکرار فرماتے رہے کہ ہم لوگ دل میں کہنے لگے کہ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بس فرمائیں ۔

۲۶۴ - نو کبائر :

(عبید بن عمیرؓ) عن ابیه : انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال وقد سأله رجل عن الکبائر فقال هن تسع فذکر الشرک والسحر وقتل النفس واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی لیوم الزحف وقذف المحصنات وعقوق الوالدین واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء وامواتا ۔ (رزین)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر (بہت بڑے گناہوں) کو دریافت کیا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ نو ہیں (۱) شرک (۲) سحر (۳) قتلِ نفس (۴) سُود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد کے موقع پر فرار اختیار کرنا (۷) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا (۸) والدین کی نافرمانی کرنا (۹) کعبۃ اللہ میں خلافِ حرمت کام کرنا ، خواہ زندوں کے ذریعے سے یا مُردوں کے ۔

۲۶۵ - علاماتِ نفاق :

(ابن عمروؓ بن العاص) رفعه : اربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها

چار خصلتیں ایسی ہیں جو کسی کے اندر یکجا ہوں تو وہ پکا منافق ہوتا ہے ۔ اور اگر کسی میں ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تا آنکہ وہ اُسے ترک کر دے (۱) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے ۔

اذا ائتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر۔ (للستة الا مالكا)

(۳) جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے اور (۴) جب جھگڑے تو حد سے تجاوز کر جائے۔

جھگڑنا

۲۶۶۔ مناظرہ قوموں کی بربادی ہے:

(ابوامامةؓ) ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل ثم تلا ما ضربوه لك الا جدلا بل هم قوم خصمون۔ (ترمذی)

ہدایت کے بعد وہی قوم گمراہی کی طرف آتی ہے جس میں جھگڑنے کی عادت پیدا ہوجاتی ہے، اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) اے رسولؐ! یہ لوگ محض جھگڑنے کے لیے آپؐ پر ضرب المثل چسپاں کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

۲۶۷۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت:

(عائشہؓ) رفعته: ان ابغض الرجال الى الله الالد الخصم۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت وہ لوگ ہیں جو جھگڑنے میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں۔

نام اور کنیت

۲۶۸۔ ناموں میں جمالیاتی رعایت:

(ابوالدرداءؓ) رفعه: انكم تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء آبائكم فاحسنوا اسمائكم۔ (ابوداؤد)

تم لوگوں کو بروزِ قیامت تمہارے اور تمہارے آباء کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس لیے اپنے نام اچھے رکھو۔

۲۶۹۔شاہنشاہ کا لقب ذلیل ترین نام ہے:

(ابو ہریرہؓ) رفعہ: ان اخنع اسم عند اللہ رجل تسمّی ملك الاملاك لاملك الا اللہ قال سفیان مثل شاھنشاہ۔ (شیخان، ابوداؤد، ترمذی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ترین نام جو کوئی رکھ سکتا ہے مَلِکُ الاملاک (شاہنشاہ) ہے۔ بادشاہ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ سفیان نے اس کی مثال میں لفظ "شاہنشاہ" بتایا ہے۔

۲۷۰۔ناموں میں ذوقِ نبویؐ:

(یحییٰ بن سعیدؒ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال للقحۃ تحلب من یحلب ھذہ؟ فقام رجل فقال لہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ما اسمك؟ قال مرۃ فقال لہ اجلس ثم قال من یحلب ھذہ؟ فقام رجل فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلّم ما اسمك؟ قال حرب فقال لہ اجلس ثم قال من یحلب ھذہ؟ فقام رجل فقال لہ صلّی اللہ علیہ وسلم ما اسمك؟ قال یعیش فقال لہ احلب۔ (مالك)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ دینے والی اُونٹنی کو دیکھ کر ایک بار فرمایا کہ: اس اُونٹنی کا دُودھ کون دوہے گا۔ ایک شخص اُٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا: مرّہ (کڑوی چیز) فرمایا: تم بیٹھو۔ اس کے بعد پوچھا: اسے کون دوہے گا؟ ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا، پوچھا: تمہارا نام؟ عرض کیا: حرب (جنگ) فرمایا: تم بھی بیٹھو۔ پھر دریافت فرمایا: کون اسے دوہے گا؟ تیسرا اُٹھا۔ فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا: یعیش (جیتا ہے) فرمایا: تم دوہو۔

۲۷۱۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بُرے ناموں کے ساتھ:

(عائشہؓ) ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یغیر الاسم القبیح۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔

۲۷۲۔حُسنِ بیان اور اچھے شعر کی قدر افزائی:

(ابن عباسؓ) جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی

...یہ وسلم فجعل یتکلم بکلام فقال ان من البیان سحرا وان من الشعر حکما۔ (شیخین، ترمذی)

آیا۔ بڑے اچھے انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض گفتگو میں جادو اور بعض شعروں میں حکمتیں ہوتی ہیں۔

شعر کہنا اور سُننا

۲۷۳۔ لبید کا حقیقت آگاہ مصرعہ:

(ابوہریرہؓ) رفعہ: اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید "الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل" وکاد ابن ابی الصلت یسلم۔

(شیخین، ترمذی)

سب سے زیادہ سچی بات جو کوئی شاعر کہہ سکتا ہے وہ وہ ہے جو لبید نے ایک مصرعے میں کہی ہے کہ "الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل" (یاد رکھو اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے) یہ ابن ابی الصلت تو قریب قریب اسلام لے ہی آیا تھا۔

۲۷۴۔ مضمون کے لحاظ سے نظم ونثر میں کوئی فرق نہیں:

(ابن عمروؓ) رفعہ: الشعر بمنزلۃ الکلام فحسنہ کحسن الکلام وقبیحہ کقبیح الکلام۔ (اوسط)

شعر کی حیثیت عام گفتگو (نثر) جیسی ہے۔ جو بات نثر میں اچھی ہے وہ شعر میں بھی اچھی ہے۔ اور جو اس میں بُری ہے اس میں بھی بُری ہے۔

زہد وفقر وغیرہ

۲۷۵۔ حبّ جاہ ومال کی قابل غور تمثیل:

(ابن عمرؓ) رفعہ: ما ذئبان ضاریان فی حظیرۃ یأکلان ویفسدان باضر فیھا من حب الشرف وحب المال

دو خونخوار بھیڑیوں کا کسی زخم کو چاٹ چاٹ کر خراب کرنا زخم کے لیے اتنا مضر نہیں جتنا مضر ایک مسلمان کے دین کے لیے حب جاہ و مال

فی دین المرء المسلم۔ (ترمذی)
(کعب بن مالک) ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدینه۔
(ترمذی، دارمی، احمد)

ہے۔
دو بھیڑیئے اگر کسی غلّے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس کے لیے اتنے فساد انگیز نہیں جتنی انسان کے دین کے لیے مال وجاہ کی ہوس ہے۔

۲۷۶-میانہ روی:

(ابن عباسؓ) رفعه: ما عال مقتصد قط۔ (کبیر، اوسط بلین)

میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہوتا۔

۲۷۷- بڑھاپے میں کیا چیز جوان ہوجاتی ہے؟:

(انسؓ) یهرم ابن آدم ویشب معه اثنتان الحرص علی المال والحرص علی العمر۔
(شیخین، ترمذی)

فرزند آدم بوڑھا تو ہو جاتا ہے، مگر اس کی دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں:-
(۱) ایک مال کی حرص
اور (۲) دوسرے زندگی کی ہوس۔

۲۷۸- انسانی ہوس کم نہیں ہوتی:

(انسؓ) رفعه: لو کان لابن آدم وادیان من مال لا بتغی لهما ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب۔
(شیخین، ترمذی)

اگر فرزند آدم کے پاس دو میدان بھی مال سے لبریز ہو جائیں، تو وہ چاہتا ہے کہ ایک میدان بھر مال اور ہو جائے۔ فرزند آدم کا شکم مٹی (قبر) ہی سے بھرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسی کی طرف توجہ فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

رقائق ومواعظ وغیرہ

۲۷۹- اُمید وبیم والے کو خوشخبری:

(انسؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے ہاں تشریف

دخل علی شاب وھو فی الموت فقال کیف تجدك ؟ قال ارجو الله یارسول الله وانی اخاف ذنوبی فقال صلی الله علیه وسلم لا یجتمعان فی قلب عبد فی مثل ھذا الموطن الا اعطاه الله ما یرجو منه و امنه مما یخاف ۔ (ترمذی)

لے گئے جو جان بلب تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہو ؟ عرض کیا : یارسول اللہ ! اللہ سے تو اچھی اُمیدیں رکھتا ہوں ۔ البتہ اپنے گناہوں سے خوف آتا ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا : موت و حیات کی اس جنگ کے موقعے پر جس بندے کے دل میں بھی یہ دونوں (امید و بیم) کیفیتیں یکجا ہو جائیں ۔ اس کی اُمیدیں اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتا ہے اور خوف سے بچا لیتا ہے ۔

۲۸۰ ۔ مرکزِ فکر کے فرق کے نتائج :

(انسؓ) رفعه ، من کانت الآخرة همه جعل الله غناه فی قلبه وجمع علیه شمله واتته الدنیا وھی راغمة و من کانت الدنیا همه جعل الله فقره بین عینیه وفرق علیه شمله ولم یأته من الدنیا الا ما قدر له ۔ (ترمذی)

جس کا مرکزِ فکر آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے اور اس کے منتشر شیرازے کو سمیٹ لیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے اور جس کی ساری توجہ دنیا کی طرف ہو اس کی محتاجی کو اس کی آنکھوں کے درمیان رکھ دیتا ہے ۔ اور اس کے شیرازے کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کے پاس دنیا اتنی ہی آتی ہے جتنی مقدر ہوتی ہے ۔

۲۸۱ ۔ محتاجی کیسے ختم ہوتی ہے ؟ :

(ابوھریرۃؓ) رفعه ، یقول الله تعالیٰ ابن آدم تفرغ لعبادتی املأ صدرك غنی و اسد فقرك والا تفعل ملأت یدیك شغلا ولم اسد فقرك ۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے : اے فرزندِ آدم تو پوری فراغت کے ساتھ میری عبدیت اختیار کر لے تو میں تیرے سینے کو غنا سے معمور کر دوں گا اور تیری محتاجی کو ختم کر دوں گا ، اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے ہاتھوں کو کاروبار میں پھنسائے رکھوں گا ۔ مگر تیری محتاجی کو ختم نہ ہونے دوں گا ۔

۲۸۲۔ فقیہ کون ہے؟ :

(علیؓ) قال الا لا خیر فی قراءۃ لیس فیھا تدبر ولا فی عبادۃ لیس فیھا تفقہ الفقیہ کل الفقیہ من لم یُقنط الناس من رحمۃ اللہ ولم یؤمنھم من مکر اللہ ولم یدع القراٰن رغبۃ عنہ الی ما سواہ۔ (رزین)

سُن لو کہ جس تلاوت میں تدبر نہ ہو، اور جس عبادت میں تفقہ نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ کرے اور گرفتِ خداوندی سے بے پروا نہ کرے، اور قرآن حکیم کو غیر قرآن کی طرف راغب ہونے کے لیے نہ چھوڑ دے۔

۲۸۳۔ نصیحت مسیح علیہ السلام :

(مالکؒ) بلغہ : ان عیسیٰ بن مریم کان یقول لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسو قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لا تعلمون ولا تنظروا فی ذنوب الناس کأنکم ارباب النظر وانظروا فی ذنوبکم کأنکم عبید فانما الناس مبتلی ومعافی فارحموا اھل البلاء واحمدوا اللہ علی العافیۃ (رزین)

عیسیٰ ابن مریمؑ کہا کرتے تھے کہ: ذکرِ الٰہی سے خالی ہو کر زیادہ باتیں نہ بناؤ ورنہ تمھارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل اللہ تعالیٰ سے دُور ہوتا ہے۔ لیکن تم اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور لوگوں کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا کہ تم رب ہو بلکہ اپنے گناہوں پر اس طرح نظر رکھو کہ جیسے تم بندے ہو۔ انسان آزمائشوں میں بھی پڑتا ہے اور عافیت بھی حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا آزمائش والوں پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

۲۸۴۔ نصیحتِ لقمان حکیم :

(مالکؒ) ان لقمان قال لابنہ یا بنی ان الناس قد تطاول علیھم ما یوعدون وھم الی الاٰخرۃ سراعا یذھبون وانک قد استدبرت الدنیا

لقمان حکیم نے اپنے صاحبزادے سے کہا تھا کہ: اے فرزند! لوگوں سے جس بات کا وعدہ کیا گیا تھا اسے بہت دن گزر گئے۔ لیکن وہ آخرت کی طرف بڑی تیزی سے جا رہے ہیں۔ جب سے تمھارا وجود ہوا تم دنیا کو پیچھے

منذ كنت واستقبلت الآخرة وان دارًا تسير اليها اقرب اليك من دار تخرج عنها ۔ (رزین)

چھوڑتے جا رہے ہو اور آخرت کی طرف بڑھ رہے ہو۔ وہ گھر جس کی طرف تم جا رہے ہو اس گھر سے زیادہ قریب تر ہے جس سے تم نکل رہے ہو۔

۲۸۵ ۔ زمین پر گمنام اور آسمان پر نام آور :

(ابن مسعودؓ) كونوا ينابيع العلم مصابيح الهدى احلاس البيوت سرج الليل جدد القلوب خلقان الثياب تعرفون فى اهل السماء وتخفون على اهل الارض ۔ (دارمی)

علم کا سرچشمہ ہو اور ہدایت کی شمع، گھر کا ٹاٹ ہو اور رات کا چراغ، ہموار دل اور کہنہ پوش ہو ۔ اس طرح آسمان والوں میں تو پہچان لیے جاؤ گے اور زمین والوں سے پوشیدہ رہو گے۔

۲۸۶ ۔ کام کی باتیں :

(عمر بن عبد العزیزؒ) من تعبّد بغير علم كان ما يفسد اكثر مما يصلح ومن عد كلامه من عمله قلّ كلامه الا فيما يعنيه ومن جعل دينه غرضاً للخصومات كثر تنقله ۔ (دارمی)

جہالت کے ساتھ جو عبادت کرتا ہے اس کا فساد اس کی اصلاح سے زیادہ ہوتا ہے اور جو اپنی گفتگو کا مقابلہ اپنے عمل سے کرے اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے ۔ صرف وہیں گفتگو ہوتی ہے جہاں گفتگو مفید ہو ۔ اور جو شخص جھگڑوں کو دین کا مقصد بناتا ہے اس کی رائے بدلتی رہتی ہے۔

۲۸۷ ۔ ذکرِ الٰہی کی قدر و قیمت (عجیب اسوہ)

(عبد الله بن ابی بکرؓ) ان اباطلحة كان يصلّى فى حائط له فطار دُبسىٌّ فطفق يتردد يلتمس مخرجا فلا يجد فاعجبه ذلك فتبعه بصره ساعة ثم رجع الى صلاته فاذا هو لا يدرى كم صلى فقال لقد اصابنى فى مالى هذا

ابوطلحہؓ اپنے باغ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ دُبسی (ایک قسم کی چڑیا) اڑتی ہوئی آگئی اور باہر نکلنے کے لیے اِدھر سے اُدھر راہ ڈھونڈنے لگی ۔ اُسے کوئی راستہ نہ ملتا تھا (یعنی باغ بہت گھنا تھا) ابوطلحہؓ کو اس پر حیرت ہوئی اور کچھ دیر نگاہ اس کی طرف جمی رہی ۔ پھر اپنی نماز کی طرف دھیان دیا اور انھیں پتہ نہ چل سکا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں۔

فتنة فجاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر لہ الذی اصابہ فی صلاتہ وقال یارسول اللہ ھو صدقۃ فضعہ حیث شئت ۔ (مالک)

انھوں نے کہا کہ وہ میرے مال نے مجھے فتنے میں ڈال دیا ... کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نماز کا یہ حادثہ بیان کیا اور عرض کیا کہ : یارسول اللہ ! یہ باغ کارِ خیر میں دیتا ہوں اُسے حضورؐ جہاں چاہیں کام میں لائیں ۔

۲۸۸ - حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا :

(عتبہ بن عبیدؓ) رفعہ : لوان رجلا یخر علی وجھہ من یوم ولد الی یوم یموت فی مرضاۃ اللہ تعالی لحقرہ یوم القیامۃ ۔ (احمد)

اگر ایک شخص اپنی پیدائش کے دن سے لے کر موت کے وقت تک اللہ تعالی کی رضا جوئی میں اپنی جبیں نیاز گھستا رہے ، تو قیامت کے دن اُسے بھی بہت کمتر سمجھے گا ۔

۲۸۹ - چار بدبختیاں :

(انسؓ) رفعہ : اربعۃ من الشقاء جمود العین وقساوۃ القلب وطول الامل والحرص علی الدنیا (بزار بضعف)

چار باتیں بڑی بدبختی کی ہیں : (۱) آنسو کا نہ نکلنا (۲) دل کا سخت ہونا (۳) آرزوؤں کا دراز ہونا اور (۴) دنیا کی ہوس ہونا ۔

۲۹۰ - پانچ نصیحتیں :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : من یأخذ ھذہ الکلمات فیعمل بھن او یعلم من یعمل بھن ؟ قال ابوھریرۃؓ قلت انا یا رسول اللہ فاخذ بیدی وعد خمسا فقال اتق المحارم تکن اعبد الناس وارض بما قسم اللہ لک تکن اغنی الناس واحسن الی جارک تکن مؤمنا

کون یہ کلمے قبول کرتا ہے ، جن پر وہ خود عمل کرے یا کسی عمل کرنے والے کو بتا دے ؟ ابوہریرہؓ نے عرض کیا کہ : میں یا رسول اللہ ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ باتیں بتائیں : (۱) حرام باتوں سے بچو تو سب سے بڑھ کر عابد بن جاؤ گے (۲) اللہ تعالی نے جو کچھ تمھاری قسمت رکھی ہے ، اس پر راضی وشاکر رہو تو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے (۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو ، تو مومن بن جاؤ گے ۔

وَاَحِبَّ للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب (ترمذی)

(۴) تمام انسانوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے کرتے ہو تو مسلم بن جاؤ گے (۵) اور زیادہ ہنسا نہ کرو، کیونکہ اس سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

۲۹۱۔ نو احکام:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: امرنی ربی بتسع (۱) خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ (۲) وکلمۃ العدل فی الرضا والغضب (۳) والقصد فی الفقر والغنی (۴) وان اصل من قطعنی (۵) واعطی من حرمنی (۶) واعفو عمن ظلمنی (۷) وان یکون صمتی فکرا (۸) ونطقی ذکرا (۹) ونظری عبرۃ وامر بالمعروف۔ (رزین)

میرے رب نے مجھے ان نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ (۱) باطناً اور ظاہراً ہر حال میں خدا کا ڈر ہو (۲) خوشی اور غصے میں عدل باقی رہے (۳) غنا اور فقر ہر ایک میں میانہ روی باقی رہے (۴) قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ بھی صلۂ رحمی ہو (۵) محروم رکھنے والے کو بھی حق دیا جائے (۶) زیادتی کرنے والے سے درگزر ہو۔ (۷) خاموشی میں تفکر ہو (۸) گفتگو میں ذکرِ الٰہی ہو (۹) نگاہ میں عبرت پذیری ہو اور امر بالمعروف ہو۔

۲۹۲۔ بدی کا علاج کس طرح ہو؟:

(ابوذرؓ) رفعہ: اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا وخالق الناس بخلق حسن۔ (ترمذی)

تم جس حال میں بھی ہو تقویٰ اللہ کو اختیار کیے رہو۔ بُرائی کو نیکی کے ذریعے مٹاؤ اور تمام انسانوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

۲۹۳۔ شاکر و صابر عنداللہ کون ہوتا ہے؟:

(ابن عمروؓ بن العاص) رفعہ: خصلتان من کانتا فیہ کتبہ اللہ شاکرًا صابرًا ومن لم تکونا فیہ لم یکتبہ اللہ شاکرا ولا صابرًا من

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں موجود ہوں اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر قرار دیتا ہے، اور جس میں یہ نہ ہوں، اسے صابر و شاکر کی فہرست میں نہیں لکھتا۔ جو شخص دین میں اپنے سے برتر کو دیکھے اور اس کی پیروی کرے

نظر فی دینه الی من هو فوقه فاقتدی به ونظر فی دنیاه الی من هو دونه فحمد الله علی ما فضّله علیه کتبه الله شاکرًا صابرًا ومن نظر فی دینه الی من هو دونه فی بینه الی دینه الی من من هو دونه ونظر فی دنیاه الی من هو فوقه ناسفه علی ما فاته منه لم یکتبه الله شاکرًا ولا صابرًا ۔ (ترمذی)

اور دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور جو کچھ اللہ نے اسے زیادہ دیا ہے اس پر شکر کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص دین میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور دنیا میں اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی کمی پر افسوس کرے، اللہ تعالیٰ اُسے شاکر و صابر نہیں لکھتا۔

۲۹۴۔ نجات کی رُوح کیا ہے؟:

(عقبۃ بن عامرؓ) قلت یارسول الله ما النجاة؟ قال امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابکِ علی خطیئتک ۔ (ترمذی)

میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! نجات کیا ہے؟ فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو، تمہارا گھر کشادہ رہے۔ اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔

۲۹۵۔ مومن آپ اپنی تذلیل کب کرتا ہے؟:

(حذیفہؓ) رفعه: لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه قالوا وکیف یذل نفسه؟ قال یتعرض من البلاء لما لا یطیق ۔ (ترمذی)

مومن کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا زیبا نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے کیا مقصد ہے؟ فرمایا: ایسی آزمائشوں کے درپے ہونا جو طاقتِ برداشت سے باہر ہوں۔

۲۹۶۔ ایک جامع نصیحت:

(معاویہؓ) کتب الی عائشة ان اکتبی لی کتابا توصینی فیه ولا تکثری علیّ فکتبت: سلام علیك اما بعد فانی سمعت رسول الله صلی الله

معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ: مجھے کوئی نصیحت لکھ بھیجیے لیکن وہ لمبی چوڑی نہ ہو۔ آپ نے لکھا کہ: اما بعد۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ: جو شخص انسانوں کی ناراضی کے مقابلے

علیہ وسلم لیقول من التمس رضی اللّٰہ بسخط الناس کفاہ اللّٰہ مؤنۃ الناس ومن التمس رضا الناس بسخط اللّٰہ وکلہ اللّٰہ الی الناس والسلام علیک ۔ (ترمذی)

میں اللہ کی رضا جوئی کرتا ہے تو لوگوں کی سختی دُور کرنے کے لیے اللہ کافی ہو جاتا ہے اور جو اللہ کی ناراضی کے مقابلے میں انسانوں کی رضا جوئی کرتا ہے، اسے اللہ انسانوں ہی کے حوالے کر دیتا ہے۔
والسّلام عَلَیْکَ۔

۲۹۷۔ مومن کون ہے اور فاجر کون ؟ :

(ابو ہریرۃؓ) رفعہ : المؤمن غرّ کریم والفاجر خبّ لئیم ۔ (ترمذی)

مومن سادہ دل اور سخی ہوتا ہے اور فاجر دغاباز اور بخیل ہوتا ہے۔

۲۹۸۔ مومن ایک ہی بار دھوکا کھاتا ہے :

(ابو ہریرۃؓ) رفعہ : المؤمن لا یلدغ من جحر مرّتین ۔ (شیخین، ابو داؤد)

مومن ایک بل سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔

۲۹۹۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین طرح کے آدمیوں کے خلاف ہوں گے :

(ابن عمرؓ و بن العاص) رفعہ : ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حرًّا ثم اکل ثمنہ ورجل استاجر اجیرًا فاستوفی منہ العمل ولم یوفہ اجرہ ۔ (بخاری)

تین طرح کے آدمیوں کا میں بروزِ حشر مخالف ہوں گا۔ ایک وہ شخص جو مجھ سے کوئی معاہدہ کرے اور پھر عہد شکنی کرے۔ دوسرے وہ جو کسی آزاد کو بیچ کر اس کے دام کھا جائے اور تیسرے وہ جو کسی مزدور سے معاملہ طے کر کے اس سے محنت تو پوری لے اور اُس کی اُجرت پوری نہ دے۔

۳۰۰۔ بہشت کی ضمانت :

(ابو ہریرۃؓ) رفعہ : من یضمن لی ما بین رجلیہ وما بین لحییہ ضمنت لہ بالجنۃ ۔ (بخاری، ترمذی)

جو شخص اپنی دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی اور دو جبڑوں کے درمیان والی شے (زبان) کی ضمانت دے میں اُس کے لیے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۳۰۱ ۔ بدترین خصلتیں :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : شرما فی الرجل شحّ ھالع وجبن خالع ۔ (ابوداؤد)

بدترین خصلت والا شخص وہ ہے جو حریص اور بے صبر ہو یا بزدل وبے حیا ہو ۔

۳۰۲ ۔ محروم جنت اشخاص :

(ابوبکرؓ) رفعہ : لا یدخل الجنّۃ خبّ ولا بخیل ولا منّان ۔ (ترمذی)

دغاباز، کنجوس اور احسان جتانے والا جنت میں نہیں جائے گا ۔

۳۰۴ ۔ زیادتی اور فخر کی ممانعت :

(عیاضؓ بن حمار) رفعہ : ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد ۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ہے کہ : تم سب ایسا انکسار پیدا کرو کہ کوئی ایک دوسرے پر نہ زیادتی کرے اور نہ فخر ۔

۳۰۵ ۔ فنِ خطابت کا غلط مقصد :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : من تعلم صرف الکلام لیسبی بہ قلوب الرجال او الناس لم یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا ۔ (ابوداؤد)

جو شخص لوگوں کو دام میں لانے کے لیے خوش بیانی کا فن سیکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے (جرم کی تلافی کے لیے) کوئی قیمت ومعاوضہ قبول نہ فرمائے گا ۔

۳۰۶ ۔ قوم کا بہت زیادہ ماتم کرنے والے :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : اذا سمعتم الرجل یقول ھلک الناس فھو اھلکھم (مسلم، موطأ، ابوداؤد)

جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ : لوگ تو برباد ہوگئے ۔ تو سمجھ لو کہ سب سے زیادہ برباد ہونے والا وہ خود ہے ۔

۳۰۷ ۔ غلط اور صحیح تکلف :

(انسؓ) رفعہ : خیر شبابکم من

بہترین نوجوان وہ ہے جو ادھیڑوں کی سی مشابہت

تشبه بکھولکم وشر کھولکم من تشبه بشبابکم۔ (اوسط، بزاربضعف)

پیدا کرے اور بدترین ادھیڑ وہ ہے جو جوانوں کی شابہت اختیار کرے۔

۳۰۸۔ الفت و انس باہمی مومن کی صفت ہے:

(سہل بن سعدؓ) رفعہ: المؤمن یألف ویؤلف ولا خیر فی من لا یألف ولا یؤلف۔ (احمد، کبیر)

مومن وہ ہے کہ وہ دوسروں سے اور دوسرے اُس سے مانوس ہوں جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں وہاں کوئی خیر ہو سکتی ہے۔

۳۰۹۔ گناہ کا ثابت ہونا:

(عمرانؓ بن حصین) رفعہ: کفی بالمرء من الاثم ان یشار علیہ بالاصابع قیل یا رسول اللہ وان کان خیرا؟ قال وان کان خیرًا فھو شر لہ الا من رحمہ اللہ وان کان شرًا فھو شر لہ۔ (کبیر بضعف)

کسی انسان کا گناہ ثابت ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی طرف انگلیاں اُٹھنے لگیں (کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے) عرض کیا گیا کہ: اگرچہ وہ اشارہ نیکی کی وجہ سے ہو۔؟ فرمایا: اگر نیکی کی وجہ سے ہو جب بھی وہ اس کے لیے شر ہے بجز اس کے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو۔ اور اگر وہ اشارہ کسی شر کی وجہ سے ہو پھر تو شر ہی ہے۔

توبہ و مغفرت

۳۱۰۔ بے پایاں مغفرت الٰہی:

(انسؓ) رفعہ: قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم انک ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک علی ما کان فیک ولا ابالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ما کان فیک ولا ابالی یا ابن آدم انک

اللہ تعالیٰ کا قول کہتا ہے کہ: اے فرزند آدمؑ جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے اُمید خیر رکھتا ہے گا میں تیرے گناہوں کی بخشش کرتا رہوں گا۔ خواہ وہ کوئی سا بھی گناہ ہو، اے بنی آدم اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہو تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ اور میں اُس کی مغفرت کروں گا خواہ وہ کیسا ہی گناہ ہو۔ اور اگر

لو اتیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لا تیتک بقرابها مغفرة ۔ (ترمذی)

کرۂ ارض کے برابر بھی تو گناہ کا بوجھ لے کر میرے پاس آئے بشرطیکہ تو نے کسی کو میرا شریک نہ کیا ہو تو مجھے پروا نہ ہو گی بلکہ اسی مقدار کے مطابق برابر مغفرت عطا کر دوں گا ۔

۳۱۱ ۔ عجیب وصیت اور اُس کا صلہ :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : کان رجل یسرف علی نفسہ فلما حضرہ الموت قال لبنیہ اذا انا مت فاحرقونی ثم اطحنونی ثم ذرونی فی الریح فواللہ لئن قدر علیّ ربی لیعذبنی عذابا ما عذبہ احدا فلما مات فعل بہ ذلک فامر اللہ الارض فقال اجمعی ما فیکِ منہ ففعلت فاذا ھو قائم فقال ما حملک علی ما صنعت؟ قال خشیتک یارب فغفر لہ ۔ (شیخین، موطأ، نسائی)

ایک شخص تھا جس نے اپنے اُوپر (گناہ کر کر کے) بڑی زیادتیاں کی تھیں جب اس کا وقتِ مرگ آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ: جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر چکی میں باریک پیس ڈالنا اور ہوا میں اُڑا دینا کیونکہ مجھ پر اگر اللہ نے قابو پالیا، تو مجھے ایسی سزا دے گا جو کسی کو بھی نہ دی ہو گی ۔ جب وہ مرگیا اور اس کی وصیت پوری کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ: وہ تمام ذرّے جو تیرے اندر ہیں یک جا کرلے ۔ جب زمین نے تعمیلِ حکم کی تو وہ مُردہ سامنے حاضر تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: یہ تُو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟ اس نے عرض کیا کہ: مولا! صرف تیرا خوف تھا! آخر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما ہی دی ۔

کتابُ الفِتن

۳۱۲ ۔ ماحول کا اثر اعمال پر :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ : انکم فی زمان من ترک فیہ عشر ما امر ھلک ثم یاتی زمان من عمل فیہ بعشر ما امر نجا ۔ (ترمذی)

تم ایک ایسے دور میں ہو کہ اگر کوئی شخص احکامِ الٰہی کا دسواں حصّہ بھی چھوڑ دے تو برباد ہو جائے ۔ پھر وہ زمانہ آنے والا ہے کہ اگر کوئی احکامِ الٰہی کے دسویں حصّے کے برابر بھی عمل کرے تو اُس کی نجات ہو جائے گی ۔

۳۱۳۔ قاتل و مقتول دونوں جہنم میں:

(الاحنف بن قیس) .... فانی سمعته صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا توا جه المسلمان بسیفیهما فالقاتل و المقتول فی النار فقلت او قیل یا رسول اللہ هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال انه کان قد اراد قتل صاحبه۔ (شیخین، ابوداؤد، نسائی)

.... ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر مقابلے پر آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔ میں نے یا کسی اور نے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! ایک تو قاتل ہوا لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: اس نے بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

۳۱۴۔ متکبّر کا حشر:

(ابو ھریرۃؓ) رفعه: یحشر المتکبرون یوم القیامة فی صور الذر۔ (بزار، بخعی)

کبر و نخوت کرنے والے لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے (یعنی جتنے بڑے بنتے تھے اتنے ہی چھوٹے بنا دیئے جائیں گے۔

۳۱۵۔ مفلس کون ہے؟:

(جابرؓ) اتدرون ما المفلس؟ قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع قال ان المفلس من یأتی یوم القیامة بصلاة وصیام وزکوة ویأتی قد شتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم یطرح فی النار۔ (مسلم، ترمذی)

جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں۔؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: ہم میں تو مفلس اسے کہا جاتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو، نہ مال اسباب۔ فرمایا: نہیں بلکہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ لیکن دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سے کسی کو فلاں نیکی دے دی جائے گی اور کسی کو فلاں (اس طرح ہوتے ہوتے) اس کے ذمے جو حق آتا ہے اگر چکائے جانے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کی خطائیں اس کے حصے میں آتی جائیں گی اور آخر کار اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

بدی کی روک تھام نہ کرنے کا نتیجہ :

(جابرؓ) قال كنا نسمع ان الرجل يتعلق بالرجل يوم القيامة وهو لا يعرفه فيقول له مالك الى ما بيني وبينك معرفة؟ فيقول كنت تراني على الخطاء وعلى المنكر ولا تنهاني۔ (رزین)

ہم سُنا کرتے تھے کہ: قیامت کے دن ایک شخص دوسرے سے چمٹ جائے گا۔ وہ اُسے پہچانتا بھی نہ ہوگا۔ پھر وہ پوچھے گا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ میرے تمہارے درمیان تو کوئی تعارف بھی نہیں۔ وہ جواب دے گا کہ: تم مجھے خطاو منکر میں گرفتار دیکھنے کے باوجود اس سے روکتے نہ تھے۔

۲۱۷ ۔ آخری نجات یافتہ شخص :

(ابوذرؓ) رفعه: انی لاعلم آخر اهل الجنة دخولا الجنة وآخر اهل النار خروجا منها رجل يؤتى به يوم القيامة فيقال اعرضوا عليه صغار ذنوبه وارفعوا عنه كبارها فيعرض عليه صغارها فيقال له عملت يوم كذا وكذا كذا وكذا وعملت يوم كذا وكذا كذا وكذا؟ فيقول نعم لا يستطيع ان ينكر وهو مشفق من كبار ذنوبه ان تعرض عليه فيقال له فان لك مكان كل سيئة حسنة فيقول رب قد عملت اشياء لا اراها هنا قال فلقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحك حتى بدت نواجذه۔

(مسلم، ترمذی)

مجھے علم ہے کہ سب سے آخری جنتی اور سب کے بعد دوزخ سے نکلنے والا کون ہوگا؟ ایک شخص ہوگا جو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ: اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو ابھی الگ رکھو۔ پھر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ: تم نے فلاں دن فلاں فلاں گناہ اور فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے تھے؟ وہ کہے گا ہاں! اسے انکار کی مجال نہ ہو سکے گی۔ وہ اس خوف سے کانپ رہا ہوگا کہ دیکھئے بڑے بڑے گناہوں کی باری کب آتی ہے' پھر اس سے کہا جائے گا کہ: جاؤ تمہاری ہر بُرائی کے بدلے ویسی ہی نیکی لکھ دی گئی ہے۔ یہ سُن کر وہ بول اُٹھے گا کہ ربّا! میں نے تو اور بھی بہت سے گناہ کیے ہیں۔ جو یہاں میرے سامنے ابھی نہیں آئے ہیں۔ یہ فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہنسی آئی کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔

۲۱۸ ۔ راہِ خدا میں تھوڑا وقت اور بہشت کی تھوڑی جگہ کا مرتبہ :

(انسؓ) رفعه: غدوة فى سبيل الله

راہِ خدا میں ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا و مافیہا

اوروحة خیرمن الدنیاوما فیہا ولقاب قوس احدکم اوموضع قدہ فی الجنہ خیر من الدنیا وما فیہا۔ (ترمذی بضعف حدیث ابی ایوب)

سے بہتر ہے اور تمہاری نصف کمان یا قدآدم کے برابر بھی جنت کی جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سخی اور بخیل

۳۱۹۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِاَۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسان کا اپنی زندگی کے ایام میں ایک درہم صدقہ کرنا مرنے کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

۳۲۰۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے جنت کے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے اور جاہل سخی خدا کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے کہیں بہتر ہے۔

نظامات

بیمار کی مزاج پرسی

۱۔ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ غُدْوَۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ عَادَہٗ عَشِیَّۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَکَانَ لَہٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی، ابو داؤد)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے سُنا کہ: جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعا کرتے ہیں اور جو شام کے وقت عیادت کرتا ہے اُس کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک دُعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے لیے جنّت میں ایک باغ ہے۔

۲۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ یَخُوْضُ الرَّحْمَۃَ حَتّٰی یَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اِغْتَمَسَ فِیْہَا۔ (احمد، مالک)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص مریض کی عیادت کو جاتا ہے تو وہ رحمت کے دریا میں غوطہ زن رہتا ہے، جب تک بیٹھ نہیں جاتا اور جب بیٹھ جاتا ہے تو غریقِ دریائے رحمت ہو جاتا ہے۔

۳۔ صحیح معاشی نظام کا اثر کیا ہونا چاہیے:۔

(ابو موسیٰ) رفعہ:۔ لیأتین علی الناس زمان یطوف الرجل فیہ بالصدقۃ من الذھب ثم لا یجد احدًا یأخذھا منہ (بخاری مسلم)

عنقریب لوگ ایسا وقت دیکھ لیں گے کہ انسان اپنی زکوٰۃ کا سونا لے کر مستحق کو تلاش کرتا پھرے گا۔ اور کوئی لینے والا نہ ملے گا۔

کتاب النکاح

۴۔ عورت کا اصلی وصف کیا ہے؟:۔

(ابو هریرةؓ) رفعه: تنكح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك (شیخین، ابوداود، نسائی)

عورت کو عموماً چار وجوہ سے نکاح میں لایا جاتا ہے، مال، خاندان، حسن اور دین لہذا تم دین والی ہی عورت حاصل کرو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے۔

۵۔ تزوج نصف ایمان ہے:۔

(انسؓ) رفعه:۔ من تزوج فقد استكمل نصف الايمان فليتق الله في النصف الباقي۔ (اوسط)

جس نے شادی کی، اس نے نصف ایمان حاصل کر لیا۔ اب دوسرے نصف میں اسے تقویٰ اللہ اختیار کرنا چاہیئے۔

۶۔ تین باتوں میں اعانت کرنا اللہ پر حق ہوتا ہے:۔

(جابرؓ) رفعه: ثلاث من فعلهن ثقة بالله واحتسابا كان حقا على الله ان يعينه وان يبارك له من سعى في فكاك رقبة ثقة بالله واحتسابا كان حقا على الله ان يعينه وان يبارك له ومن احيى ارضا ميتة ثقة بالله واحتسابا كان حقا على الله ان يعينه ويبارك له ومن تزوج ثقة بالله واحتسابا كان حقا على الله ان يعينه ويبارك له (اوسط، صغير)

تین باتیں ایسی ہیں جو اگر یقین اور حُسن نیت سے کی جائیں تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ اس کی مدد فرمائے۔ اور اس میں برکت عطا فرمائے (۱) جو شخص یقین اور حسن نیت کے ساتھ کسی قیدی کو آزاد کرانے کی کوشش کرے اور (۲) جو مردہ زمین کو زندہ کرے اور (۳) جو شادی کرے تو ان تینوں میں سے ہر ایک کام میں مدد اور برکت دینا اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک ضروری حق ہو جاتا ہے۔ اگر یقین اور حسن نیت موجود ہو۔

۷ - نکاح سے پہلے عورت کو چھپ کر دیکھنا روا ہے :-

(جابرؓ) رفعہ : اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر منہا ما یدعوہ الی نکاحہا فلیفعل فخطبت امرأۃ فکنت اتخبأ لہا حتی رأیت منہا ما دعانی الی نکاحہا فتزوجتہا (ابو داؤد)

اگر کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے اور یہ ممکن ہو کہ وہ اس کی کوئی ایسی چیز (جمال) دیکھ لے جو اپنے اندر ازدواجی کشش رکھتی ہو تو اسے دیکھ لینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ایک عورت کو پیغام دیا اور چھپ کر اس کی وہ چیز دیکھ لی جو میرے لئے کشش نکاح کا سبب تھی (یعنی حسن) پھر اس سے شادی کر لی۔

۸ - ایضاً

(ابو ھریرۃؓ) خطب رجل امرأۃ من الانصار فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل نظرت الیہا قال لا قال فاذھب فانظر الیہا فان فی اعین الانصار شیئا (مسلم و نسائی)

ایک شخص نے کسی انصاری عورت کو پیغام نکاح دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا: جا کر اسے دیکھ لو۔ کیونکہ بعض اوقات انصاری کی آنکھ میں کچھ نقص بھی ہوتا ہے۔

۹ - نکاح خفیہ نہ ہونا چاہیئے، مسجد میں نکاح، دف اور کھیل :-

(عائشۃؓ) رفعتہ :- اعلنوا ھذا النکاح و اجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ للترمذی زاد رزین: فان فصل ما بین الحلال و الحرام الاعلان و للبخاری :- زفت امرأۃ الی رجل من الانصار فقال صلی اللہ علیہ وسلم اما یکون معکم لھو فان الانصار یعجبہم اللھو (اوسط)

نکاح بالاعلان کیا کرو۔ اور مساجد میں کیا کرو۔ اور دف کے ذریعے اعلان کیا کرو۔
رزین کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حلال (نکاح) اور حرام (خفیہ آشنائی) کے درمیان فرق ہی اعلان کا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری کے گھر میں ایک لڑکی کی رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا کھیل وغیرہ تمہارے ساتھ نہیں؟ انصاری تو کھیل کو پسند کرتے ہیں۔

۱۰۔ رخصتی کے وقت دف بجانا اور گانا بہتر ہے:۔

(عائشہؓ) رفعتہ:۔ ماذا فعلت فلانۃ؟ لیتیمۃ کانت عندھا فقلت اھدیناھا الی زوجھا فقال ھل بعثتم معھا ضاربۃ تضرب بالدف وتغنی؟ قلت تقول ماذا؟ قال تقول اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم، لولا الذھب الاحمر ما حلت بوادیکم، ولولا الحنطۃ السمراء ما سمنت عذاریکم (اوسط بلین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اس تیمیہ کا کیا ہوا۔ عائشہؓ نے کہا: ہم نے اسے اس کے شوہر کے پاس رخصت کر دیا۔ فرمایا: تم کوئی عورت اس کے ساتھ نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی ساتھ جاتی؟ عرض کیا: ایسے گیت کے بول کیا ہونے چاہئیں تھے؟ فرمایا یہ مصرعے گائی جاتی (ترجمہ)

ہم تمہارے گھر آئے، ہم تمہارے دوارے آئے۔ تم ہم پہ سلامتی بھیجو اور ہم تم پر۔ اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمہارے دیہات میں کون آتا۔ اور اگر گندمی رنگ کے گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری چھوکریاں گداز نہ ہوتیں۔

۱۱۔ نکاح سنت رسول ہے:

(عائشہؓ) رفعتہ: النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی (ابن ماجہ)

نکاح میری سنت ہے۔ لہذا جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے نہیں

فرائض زوجین

۱۲۔ اپنے شوہر سے کسی عورت کا ذکر کرتے میں احتیاط چاہیئے:۔

(ابن مسعودؓ) رفعہ: لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتھا لزوجھا کانہ ینظر الیھا (ابوداؤد، ترمذی)

ایک عورت دوسری عورت سے اس قدر گھل مل کر رہے کہ وہ اُس کی تعریفیں اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرنے لگے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

۱۳۔ زوجین کو باحیا رہنا چاہیئے:۔

(ابن مسعودؓ) رفعہ: اذا اتی احدکم

جب تم میں سے کوئی اپنی رفیقۂ حیات سے مواصلت

...سلہ فلیستتر ولا یتجرد اتجرد العیرین (بزار)

کرے تو بے لباس اونٹوں کی طرح برہنگی نہ اختیار کرے بلکہ پردے کا خیال رکھے۔

۱۴ - اولاد کی پرورش عورت کا جہاد ہے:

(ابن عمرؓ) احسبه رفعه: المرأة فی حملها الی وضعها الی فصالها کالمرابط فی سبیل الله فان ماتت فیما بین ذلک فلها اجر شهید (کبیر)

عورت ایام حمل سے لے کر زچگی بلکہ دودھ چھڑانے تک ایسی ہے۔ جیسے سرحد کی فی سبیل اللہ نگرانی کرنے والا۔ اگر وہ اس دوران میں مرجائے تو وہ بھی شہید کا اجر وثواب حاصل کرے گی۔

زوجین ایک دوسرے کے لئے

۱۵ - عورت کے لئے شوہر کا مقام:-

(ابوھریرہؓ) رفعه:- لو کنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت الزوجة ان تسجد لزوجها (ترمذی، بزار)

اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

۱۶ - رضائے شوہر کا صلہ جنت ہے:-

(ام سلمةؓ) رفعته:- ایما امرأة ماتت وزوجها راض عنها دخلت الجنة (ترمذی)

جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی رہا تو وہ جنت میں داخل ہو گئی۔

۱۷ - بہترین بیوی کے خصائل:-

(ابوھریرہؓ) قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم ای النساء خیر؟ قال التی تسره اذا نظر وتطیعه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:- بہترین عورت کونسی ہے؟ فرمایا: وہ جس کو اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے! اور جب وہ حکم دے تو بجا لائے اور خود اس کی

اذا امر ولا تخالفه فی نفسها ولا مالها بما یکرہ (نسائی)

اپنی ذات اور اپنے مال کے بارے میں بھی شوہر جس بات کو ناپسند کرے اس کی مخالفت نہ کرے۔

۱۸۔ تقویٰ اللہ کے بعد سب سے بڑی نعمت الٰہی:۔

(ابوامامۃ) رفعہ: ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللہ خیر الہ من زوجۃ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ وان نظر الیھا سرّتہ وان أقسم علیھا ابرّتہ وان غاب عنھا نصحتہ فی نفسھا ومالہ (قزوینی)

مومن کے لئے تقویٰ اللہ کے بعد سب سے بڑی نعمت وہ صالح بیوی ہے کہ شوہر حکم دے تو بجا لائے، اسے شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے۔ شوہر قسم کھائے تو وہ اسے پورا کر دے اور شوہر غیر حاضر ہو تو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہی کا پورا حق ادا کرے۔

۱۹۔ اختلاف زوجین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب فیصلہ:۔

(ابوسعیدؓ) جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت زوجی صفوان بن المعطل یضربنی اذا صلیت ویفطرنی اذا صمت ولا یصلی الفجر حتی تطلع الشمس وصفوان عندہ فسألہ فقال یارسول اللہ اما قولھا یضربنی اذا صلیت فانھا تقرأ بسورتین وقد نھیتھا فقال صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت سورۃ واحدۃ لکفت الناس و اما قولھا یفطرنی اذا صمت فانھا تطلق تصوم وانا رجل شاب فلا اصبر فقال صلی اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر صفوان بن معطل ہے۔ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے۔ اور روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتا ہے اور خود ہر روز صبح کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتا ہے۔ صفوان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھا۔ جب اس سے صورت حال دریافت ہوئی تو کہنے لگا کہ: یارسول اللہ! یہ کہتی ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مجھے مارتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نماز میں دو دو سورتیں پڑھتی ہے۔ اور میں اسے منع کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر قرآن کی ایک ہی سورت ہوتی تو لوگوں کے لئے کافی ہوتی۔ پھر بولا کہ اس کا یہ کہنا کہ جب روزہ رکھتی ہوں تڑوا دیتا ہے۔ تو بات در اصل یہ ہے کہ روزہ رکھنا شروع کر دیتی ہے اور میں ایک نوجوان ہوں۔ مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

عليه وسلم لا تصوم المرأة الا باذن زوجها واما قولها انى لا اصلى حتى تطلع الشمس فانا اهل بيت قد عرف لنا ذلك لا نكاد نستيقظ حتى تطلع الشمس قال فاذا استيقظ يا صفوان فصل (ابوداؤد)

وسلم نے فرمایا کہ: شوہر کی اجازت کے بغیر عورت روزہ نہ رکھے پھر وہ کہنے لگا کہ اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر ادا نہیں کرتا تو بات یہ ہے کہ ہم ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کہ جہاں کی یہ عادت مشہور ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم لوگوں کی آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھا اب پہلے ہی جاگ کر نماز ادا کر لیا کرو

۲۰ - ایک جفاکش اور خدمت گزار عورت (اسماء بنت ابی بکرؓ)

(اسماء بنت ابی بکرؓ)، تزوجنی الزبیر وماله فی الارض مال ولا مملوك ولا شئ غیر ناضح وغیر فرسه فكنت اعلف فرسه واكفیه مؤنته واسوسه وادق النوى لناضحه فاعلفه واسقی الماء واخرز غربه واعجن ولم اكن احسن اخبز فكان یخبز لی جارات من الانصار وكن نسوة صدق وكنت انقل النوى من ارض الزبیر التی اقطعه رسول الله صلی الله علیه وسلم علی راسی وهی علی ثلثی فرسخ قالت فجئت یوما والنوى علی راسی فلقیت النبی صلی الله علیه وسلم ومعه نفر من اصحابه فدعانی ثم قال اخ اخ لیحملنی خلفه فاستحییت وعرفت غیرتك فعرف رسول الله

اسما بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ جب زبیرؓ نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس نہ کوئی مال تھا نہ خادم اور نہ کچھ اور بس ایک آب بردار اونٹ تھا یا ایک گھوڑا۔ میں ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی اور اس کی خوراک کا انتظام کرتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی۔ میں ہی ان کے اونٹ کے لئے گٹھلیاں کوٹتی اور اسے چارہ دیتی۔ میں ہی آبپاشی کرتی اور ان کے چرس (بڑے ڈول یا پُر) میں ٹانکے لگاتی اور میں ہی آٹا بھی گوندھتی تھی۔ لیکن روٹی اچھی نہیں پکا سکتی تھی۔ اس لئے چند مخلص انصاری عورتیں جو میری پڑوسن تھیں۔ میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین عطا فرمایا تھا۔ جو ۲/۳ فرسخ (دو میل) کے فاصلے پر تھا۔ میں وہاں سے اپنے سر پر گٹھلیوں کا گٹھڑ اٹھا کر لاتی تھی۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں یہ گٹھڑ سر پر لا رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند صحابہ کرامؓ کے راستے میں ملے اور اپنے اونٹ کو بٹھانے لگے۔ تاکہ مجھے بھی اپنے پیچھے سوار کر لیں۔ لیکن مجھے زبیرؓ کی غیرت کا خیال آ گیا اور مجھے

صلی اللہ علیہ وسلم انی حتی استحییت نفتی تخذت المزبیر نقلت لقینی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی رأسی النوی ومعہ نفر من اصحابہ فاناخ لارکب فاستحییت منہ وعرفت غیرتک فقال واللہ لحملک النوی علی رأسک اشد علی من رکوبک معہ حتی ارسل الی ابوبکرؓ لعبد ذلک بخادم فکفتنی سیاسۃ الفرس فکانما اعتقنی (شیخین)

شرم دامنگیر ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس غیرت و حیا کو محسوس فرما لیا اور روانہ ہوگئے میں زبیرؓ کے پاس آئی تو یہ واقعہ بیان کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ ملے اور میرے سر پر گٹھلیوں کا گٹھڑ تھا حضورؐ نے سواری کو میرے لئے بھی لیکن مجھے شرم دامنگیر ہوئی۔ اور تمہاری غیرت کا خیال آگیا۔ زبیرؓ نے کہا کہ:۔ بخدا تمہارا اپنے سر پر گٹھڑی لاد کر لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ شاق ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے میرے پاس ایک خادم بھیج دیا ہے اور مجھے گھوڑے کے انتظام سے فرصت ملی اور گویا انہوں نے مجھے قید غلامی سے آزاد کر دیا۔

۲۱۔ عورت کے چند فرائض اور اُن کی تکمیل کا صلہ :۔

(عبد الرحمٰن بن عوفؓ) رفعہ : اذا صلت المرأۃ خمسہا وصامت شہرہا وحفظت فرجہا واطاعت زوجہا قیل لہا ادخلی الجنۃ من ای ابواب الجنۃ شئت (احمد، اوسط)

اگر عورت پانچ نمازیں ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھ لے نیز اپنی عصمت کو محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرتی رہے تو اسے کہا جائے گا :۔ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے داخل ہو جا۔

۲۲۔ عام عورتوں کی مزاجی کیفیت کی تمثیل اور حُسن سلوک کی تاکید :۔

(ابوہریرہؓ) رفعہ :۔ استوصوا بالنساء خیراً فان المرأۃ خلقت من ضلع اعوج وان اعوج ما فی الضلع اعلاہ فان ذہبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ

میری اس وصیت کو قبول کرو، اور عورتوں کے ساتھ عمدہ (دانشمندانہ اور رحیمانہ) سلوک کرو۔ کیونکہ عورت کی خلقت ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے (یعنی ان کے مزاج کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے ٹیڑھی پسلی) پسلی کی ہڈی جتنی اوپر ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ کر رکھ دوگے اور اگر اسے چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی

لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیرا وفی روایۃ :- وکسرھا طلاقھا (شیخین، ترمذی)

رہے گی۔ لہٰذا ان کے متعلق میرے اچھے سلوک کی وصیت پیش نظر رکھو (یعنی ان سے اسی ٹیڑھ کے رہتے ہوئے فائدہ اٹھاؤ اور سیدھا کرکے توڑنے کی کوشش نہ کرو) ایک دوسری روایت میں ہے کہ عورت کو طلاق دینا ایسا ہی ہے۔ جیسے پسلی کی ٹیڑھی ہڈی کو سیدھا کرنے کے لئے توڑ ڈالنا

۲۳ - عورتوں کے حقوق مردوں پر:-

(حکیم بن معاویۃ) عن ابیہ - قلت یارسول اللہ ماحق زوجۃ احدنا علیہ؟ قال ان تطعمھا اذا طعمت وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت (ابوداؤد)

میں نے عرض کیا :- یارسول اللہ! بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟
فرمایا کہ: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو۔ تو اسے بھی پہناؤ۔ اس کے چہرے پر نہ مارو اور اس کی فضیحت نہ کرو اور اگر اس سے (بہ بنائے تنبیہہ) علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی ہو۔ (یعنی خفا ہو کر گھر نہ چھوڑ دو)

۲۴ - مردوں کے لئے سب سے بڑی آزمائش عورتیں ہیں:-

(اسامہ بن زیدؓ) رفعہ:- ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء (شیخین - ترمذی)

میرے بعد مردوں کے لئے جو سب سے زیادہ نقصان رساں امتحان ہے وہ عورتوں کا وجود ہے۔

۲۵ - اہل ایمان کے لئے ایک غیرت آموز سبق:-

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: ان اللہ یغار وان المؤمن یغار وان غیرۃ اللہ ان یأتی المومن ما حرم اللہ علیہ (شیخین - ترمذی)

اللہ تعالے بھی غیرت مند ہے۔ اور مومن بھی غیرت مند ہوتا ہے۔ اور مومن کا حرام کام کرنا خود اللہ تعالے کے لئے باعث غیرت ہے۔

۲۶ - اجازت شوہر کے بغیر عورت سے ملنا

(مولیٰ لعمرو بن العاصؓ) ۔۔ نقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نہانا ان ندخل علی النساء بغیر اذن ازواجھن (ترمذی)

۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی اجازت کے بغیر غیر عورت کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔

خرید و فروخت و کسب معاش

۲۷ - رفاہ عام کے لئے مکان اور باغ تیار کرنا بڑا کار خیر ہے :-

(معاذ بن انسؓ) رفعہ :- من بنی بنیانا فی غیر ظلم ولا اعتداء او غرس غرسا فی غیر ظلم ولا اعتداء کان لہ اجرا جاریا ما انتفع بہ من خلق الرحمٰن (احمد، کبیر)

جو شخص کوئی عمارت بنائے اور اس میں کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ یا کوئی درخت لگائے اور اس میں کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو تو جب تک مخلوق خدا اس سے فائدہ اٹھاتی رہے۔ اس کے لئے ثواب جاری رہے گا۔

آدابِ طعام

۲۹ - ذکر الٰہی بوقت طعام :-

(عائشہؓ) رفعتہ :- اذا اکل احدکم طعاما فلیقل بسم اللّٰہ فان نسی فی الاول فلیقل فی الآخر بسم اللّٰہ فی اولہ وآخرہ (ابوداؤد، ترمذی)

جب کھانا کھاؤ تو بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ اگر آغاز میں بھول جائے تو آخر میں کہہ لیا کرو کہ بسم اللّٰہ فی اولہ وآخرہ (اللہ ہی کے نام سے شروع میں بھی اور آخر میں بھی)

۳۰ - اکٹھا کھانے اور بسم اللہ کی برکات :-

(وحشی بن حرب بن وحشی) عن ابیہ عن جدہ: ان اصحاب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا یارسول اللہ انا نأکل ولا نشبع قال لعلکم تفترقون؟ قالوا نعم قال فاجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم اللہ یبارک لکم فیہ (ابوداؤد)

بعض صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں۔ مگر (غالباً قلت طعام کی وجہ سے) پیٹ نہیں بھرتا۔ فرمایا: تم لوگ الگ الگ تو نہیں کھاتے؟
عرض کیا: ہاں
فرمایا: اکٹھا کھایا کرو اور ذکر الٰہی سے آغاز کیا کرو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔

۳۱ - شیطان نے اپنا کھایا ہوا اُگل دیا :-

(امیۃ بن مخشی) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسا ورجل یاکل فلم یسم حتی لم یبق من طعامہ الا لقمۃ فلما رفعہا الی فیہ قال بسم اللہ فی اولہ وآخرہ فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال مازال الشیطان یاکل معہ فلما ذکر اسم اللہ آخر استقاء ما فی بطنہ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور ایک شخص کھانا کھا رہا تھا۔ یہ بسم اللہ کہنا بھول گیا۔ جب کھانے کا ایک لقمہ باقی رہ گیا اور اسے منہ میں ڈال لیا تو بسم اللہ یاد آئی اور کہا کہ: بسم اللہ فی اولہ وآخرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھانے میں برابر شرکت کر رہا تھا لیکن جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے اپنا کھایا ہوا اگل دیا۔

۳۲ - کھانا بھی ذریعۂ مغفرت ہو سکتا ہے :-

(انسؓ) رفعہ: ان الرجل لیوضع طعامہ فما یرفع حتی یغفر لہ فقیل یارسول اللہ ولم ذاک؟ قال یقول بسم اللہ اذا وضع والحمد للہ اذا رفع (للاوسط بضعف)

ایک آدمی کے لئے دسترخوان بچھایا جاتا ہے۔ پھر جب تک اس کی مغفرت نہیں ہو جاتی وہ اٹھایا نہیں جاتا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ نعمت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ فرمایا: اس طرح کہ جب دسترخوان بچھے تو بسم اللہ کہے اور جب اٹھے تو الحمد للہ کہے۔

۲۳ ۔ اجتماع کی برکت

(ابوھریرہؓ) رفعہ: طعام الاثنین کافی الثلاثۃ و طعام الثلاثۃ کافی الاربعۃ (شیخین، موطأ، ترمذی)

دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لئے اور تین کا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے

۲۴ ۔ کم خوری

(ابن عمرؓ) تجشأ رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کف عنا جشائک فان اکثرھم شبعا فی الدنیا اطولھم جوعا یوم القیمۃ (ترمذی)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈکار لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو۔ (یعنی کم کھاؤ گے تو ڈکار نہیں آئے گی) کیونکہ دنیا میں زیادہ کھانے والا بروز حشر زیادہ بھوکا رہے گا۔

۲۵ ۔ صحیح مقدار طعام کیا ہے:۔

(مقدام بن معدی کرب) رفعہ: ما ملأ آدمی وعاء شرا من بطن حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ فان کان لا محالۃ فثلث لطعامہ و ثلث لشرابہ و ثلث لنفسہ (ترمذی)

شکم سے زیادہ بُرا کوئی ظرف نہیں جو انسان بھرتا ہو۔ فرزند آدم کو کمر سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے کافی ہیں۔ اگر اس سے زیادہ کھانا ضروری ہی ہو تو اپنے شکم کا تہائی حصہ کھانے سے پُر کرے اور ایک تہائی پانی کے لئے رکھے اور ایک تہائی سانس کے لئے ۔

۲۶ ۔ دعوت میں آخر تک بیٹھنا چاہیئے:

(ابن عمرؓ) رفعہ: اذا وضعت المائدۃ فلا یقوم رجل حتی ترفع المائدۃ ولا یرفع یدہ و ان شبع حتی یفرغ القوم ولیعذر فان الرجل یخجل جلیسہ فیقبض یدہ و عسی

جب (دعوت وغیرہ کے موقعے پر) دستر خوان بچھایا جائے تو کوئی ایک آدمی دستر خوان اٹھائے جانے سے پہلے نہ اٹھ کھڑا ہو۔ بلکہ اس کا پیٹ بھر گیا ہو۔ جب بھی اپنا ہاتھ اس وقت تک نہ روکے۔ جب تک تمام لوگ فارغ نہ ہو جائیں اس طرح کرنے سے اس کا ساتھی شرمندہ ہوتا ہے اور وہ بھی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ بہت ممکن ہے کہ

ان یکون لہ فی الطعام حاجۃ (ترمذی)

اسے ابھی اور کھانے کی ضرورت ہو۔

لباس و زینت

۳۷ - پردے کی حدود

(عائشۃ) ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب رقاق نا عرض عنہا وقال یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یری منہا الا ھذا و ھذا واشار الی وجہہ وکفیہ (ابوداؤد)

اسماء بنت ابی بکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لئے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اور کچھ نظر آنا درست نہیں (چہرے اور ہتھیلیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے بتایا)

۳۸ - پھٹیچر رہنا کوئی بزرگی نہیں:-

(ابوالاحوص) عن ابیہ:- اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ثوب دون فقال لی ألک مال؟ قلت نعم قال من ای المال؟ قلت من کل المال قد اعطانی اللہ تعالیٰ من الابل و البقر و الغنم و الخیل و الرقیق قال فاذا اتاک اللہ مالا فلیر اثر نعمۃ اللہ علیک و کرامتہ (نسائی)

میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے جسم پر بہت معمولی لباس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں پوچھا: کس قسم کا مال ہے؟ عرض کیا کہ ہر قسم کا مال اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور خدام وغیرہ سب کچھ ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ نے تمہیں اتنا کچھ دیا ہے تو اس کے انعام و اکرام کا لباس سے بھی کچھ اظہار ہونا چاہیئے۔

۳۹ - سونے کا دانت :-

(عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی) :- ان ثنیۃ اصیبت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرہ ان یتخذ ثنیۃ من ذھب (بزار)

عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبی کا ایک سامنے کا دانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں ٹوٹ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کا دانت لگوانے کی اجازت دے دی

۴۰ - بال اور ڈاڑھی کو سلجھا کر رکھو :

(عطاء بن یسارؓ) قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فدخل رجل ثائر الرأس واللحیۃ فاشار الیہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ کانہ یأمرہ باصلاح شعرہ ولحیتہ ففعل ثم رجع فقال صلی اللہ علیہ وسلم الیس ھذا خیراً من ان یأتی احدکم ثائر الرأس کانہ شیطان (مالک)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ افروز تھے۔ کہ ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بال پریشان اور ڈاڑھی الجھی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اشارے سے حکم دیا کہ اپنے بال اور ڈاڑھی ٹھیک کرو۔ اس نے تعمیل حکم کی اور واپس چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہتر ہے، یا یہ کہ بکھرے ہوئے بال لے کر آنا جیسے شیطان چلا آرہا ہو۔

خلافت و امارت

۴۱ - تفریق جماعت پیدا کرنے والے کی سزا قتل :-

(عرفجۃ بن شریح) رفعہ: من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ ھما لمسلم ولہ ولابی داؤد و النسائی: ستکون ھنات وھنات فمن اراد

جب ایک شخص پر معاملہ امارت میں اتفاق ہو جائے۔ اور کوئی شخص آکر تمہاری جمعیّت کی مخالفت کرے یا جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہے، تو اسے قتل کر دو۔
دوسری روایتوں میں ہے کہ عنقریب قسم قسم کے آزمائشی معاملے پیش آئیں گے! اس وقت اس امت

يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان

کے اجماع کو بگاڑ کر جو تفریق پیدا کرنا چاہے۔ تلوار سے اڑا دو کہ کسے باشد۔

۴۲ - حکومتِ اسلامیہ کا نظام:-

(ابو هريرةؓ) رفعه: اذا كان امراؤكم خياركم واغنياؤكم سمحاءكم وامركم شورى بينكم فظهر الارض خير لكم من بطنها واذا كانت امراؤكم شراركم واغنياؤكم بخلاءكم وامركم الى نسائكم فبطن الارض خير لكم من ظهرها (ترمذی)

جب تمہارے حکام بہترین لوگ ہوں اور دولتمند فیاض لوگ ہوں اور حکومت اصول شوریٰ پر ہو تو اس زمین کی پشت اس کی آغوش سے (یعنی زندگی موت سے) بہتر ہے۔ اور جب بدترین لوگ حکام ہوں اور دولت مند کنجوس ہوں، اور حکومت کے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں، تو آغوش زمین پشت زمین سے (یعنی موت زندگی سے) بہتر ہے۔

۴۳ - راعی اور رعایا کی قسمیں:

(ابن عمرؓ) رفعه: كلكم راع و مسئول عن رعيته فالامام راع و مسئول عن رعيته والرجل راع في اهله و مسئول عن رعيته والمرأة في بيت زوجها راعية ومسئولة عن رعيتها والخادم في مال سيده راع وهو مسئول عن رعيته فسمعت هؤلاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم واحسب النبي صلى الله عليه وسلم قال والرجل في مال ابيه راع وهو مسئول عن رعيته فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (شيخين، ابوداؤد، ترمذی)

تم میں سے ہر شخص راعی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ امام ایک راعی ہے۔ اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی مرد بھی اپنے بال بچوں کا راعی ہے اور اس سے اس رعیت کی باز پرس ہوگی۔ عورت بھی اپنے شوہر کے گھر کی راعی ہے۔ اور اس سے اس رعیت کی باز پرس ہوگی۔ نوکر بھی اپنے آقا کے مال کا راعی ہے اور اس سے اس رعیت کی باز پرس ہوگی (میں نے ان تمام راعی و رعیت کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا ہے) اور مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا بھی راعی ہے۔ اور اس سے اس کی باز پرس ہوگی، غرض تم میں سے ہر شخص راعی ہے۔ اور (اپنے دائرے میں) اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہے۔

۴۴ - عادل کا انعام :

(ابن عمرؓو بن العاص) رفعه : ان المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمٰن وكلتا يديه يمين الذين يعدلون في حكمهم واهليهم وما ولوا (مسلم، نسائی)

عدل کرنے والے اللہ کی دائیں طرف نورانی ممبروں پر بیٹھیں گے ۔ اور اللہ کے تو دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں ۔ یہ لوگ جب تک اپنے عہدے پر رہتے ہیں ۔ اپنے فیصلوں میں اپنے اہل و عیال کے معاملے میں بھی عدل ہی سے کام لیتے ہیں ۔

۴۵ - خائن راعی کا انجام

(معقل بن يسار) رفعه ... يقول ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته الا حرم الله عليه الجنة (شیخین)

. . . . جسے اللہ تعالےٰ کسی رعیّت کا راعی بنائے اور وہ اپنے فرض میں خیانت کا ارتکاب کر کے مرے تو اللہ تعالےٰ اس پر جنت حرام کر دے گا ۔

۴۶ - اللہ کے قرب و بعد کا تعلق امام کے عدل و جور سے :-

(ابو سعیدؓ) (رفعه) احب الناس الى الله يوم القيامة وادناهم منه مجلسا امام عادل وابغض الناس الى الله وابعدهم منه مجلسا امام جائر (الترمذی)

بروزِ حشر اللہ تعالےٰ کا سب سے زیادہ محبوب اور اللہ کے حضور سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا شخص امام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور سب سے زیادہ دور جگہ پانے والا شخص ظالم امام ہوگا ۔

۴۷ - عہدوں کا نہ ملنا بڑی رحمت ہے ۔

(المقدام بن معدی کرب) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ضرب على منكبيه ثم قال افلحت يا قديم ان مت ولم تكن اميرا ولا كاتبا ولا عريفا (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدام بن معدی کرب کے کاندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے قدیم اگر کہیں کے امیر یا منشی (سیکرٹری) یا چودھری بنے بغیر مر جاؤ تو سمجھو کہ تم نے فلاح حاصل کر لی ۔

۴۸ ۔ عہدوں کی طلب چھوڑ دو :۔

(عبدالرحمٰن ابن سمرۃ) رفعہ: یاعبدالرحمٰن لا تسأل الامارۃ فانک ان اوتیتھا عن مسألۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا من غیر مسألۃ اعنت علیھا (للستہ الا مالکا)

اے عبدالرحمٰن کبھی امارت کی طلب نہ کرو اگر تمہیں مانگنے سے امارت ملی تو نفس کے پھندوں میں آجاؤ گے اور اگر بے طلب ملی تو اللہ تعالٰے کی طرف سے تمہاری امداد ہوگی۔

۴۹ ۔ عہدوں کی حرص :۔

(ابوھریرۃ) رفعہ: انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعمت المرضعۃ وبئست الفاطمۃ (بخاری ۔ نسائی)

تم لوگوں میں عنقریب امارت کی حرص پیدا ہونے لگے گی لیکن ایسی امارت بروزِ حشر سبب ندامت بنے گی یہ دودھ پلانے والی تو بڑی اچھی ہے ۔ مگر دودھ چھڑانے وقت بڑی بُری ہوتی ہے ۔

۵۰ ۔ عہدوں کا مطالبہ

(ابوموسٰیؓ) دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا ورجلان من بنی عمی فقال احدھما یارسول اللہ اُمرنا علی بعض ماولاک اللہ وقال الآخر مثل ذلک فقال انا واللہ لا نولی ھذا العمل احداً سألہ او احداً حرص علیہ (شیخین، ابوداؤد، نسائی)

میں اور میرے دو عم زاد بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ، یارسول اللہ آپ اپنے عطا شدہ اختیارات سے مجھے بھی کہیں کی امارت سپرد کیجئے ۔ دوسرے شخص نے بھی ایسی ہی درخواست پیش کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ :- خدا کی قسم میں اس عہدے پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہ کروں گا جو اس کی طلب یا حرص رکھتا ہو ۔

۵۱ ۔ امارت و وزارت کا باہمی تعلق :۔

(عائشۃؓ) رفعتہ: اذا اراد اللہ بالامیر خیراً جعل لہ وزیر صدق

جب اللہ تعالٰی کسی امیر کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے ایک مخلص وزیر بھی دے دیتا ہے ۔ امیر اگر کچھ

ان نسي ذكره وان ذكر اعانه واذا اراد به غير ذلك جعل له وزير سوء ان نسي لم يذكره وان ذكر لم يعنه (ابو داؤد، نسائی)

بھول جائے تو وہ یاد دلا دیتا ہے۔ اور اگر یاد رکھے تو دیتا ہے۔ اور اگر کسی امیر کی بھلائی مقصود نہ ہو تو اس کے لئے ایک بُرا وزیر پیدا کر دیتا ہے جو بھولتے وقت کچھ یاد نہیں دلاتا اور یاد رہے تو کوئی مدد نہیں پہنچاتا۔

۵۲ - خوشامد اور ظلم سے امرا کی اعانت نہ کرو:

(كعب بن عجرة) رفعه: اسمعوا انه سيكون من بعدي امراء فمن دخل عليهم فصدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منه وليس يوارد علي الحوض ومن دخل عليهم ولم يعنهم على ظلمهم ولم يصدقهم بكذبهم فهو مني وانا منه وهو وارد على الحوض (ترمذی و نسائی)

سن لو کہ عنقریب چند (نالائق) امراء ہوں گے۔ جو شخص ان کے پاس جائے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کر کے ان کے ظلم میں اعانت کرے وہ مجھ سے اور میں اس سے الگ ہوں گا اور وہ میرے پاس حوض سے سیراب ہونے کے لئے نہ آ سکے گا لیکن جو ان امراء کے پاس جا کر نہ ان کے مظالم میں ہاتھ بٹائے گا اور نہ ان کی جھوٹی باتوں کو سچا بتائے وہ میرا اور میں اس کا ہوں گا۔ اور وہ حوض سے سیراب ہونے کے لئے میرے پاس پہنچ جائے گا۔

۵۳ - مشقت میں ڈالنے والا حاکم:

(عبدالرحمن بن شماسة المهري عن عائشةؓ) رفعته ... اللهم من ولي من امر امتي شيئا فشق عليهم فاشقق عليه ومن ولي من امر امتي شيئا فرفق بهم فارفق به (مسلم)

. . . . اے اللہ جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا امیر ہو، اور وہ لوگوں کو مشقت میں ڈالے تو بھی اسے مشقت میں ڈال، اور جو امیر ان سے نرمی کا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا سلوک فرما۔

۵۴ - اولی الامر سے قصاصِ ظلم لیا جائے گا:-

(عمرؓ) قال في خطبته اني لم ابعث عمالي ليضربوا ابشاركم ولا ليأخذوا اموالكم فمن فعل به ذلك فليرفعه

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا: "میں اپنے عمال کو اس لئے نہیں بھیجتا کہ تمہارے جسموں کو مار کر تکلیف پہنچائیں یا تمہارا مال چھین لیں۔ جس کے ساتھ ایسا ہو وہ

بیا یحفظہ بہ نفسہ واھلہ الا لم یجد
رائحۃ الجنۃ (اوسط، صغیر لضعف)

اپنے بال بچوں کی نگاہ داشت کرتا ہے۔ تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

۵۹۔ ایضاً

(ابن عباسؓ) رفعہ: من ولی شیئا
من امر المسلمین لم ینظر اللہ فی حاجتہ
حتی ینظر فی حوائجھم (کبیر بلین)

جو مسلمانوں کا امیر ہو، اس کی ضرورتوں پر اللہ تعالے نگاہ بھی نہیں ڈالے گا۔ جب تک وہ لوگوں کی ضرورتوں پر نظر نہ رکھے۔

۶۰۔ اولی الامر کی خیرخواہی اور اس کا طریقہ:

(عیاض بن غنمؓ) من اراد ان ینصح
لذی سلطان بامر فلا یبدلہ علانیۃ
ولکن لیأخذ بیدہ فیخلو بہ فان قبل
منہ فذاک والا قد کان قد ادی
الذی علیہ (احمد مطولاً)

جو کسی حاکم کی کسی معاملے میں خیرخواہی کرنا چاہیے۔ وہ اسے علانیہ رسوا نہ کرے۔ بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے (اور بات سمجھا دے) اگر وہ مان جائے تو فبہا۔ ورنہ سمجھانے والا تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو ہی جائے گا۔

۶۱۔ اولی الامر کے سامنے جاکر:

(ابن عمرؓ) رفعہ: من حضر
اماما فلیقل خیرا او لیسکت
(اوسط بلین)

جو امام کے پاس جائے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے (یعنی ہر بات میں ہاں نہ ملائے۔ اور بُری بات زبان سے نہ نکالے)۔

۶۲۔ امیر کا بیت المال میں کتنا حق ہے:

(علیؓ) رفعہ: لا یحل للخلیفۃ من
مال اللہ الا قصعتین قصعۃ
یاکلھا ھو واھلہ وقصعۃ
یضعھا بین یدی الناس
(احمد)

خلیفے کے لئے اللہ تعالے کے مال میں سے دو پیالے سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ یعنی ایک پیالہ تو اس کے اور اس کے بال بچوں کے لئے اور دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے رکھے۔

بما يحفظ به نفسه واهله الا لم يجد رائحة الجنة (اوسط، صغير لضعف)

اپنے بال بچوں کی نگاہ داشت کرتا ہے۔ تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

٥٩۔ ایضاً

(ابن عباسؓ) رفعہ: من ولی شیئا من امر المسلمین لم ینظر اللہ فی حاجتہ حتی ینظر فی حوائجہم (کبیر بلین)

جو مسلمانوں کا امیر ہو، اس کی ضرورتوں پر اللہ تعالیٰ نگاہ بھی نہیں ڈالے گا۔ جب تک وہ لوگوں کی ضرورتوں پر نظر نہ رکھے۔

٦٠۔ اولی الامر کی خیر خواہی اور اس کا طریقہ:

(عیاض بن غنمؓ) من اراد ان ینصح لذی سلطان بامر فلا یبدہ لہ علانیۃ ولکن لیأخذ بیدہ فیخلو بہ فان قبل منہ فذاک والا قد کان قد ادی الذی علیہ (احمد مطولا)

جو کسی حاکم کی کسی معاملے میں خیر خواہی کرنا چاہے۔ وہ اسے علانیہ رسوا نہ کرے۔ بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے (اور بات سمجھا دے) اگر وہ مان جائے تو فبہا۔ ورنہ سمجھانے والا تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو ہی جائے گا۔

٦١۔ اولی الامر کے سامنے جا کر:

(ابن عمرؓ) رفعہ: من حضر اماما فلیقل خیرا او لیسکت (اوسط بلین)

جو امام کے پاس جائے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے (یعنی ہر ہاں میں ہاں نہ ملائے۔ اور بری بات زبان سے نہ نکالے)۔

٦٢۔ امیر کا بیت المال میں کتنا حق ہے:

(علیؓ) رفعہ: لا یحل للخلیفۃ من مال اللہ الا قصعتین قصعۃ یاکلہا ہو واہلہ وقصعۃ یضعہا بین یدی الناس (احمد)

خلیفے کے لئے اللہ تعالیٰ کے مال میں سے دو پیالے سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ یعنی ایک پیالہ تو اس کے اور اس کے بال بچوں کے لئے اور دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے رکھے۔

۶۳ - حضرت ابوبکرؓ کا عجیب اسوہ :-

(ابوبکرؓ) قال لما احتضر یا عائشۃ انظری اللقحۃ التی کنا نشرب من لبنہا والجفنۃ التی نصطنع فیہا والقطیفۃ التی کنا نلبسہا فانا کنا ننتفع بذلک حین کنا نلی امر المسلمین فاذا مت فردیہ الی عمرؓ فلما مات ابوبکرؓ ارسلت بہا الی عمرؓ فقال عمر رحمک اللہ لقد اتعبت من جاء بعدک۔

(کبیر)

حضرت ابوبکرؓ نے بوقت رحلت فرمایا کہ: اے عائشہؓ دیکھو یہ تو وہ اونٹنی ہے جس کا ہم دودھ پیا اور یہ ہے وہ پیالہ جس میں کھانا تیار کرتے تھے۔ اور یہ وہ چادر ہے جو ہم اوڑھا کرتے تھے۔ ان تینوں چیزوں سے ہم اس وقت فائدہ اٹھا رہے تھے جب ہم مسلمانوں کے امیر تھے۔ لہٰذا جب میں مر جاؤں تو یہ عمرؓ کو واپس کر دینا۔ چنانچہ جب آپ وفات پا چکے تو حضرت عائشہؓ نے یہ تینوں چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ: اے ابوبکرؓ آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ آپ نے اپنے بعد آنے والے کو تھکا دینے کا سامان کر دیا۔

اطاعتِ امام اور جماعت سے وابستگی

۶۴ - اطاعت امیر کی حدود :

(انسؓ) رفعہ :- اسمعوا واطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ ما اقام فیکم کتاب اللہ (بخاری)

اگر تم پر کوئی ایسا حبشی غلام بھی جس کا سر مویز منقّی کی طرح چھوٹا ہو، امیر بنا دیا جائے تو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق چلائے۔ اس کی سمع و طاعت کرتے رہو۔

۶۵ - امیر کی اطاعت عین خدا و رسول کی اطاعت ہے :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصے

جو میری اطاعت کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اور جو میرا نافرمان ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی نافرمان ہے اور جو

الله ومن يطع الامير فقد اطاعني ومن يعص الامير فقد عصاني

امیر کا اطاعت گزار ہے وہ میرا فرمانبردار ہے۔ اور جو امیر کی نافرمانی کرے وہ میرا بھی نافرمان ہے۔

۶۶ - امام کون ہوتا ہے؟

زاد في رواية : وانما الامام جُنة يقاتل من ورائه ويتقى به فان امر بتقوى الله وعدل فان له بذلك اجراً وان قال بغيره كان عليه منه وزر۔ (شيخين ۔ نسائي)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ امام ایک سپر ہے۔ جس کی پناہ میں جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعے بچاؤ کیا جاتا ہے پس اگر وہ تقویٰ اللہ کا حکم دے اور عدل کو قائم رکھے تو اس کے لئے اجر ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کچھ کہے تو اس کا بوجھ اسی پر ہوگا۔

۶۷ ۔ ترک اطاعت کب ہے؟

(ابن عمرؓ) رفعه : على المرء المسلم السمع والطاعة فيما احب وكره الا ان يؤمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ (للستة الا مالکا)

مرد مسلم پر تو سمع و اطاعتِ امیر واجب ہے خواہ وہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔ ہاں اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو وہاں کوئی سمع و طاعت نہیں۔

۶۸ ۔ معصیتِ الٰہی میں کسی کی اطاعت نہیں:

(ابن مسعودؓ) رفعه : سيلي اموركم لعدى رجال يطفئون السنة ويعملون بالبدعة ويؤخرون الصلوة عن مواقيتها قلت يارسول الله ان ادركتهم كيف افعل؟ قال تسألني يا ابن ام عبد كيف تفعل؟ لا طاعة لمن عصى الله (قزويني)

میرے بعد کچھ ایسے لوگ تمہارے امیر ہوں گے۔ جو سنت کو ہٹا کر بدعتیں جاری کریں گے اور نماز کے اوقات میں تاخیر کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ ! اگر ایسے لوگ مجھے ملیں تو میں کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام عبد کے فرزند! مجھ سے پوچھتے ہو کہ ایسی صورت میں کیا کروں؟ ارے جو اللہ کا نافرمان ہو۔ اس کی اطاعت کیسی؟

۶۹ - اولی الامر کی ہر حال میں اطاعت:

(ابوھریرۃ) رفعہ: علیک بالسمع والطاعۃ فی عسرک ومنشطک ومکرھک واثرۃ علیک (مسلم، نسائی)

تم پر امیر کی سمع و اطاعت ہے۔ تنگی میں بھی، فراخی میں بھی، خوشی میں بھی ناخوشی میں بھی اور اپنے آپ پر ترجیح دینے میں بھی۔

۷۰ - بہترین اور بدترین ائمہ:

(عوف بن مالک) رفعہ: خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذھم؟ قال لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ الا من ولی علیہ وال فرآہ یأتی شیئا من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یأتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یدا من طاعۃ (مسلم)

تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم اور جو تم سے محبت رکھتے ہوں۔ تم انہیں اور وہ تمہیں دعا سے خیر سے یاد کرتے ہوں اور بدترین امام وہ ہیں جن سے تم اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں اور جن پر تم اور جو تم پر ملامت ولعنت کرتے رہتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم ایسے ائمہ سے انقطاع یا اعلانِ جنگ نہ کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ: جب تک تم میں اقامت صلوٰۃ کرتے رہیں اس وقت تک اطاعت کرو۔ پھر فرمایا کہ: جس پر کوئی امیر مقرر کر دیا جائے۔ اور وہ اس امیر کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے دیکھے، تو اس معصیت کو تو ضرور برا سمجھے لیکن اس کی طاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچے۔

۷۱ - دنیاوی غرض سے بیعت:

(ابوھریرۃ) رفعہ: ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا ینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم رجل علی فضل ماء بفلاۃ یمنعہ ابن السبیل ورجل

تین قسم کے آدمی ایسے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ بروزِ حشر بات بھی نہیں کرے گا۔ نہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا۔ نہ انہیں پاک کرے گا۔ بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی بیابان میں زائد از ضرورت پانی پر قابض ہو۔ اور مسافروں کو پانی نہ لینے

بایع رجلا بسلعة بعد العصر فحلف باللہ لاخذھا بکذا وکذا فصدقه فاخذھا وھو علی غیر ذلک ورجل بایع اماما لایبایعه الا للدنیا فان اعطاہ منھا مایرید وفی له وان لم یعطه لم یف۔
(شیخین، ابوداؤد، نسائی)

دے۔ دوسرا وہ شخص جو بعد عصر کوئی سودا یہ کہہ کر بیچے کہ خدا کی قسم میں نے تو اتنے کو خریدا ہے اور خریدار اسے سچا سمجھ کر خرید لے۔ حالانکہ اس نے قسم غلط کھائی تھی۔ تیسرا وہ شخص ہے جو کسی امام کی بیعت محض دنیا کے لئے کرے۔ یعنی اگر وہ امام اس کا دنیوی مطالبہ پورا کر دے پھر تو اس کے ساتھ وفا کرے اور اگر اسے کچھ نہ دے تو بے وفائی پر اتر آئے۔

۷۲ - اولی الامر کو کوسنا :

(ابوامامہؓ) رفعه: لاتسبوا الائمة وادعوا اللہ لھم بالصلاح فان صلاحھم لکم صلاح (کبیر، اوسط)

اماموں کو گالیاں نہ دو، بلکہ ان کے لئے دعائے خیر کرو، کیونکہ تمہاری اصلاح بھی ان ہی کی اصلاح سے وابستہ ہے۔

۷۳ - نظام اجتماع سے وابستگی :

(ابوذرؓ) رفعه: من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (ابوداؤد)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

۷۴ - ضلالت پر اجماع نہیں ہوتا :

(ابن عمرؓ) رفعه: لن تجتمع امتی علی ضلالة فعلیکم بالجماعة فان ید اللہ علی الجماعة (کبیر)

میری امت کا اجتماع گمراہی پر نہ ہوگا۔ لہٰذا تم لوگ جماعت سے وابستہ رہو۔ کیونکہ جماعت کے ساتھ خدا کی مدد ہوتی ہے۔

۷۵ - اجتماع سے انقطاع :

(معاذؓ) رفعه: ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یأخذ الشاة

بھیڑ بکری کی طرح انسان کے بھی بھیڑیئے ہوتے ہیں اور انسان کا بھیڑیا شیطان ہے۔ دور اور

القاصیۃ والناحیۃ فایاکم والشعاب و علیکم بالجماعۃ والعامۃ والمسجد۔ (احمد، کبیر)

کنارے رہنے والی بکری کو بھیڑیا اٹھالے جاتا ہے لہٰذا تفرق سے بچو اور جماعت سے، عوام سے اور مسجد سے وابستہ رہو۔

۷۶ - کتاب اللہ اور حکومت کے افتراق کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

(معاذؓ) رفعہ: الا ان رحی الاسلام دائرۃ فدوروا مع الکتاب حیث دار الا ان الکتاب والسلطان سیفترقان فلا تفارقوا الکتاب الا انہ ستکون علیکم امراء یقضون لانفسھم ما لا یقضون لکم فان عصیتموھم قتلوکم وان اطعتموھم اضلوکم قالوا یا رسول اللہ کیف نصنع؟ قال کما صنع اصحاب عیسیٰ بن مریم نشروا بالناشر وحملوا علی الخشب موت فاطاعۃ اللہ خیر من حیاۃ فی معصیۃ اللہ (کبیر بلین)

اسلام کی چکی چل پڑی ہے۔ لہٰذا جدھر کتاب اللہ لے جائے اُدھر ہی تم بھی گھوم جاؤ۔ سنو! کتاب اللہ اور حکومت عنقریب الگ الگ ہو جائیں گی۔ تم اس وقت کتاب کو نہ چھوڑنا۔ سنو! عنقریب تم پر ایسے امرا مسلط ہونے والے ہیں۔ جن کے فیصلے تمہارے لئے کچھ اور ہوں گے۔ اور اپنے لئے کچھ اور، ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ اور اگر اطاعت کرو گے، تو گمراہ کر دیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ، اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہو؟ فرمایا: وہی جو اصحاب عیسیٰ (علیہ السلام) کا تھا۔ انہیں آروں سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کی طاعت میں مرجانا اس کی نافرمانی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

۷۷ - اولی الامر کے سامنے بے خوف حق گوئی:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: لاتدخلن علی الامراء فان غلبت علی ذلک فلا تجاوز سنتی ولا تخافن سیفہ ولا سوطہ ان تأمرھم بتقوی اللہ۔ (اوسط بضعف)

حکام کے پاس حتی الامکان نہ جایا کرو۔ اگر ایسا ہی کرنا پڑے۔ تو میری سنت سے تجاوز نہ کرو، اور انہیں تقوی اللہ کا حکم سنانے میں تلوار اور کوڑے سے نہ ڈرو۔

۷۸ - گمراہ دور میں کیا طرزِ عمل ہو؟:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: سیکون فی آخر الزمان امراء ظلمۃ ووزراء فسقۃ وقضاۃ خونۃ وفقہاء کذبۃ فمن ادرک ذلک الزمان منکم فلا یکونن لھم جابیا ولا عریفا ولا شرطیا (اوسط، صغیر بلین)

آخر زمانہ میں ظالم اولی الامر، فاسق وزراء، خائن قاضی اور جھوٹے فقہا ہوں گے۔ تم میں سے جو بھی ایسا دور دیکھے۔ وہ نہ ان کا محصل بنے نہ نقیب اور نہ سپاہی۔

۷۹ - ظالم امام اور سرکش نفندی:

(ابوامامۃؓ) رفعہ: صنفان من امتی لن تنالھما شفاعتی امام ظلوم غشوم وکل غال مارق (کبیر، اوسط)

میری امت میں دو قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایک تو ظالم و غاصب امام دوسرے وہ خود پسند جو دین (نظام اجماع) سے نکل جائیں۔

معاہدے کے احکام

۸۰ - معاہد کے ساتھ عدل و رحم کی تاکید:

(صفوان بن سلیم) عن عدۃ من ابناء الصحابۃ عن آبائھم - رفعوہ: من ظلم معاھدا او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجہ یوم القیمۃ (ابوداؤد)

کئی فرزندان صحابہؓ اپنے آبا کے حوالے سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو معاہد (معاہدہ کرنے والے) پر ظلم کرے یا معاہدے میں کمی پیدا کرے یا اس کی قوت برداشت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کچھ وصول کرے تو میں بروز قیامت اس کی طرف سے وکیل ہوں گا۔

۸۱ - پابندی عہدِ معاہد:

(ابورافع) بعثنی قریش الی النبی صلی

مجھے کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

الله علیه وسلم فلما رأیته القی فی قلبی الاسلام فقلت یا رسول الله لا ارجع الیهم ابدا فقال انی لا اخیس بالعهد ولا احبس البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن فارجع فذهبت ثم اتیته صلی الله علیه وسلم فاسلمت (ابوداؤد)

میں بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسلام اتر گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو اب کبھی ان کے پاس واپس نہ جاؤں گا۔ فرمایا کہ: میں معاہدے میں غداری نہیں کرتا۔ اور نہ سفیروں کو قید کر سکتا ہوں۔ تم اس وقت تو واپس ہو جاؤ۔ پھر اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ باقی رہے تو واپس آ جانا۔ غرض اس وقت تو میں واپس ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ آ کر اسلام لایا۔

۸۲ - اصول کی محافظت:

(سلمة بن نعیم) عن ابیه: قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول حین قراء کتاب مسیلمة للرسول ما تقولان انتما؟ قالا نقول کما قال قال اما والله لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما (ابوداؤد)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کا خط پڑھا تو قاصدوں سے پوچھا کہ تم دونوں کا کیا عقیدہ و خیال ہے۔ بولے: وہی جو مسیلمہ کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر قاصدوں کو قتل کیا جا سکتا تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا۔

۸۳ - عورت کا درجہ:

(عائشہؓ) ان کانت المرأة لتجیر علی المسلمین فیجوز (ابوداؤد)

اگر عورت کسی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں پناہ دے تو جائز ہے۔

۸۴ - بدعہدی کی سزا کیا ہوتی ہے؟

(مالکؒ) بلغنی: ان ابن عباسؓ قال ما ختر قوم بالعهد الا سلط علیهم العدو (ابوداؤد)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔

۸۵ - مجوس اہل کتاب کی صف:

(جعفر بن محمد) عن ابیه: ان عمر ذکر المجوس فقال ما ادری کیف اصنع فی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کے معاملے

امرھم فقال عبدالرحمٰن بن عوف اشھد سمعت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سُنّوا بھم سنۃ اھل الکتاب (مالک)

میں کیا روش اختیار کروں ؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ بولے (میں نے) صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اہل کتاب کے ساتھ ہوتا ہے۔

۸۶ - بدعہدی کی شہرت

(ابن عمرؓ) رفعہ. ان الغادر ینصب لہ لواء یوم القیامۃ فیقال ھذا غدرۃ فلان (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

غداری (معاہدے کی خلاف ورزی اور بدعہدی) کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اور یہ بتایا جائے گا کہ فلاں شخص کی بدعہدی کا نشان ہے۔

غنیمت اور غلول

۸۷ - مرد و زن کے مساوی حصے :

(حشرج بن زیاد) عن جدتہ ام ابیہ: خرجت فی غزاۃ خیبر سادسۃ ست نسوۃ فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث الینا فجئنا فرأینا فیہ الغضب فقال مع من خرجتن و باذن من خرجتن؟ فقلنا خرجنا نغزل الشعر و نعین بہ سبیل اللہ و نناول السھام و معنا دواء للجرحی و نسقی السویق فقال قمن اذا حتی اذا فتح اللہ علیھم خیبر اسھم لنا کما اسھم للرجال فقلت لھا یا جدۃ ما کانت ذلک قالت تمرا (ابوداؤد)

غزوۂ خیبر میں شریک ہونے والی چھ عورتوں میں میں بھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو ہم سب کو بلا بھیجا۔ جب ہم آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصے میں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی تھیں۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم اُون کی چیزیں بنتی ہیں جن سے قتال فی سبیل اللہ میں مدد ملتی ہے اور تیر بھی پیش کرتی ہیں۔ نیز ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوا بھی ہے۔ اور ہم انہیں دارو (یا ستو) بھی پلاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اپنا کام کئے جاؤ۔ بالآخر جب خیبر فتح ہوا، تو ہم عورتوں کو بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی طرح حصہ دیا جس طرح مردوں کو دیا۔ میں نے پوچھا کہ دادی جان! آپ کے حصے میں کیا چیز آئی تھی؟ بولیں، کھجوریں۔

۸۸۔ مالِ غنیمت میں غیر مسلموں کے حصے:۔

(الزھری): ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسھم لقوم من الیھود قاتلوا معہ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو بھی حصے دیئے ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں شرکت کی تھی۔

۸۹۔ حضرت عثمان غنیؓ کا حصہ غنیمت بلا شرکت جہاد:

(ابن عمرؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یعنی یوم بدر ان عثمان انطلق فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسولہ وانی ابایع لہ فضرب لہ بسھم و لم یضرب لاحد غاب غیرہ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بموقع بدر فرمایا کہ: عثمانؓ اللہ اور اس کے رسول ہی کے کام سے غیر حاضر رہے ہیں۔ میں ان کی طرف سے غائبانہ بیعت لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی حصہ غنیمت نکال دیا اور ان کے سوا کسی دوسرے غیر حاضر شخص کا حصہ نہیں نکالا۔

تعبیر خواب وغیرہ

۹۰۔ خواب کی قسمیں اور بُرے خواب کا علاج:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: اذا اقترب الزمان لم تکد رؤیا المسلم تکذب واصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا ورؤیا المسلم جزء من ستۃ و اربعین جزءًا من النبوۃ والرؤیا ثلاث فالرؤیا الصالحۃ بشری من اللہ و رؤیا تحزین من الشیطان ورؤیا مما یحدث المرء نفسہ فان رای احدکم ما یکرہ

قربِ قیامت کے وقت عموماً مسلمان کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔ اور جو مسلمان جتنا راست گفتار ہوگا اتنا ہی اس کا خواب سچا ہوگا۔ مسلمان کا صحیح خواب نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے صرف ایک جزو ہے۔ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) صالح خواب تو اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے بشارت ہوتی ہے (۲) غم انگیز خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور (۳) حدیث النفس جو اپنے خیالات کا عکس ہوتا ہے۔ لہذا اگر کسی کو کوئی

فليقم فليصل ولا يحدث بها الناس
(شيخين، ترمذی، ابوداؤد)

ناگوار بات نظر آئے تو وہ اٹھ کر نماز ادا کرے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔

۹۱ - خوابِ پریشان کے اثرات سے بچنے کا طریقہ:

(ابو قتادہؓ) رفعه: الرؤيا الصالحة من الله والحلم من الشيطان فاذا حلم احدكم الحلم يكرهه فليبصق عن يساره وليستعذ بالله منه فلن يضره۔
(للستة الا النسائی)

اچھے خواب اللہ کی جانب سے اور پریشان کرنے والے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں پس جب نہیں ناگوار خواب نظر آئے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دو اور اس سے اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وغیرہ پڑھ لے) تو وہ خواب اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

۹۲ - مبشّرات:

(ابو هريرةؓ) رفعه: لم يبق بعدی من النبوة الا المبشرات قالوا وما المبشرات؟ قال الرؤيا الصالحة
(مالک، ابوداؤد، بخاری)

میرے بعد نبوت کی کوئی خصوصیات بجز "مبشرات" کے باقی نہ رہے گی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: مبشرات کیا چیز ہے؟
فرمایا: (صالح) اچھے خواب۔

۹۳ - ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا ایک خواب اور اس کی تعبیر:

(عائشةؓ) رأيت ثلاثة اقمار سقطن فی حجرتی فقصصت رؤیای علی ابی بکر فسکت فلما توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم ودفن فی بیتی قال لی ابوبکرؓ هذا احد اقمارك وهو خيرها۔
(مالک، کبیر بضعف)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ میں نے یہ خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو وہ خاموش رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وفات پاکر میرے حجرے میں دفن ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے جو سب سے بہتر چاند ہے۔ (اس کے بعد دوسرے دو چاند حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ دفن ہوئے)

کتاب الطِبّ

۹۴ - دوا ہر مرض کی موجود ہے مگر حرام دوا نہ ہو:

(ابوالدرداء) رفعہ: ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بالحرام (ابوداؤد)

اللہ نے بیماری بھی پیدا کی ہے۔ اور دوا بھی۔ ہر مرض کی دوا بھی ہوتی ہے۔ لہذا دوائیں استعمال کیا کرو۔ ہاں حرام چیزوں کو دواءً استعمال نہ کرو۔

۹۵ - بڑھاپے کی دوا نہیں

(اسامۃ بن شریک) رفعہ: تداووا فان اللہ تعالیٰ لم یضع داء الا وضع لہ دواء غیر داء واحد وھو الھرم (ابوداؤد وترمذی)

دوا استعمال کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہر مرض کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے۔ صرف ایک مرض کی دوا نہیں، اور وہ ہے بڑھاپا۔

۹۶ - معدے کی لطیف مثال:

(ابوھریرۃ رضی) رفعہ: المعدۃ حوض البدن والعروق الیھا واردۃ فاذا صحت المعدۃ صدرت العروق بالصحۃ واذا سقمت المعدۃ صدرت العروق بالسقم (اوسط بضعف)

معدہ بدن کا حوض ہے۔ جس سے سیراب ہونے کے لئے رگیں ملی ہوئی ہیں۔ اگر معدہ درست ہے تو یہ رگیں بھی جام صحت پی کر واپس ہوتی ہیں۔ ورنہ بیماری کے گھونٹ پی کر لوٹتی ہیں۔

۹۷ - اتباع سنّت کا غلط مطلب سمجھنے کا نتیجہ:

(ابوکبشۃ الانماری)۔۔۔۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم علی

۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زہریلے گوشت کا اثر دور کرنے کے لئے اپنے

هامته من الشاة المسمومة قال معمر فاحتجمت انا من غير سم كذلك في يافوخي فذهب حسن الحفظ عني حتى كنت القن فاتحة الكتاب في الصلوة (ابوداؤد)

سر پر پچھنا لگوایا تھا۔ معمر کا بیان ہے کہ [illegible] بھی بغیر اس کے کہ کسی زہر کا اثر دور کرنا مقصود ہو، اپنی چندیا پر پچھنے لگوایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری قوت حافظہ ختم ہو گئی حتی کہ نماز کے اندر سورۂ فاتحہ تک میں لقمہ دیا جانے لگا۔

جھاڑ پھونک فال وغیرہ

۹۸ ۔ جبر و قدر کا امتزاج :

(ابو خزامة) عن ابيه: قلت يا رسول الله أرأيت رقى نسترقي بها ودواء نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئاً؟ قال هو من قدر الله۔ (ترمذی)

میں نے پوچھا کہ: ہم لوگ جھاڑ پھونک بھی کرتے ہیں اور دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور بچاؤ کی دوسری تدبیریں بھی کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں کیا یہ چیزیں قضا و قدر پر اثر انداز ہوتی ہیں؟ فرمایا جو کچھ تم کرتے ہو یہ بھی قضا و قدر ہی میں داخل ہے۔

۹۹ ۔ بعض لغو اعتقادات :

(قطن بن قبيصة) عن ابيه رفعه العيافة والطيرة والطرق من الجبت۔ (ابوداؤد)

پرندے اڑا کر نیک شگون لینا، یا کسی اور طرح بدشگونی لینا یا جادو منتر کے طور پر کنکریاں پھینکنا، یہ سب فضول اور بے برکت چیزیں ہیں۔

سحر و نجوم وغیرہ

۱۰۰ ۔ نجوم کی لغویت :

(ابن عباسؓ) رفعه: من اقتبس باباً من

جو شخص علم نجوم سے اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے

[illegible] علم النجوم لغير ما ذكر الله فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم كاهن والكاهن ساحر والساحر كافر (رزين، ابوداؤد لبعضه)

مقصد کے علاوہ کچھ اور استفادہ کرتا ہے۔ وہ گویا سحر (جادو) سے استفادہ کرتا ہے۔ منجم ایک قسم کا کاہن ہے اور کاہن ساحر ہے اور ساحر کافر۔

۱۰۱۔ پیروی علم نجوم کی گمراہی:

(العباسؓ) خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة فالتفت اليها فقال ان الله قد طهر هذه القرية من الشرك ان لم تضلهم النجوم (موصلی کبیر، اوسط، بلین)

میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے سے باہر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر مدینے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اس آبادی کو شرک سے پاک کر دیا ہے بشرطیکہ انہیں نجوم گمراہ نہ کر دے۔

۱۰۲۔ کہانت کی حقیقت:

(عائشةؓ) سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الكهان؟ فقال ليس بشيء قالوا يا رسول الله انهم يحدثون احيانا بالشيء فيكون حقا فقال تلك الكلمة من الحق يخطفها الجن فيقذفها في اذن وليه فيخلطون معها مائة كذبة (شیخین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! یہ لوگ بعض اوقات کچھ باتیں بتلاتے ہیں جو سچی نکلتی ہیں۔ فرمایا: ایک آدھ سچی بات شیطان اڑا لیتا ہے اور اسے اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ سو جھوٹ بھی ملا دیتا ہے۔

سلام و مصافحہ وغیرہ

۱۰۳۔ سلام اور اندر آنے کی اجازت:

(كلدة بن حنبلؓ) ان صفوان بن امية بعثه الى النبي صلى الله عليه

صفوان بن امیہ نے کلدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دودھ، پیوسی اور سبزی لے کر بھیجا۔

وسلم بلبن ولبأ وضغابيس والنبي صلى الله عليه وسلم بأعلى الوادي قال فدخلت عليه ولم استأذن ولم اسلم فقال صلى الله عليه وسلم ارجع فقل السلام عليكم ءادخل؟ وذلك بعد ما اسلم صفوان (ترمذی، ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وادی کے بالائی حصے میں تشریف رکھتے تھے۔ کلدہ کا بیان ہے کہ میں بلا اجازت لئے اندر داخل ہو گیا اور سلام بھی نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ۔ اور پہلے السلام علیکم کہہ کر پوچھو کہ: میں اندر آ جاؤں؟ یہ واقعہ صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے۔

۱۰۴ - اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کے آداب:

(انسؓ) قال لی النبي صلى الله عليه وسلم يا بُني اذا دخلت على اهلك فسلم يكن سلامك بركة عليك وعلى اهل بيتك (ترمذی)

مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے فرزند! جب تم اپنے گھر کے اندر داخل ہو تو پہلے سلام کر لیا کرو۔ یہ سلام تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی باعثِ برکت ہوگا۔

۱۰۵ - گفتگو سے پہلے سلام:

(جابرؓ) رفعه: السلام قبل الكلام (ترمذی)

گفتگو سے پہلے سلام ہوتا ہے۔

۱۰۶ بچوں کو سلام کرنا:

(انسؓ) مر على صبيان فسلم عليهم وقال كان النبي صلى الله عليه وسلم يفعله (شیخین، ترمذی، ابوداؤد)

(حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کچھ بچوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا۔ اور کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۱۰۷ - سلام میں جماعت کی نمائندگی:

(علیؓ) رفعه: يجزى عن الجماعة اذا مروا ان يسلم احدهم ويجزى عن الجلوس ان يرد احدهم . . . وحديث تقرأ السلام على من عرفت ومن لم

آنے والوں میں اگر پوری جماعت ہو، تو ایک آدمی کا سلام کر دینا سب کی طرف سے کافی ہے اور اسی طرح ایک آدمی کا جوابِ سلام دے دینا تمام اہل محفل کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔ . . . اور اس مضمون کی حدیث کہ ہر آشنا و

تخریج مرّ فی خصال الایمان (ابوداؤد)

ناآشنا کو سلام کرو۔ خصال ایمان کے باب میں گزر چکی ہے۔

۱۰۸ ۔ سلام میں سبقت :

(ابوامامۃؓ) رفعہ: اولی الناس باللہ من بدأھم بالسلام (ترمذی، ابوداؤد بلفظہ)

اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سلام کہنے میں ابتدا کرے۔

۱۰۹ ۔ کبر شکنی کی عجیب تعلیم :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔

سوار پیدل چلنے والے کو اور کھڑا ہونے والا بیٹھے ہوئے کو اور قلیل التعداد، کثیر التعداد کو سلام کرے۔

۱۱۰ ۔ من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد :

(انسؓ) سمعت رجلاً یقول للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الرجل منا یلقی اخاہ وصدیقہ أینحنی لہ؟ قال لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ترمذی)

میں نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتے سنا کہ اگر کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکنا بھی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۱۱ ۔ لفظ سلام کا مصدر :

(ابن مسعودؓ) رفعہ: السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ وضعہ فی الارض فافشوہ بینکم فان الرجل المسلم اذا مر بقوم فسلم علیھم فردوا علیہ کان لہ علیھم فضل درجۃ بتذکیرہ ایاھم السلام فان لم یردوا علیہ رد علیہ من ھو خیر منھم واطیب (بزار، کبیر)

"سلام" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جسے اس نے زمین پر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اسے آپس میں پھیلاؤ۔ اگر ایک مسلمان کچھ لوگوں کے پاس سے گزرتا ہوا انہیں سلام کرے! اور وہ اسے جواب سلام دیں تو اس مسلمان کا ایک درجہ فضیلت ان لوگوں سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے ان لوگوں کو "سلام" کی یاد دلائی۔ اگر لوگ اس کے سلام کا جواب نہ دیں تو اس کا جواب وہ دیتا ہے جو ان سب سے بہتر اور پاکیزہ تر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کا مقرب فرشتہ)

۱۱۲ ۔ سب سے بڑا بخیل:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: اعجز الناس من عجز فی الدعاء وابخل الناس من بخل بالسلام (کبیر)

سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو۔ اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے۔

۱۱۳ ۔ مصافحے کے موجد:

(انسؓ) لما جاء اھل الیمن قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءکم اھل الیمن وھم اوّل من جاء بالمصافحۃ (ابوداؤد)

جب اہل یمن آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ: تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں اور مصافحے کی ابتدا انہیں سے ہوئی ہے۔

۱۱۴ ۔ اجر مصافحہ:

(البراءؓ) رفعہ: ما من مسلمان یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا (ابوداؤد، ترمذی)

جب بھی دو مسلمان باہم ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو جُدا ہونے سے پہلے تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۱۱۵ ۔ مصافحے اور ہدایا کی برکات

(عطاء الخراسانی) ارسلہ: تصافحوا یذھب الغل وتھادوا تحابوا وتذھب الشحناء (مالک)

مصافحہ کیا کرو۔ اس سے باہمی رنج دور ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو۔ اس سے باہمی محبت قائم رہتی ہے اور کینہ دور ہوتا ہے۔

۱۱۶ ۔ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے:

(انسؓ) لم یکن شخص احب الیھم من النبی صلی اللہ علیہ وسلّم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک (ترمذی)

صحابہ کرامؓ کی نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ تھا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں فرماتے۔

۱۱۷ - خواہش مندِ قیام جہنمی ہے:

(معاویہؓ) دفعہ: من احب ان یتمثل لہ الناس قیاماً فلیتبوأ مقعدہ من النار (ابوداؤد۔ ترمذی)

جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے لئے (تعظیماً) کھڑے ہو جایا کریں۔ اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔

داخلے کی اجازت

۱۱۸ - پہلے سلام پھر اندر آنے کی اجازت:

(ربعی بن حراش) جاء رجل فاستأذن على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ءالج؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم لخادمه اخرج الى هذا فعلمه الاستيذان فقل له قل السلام عليكم ءادخل فسمع الرجل ذلك فقال السلام عليكم ءادخل؟ فاذن له صلى الله عليه وسلم فدخل (ابوداؤد)

ایک شخص آیا اور اس نے حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہتے ہوئے یوں کہا کہ: میں اندر آجاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے کہا کہ: باہر جا کر اسے اجازت لینے کا طریقہ بتا دو۔ اس سے کہو کہ: پہلے السلام علیکم کہے۔ پھر پوچھے کہ میں اندر آ سکتا ہوں؟ اس شخص نے یہ گفتگو باہر ہی سے سن لی اور وہیں سے بولا کہ السلام علیکم! میں اندر آ سکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا۔

۱۱۹ - سعدؓ کی ایک محبوب ادا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مساویانہ برتاؤ:

(قیس بن سعدؓ) زارنا النبي صلى الله عليه وسلم في منزلنا فقال السلام عليكم ورحمة الله فرد ابي رداً خفياً فقلت الا تأذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ذره حتى يكثر علينا من السلام فقال صلى

قیس بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے اور باہر ہی سے فرمایا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میرے والد سعدؓ نے دھیمی آواز سے جوابِ سلام دیا۔ میں نے اپنے والد سعدؓ سے کہا کہ حضورؐ تشریف لائے ہیں۔ اندر آنے کی اجازت کیوں (نہیں) دیتے؟ انہوں نے کہا کہ چھوڑو بھی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰہ علیہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ فرد سعد ردا اخفیا ثم قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ ثم رجع فاتبعہ سعد فقال یارسول اللّٰہ انی کنت اسمع تسلیمک وارد علیک ردا خفیا لتکثر علینا من السلام فانصرف معہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وامر لہ سعد بغسل فاغتسل ثم ناولہ ملحفۃ مصبوغۃ بزعفران اوورس فاشتمل بہا ثم رفع یدیہ وھو یقول اللّٰھم اجعل صلواتک ورحمتک علی آل سعد ثم اصاب صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الطعام فلما اراد الانصراف قرب لہ سعد حمارا قد وطأ علیہ بقطیفۃ فقال سعد یا قیس اصحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فصحبتہ فقال لی ارکب معی فابیت فقال اما ان ترکب و اما ان تنصرف فانصرفت (ابوداؤد)

کو ہم پر خوب بار بار سلامتی بھیجنے دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سعدؓ نے پھر دھیرے سے جواب دیا۔ حضورؐ پھر تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہونے لگے تو سعدؓ پیچھے ہو لئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں حضورؐ کا سلام سن رہا تھا، اور دھیرے سے جواب بھی دیتا رہا۔ غرض یہ تھی کہ حضورؐ بار بار ہم پر سلامتی بھیجتے رہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سعد (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے ساتھ واپس آئے اور سعدؓ نے غسل کا پانی تیار کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور سعدؓ نے زعفران سے رنگی ہوئی ایک چادر حضورؐ کو پیش کی۔ حضورؐ نے وہ اوڑھ لی اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ! آلِ سعدؓ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمایا۔ پھر جب واپس ہونے کا ارادہ کیا تو سعدؓ نے ایک گدھا تیار کیا اور اس پر نرم پھوندار چادر کا گدا بچھا دیا اور اپنے فرزند قیس سے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ۔ قیسؓ کہتے ہیں کہ میں ساتھ چلنے لگا تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے ادبًا انکار کیا تو فرمایا کہ یا تو تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ یا پھر واپس جاؤ۔ آخر میں واپس آ گیا۔

۱۲۰ - اپنے گھر میں اجازتِ داخلہ لینا:

(عطاء بن یسارؓ) ان رجلا سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال استأذن لی علی امی؟ فقال نعم قال انی معہا

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: کیا میں اپنی ماں سے بھی اندر آنے کی اجازت لیا کروں؟ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اس نے کہا کہ: میں اسی

...البیت فقال استأذن علیہا قال انی خادمہا فقال استأذن علیہا اتحب ان تراہا عریانۃ؟ قال لا فقال استأذن علیہا۔
(مالک)

...کے ساتھ ایک گھر کے اندر رہتا ہوں حضورؐ نے فرمایا پھر بھی ... لے کر اندر آؤ۔ عرض کیا کہ: اس کی خدمت بھی میں کرتا ہوں۔ فرمایا کہ: پھر بھی اذن لے لیا کرو۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ کسی وقت تم اسے برہنہ دیکھ لو؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: پھر اجازت لے لیا کرو۔

۱۲۱ - "میں" کی ایک عام عادت:

(جابرؓ) اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امر دین کان علی ابی فدققت الباب فقال من ذا؟ فقلت انا فخرج وھو یقول انا انا کانہ یکرھہ۔

(شیخین، ابو داؤد، ترمذی)

میرے والد کے ذمے جو قرض تھا۔ اس کے متعلق کچھ پوچھنے کے لیے میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دروازہ کھٹکھٹایا: تو فرمایا: کون ہے۔ میں نے کہا: "میں"؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی "میں میں" کہتے ہوئے باہر آئے۔ یعنی اس "میں" کے جواب کو پسند نہ فرمایا۔

۱۲۲ - بلا اجازت اندر گھسنا:

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنھم فقد حل لھم ان یفقئوا عینہ (شیخین، ابوداؤد، نسائی)

اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اطلاع کے (اچانک) گھس آئے تو گھر والوں کے لئے اس کی آنکھ پھوڑ دینا روا ہے۔

مختلف آداب

۱۲۳ - چھینک اور جمائی کے آداب

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ: .... فاذا عطس احدکم فحمد اللہ فحق علی کل مسلم سمعہ ان یقول یرحمک اللہ و

.... جب کوئی چھینک مار کر "الحمد للہ" کہے تو ہر سننے والے مسلمان پر اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا

وَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ هَا فَاِنَّ ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ. وَ فِي رِوَايَةٍ: فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلٰى فِيْهِ فَاِذَا قَالَ آهْ آهْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهِ (شیخین ترمذی، ابوداؤد، مسلم)

حق ہو جاتا ہے اور جمائی تو شیطانی فعل ہے اگر جمائی نماز میں آئے تو اسے جہاں تک ممکن ہو دبالو۔ اور "ہا ہا" نہ کرو۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے جس پر خود شیطان بھی ہنستا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب جمائی آئے تو منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لو۔ "ہاہ ہاہ" کرنے سے شیطان اندر سے ہنستا ہے۔

۱۲۴ - راستے کے حقوق

(ابوسعیدؓ) رفعہ: اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْهَا فَقَالَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّهُ فَقَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ (شیخین، ابوداؤد) وَلَهُ عَنْ عُمَرَؓ نَحْوَهُ فِیْهِ، وَتُغِیْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوا الضَّالَّ۔

راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا کہ، یارسول اللہ! ہمیں بعض اوقات گفتگو کے لیے راستے پر ہی بیٹھنا پڑتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: اگر تمہیں مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑے تو راستے کا حق بھی ادا کیا کرو۔ لوگوں نے پوچھا: سڑک یا راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا نگاہیں نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے بچنا، سلام کا جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا

ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ: مصیبت زدوں کی امداد کرنا اور بھٹکے ہوئے کو راہ بتانا۔

۱۲۵ - اپنے لئے کسی کو اٹھانا

(ابن عمرؓ) رفعہ: لَا یُقِیْمَنَّ اَحَدُکُمْ رَجُلًا مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ وَلٰکِنْ تَوَسَّعُوْا وَتَفَسَّحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ (شیخین۔ ابوداؤد، ترمذی)

محفل میں کسی آدمی کو اٹھا کر اپنے لئے جگہ نہ پیدا کرو۔ بلکہ ذرا پھیل کر کشادگی پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لئے کشادگی پیدا فرما دے گا۔

۱۲۶- بیٹھک کا زیادہ حق دار:

(ابوہریرۃ) رفعہ: اذا قام احدکم من مجلس ثم رجع الیہ فھو احق بہ (مسلم، ابوداؤد)

اگر کوئی شخص محفل سے اٹھ کر کہیں جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔

۱۲۷- سب سے زیادہ ضروری ادبِ محفل:

(جابر بن سمرۃ) کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس احدنا بحیث ینتھی (ابوداؤد)

ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کنارے بیٹھ جایا کرتے تھے۔

۱۲۸- دو آدمیوں کے بیچ میں بیٹھنا:

(عمرو بن شعیب) عن ابیہ عن جدہ رفعہ لا تجلس بین رجلین الا باذنھما۔ (ابوداؤد، ترمذی)

دو آدمیوں کے درمیان اجازت کے بغیر نہیں بیٹھنا چاہیئے

۱۲۹- صدر نشینی کے شائق پر لعنت:

(ابومجلز) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن من جلس وسط الحلقۃ (ابوداؤد، ترمذی)

جو شخص بیچ حلقے میں جا کر بیٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

نصرت و اخوت و سفارش و تعصب

۱۳۰- مومن پر مومن کے حقوق:

(ابوہریرۃ) للمؤمن علی المؤمن ست خصال یعودہ اذا مرض و یشھدہ اذا

مومن پر دوسرے مومن کے چھے حق ہیں (۱) مریض ہو تو عیادت کرے (۲) مرے تو جنازے میں شرکت کرے

مات ویجیبه اذا دعاه ویسلم علیه اذا لقیه ویشمته اذا عطس و ینصح له اذا غاب او شهد (للستة الا مالکا بلفظ النسائی)

(۳) دعوت کرے (یا بلائے) تو آجائے (۴) ... کرے (۵) چھینکے تو یرحمک اللہ کہے (۶) سامنے یا پیٹھ پیچھے ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

ایمان و اخلاق کے تقاضے

۱۳۱ - گفتگو امانت ہوتی ہے

(جابرؓ) رفعه: اذا حدث رجل رجلا بحدیث ثم التفت فهو امانة۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی بات کرکے چلا جائے تو وہ بات امانت کی ایک قسم میں داخل ہے

۱۳۲ - کن بندوں کی تعظیم عین تعظیم الٰہی ہے:

(ابوموسیٰؓ) رفعه: ان من اجلال الله اکرام ذی الشیبة المسلم و حامل القرآن غیر الغالی فیه ولا الجافی عنه واکرام ذی السلطان المقسط (ابوداؤد)

کسی بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن اور سلطان عادل کی تعظیم کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم ہے۔ بشرطیکہ اس میں نہ غلو ہو نہ کمی (بلکہ اعتدال ملحوظ رہے)۔

۱۳۳ - بوڑھے کی تعظیم کا اجر:

(انسؓ) رفعه: ما اکرم شاب شیخا لسنه الا قیض الله له من یکرمه عند سنه (ترمذی)

جو نوجوان کسی بوڑھے کی کبر سنی کی وجہ سے تعظیم کرتا ہے۔ اس کی پیرسنی کی تعظیم کے لئے اللہ تعالیٰ کسی کو متعین کر دیتا ہے۔

۱۳۴ - بڑوں کی تعظیم :

(انسؓ) جاء شیخ یرید النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فابطاء القوم ان یوسعواله فقال صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (ترمذی)

ایک بوڑھا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آیا۔ لوگوں نے اسے جگہ دینے میں کوتاہی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے۔ وہ میری جماعت سے باہر ہے۔

۱۳۵ - خواجہ کی بندہ نوازی :

(ابوھریرہؓ) ان جریر بن عبد اللہ دخل البیت وھو مملوء فلم یجد مجلسا فرمی الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازارہ او بردائہ وقال اجلس علی ھذا فاخذہ وقبلہ ووضعہ الیہ وقال اکرمک اللہ یا رسول اللہ کما اکرمتنی فقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (اوسط - بزار - طبرانی)

جریر بن عبد اللہؓ کا شانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو وہ پُر تھا اور انہیں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ردائے مبارک ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ: اس پر بیٹھ جاؤ۔ جریرؓ نے وہ چادر لی اور چُوم کر سینے سے لگالی اور کہا کہ: یا رسول اللہ! اللہ آپؐ کا اکرام فرمائے جس طرح آپؐ نے میرا اکرام فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب کسی قوم کا کوئی باعزت آدمی آئے تو اس کا اکرام کیا کرو۔

۱۳۶ - حُسن سلوک کا زبانی جواب :

(اسامۃؓ) رفعہ :- من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ فی الثناء (ترمذی)

جس کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اور وہ جزاک اللہ خیراً (اللہ تعالیٰ تمہیں بہتر جزا دے) کہہ دے تو یہ بڑی کافی ثنا (تعریف) ہے۔

۱۳۷ - عطایا کا جواب :

(جابرؓ) من اُعطی عطاء فلیجز بہ ان

جسے کوئی عطیہ ملے وہ اس کا بدلہ بھی دے۔ اور اگر

وجد فإن لم يجد فليثن به فإن من أثنى به فقد شكره ومن كتمه فقد كفره (ابوداؤد، ترمذی بلفظہ)

یہ میسر نہ ہو تو ثنا و تعریف ہی کر دے۔ کیونکہ ثنا اس کا حق ہے۔ اور اسے دبا رکھنا ناشکری ہے۔

۱۳۸۔ محسن کی شکر گذاری:

(ابوسعیدؓ) رفعہ: من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ (ترمذی)

جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں۔

حسن نیت اور صدق و کذب

۱۳۹۔ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کرتے پھرنا:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (مسلم، ابوداؤد)

کسی کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو جو سُنے اسے بلا تحقیق بیان کرتا پھرے۔

۱۴۰۔ بچوں سے غلط گوئی میں احتیاط:

(عبداللہ بن عامرؓ) دعتنی امی یوما والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد فی بیتنا فقالت ھا تعال اعطیک فقال لہا ما اردت ان تعطیہ؟ قالت اردت ان اعطیہ تمرا فقال اما انک لو لم تعطیہ شیئا کتبت علیک کذبۃ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانے پر تشریف لائے کہ میری والدہ نے مجھے یہ کہہ کر بلایا کہ: آؤ تمہیں ایک چیز دوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا دینے کا ارادہ ہے؟ بولیں: کھجور! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا۔

۱۴۱۔ صرف تین جھوٹ کی اجازت:

(اسماء بنت یزید) رفعتہ: یا ایہا الناس ما یحملکم علی ان تتابعوا علی الکذب

اے لوگو! جھوٹ بولنے پر تمہیں کیا چیز ابھارتی ہے جھوٹ بھی ایسا مسلسل کہ جیسے پروانے پے بہ پے گرتے ہوں۔

کتتابع الفراش فی النار؟ الکذب کله علی ابن آدم الا فی ثلاث خصال رجل کذب امرأته لیرضیها و رجل کذب فی الحرب فان الحرب خدعة و رجل کذب بین المسلمین لیصلح بینهما (رزین، ترمذی)

آگ میں گر رہے ہوں؟ فرزندِ آدم سے ہر جھوٹ پر مواخذہ ہوگا۔ صرف تین موقعے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) بیوی کو خوش رکھنے کے لئے (۲) جنگ کے موقعے پر، کیونکہ جنگ نام ہی ہے فریب کا۔ اور (۳) دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے

حُسنِ سُلوک

والدین

۱۴۲ - خدمت و معیت کا سب سے زیادہ حق دار:

(ابو ھریرۃؓ) جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ من احق الناس بحسن صحابتی؟ قال امك قال ثم من؟ قال ثم امك قال ثم من؟ قال ثم امك قال ثم من؟ قال ثم ابوك۔ (شیخین)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ: یا رسول اللہ: میری معیّت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا۔ تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا۔ اس کے بعد؟ فرمایا: تمہارا باپ؟

۱۴۳ - حُسنِ سلوک کے ترتیب وار حق دار:

(کلیب بن منفعۃ) عن جدہ: قال یا رسول اللہ من ابر؟ قال امك واباك واختك واخاك ومولاك الذی یلی ذلك حق واجب و رحم

کلیب کے دادا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: میں کس کس کے ساتھ بر (حُسنِ سلوک) کروں؟ فرمایا اپنی ماں، باپ بہن، بھائی اور قریبی مولا کے ساتھ یہی ضروری

موصولة (ابوداؤد)

حق اور صلہ بھی ہے۔

۱۴۴ - اولاد مع اپنے مال کے باپ کی ہے :

(ابن عمروؓ بن العاص) ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتاہ رجل فقال یا رسول اللّٰہ ان لی مالا وولدا وان ابی یحتاج الی مالی فقال انت ومالك لوالدك ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ: میرے پاس دولت بھی ہے۔ اور اولاد بھی۔ اور میرے ماں باپ کو بھی میرے مال کی ضرورت ہے فرمایا: تم اپنے مال سمیت اپنے باپ کے ہو، اور تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی میں شامل ہے۔ لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھا سکتے ہو۔

۱۴۵ - سب سے زیادہ بدنصیب :

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ قیل من یا رسول اللّٰہ؟ قال من ادرك والدیہ عند الکبر احدھما اوکلیھما ثم لم یدخل الجنۃ۔ (مسلم)

وہ شخص رسوا ہوا۔ ذلیل ہوا۔ بے عزت ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ: کون یارسول اللہ؟ فرمایا: وہ جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ اور ان کی خدمت کر کے (داخل بہشت ہونے کا) موقع نہ حاصل کیا۔

۱۴۶ - جہاد اور ہجرت سے پہلے والدین کی خوشنودی :

(ابن عمروؓ بن العاص) جاء رجل الی النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجہاد فقال احیّ والداك؟ قال نعم قال ففیھما فجاھد (للستۃ الا مالکا)

وفی روایۃ: جاء رجل فقال جئت ابایعك علی الھجرۃ وترکت ابوی یبکیان قال فارجع الیھما فاضحکھما کما ابکیتھما (للستۃ الا مالکا)

ایک شخص نے آکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت چاہی حضور نے پوچھا: تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: پہلے ان کے ساتھ حق وفا ادا کر، پھر جہاد کرنا۔

دوسری روایت میں ہے کہ: ایک شخص آکر کہنے لگا کہ: میں حضورؐ کے پاس بیعتِ ہجرت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا: واپس جا کر اپنے والدین کو اسی طرح ہنساؤ۔ جس طرح رُلایا ہے۔

۱۴۷ - جنت ماں کے قدموں کے پاس:

(معاویۃ بن جاھمۃ) ان جاھمۃ قال یارسول اللہ ارددت ان اغزو وقد جئت استشیرک فقال ھل لک من ام؟ قال نعم قال الزمھا فان الجنۃ عند رجلیھا (نسائی)

جاہمہ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں غزوہ کا ارادہ رکھتا ہوں اور حضورؐ سے مشورہ کرنے حاضر ہوا ہوں حضورؐ نے دریافت کیا: تمہاری کوئی ماں بھی ہے؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا! اسی کی خدمت میں رہو۔ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔

۱۴۸ - مشرک ماں کی خدمت و امداد:

(اسماء بنت ابی بکرؓ) قدمت علی امی وھی مشرکۃ فاستفتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت قدمت علی امی وھی راغبۃ افاصل امی؟ قال نعم صلی امک۔

(شیخین، ابوداؤد)

ایک بار میری ماں میرے پاس آئی۔ اس وقت وہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ مجھ سے مالی امداد کی طالب ہے۔ تو کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ فرمایا: ضرور۔ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

۱۴۹ - ماں کی قائم مقام:

(ابن عمرؓ) قال رجل یارسول اللہ انی اصبت ذنبا عظیما فھل لی من توبۃ؟ فقال ھل لک من ام؟ قال لا قال فھل لک من خالۃ؟ قال نعم قال فبرھا (ترمذی)

حضورؐ سے ایک شخص نے پوچھا کہ: میں نے بعض بڑے گناہ کئے ہیں کیا اس کی توبہ بھی ہو سکتی ہے؟ حضورؐ نے پوچھا: کیا تمہاری کوئی ماں بھی زندہ ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ پوچھا: کوئی خالہ ہے؟ کہا: ہاں! فرمایا: بس اس کے ساتھ حسن سلوک کرو (یہی اس بڑے گناہ کی توبہ ہے)۔

۱۵۰ - والدین کی موت کے بعد بھی حسن سلوک ہو سکتا ہے:

(ابو اسید الساعدی) ان رجلا قال یارسول اللہ ھل بقی من برابوی

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: میرے والدین کے مرنے کے بعد بھی کوئی ایسا حسن سلوک ہے

شیٔ ابرھما بہ لبعد موتھما ؛ قال نعم الصلوٰۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما من بعدھما وصلۃ الرحم التی لا توصل الا بھما واکرام صدیقھما۔ (ابوداؤد)

جو میں کروں تو والدین ہی کے ساتھ حسن سلوک ہو [illegible] فرمایا: ہاں! ان کے لئے دعا اور استغفار کرو۔ جو عہد وہ پورا نہ کر سکے ہوں۔ ان کو تم پورا کرو۔ ان کی وجہ سے جس کے ساتھ صلہ رحمی ہو سکتی تھی وہ کرو۔ اور ان کے مخلصوں کا اکرام قائم کرو۔

۱۵۱ - رضاعی والدین اور بھائی کے ساتھ حسن سلوک:

(عمر بن السائبؓ) بلغہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان جالسا یوما فاقبل ابوہ من الرضاعۃ فوضع لہ بعض ثوبہ فقعد علیہ ثم اقبلت امہ من الرضاعۃ فوضع لھا شق ثوبہ من جانبہ الآخر فجلست علیہ ثم اقبل اخوہ من الرضاعۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجلسہ بین یدیہ (ابوداؤد)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے تھے کہ: حضورؐ کے رضاعی والد آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کا ایک گوشہ ان کے لئے بچھا دیا۔ اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کا دوسرا گوشہ ان کے لئے بچھا دیا۔ اور وہ وہاں بیٹھ گئیں۔ پھر رضاعی بھائی آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھا لیا۔

۱۵۲ - ماں یا باپ کی طرف سے حج:

(زید بن ارقمؓ) رفعہ: من حج عن احد ابویہ اجزأ ذلک عنہ وبشر روحہ بذلک فی السماء وکتب عند اللہ بارًا ولو کان عاقًا (رزین)

جو شخص اپنے ماں یا باپ کی طرف سے حج کرے تو وہ (والدین کی طرف سے) ادا ہو جائے گا! اور اس کی روح آسمان میں خوش ہو جائے گی اور وہ فرزند عاق (نافرمان) بھی ہو گا تو اللہ کے ہاں اسے بار (فرمانبردار) لکھ لیا جائے گا۔

۱۵۳ - باپ کے ساتھ حسن سلوک اور عفت کا اثر:

(ابن عمرؓ) رفعہ: بروا آباءکم تبرکم ابناؤکم وعفوا

تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گی اور تم خود پاکدامن

تمف نساؤکم (اوسط)

رہو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی۔

اولاد

۱۵۴۔ اولاد کی نافرمانی کو دور کرنے کا طریقہ:

(ابو ھریرۃ) رفعہ: اعینوا اولادکم علی البر من شاء استخرج العقوق من ولدہ (اوسط بخفی)

حسن سلوک میں اپنی اولاد کی مدد کرو۔ اس طرح جو چاہے اپنی اولاد کی نافرمانی کی عادت کو دور کر سکتا ہے۔

لڑکی

۱۵۵۔ بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کا نتیجہ:

(عائشۃ رض) دخلت علیّ امرأۃ ومعھا ابنتان لھا تسأل فلم تجد عندی شیئاً غیر تمرۃ فاعطیتھا ایاھا فقسمتھا بین ابنتیھا ولم تأکل منھا ثم خرجت فدخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ فقال من ابتلی من ھذہ البنات بشئ فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار۔ (شیخین، ترمذی)

میرے پاس ایک عورت سوال کرتی آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔ میرے پاس اس وقت بجز ایک چھوہارے کے اور کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی دے دیا۔ اس نے اس کے دو حصے کئے اور اپنی لڑکیوں کو دے دیئے اور خود کچھ نہ کھایا اور چلی گئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا فرمایا جو ان معصوم بچیوں کے سلسلے میں کسی آزمائش میں پڑے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حق ادا کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیں گی۔

۱۵۶۔ سب سے افضل کار خیر:

(سراقۃ بن مالک رض) رفعہ: الا ادلک علی

میں تمہیں سب سے افضل صدقہ (کار خیر) بتاتا

افضل الصدقة ابنتك مردودة اليك ليس لها کاسب غیرك (قزوینی)

ہوں۔ تمہاری وہ بیٹی جس کی کفالت تم کرو اور تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔

۱۵۷۔ جوانی تک لڑکیوں کی کفالت کا صلہ:

(انس رض) رفعہ: من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة انا وھو وضم اصابعه (ترمذی۔ مسلم بلفظه)

جو دو لڑکیوں کی ان کے جوان ہونے تک کفالت کرے۔ وہ قیامت کے دن ان انگلیوں کی طرح میرے ساتھ ہوگا۔

۱۵۸۔ سب سے اعلیٰ عطیہ کیا ہے؟

(سعید بن العاص رض) رفعه: ما نحل والد ولداً من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)

عمدہ تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکے۔

۱۵۹۔ بہترین انسان کون ہے:

(عائشة رض) رفعته: خیرکم خیرکم لاھله وانا خیرکم لاھلی (ترمذی)

تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے بہترین ہو۔ اور میں اپنے اہل و عیال کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔

یتیم

۱۶۰۔ کفالت یتیم کا اجر:

(سھل بن سعد) رفعه: انا وکافل الیتیم فی الجنة ھکذا واشار بالسبابة والوسطی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضور اکرمؐ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ: میں، اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے۔

۱۶۱ - سخت دلی کا علاج

(ابو هريرةؓ) ان رجلاً شكى الى النبى صلى الله عليه وسلم قسوة قلبه فقال امسح رأس اليتيم واطعم المسكين۔ (احمد)

ایک شخص نے حضورؐ سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج یہ بتایا کہ یتیم کے سر پر رحمت کا ہاتھ پھیرو۔ اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔

۱۶۲ سب سے بہتر اور سب سے بدتر گھر:

(ابو هريرةؓ) دفعه: خير بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يحسن اليه وشر بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يُساء اليه (ترمذی۔ طبی)

مسلمانوں میں سب سے بہتر وہ گھر ہے۔ جس میں کوئی یتیم ہو۔ اور اس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جاتا ہو۔ اور بدترین مسلمان گھر وہ ہے جہاں کوئی یتیم ہو' اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہو۔

مسکین

۱۶۳ - شادی کا مقصد کثرت اولاد نہیں:

(عوف بن مالك الاشجعى) دفعه: انا وامرأة سفعاء الخدين كهاتين يوم القيمة واومأ بالوسطى والسبابة امرأة امت من زوجها ذات منصب وجمال حبست نفسها على يتاماها حتى بانوا او ماتوا (ابوداؤد)

میں اور وہ عورت ان دو انگلیوں یعنی وسطی اور سبابہ کی طرح بروز حشر قریب قریب ہوں گے یعنی وہ عورت جو بیوہ ہوگئی ہو۔ عزت اور دولت رکھتی ہو اپنے بن باپ کے بچوں کی خدمت کرتے کرتے (اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا ہو۔ اور وہ عقد ثانی سے باز رہی ہو' تا آنکہ وہ بچے جدا ہو جائیں یا مر جائیں۔

۱۶۴ - محتاج و مسکین کی پرورش کا درجہ:

(ابو هريرةؓ) دفعه: الساعى على الارملة

بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرنے والا ایسا

والسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ واحسبہ قال وکالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر (شیخین، ترمذی، نسائی)

ہی ہے۔ جیسے مجاہد فی سبیل اللہ۔ مجھے خیال آتا ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا ہے جیسے ساری رات قیام کرنے والا اور ہمیشہ روزہ رکھنے والا۔

صدقہ (کارِ خیر)

۱۶۵۔ صدقہ کے اقسام

(ابو موسیٰؓ) علی کل مسلم صدقۃ قیل ارأیت ان لم یجد؟ قال یعمل بیدیہ فینفع نفسہ ویتصدق قال ارأیت ان لم یستطع؟ قال یعین ذا الحاجۃ الملھوف قال ارأیت ان لم یستطع؟ قال یأمر بالمعروف او الخیر قال ارأیت ان لم یفعل؟ قال یمسک عن الشر فانھا صدقۃ۔ (شیخین)

صدقہ ادا کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: اگر وہ اس قابل نہ ہو؟ فرمایا اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کرے اور اس کمائی سے اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور کچھ صدقہ کرے۔ عرض کیا۔ اگر اس کا مقدور نہ ہو؟ فرمایا: کسی حاجت مند فریادی کی مدد کرے۔ پوچھا: اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو؟ فرمایا امر بالمعروف کرے۔ سوال کیا۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے؟ فرمایا اپنے آپ کو شر پہنچانے سے باز رکھے یہی اس کا صدقہ ہے۔

۱۶۶۔ ایام کفر کی نیکیوں کا اثر:

(حکیم بن حزامؓ) قال یارسول اللہ ارأیت امورًا کنت اتحنث بہا فی الجاھلیۃ من صلوۃ و عتاقۃ وصدقۃ ھل لی فیہا اجر؟ قال اسلمت علی ما اسلفت لک من خیر (شیخین)

میں نے عرض کیا کہ: میں جاہلیت کے ایام میں کئی ایک نیک کام کیا کرتا تھا۔ مثلاً صلوۃ، غلاموں کی رہائی اور صدقہ وغیرہ اب اسلام لانے کے بعد کیا ان نیکیوں کا اجر ملے گا؟ فرمایا جو نیکیاں تم کر چکے ہو۔ ان ہی کی برکت سے تم مسلمان ہوئے ہو۔

۱۶۷۔ کافر کی نیکیاں کب نفع بخش ہو سکتی ہیں؟

(عائشہؓ) قلت یارسول اللہ ان ابن

میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ابن جدعان

جدعان کان فی الجاهلیة یصل الرحم ویطعم المسکین فهل ذلك نافعة؟ قال لا ینفعه انه لم یقل یومًا رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین۔ (مسلم)

جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ کیا اس کے یہ اعمال اسے کچھ نفع پہنچائیں گے؟ فرمایا: نہیں! کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ: اے میرے رب قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دے۔

صلۂ رحمی

۱۶۸ - "رحم" کا اشتقاق اور صلہ رحمی:

(عبد الرحمٰن بن عوف) رفعه: قال الله تعالی انا الله وانا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لها اسمًا من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتتّه۔ (شیخین)

اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کر کے اپنے نام (رحمان) سے اس کے لئے بھی ایک نام (رحم) نکال لیا ہے۔ لہٰذا جو اس کے تعلق کو باقی رکھے گا۔ میں بھی اس سے اپنا تعلق باقی رکھوں گا اور جو اسے قطع کرے گا۔ اسے میں بھی قطع کر دوں گا۔

۱۶۹ - کشائش رزق اور درازئ عمر کا ذریعہ:

(ابوھریرۃ) رفعه: من سره ان یبسط الله فی رزقه وان ینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (بخاری، ترمذی)

جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں کشادگی پیدا کرے اور اس کی زندگی دراز ہو تو وہ صلۂ رحمی کرے۔

۱۷۰ - قطع رحمی اور جنت:

(جبیر بن مطعم) رفعه لا یدخل الجنة قاطع رحم (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

۱۷۱ - دنیوی سزا جلدی دلانے والا جرم:

(ابوبکرۃ) رفعه: ما من ذنب أجدر

کوئی ایسا گناہ نہیں جس کے کرنے والے کو

ان یعجل لصاحبه للعقوبة فی الدنیا مع ما یدخر له فی الآخرة من البغی وقطیعة الرحم (ترمذی، ابوداؤد)

اُخروی مواخذے کے ساتھ ساتھ دنیا میں سزا دینے میں بھی جلدی کی جائے بجز بغاوت اور قطع رحمی کے۔

۱۷۲ - بدی کے جواب میں نیکی کرنے کا انعام:

(ابوہریرۃؓ) ان رجلا قال یا رسول اللہ ان لی قرابة اصلهم ویقطعونی واحسن الیهم ویسیئون الی واحلم عنهم ویجهلون علی قال لئن کنت کما قلت فکانما تسفهم المل ولا یزال معک من اللہ ظهیر علیهم مادمت علی ذلک۔

(مسلم)

ایک شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میرے کچھ اہل قرابت ہیں جن کے ساتھ میں صلہ رحمی کرتا ہوں۔ مگر وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان کی باتوں پر حلم سے کام لیتا ہوں اور وہ جہالت پر اتر آتے ہیں حضورؐ نے فرمایا: اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہتے ہو تو تم گویا ان کے منہ پر خاک ڈالتے ہو اور جب تک اس روش پر قائم رہو گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مددگار (فرشتہ) تمہارے ساتھ رہے گا۔

۱۷۳ - ذی رحم کو صدقہ دینا:

(سلمان بن عامرؓ) رفعه: الصدقة علی المسکین صدقة وعلی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة رحم (نسائی)

مسکین کو صدقہ دینا تو ایک صدقے کا ثواب ہے لیکن کسی ذی رحم (رشتہ دار) کو دینا دوہرا ثواب ہے ایک تو صدقے کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

پڑوسی

۱۷۴ - پڑوسی کے حق پر زور:

(ابن عمروؓ بن العاص) ذبحت له شاة فی اهله فلما جاء قال اهدیتم لجارنا الیهودی؟

ابن عمرؓ کے ہاں ایک بکری ذبح ہوئی۔ جب ابن عمرؓ آئے تو انہوں نے کہا کہ: ہمارے یہودی پڑوسی کا حصہ بھیجا؟ (مکرر) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه

(ابوداؤد، ترمذی بلفظه)

جبرئیل نے مجھے پڑوسی کے متعلق اس قدر مسلسل وصیت کی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یہ پڑوسی کو وارث بھی بنادیں گے۔

۱۷۵۔ بُرے پڑوسی کا غیر متشددانہ اور دلچسپ علاج :

(ابو هريرةؓ) جاء رجل الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم يشكو جاره فقال له اذهب فاصبر فاتاه مرتين او ثلاثا فقال اذهب فاطرح متاعك في الطريق ففعل فجعل الناس يمرون ويسألونه ويخبرهم خبر جاره فجعلوا يلعنونه فعل الله به وفعل وفعل فجاء اليه جاره فقال ارجع فانك لن ترى مني شيئا تكرهه (ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آکر اپنے پڑوسی کی شکایت کرنے لگا حضورؐ نے فرمایا کہ: واپس جاؤ اور صبر سے کام لو۔ وہ دو یا تین بار حضورؐ کے پاس پھر آیا حضورؐ نے فرمایا: واپس جاکر اپنا تمام مال و اسباب سڑک پر ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب جو لوگ ادھر سے گزرتے اس سے اس حرکت کا سبب پوچھتے۔ اور وہ پورا قصہ بیان کر دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس (پڑوسی) کو کوسنے اور بددعائیں دینے لگے کہ "خدا اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے"۔ آخر وہ پڑوسی اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ: خدا کے لئے تم واپس چلو، مجھ سے اب تمہیں کوئی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

۱۷۶۔ شرانگیز پڑوسی مومن نہیں :

(ابو هريرةؓ) رفعه: والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن قيل من يا رسول الله؟ قال الذي لا يأمن جاره بوائقه (شيخين)

بخدا وہ مومن نہیں، بخدا وہ مؤمن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کہ: کون یا رسول اللہ! فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

۱۷۷۔ وعید شدید :

(انسؓ) رفعه: ما آمن بی من مات

مجھ پر اس کا ایمان ہی نہیں جو ایسی حالت میں مرے

شبعان وجاره جائع الیٰ جنبه وهو یعلم به (کبیر، بزاز)

کہ اس کا پیٹ تو بھرا ہوا ہو! ور اس کی بغل میں اس کا ... بھوکا ہو ۔ اور اسے اس کے بھوکے ہونے کا علم بھی ہو۔

۱۷۸ - پڑوسی کی حدود اربعہ :

(ابوھریرۃ) رفعه: حق الجار اربعين داراً ھکذا وھکذا وھکذا وھکذا یمیناً و شمالاً وقدام وخلف (موصلی بضعف)

پڑوس کے حق کا دائرہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے چالیس چالیس گھر تک وسیع ہوتا ہے۔

۱۷۹ - تین شدید مصیبتیں :

(فضالة بن عبیدؓ) رفعه: ثلاثة من الفواقر امام ان احسنت لم یشکر وان اسأت لم یغفر وجار سوء ان رای خیرا دفنه وان رای شرا اذاعه وامرأة ان حضرت اذتك وان غبت عنها خانتك۔

(کبیر)

تین مصیبتیں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اولی الامر کے ساتھ تم حسن سلوک کرو تو وہ شکر گزار نہ ہو۔ اور بُرا سلوک کرو تو معاف نہ کرے۔ دوسرے وہ پڑوسی جو تمہاری کوئی نیکی دیکھے تو اسے دفن کر دے۔ اور کوئی برائی دیکھے تو اس کی اشاعت کرتا پھرے۔ تیسرے وہ عورت کہ جب تم گھر پر آؤ تو تمہیں ایذا پہنچائے۔ اور جب تم باہر ہو تو تمہاری خیانت کرے۔

۱۸۰ - زبان اور جنت دوزخ کا فرق :

(ابوھریرۃؓ) قال رجل یارسول اللہ ان فلانة تذکر من کثرة صلاتها وصدقتها وصیامها غیر انها تؤذی جیرانها بلسانها قال ھی فی النار قال یارسول اللہ ان فلانة تذکر من قلة صیامها وصلاتها وانها تصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی بلسانها جیرانها قال

ایک شخص نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ایک عورت ہے جس کی صلوٰۃ، صدقہ اور صوم کی کثرت مشہور ہے۔ مگر وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ: ایک دوسری عورت ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ روزے، نماز سے کمتر تعلق رکھتی ہے۔ اور صرف پنیر کے ٹکڑے صدقے میں دے دیتی ہے۔ لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو دکھ نہیں دیتی

فی الجنة (احمد، بزار)

فرمایا: وہ جنتی ہے۔

رحم وکرم

۱۸۱ - زمین کا رحیم آسمان کا مرحوم:

(ابن عمرو بن العاص) رفعه: الراحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (ترمذی، ابوداؤد) بلفظه

رحم کرنے والوں پہ رحمان رحم کرتا ہے تم زمین والوں پہ رحم کرو، آسمان والا تم پہ رحم فرمائے گا۔

۱۸۲ - بے رحم مستحقِ رحم نہیں ہوتا:

(ابوھریرۃ) قبّل النبی صلی اللہ علیه وسلّم الحسن بن علی وعندہ الاقرع بن حابس فقال الاقرع ان لی عشرۃ من الولد ما قبّلت منہم احدًا قط فنظر الیه صلّی اللہ علیه وسلم ثم قال من لا یرحم لا یرحم (شیخین، ترمذی، ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حسنؓ بن علیؓ کو چوما۔ اس وقت اقرع بن حابس بھی موجود تھے۔ وہ بولے کہ: میرے دس بچے ہیں۔ لیکن میں نے آج تک کبھی کسی کو نہیں چوما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا۔ اس پہ رحم کیا بھی نہیں جاتا۔

۱۸۳ - بچوں کا پیار علامتِ رحم ہے:

(عائشۃؓ) جاء اعرابیٌّ الی النبیّ صلی اللہ علیه وسلم فقال انکم تقبلون الصبیان وما نقبلہم فقال ولملاء لك ان نزع اللہ الرحمة من قلبك (شیخین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی (دیہاتی) آکر کہنے لگا کہ آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں لیکن ہم لوگ تو کبھی نہیں چومتے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ نے جذبہ رحم نکال لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

۱۸۴ - رحمتِ خداوندی غضبِ الٰہی پر غالب ہے:

(ابوھریرۃؓ) لما خلق اللہ الخلق کتب فی

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنی کتاب

كتاب، فهو عنده فوق العرش ان رحمتي تغلب غضبي۔ (شيخين وترمذي)

ہیں جو اُس کے عرش کے اوپر رکھی ہے یہ لکھ دیا کہ: میری رحمت میرے غصے پر غالب رہا کرے گی۔

۱۸۵ - بے پایاں رحمت الٰہی - رحمت و غضب کا توازن:

(ابوھریرةؓ) ان لله مائة رحمة انزل منها رحمة واحدة بين الجن والانس والبهائم والهوام فبه يتعاطفون وبها يتراحمون وبها تعطف الوحوش على ولدها واخر الله تسعا و تسعين رحمة يرحم الله بها عباده يوم القيامة وفي رواية: ولو يعلم الكافر بكل الذي عند الله من الرحمة لم ييأس من الجنة ولو يعلم المؤمن بكل الذي عند الله من العذاب لم يأمن من النار۔ (شيخين، ترمذی)

اللہ تعالیٰ کے اندر رحمت کے سو حصے ہیں۔ جن میں سے صرف ایک حصہ ہے جو اُس نے جن و انس، چوپایوں اور کیڑوں اور مکوڑوں میں تقسیم فرما دیا ہے۔ اسی ایک حصّے کی بدولت لوگ باہمی لطف و مہر کو قائم رکھتے ہیں اور اسی کی وجہ سے جنگلی جانور بھی اپنے بچوں پر شفقت رکھتے ہیں بقیہ ننانوے حصے اس نے اس لئے رکھ لیے ہیں کہ اپنے بندوں پر بروز قیامت رحم فرمانے کے لئے ان کو کام میں لائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی تمام و کمال رحمت کا علم اگر کافر کو ہو جائے تو وہ جنت سے کبھی نا اُمید نہ ہو اور اگر اس کے کل عذاب کا علم مومن کو ہو جائے تو وہ کبھی آگ سے اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے۔

داخلے کی اجازت

۱۸۶ - حدیثِ سلام میں حضرت عمرؓ کی احتیاط:

ابوسعیدؓ . . . .

(ایک بار ابوموسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور تین بار آواز دے کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت

. . . .

قال عمر اما انی لم اتهمك ولكن خشيت ان يتقول الناس على النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(الستة الا النسائی)

عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے۔ اس لئے جواب نہ دیا۔ جب ابوموسیٰ واپس ہونے لگے تو حضرت عمرؓ باہر آئے اور فرمایا کہ: واپس کیوں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین بار اجازت طلب کرنے کے بعد جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ: اس حدیث کے لئے کوئی گواہ لاؤ۔ ورنہ تمہیں عبرت بنا کر رکھ دوں گا۔ ابوسعیدؓ یا ابی بن کعبؓ نے گواہی دی تو ابوموسیٰ کی جان چھوٹی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ: ابی بن کعبؓ نے کہا کہ اے ابن خطاب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے عذاب جان مت ہو! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تم پر غلط حدیث بیان کرنے کا اتہام نہیں لگاتا۔ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں منسوب نہ کرنے لگیں۔

موت

۱۸۷۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ۔ (ترمذی نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز (موت) کو اکثر و بیشتر یاد کرو۔

۱۸۸۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَاِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ (بخاری شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں کوئی موت کی آرزو نہ کرے (اس لیے کہ) وہ یا تو نیکوکار ہوگا تو ممکن ہے اس کے نیک عمل میں زیادتی ہو جائے اور یا بدکار ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ توبہ کر کے خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔

سیرت و مناقب

۱- دفنِ میّت :

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِينَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا يَلْحَدُ وَ الْآخَرُ لَا يَلْحَدُ فَقَالُوْا اَيُّهُمَا جَاءَ اَوَّلًا عَمِلَ عَمَلَهُ فَجَاءَ الَّذِي يَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شرح السنۃ۔ مشکوٰۃ)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں دو آدمی قبر کھودا کرتے تھے۔ ایک ان میں سے (حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو) لحد یعنی بغلی کھودتے تھے اور دوسرے (حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو) بغلی نہیں کھودتے تھے (بلکہ شق یعنی صندوقی قبر بناتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصال پر) صحابہؓ نے آپس میں طے کیا کہ جو ان دونوں میں سے پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا۔ تو پہلے وہ صحابی آئے جو لحد کھودا کرتے تھے۔ تو انھوں نے حضور (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے لیے بغلی قبر تیار کی۔

۲- (ب) بِرّ یعنی نیکی۔ ماں باپ، اولاد، اقارب اور یتیموں کے ساتھ نیک سلوک و متفرق :

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَاَقْبَلَ اَبُوْهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَوَضَعَ لَهٗ بَعْضَ ثَوْبِهٖ فَقَعَدَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَتْ اُمُّهٗ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَوَضَعَ لَهَا شِقَّ ثَوْبِهٖ مِنْ جَانِبِهِ الْآخَرِ فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ اِلَيْهِ اَخُوْهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ (یعنی جن کی بیوی آپ کی انّا تھی) آگئے، آپ نے اُن کے لیے اپنے کپڑے کا ایک کونہ بچھا دیا، اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی انّا تشریف لے آئیں۔ آپ نے کپڑے کا دوسرا کونہ اُن کے واسطے بچھا دیا۔ اور وہ اُس پر بیٹھ گئیں۔ بعد اس کے آپ کے برادر رضاعی آگئے آپ کھڑے ہو گئے اور اُنھیں اپنے آگے بٹھا لیا۔

سراپائے حبیبؐ

۳ - سراپائے حبیبؐ ایک بدوی عورت (ام معبد) کی زبان سے :

(خنیس بن خالد)... قالت رأیت رجلاً ظاھر الوضاءۃ ابلج الوجہ حسن الخلق، لم تعبہ ثجلۃ ولم تزربہ سعلۃ وسیم قسیم فی عینیہ دعج وفی اشفارہ وطف و فی صوتہ صحلٌ وفی عنقہ سطعٌ و فی لحیتہ کثافۃٌ - انجّ، اقرن - ان صمت فعلیہ الوقار، وان تکلّم سما وعلاہ البھاءُ - اجمل الناس وابھاہ من بعیدٍ، واحلاہٗ واحسنہ من قریب - حلو المنطق - لاھذرٌ ولا نزرٌ کانّ نطقہ خرزاتٌ نظمٍ ربعٌ لا تشنؤہ من طولٍ، ولا تقتحمہ من قصر، غصنٌ بین غصنین، فھو انضر الثلاثۃ منظراً و احسنھم قدراً لہ رفقاء یحفون بہ - ان قال انصتوا لقولہ و ان امر تبادروا امرہ - محفودٌ - محشودٌ - لا عابسٌ ولا مفنّدٌ - قال ابو معبد: ھو واللّٰہ صاحب قریش الذی ذکر لنا من امرہ ما ذکر بمکّۃ ولقد ھممت ان اصحبہ ولا تعلقن ان وجدت الی ذلک سبیلا - (کبیر نجفی)

(ہجرت فرماتے ہوئے حضورؐ، ام معبد کے خیمے سے گزرے تھے - جب اُس کا شوہر ابو معبد گھر پر آیا اور اپنے خالی برتنوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھا تو پوچھا: یہ کہاں سے آیا ہے؟ ام معبد نے کہا: کہ یہ برکت ہے ایک شخص کی جو ابھی ادھر سے گذرا تھا۔ اس نے کہا: کہ ذرا اس کا حال تو بتاؤ اس پر وہ بولی :) میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں، جس کا چہرہ روشن اور جس کی بناوٹ (خلق) میں حُسن تھا۔ نہ موٹاپے کا عیب، نہ دُبلاپے کا نقص، خوش رو، حسین آنکھیں کشادہ اور سیاہ، پلکیں لمبی، آواز میں کھنک، گردن صراحی دار، ڈاڑھی گھنی، بھویں کمان دار اور جڑی ہوئی، خاموشی میں وقار کا مجسّمہ، گفتگو میں صفائی اور دلکشی، حُسن کا پیکر اور جمال میں یگانۂ روزگار، دُور سے دیکھو تو حسین ترین، قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی جمیل ترین بھی، گفتگو میں مٹھاس، نہ فضول گفتگو کرے اور نہ ضرورت کے وقت خاموش رہے۔ گفتگو اس انداز کی جیسے پروئے ہوئے موتی۔ ایسا میانہ قد جس میں نہ قابلِ نفرت درازی، نہ حقارت آمیز کوتاہی، اگر دو شاخوں کے درمیان ایک اور شاخ ہو تو وہ دیکھنے میں ان تینوں شاخوں سے زیادہ تر و تازہ دکھائی دے اور قدر و قیمت میں ان سب سے زیادہ بہتر نظر آئے۔ اس کے کچھ جاں نثار تھے جو اسے گھیرے رہتے جب وہ بولتا تو سب خاموش ہو جاتے جب کوئی حکم دیتا تو اس کی تعمیل کے لیے ٹوٹ پڑتے، سب کا مخدوم، سب کا مطاع۔ ترش روئی سے پاک اور قابلِ گرفت باتوں سے مبرا۔ ابو معبد بولے کہ خدا کی قسم یہ وہی قریشی معلوم ہوتا

ہے جس کا ذکر میں کتے میں سن چکا ہوں۔ میں ارادہ بھی کر چکا ہوں کہ اس کی صحبت نصیب ہو۔ اگر اس کی سبیل نظر آئی تو میں یہ ضرور کروں گا۔

روایت وکتابتِ حدیث

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن خود لکھواتے تھے:

(زید بن ثابتؓ) کنت اکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اذا انزل علیہ الوحی اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرق عرقا شدیدا مثل الجمان ثم سری عنہ فکنت ادخل علیہ بقطعۃ کتف او کسرۃ فاکتب وھو یملی علی فما افرغ حتی تکاد رجلی تنکسر من ثقل القرآن حتی اقول لا امشی علی رجلی ابدا فاذا فرغت قال اقرأ فاقرأہ فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس۔ (اوسط)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی قرآن آتی تھی اسے میں (زید) لکھا کرتا تھا۔ جب حضور پر وحی آتی تھی، تو حضورؐ کو سخت قسم کی تکلیف ہوتی تھی اور موتیوں کی طرح پسینہ چھوٹنے لگتا تھا۔ پھر جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا، تو میں شانے کی ہڈی یا ٹھیکرا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضورؐ لکھواتے جاتے اور میں لکھتا جاتا۔ بارِ قرآن کا یہ اثر ہوتا کہ لکھتے لکھتے میرا پاؤں ٹوٹنے لگتا اور میں دل میں کہتا کہ اب میں اپنے پاؤں پر کبھی بھی نہ چل سکوں گا۔ جب میں کتابت سے فارغ ہو چکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: پڑھ کر سناؤ۔ میں پڑھتا جاتا اور جہاں کوئی لغزش رہ جاتی، اسے حضورؐ درست فرما دیتے۔ اس کے بعد میں اُسے لے کر لوگوں کے پاس آتا۔

۵۔ کتابتِ حدیث کی اجازت:

(ابو ھریرۃؓ) قال رجل من الانصار یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط۔ (ترمذی)

ایک انصاری نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب آپؐ کی باتیں سنتا ہوں، تو بڑی پیاری معلوم ہوتی ہیں مگر یاد نہیں رہتیں۔ فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو (یعنی لکھنے کا ارشارہ فرمایا۔

۶۔ ابن عمرؓ حدیث لکھ لیا کرتے تھے:

(ابو ھریرۃؓ) ما من اصحاب النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم احدٌ اکثر حدیثا منّی الا ماکان من ابن عمر فانہ کان یکتب ولا اکتب۔ (بخاری، ترمذی)

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں مجھ سے زیادہ حدیث دان کوئی نہ تھا۔ صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے در میں لکھتا نہ تھا۔

۷۔ دوسری زبان سیکھنے کا حکم:

(زید بن ثابت) امرنی رسول اللہ علیہ وسلّم فتعلمت لہ کتاب یھود بالسریانیۃ وقال انی واللہ ما آمن یھود علی کتابی فما مرلی نصف شھر حتی تعلمتہ و حذقتہ فکنت اکتب لہ الیھم واقرألہ کتبھم (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہودیوں کا رسم الخط "سریانی" سیکھنے کا حکم دے کر فرمایا کہ: مجھے یہودی منشی پر اعتماد نہیں۔ چنانچہ میں نے نصف ماہ میں زبان کی پوری پوری مہارت حاصل کر لی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میں ہی اس زبان میں نوشت وخواند کرتا۔

وضو اور اُس کے متعلقات

۸۔ گندگی سے پرہیز:

(ردا لبصۃؓ) سألت النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم عن کل شئ حتی عن الوسغ الذی یکون فی الاظفار فقال دع ما یریبك الی ما لا یریبك۔ (کبیر بضعف)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے (صفائی وپاکیزگی) کے تمام مسائل دریافت کئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس میل کے متعلق بھی دریافت کیا ہے جو ناخنوں کے اندر ہوا کرتا ہے حضورؐ نے جواب میں فرمایا: کہ مشتبہ کام کو غیر مشتبہ کام کے مقابلے میں ترک کر دیا کرو۔

۹۔ تیامُن :

(عائشہؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن ما استطاع فی شأنہ کلہ فی طھورہ وترجلہ وتنعلہ (للستۃ الا مالکا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کام میں جہاں تک ممکن ہوتا تیامن (دائیں جانب سے شروع کرنے) کو پسند فرماتے تھے۔ وضو میں، کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں بھی تیامن کا خیال فرماتے تھے۔

مسجد

۱۰۔ حضورؐ کی شرکت عام کاموں میں اور فن کی حوصلہ افزائی :

(ابوسعیدؓ)...... فکان صلی اللہ علیہ وسلم ینقل اللبن معھم و یقول، ھذا الحمال لا حمال خیبر: ھذا ابرّ ربنا و اطھر: و لقیہ رجل و ھو ینقل التراب فقال یا رسول اللہ ناولنی لبنتک احملھا عنک قال اذھب فخذ غیرھا فلست بافقر منی الی اللہ وجاء رجل کان یحسن عجن الطین وکان من حضرموت فقال صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ امرأً احسن صنعۃ وقال لہ الزم انت ھذا الشغل فانی اراک تحسنہ۔ (قزوینی)

مسجد نبویؐ کی تعمیر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ پتھر ڈھوتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے۔ ؎

ہذا الحمال لا حمال خیبر
ہذا ابرّ ربنا و اطہر

ایک شخص نے جو مٹی ڈھو رہا تھا، آگے بڑھ کر عرض کیا: اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے حصّے کی اینٹیں مجھے دیجیے، انھیں میں لے جاؤں، فرمایا: دوسری اُٹھا لو! تم مجھ سے زیادہ اللہ کے محتاج تو نہیں۔

ایک اور شخص جو گارا بنانے میں ماہر تھا اسے دیکھ کر فرمایا:

اللہ اس پر رحم فرمائے جسے کسی صفت میں کمال حاصل ہو، اور اُسے تاکید فرمائی کہ تم یہی کرو۔ اس میں تمھیں خوب ملکہ ہے۔

۱۱۔ فنِ سپہ گری کا معاینہ عورت کے لیے:

(عائشہؓ) لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد یسترنی بردائہ انظر الیھم (شیخین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر مسجد میں فنِ سپہ گری دکھانے والے حبشیوں کے کرتب دیکھے اور مجھے بھی اپنی چادر میں چھپا کر دکھائے اور میں اُنھیں دیکھتی رہی۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں کیوں دفن کیے گئے:

(عائشہؓ) قال صلی اللہ علیہ وسلّم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد ولولا ذلک ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجداً۔ (شیخین ونسائی)

اس مرض میں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر صحت مند نہ ہو سکے۔ فرمایا: یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اُنھوں نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ ام المومنینؓ فرماتی ہیں: اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار کھلے میدان میں ہوتا۔ پس خطرہ یہ تھا کہ اُسے سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔

۱۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دُعا:

(عطاء بن یسارؒ) رفعہ: اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔ (مالک)

اے اللہ! میرے بعد میری قبر کو صنم معبود نہ بنا دینا۔

اِستقبال قبلہ

۱۴۔ مُسرفانہ لباس میں نماز:

(عقبۃؓ بن عامرؓ) اھدی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فروج حریر فلبسہ تصلی فیہ ثم انصرف فنزعہ نزعا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حریر (ریشم) کے ٹکڑے ہدیے میں آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی۔ بعد فراغت اسے نفرت آمیز انداز

شديدا كالكاره له وقال له ينبغي هذا للمتقين - (نسائی)

سے بُری طرح اُتار پھینکا اور فرمایا کہ اہلِ تقویٰ کو یہ زیب نہیں دیتا۔

مریض کی نماز

۱۵ - نماز میں ایک ہی آیت کی تکرار :

(ابو ذرؓ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام حتی اصبح بآية والآية : ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم - (نسائی)

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو ایک ہی آیت کی تکرار میں صبح کر دی آیت یہ تھی : ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم۔ (یعنی اگر تو ان پر عذاب کرے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تُو ان کی مغفرت فرمائے تو تُو غالب و دانا ہی ہے۔)

نماز میں جائز و ممنوع افعال

۱۶ - تعلیم و تفہیم کا لاجواب طریقۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

(معاویۃ بن الحکمؓ) بینا انا اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ عطس رجل من القوم فقلت یرحمک اللہ فرمانی القوم بابصارھم فقلت واثکل امیاہ ما شأنکم تنظرون الی؟ فجعلوا یضربون بایدیھم علی افخاذھم فلما رأیتھم یصمتوننی لکنی

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا کہ کسی کو چھینک آئی اور میں نے یرحمک اللہ کہہ دیا، بس لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ میں نے کہا میری کیا شامت آگئی ؟ مجھے تم لوگ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ بس لوگوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا۔ پھر جب میں نے محسوس کیا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ جب حضور صلے اللہ علیہ نماز پڑھ چکے تو میرے

سكت فما صلى النبي صلى الله عليه
وسلم فبابي هو وامي ما رأيت معلما
قبله ولا بعده احسن تعليما منه فوالله
ما كهرني ولا ضربني ولا
شتمني فقال ان هذه الصلوة لا
يصلح فيها شئ من كلام الناس
إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة
القرآن اوكما قال صلى الله عليه
وسلم قلت يا رسول الله انى حديث
عهد بجاهلية وقد جاء الله بالاسلام
وان منا رجالا يأتون الكهان قال .
فلا تأتهم قال ومنا رجال يتطيرون قال ذلك
شئ يجدونه في صدورهم
فلا يصدنهم قال ومنا
رجال يخطون قال كان نبي
من الانبياء يخط فمن
وافق خطه فذاك قال
وكانت لي جارية ترعى
غنمالي قبل احد والجوانية
فاطلعت ذات يوم فاذا الذئب
قد ذهب بشاة من غنمنا
وانا رجل من بني آدم آسف كما يأسفون
لكن صككتها صكة فاتيت النبي
صلى الله عليه وسلم فعظم ذلك علي
قلت يارسول الله افلا اعتقها؟ قال
ائتني بها فاتيته بها فقال لها اين الله؟

ماں باپ اُن پر قربان ہوں، میں نے آپؐ سے بہتر تعلیم
دینے والا معلّم نہ پہلے دیکھا ہے نہ بعد میں ۔ بخدا نہ
تو مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ گالی دی، بلکہ یہ فرمایا کہ :
دیکھو نماز نام ہے تسبیح و تکبیر اور تلاوت قرآن کا اس لیے
اس میں عام انسانی گفتگو زیب نہیں دیتی ۔ بس اسی قسم کی
باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں ۔ پھر میں نے
عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت قریبی
دَور میں جاہلیت سے وابستہ رہا ہوں اور اب اللہ تعالیٰ
نے مجھے اسلام سے سرفراز کیا ہے ۔ ہماری قوم میں بعض لوگ
کاہنوں کے پاس جاتے ہیں ۔ فرمایا : تم ایسا نہ کرو ۔
پھر کہا کہ : میری ایک لونڈی تھی ، جو
میرے گلّے کو اُحد اور جوانیہ کی طرف
لے جا کر چرایا کرتی تھی، ایک دن ایسا ہُوا
کہ وہ باہر نکلی اور ایک بھیڑیا ہمارے گلّے
میں سے ایک بکری لے بھاگا، میں بھی آخر
آدمی ہوں اور آدمیوں ہی کی طرح صدمہ بھی
ہوتا ہے ــــــــ میں نے صرف
ایک طمانچہ مار دیا ۔ پھر میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس آیا، کیونکہ یہ حرکت
مجھ پر بہت شاق تھی ۔ میں نے عرض کیا کہ :
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !
میں اسے آزاد نہ کر دوں :۔ فرمایا :
اسے یہاں لے آؤ ۔ چنانچہ میں لے آیا ۔
اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
پوچھا کہ : اللہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا :
آسمان میں ۔ پھر پوچھا کہ : میں کون ہوں؟

قالت فی السماء، قال من انا؟ قالت انت رسول اللہ قال اعتقھا فانھا مؤمنۃ۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

کہا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا: یہ مومنہ ہے اسے آزاد کر دو۔

نمازِ جمعہ

۱۹۔ عمل میں ہوکا نہیں بلکہ میانہ روی ہونی چاہیئے:

(الحکم بن الحزن الکلفی) شھدنا الجمعۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئاً علی عصیً او قوس فحمد اللہ واثنی علیہ بکلمات خفیفات طیبات مبارکات ثم قال ایھا الناس انکم لن تطیقوا ولن تفعلوا کل ما امرتم بہ ولکن سددوا وابشروا۔ (ابوداؤد)

حکم بن حزن نے جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُنا۔ اس وقت رسُولِ خُدا (صلی اللہ علیہ وسلم) عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے تھے، پہلے آپؐ نے اللہ (تعالیٰ) کی حمد کی اور اُس کی تعریف کے چند ہلکے پھلکے پاکیزہ کلمات کہے۔ پھر فرمایا: لوگو! تمھیں جو احکام دیے جاتے ہیں، اُن کی پوری تعمیل تمھاری قدرت سے باہر ہے۔ البتہ عمل میں میانہ روی قائم رکھو اور خوش رہو۔

۲۰۔ خطبہ چھوڑ کر حاجت روائی کرنا:

(ابو رفاعۃ العدوی) انتہیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب فقلت یا رسول اللہ رجل غریب جاء یسأل عن دینہ لا یدری ما دینہ فاقبل علیّ وترک خطبتہ حتی انتھی الیّ فاتی بکرسی حسبت قوائمہ حدیدا فقعد علیہ وجعل یعلمنی ثم اتی الخطبۃ فاتم آخرھا۔ (مسلم، نسائی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ فرما رہے تھے، میں اسی موقعہ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ غریب الدیار "دین" کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے، اسے معلوم نہیں کہ دین کیا ہے؟ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس ہی تشریف لے آئے۔ ایک آہنی پایوں کی کرسی پر بیٹھ کر مجھے سمجھاتے رہے اور پھر خطبہ کے لیے واپس تشریف لے گئے۔

قیام لیل

۲۱۔ قیام لیل تقاضائے شکر بھی ہے:

(المغیرۃ رضی اللہ عنہ بن شعبۃ) قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر قال افلا اکون عبدا شکورا۔

(ترمذی، نسائی، شیخین)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) (بعض اوقات) اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے پائے مبارک سُوج جاتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کیے جا چکے (پھر قیام میں اتنا انہماک کیوں ہے؟) فرمایا: تو کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔؟

۲۲۔ سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق آخری اور جامع بات:

(سعد بن ھشام) ..... فقلت یا ام المؤمنین انبئینی عن خُلُق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت الست تقرأ القرآن؟ قلت بلی قالت فان خُلُقَہ کان القرآن۔

(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

..... سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ اے ام المومنین مجھے خلق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تو کچھ بتائیے؟ فرمایا کہ: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے! عرض کیا پڑھتا تو ہوں۔ کہا کہ: بس قرآن آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلق ہی تو ہے۔

۲۳۔ "شبینہ" کوئی سنت نہیں:

(سعد رضی اللہ عنہ بن ھشام) ..... وکان اذا صلی صلوٰۃ احب ان یداوم علیھا وکان اذا غلبہ نوم او وجع عن قیام اللیل صلی من النھار ثنتی عشرۃ رکعۃ ولا اعلمہ قرأ القراٰن کلہ فی لیلۃ

...... حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی نماز نفل پڑھتے تو اس کی مداومت کو پسند فرماتے تھے اور جب نیند یا کسی اور تکلیف کی وجہ سے قیام لیل نہ ہو سکتا تو دن کے وقت بارہ رکعتیں ادا فرما لیتے۔ جہاں تک مجھے (یعنی حضرت عائشہ کو) علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں پورا قرآن

ولا صلّی لیلۃ الی الصبح ولا صام شھرًا کاملًا غیر رمضان۔
(مسلم، ابوداؤد، نسائی)

کبھی نہیں پڑھا اور کسی رات میں صبح تک قیام نہیں فرمایا، اور رمضان کے سوا کسی پورے ماہ کے روزے نہیں رکھے۔

کتابُ الجنائز

امراض میں رحمت

۲۴۔ آزمائش بمقدار دین ہوتی ہے:

(مصعبؓ بن سعیدؓ) عن ابیہ: قلت یا رسول اللہ ای الناس اشد بلاءً؟ قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینہ صلبًا اشتد بلاءہ وان کان فی دینہ رقۃ ابتلاہ علی حسب دینہ فمایبرح البلاء بالعبد حتی یترکہ یمشی علی الارض وما علیہ خطیئۃ۔
(ترمذی)

میں (سعیدؓ) نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آزمائش میں سب سے زیادہ سختی کس انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔؟ فرمایا: انبیاءؑ کے ساتھ پھر جو ان سے مشابہ ہوں، پھر جو ان سے نسبتاً کم مشابہ ہوں۔ ہر شخص کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں پختہ ہے تو ویسی ہی سخت اس کی آزمائش بھی ہوگی اور اگر اس کے دین میں ڈھیلا پن ہے تو اسی کے مطابق اللہ اس کی آزمائش کرے گا۔ بندے کے ساتھ آزمائشوں کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر اس طرح چلتا پھرتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔

موت

۲۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس مرض میں ہوئی؟:

(عائشہؓ) ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِلّا من ذات الجنب۔
(اوسط، موصلی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ذات الجنب سے ہوا تھا۔

روزے کے متعلق چند باتیں

۲۶۔ ہر فعل نبوی کی نقل اتباع سنت نہیں:

(ابن عمرؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن الوصال قالوا انک تواصل قال انی لست کھیئتکم انی اطعم واسقی (شیخین، ابوداؤد، موطا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صوم وصال (بلا افطار تین تین دن کے روزے) رکھنے سے منع فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ خود تو رکھتے ہیں۔ فرمایا: میں تمہارے جیسا نہیں! (مجھے خدا کی طرف سے روحانی طور پر) کھانا پینا مل جاتا ہے۔

کتاب الحج

۲۷۔ قافلۂ مجاہدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

(جابرؓ) کان صلی اللہ علیہ وسلم یتخلف فی المسیر فیزجی الضعیف و یردف و یدعولھم۔ (ابوداؤد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر جہاد میں عموماً پیچھے رہتے تھے۔ بایں مصلحت کہ کمزوروں کو ہمت دلاتے، اپنے ساتھ سواری پر بٹھاتے اور ان کے لیے دعائے خیر فرماتے۔

۲۸۔ شیطان بھی مسلمان ہو سکتا ہے:

(جابرؓ) رفعہ: لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم قلنا ومنک؟ قال ومنی ولکن اللہ اعانی علیہ فاسلم ...... (ترمذی)

پردے کی باتوں کے پیچھے نہ پڑا کرو کیونکہ شیطان بعض آدمیوں کے خون کی طرح اندر گھس کر دوڑتا رہتا ہے۔ ہم نے کہا: کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر بھی وہ موجود ہے۔ فرمایا: ہاں! مگر اللہ نے مجھے اس پر فتح دی اور وہ مطیع ہو گیا ہے۔

خطبۂ حج

۲۹۔ حجۃ الوداع کا ایک خطبۂ نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم):

(جعفر رضی اللہ عنہ بن محمد رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ)......

فخطب الناس وقال ان دماءكم واموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا الا كل شئ من امر الجاهلية تحت قدمى موضوع و دماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا فى بنى سعد فقتلته هذيل وربوا الجاهلية موضوع واول ربوا اضع ربانا ربوا العباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله واتقوا الله فى النساء فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله و لكم عليهن ان لا يطئن فرشكم احداً تكرهونه فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرّح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله........

(مسلم، نسائی، ابو داؤد)

بموقعۂ حج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خطبہ دیا کہ: تمھاری جانیں اور تمھارے مال اسی طرح قابلِ احترام ہیں جس طرح اس شہر اور اس ماہ میں آج کا دن ہے۔ جاہلیت کی تمام باتیں آج میرے قدموں کے نیچے روندی جا چکیں۔ دورِ جاہلیت کے خون کا بدلہ آج سے ختم ہے۔ پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں۔ وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے جس نے بنی سعد رضی اللہ عنہ کا دودھ پیا تھا اور ہذیل نے اُسے قتل کیا تھا۔ (رسمِ جاہلیت کے مطابق ہاشمیوں کو اس خون کا بدلہ لینا تھا) جاہلیت کا سودی کاروبار بھی آج سے ختم ہے، پہلا سود جو میں آج ختم کرتا ہوں وہ ہمارا وہ سود ہے جس کے حق دار عباس بن عبد المطلب ہیں۔ یہ کُل کا کُل ختم کیا جاتا ہے۔ (اب عباس اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے ان کو امانِ الٰہی کے سہارے حاصل کیا ہے اور بواسطۂ کلمۂ الٰہی ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ کسی ایسے شخص سے تمھارا بستر نہ روندوائیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو انھیں مار بھی سکتے ہو۔ مگر مار اذیت رساں نہ ہو۔ ان کا حق تم پر یہ ہے کہ معروف کے مطابق ان کو روٹی کپڑے وغیرہ کا بندوبست کرو۔

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جس سے اگر تم وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ چیز کتاب اللہ ہے.........

۳۰۔ حجۃ الوداع کا ایک اور خطبۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

(العداء بن خالدؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم حجۃ الوداع ان اللہ یقول یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی یا معشر قریش لا تجیئوا بالدنیا تحملونھا علی رقابکم ویجیء الناس بالاخرۃ فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا۔ (کبیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (ترجمہ آیت): "اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور خاندانوں اور قبیلوں میں تمھیں اس لیے بانٹ دیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے" لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر بھی کوئی شرف نہیں۔ صرف تقویٰ ہی باعثِ فضیلت ہے۔ اے قریشی بھائیو! ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ تو آخرت سنواریں اور تم دنیا کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے (خدا کے حضور) جاؤ۔ یاد رہے کہ میں وہاں تمھارے کوئی کام نہ آسکوں گا۔

۳۱۔ قومی جذبات کے احترام کی عجیب مثال :

(عائشۃؓ) رفعتہ : الم تری الی قومک حین بنوا الکعبۃ اقتصروا عن قواعد ابراھیم قلت یا رسول اللہ الا تردھا علی قواعد ابراھیم؟ فقال لولا حدثان قومک بالکفر لفعلت .... (للستۃ الا ابا داؤد)

اپنی قوم کو دیکھو۔ انھوں نے بنائے کعبہ کو اصل ابراہیمؑ بنیاد سے کم رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے بنائے ابراہیمؑ ہی پر کیوں نہ ازسرِنو تعمیر فرما دیں؟ فرمایا: اگر تمھاری قوم تازہ تازہ کفر سے اسلام میں نہ آئی ہوتی، تو میں یہ کر لیتا........

۳۲۔ جو قربانی نہ دے سکا ہو اُس کی طرف سے بھی قربانی ادا ہو چکی ہے :

(ابو سعیدؓ) انہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بکبشین املحین وقال فذبح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سفید مینڈھے لائے گئے۔ ایک کو ذبح کرتے وقت فرمایا کہ :

احدھما ھذا عن محمّد واھل بیتہ وفی ذبح الآخر عمن لم یضح من اُمّتی (ترمذی، ابوداؤد، احمد، بزار)

یہ میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرے کو ذبح کرتے وقت فرمایا کہ یہ ہر اُس اُمتی کی طرف سے جو قربانی نہ دے سکا ہو۔

۴۳۔ نکاح سُنّتِ رسولؐ ہے:

(انسؓ) جاء ثلاثة رھط الی بیوت النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم یسئلون عن عبادة النبیّ فلما اخبروا کانھم تقالّوھا فقالوا این نحن من النبیّ وقد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخّر قال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال آخر انا اصوم الدھر ولا افطر وقال آخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء رسول اللہ فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا؟ اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔
(نسائی ومسلم)

امہات المومنین کے پاس تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے آئے۔ جب انھیں بتایا گیا تو اُنھوں نے حضورؐ کی اس عبادت کو کم سمجھا۔ کہنے لگے: کہاں ہم اور کہاں حضورؐ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرا بولا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے اور فرمایا: کیا تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟ بخدا میں تم سے زیادہ خدا ترس اور متقی ہوں۔ لیکن روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو میری سنّت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں۔

زوجین ایک دوسرے کے لیے

۴۴۔ ایک بہترین جوڑے کی گھریلو زندگی کا نقشہ:

(علیؓ) قال لا بن اعبد الا احدثك

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابن اعبد سے کہا:

عنی وعن فاطمة رض؟ قلت بلی قال
انها جرت بالرحا حتی اثر فی یدها
واستقت بالقربة حتی اثرت
فی نحرها وکنست البیت حتی
اغبرت ثیابها فاتی النبی صلی الله
علیه وسلم خدم فقلت لو اتیت
اباكِ فسألته خادما فاتته
فوجدت عنده حداثا فرجعت
فاتاها من الغد فقال ما کان
حاجتك؟ فسکتت فقلت انا
احدثك یارسول الله جرت بالرحا
حتی اثرت فی یدها و
حملت بالقربة حتی اثرت فی
نحرها فلما ان جاء الخدم امرتها
ان تأتیك فتستخدمك خادما
یقیها حرّما هی فیه فقال اتقی
الله یا فاطمة وادی فریضة ربكِ
واعملی عمل اهلكِ واذا اخذتِ
مضجعكِ فسبحی ثلاثا وثلثین
واحمدی ثلاثا وثلثین وکبری
اربعا وثلاثین فتلك مائة فهی
خیرلك من خادم فقالت رضیت
عن الله وعن رسوله ولم یخدمها

(شیخین، ابوداؤد،
ترمذی)

میں تمھیں اپنی اور فاطمہ رض کی کیفیت بتاؤں؟ کہا: ضرور!
فرمایا: فاطمہ رض کے ہاتھ میں چکی پیستے پیستے نشان پڑگیا تھا اور
پانی کی مشک ڈھوتے ڈھوتے ان کی گردن میں داغ پڑگیا تھا اور
گھر میں جھاڑو دیتے سے ان کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خادم آئے تو میں نے
کہا کہ: فاطمہ رض! کیا اچھا ہو یہ تم اپنے پدر بزرگوار سے جاکر
ایک خادم کا سوال کرو۔ فاطمہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آئیں تو وہاں بہت سے لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا
اور واپس آگئیں اور پھر دوسرے دن آکر حضور (صلی اللہ
علیہ وسلم) نے پوچھا: کیا کام ہے؟ فاطمہ رض خاموش رہیں۔
میں نے کہا کہ: میں عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ چکی پیستے
پیستے ان کے ہاتھ میں اور مشکیزہ اٹھاتے اٹھاتے
ان کی گردن میں داغ پڑ گئے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس خدام آتے تو میں نے ان سے کہا کہ:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر ایک خادم کا سوال
کرو، تاکہ یہ اس مشقت سے بچ جائیں جس میں گرفتار ہیں۔
فرمایا کہ: فاطمہ رض تقویٰ اللہ اختیار کر اور اپنے گھر والوں
کا کام کیا کر، اور جب تو سونے لگے تو تینتیس بار تسبیح
(سبحان اللہ) اور تینتیس بار تحمید (الحمد للہ) اور
چونتیس بار تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر سو کی تعداد پوری کر لیا کر۔
یہ ورد تیرے لیے ایک خادم سے زیادہ بہتر ہوگا۔ فاطمہ رض
کہنے لگیں کہ: میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ
علیہ وسلم) سے راضی ہوں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے انھیں کوئی خادم نہیں دیا۔

احکامِ وصیّت

۳۵ - اِسلامی ریاست کے بعض فرائض دربارۂ قرض و وراثت :

(المقدامؓ) رفعه : انا اولی بکل مؤمن من نفسه فمن ترک دینا او ضیعة فالیّ ومن ترک مالا فلورثته وانا مولی من لا مولی له ارث ماله وافکّ عانیه والخال مولی من لا مولی له یرث ماله ویفکّ عانیه وفی روایة : من ترک کلا فالیّ ومن ترک مالا فلورثته وانا وارث من لا وارث له اعقل منه وارثه - (ابو داؤد)

میں ہر مومن کا خود اس کی اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب تر ولی ہوں ، لہٰذا جو شخص کوئی قرض یا واجب الادا مال چھوڑ جاتے اُس کی ادائیگی کا میں ذمّے دار رہوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ جس کا کوئی ولی نہ ہو اُس کا میں ولی ہوں ۔ اُس کے مال کا وارث بھی میں ہوں گا ، اور اس کے اسیر کو بھی میں چھڑاؤں گا اور ماموں ہر اُس شخص کا وارث ہوگا جس کا کوئی وارث نہ ہو ، وہی اس کے مال کا وارث ہوگا اور وہی اُس کے اسیر کو چھڑائے گا ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو بال بچے چھوڑ جائے اس کا ذمّے دار میں ہوں اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس کا کوئی وارث ہی نہ ہو ، اس کا وارث مَیں ہوں گا ۔ اس کے مال کا وارث مَیں ہوں گا ، اور اُس کا خون بہا بھی مَیں ادا کروں گا ۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وراثت

۳۶ - نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وراثت :

(ابو ھریرۃؓ) رفعه : لا تقتسم ورثتی دینارًا ماترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة ۔ (مالک شیخین و ابی داؤد)

میرے ورثا میں ایک دینار بھی بطور ترکہ تقسیم نہ ہوگا ۔ بلکہ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کی خوراک کے بعد جو کچھ بھی بچے وہ صدقہ ہوگا ۔

۳۷ ۔ بنی کا ذریعۂ معاش نبی کے بعد :

(ابو الطفیلؓ) ...... سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول ان اللہ تعالیٰ اذا اطعم نبیاً طعمۃً فھو للذی یقوم من بعدہ ۔ (ابو داؤد)

.... میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ : اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو جو روزی دیتا ہے وہ پھر اس کے لیے ہوتی ہے جو اس کے بعد اس کا قائم مقام ہوتا ہے ۔

۳۸ ۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ترکہ چھوڑا :

(عمروؓ بن الحارث الخزاعی) ما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلّم دیناراً ولا درھما ولا عبداً ولا امۃً ولا شیئاً الّا بغلۃً البیضاء التی کان یرکبھا وسلاحہ وارضاً جعلھا لابن السبیل صدقۃ ۔ (بخاری ونسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکہ میں کوئی درہم و دینار یا لونڈی غلام نہیں چھوڑا، صرف تین چیزیں چھوڑیں : ایک خچّر جس پر سوار ہوتے تھے اور چند ہتھیار اور ایک قطعۂ زمین جسے آپؐ نے مسافروں کے لیے وقف فرما دیا تھا ۔

۳۹ ۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی ترکہ :

(ابن عباسؓ) ماترک النبی صلے اللہ علیہ وسلّم من شئی الا ما بین الدفتین ۔ (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو جلدوں کے درمیان والی چیز (یعنی قرآنِ پاک) کے سوا اور کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ۔

قصاص

۴۰ ۔ بنی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قصاص کا مُطالبہ :

(عبد اللہ بن جبیر الخزاعی) : قال طعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رجلاً فی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک شخص کے پیٹ میں چھڑی یا مسواک کا کونچا لگایا ۔ اس نے کہا کہ مجھے

بطنه امابقضيب و امابسواك، فقال اوجعتني فأقدني فاعطاه العود الذي كان معه فقال استقد فقبل بطنه ثم قال بل اعفو لعلك ان تشفع لي بها يوم القيامة۔ (كبير)

اس سے اذیت ہوئی اور مجھے قصاص لینے دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھڑی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اُسے دیتے ہوئے فرمایا کہ: اپنا قصاص لے لے۔ وہ دَوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو چُومنے لگا اور کہا کہ: یا رسول اللہ! میں یہ قصاص اس لیے معاف کرتا ہوں کہ حضورؐ بروزِ حشر میرے شفیع ہو جائیں۔

آدابِ طعام

۴۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کیسی تھی؟

(ام ايمن): انها غربلت دقيقا فصنعته للنبي صلى الله عليه وسلم رغيفا فقال ما هذا؟ قالت طعام نصنعه بارضنا فاحببت ان اصنع منه لك رغيفا فقال رديه فيه ثم اعجنيه (قزويني)

ام ایمن نے ایک بار آٹے کو چھان کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی پکائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیا؟ عرض کیا کہ ہمارے وطن میں اسی طرح روٹی پکاتے ہیں، میں نے کہا: آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایسی ہی پکا دوں۔ فرمایا کہ: اسے بھوسے میں واپس کرکے پھر سے آٹا گوندھو۔

۴۲۔ شانِ امتیاز و تکبر کے اظہار سے نفرت (قابلِ غور و عبرت نمونہ):

(ابن عمرو بن العاصؓ) ما رأى النبي صلى الله عليه وسلم يأكل متكئا قط ولا يطأ عقبه رجلان قط ان كانوا ثلاثة مشى بينهما وان كانوا اجماعة قدم بعضهم۔ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی تکیہ لگا کر کھاتے نہیں دیکھا۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو آدمی بھی نہیں چلے۔ یعنی (حضورؐ کو ملا کر) جب تین آدمی ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ میں چلتے اور جب زیادہ ہوتے تو چلنے میں کسی اور کو آگے کر دیتے۔

۴۳۔ کسی کھانے کی بُرائی نہ کرنی چاہیے:

(ابوھریرۃؓ) ماعاب رسول الله

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی

صلّی اللہ علیہ وسلّم طعاماً قط ان اشتہاہ اکلہ وان کرھہ ترکہ۔
(شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

بُرائی نہیں فرمائی۔ اگر پسند ہو تو کھا لیا، ورنہ چھوڑ دیا۔

۴۴۔ ذوقِ نبوی (کھانے کی بعض چیزوں میں):

(جابر بن سمرۃؓ) نزل النبی صلی اللہ علیہ وسلّم عن ابی ایوب فکان اذا اکل طعاما بعث الیہ بفضلہ فبعث الیہ یوما بطعام لم یأکل منہ صلی اللہ علیہ وسلّم فلما اتی ابو ایوب النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ذکر ذلک لہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم فیہ الثوم فقال یارسول اللہ أحرام ھو؟ قال لا ولکنی اکرھہ من اجل ریحہ۔ (ترمذی)

(مہاجر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ابو ایوبؓ انصاری کے گھر اُترے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا لیتے تو بقیہ ان کے پاس بھیج دیتے۔ ایک دن انھوں نے کھانا بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا۔ جب ابو ایوب آئے تو انھوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس میں لہسن پڑا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! کیا لہسن حرام ہے؟ فرمایا: نہیں! لیکن میں اس کی بُو کی وجہ سے پرہیز کرتا ہوں۔

۴۵۔ شاہنشاہ کا فقیرانہ لباس:

(ابو بردۃؓ) دخلت علی عائشۃ فاخرجت الینا کساء ملبدا من التی یسمونہا الملبد وازارا غلیظا مما یصنع بالیمن واقسمت باللہ لقد قبض روح النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی ھذین الثوبین۔
(شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گیا تو آپؓ نے مجھے ایک پیوند لگی ہوئی چادر دکھائی جسے لوگ ملبد (پیوند لگا ہوا) کہتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک موٹے کپڑے کا تہبند بھی دکھایا۔ جو یمن میں بنتا ہے پھر قسم کھا کر بیان کیا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دو کپڑوں میں وفات پائی تھی۔

سیرتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

آغازِ وحی

۴۶ - آغازِ وحی اور اُس کی کیفیات، بیوی کی شہادت و زبر کی:

(عائشةؓ) اوّل ما بدئ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم وکان لا یری الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه و هو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله ویتزود لذلك ثم یرجع الی خدیجة فیتزود لمثلها حتی فجئه الحق وهو فی غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ قال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم حتی بلغ مالم یعلم فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم

پہلی چیز جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز ہوا وہ صالح خواب تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ اس کے بعد حضورؐ کو خلوت گزینی کی طرف رغبت ہوئی اور آپؐ غارِ حرا میں تنہا جا کر تحنّث فرمانے لگے تحنّث کا مطلب یہ ہے کہ متعدد روز و شب عبادت میں گذارتے۔ پھر اپنے گھر تشریف لاتے اور توشہ راہ لے جاتے۔ پھر خدیجہؓ کے پاس واپس آتے تو اسی طرح توشہ لے جاتے۔ آخر ایک دن دفعتہً پیغامِ حق غارِ حرا کے اندر آ پہنچا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ فرشتہ (جبرئیل) آیا اور کہنے لگا: پڑھیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس کے بعد حضورؐ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے بھی مدافعت کے لیے پورا زور لگانا پڑا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر وہی سوال و جواب ہوا اور اسی طرح بھینچا اور چھوڑ دیا۔ تیسری بار پھر یہی ہوا۔ اقرأ باسم۔ ربک سے "مالم یعلم" تک کے الفاظ کہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ: مجھے کپڑا اوڑھا دو، کپڑا اوڑھا دیا گیا اور رفتہ رفتہ وہ وحشت جاتی رہی۔

حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے تو اپنی جان کا خوف

يرجف فؤاده فدخل على خديجة فقال زملوني زملوني فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة و اخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي فقالت له كلا ابشر فو الله ما يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتصدق الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف و تعين على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتى اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزى بن قصي و هو ابن عم خديجة اخي ابيها وكان امرأ تنصر في الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبراني فكتب من الانجيل بالعربية ما شاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا قد عمي فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخي ما ذا ترى؟ فاخبره صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزل الله على موسى يا ليتني فيها جذعا ليتني اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال صلى الله عليه وسلم او مخرجي هم؟ قال نعم لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودي وان يدركني يومك انصرك

دامن گر رہے۔ خدیجہؓ بولیں: ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ تو خوش رہنا چاہیئے۔ بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا و نامراد نہ کرے گا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، راست گفتار ہیں، دوسروں کا بار اپنے سر لیتے ہیں، اَن ہونے کام بھی کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد (حضرت) خدیجۃ الکبریٰ آپ کو ساتھ لے کر اپنے عم زاد بھائی ورقہ بن نوفل (بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی) کے پاس گئیں۔ یہ ورقہ قبل از اسلام نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی تحریریں لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کا کچھ حصّہ بھی انھوں نے عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس وقت یہ خاصے بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے (حضرت) خدیجۃ الکبریٰ نے ان سے کہا: اے ابن عم ذرا اپنے برادرزادے کی زبان سے کچھ حال سُنیئے۔ ورقہ نے کہا: برادرزادے کیا معاملہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب واقعات بیان فرمائے تو ورقہ نے کہا کہ: یہ وہی ناموس (پیغام وحی) ہے، جو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا اور اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمھاری قوم تمھیں شہر بدر کر رہی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کیا یہ لوگ مجھے شہر سے نکال باہر کریں گے؟

ورقہ نے جواب دیا کہ: ہاں ہاں!! تمھارے جیسی چیز جو بھی لایا ہے، اس کے ساتھ دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر میرے سامنے یہ وقت آیا تو میں تمھاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ

نصراً مؤزراً ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی وفتر الوحی۔ (شیخین)

زندہ نہ رہ سکے اور اُن کی وفات ہو گئی اور وحی کا سلسلہ (کچھ عرصے کے لیے) منقطع ہو گیا۔

تبلیغ اور مصائب پر صبر

۴۷۔ دشمنانِ دین کی ایذا رسانی:

(ابن مسعود) بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یصلی عند البیت و ابوجہل واصحابہ جلوس وقد نحرت جزور بالامس فقال ابوجہل ایکم یقوم الی سلا جزور بنی فلان فیأخذہ فیضعہ بین کتفی محمّد اذا سجد؟ فانبعث اشقی القوم فاخذہ فلما سجد صلی اللہ علیہ وسلّم وضعہ بین کتفیہ فاستضحکوا وجعل بعضھم یمیل علی بعض وانا قائم انظر لو کانت لی منعۃ طرحتہ عن ظھرہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجد ما یرفع رأسہ حتی انطلق انسان فاخبر فاطمۃ فجاءت وھی جویریۃ فطرحتہ عنہ ثم اقبلت علیھم تسبھم فلما قضی صلوٰتہ رفع صوتہ ثم دعا علیھم وکان اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا ثم قال اللھم علیک بقریش ثلاث

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل اور اُس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دن پہلے کہیں اونٹنی ذبح ہوئی تھی۔ ابوجہل بولا: کوئی ہے جو بنی فلاں کی اونٹنی کا اوجھ اُٹھا لائے اور جب محمدؐ سجدے میں جائے تو اُس کی پیٹھ پر ڈال دے؟ یہ سُن کر ایک بدبخت اُٹھا اور جا کر لے آیا۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں گئے تو اس اوجھ کو حضور (اکرمؐ) کی پُشت پر ڈال دیا اور وہ سب اس قدر ہنسے کہ ایک دوسرے پر گر گر پڑے۔ میں کھڑا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ضرور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سے ہٹا دیتا۔ حضورؐ اسی طرح سجدے میں پڑے رہے۔ اور اپنا سرِ مبارک نہ اُٹھایا۔ آخر کسی شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی، اس وقت آپؓ کمسن تھیں۔ آپ آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیٹھ پر سے اس اوجھ کو ہٹایا اور ان کے سامنے آکر بُرا بھلا کہنا شروع کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نماز ادا کر چکے تو باآواز بلند اُن کے لیے بددعا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب

مرات فلما سمعوا صوته ذهب عنهم الضحك وخافوا دعوته ثم قال اللهم عليك بابي جهل بن هشام وعتبة بن ربيعة وشيبة بن ربيعة والوليد بن عتبة وامية بن خلف وعقبة بن ابي معيط وذكر السابع ولم احفظه، فوالذی بعث محمدا بالحق لقد رأيت الذين سمی صرعی ثم اسحبوا الی القليب قليب بدر۔ (شيخين، متفق عليہ)

اللہ سے دُعا یا سوال فرماتے تو تین تین بار اس کی تکرار فرماتے۔ تین بار فرمایا:
مولا! قریش کی گرفت فرما۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سُنی تو ہنسی تو بھول گئے اور اُلٹا بد دُعا سے کانپ اُٹھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ابوجہل کو، عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، ولید بن عتبہ کو، اُمیہ بن خلف کو، عقبہ بن ابی معیط کو، اور فلاں کو (جس کا نام مجھ کو یاد نہیں رہا) اپنی گرفت میں لے لے۔ اس کے بعد قسم ہے اُس کی جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن لوگوں کے نام لیے تھے، ان سب کو کشتہ حالت میں دیکھا۔ پھر یہ سب میدانِ بدر کے گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔

۴۸ - رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش اور صبر:

(عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) مارأيت قريشا ارادوا قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا يوما جلسوا فی ظل الكعبة وهو يصلی عند المقام فقام اليه عقبة بن ابی معيط فجعل رداءه فی عنقه ثم جذبه وتصايح الناس وظنوا انه مقتول فاقبل ابوبكر يشتد حتی اخذ بضبعه صلی اللہ علیہ وسلم وهو يقول أتقتلون رجلا ان يقول ربی اللہ ثم انصرفوا عنه۔
(موصلی، کبیر)

میں نے ایک بار کے سوا کبھی قریش کو قتلِ رسولؐ کا اقدام کرتے نہیں دیکھا۔ قریش سایۂ دیوارِ کعبہ میں بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے، اتنے میں عقبہ بن ابی معیط اُٹھا اور اپنی چادر کا پھندا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر دبایا اور کھینچنا شروع کیا۔ لوگ بھی شور مچانے لگے اور ان کو یہ خیال ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (خاک بدہن) چل بسے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ ناراض ہوتے ہوئے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو پکڑ کر کہنے لگے کہ: تم لوگ ایک شخص کو محض اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو وہ اللہ کو اپنا ربّ مانتا ہے؟ یہ سُن کر لوگ ہٹ گئے۔

۴۹۔ شقاوتِ ابوجہل :

(رجل من بنی مالك بن كنانة) رأيت النبی صلی الله عليه وسلم بسوق ذی المجاز يتخللها يقول يا ايها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا وابوجهل يحثی عليه التراب يقول يا ايها الناس لا يغوينكم هذا عن دينكم فانما يريد لتتركوا دينكم ولتتركوا اللات والعزی وما يلتفت اليه صلی الله عليه وسلم

(احمد)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ذو المجاز کے بازار میں اِدھر اُدھر پھر پھر کر کہتے جاتے ہیں کہ: اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ، تو فلاح پاؤ گے۔

ابوجہل شقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی پھینک پھینک کر یہ کہتا جاتا تھا کہ: دیکھو یہ شخص تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ نہ کرنے پائے، یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دین کو اور لات و عزیٰ کو چھوڑ دو (ابوجہل یہ کچھ کر رہا تھا، مگر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے تھے۔

ہجرتِ حبشہ

۵۰۔ کوائف حبشہ، خطبۂ جعفر طیارؓ اور شہادت نجاشی :

(ابن مسعودؓ) بعثنا رسول الله صلی الله عليه وسلم الی النجاشی نحو ثمانين رجلا فيهم جعفر و عبد الله بن عرفطة و عثمان بن مظعون وابو موسیٰ فاتينا النجاشی وبعث قريش عمرو بن العاص وعمارة بن الوليد بهدية فلما دخلا علی النجاشی سجدا له وقالا له ان نفرا من بنی عمنا نزلوا ارضك ورغبوا

نجاشی کی طرف ہم لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ یہ قریباً اسّی آدمی تھے، ان میں جعفر، عبداللہ بن عرفطہ، عثمان بن مظعون اور ابوموسیٰ بھی تھے۔ ہم لوگ تو نجاشی کی طرف آئے اور اُدھر قریش نے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو کچھ تحائف دے کر بھیجا۔ جب یہ دونوں نجاشی کے پاس آئے تو اسے سجدہ کیا اور کہا کہ ہمارے بنی عم کے کچھ افراد آپ کے ملک میں آگئے ہیں۔ یہ ہم سے بھی متنفر ہو گئے ہیں اور ہمارے دین سے بھی برگشتہ ہو گئے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انھوں نے

عنا و عن ملتنا قال فاين هم
قال فی ارضك فبعث اليهم
قال جعفر انا خطيبكم اليوم
فاتبعوه فسلم ولم يسجد فقالوا له
مالك لا تسجد للملك؟ قال انا لا
نسجد الا لله تعالی قال وما ذاك؟
قال ان الله تعالی بعث الينا رسوله
صلی الله عليه وسلم وامرنا ان
لا نسجد الا لله تعالی وامرنا بالصلوٰة
والزكوٰة قال عمرو فانهم يخالفونك
فی عيسٰی قال ما تقولون فی عيسٰی
وامه؟ قالوا القول كما قال الله
تعالی هو كلمة الله وروحه القاها
الی العذراء البتول التی لم يمسها
بشر ولم يفرضها ولد فرفع
النجاشی عودا من الارض وقال
يا معشر القسيسين والرهبان و
الله ما تزيدون علی الذی يقول
ما يسوی هذا مرحبا بكم وبمن
جئتم من عنده اشهد انه رسول
الله وانه الذی نجده فی الانجيل
وانه الذی بشر به عيسٰی انزلوا
حيث شئتم فوالله لولا ما انا فيه
من الملك لاتيته حتی اكون انا
احمل نعليه واوضوه وامر
بهدية الاخرين فردت عليهما ثم

کہا کہ: آپ ہی کے ملک میں ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کی طرف بلاوا بھیجا۔ جعفرؓ ابنِ ابی طالب نے کہا: آج تمہاری طرف سے گفتگو کا فریضہ میں انجام دوں گا۔ غرض سب وہاں پہنچے۔ حضرت جعفرؓ نے نجاشی کو سلام کیا لیکن سجدہ نہ کیا۔ لوگوں نے اعتراضاً کہا کہ: کیا بات ہے کہ آپ بادشاہ کو سجدہ نہیں کرتے۔ جواب دیا کہ: ہم لوگ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ نجاشی نے پوچھا یہ کیوں؟ جواب دیا کہ: اللہ نے ہماری طرف اپنا رسول مبعوث فرمایا ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں، اس نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے۔ عمرو بن العاص بولے یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی آپ (نجاشی) کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ: تم لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ: ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ فرماتا ہے یعنی وہ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں، جسے اس نے مریم عذرا و بتول کی طرف القا فرمایا (مریم کو) کسی بشر نے مس نہیں کیا اور نہ انھیں اس سے قبل کوئی اور ولادت ہوئی۔

یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا کہ: اے پادریو اور راہبو! اس شخص کے اظہار حقیقت پر تم لوگ جو اضافہ اور مبالغہ کرتے ہو، وہ اس تنکے کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا مسلمانو! تمھیں اور تمھارے لائے ہوئے پیغام محمدی کو میں خوش آمدید کہتا ہوں، بلکہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور یہ وہی ہے جسے ہم انجیل میں پاتے ہیں اور جس کی بشارت حضرت عیسٰی نے دی ہے۔ تم جاؤ جہاں چاہو خوشی سے رہو اگر میں حکومت کے جھنجھٹ میں نہ پھنسا ہوتا تو میں خود حاضر ہو کر اس کی جوتیاں

فعجل ابن مسعودؓ حتی ادرک بدرا
فکبیر بلین ولاحمد عن ام سلمة
نحوه ....

وفیه: ان جعفرا قال: یاایها
الملک کنا قوما اهل جاهلیة نعبد
الاصنام ونا کل المیتة ونأتی
الفواحش ونقطع الارحام ونسیئ
الجوار ویاکل القوی منا الضعیف
حتی بعث الله الینا رسولا منا
نعرف نسبه وصدقه وامانته و
عفافه فدعانا الی الله نوحده و
نعبده ونخلع ماکنا نعبد نحن و
آباؤنا من دون الله من الحجارة
والاوثان وامرنا بالصدق والامانة
وصلة الرحم وحسن الجوار والکف
عن المحارم والدماء والفواحش
وشهادة الزور واکل مال
الیتیم وقذف المحصن وامرنا ان
نعبد الله ولا نشرک به شیئا و
اقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة فعدد
علیه امور الاسلام فصدقناه و
امنا به واتبعناه علی ما جاء به
فعدی علینا قومنا فعذبونا و
فتنونا عن دیننا وشقوا علینا
فخرجنا الی بلدک واخترناک علی
من سواک ورغبنا فی جوارک و

اٹھاتا۔ اس کے لیے پانی لاتا۔ پھر اس نے حکم دیا اور ان دونوں
تحائف کو واپس کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن مسعودؓ نے واپس آنے میں
(بہ نسبت دوسروں کے) جلدی کی اور وہ بدر میں شریک ہوئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں مذکور ہے کہ جعفرؓ نے کہا:
اے ملک! ہم لوگ جاہلیت والی قوم تھے، بت پرستی کرتے اور
مردار کھاتے تھے۔ بے حیائی کے مرتکب ہوتے، قطع رحمی
کرتے، پڑوسی کا کوئی حق نہ پہچانتے تھے، اور طاقت ور
ضعیف کو کھا جاتا تھا، آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف
رسول بھیجا۔ جس کے نسب، صداقت، امانت اور پاک
دامنی سے ہم اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی
طرف بلایا کہ اس کی توحید کے قائل ہو جائیں اسی کی عبادت
کریں، اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی ہمارے
اسلاف عبادت کیا کرتے تھے انھیں ترک کر دیں۔ نیز
اس نے ہمیں سچائی، امانت داری، صلہ رحمی، حسن ہمسائیگی
کا حکم دیا اور حرام کاری، بے حیائی، خون ریزی، جھوٹی
گواہی سے، مال یتیم کھانے اور کسی پاک دامن پر تہمت
لگانے سے روکا۔ ہمیں اس نے یہ بھی حکم دیا کہ صرف اللہ
کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نماز
قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ غرض جعفرؓ نے امور
اسلام کے مناقب بیان کیے اور کہا: پھر ہم نے اس
کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے پیغام
کی پیروی اختیار کی۔ مگر ہماری قوم نے ہم پر ظلم کرنے
شروع کر دیے۔ ہمیں سزائیں دیں، ہمارے دین سے
برگشتہ کرنے کی کوشش کی اور ہم پہ جفائیں کرتے رہے
آخر ہم لوگ آپ کی سرزمین پر آ گئے اور دوسروں پر
آپ کو ترجیح دی اور آپ کی ہمسائیگی کو اس امید پر

رجونا ان لا نظلم عندك فقال النجاشی هل معك مما جاء به من شیئ؟ قال نعم فقرأ علیه صدراً من کهیعص فبکی النجاشی وبکت اساقفته ثم قال ان هذا والذی جاء به موسی یخرج من مشکوة واحدة انطلقا فو الله لا اسلمهم الیکما ابداً ولا اکاد ثم قال اذهبوا فانتم سیوم بارضی والسیوم الآمنون من سبکم غرم قاله ثلاثا قالت واقمنا عنده فی خیر دار مع خیر جار وان عدوا للنجاشی نزل به فو الله ما علمنا حربا قط اشد من حرب حربناه عند ذلك تخوفاً ان یظهر علیه من لا یعرف من حقنا ما کان النجاشی یعرف۔

(کبیر، بزار)

پسند کیا کہ ہم پر یہاں ظلم نہ کیا جائے گا۔ نجاشی نے کہا کہ وہ شخص جو پیغام وحی لایا ہے، اس کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہے؟ حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا: ہاں! اس کے بعد سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں تلاوت کرکے سنائیں۔ نجاشی اور اس کے پادری بے اختیار رونے لگے اور نجاشی بول اٹھا کہ: یہ کلام اور وہ کلام جو موسیٰ لائے تھے، دونوں ایک ہی چشمۂ نور سے نکلے ہوئے ہیں۔ پھر دونوں قریشی سفیروں سے کہا کہ: میں کبھی ان لوگوں (مسلمانوں) کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ پھر مسلمانوں سے کہا کہ: تم جاؤ! میری مملکت میں امن کے ساتھ رہو۔ پھر تین بار کہا کہ: تمھیں کوئی گالی بھی دے گا تو اس پر تاوان لگے گا۔ اس کے بعد ام سلمہ (جو اس دوسری روایت کی راویہ ہیں) فرماتی ہیں کہ: اس کے بعد ہم لوگ وہاں بہترین ملک میں بہترین پڑوسی کے ساتھ مقیم رہے۔ اس دوران میں نجاشی کا ایک دشمن حبشہ پر حملہ آور ہوا اس وقت ہم لوگوں نے بھی جنگ میں شرکت کی اور یہ جنگ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم جنگ تھی کیونکہ ہمیں اس وقت یہ خوف تھا کہ نجاشی تو ہمارے حقوق کو پہچانتا تھا اس پر ایسا شخص غالب نہ آجائے جو ہمارے حقوق کو نہ پہچانتا ہو۔

۵۱۔ ظالموں سے رسولِ رحمت کی توقعات:

(عائشہؓ): قلت للنبی صلی اللہ علیه وسلم هل اتی علیك یوم کان اشد من یوم احد؟ قال لقد لقیت من قومك وکان اشد ما لقیت یوم العقبة اذ عرضت نفسی علی

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: کیا حضور پر یوم اُحد سے زیادہ سخت دن بھی کبھی آیا ہے؟ فرمایا: تمھاری قوم کے ہاتھوں سب سے زیادہ سخت ایذا مَیں نے یوم عقبہ کے موقعے پر اس دن اٹھائی ہے جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے آگے

ابن عبد یالیل بن عبد کلال فلم یجبنی الی ما اردت فانطلقت و انا مھموم علی وجھی فلم استفق الا وانا بقرن الثعالب فوضعت رأسی واذا انا بسحابۃ قد اظلتنی فنظرت فاذا فیھا جبریل فنادانی فقال ان اللہ قد سمع قول قومک وما ردوا علیک و قد بعث الیک بملک الجبال لتامرہ بما شئت فیھم فنادانی ملک الجبال فسلم علی ثم قال یا محمد ان اللہ قد سمع قول قومک وانا ملک الجبال وقد بعثنی ربک الیک لتأمرنی بامرک فما شئت ان شئت اطبقت علیھم الاخشبین قال صلی اللہ علیہ وسلم بل ارجوان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئا (شیخین)

پیش کیا۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں ہاں سے رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ ابھی مجھے افاقہ بھی نہ ہوا تھا کہ میں قرن ثعالب میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں سر رکھ دیا۔ اتنے میں ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہو گیا۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو جبریل موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی کہ: آپ کی قوم کی باتیں اور ان کا جواب اللہ نے سن لیا۔ اور آپ کے پاس ملک الجبال (فرشتۂ کوہ) کو بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ اسے ان ظالموں کے بارے میں حکم فرمائیں وہ اسے بجا لائے پھر خود ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کر کے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور میں ملک الجبال ہوں، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے کوئی حکم دیں بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ پسند کریں تو میں مکے کی دونوں پہاڑیوں (جبل ابوقبیس و جبل احمر) سے ان کو کچل دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی کے صلب سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی شے کو اس کا شریک نہ کریں۔

۵۲۔ اللہ سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فریاد کا عجیب انداز:

(عبد اللہ بن جعفرؓ) ... اللھم اشکوالیک ضعف قوتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت ارحم الراحمین الی من تکلنی الی عدو یتجھمنی ام الی قریب ملکتہ امری ان لم تکن غضبان علی

.... (طائف میں شدید ایذاؤں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کلمات نکلے وہ یہ تھے): مولا! اپنی بے بسی و بے کسی کا گلہ تیرے آگے پیش کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین مجھے تو نے کن لوگوں کے سپرد کیا ہے؟ ایسے دشمنوں کے حوالے جو ترش روئی سے پیش آتے ہیں؟ یا ایسے اپنوں کے سپرد جن کو تو نے میرے حالات پہ متصرف بنا دیا ہے؟ اگر یہ تیرا غضب

فلا أبالي غير ان عافيتك اوسع لی اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت به الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والآخرة ان تنزل بی غضبك او تحل بی سخطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بالله ۔

(کبیر)

نہیں تو مجھے ان تکالیف کی کوئی پروا نہیں۔ تیری دوسری عنایتیں میرے لیے بہت وسیع ہیں۔ میں تیرے نور وجہ کی پناہ لیتا ہوں۔ جس سے ظلمتیں بھی چمک اٹھتی ہیں اور جس کی برکت سے دنیا و آخرت کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں۔ پناہ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تیری ناراضی ــــ میری رضا تیری ہی رضا کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہر حرکت اور ہر قوت اللہ ہی کی توفیق سے وابستہ ہے ۔

ہجرت مدینہ

۵۳ - ابوبکرؓ اور فنائیت فی الرسول کا مقام :

(عائشةؓ) .. . .

فقال ان مثلك لا يخرج ولا يخرج انك تكسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكل وتقری الضيف وتعين على نوائب الحق فانا لك جار فارجع واعبد ربك ببلدك[1]

(حضرت ابوبکر صدیقؓ جب ہجرت کر کے حبشہ جانے لگے تو برک الغماد میں ابن الدغنہ ملا جس نے آپ کو یہ کہہ کر پناہ دی اور واپس لے آیا): تمہارے جیسے شریف انسان کو نہ جانے دیا جائے گا اور نہ وہ جا سکتا ہے کیونکہ تم ان ہونے کام بھی کر دیتے ہو صلہ رحمی کرتے ہو، دوسروں کا بار اپنے سر لے لیتے ہو مہمان نواز ہو اور پیش آنے والے حوادث میں حق کی حمایت کرتے ہو میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے رب کی عبادت اپنے شہر ہی میں رہ کر کرو۔

۵۴ - پیغمبرؐ اور صدیقؓ کے حوصلوں کا فرق :

(ابوبکرؓ) نظرت الی اقدام المشرکین

جس وقت ہم دونوں (ابوبکرؓ اور رسول کریمؐ) غار ثور

---

[1] وہ الفاظ پڑھیے جو جناب خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمائے تھے دیکھیے رسول اور صدیق کی سیرتیں کس درجے ہم آہنگ ہیں۔

ونحن فی الغار وھم علی رؤسنا فقلت یا رسول اللہ لو ان احدھم نظر الی قدمیہ ابصرنا تحت قدمیہ فقال یا ابابکرؓ ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما۔[1]

(شیخین، ترمذی)

میں تھے اور تلاش کرنے والے دشمن سر پہ کھڑے تھے تو میں ان کے قدموں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کو (جھک کر) دیکھ لیا تو ہمیں اپنے قدموں کے نیچے ہی دیکھ لے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے ابوبکرؓ ان دو کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا وجود اللہ کا ہے۔

۵۵۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعائے ناز و نیاز بموقع بدر:

(ابن عباسؓ) ..... اللھم انجز لی ما وعدتنی اللھم اٰتنی ما وعدتنی اللھم انک ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض فما زال یھتف بربہ مادا یدیہ مستقبل القبلۃ حتی سقط رداءہ عن منکبیہ فاتاہ ابوبکر فاخذ رداءہ فالقاہ علی منکبیہ ثم التزمہ من ورائہ وقال یا نبی اللہ کفاک منا شدتک ربک فانہ سینجز لک ما وعدک فانزل اللہ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین فامدہ اللہ بالملائکۃ

(ترمذی، مسلم بلفظہ)

(بدر میں مشرکوں کی تعداد ایک ہزار اور مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر رُو بقبلہ ہو گئے اور اپنے ہاتھ پھیلا کر باواز بلند اللہ سے یوں دعا کرنے لگے:) "مولا! تو نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما اور جو دینے کا وعدہ کیا ہے وہ آج دے دے۔ مولا! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو فنا کر دیا تو اس زمین پر تیری عبارت و بندگی بھی ختم ہو جائے گی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر اور رُو بقبلہ ہو کر مسلسل اسی طرح دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر کاندھوں سے سرک کر نیچے آ گئی، اور حضرت ابوبکرؓ نے آ کر وہ چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر ڈالی اور پیچھے سے چمٹ کر عرض کرنے لگے کہ: اے نبی اللہ! حضورؐ کی دعا کافی ہو چکی۔ اللہ اپنا وعدہ پورا ہی کرے گا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ: (ترجمہ) یاد کرو وہ وقت جب اپنے رب سے تم مدد مانگ رہے تھے اور خدا نے تمہاری دعا قبول کر لی اور بتا دیا کہ میں ایک ہزار پے درپے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔ سو اللہ نے فرشتوں سے آپ کی مدد کی۔

---

[1] اس مضمون کو اس آیت سے ملائیے ..... ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔

غزوات

بدر

۵۶ - صدیقؓ و فاروقؓ کی تمثیل بزبان رسالتؐ :

(ابن مسعودؓ) ....

فقال مثلك يا ابا بكرؓ كمثل ابراهيم قال فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم و كمثل عيسى قال ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم ومثلك يا عمر كمثل نوح قال رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا وكمثل موسى قال واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم ....

(ابو داؤد)

(قیدیانِ بدر کے متعلق جب مشورہ کیا گیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ: فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی طرف آئندہ توجہ فرمائے (اور یہ ہدایت پا جائیں) حضرت عمرؓ بولے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا ہے اور جھٹلایا ہے۔ لہٰذا ان سب کی گردنیں اُڑا دیجئے .... اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:) اے ابوبکرؓ تمھاری مثال تو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسٰی جیسی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ: (ترجمہ آیت) جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو اللہ غفور رحیم ہے اور حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا کہ: (ترجمہ آیت) اگر تو انھیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کی مغفرت فرمائے تو تو عزیز و حکیم ہے اور اے عمرؓ تمھاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ جیسی ہے۔ نوحؑ نے یہ دُعا کی کہ: (ترجمہ آیت) ان کافروں میں کسی کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑ۔ اور موسیٰ نے یہ دُعا کی (ترجمہ آیت) کہ: ان کے دلوں میں اور سختی پیدا کر دے تاکہ عذابِ الیم کو دیکھے بغیر یہ ایمان ہی نہ لا سکیں.....

۵۷ - بنتِ رسولؐ کے شوہر کا فدیہ اور عدلِ رسالتؐ :

(عائشہؓ) لما بعث اهل مكة

جب مکے والوں نے اپنے قیدیوں کے فدیے

فی فداء اسارا ھم بعثت زینب فداء زوجھا ابی العاص و بعثت فیہ بقلادۃ لھا کانت عند خدیجۃؓ ادخلتھا بھا علی ابی العاص فلما راٰھا صلی اللہ علیہ وسلّم رق لھا رقۃ شدیدۃ وقال ان رأیتم ان تطلقوا لھا اسیرھا و تردوا علیھا الذی لھا فقالوا نعم وکان صلی اللہ علیہ وسلّم اخذ علیہ ووعدہ ان یخلی سبیل زینب الیہ و بعث صلی اللہ علیہ وسلّم زید بن حارثۃ ورجلا من الانصار فقال لھما کونا ببطن یاجج حتی تمر بکما زینب فتصحباھا حتی تأتینا بھا ۔ (ابو داوٗد)

بھیجے تو حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ نے بھی اپنے شوہر ابو العاص کا فدیہ بھیجا۔ انھوں نے ایک (چاندی کا ہار) بھیجا، جو حضرت خدیجہ رضؓ کا تھا۔ ابو العاص کے پاس رخصت کرتے وقت حضرت خدیجہ رضؓ نے یہ ہار زینب کو دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو شدید رقت پیدا ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ:

اگر تم مسلمانوں کی رائے ہو تو زینب کے اسیر کو آزاد کر دو اور اس کا یہ ہار بھی اسے واپس کر دو۔ سب نے کہا کہ: ہاں ہاں یا رسول اللہ! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے یہ وعدہ لیا کہ وہ زینب کے یہاں آنے میں مانع نہ ہوں گے۔ اس کے بعد زید بن حارثہ کو اور ایک انصاری کو مکے بھیجا اور فرمایا کہ: تم دونوں بطن یاجج میں ٹھہرے رہو اور جب زینب تمھارے پاس سے گزریں تو ان کے ساتھ ہو جاؤ اور ان کو ہمارے پاس لے آؤ۔

۵۸- اہلِ بدر کی فضیلت:

(رافع بن خدیج رضؓ) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال یوم بدر والذی نفسی بیدہ لو ان مولوداً ولد فی فقہ اربعین سنۃ یعمل لطاعۃ اللہ ویجتنب معاصیہ کلھا الی ان یرد الی ارذل العمر لم یبلغ احدکم ھذہ اللیلۃ۔ (کبیر، فیہ جعفر ابن مقلس۔)

غزوۂ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر کوئی پیدا ہونے والا نفقہ کی آغوش میں آنکھ کھولے اور چالیس سال تک طاعت الٰہی پر عمل کرتا رہے اور تمام گناہوں سے بچا رہے۔ حتٰی کہ آخر عمر تک اسی حال میں رہے۔ جب بھی اس دن کی فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔

اُحُد

۵۹ - غزوات میں عورتوں کا حصّہ :

(انس رضی) .... ولقد رأیت عائشۃ رضی وأم سلیم رضی وانهما لمشمرتان اری خدم سوقهما تنقلان القرب علی متونهما ثم تفرغانه فی افواه القوم ثم ترجعان فتملآنها فتفرغانه فی افواههم ...... (شیخین)

.... (میں نے غزوۂ احد کے موقعے پر) عائشہ رضی اور اُم سلیم رضی کو دیکھا کہ دونوں بڑی تیز رفتاری سے کام کر رہی ہیں - ان کی پنڈلیاں اس وقت میری نگاہوں کے سامنے تھیں - دونوں اپنی اپنی پشت پر مشکیں اُٹھا کر اِدھر سے اُدھر جاتیں اور لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں اور پھر واپس آکر مشک پُر کرتیں اور لوگوں کے منہ میں ڈالتیں....

۶۰ - شہادت کے لیے بے چینی :

(جابر رضی) قال رجل للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوم اُحد أرایت ان قتلت این انا؟ قال فی الجنّة فالقی تمرات فی یده ثم قاتل حتی قتل - (شیخین ونسائی)

یومِ اُحد کے موقعے پر ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ : اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ فرمایا : جنّت میں! یہ سُن کر اُس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں (جو وہ کھا رہا تھا) پھینک دیں اور لڑتا ہُوا شہید ہو گیا۔

۶۱ - ایک شہید کا آخری پیغام :

(یحیی بن سعید رض) لما کان یوم اُحد قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من یأتینی بخبر سعد بن الربیع؟ قال رجل انا یارسول اللّٰه فذهب یطوف بین القتلی حتی وجده فقال له سعد ماشانك؟ قال بعثنی صلی اللّٰه

دورانِ غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : سعد بن الربیع کی کوئی خبر لا سکتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں لاسکتا ہوں یا رسول اللہ! چنانچہ وہ لاشوں کے درمیان اُنھیں ڈھونڈنے لگا اور سعد رض کو وہیں پایا۔ سعد رض اس وقت زندہ (مگر زخمی) تھے۔ اُنھوں نے اس آدمی سے پوچھا : کیا بات ہے؟ بولا : مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

عليه وسلم لا تنبه يخبرك قال فاقرأه مني السلام واخبره اني قد طعنت اثنتي عشرة طعنة ولقد انفذت مقاتلي واسأله ان يستغفولي وأخبر قومك انهم لا عذر لهم عند الله ان قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنهم عين تطرف۔
(شیخین، نسائی)

تمہاری خبر لانے کو بھیجا ہے۔ سعدؓ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ اور عرض کر دینا کہ: مجھے بارہ زخم لگے ہیں۔ میری موت یقینی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا۔ اور مسلمانوں کو بتا دینا کہ ان میں اگر آنکھ جھپکانے کی سکت بھی باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالےٰ کے سامنے وہ کوئی عذر نہ پیش کر سکیں گے۔

۶۲۔ ایک مومنہ کا حوصلۂ ایمانی:

(انسؓ) لما كان يوم احد حاص اهل المدينة حيصة وقالوا قتل محمد حتى كثرت الصوارخ في ناحية المدينة فخرجت امرأة من الانصار فاستقبلت بابيها وابنها وزوجها واخيها فقالوا هذا ابوك۔ اخوك، زوجك وابنك تقول ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ يقول امامك حتى وقفت عليه فاخذت بناحية ثوبه ثم قالت بابي انت وامي يارسول الله لا ابالي اذا سلمت من عطب۔ (للاوسط وفيه شيخه محمد ابن شعيب۔)

غزوۂ احد میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ لوگ تتر بتر ہو گئے اور افواہ پھیل گئی کہ (خاکم بدہن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت مدینہ کے قریب ایک کہرام برپا دیکھ کر ایک انصاری خاتون[1] باہر نکل پڑیں۔ میدانِ جنگ میں اس نے اپنے بیٹے، باپ، شوہر اور بھائی کی لاش کو دیکھا اور لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ تیرے باپ، بھائی، شوہر اور فرزند کی لاشیں ہیں۔ مگر وہ ہر ایک موقع پر یہی پوچھتی رہی کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ: وہ تیرے سامنے تشریف رکھتے ہیں۔ وہ خاتون وہاں پہنچی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشۂ دامن پکڑ کر بول اٹھی کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اگر حضورؐ زندہ و سلامت ہیں تو مجھے کسی کے مرنے کی پروا نہیں۔

---

[1] نیک بخت خاتون کا نام ہند ہے اور یہ انصاریہ ہیں۔

رجیع

۶۳ - خُبیبؓ کا اندازِ شہادت اور پاسِ انسانیت :

(ابو ھریرۃؓ) ....

....

....

....

....

فمكث عندهم اسيرا حتى اذا اجمعوا
على قتله استعار موسى من
بعض بنات الحارث ليستحد
بها فاعارته قالت فغفلت عن
صبى لى فدرج اليه حتى اتاه
فوضعه على فخذه فلما رأته فزعت
فزعة عرف ذلك منى وفى يده
الموسى فقال اتخشين ان اقتله؟
ما كنت لافعل ذلك ان شاء الله و
كانت تقول ما رأيت اسيرا قط خيرا
من خبيبؓ لقد رأيته يأكل من
قطف عنب وما بمكة يومئذ
ثمرة وانه لموثق فى الحديد
وما كان الا رزق رزقه الله خبيبا
فخرجوا به من الحرم
ليقتلوه فقال دعونى أصلى ركعتين

(کچھ لوگوں کی خواہش پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے دس مبلّغین بھیجے۔ عسفان و مکّہ کے درمیان بنو ہذیل
اور بنو لحیان کے تیر اندازوں نے انھیں گھیر لیا۔ مقابلہ ہُوا۔
زیدؓ بن دُثنہ اور خبیبؓ گرفتار اور باقی شہید ہوئے۔ خبیبؓ کو
بنو حارث بن عامر بن نوفل نے (قتل کرنے کے لیے خرید لیا)۔
اس کے بعد خبیبؓ ان کی قید میں کئی دن رہے۔ جب سب
نے انھیں قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تو اُنھوں نے کسی حارثی
عورت سے بال صاف کرنے کے لیے اُسترہ مانگا۔
اس نے دے دیا۔ اس عورت کا بیان ہے کہ مجھے خیال نہ رہا
اور میرا ایک بچہ کِھسکتا ہُوا خبیبؓ کے پاس چلا گیا۔ خبیبؓ
نے اسے اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ جب ماں نے دیکھا، تو اُس
کے اوسان خطا ہو گئے۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ
میں اُس وقت وُہ اُسترہ موجود تھا۔ اُنھوں نے بدحواسی کو
محسوس کر کے کہا کہ: کیا تجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں اسے قتل کر دوں
گا؟ ان شاء اللہ یہ کبھی نہ کروں گا۔ اس عورت کا بیان ہے
کہ: میں نے خبیبؓ سے زیادہ شریف قیدی کوئی نہیں دیکھا۔
میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے اور خوشے
سے انگور توڑ توڑ کر کھا رہا ہے۔ حالانکہ اس وقت مکے
میں کوئی پھل کہیں موجود نہ تھا۔ یہ بجز اس رزق کے جو اللہ تعالیٰ
نے خبیبؓ کے لیے بھیجا ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ قصّہ مختصر،
لوگ اُن کو قتل کرنے کے لیے حرم مکّہ سے باہر لے گئے اُنھوں

ثم انصرف عليهم فقال لولا ان تروا انما بي جزع من الموت لزدت فكان اول من سن الركعتين عند القتل هو وقال اللهم احصهم عددا ثم قال:

ما ابالي حين اقتل مسلما
على اي شق كان لله مصرعي
وذلك في ذات الاله وان يشأ
يبارك على اوصال شلو ممزع

(بخاری، ابوداؤد)

نے کہا کہ: مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔ نماز کے بعد وہ لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے: اگر تمہیں یہ گمان نہ ہوتا کہ میں موت سے خائف ہوں تو میں نماز کو ذرا طول دیتا۔ یہ خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مرنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کے رواج کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ: اے اللہ! ان سب کو شمار کر لے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔ (ترجمہ)

جب میں مسلمان ہوتے ہوئے قتل کیا جا رہا ہوں تو خواہ کسی پہلو سے موت آئے مجھے پروا نہیں۔ یہ موت اللہ ہی کی راہ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو ایک ایک عضو کی بکھری ہوئی بوٹیوں میں برکت عطا فرمائے.........

خندق

۶۴ - مجاہدین کا رجز اور مصائب کی برداشت:

(انس رض) خرج النبي صلى الله عليه وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار يحفرون في غداة باردة ولم يكن لهم عبيد يعملون ذلك لهم فلما رأى ما بهم من النصب والجوع قال: اللهم ان العيش عيش الآخرة، فاغفر للانصار والمهاجرة، فقالوا مجيبين له: نحن الذين بايعوا محمداً، على الجهاد ما بقينا ابداً۔ وفي رواية..... فيؤتون بملأ كف من شعير فيصنع لهم باهالة سنخة توضع بين يدي القوم والقوم جياع

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے لیے باہر نکلے، تو (سلمان فارسی رض کے مشورے سے) مہاجرین و انصار خندق کھودنے لگے اس دن سردی بہت سخت تھی اور لوگوں کے پاس ایسے خدام نہ تھے جو یہ کام کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان مجاہدوں کی جانفشانی اور بھوک دیکھی تو یہ رجز پڑھنے لگے: (ترجمہ) اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا تو ان انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما۔ اس کے جواب میں صحابہ رض کرام یہ رجز پڑھتے۔ (ترجمہ) ہم نے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیعت جہاد کر لی ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ......... ان مجاہدین کو ایک مٹھی جو ملتے تھے جیسے ابلے ہوئے روغن کے ساتھ پکا کر ان کے سامنے

(وهي بشعة في الحلق لها ريح منكرة (شيخين، ترمذی)

پیش کیا جاتا تھا۔ یہ کھانا بُو دار اور بدمزہ ہوتا تھا مگر لوگ بھوکے تھے اس لیے وہی کھا لیتے تھے۔

۶۵۔ پیغمبری درولیشی ہے نہ کہ شاہنشاہی :

(البراءؓ) رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ينقل معنا التراب وهو يقول: (والله لولا الله ما اهتدينا، ولا تصدقنا ولا صلينا، فانزلن سكينة علينا، وثبت الاقدام إذ لاقينا، والمشركون قد بغوا علينا، إذا أرادوا فتنة ابينا. ويرفع بها صوته. وفي رواية: رفع بها صوته ابينا ابينا۔ (شيخين)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ہمارے ساتھ مٹی ڈھونے میں مصروف ہیں اور یہ رجز پڑھتے جاتے ہیں۔ (ترجمہ) بخدا! اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہوتی۔ نہ ہمیں ہدایت نصیب ہوتی۔ نہ ہم صدقات ادا کر سکتے نہ نماز، اے اللہ! تو ہم پر سکینہ نازل فرما؛ اور جب ہماری دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو، تو ہمیں ثابت قدم رکھ، یہ مشرکین ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں اور جب بھی یہ کوئی فتنہ کھڑا کرتے ہیں تو ہم اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔" ابینا کے لفظ پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچتے تو آواز کو خوب بلند کرتے۔

حدیبیہ

۶۶۔ شوریٰ میں عورت کا مقام؛ عہد کی پابندی :

(المسور بن مخرمة ومروان): ...

. . . .

. . . .

فلما فرغ من تضية الكتاب قال صلى الله عليه وسلم لاصحابه قوموا فانحروا ثم احلقوا فوالله ماقام منهم رجل حتى قال ذلك

جب حدیبیہ سے فراغت ہوئی تو چونکہ بظاہر مسلمانوں کی شرائطِ صلح بہت کمزور اور کفارِ قریش کی شرائط بہت جابرانہ نظر آتی تھیں۔ اس لیے مسلمان بڑے ملول شکستہ ہو رہے تھے یہاں تک کہ:)... جب صلح نامہ لکھنے سے فراغت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اٹھو اور اپنے اپنے قربانی کے جانور (جو ساتھ لائے ہیں) ذبح کر کے سر کے بال اُتار لو، لیکن خدا کی قسم ایک شخص بھی نہ اٹھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ثلاث مرات فلما لم يقم منهم احد دخل على ام سلمة فذكر لها ما لقي من الناس فقالت اتحب ذلك؟ اخرج ثم لا تكلم احدا منهم حتى تنحر بدنك وتدعو حالقك فيحلقك فخرج فلم يكلم احدا حتى نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه فلما رأو ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا ....

یہ حکم دیا۔ مگر جب کوئی بھی نہ اُٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور مسلمانوں کی جو شکستہ دلی کا حال دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ام سلمہؓ نے کہا کہ: اگر حضورؐ یہ پسند فرماتے ہیں کہ تعمیل حکم ہو تو کسی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل کر قربانی کر لیجئے اور سر کے بال اُتروا لیجئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموشی سے باہر نکلے، اپنی قربانی کی اور حالق (بال اُتارنے والے) کو بُلا کر اپنے بال اتروا لیے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو خود ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور قربانیاں کر کے ایک دوسرے کے بال اتارنے لگے ....

ثم رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فجاءہ ابو بصیر رجل من قریش وھو مسلم فارسلوا فی طلبہ رجلین فقالوا العھد الذی جعلت لنا فدفعہ الی الرجلین... .... (بخاری، ابو داؤد)

مدینے واپس آنے کے بعد ایک قریشی ابو بصیر جو مسلمان ہو چکے تھے، بھاگ کر مدینے آ گئے اور قریش نے دو آدمی اُن کو لینے کے لیے بھیجے (کیونکہ شرائط صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ یہاں سے جو آدمی مدینے جائے گا اُسے واپس کرنا ہو گا) اور کہا کہ جو معاہدہ آپؐ نے کیا ہے اُسے پورا کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو ان کے حوالے فرما دیا۔

موتہ

۶۷۔ کلمہ گو کی جان لینے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی:

(اسامۃؓ) بعثنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الحرقۃ فصبحنا القوم فھزمناھم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منھم فلما غشیناہ قال لا الہ الا اللہ فکف الانصاری وطعنتہ برمحی حتی قتلتہ فلما

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم لوگوں نے صبح کے وقت حملہ کیا اور شکست دی۔ اسی اثنا میں مَیں اور ایک انصاری ایک دشمن سے ملے۔ جب ہم اس پر قابو پانے لگے تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔ میرے انصاری ساتھی نے تو وہیں اپنا ہاتھ روک لیا۔ لیکن میں نے اُسے نیزے کا چرکا لگا کر مار دیا۔ جب ہم لوگ واپس آئے اور حضورؐ

فلما بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا اسامۃ اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ ؟ قلت انما کان متعوذاً فقال اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ؟ فما زال یکررھا حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم ......
...... قال افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم قالھا ام لا ؟ ....
...............(شیخین، ابو داؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی مار دیا ؟ میں نے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ ! اس نے تو محض جان بچانے کو کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا کہ : تم نے تو اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی مار دیا ؟ غرض حضورؐ اس جملے کی اتنی بار تکرار فرماتے رہے کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش ! میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ.......... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ : کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچے دل سے کہہ رہا ہے یا تلوار کے ڈر سے ؟ ....

فتحِ مکّہ

۶۸- فتحِ مکّہ کے دن رحمتِ نبویؐ کی بارش :

(ابن عباسؓ) ....
.............فقلت یا رسول اللہ ان اباسفیان رجل یحب ھذا الفخر فاجعل لہ شیئاً قال نعم من دخل دار ابی سفیان فھو آمن ومن اغلق بابہ فھو آمن ومن دخل المسجد فھو آمن فتفرق الناس الی دورھم و الی المسجد۔(ابوداؤد)

........(فتح مکّہ کے دن حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ابوسفیان کو لے کر علی الصبح مرالظہران پہنچے اور) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ : یا رسول اللہ ! ابوسفیان کوئی شرف چاہتا ہے، اس لیے اس کے لیے کچھ ارشاد ہو۔ فرمایا کہ : جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اُسے پناہ، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اُسے پناہ، اور جو کعبے کے اندر داخل ہو جائے اُسے پناہ، یہ سن کر لوگ اپنے گھروں میں اور بیت اللہ میں داخل ہونے لگے۔

۶۹- نبوّت بادشاہت سے بالکل الگ چیز ہے :

(میمونہؓ)...............

.....فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ

....

....

فقال ابوسفیان یا اباالفضل لقد اصبح ملك ابن اخیك عظیما فقال لیس بملك و لكنها النبوۃ ۔ (كبیر بضعف)

علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں، تو لوگ غسالۂ وضو کو اپنے چہروں پر ملنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ محبوبیت و شوکت دیکھ کر..... ابوسفیان نے کہا کہ: اے عباس تمہارے برادرزادے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہے عباس رضؓ نے جواب دیا کہ: یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے!

حنین

۷۰ ۔ انصار کا نصیبہ:

(انس رضؓ)..................

....

....

....

..................مجمعهم في قبة فقال يا معشر الانصار ما حديث بلغني عنكم؟ فسكتوا فقال يا معشر الانصار اما ترضون ان يذهب الناس بالدنيا وتذهبون بمحمد تحوزونه الى بيوتكم؟ قالوا بلى يا رسول الله رضينا فقال لو سلك الناس واديا وسلكت الانصار شعبا لأخذت شعب الانصار۔

(ترمذی، شیخین)

..... غزوۂ حنین میں جو غنیمتیں حاصل ہوئیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلب کے لیے نومسلموں میں تقسیم فرما دیا۔ اس پر بعض انصار بول اُٹھے کہ جب جنگ پیش آتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب مالِ غنیمت آتا ہے تو دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو سب کو ایک خیمے میں جمع کیا اور فرمایا:

اے انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہارے متعلق مجھے خبر پہنچی ہے؟ جواب میں سب خاموش رہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ دنیا لے کر واپس جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھروں میں داخل ہو؟ انصار نے کہا کہ: ہاں! یا رسولؐ اللہ! ہم سب اس پر خوش ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ: اگر لوگ ایک میدان میں گزر رہے ہوں اور انصار کسی راستے پر جائیں تو میں انصار ہی کے راستے کو اختیار کروں گا۔

۷۱ - مجاہدہ عورت (ام سلیم):

(انسؓ) ان ام سلیم اتخذت خنجراً یوم حنین فرآها ابوطلحة فقال یا رسول الله هذه ام سلیم معها خنجر فقال لها النبی صلی الله علیه وسلم ما هذا الخنجر؟ قالت اتخذته ان دنا منی احد من المشرکین بقرت بطنه فجعل صلی الله علیه وسلم یضحك۔ (مسلم، ابو داؤد)

غزوۂ حنین کے موقعے پر اُم سلیم نے ایک خنجر کو ہاتھ میں لیا اور ابوطلحہؓ نے ان کو دیکھا تو کہا کہ: یا رسول اللہ! یہ ام سلیم ہیں اور ان کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم سے پوچھا کہ: یہ خنجر کیسا ہے؟ بولیں کہ: میں نے یہ اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک قریب آیا تو اُس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عزم پر ہنسی آگئی ۔......

بنی جذیمہ

۷۲ - اطاعت صرف معروف میں ہونی چاہیئے:

(علیؓ) بعث النبی صلی الله علیه وسلم سریة واستعمل علیهم رجلا من الانصار و امرہ ان یطیعوہ فغضب فقال الیس امرکم رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تطیعونی؟ قالوا بلی قال فاجمعوا حطبا فجمعوا فقال اوقدوا ناراً فاوقدوها فقال ادخلوا فیها فهموا وجعل بعضهم یمسك بعضاً و یقولون فررنا الی النبی صلی الله علیه وسلم من النار فما زالوا حتّٰی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا اور ایک انصاری کو ان کا امیر مقرر کر کے ان کی اطاعت کا حکم دیا (ایک موقعے پر) اس امیر کو غصہ آیا اور وہ کہنے لگا کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں دیا ہے۔ امیر نے کہا کہ: پھر لکڑیاں جمع کرو، لکڑیاں جمع کی گئیں تو کہا: ان کو سلگا دو۔ لوگوں نے سلگا دیں۔ کہا کہ: اب تم سب اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ لوگوں نے ارادہ کیا تو بعض نے بعض کو پکڑ کر روک لیا، اور کہنے لگے کہ آگ ہی سے تو بھاگ کر ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آتے ہیں۔ یہی بحثیں ہوتی رہیں اور آگ

خمدت النار فسكن غضبه فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فقال لو دخلوها ما خرجوا منها الى يوم القيامة الطاعة فى المعروف ۔
(شيخين، ابوداؤد، نسائى)

ٹھنڈی بھی ہوگئی اور ساتھ ہی امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ جب اس واقعے کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو فرمایا کہ: اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک اس سے باہر نہ آسکتے۔ طاعت صرف معروف میں ہوا کرتی ہے۔

تبوک

۷۳۔ شرکت جہاد کی صحیح غرض کیا ہونی چاہیئے:

(واثلة) نادى النبي صلى الله عليه وسلم فى غزوة تبوك فطفقت فى المدينة انادى الا من يحمل رجلا له سهمه فاذا شيخ من الانصار فقال لنا سهمه على ان نحمله عقبة وطعامه معنا فقلت نعم قال فسر على بركة الله فخرجت خير صاحب حتى افاء الله علينا فاصابنى قلائص فسقتهن حتى اتيته فخرج فقعد على حقيبة من حقائب ابله ثم قال سقهن مدبرات ثم قال سقهن مقبلات فقال ما ارى قلائصك الا كراما قلت انما هى غنيمتك التى شرطت لك قال فخذ قلائصك يا ابن اخى فغير سهمك اردنا۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ تبوک کے لیے منادی کرائی تو میں مدینے میں یہ صدا لگانے لگا کہ: کوئی ہے جو ایک آدمی کے لیے سواری مہیا کردے اور اس کے عوض میں مالِ غنیمت قبول کرلے۔! اتنے میں ایک بوڑھے انصاری نکلے اور کہنے لگے کہ: ہم اس کا حصہ قبول کرتے ہیں، اس شرط پر کہ اسے باری باری اپنے ساتھ سوار کرائیں گے اور اس کا کھانا ہمارے ذمہ ہوگا۔ میں نے کہا: منظور ہے۔ انھوں نے کہا: پھر اللہ کے نام پر روانہ ہوجاؤ۔ غرض میں بہترین رفاقت کے ساتھ روانہ ہوا اور اللہ نے غنیمت بھی دلوائی۔ میرے حصے میں کچھ دراز قامت اونٹنیاں آئیں جن کو ہانکتا ہوا میں اس انصاری کے پاس لے آیا۔ وہ باہر آئے اور اپنی اونٹنی کے پیچھے بیٹھ کر کہنے لگے کہ: ان کو پیچھے دوڑاؤ۔ پھر کہا آگے دوڑاؤ۔ پھر بولے کہ: یہ دراصل آپ ہی کی غنیمت ہیں، جن کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اے برادر زادے! اپنی اونٹنیاں اپنے ہی پاس رکھو کیونکہ میرا مقصد اس حصہ غنیمت کے سوا کچھ اور تھا (یعنی ثواب اجر)۔

برأت

۷۴ - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضائے رحمت:

(ابن عمرؓ) لما توفی عبد اللہ یعنی ابن ابی بن سلول جاء ابنہ عبد اللہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ ان یعطیہ قمیصہ یکفن فیہ اباہ فاعطاہ ثم سألہ ان یصلی علیہ فقام لیصلی علیہ فقام عمر فاخذ بثوبہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ تصلی علیہ وقد نہاک ربک ان تصلی علیہ؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم انما خیرنی اللہ تعالیٰ فقال استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ الخ وسازید علی السبعین قال انہ منافق فصلی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزل ولا تصل علی احد منھم مات ابداً الی فاسقون۔ (شیخین ونسائی)

جب عبد اللہ بن ابی بن سلول (راس المنافقین) مر گیا تو اُس کے صاحبزادے عبد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے باپ کو کفن دینے کے لیے حضور اکرمؐ سے قمیص کی درخواست کی جو حضورؐ نے دے دی۔ پھر اُنھوں نے نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی۔ حضورؐ اس کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے؟ فرمایا کہ: اللہ نے مجھے (جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے درمیان) اختیار دے دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ: استغفر لھم او لا تستغفر لھم، ان تستغفر لھم سبعین مرۃ الخ (خواہ تم ان منافقوں کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو اور خواہ ان کے لیے ستّر بار بھی استغفار کرو اللہ نہیں بخشے گا) تو میں ستّر بار سے زیادہ استغفار کر لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ: وہ تو منافق تھا۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھ لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: ولا تصل علی احد منھم۔ الآیۃ (نہ ان کا جنازہ پڑھو، نہ ان کی قبر پر کھڑے رہنا

ہود، واقعہ و مرسلات وغیرہ

۷۵ - بعض سورتوں کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت پر:

(ابن عباسؓ) قال ابو بکر یا رسول اللہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض

قد شبت قال شیبتنی هود والواقعة والمرسلات وعم یتساءلون و اذا الشمس کورت ۔ (ترمذی)

کیا کہ: یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بوڑھے ہو گئے ۔ فرمایا: سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، نبا، اور تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا۔

شعرا

۷۶ ۔ مقامِ نبوت کی عجیب تمثیل اور سورۂ لہب کا نزول:

(ابن عباسؓ) لما نزلت و انذر عشیرتک الاقربین صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصفا فجعل ینادی یا بنی فهر یا بنی عدی لبطون قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یخرج ارسل رسولا لینظر ما هو فجاء ابولهب وقریش فقال ارأیتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیر علیکم کنتم مصدقی؟ قالوا نعم ما جربنا علیك الا صدقا قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابولهب تبا لك سائر الیوم ألهذا جمعتنا؟ فنزلت تبت یدا ابی لهب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب (شیخین، ترمذی)

جب آیت: وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو وارننگ دے دو) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دینے لگے کہ اے قریش! اے بنی فہر اور اے بنی عدی ۔۔۔ اس آواز پر سب جمع ہو گئے اور جو نہ آسکا اس نے دستور کے مطابق اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ جا کر معاملے کی حقیقت معلوم کرے ۔ ابولہب اور دوسرے قریش بھی آ گئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ شہسواروں کا ایک دستہ دوسری طرف سے دامنِ کوہ سے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا کہ: یقیناً، اس لیے کہ ہم نے آپؐ کو ہمیشہ راست گو پایا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اچھا تو ایک سچی بات سن لو کہ تمہیں ایک بڑے سخت آنے والے عذاب سے آگاہ کرتا ہوں ۔ ابولہب بولا کہ: تم پر سارا دن ہلاکت آتی رہے، کیا اسی مقصد کے لیے تم نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد تبت یدا ابی لهب ... الخ نازل ہوئی۔

۷۷ ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے داری کوئی کام نہ آئے گی :

(ابوھریرۃ) قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین نزل وانذر عشیرتک الاقربین قال یا معشر قریش او کلمۃ نحوھا اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئًا یاعباس بن عبدالمطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئًا ویا صفیۃ عمۃ رسول اللہ لا اغنی عنکِ من اللہ شیئًا ویا فاطمۃ بنت محمّد سلینی ماشئتِ من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئًا ۔ (نسائی)

ایک دوسری روایت یوں ہے کہ جب یہ آیت (وانذر عشیرتک الاقربین) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ : اے معشر قریش اپنی قدروقیمت خود پیدا کرو! میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا ۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کوئی کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ چھڑا سکوں گا۔ اور اے محمّد کی بیٹی فاطمہؓ میرے مال میں سے تم جو کچھ چاہو مانگ لو، مگر میں اللہ کے حضور تمھارے کوئی کام نہ آسکوں گا۔

زمر

۷۸ ۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف مبشر نہیں منذر بھی ہیں :

(العلاء بن زیاد) کان یذکر بالنار فقال رجل لم تقنط الناس؟ قال وانا اقدر علی ان اقنط الناس واللہ یقول یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ و یقول ان المسرفین ھم اصحاب النار ولکنکم تحبون ان تبشروا بالجنۃ علی مساوی

علا ابن زید ایک موقعے پر دوزخ کی آگ کا ذکر کرنے لگے ۔ ایک شخص بولا کہ : آپ لوگوں کو مایوس کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ : میں لوگوں کو مایوس کرنے پر اس سے بھی زیادہ قادر ہوں ۔ بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ : (ترجمہ) اے مسرف بندو! رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو ۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرماتا ہے ان المسرفین ھم اصحاب النار (مسرف لوگ جہنمی ہیں) لیکن تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمھاری بداعمالیوں پر بھی

اعمالکم و انما بعث الله تعالیٰ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم مبشرًا بالجنۃ لمن اطاعہ و منذرًا بالنار لمن عصاہ۔
(بخاری، تعلیقا)

تمھیں جنت ہی کی بشارت دی جایا کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبشرِ جنت اس کے لیے بنایا ہے جو طاعت الٰہی کرتا ہے اور جو نافرمان ہو۔ اس کے لیے منذرِ دوزخ بنا کر بھیجا ہے۔

ممتحنہ

۷۹ - رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویٰ :

(عائشۃؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبایع النساء بالکلام بھذہ الآیۃ لا یشرکن باللہ شیئًا وما مست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امرأۃ لا یملکھا۔ (شیخین، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن الفاظ سے عورتوں کی بیعت لیتے تھے وہ یہ آیت ہے: لا یشرکن باللہ شیئًا۔الخ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی نہ ہو۔

کتاب الطبّ

۸۰ - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ دلی آخری لمحات میں :

(عائشۃؓ) لددنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ فجعل یشیر الینا ان لا تلدونی فقلنا کراھیۃ المریض للدواء فلما افاق قال الم انھکم ان تلدونی ؟ قلنا کراھیۃ المریض للدواء فقال لا یبقی احد فی البیت

ہم لوگوں نے مرض وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں دوا ٹپکائی۔ حضورؐ نے اشارے سے منع فرمایا اور ہم نے یہ سوچا کہ مریض تو دوا کو ناپسند کرتا ہی ہے۔ حضورؐ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو دوا پلانے سے منع نہیں کیا تھا؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہم یہ سمجھے کہ مریض تو دوا سے نفرت کرتا ہی ہے۔
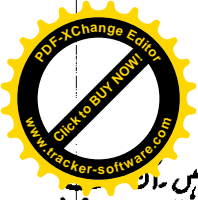
الا لدّوا انا انظر ؟ الاّ العباس فانه لم یشھدکم ۔ (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا کہ : اس گھر میں جتنے لوگ ہیں، ان کے منہ میں میرے سامنے یہ دوا ٹپکاؤ بمستثنیٰ صرف عباسؓ کو رکھا جائے ۔ کیونکہ وہ تمھارے ساتھ مجھے دوا پلانے میں شریک نہ تھے ۔

۸۱ ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مزاح کی باتیں کرنا :

(صھیب) قدمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ خبز وتمر فقال ادن فکل فاخذت أکل من التمر فقال تاکل تمراً وبك رمد؟ فقلت انی امضغ من ناحیۃ اخری فتبسم صلی اللہ علیہ وسلّم ۔ (قزوینی بلین)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا سامنے روٹی اور کھجوریں تھیں ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قریب آجاؤ اور کھاؤ ۔ میں کھانے لگا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمھاری ایک آنکھ میں آشوب ہے اور تم کھجور کھا رہے ہو ؟ میں نے عرض کیا کہ : آشوب تو اس طرف ہے اور میں چبا رہا ہوں دوسری طرف سے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرانے لگے ۔

ایمان و اخلاق کے تقاضے

---

۸۲ ۔ حیائے نبویؐ کی فراوانی :

(ابو سعیدؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی خدرھا فاذا رأی شیئًا یکرھه عرفناہ فی وجھه ۔ (شیخین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ باحیا تھے ۔ کسی ناپسندیدہ چیز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑتی تو ناگواری کو ہم لوگ حضورؐ کے چہرے سے پہچان لیتے تھے ۔

۸۳ ۔ حیاداری کی انتہا :

(عائشہؓ) کنت ادخل بیتی وانی واضع ثوبی فاقول انما ھو زوجی

میں اپنے حجرے (روضۂ نبویؐ) میں یوں ہی بدن پر کپڑا رکھ کر بھی چلی جاتی تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ ایک میرا شوہر (حضورؐ)

وابی فلما دفن عمرؓ معهم فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاءً من عمرؓ۔ (احمد)

اور دوسرا میرا باپ (حضرت ابوبکرؓ) وہی مدفون ہیں۔ لیکن جب حضرت عمرؓ بھی وہاں دفن ہوئے تو ان کی حیاء کی وجہ سے باقاعدہ اوڑھ لپیٹ کر جانے لگی۔

۸۴۔ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحیح پوزیشن :

(انسؓ) رفعه .... انی لا ارید ان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنیها الله تعالی انا محمد بن عبدالله عبده ورسوله ۔ (رزین)

میں یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبے سے جو خدا نے مجھے دے رکھا ہے زیادہ بڑھاؤ۔ میری صحیح پوزیشن یہ ہے کہ میں عبداللہ کا فرزند محمد ہوں۔ اللہ کا بندہ اور اُسی کا رسولؐ ہوں۔

۸۵۔ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف میں مبالغہ :

(عمرؓ) رفعه : لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد الله ورسوله۔ (رزین)

میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے مسیح بن مریم کی تعریف میں کیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسولؐ کہو۔

سخاوت و بخل

۸۶۔ کوئی سائل تیرے در سے کبھی خالی نہ گیا :

(جابرؓ) ما سئل النبی صلی الله علیه وسلم شیئاً قط فقال لا ۔ (شیخین)

ایسا کبھی نہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا گیا ہو اور حضورؐ نے "نہیں" کی ہو۔

۸۷۔ مالیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل :

(عبد الله الهوزنی) لقیت بلالا بحلب فقلت کیف کان نفقة النبی صلی الله

میں نے بلالؓ سے ملاقات کرنے کے بعد دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و عطا کا کیا انداز تھا؟

عليه وسلم؟ قال ما كان له شئ كنت
الى ذلك منه منذ بعثه الله تعالى
ان توفاه وكان اذا اتاه الانسان
مسلما فيراه عاريا يأمرنى فانطلق
فاستقرض فاشترى له البردة و
واكسوه واطعمه حتى اعترضنى يوما
رجل من المشركين فقال ان
عندى سعة فلا تستقرض من
احد الامنى ففعلت فلما ان كان
ذات يوم توضأت ثم قمت لاؤذن
للصلوة فاذا المشرك قد اقبل فى
عصابة من التجار فلما ان رأنى
قال يا حبشى قلت يا لباه فتجهمنى
وقال لى قولا غليظا وقال تدرى
كم بينك وبين الشهر؟ قلت
قريب قال انما بينك وبينه اربع
فآخذك بالذى عليك فاردك
ترعى الغنم كما كنت قبل ذلك
فاجد فى نفسى ما اجد فى انفس
الناس حتى اذا صليت العتمة رجع
صلى الله عليه وسلم الى اهله
فاستأذنت عليه فاذن لى فقلت
يا رسول الله بابى انت و امى
ان المشرك الذى كنت أتدين منه
قال لى كذا وكذا وليس عندك ما
تقضى عنى ولا عندى وهو فاضحى

کہا: حضورؐ کے پاس کوئی ایسی چیز اندوختہ نہیں رہی جس کی
رکھوالی میرے سپرد رہی ہو، اور یہ انداز زیست بعثت
کے دن سے لے کر وفات تک برابر قائم رہا۔ جب حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مسلمان آتا اور
حضور اسے بے پوشاک دیکھتے تو مجھے حکم فرماتے اور میں
جا کر کہیں سے قرض لاتا، پھر چادر خرید کر اُسے پہناتا اور
اسے کھانا کھلاتا۔ ایک دن ایسا ہؤا کہ ایک مشرک مجھے
راستے میں ملا اور کہنے لگا کہ: میرے پاس بہت کچھ ہے،
اس لیے میرے سوا اور کسی سے قرض نہ لیا کرو، چنانچہ میں
نے اس کا بھی تجربہ کیا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان دینے
کے لیے اُٹھنے لگا تھا کہ وہی مشرک چند تجارتیوں کے ساتھ
آیا اور مجھے دیکھ کر بولا: اے حبشی! میں نے جواب دیا:
ہاں مہربان! اس نے بڑی ترش روئی دکھائی اور بڑی سخت
باتیں کہیں اور بولا کہ: تمھیں علم ہے کہ مہینہ ختم ہونے میں
کتنے دن رہ گئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں چند ہی دن ہیں۔
بولا: صرف چار دن رہ گئے ہیں! اس کے بعد تم سے قرض
وصول کر لوں گا، ورنہ تمھیں پہلے کی طرح میری بکریاں
چرانی پڑیں گی۔ مجھے اس سے ایسی کوفت ہوئی جو شاید
اور لوگوں کو نہ ہوتی ہوگی۔ عشاء ادا کرنے کے بعد حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس ہوئے اور میں اجازت لے
کر اندر داخل ہؤا، اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ
پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ اس مشرک نے جس سے
میں نے قرض لیا تھا، مجھے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ اس وقت
میرا قرض ادا کرنے کے لیے نہ حضورؐ کے پاس کچھ
ہے نہ میرے پاس۔ اس لیے مجھے اجازت دیجئے
کہ میں کسی مسلمان قبیلے کی طرف چل دوں، تا آنکہ

فأذن لی ان آبق الی بعض هؤلاء
الاحیاء الذین اسلموا حتی یرزق
الله رسوله مایقضی عنی فخرجت
حتی اتیت منزلی فجعلت سیفی و
جرابی ونعلی ومجنی عند رأسی حتی
اذا انشق عمود الصبح الاوّل اردت
ان انطلق فاذا انسان یدعو یا بلال
اجب النبی صلی الله علیه وسلّم
فانطلقت حتی اتیته فاذا اربع
رکائب مناخات عند الباب علیهن
احمالهن فاستأذنت فقال لی
ابشر فقد جاء الله بقضائک
ثم قال ألم تر الرکائب المناخات
الاربع؟ قلت بلی قال فان
لک رقابهن وما علیهن و
ان علیهن کسوة وطعاما
اهداهن الیّ عظیم فدک
فاقبضهن واقض دینک
ففعلت ثم انطلقت الی المسجد
فاذا فیه النبی صلی الله علیه وسلّم
قاعد فسلمت علیه فقال ما
فعل ما قِبلک؟ فقلت قضی الله
کل شیٔ کان علی رسول الله صلی الله
علیه وسلّم قال أَفَضَلَ شیٔ؟
قلت نعم قال انظر ان تریحنی منه
فانی لست بداخل علی احد من

اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے لیے ادائے قرض کا سامان
کرے۔ غرض میں وہاں سے سیدھا اپنی قیام گاہ پر
آیا اور اپنی تلوار، نیام (یا چرمی برتن) جوتا اور
ڈھال اپنے بچۂ شتر پر رکھا اور جب صبح کی پہلی پَو
پھٹی تو میں نے روانگی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں ایک
آدمی آیا اور کہنے لگا کہ: بلالؓ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم
یاد فرماتے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُونٹوں
کی چار قطاریں دروازے پر بیٹھی ہوئی ہیں اور اُن پر
اسباب لدا ہوا ہے۔ میں اجازت لے کر اندر داخل ہوا تو
فرمایا! خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے قرض
کی ادائیگی کا سامان کر دیا ہے۔ وہ اونٹوں کی چار قطاریں
بیٹھی ہوئی دیکھ رہے ہو نا؟ میں نے عرض کیا: ہاں
یا رسول اللہ! فرمایا: یہ سارے اُونٹ مع اس
اسباب کے سب تمھارے قبضہ و انتظام میں ہیں۔
ان پر کپڑے اور غلے ہیں۔ جو سردار فدک نے مجھے
ہدیے میں بھیجے ہیں، ان کو اپنے قبضے میں لو اور
اپنا قرض بھی ادا کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔
اس کے بعد میں مسجد میں گیا تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: اسباب کیا ہوا۔؟
میں نے عرض کیا! اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا سارا قرض ادا کر دیا۔ فرمایا: کچھ بچ
بھی گیا؟ عرض کیا، ہاں! فرمایا: میں اس کا منتظر
ہوں کہ اس بچے ہوئے سے مجھے کب نجات دلاتے ہو۔
میں اس وقت تک اپنے حجرے میں نہ جاؤں گا
جب تک مجھے اس سے بھی نجات نہ دلا دو (یعنی

اھلی حتی متی یجئی منه فلما صلی العتمة دعانی فقال ما فعل الذی قبلك؟ قلت ھو معی لم یأتنا احد فبات صلی الله علیه وسلّم فی المسجد و اقام فیه حتی صلی العتمة یعنی من الغد ثم دعانی فقال ما فعل الذی قبلك؟ فقلت قد اراحك الله منه فکبر وحمد الله وا ماکان یفعل ذلك شفقا من ان یدرکه الموت وعنده ذلك ثم اتبعته حتی جاء ازواجه مسلم علی امرأة امرأة حتی اتی التی عندھا مبیته فھذا الذی سألتنی عنه - (ابوداؤد)

راہ خدا میں دے کر مجھے سکون و راحت پہنچاؤ) جب صلی اللہ علیہ وسلم عشاء ادا فرما چکے، تو مجھے بلا کر پوچھا: کہو کیا ہوا اس کا ؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو اس کی فکر سے بھی نجات دے دی۔ حضورؐ نے اظہارِ تشکر کے لیے تکبیر و تحمید فرمائی حضورؐ کا یہ عمل اس لیے رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مال باقی رہ جائے اور موت آجائے۔ اس کے بعد میں حضورؐ کے ساتھ ہولیا اور حضورؐ نے ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جا کر سلام فرمایا اور آخر میں وہاں تشریف لے گئے جہاں کی باری تھی — یہی ہے وہ حقیقت جو تم (اے عبداللہ ہوزنی!) نے مجھ سے دریافت کی تھی۔

۸۸ - کل کے لیے ذخیرہ :

(انسؓ) کان النبی صلی الله علیه وسلّم لا یدّخر شیئًا لغد - (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کچھ بھی ذخیرہ نہ فرماتے تھے۔

۸۹ - جمع شدہ مال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بےچینی :

(عقبۃ بن الحارث) انه صلّی وراء النبی صلی الله علیه وسلّم العصر فسلم ثم قام مسرعًا یتخطی رقاب الناس الی بعض حجر نسائه ففزع الناس من سرعته فخرج علیھم فرأی انھم قد عجبوا من سرعته فقال ذکرت شیئًا من تبر عندنا فکرھت ان یبیت عندنا فامرت بقسمته - (بخاری، نسائی)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازِ عصر ادا کی۔ سلام پھیرتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیزی کے ساتھ لوگوں کو پھاندتے ہوئے کسی زوجۂ مطہرہ کے حجرے میں تشریف لے گئے لوگوں پر اس تیز رفتاری کی وجہ سے ایک دہشت سی طاری ہوئی، جب حضور واپس تشریف لائے اور لوگوں کو اس تیز روی سے حیرت زدہ سا محسوس کیا تو فرمایا: مجھے ایک سونے کا ڈلا یاد آگیا جو میرے پاس رکھا تھا۔ مجھے یہ پسند نہ ہوا، کہ یہ رات تک میرے پاس رکھا رہے۔ اسے تقسیم کرنے کا حکم دے کر آیا ہوں۔

۹۰ - حوصلۂ نبوت :

(ابوہریرۃؓ) لو کان عندی مثل أحد ذھبًا لسرنی ان لا یمر علی ثلاث لیال وعندی منہ شئ الا شئ ارصدہ لدین - (شیخین)

میرے پاس کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا ہوتا تو میری مسرت اس میں ہوتی کہ تین دن کے بعد میرے پاس اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، صرف اتنا رہ جائے جسے میں قرض ادا کرنے کے لیے رکھ لوں ۔

۹۱ - قابلِ عبرت تاسف :

(ابووائلؓ) جاء معاویۃ الی ابی ھاشم بن عُتبۃ وھو مریض یعودہ فوجدہ یبکی فقال یا خالی ما یبکیك ؟ أوَجع یشئزك ام حرص علی الدُّنیا ؟ قال کَلّا ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد الینا عھدا لم اخذ بہ قال وماذاك قال سمعتہ یقول انما یکفی من جمع المال خادم ومرکب فی سبیل اللہ واجد فی الیوم قد جمعت - وزاد رزین : فلما مات حصل ما خلف فبلغ ثلاثین درھما وحُسِب فیہ القصعۃ التی کان فیھا یعجن ویأکل - (ترمذی، نسائی)

ابوہاشم بن عتبہؓ بیمار پڑے تو امیر معاویہؓ ان کی عیادت کو گئے - ابوہاشم اس وقت رو رہے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ : آپ رو تے کیوں ہیں ؟ کوئی تکلیف ہے یا حیاتِ دنیا کی طلب بے آرام کر رہی ہے۔ جواب دیا : ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں۔ بلکہ بات صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا جس پر میں قائم نہ رہ سکا۔ معاویہؓ نے پوچھا : وہ کیا عہد تھا ؟ ابوہاشم نے کہا : میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ : آدمی کے لیے صرف ایک خادم اور ایک سواری جو فی سبیل اللہ ہو کافی ہے۔ اس سے زیادہ مال جمع رکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میرے پاس اس وقت اس سے کچھ زیادہ مال موجود ہے۔ رزین کی روایت میں اس سے آگے الفاظ یہ ہیں کہ : جب ان کی وفات ہوئی تو ابوہاشم کی کُل جمع پونجی جو وہ چھوڑ گئے تیس درہم کی مالیت تھی جس میں وہ پرات (پیالہ) بھی شامل تھا جس میں آٹا گوندھتے اور کھانا کھاتے تھے۔

اخلاق رذیلہ

۹۲ - صحابہؓ کی بُرائی کرنے پر تنبیہ :

(ابن مسعودؓ) رفعہ : لا یبلغنی احد

میرے کسی صحابی کے متعلق کوئی شخص بُری بات مجھ سے

عن احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیهم وانا سلیم الصدر۔
(ابوداؤد، ترمذی)

نہ کہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اُن لوگوں کے سامنے آؤں تو صاف سینہ لے کر آؤں۔

گانا بجانا

۹۳۔ عورتوں کا گانا سُننا اور حبشیوں کے کرتب دیکھنا:

(عائشہؓ) دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحوّل وجهه ودخل ابوبکرؓ فانتهرنی وقال مزمارة الشیطان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ فاقبل علیه صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعهما فلما غفل غمزتهما فخرجتا وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب فی المسجد فاما سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما قال تشتهین تنظرین؟ فقلت نعم فاقامنی وراءه خدی علی خده ويقول دونكم يا بنی ارفدة حتی اذا مللت قال حسبك؟ قلت نعم فاذهبی۔
(شیخین، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، اُس وقت دو چھوکریاں جنگ بُعاث کے گانے گا رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لے آئے۔ اور مجھے ڈانٹ کر کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور یہ شیطانی گیت؟ حضورؐ نے جناب ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: رہنے دو ان بیچاریوں کو۔ اس پر جب وہ خاموش ہو گئے تو میں نے ان دونوں چھوکریوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ اس روز عید بھی تھی اور حبشی مسجد میں اپنی ڈھالوں اور نیزوں کے کرتب دکھا رہے تھے۔ اس کے بعد میرے پوچھنے پر یا از خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تمھیں (حبشیوں کا کھیل) دیکھنے کی خواہش ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! اس پر حضورؐ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا کہ میرا رخسارہ رخسارۂ نبویؐ سے ملا ہوا تھا۔ (یعنی حضورؐ کے کاندھے پر میری ٹھوڑی تھی) حضورؐ فرماتے جاتے: ہاں بنی ارفدہ (یعنی حبشیو) دکھاؤ اپنے کرتب آخر میں میں کھڑے کھڑے اُکتا گئی تو حضورؐ نے فرمایا بس؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: تو اب جاؤ۔

۹۴۔ گانے والیوں کی اصلاح :

(الربیع بنت معوذ) جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین بنی علی فدخل بیتی وجلس علی فراشی فجعل جویریات لنا یضربن بالدف و یندبن من قتل من آبائهن یوم بدر اذ قالت احداهن وفینا نبی یعلم ما فی غد" فقال لها صلی اللہ علیہ وسلم دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین۔

(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

جب میری رخصتی ہو چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانے پہ جلوہ افروز ہوئے اور میرے ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ چند لڑکیاں دف بجا بجا کر اپنے بدر میں شہید ہونے والے بزرگوں کی مدح سرائی کرنے لگیں ایک نے مصرعہ گایا کہ: "فینا نبی یعلم ما فی غد" "ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ نہ کہو۔ وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھیں۔

لہو ولہب

۹۵۔ گڑیا کھیلنا :

(عائشةؓ) کنت العب بالبنات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکن یأتین صواحبی فکن ینقمعن منہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یسربهن فیلعبن معی۔ (شیخین، ابوداؤد)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ میری سہیلیاں آتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرما کر اوٹ میں ہو جاتیں۔ اس وقت حضورؐ انھیں بلا کر میرے پاس بھیج دیتے۔

لعن وطعن

۹۶۔ دشمن پر بددعا سے پرہیز :

(ابوہریرہؓ) قیل للنبی صلی اللہ علیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار درخواست کی

وسلم ادع اللہ علی المشرکین والعنہم فقال انی انما بعثت رحمۃ ولم ابعث لعانا ۔ (مسلم)

گئی کہ مشرکین کے لیے بد دُعا فرما دیجیے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ : میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں نہ کہ لعنت (بد دُعا) کرنے والا بنا کر ۔

۹۷ ۔ نبوّت کا قابو زبان پر :

(انسؓ) لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبابا ولا فاحشا ولا لعانا کان یقول لاحدنا عند المعتبۃ مالہٗ تربت یمینہ وفی روایۃ : تربت جبینہ ۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ گالیاں دیا کرتے تھے ، نہ فحش گوئی و لعنت کیا کرتے تھے ۔ ہم میں سے جب کسی پر عتاب فرماتے تو زیادہ سے زیادہ یہ فرماتے کہ اسے کیا ہو گیا ہے ، اس کا ہاتھ خاک آلود ہو یا اس کی پیشانی خاک آلود ہو ۔

۹۸ ۔ بشریت رسولؐ کے تقاضوں کی عجیب تلافی :

(ابو ھریرۃؓ) رفعہ : اللّٰھم انی اتخذ عندک عھدا لن تخلفنیہ فانما انا بشر فای المؤمنین اذیتہ شتمتہ لعنتہ جلدتہ فاجعلھا لہ صلوۃ زکوۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک یوم القیامۃ ۔ (شیخین)

اے اللہ ! میں تجھ سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں ۔ ایسا عہد جسے تُو کبھی نہ توڑے ۔ مَیں ایک بشر ہوں ۔ اگر میں نے کبھی کسی مومن کو ایذا پہنچائی ہو ، گالی دی ہو ، لعنت کی ہو یا کوڑا لگایا ہو تو بروزِ حشر ان سب چیزوں کو اُس کے لیے سراپا دُعائے پاکیزگی اور باعثِ قربِ الٰہی بنا دے ۔

مزاح

۹۹ ۔ مزاح نبویؐ کا انداز :

(ابو ھریرۃؓ) قالوا یارسول اللہ انک لتداعبنا قال انی لا اقول الا حقا ۔ (ترمذی)

بعض لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ! حضورؐ تو ہم لوگوں سے مزاح بھی فرماتے ہیں ۔ ؟ فرمایا کہ : ہاں ! مگر کہتا ہوں حق ہی ۔

۱۰۰۔ مزاحِ نبویؐ ایک سائلہ سے :

(انسؓ) ان امرأة اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت احملنا علی بعیر فقال احملکم علی ولد الناقة قالت وما نصنع بولد الناقة؟ فقال هل یلد الابل الا النوق۔

ایک عورت نے درخواست کی کہ: یا رسول اللہ! ہمارے لیے اُونٹ کی سواری مہیا فرما دیجئے۔ فرمایا: میں تمہارے لیے اُونٹ کا بچّہ مہیّا کر دوں گا۔ کہنے لگی۔ ہم اُونٹ کا بچہ لے کر کیا کریں گے؟ فرمایا: کیا بڑا اُونٹ اُونٹ کا بچہ نہیں ہوتا۔

شعر کہنا اور سُننا

۱۰۱۔ حسّانؓ بن ثابت کی عزّت افزائی :

(عائشہؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یضع لحسان منبرًا فی المسجد لیقوم علیہ فانما یفاخر عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اوینافح فیقول صلی اللہ علیہ وسلّم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح اوفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسّانؓ بن ثابت کے لیے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ چڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت اور مدافعت کا فرض انجام دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ: جب تک حسّانؓ، رسولؐ کی طرف سے مفاخرت و مدافعت کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ، روح القدس سے اُن کی تائید فرماتا رہتا ہے۔

رحم و کرم

۱۰۱۔ رحمۃٌ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ رحمت ایک اُونٹ پر :

(عبداللہ بن جعفرؓ) اردفنی رسول اللہ

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھے اپنے

صلی اللہ علیه وسلم خلفه ذات یوم فاسرّالی حدیثا لا احدث به احدا من الناس وکان احبّ ما استتر به لحاجته هدفاً او حائش نخل
فدخل حائطاً لرجل من الانصار فاذا فیه جمل فلما رأی النبی صلی اللہ علیه وسلم حنّ وذرفت عیناه فاتاه صلی اللہ علیه وسلم فمسح ذفراه فسکت فقال من رب هذا الجمل؟ لمن هذا الجمل؟ فجاء فتی من الانصار فقال لی یارسول اللہ فقال له افلا تتقی اللہ فی هذه البهیمة التی ملّکك اللہ ایاها؟ فانه شکی الی انك تجیعه وتدئبه

(ابوداؤد)

پیچھے سواری پر بٹھا لیا اور مجھے ایک ایسی رازدارانہ بات بتائی جسے میں کسی سے بیان نہیں کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس تنہائی کے لیے یا تو کوئی اونچی جگہ پسند فرماتے تھے یا وہ جگہ جہاں گنجان درخت ہوں۔ حضورؐ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک اونٹ نظر آیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے نبی کریم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی گُدّی پر ہاتھ پھیرا وہ خاموش ہو گیا حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آکر عرض کیا کہ: میرا ہے یا رسول اللہ! فرمایا: اس چوپائے کے معاملے میں تم اُس خدا کا خوف نہیں رکھتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ اس نے ابھی مجھ سے گلہ کیا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت محنت لیتے ہو۔

۱۰۲ - چڑیا پر رحم:

(عبدالرحمٰن بن عبداللہ)

عن ابیه: کنّا مع النبی صلی اللہ علیه وسلّم فی سفر فانطلق لحاجته فرأینا حُمَّرَةً معها فرخان فاخذنا فرخیها فجاءت الحمرة فجعلت تعرش فلمّا جاء صلّی اللہ علیه وسلّم قال من فجع هذه بولدها؟ ردوا ولدها الیها ......

(ابوداؤد)

ہم لوگ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضورؐ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم لوگوں نے ایک حمّرہ (ایک قسم کا پرندہ) دیکھا جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ ہم نے بچے پکڑ لیے۔ حمّرہ آیا اور ہمارے سروں پر پھڑپھڑانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو فرمایا: کس نے اس کے بچے لے کر اسے بے قرار کر دیا ہے؟ اس کے بچے اسے واپس دے دو۔

مناقب

ابراہیمؑ

۱۰۳۔ بہترین مخلوقات کون ہے؟

(انسؓ) جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا خیر البریۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ذاک ابراھیم خلیل اللہ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ: اے خیر بریّہ (اے بہترین مخلوقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شان تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ہے[1]

اسحاقؑ

۱۰۴۔ ذبیح اللہ کون ہے؟:

(العباسؓ) رفعہ: الذبیح اسحاق۔ (بزار بلین)

ذبیح اللہ اسحاقؑ ہیں (یا اسحاق بھی ہیں)[2]

خاتم الانبیاءؐ

۱۰۵۔ خاتم النبیینؐ کا صحیح مقام:

(ابوھریرۃؓ) رفعہ: ان مثلی ومثل

میری اور جو انبیا مجھ سے پہلے گزرے ہیں ان کی

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی "خیر البریہ" ہیں لیکن اپنے لیے عبدہ و رسولہ سے بہتر کوئی لقب نہیں سمجھتے۔ [2] سیدنا اسمٰعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے پر بھی بہت سے شواہد ہیں۔ ہم نے یہ روایت اس لیے درج کی ہے کہ ہمیں ذبیح اللہ کی شخصیت سے اتنی بحث نہیں ہونی چاہیے جتنی کہ جذبۂ ذبیحیت سے ہونی چاہیے۔ ذبیح اللہ کوئی ہو، ایک ہو، یا دونوں ہوں۔ ہمیں تو اپنے اندر وہ جذبۂ قربانی پیدا کرنا ہے خواہ کسی نام سے ہو۔

الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة من زوایاه فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له و یقولون هلا وضعت هذه اللبنة؟ فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ (شیخین)

مثال یوں ہے جیسے کسی نے ایک بڑی خوب صورت اور عمدہ عمارت بنائی ہو اور اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو۔ لوگ اس عمارت کے گرد گھوم گھوم کر حیرت زدہ ہو رہے ہوں اور یہ کہہ رہے ہوں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ بس سمجھ لو کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

۱۰۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو:

(عائشہؓ) کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فصل یفہمه کل من سمعه۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اتنی صاف ہوتی تھی کہ ہر سننے والا اسے بخوبی سمجھ لیتا تھا۔

۱۰۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت:

(انسؓ) .... کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس و کان اجود الناس و کان اشجع الناس ولقد فزع اهل المدینة ذات لیلة فانطلق ناس من قبل الصوت فتلقاهم صلی اللہ علیہ وسلم راجعا وقد سبقهم الی الصوت

.... حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسن میں، سخاوت میں اور شجاعت میں تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ مدینے کے لوگ ایک رات (ایک آواز سے) ڈر گئے اور سب اسی آواز کی طرف دوڑ پڑے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے واپس آرہے ہیں یعنی اس آواز کی طرف سب سے پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا نکل پڑے تھے۔

۱۰۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے یکساں تھے:

(انسؓ) کانت الامة من اماء المدینة لتاخذ بید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے کی کوئی لونڈی بھی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیتی تو حاجت برآری

لہ "اخذ ید" محاورہ ہے جس کا صحیح ترجمہ ہماری زبان میں دست گیری کرنا یا چاہنا ہے۔

فتنطلق به حيث شاءت - (بخاری)

کے لئے جہاں چاہتی لے جاتی -

۱۰۹- قابلِ اقتدا اُسوۂ نبوی ؐ:

(انسؓ) كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا استقبله الرجل فصافحه لا ينزع يده من يده حتى يكون الرجل ينزع يده ولا يصرف وجهه عن وجهه حتى يكون الرجل هو يصرفه ولم يُرَ مقدمًا ركبته بين يدى جليس له -

(ابوداؤد، ترمذی بلفظه)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کا سامنا ہوتا اور وہ مصافحہ کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اور اپنا رخ مبارک اس طرف سے نہ ہٹاتے تاآنکہ وہ خود ہی اپنا رخ بدل لے اور اپنے کسی ہم نشین سے آگے اپنا زانو نہ بڑھاتے ۔

۱۱۰- کاشانۂ نبوّت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل:

(الاسودؓ) سألت عائشةؓ ما كان النبی صلی الله عليه وسلم يصنع فی بيته؟ قالت كان يكون فی مهنة اهله فاذا حضرت الصلوة يتوضأ ويخرج الى الصلوة -

(مسلم، ترمذی)

میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا شغل رہتا تھا ؟ انہوں نے کہا کہ : اپنے گھر والوں کا کام کاج کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو وضو کرکے نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے ۔

۱۱۱- گستاخی کا جواب:

(ابوھریرۃؓ) كان النبی صلی الله عليه وسلم يجلس معنا فی المسجد يحدثنا فاذا قام قمنا قيامًا حتى نراه قد دخل بعض بيوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ مسجد میں ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو فرماتے جب حضورؐ اٹھ کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی اٹھ جاتے اور ہماری آنکھوں کے سامنے کسی حجرہ

انه وليه فحدثنا يوماً فقمنا حين قام فنظرنا الى اعرابي قد ادركه فجبذه بردائه فحمر رقبته وكان رداء خشنا فالتفت اليه فقال له الاعرابي احملني على بعيريَّ هذين فانك لا تحملني من مالك ولا مال ابيك فقال صلى الله عليه وسلم لا واستغفر الله لا واستغفر الله لا واستغفر الله لا احملك حتى تقيدني من جبذتك التي جبذتني فكل ذلك يقول له الاعرابي والله لا اقيدكها فذكر الحديث قال ثم دعا رجلا فقال له احمِلّ له على بعيريه هذين على بعير شعيرا وعلى الآخر تمراً ثم التفت الينا فقال انصرفوا على بركة الله۔ (ابوداؤد، نسائی)

ام المؤمنین میں چلے جاتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمانے کے بعد اُٹھے اور ہم لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور حضورؐ کی چادر کو جو موٹی اور سخت تھی اس زور سے جھٹکا دے کر کھینچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن اس کی رگڑ سے سرخ ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو وہ اعرابی بولا: میرے ان دونوں اونٹوں کو خوراک سے لاد دو، تم جو کچھ دوگے وہ نہ تمہارا مال ہے نہ تمہارے باپ کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ:

لا واستغفر اللہ (بے شک یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے باپ کا اور میں نے ایسا سمجھا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار ہوں) پھر فرمایا کہ: جب تک تم چادر کھینچ کر رگڑ ڈالنے کا بدلہ نہ لینے دوگے میں تمہیں خوراک نہ دلواؤں گا۔ حضورؐ جب یہ فرماتے تو وہ اعرابی یہ جواب دیتا کہ: بخدا میں اس کا بدلہ نہ لینے دوں گا۔ پھر حضورؐ نے ایک آدمی کو بلا کر فرمایا کہ: اس کے دونوں اونٹوں پر خوراک لاد دو۔ ایک پر جَو اور ایک پر کھجوریں۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کہ اللہ کی برکت لیے ہوئے اپنے اپنے گھر جاؤ۔

۱۱۲۔ سیرتِ رسول اللہؐ کی سب سے قوی شہادت:

(انسؓ) خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین واللہ ما قال لی اف قط ولا قال لشیٔ لم فعلت کذا و ھلا فعلت کذا۔ (شیخین، ابوداؤد، ترمذی)

میں نے دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ خدا کی قسم حضورؐ نے کبھی میری بات پہ اُف نہیں کی اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ: یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔

نبویؐ پیش گوئیاں

۱۱۳۔ کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی:

(جابر بن سمرۃؓ) رفعہ: اذا ھلك کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلك قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ (شیخین)

اس کسریٰ کے ختم ہو جانے کے بعد پھر کوئی دوسرا کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر کے خاتمے کے بعد کوئی اور قیصر نہ ہوگا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ان دونوں کے خزانوں پر قابض ہو کر راہ خدا میں خرچ کروگے۔

۱۱۴۔ توکل علی اللہ کی عجیب مثال:

(جابرؓ) غزونا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزاۃ قبل نجد فادرکنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القائلۃ فی واد کثیر العضاۃ فنزل تحت شجرۃ فعلق سیفہ بغصن من اغصانھا وتفرق الناس فی الوادی یستظلون بالشجر فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا اتانی وانا نائم فاخذ السیف فاستیقظت وھو قائم علی راسی والسیف صلتا فی یدہ فقال من یمنعك منی قلت اللہ فشام السیف فھا ھو ذا جالس ثم لم یعرض لہ وکان ملك قومہ فانصرف حین عفی عنہ فقال لا اکون فی قوم ھم حرب لك (شیخین)

ہم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نجد کی طرف ایک غزوے کی شرکت کی۔ دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے میدان میں فروکش ہوئے جہاں بکثرت خاردار جھاڑیاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنی تلوار ایک شاخ میں لٹکا دی۔ دوسرے لوگ اس میدان میں درختوں کے سائے تلے دم لینے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اس موقعے پر ایک واقعہ ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: ایک شخص میرے پاس آیا۔ میں سو رہا تھا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں لے لی۔ میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے سر پر کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ: تمھیں اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ بچائے گا۔ یہ سُن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ دیکھو وہ شخص وہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس کی طرف کوئی تعرض نہ فرمایا۔ وہ اپنی قوم کا سردار تھا جب اسے معاف کر دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں ایسی قوم میں نہ ہوں گا جو حضورؐ سے برسرِ پیکار ہو۔

۱۱۵۔ عبداللہ بن سلام کا اسلام اور یہود کا متضاد تبصرہ:

(انس رضؓ) .. .. ثم قال یا رسول اللہ ان الیھود قوم بُھتٌ ان علموا باسلامی قبل ان تسألھم بھتونی عندك فجاءت الیھود و دخل عبد اللہ البیت فقال صلی اللہ علیہ وسلم ای رجل فیکم عبد اللہ بن سلام؟ قالوا اعلمنا و ابن اعلمنا واخیرنا وابن اخیرنا فقال صلی اللہ علیہ وسلم افرأیتم ان اسلم عبد اللہ؟ قالوا اعاذہ اللہ من ذلك فخرج عبد اللہ الیھم فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ قالوا شرنا ابن شرنا ووقعوا فیہ۔ زاد فی روایۃ: قال ھذا الذی کنت اخافہ یارسول اللہ

(بخاری)

..... (عبداللہ بن سلام ؓنے جو یہودیوں کے حبر تھے چند سوال و جواب کے بعد اسلام قبول کیا اس کے بعد عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہماری قوم یہود حیرت افزا حد تک بہتان طراز واقع ہوئی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں نہ بتائیں تو میرے اسلام لانے کا حال معلوم ہونے پر وہ حضورؐ کے سامنے وہ وہ تہمتیں تراشیں گے کہ حیرت ہونے لگے گی۔ اتنے میں کچھ یہود آگئے اور عبداللہ بن سلام دوسرے کمرے میں چھپ گئے۔ حضورؐ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ: تم میں یہ عبداللہ بن سلام کس مرتبے کے آدمی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ: سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عالم کے فرزند، بہترین انسان اور بہترین انسان کے جگر گوشے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ: اچھا تو ذرا یہ سہی اگر وہ اسلام قبول کر لیں؟ کہنے لگے کہ خدا آں کو اس سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد ہی عبداللہ بن سلام نے باہر نکل کر کہا کہ: اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمداً رسول اللہ۔ یہ سن کر یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ: یہ بدترین خلائق ہے اور اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے بعد اور بھی بہت کچھ طعن کرتے رہے۔ دوسری روایت میں اس کے بعد عبداللہ بن سلام کا یہ قول بھی ہے کہ: حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا؟ یہ خطرہ مجھے پہلے ہی تھا۔

۱۱۶۔ فتح ایران و روم کی خوش خبری:

(رجل من الصحابۃ) لما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحفر الخندق عرضت لھم صخرۃ حالت بینھم

غزوۂ احزاب کے موقعے پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو کھدائی میں ایک بڑا پتھر بیچ میں رکاوٹ بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ

وبين الحفر فقام صلى الله عليه وسلم واخذ المعول ووضع رداءه ناحية الخندق وقال وتمت كلمات ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم فبدر ثلث الحجر وسلمان الفارسي ينظر فبرق مع ضربته صلى الله عليه وسلم برقة ثم ضرب الثانية وقال وتمت كلمات ربك الآية فبدر الثلث الآخر فبرقت فرأها سلمان ثم ضرب الثالثة وقال تمت كلمات ربك الآية فبدر الثلث الباقي وخرج صلى الله عليه وسلم واخذ رداءه وجلس قال سلمان يا رسول الله رأيتك حين ضربت ما تضرب ضربة الا كانت معها برقة قال له يا سلمان رأيت ذلك؟ قال اي والذي بعثك بالحق قال فاني حين ضربت الضربة الاولى رفعت لي مدائن كسرى وما حولها ومدائن كثيرة حتى رأيتها بعيني فقال من حضر من اصحابه يا رسول الله ادع الله ان يفتحها علينا و يغنمنا ذراريهم ويخرب

وسلم کو معلوم ہوا تو اُٹھے اور ہاتھ میں کدال لے لی۔ اپنی چادر خندق کے کنارے رکھ دی۔ اور یہ آیت پڑھتے ہوئے ایک ضرب لگائی کہ: وَتَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ[1] صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم (تیرے ربّ کی بات صدق اور عدل میں پوری ہو چکی اس کے قوانین فطری کو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے) اس ضرب سے ایک تہائی پتھر نکل آیا اور ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوئی۔ سلمان فارسیؓ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر یہی آیت پڑھتے ہوئے ایک دوسری ضرب لگائی جس سے اسی طرح ایک روشنی چمکی اور ایک تہائی پتھر اور باہر آ گیا۔ پھر تیسری ضرب یہی آیت پڑھتے ہوئے لگائی جس سے اسی طرح ایک نور چمکا اور پتھر کی آخری تہائی بھی باہر نکل آئی۔ یہ سب کچھ سلمانؓ بغور دیکھتے رہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر لی اور بیٹھ گئے۔ سلمانؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ضرب کے ساتھ ایک روشنی کی چمک کیسی نظر آئی؟ فرمایا اے سلمانؓ! تم نے خود وہ چمک دیکھی تھی؟ عرض کیا ہاں! اسکی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے خود دیکھی۔ فرمایا: پہلی ضرب لگاتے ہی حجاب اٹھ گیا اور میں نے کسریٰ کے شہروں کو اور اس کے اردگرد کے بے شمار شہروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جو لوگ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ان شہروں کو ہمارے ہاتھوں سے فتح کرائے اور ان کی نسل کو ہمارا مال غنیمت بنائے اور ان شہروں کی

---

[1] آیت میں "كَلِمَةُ رَبِّكَ" ہے اور یہاں "كَلِمَاتُ رَبِّكَ" ہے ممکن ہے راوی کا سہو ہو۔

بايدينا بلادهم فدعا صلى الله عليه وسلم بذلك ثم ضربت الضربة الثانية فرفعت لي مدائن قيصر وما حولها حتى رأيتها بعيني فقالوا يا رسول الله فادع الله ان يفتحها علينا ويغنمنا ذراريهم ويخرب بايدينا بلادهم فدعا صلى الله عليه وسلم ثم ضربت الضربة الثالثة فرفعت لي مدائن حبشة وما حولها من القرى حتى رأيتها بعيني قال صلى الله عليه وسلم عند ذلك دعوا الحبشة ما ودعوكم و اتركوا الترك ما تركوكم (نسائی)

ویرانی ہمارے ہی ہاتھوں سے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ: جب میں نے دوسری ضرب لگائی اور پردہ اُٹھ گیا۔ تو قیصر اور اس کے اردگرد کے شہروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ کرامؓ نے پھر ویسی ہی دعا کی درخواست کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ: تیسری ضرب میں پردہ اُٹھا تو حبشہ اور اس کے اردگرد کی بستیوں کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اہلِ حبشہ تم سے تعرض نہ کریں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو۔ بلکہ تُرک بھی جب تک تمھیں نہ چھیڑیں تم بھی اُس وقت تک ان سے باز رہو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ

۱۱۷۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ابوهريرةؓ) ...... وما عرضت الاسلام على احد الا كانت له كبوة الا ابوبكرؓ فانه لم يتلعثم في قوله. (رزین)

کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کے سامنے میں نے اسلام پیش کیا ہو اور اس میں تامل و پژمردگی نہ پیدا ہوئی ہو۔ لیکن ابوبکر صدیقؓ نے اقرارِ حق میں ذرا بھی توقف نہیں کیا۔

۱۱۸۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

(ابوهريرةؓ) رفعه: من اصبح اليوم منكم صائماً؟ قال ابوبكرؓ انا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں سے پوچھا کہ: آج تم میں سے روزے دار کون ہے؟ ابوبکرؓ نے

قال فمن تبع اليوم منكم جنازة قال ابوبكرؓ انا قال فمن اطعم اليوم منكم مسكينا؟ قال ابوبكرؓ انا قال فمن عاد اليوم منكم مريضا؟ قال ابوبكر انا قال صلی اللہ علیہ وسلم ما اجتمعن فی رجل الا دخل الجنۃ۔

(مسلم)

جواب دیا: میں ہوں۔ پھر فرمایا: تم میں سے آج جنازے کے ساتھ کون گیا ہے؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا: مَیں۔ پھر پوچھا: تم میں سے آج کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا: مَیں نے۔ پھر دریافت فرمایا: تم میں سے کس نے آج مریض کی عیادت کی ہے؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا: میں نے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے اندر (ایک ہی دن میں) اتنی نیکیاں جمع ہو جائیں وہ جنّتی ہے۔

حضرت عُمر فارُوق رضؓ

۱۱۹۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

(عقبۃ بن عامرؓ) رفعہ: لقد کان فیمن کان قبلکم ناس محدّثون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی احد فانہ عمر۔

(شیخین)

گزشتہ اُمتوں میں بعض لوگ ایسے ہوتے تھے جو نبی تو نہ تھے مگر محدّث ہوتے تھے (جن سے اللہ تعالیٰ باتیں کرتا ہے) میری اُمّت میں اگر کوئی محدّث ہُوا تو وہ عمرؓ ہوں گے۔

۱۲۰۔ حضرت عمرؓ سے شیطان بھاگتا ہے:

(سعدؓ) استاذن عمرؓ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعندہ نسوۃ من قریش یکلمنہ عالیۃ اصواتھن علی صوتہ فلما استاذن عمرؓ علیہ فمن یبتدرن الحجاب

چند قریشی عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں اور بڑی اونچی آواز سے باتیں کئے جا رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت عمر فاروقؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اور یہ عورتیں جلدی جلدی اوٹ میں چھپنے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اجازت دی۔ اندر آئے تو حضور صلی اللہ

فاذن له فدخل وهو صلی اللہ علیه وسلم یضحك فقال عمرؓ اضحك اللہ سنك یا رسول اللہ بابی انت وامی ما اضحکك؟ قال عجبت من ھؤلاء اللاتی کن عندی فلما سمعن صوتك ابتدرن الحجاب قال عمرؓ فانت یا رسول اللہ لاحق ان یھبن ثم قال عمرؓ ای عدوات انفسھن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم؟ فقلن نعم انت افظ واغلظ من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال صلی اللہ علیه وسلم ایه یا ابن الخطاب والذی نفسی بیده ما لقیك الشیطان سالکا فجا الا سلك فجا غیر فجك۔ (شیخین)

علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ حضورؐ کو ہنستا رکھے میرے ماں باپ حضورؐ پر صدقے ہوں۔ اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ان عورتوں پر ہنسی آئی جو ابھی میرے پاس بیٹھی تھیں، تمہاری آواز سنتے ہی یہ سب اوٹ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! ان کو کسی اور کی بہ نسبت حضورؐ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ پھر ادھر متوجہ ہو کر کڑکے کر: اے اپنی جانوں کی دشمن! تم پر میری ہیبت طاری ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ہیبت طاری نہیں ہوتی۔؟ کہنے لگیں: ہاں بات تو یہی ہے، کیونکہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سخت مزاج اور درشت کلام ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے ابن خطابؓ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ شیطان جب تمہیں کسی راستے پر چلتا ہوا ملتا ہے تو وہ اس راستے سے کترا کر اور راستے پر ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ

۱۲۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

(عبد الرحمٰن بن خباب) شھدت النبیّ علیه وسلّم و یحث علی تجھیز جیش العسرة فقام عثمانؓ فقال یا رسول اللہ علیّ مائة بعیر

میں اس وقت موجود تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیش عسرت (غزوۂ تبوک) کا سامان مہیا کرنے کی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! فی سبیل اللہ میرے ذمے

باحلاسها واقتابها فی سبیل اللہ ثم حض علی الجیش فقام عثمانؓ فقال یا رسول اللہ علیّ مائتا بعیر باحلاسها واقتابها فی سبیل اللہ ثم حض علی الجیش فقام عثمانؓ فقال یا رسول اللہ علیّ ثلاث مائة بعیر باحلاسها واقتابها فی سبیل اللہ فانا رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عن المنبر و ھو یقول ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ۔ (ترمذی)

سو اونٹ مع اُن کے "احلاس واقتاب" کے ... نے پھر ترغیب دلائی حضرت عثمانؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں میرے ذمے دو سو اونٹ مع ان کے "احلاس واقتاب" کے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو ترغیب دلائی۔ عثمانؓ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! خدا کی راہ میں میرے ذمے تین سو اونٹ مع اُن کے "احلاس واقتاب" کے رہے۔ اس وقت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ: منبر سے یہ فرماتے ہوئے نیچے اُتر رہے ہیں کہ اس کے بعد عثمانؓ کچھ بھی کریں ان کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا (یعنی اُن سے کوئی مواخذے والا کام ہی نہیں ہوگا)۔

حضرت علیؓ

۱۲۲۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ:

(ام سلمہؓ) رفعتہ: لا یحب علیاً منافق ولا یبغضہ مؤمن۔ (ترمذی)

حضرت علیؓ سے کوئی منافق محبت نہیں رکھتا، اور کوئی مومن بغض نہیں رکھتا۔

(علیؓ) رفعہ: انا مدینة العلم وعلی بابها۔ (ترمذی)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کے دروازے ہیں۔

اسامہؓ اور زیدؓ

۱۲۳۔ اسامہ اور زید رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں:

(ابن عمرؓ) بعث النبی صلی اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جیش روانہ فرمایا۔

عليه وسلّم بعثاً وامّر عليهم اسامة بن زيد فطعن بعض الناس فی امارته فقال صلّی اللّٰه عليه وسلّم ان تطعنوا فی امارته فقد كنتم تطعنون فی امارة ابيه من قبل و ايم اللّٰه ان كان لخليقاً للامارة وكان لمن احب الناس الیّ وان هذا لمن احب الناس الیّ بعده۔
(شیخین، ترمذی)

اور اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں کو ان کی امارت پر اعتراض ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آج تم اس کی امارت پر معترض ہوتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے تم اُس کے باپ (زیدؓ) کی امارت پر بھی معترض ہو چکے ہو۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ اس کا اہل تھا اور یہ (اسامہؓ) بھی اپنے باپ کے بعد مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے۔

۱۲۴۔ اسامہؓ رسول اللہ کی نظروں میں:

(عائشةؓ) قالت عثر اسامة بعتبة الباب فشج فی وجهه فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلّم اميطی عنه الاذی فتقذرته فجعل يمص عنه الدم ويمجه عن وجهه ثم قال لو كان اسامة جارية لحليته وكسوته حتی انفقه ۔ (قزوينی)

اسامہؓ بن زیدؓ (بچپن میں) چوکھٹ پر پھسل کر گر پڑے اور ان کے چہرے پر زخم آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: عائشہؓ اس کا زخم صاف کر دو۔ مجھے گھن (کراہت) سی آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے زخم کو چوس چوس کر تھوکتے رہے۔ پھر فرمایا کہ: اگر اسامہؓ لڑکی ہوتا تو میں جی بھر کے اُسے زیور اور کپڑے پہناتا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

۱۲۵۔ اُمّتِ محمدیہ کا واحد درویش ابوذر غفاریؓ:

(ابراهيم بن الاشتر): ان اباذرؓ حضره الموت بالربذة فبكت امرأته فقال ما يبكيك؟ قالت ابكی انه لا يدلی بنفسك وليس عندی ثوب يسعك كفناً فقال لا تبكی فانی

ربذہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیوی رونے لگیں۔ آپ نے پوچھا کہ: روتی کیوں ہو؟ بولیں کہ: اس لیے رو رہی ہوں کہ تمھارے پاس کوئی مال نہیں اور میرے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں جو تمھارے کفن کے لیے کافی ہو۔ ابوذرؓ نے

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیموتن رجل منکم بفلاۃ من الارض لیشہدہ عصابۃ من المؤمنین فکل من کان معی فی ذلک المجلس مات فی جماعۃ و قریۃ ولم یبق منہم غیری و قد اصبحت بالفلاۃ اموت فراقبی الطریق فانک سوف تری ما اقول فانی ما کذبت ولا کذبت فبینما ھی کذلک اذا القوم تخب بہم رواحلہم حتی وقفوا علیہا فقالوا مالک؟ فقالت امرؤ من المسلمین تکفنوہ وتوجروا قالوا ومن ھو؟ قالت ابوذر ففدوہ بآبائہم وامہاتہم ووضعوا سیاطہم یبتدرونہ فقال ابشروا انتم النفر الذی قال فیکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما قال فانشدکم باللہ لا یکفننی رجل منکم کان عریفا او امیرا او بریدا فکل القوم قد نال من ذلک شیئا الا فتی من الانصار فقال عندی ثوبان فی عیبتی من غزل امی قالت انت صاحبی۔

(احمد، بزار)

کہا کہ: اس لیے مت رو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم (صحابہؓ) میں سے ایک شخص چٹیل میدان میں مرے گا اور مومنوں کی جماعت وہاں پہنچ جائے گی۔ اس وقت حضورؐ کی محفل میں جتنے آدمی تھے وہ سب کے سب یا تو کسی جماعت کی موجودگی میں مرچکے ہیں یا کسی بستی میں۔ اب ان میں سے میرے سوا کوئی بھی باقی نہیں۔ بس میں ہی اس میدان میں دم توڑ رہا ہوں تم راستے پر نظر جمائے رہو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ عنقریب ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی۔ نہ میں غلط کہہ رہا ہوں نہ مجھ سے غلط کہا گیا ہے۔ وہ انتظار کر رہی تھیں کہ ایک قافلہ نظر آیا جس کے اونٹ تیزی سے قدم بڑھاتے چلے آرہے تھے۔ یہ قافلہ ان کے پاس آکر کھڑا ہوگیا اور پوچھا کہ: تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ: ایک مردِ مومن ہے جس کی تکفین اور ثواب تمھارے سپرد ہے۔ قافلے والوں نے پوچھا وہ کون آدمی ہے؟ انھوں نے کہا: ابو ذرؓ۔ ابو ذرؓ کا نام سن کر وہ سب بول اٹھے کہ: تمھیں مبارک ہو تم ہی وہ جماعت ہو جس کے متعلق حضورؐ نے یہ پیش گوئی فرمائی ہے مگر میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر یہ فرمائش کرتا ہوں کہ میری تکفین کوئی ایسا آدمی نہ کرے جو حکومت کا مقرر کردہ چودھری امیر یا قاصد ہو۔ اتفاق سے اس قافلے میں کوئی ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی عہدے سے سرفراز نہ ہو۔ صرف ایک انصاری نوجوان اس سے مستثنیٰ تھا۔ اس نے کہا کہ: میرے تھیلے میں دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بنے ہوئے ہیں۔ ابو ذرؓ نے کہا: بس تم ہی میرے رفیق ہو۔

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب

۱۲۶۔ سید الشہداء کون ہے (حضرت حمزہؓ):

(ابن عباسؓ) رفعہ: سید الشہداء یوم القیامۃ حمزۃ بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونہاہ فقتلہ۔ (اوسط بضعف)

قیامت کے دن شہیدوں کے سردار ایک تو حمزہ بن عبد المطلب ہوں گے۔ اور دوسرا ہر وہ شخص ہو گا جو ظالم امام کے سامنے امر و نہی کا فرض ادا کرنے کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔

حضرت ورقہؓ بن نوفل

۱۲۷۔ ورقہ بن نوفل کا اسلام:

(عائشہؓ) رفعتہ: لا تسبّوا ورقۃ فانی رأیت لہ جنۃ او جنتین۔ (بزار)

ورقہ بن نوفل کو برا بھلا نہ کہو، میں نے اُن کے لیے ایک یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔

خدیجہؓ بنت خویلد

۱۲۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدیجہؓ سے قلبی تعلق:

(عائشہؓ) ما غرت علی احد من نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما غرت علی خدیجۃؓ قط وما رأیتھا قط ولکن کان یکثر ذکرھا وربما ذبح الشاۃ

مجھے کبھی کسی عورت پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا کہ خدیجہؓ پر آیا، حالانکہ میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے، بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بکری

ثم يقطعها اعضاء ثم يبعث في صدائق خديجة رضی اللہ عنہا وربما قلت له كأن لم يكن في الدنيا امرأة الا خديجة فيقول انها كانت وكانت وكان لي منها ولد۔ (شيخين، ترمذی)

ذبح فرماتے تو اس کے حصے کر کے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھی بھیج دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو میں کہہ دیتی کہ: کیا دنیا میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کوئی عورت ہی موجود نہیں؟ اُس وقت حضور ﷺ فرماتے کہ: وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں اور اُن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد بھی دی۔

مریم رضی اللہ عنہا، خدیجہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آسیہ رضی اللہ عنہا

۱۲۹۔ چار ممتاز ترین عورتیں:

(انس رضی اللہ عنہ) رفعه: حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة رضی اللہ عنہا بنت خويلد وفاطمة رضی اللہ عنہا بنت محمد وآسية رضی اللہ عنہا امرأة فرعون۔

(ترمذی)

دنیا کی عورتوں میں تو چار نمونے بس ہیں۔ مریم علیہا السلام بنت عمران، خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ رضی اللہ عنہا زوجہ فرعون۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا و علی رضی اللہ عنہ

۱۳۰۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں:

(عائشة رضی اللہ عنہا) سئلت اى الناس كان احب الى النبي صلى الله عليه وسلم؟ قالت فاطمة رضی اللہ عنہا قيل من الرجال؟ قالت زوجها ان كان ما علمت صواما قواما۔

(ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا۔؟ جواب دیا: فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ پوچھا گیا کہ: مردوں میں؟ بولیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شوہر۔ میرے علم کے مطابق وہ (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) بڑے ہی روزے دار اور شب زندہ دار تھے۔

حضرت عائشہ رض

۱۳۱ - عائشہ رض کی فضیلتِ علمی :

(ابوموسیٰ رض) ما اشکل علینا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسألنا عائشۃ الا وجدنا عندھا منہ علما ۔ (ترمذی)

ہم صحابہ نبوی کو جب بھی کسی حدیث میں دشواری پیش آئی اور ہم نے اُسے عائشہ رض سے دریافت کیا تو اس کا واقف کار پایا۔

۱۳۲ - علمِ عائشہ رض :

(الزھری) ارسلہ : لو جمع علم نساء ھذہ الامۃ فیھن ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عائشۃ رض اکثر من علمھن ۔ (کبیر)

اگر اس اُمت کی تمام عورتوں کا علم مع تمام ازواجِ مطہرات کے علم کے اکٹھا کیا جائے تو تنہا حضرت عائشہ رض کا علم ان سب سے زیادہ نکلے گا۔

زینب رض بنت جحش

۱۳۳ - زینب رض بنت جحش (اُمّ المؤمنین) .

(عائشۃ رض) قالت عائشۃ رض فارسلنا زینب رض بنت جحش وھی التی کانت تسامینی منھن فی المنزلۃ عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم ار امرأۃ قط خیرًا فی الدین من

.... اُم المؤمنین زینب بنت جحش ہی وہ عورت تھیں جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگاہوں سے میری برابری کرتی تھیں۔ میرے علم میں زینب رض تمام عورتوں سے زیادہ دین دار، خدا ترس اور راست گفتار تھیں۔ صلۂ رحمی میں سب سے

زینب وافقی لله واصدق حدیثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذالاً لنفسها فی العمل الذی تصدق به وتقرب به الی الله تعالیٰ..........

(شیخین، ترمذی، نسائی)

آگے اور صدقات دینے میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ کارِ خیر اور عمل تقرب کر کے بھی اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھتی تھیں۔

اُمّتِ محمدیؐ

۱۳۴ - یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے اجر کی تمثیل:

(ابو موسیٰؓ) رفعه: مثل المسلمین والیہود والنصاری کمثل رجل استأجر قوما یعملون له عملا الی اللیل علی اجر معلوم فعملوا له الی نصف النهار فقالوا لا حاجة لنا الی اجرك الذی شرطت لنا وعملنا باطل فقال لا تفعلوا اکملوا بقیة عملکم وخذوا اجرکم کاملاً فابوا وترکوا واستأجر آخرین بعدهم فقال اکملوا بقیة یومکم ولکم الذی شرطت لهم من الاجر فعملوا حتی اذا کان حین صلوٰة العصر قالوا لك ما عملنا باطل ولك الاجر الذی جعلت لنا فقال اکملوا بقیة عملکم فانما بقی

اہل اسلام، یہود اور نصاریٰ کی مثال یوں سمجھو کہ جیسے ایک شخص نے کچھ آدمیوں کو ایک مقررہ اُجرت پر صبح سے شام تک کی مزدوری پر لگایا۔ آدھا کام کرنے کے بعد وہ کہنے لگے کہ: تم نے جو مزدوری مقرر کی ہے ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور اب تک جو کچھ ہم کر چکے ہیں وہ رائیگاں (بے معاوضہ) ہی سہی۔ اس نے کہا کہ: بھئی! بقیہ دن بھی ختم کر لو اور اپنی پوری مزدوری لے لو۔ ان سب نے انکار کر دیا کام چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد اُس نے دوسرے آدمیوں کو اسی کام پہ لگایا اور کہا کہ: بقیہ دن ختم کر لو تو تمھیں پورے دن کی مزدوری مل جائے گی، جو میں نے اُن لوگوں سے طے کی تھی (یعنی کام چھوڑ جانے والوں سے) ان (دوسرے) لوگوں نے کام شروع کیا، اور جب عصر کا وقت ہوا تو کہنے لگے کہ: ہمارا کیا دھرا سب اکارت (بے اجرت) رہا اور جو مزدوری تم دینے

من النهار شیئ یسیر فابوا فا ستأجر قوما ان یعملوا بقیۃ یومھم فعملوا بقیۃ یومھم حتی غابت الشمس فاستکملوا اجر الفریقین کلیھما فذلک مثلھم ومثل ما قبلوا من ھذا النور۔ (بخاری)

وہ تم ہی کو مبارک ہو۔ اس نے کہا کہ : بقیہ دن پورا کرو اب تھوڑا ہی سا وقت رہ گیا ہے۔ مگر ان سب نے انکار کر دیا۔ آخر اس نے کچھ اور لوگوں کو بقیہ کام پر لگایا اور انھوں نے غروب آفتاب تک کام کرکے دونوں ہی فریقوں کی مزدوری پوری پوری لے لی۔ گزشتہ اُمتوں کی اور ان لوگوں کی جنھوں نے اس نور (اسلام) کو قبول کیا ہے، یہی مثال ہے۔

شفاعتِ اُمت

۱۳۵۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہے نیز شفیع دوسرے بھی ہوں گے :

(ابو سعیدؓ) رفعہ : (انما شفاعتی فی اھل الکبائر و انہ لیؤمر برجل الی النار فیمر برجل کان سقاہ شربۃ ماء علی ظماً فیعرفہ فیقول الا تشفع لی؟ فیقول ومن انت؟ فیقول الست انا سقیتک الماء یوم کذا وکذا؟ فیعرفہ فیشفع فیہ فیرد من النار الی الجنۃ۔ (رزین)

میری شفاعت (سفارش) ان لوگوں کے لیے ہے جو کبائر کے مرتکب ہوئے ہوں۔ بروزِ حشر ایک شخص کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا اور اس کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوگا جس کو اس نے کبھی پیاس کی حالت میں پانی پلایا تھا۔ وہ اسے پہچان کر کہے گا کہ : کیا تم میرے لیے شفاعت نہ کروگے؟ وہ پوچھے گا کہ : تم کون ہو؟ وہ کہے گا کہ : میں نے تم کو فلاں روز پانی نہیں پلایا تھا؟ پھر وہ اُسے پہچان لے گا اور سفارش کرے گا، جس کی وجہ سے وہ جہنم سے ہٹا کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

بنی دوس

۱۳۶۔ بنی دوس کے لیے دُعا (بحالتِ کفر)

(ابو ھریرۃؓ) جاء الطفیل بن عمرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طفیل بن عمرو دوسی

الدوسی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لوان دوسا قد ھلکت عصت وابت فادع اللہ علیھم فظن الناس انہ سیدعو علیھم فقال اللھم اھد دوسا وائت بھم۔
(شیخین)

نے آکر عرض کیا کہ: کاش! بنی دوس کے لوگ ہلاک ہو جاتے۔ کیونکہ انھوں نے نافرمانی کی ہے اور حق سے منہ موڑا ہے۔ حضورؐ ان کے لیے بد دعا فرمائیں۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے بددُعا فرمائیں گے لیکن حضورؐ نے یُوں دُعا فرمائی کہ: اے اللہ! بنی دوس کو ہدایت دے اور اُن کو مجھ سے ملا دے۔

۱۳۷۔ لباسِ نبویؐ:

(انسؓ) لبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصوف و احتذی المخصوف و اکل بَشَعًا ولبس خشنًا فقیل للحسن ما البشع: قال غلیظ الشعیر ما کان یسیغہ الا بجرعۃ ماء۔
(ترمذی بضعف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صوف (اُونی کپڑے) اور پیوندار جُوتی پہنی ہے۔ بَشَع کھایا ہے اور موٹا لباس پہنا ہے۔ حسنؓ سے دریافت کیا گیا کہ: بَشَع کیا چیز ہے؟ انھوں نے بتایا کہ: جَو کا موٹا آٹا جو پانی کے بغیر حلق سے نیچے نہ اُتر سکے۔

۱۳۸۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائشیں اور غذا:

(انسؓ) رفعہ: لقد اخفت فی اللہ مالم یُخَفْ احد واوذیت فی اللہ مالم یؤذَ احد قبلی ولقد اتی علیَّ ثلاثون من بین یوم ولیلۃ ومالی ولبلال طعام الا شیئٌ یواریہ ابط بلال۔ (ترمذی)

اللہ کی راہ میں جتنا خوف مجھے دلایا گیا ہے اور جتنی اذیت مجھے پہنچائی گئی ہے، مجھ سے پہلے کسی کو بھی اتنا نہ ڈرایا گیا ہے اور نہ اتنی ایذا دی گئی ہے۔ مجھ پر پورے مہینے کے دن اور راتیں ایسی بھی گذری ہیں جب کہ مجھے اور بلالؓ کو صرف اتنا کھانا نصیب ہوتا جو بلالؓ کی بغل میں چھپ جائے۔

۱۳۹۔ صحابہ کی غذائی حالت :

(ابن عمرؓ) ما شبعنا من تمر حتی فتحنا خیبر۔ (بخاری)

فتح خیبر سے پہلے ہم لوگوں نے پیٹ بھر کھجور بھی نہیں کھائی تھی۔

۱۴۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مالی حالت :

(عائشہؓ) ...... توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ودرعہ مرھونۃ عند یھودی فی ثلاثین صاعًا من شعیر۔ (شیخین، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسی حالت میں ہوئی تھی کہ ایک صاع جَو کے عوض حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

۱۴۱۔ پوشاکِ رسول اللہ کی قلت :

(عائشہؓ) ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یسب احدًا ولا یُطوی لہ ثوب۔ (قزوینی)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کو گالی دیتے نہیں دیکھا اور نہ یہ دیکھا کہ حضورؐ کا کوئی کپڑا تہہ کرکے رکھا گیا ہو۔

۱۴۲۔ تنگی میں صبر اور فراخی میں بے صبری :

(عبد الرحمٰن بن عوف) قال ابتلینا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالضراء فصبرنا ثم ابتلینا بالسراء بعدہ فلم نصبر۔

(ترمذی)

ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جب تنگی معاش میں مبتلا تھے تو صبر سے کام لیتے تھے۔ لیکن (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) جب فراخی کی آزمائش میں پڑے تو بے صبر ہو گئے۔

۱۴۳۔ فقر و غنا مال سے ہے یا دل سے ؟ :

(ابوذرؓ) یا ابا ذر تقول کثرۃ المال الغناء قلت نعم قال تقول

اے ابوذرؓ کیا مال کی کثرت کو تم امیری سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کیا : ہاں ! پھر فرمایا : کیا مال کی کمی کو

فلة المال الفقر؟ فقلت نعم فقال ذلك ثلاثا ثم قال الغنى فى القلب والفقر فى القلب من كان الغنى فى قلبه فلا يغنيه ما اكثر فى الدنيا وانما تصير نفسه كريما۔ (كبير بخفى)

تم فقر سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین بار فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ: غنا دل میں ہوتی ہے اور فقیری کا تعلق بھی دل ہی سے ہے۔ جس کے دل میں غنا ہو تو اسے دنیوی مال کی کثرت غنی نہیں کرتی، بلکہ اس کے دل میں یہ شرفِ غنا پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۴۴۔ مال کی موجودگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی:

(ام سلمةؓ) دخل علیّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم وھو ساھم الوجه فحسبت ذلك من وجع فقلت یا رسول اللہ مالك ساھم الوجه؟ فقال من اجل الدنانیر السبعة التی اتتنا امس امسینا ولم ننفقها۔ (احمد، موصلی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔ مجھے خیال ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں درد ہے۔ میں نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! حضورؐ کی تیوریاں کیوں چڑھی ہوئی ہیں۔ فرمایا: ان سات دیناروں کی وجہ سے جو میرے پاس کل آئے تھے۔ رات گذر گئی اور ہم نے ان کو تقسیم نہیں کیا۔

۱۴۵۔ رسولِ خدا کی غذائی پسند:

(عائشةؓ) اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقدح فیه لبن وعسل فقال شربتین فی شربة وادمین فی قدح لا حاجة لی به اما انی لا ازعم انه حرام اکره ان یسألنی اللہ عن فضول الدنیا یوم القیامة۔ (اوسط، بلدین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ لایا گیا، جس میں دودھ اور شہد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک حوض میں دو قسم کے پانی۔ اور ایک پیالے میں دو طرح کے سالن؟ مجھے یہ نہیں چاہیئے۔ میں اسے حرام نہیں سمجھتا، بلکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن دنیا کی زائد از ضرورت چیزوں کے متعلق باز پرس فرمائے۔

۱۴۴ - ابن عمرؓ کو نصیحتِ نبویؐ :

ابن عمرؓ اخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنکبی وقال کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وکان ابن عمر یقول اذا امسیت فلا تنتظر الصباح واذا اصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتک لمرضک ومن حیاتک لموتک۔ (بخاری، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مونڈھے پکڑ کر فرمایا کہ: دنیا میں تم اس طرح رہو، جیسے غریب الوطن یا مسافر رہتا ہے۔

ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ: جب شام ہو تو صبح کا اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار مت کرو۔ اپنی صحت سے اتنا ہی فائدہ اٹھاؤ جو مرض کے وقت کام آئے اور اپنی زندگی سے اتنا ہی فائدہ حاصل کرو جو موت کے لیے مفید ہو۔

۱۴۵۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ۔ ص ۴۶۵۔)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں خاتم النبیینؐ ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

۱۴۶۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ص ۵۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ رسولوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا۔